مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

کے اسرارِ شریعت اور معارفِ طریقت سے
بھرپور گرانقدر مجددانہ مکاتیب

مع رسالہ مبدأ و معاد

جلد دوم ـ سوم

مُترجم

حضرت مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی کُتب خانہ، اُردو بازار لاہور

نام کتاب	مکتوبات امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ (جلد دوم، سوم)
تالیف	مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمتہ اللہ علیہ
مترجم	مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی رحمتہ اللہ علیہ
تعداد	1000
مطبع	رضا پرنٹر
ناشر	اسلامی کتب خانہ' اردو بازار لاہور
قیمت	

ملنے کے پتے:-

مکتبہ رحمانیہ:	اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور
	فون: 7221395-7224228
خزینہ علم و ادب	الکریم مارکیٹ' اردو بازار لاہور
	فون: 7314169
مکتبہ العلم	18-اردو بازار، لاہور
	فون: 7231788-7225231

فہرست مضامین دفتر دوم

صفحہ نمبر

☆☆☆

فہرست مضامین دفتر سوم

رسالہ مبدأ ومعاد

☆☆☆

ترجمہ مکتوبات

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ

دفتر دوم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ

حمد کثیر اور طیب اور مبارک سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ جیسے کہ ہمارا رب پسند کرتا اور چاہتا ہے اور اس کے حبیب پاک حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل و اصحاب اور اہل بیت اور کامل وارثوں اور تمام ہدایت کی راہ پر چلنے والوں اور تمام انبیاء اور مرسلین اور ملائکہ مقربین پر کامل اور تمام صلوٰۃ و سلام ہو جیسے کہ ان کی بلند شان کے لائق اور مناسب ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ امام بزرگ، علماء راسخین کے پیشوا، مرسلین کی خلعتوں سے شرف یافتہ، ولایت اصلیہ کے صاحب، اسرار الٰہی کے مخزن، متشابہات قرآنیہ کے دقیقوں کو جاننے والے، خدا تعالیٰ کی آیات میں سے آیت عجیبہ الف ثانی کے مجدد، ہمارے شیخ و امام حضرت شیخ احمد فاروقی (کہ خدا تعالیٰ ان کو تمام اہل جہان کے سر پر سلامت رکھے) کے یہ مکتوبات ایسے علوم غریبہ اور معارف عجیبہ اور اسرار لطیفہ اور دقائق شریفہ پر مشتمل ہیں جن کو آج تک کسی عارف نے بیان نہیں کیا اور نہ ہی کسی ولی نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ علوم اور معارف انوار نبوت کے مشکوٰۃ سے مقتبس ہیں۔

جب دفتر اول کے مکتوبات تین سو تیرہ تک پہنچے تو حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دفتر کو اسی عدد پر ختم کریں کہ پیغمبران مرسل صلوات اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیہم اور اصحاب اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد کے موافق ہیں۔ اس لیے دفتر اول تیمنا و تبرکا اسی عدد پر ختم کیا گیا۔

بعد ازاں اور مکتوبات جو صادر ہوتے رہے۔ ان کے جمع کرنے کے لئے معارف کو

رسالہ مبدأ ومعاد

☆☆☆

جاننے والے، حقائق کو پہچاننے والے، فیض الٰہی کے مظہر، اسرار لامتناہی کے منبع، ظاہری باطنی علوم کے جامع حضرت مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم (کہ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت اور باقی رکھے اور ان کو اعلیٰ کمال تک پہنچائے) نے فرمایا۔ ان کے حکم شریف کے موافق اس درگاہ بلند کے خاکروبوں میں سے کمترین اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے عاجز بندہ عبدالحیٔ بن خواجہ چاکر حصاری (کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخشے اور اس کے عیبوں کو ڈھانپے اور اس کا خاتمہ نیک کرے) ان مکتوب کے جمع کرنے کے درپے ہوا۔ هُوَ اللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔)

مکتوب ۱

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مذہب کے بیان میں جو حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مختار ہے۔ شیخ عبدالعزیز جونپوری کی طرف صادر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے امکان کو وجوب کا آئینہ اور عدم کو وجود کا مظہر بنایا وجوب اور وجود اگرچہ حق تعالیٰ کے کمال کی دو صفتیں ہیں لیکن حق تعالیٰ تمام اسماء و صفات اور تمام شیون و اعتبارات اور ظہور و بطون اور بروز و کمون اور تمام تجلیات و ظہورات اور تمام مشاہدات و مکاشفات اور تمام محسوس و معقول اور تمام موہوم و متخیل سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے

چہ گویم باتو از مرغے نشانہ　　کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامی پیش مردم　　ز مرغ من بود آں نام ہم گم

ترجمہ: کیوں کیا مرغ کا تجھ سے نشانہ　　جو عنقا سے رہے ہم آشیانہ

مگر ہے نام عنقا سب کو معلوم　　مرے ہے مرغ کا بھی نام معدوم

کسی حمد کرنے والے کا حمد اس کی ذات بلند کی پاک بارگاہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اس کی عزت و جلال کے پردوں سے ورے ہی ورے رہ جاتا ہے۔ اس ذات پاک نے اپنی تعریف آپ ہی کہی ہے اور اپنا حمد آپ ہی بیان کیا ہے۔ وہ ذات پاک آپ ہی حامد اور آپ ہی محمود ہے۔ تمام مخلوقات حمد مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہیں کیونکر نہ ہوں۔ جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ بھی اس کی حمد سے عاجز ہیں۔ جو قیامت کے دن لواء حمد کے اٹھانے والے ہیں۔ جس کے نیچے حضرت آدم اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے۔ وہ رسول ظہور میں تمام مخلوقات میں سے افضل و اکمل اور مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ حسن و جمال و کمال کے جامع ہیں۔ ان کا قدر سب سے زیادہ بلند اور ان کی شان و شرف سب سے عظیم، ان کا دین سب سے مضبوط اور اور ان کی ملت سب سے زیادہ راست اور درست ہے۔ حسب میں سب سے زیادہ کریم اور نسب میں سب سے زیادہ شریف اور خاندان میں سب سے معزز اور بزرگ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کو ظاہر فرماتا۔ وہ نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے (یعنی پیدا نہ ہوئے تھے) قیامت کے دن وہ تمام نبیوں کے امام اور خطیب اور ان کی شفاعت کرنے

والے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے حق میں یوں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہم ہی پیچھے چلنے والے ہوں گے اور ہم ہی آگے جانے والے ہیں۔ میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا (بلکہ اظہار حقیقت ہے) اور میں ہی اللہ تعالیٰ کا حبیب اور خاتم النبیین ہوں لیکن مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے نکلیں گے۔ سب سے اول میں ہی نکلوں گا اور جب وہ گروہ درگروہ جائیں گے تو ان کا ہانکنے والا میں ہی ہوں گا اور جب وہ خاموش کیے جائیں گے تو ان کی طرف سے خطیب اور کلام کرنے والا میں ہی ہوں گا اور جب وہ بند کیے جائیں گے تو ان کی شفاعت میں ہی کروں گا اور جب وہ رحمت وکرامت سے ناامید ہوں گے تو میں ہی ان کو خوشخبری دوں گا۔ اس دن تمام کنجیاں میرے ہی ہاتھ میں ہوں گی۔ ان پر اور ان کے تمام بھائی نبیوں اور مرسلوں اور ملائکہ مقربین اور تمام اہلِ اطاعت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام وتحییۃ وبرکت نازل ہو جو ان کی شان بلند کے لائق ہے جس قدر کہ ذکر کرنے والے اس کا ذکر کریں اور غافل اس کے ذکر سے غافل رہیں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو اس فقیر کے نام لکھا ہوا تھا، میرے عزیز بھائی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا اور بہت خوش کیا۔ چونکہ آپ کا صحیفہ کشف وشہود والوں کے حقائق ومعارف سے بھرا ہوا تھا، دوبالا خوشی حاصل ہوئی۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ. فقیر بھی آپ کے صحیفہ کی موافقت کر کے اس بلند گروہ کے ذوق ومذاق کی چند باتیں ان چند کلموں میں تحریر کر کے آپ کو تکلیف دیتا ہے۔

میرے مخدوم آپ کو معلوم ہے کہ وجود ہر خیر وکمال کا مبداء اور عدم ہر نقص وشرارت کا منشاء ہے۔ وجود واجب جل شانہ کے لیے ثابت ہے اور عدم ممکن کے نصیب ہے تاکہ تمام خیر وکمال حق تعالیٰ کی طرف عائد ہو اور تمام شر ونقص ممکن کی طرف راجع ہو۔ ممکن کے لیے وجود ثابت کرنا اور تمام خیر وکمال کو اس کی طرف راجع کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے مُلک ومِلک میں اس کو شریک بنانا ہے۔ اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات وافعال کو حق تعالیٰ کے صفات وافعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد وشرک ہے۔ بیچارہ کمینہ خاکروب جو ذاتی نقص وخبث سے لتھڑا ہوا ہے، کیا مجال رکھتا ہے کہ اپنے آپ کو اس عظیم الشان بادشاہ کا عین تصور کرے جو تمام خیرات وکمال کا مبداء ہے یا اپنی

بری یا ذمیمہ صفات و افعال کو اس کی عمدہ اور جمیلہ صفات و افعال کا عین خیال کرے۔

علماء ظاہر نے ممکن کے لیے وجود ثابت کیا ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو وجود کے افراد مطلق سے سمجھا ہے یعنی قاعدہ تشکیک کے موافق واجب تعالیٰ کے وجود کو اولیٰ و اقدام کہا ہے۔ حالانکہ یہ بات ممکن کو واجب تعالیٰ کے ساتھ ان کمالات و فضائل میں جو وجود سے پیدا ہوتے ہیں، شریک بنانے کا باعث ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت برتر اور بزرگ ہے) حدیث قدسی میں آیا ہے۔ اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ (بڑائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے)

اگر علماء ظاہر اس دقیقہ سے واقف ہوتے تو ہرگز ممکن کے لیے وجود ثابت نہ کرتے اور خیر و کمال جو اس بارگاہ کے ساتھ مخصوص ہے، وجود کے اختصاص کے اعتبار سے ممکن کے لیے ثابت نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجیو۔)

اکثر صوفیاء اور خاص کر ان میں سے اکثر متاخرین نے ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین جانا ہے اور اس کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین خیال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

ہمسایہ و ہمنشین و ہمراہ ہمہ اوست	در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہانخانہ جمع	باللہ ہمہ اوست ثم باللہ اوست

ترجمہ: ہمسایہ و ہمنشین و ہمرہ ہے وہی	گدا و سلطان و فقیر و شہ ہے وہی
انجمن میں فرق و نہانخانہ میں جمع	بخدا سب وہی باللہ ہے وہی

یہ بزرگوار اگرچہ وجود کے شریک کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور دوئی سے بھاگتے ہیں لیکن غیر وجود کو وجود جانتے اور نقائص کو کمالات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذاتی نقص و شرارت کسی چیز میں نہیں ہے۔ اگر ہے تو نسبی اور اضافی ہے۔ مثلاً زہر قاتل انسان کی نسبت شرارت رکھتا ہے کیونکہ ان کی زندگی کو دور کرتا ہے لیکن اس حیوان کی نسبت جو اس زہر میں مخلوق ہے، آب حیات اور تریاق نافع ہے۔ اس امر میں ان کا مقتداء ان کا اپنا کشف و شہود ہے۔ جس قدر کہ ان کو معلوم ہوا ہے۔ انہوں نے ظاہر کر دیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ (یا اللہ تو ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ وہ ہیں، دکھا)

اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے، مفصل بیان کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن عربی کا جو متاخرین صوفیاء کا امام و مقتدا ہے۔ اس مسئلہ میں جو مذہب ہے، وہ بیان کرتا ہے۔ بعدازاں جو کچھ کشف میں آیا ہے، تحریر کرتا ہے تاکہ دونوں مذہبوں کے درمیان پورے طور پر فرق ظاہر ہو جائے اور دقت کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے نہ رہیں۔

شیخ محی الدین اور اس کے تابعین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں نیز ایک دوسرے کے عین ہیں۔ مثلاً علم و قدرت جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کے عین ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کے بھی عین ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس مقام میں تعدد و تکثر کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور نہ ہی کسی قسم کا تمائز و تباین ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ان اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات نے حضرت علم میں اجمالی اور تفصیلی طور پر تمائز و تباین پیدا کیا ہے۔ اگر تمیز اجمالی ہے تو اس کو تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر تفصیلی ہے تو اس کو تعین ثانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

تعین اول کو وحدت کہتے ہیں اور اسی کو حقیقت محمدی جانتے ہیں اور تعین ثانی کو احدیت کہتے ہیں اور اس کو تمام ممکنات کے حقائق سمجھتے ہیں اور ان حقائق ممکنات کو اعیان ثابتہ جانتے ہیں۔ یہ دو تعین علمی جن کو وحدت اور واحدیت کہتے ہیں، مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان اعیان نے وجود خارجی کی بو نہیں پائی اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے، ان اعیان ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر وجود کے آئینہ میں جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں، منعکس ہوا ہے اور وجود تخیلی پیدا کیا ہے جس طرح کہ آئینہ میں کسی شخص کی صورت منعکس ہو کر آئینہ میں وجود تخیلی پیدا کر لے۔ اس عکس کا وجود خیال کے سوا کچھ ثابت نہیں اور نہ ہی آئینے میں کسی شے نے حلول کیا ہے اور نہ ہی اس آئینے پر کوئی چیز منقش ہوئی ہے۔ اگر کچھ منقش ہے تو تخیل میں ہے جو صرف آئینہ میں وہمی طور پر ظاہر ہے۔ یہ متخیل اور متوہم عکس چونکہ صنعت خداوندی ہونے کے باعث بڑا استحکام اور اثبات رکھتا ہے، اس لیے وہم و تخیل کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا اور ثواب و عذاب ابدی اس پر مترتب ہے۔

یہ کثرت جو خارج میں نمودار ہے، تین قسموں میں منقسم ہے۔

قسم اول تعین روحی ہے اور قسم دوم تعین مثالی اور قسم سوم تعین جسدی ہے جو عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

ان تینوں تعینوں کو تعینات خارجیہ کہتے ہیں اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ تنزلات خمسہ بھی انہی تعینات پنجگانہ سے مراد ہے۔ ان تنزلات خمسہ کو حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔ چونکہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کے سوا جو عین ذات ہیں، ان کے نزدیک خارج کا علم ثابت نہیں ہوا اور انہوں نے صورت علمیہ کو اس صورت کا عین سمجھا ہے، نہ اس کا شبہ و مثال اور ایسے ہی اعیان ثابتہ کی صورت منعکسہ کو جو ظاہر وجود کے آئینہ میں نمودار ہوئی ہے۔ ان اعیان کا عین تصور کیا ہے۔ نہ اس کی شبہ و مانند۔ اس لیے اتحاد کا حکم کیا ہے اور ہمہ اوست کہا ہے۔

یہ ہے شیخ محی الدین کے مذہب کا بیان مسئلہ وحدت وجود میں اجمالی طور پر اور یہی وہ علوم ہیں جن کو شیخ خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص جانتا ہے اور کہتا ہے کہ خاتم النبوۃ ان علوم کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے اور جن کی توجیہ میں فصوص کے شارحین بڑے تکلفات کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ شیخ سے پہلے اس گروہ میں سے کسی نے ان علوم و اسرار کے ساتھ زبان نہیں کھولی اور اس حدیث کو کسی نے اس طرح بیان نہیں کیا۔ اگرچہ توحید و اتحاد کی باتیں سکر کے غلبوں میں ان سے ظاہر ہوئی ہیں اور انا الحق اور سبحانی کہا ہے لیکن اتحاد کی وجہ اور توحید کا موجب کسی نے معلوم نہیں کیا۔

پس شیخ ہی اس گروہ میں سے متقدمین کی برہان اور متاخرین کی حجت ہے لیکن ابھی اس مسئلہ میں بہت سے دقائق پوشیدہ رہ گئے ہیں اور اس بارہ میں کئی قسم کے پوشیدہ اسرار ظاہر نہیں ہوئے جن کے ظاہر کرنے اور لکھنے کی توفیق اس فقیر کو حاصل ہوئی ہے۔ وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اللہ تعالیٰ حق ثابت فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے)

میرے مخدوم واجب الوجود جل شانہ کے صفات ثمانیہ جو اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں، حق تعالیٰ کی ذات سے خارج میں متمیز ہیں اور وہ تمیز بھی ذات و صفات کی طرح بیچون و بیچگون ہے۔ اسی طرح صفات بھی تمیز بیچونی کے ساتھ ایک دوسرے سے متمیز ہیں بلکہ تمیز بیچونی حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں بھی ثابت ہے۔ لِأَنَّهُ الْوَاسِعُ بِالْوُسْعِ الْمَجْهُوْلِ الْكَيْفِيَّةِ (کیونکہ وہ ایسی وسعت کے ساتھ واسع یعنی اشیاء کو گھیرنے والا ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں) وہ تمیز جو ہمارے فہم اور ادراک میں آسکے۔ اس جناب پاک

سے مسلوب ہے کیونکہ تبعض اور تجزی (بعض بعض اور جزو جزو ہونا) اس جگہ متصور نہیں اور تحلیل وترکیب کا اس بارگاہ میں دخل نہیں اور حال ومحل ہونے کی وہاں گنجائش نہیں۔ غرض یہ کہ جو ممکن کے صفات واعراض ہیں، سب اس جناب پاک سے مسلوب ہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ فِي الذَّاتِ وَلاَ فِي الصِّفَاتِ وَلاَ فِي الْاَفْعَالِ (ذات وصفات وافعال میں کوئی اس کی مانند نہیں) اس بیچونی تمیز اور بے کیفی وسعت کے باوجود حق تعالیٰ کے اسماء وصفات نے خانہ علم میں بھی تفصیل وتمیز پیدا کی ہے اور منعکس ہوئے ہیں اور ہر صفت واسم متمیزہ کے لیے مرتبہ علم میں ایک مقابل اور نقیض ہے۔ مثلاً مرتبہ علم میں صفت علم کا مقابل اور نقیض عدم علم ہے جس کو جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور صفت قدرت کے مقابل عجز ہے جس کو عدم قدرت کہتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس۔ ان عدمات متقابلہ نے حق تعالیٰ کے حکم میں تفصیل وتمیز پیدا کی ہے اور اپنے متقابلہ اسماء وصفات کے آئینے اور ان کے عکس کے مظہر بن گئی ہیں۔

فقیر کے نزدیک وہ عدمات بمعہ اسماء وصفات کے عکسوں کے حقائق ممکنات ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ عدمات ان ماہیات کے اصول ومواد کی طرح ہیں اور وہ عکوس ان مواد میں حلول کی ہوئی صورتوں کی طرح۔ پس شیخ محی الدین کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء وصفات کی نقیضیں ہیں بمعہ اسماء وصفات کے عکسوں کے جو خانہ علم میں ان عدمات کے آئینوں میں ظاہر ہوئی ہیں اور ایک دوسرے سے باہم مل گئی ہیں۔ قادر مختار جل شانہ نے جب چاہا کہ ان ماہیات ممتزجہ میں سے کسی ماہیت کو وجود ظلی کے ساتھ جو حضرت وجود کا پرتو ہے، متصف کر کے موجود خارجی بنائے تو اس ماہیت ممتزجہ پر حضرت وجود کا پرتو ڈال کر اس کو آثار خارجہ کا مبدأ بنایا۔ پس ممکن کا وجود علم وخارج میں اس کی باقی صفات کی طرح حضرت وجود اور اس کی کمالات تابع کا پرتو ہے۔ مثلاً ممکن کا علم واجب الوجود کے علم کا پرتو اور ظل ہے جو اپنے مقابل میں منعکس ہوا ہے اور ممکن کی قدرت بھی ایک ظل ہے جو عجز میں جو اس کے مقابل ہے، منعکس ہوئی ہے۔ اسی طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے جو عدم کے آئینہ میں جو اس کے مقابل ہے منعکس ہوا ہے۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست	تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست
ترجمہ: نہیں لایا میں کوئی چیز گھر سے	مرا جو کچھ کہ ہے بخشا ہے تو نے

لیکن فقیر کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں بلکہ اس کا شبہ و مثال ہے اور ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ممتنع اور محال ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہ ہوگا اور ممکن کا واجب پر حمل کرنا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور وہ عکس جو اسماء وصفات سے اس عدم میں منعکس ہوا ہے وہ ان اسماء وصفات کا شبہ و مثال ہے نہ کہ ان کا عین۔ پس ہمہ اوست کہنا درست نہیں ہوگا بلکہ ہمہ از اوست کہنا درست ہوگا کیونکہ ممکن کا ذاتی وجود عدم ہے جو شرارت و نقص وخبث کا مبدء ہے اور جو کمالات از قسم وجود اور اس کی توابع وغیرہ کے ممکن میں پائی جاتی ہیں۔ سب اس بارگاہ جل شانہ سے حاصل کی ہوئی ہیں اور حق تعالیٰ کے کمالات ذاتیہ کا پرتو ہیں۔ پس حق تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا نور ہے اور اس کے ماسواء ظلمت ہی ظلمت ہے کیونکر نہ ہو جبکہ عدم تمام ظلموں سے برتر اور بڑھ کر ہے۔

اس مبحث کی تحقیق کما حقہ اس مکتوب میں جو فرزند اعظم مرحوم کے نام وجود کی حقیقت اور ماہیات ممکنات کی تحقیق میں لکھا ہے، تحریر ہو چکی ہیں۔ وہاں سے طلب فرمالیں۔

پس شیخ محی الدین کے نزدیک عالم سب کا سب ان اسماء وصفات سے مراد ہے جنہوں نے خانہ علم میں تمیز پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئینہ میں نمود ونمائش حاصل کی ہے اور فقیر کے نزدیک عالم ان عدمات سے مراد ہے جن میں حق تعالیٰ کے اسماء وصفات خانہ علم میں منعکس ہوئی ہیں اور وہ عدمات بمعہ ان عکسوں کے حق تعالیٰ کے ایجاد سے وجود ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہوئی ہیں۔ پس عالم میں خبث ذاتی اور شرارت جبلی ظاہر اور پیدا ہے اور سب خیر د کمال حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف راجع ہے۔ آیت کریمہ مَا اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ (جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے اپنے نفس سے ہے) اس معرفت کی تائید کرتی ہے۔ اَللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ اَلۡمُلۡهِمُ.

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ عالم وجود ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے جس طرح کہ حق تعالیٰ وجود اصلی کے ساتھ بذات خود خارج میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا یہ خارج بھی وجود وصفات کی طرح حق تعالیٰ کے وجود کے خارج کا ظل ہے۔ پس عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی ایک کو دوسرے پر حمل کر سکتے

ہیں۔ شخص کے ظل کو شخص کا عین نہیں کہہ سکتے۔ لِوُجُودِ التَّغَايُرِ بَيْنَهُمَا فِي الْخَارِجِ لِاَنَّ الْاِثْنَيْنِ مُتَغَايِرَانِ (کیونکہ خارج میں دونوں ایک دوسرے کے متغائر ہیں۔ اس لیے کہ دو چیزیں ایک دوسرے کی متغائر ہوتی ہیں) اور اگر کوئی آدمی شخص کے ظل کو شخص کا عین کہے تو تسامح اور تجوز کے طریق پر ہوگا جو اس بحث سے خارج ہے۔

اگر کہیں کہ شیخ محی الدین اور اس کے تابعین بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل جانتے ہیں۔ پھر فرق کیا ہوا تو میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ اس ظلی وجود کو صرف وہم ہی میں خیال کرتے ہیں اور وجود خارجی کی بو تک بھی اس کے حق میں تجویز نہیں کرتے۔ غرض کثرت موہومہ کو وحدت وجود کے ظل سے تعبیر کرتے ہیں اور خارج میں واحد تعالیٰ ہی کو موجود جانتے ہیں۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) پس ظل کے اصل پر حمل کرنے اور نہ کرنے کا باعث ظل کے لیے وجود خارجی کا ثابت کرنا اور نہ کرنا ہے۔ یہ لوگ چونکہ ظل کے لیے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے، اس لیے اصل پر محمول کرتے ہیں اور یہ فقیر چونکہ ظل کو خارج میں موجود جانتا ہے، اس لیے اصل پر حمل کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ظل سے وجود اصلی کے نفی کرنے میں فقیر اور یہ لوگ شریک ہیں اور وجود ظلی کے ثابت کرنے میں بھی متفق ہیں لیکن یہ فقیر وجود ظلی خارج میں ثابت کرتا ہے اور یہ لوگ وجود ظلی کو وہم و تخیل ہی میں سمجھتے ہیں اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے اور صفات ثمانیہ جن کا وجود اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء کے موافق خارج میں ثابت ہوا ہے، ان کو بھی علم کے سوا ثابت نہیں کرتے۔ علماء ظاہر اور انہوں نے اعتدال اور میانہ روی کے دو طرفوں یعنی افراط و تفریط کو اختیار فرمایا ہے اور متوسط اس فقیر کو نصیب ہوا ہے جس کی توفیق اس فقیر کو دی گئی ہے۔ اگر یہ لوگ بھی اس خارج کا ظل معلوم کرتے تو عالم کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے اور وہم و تخیل پر کفایت نہ فرماتے اور واجب الوجود کی صفات کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے اور اگر علماء ظاہر بھی اس سر سے واقف ہوتے تو ہرگز ممکن کے لیے وجود اصلی ثابت نہ کرتے اور وجود ظلی پر کفایت کرتے اور یہ جو فقیر نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ ممکن پر وجود کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر موجود ہے نہ کہ مجاز کے طور پر اس تحقیق کے منافی نہیں کیونکہ ممکن خارج میں وجود ظلی کے ساتھ حقیقت کے طور پر موجود ہے نہ کہ تو ہم و تخیل کے طور پر جیسے کہ انہوں نے خیال کیا ہے۔

سوال: صاحب فتوحات مکیہ نے اعیان ثابتہ کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ کہا ہے۔ پس عدم اس کے طور پر بھی حقائق ممکنات میں داخل ہوا۔ پھر اس تحقیق اور اس قول کے درمیان کیا فرق ہوا۔

جواب: برزخ اس اعتبار سے کہا ہے کہ صور علمیہ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت وہ ہے جو ثبوت علمی کے باعث وجود سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری جہت وہ ہے جو عدم خارجی کے سبب عدم سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک اعیان ثابتہ کو وجود خارجی کی بو تک نہیں پہنچی اور وہ عدم جو اس تحقیق میں درج ہوا ہے اور ہی حقیقت رکھتا ہے۔ ایسے ہی بعض بزرگوں کی عبارتوں میں ممکن پر عدم کا اطلاق ہوا ہے۔ اس سے مراد معدوم خارجی ہے نہ وہ عدم جس کی تحقیق اوپر ہو چکی ہے۔ حق تعالیٰ ان اسماء و صفات سے جنہوں نے علم میں تفصیل و تمیز پائی ہے اور عدمات کے آئینوں میں منعکس ہو کر ممکنات کے حقائق ہو گئے ہیں۔ وراء الورا ہے۔

پس عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (اللہ تعالیٰ تمام اہل جہان سے غنی ہے) حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے۔

آں ایشا نند و من چنینم یارب

ترجمہ: وہ ایسے ہیں، میں ایسا ہوں خدایا

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (تیرا رب اس توصیف سے جو یہ لوگ کرتے ہیں، پاک اور بزرگ ہے اور مرسلین پر سلام ہو اور اللہ رب العالمین کی حمد ہے) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ۔

مکتوب ۲

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا مرتبہ وجود اور وجوب کے اعتبار سے برتر ہے، میر شمس الدین خلخالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ کا مبارک خط جو محبت و اخلاص سے صادر فرمایا ہے، پہنچا۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ دینی بھائیوں کا زیادہ ہونا آخرت میں امیدواری کا سبب ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ اِخْوَانَنَا فِيْ

الَّذِیْنَ وَثَبِّتْنَا وَاِیَّاهُمْ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ مِّنَ الصَّلَوٰاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (یا اللہ تو ہمارے دینی بھائیوں کو زیادہ کر اور ہم کو اور ان کو حضرت سید المرسلین ﷺ کی متابعت پر ثابت قدم رکھ)

اے محبت کے نشان والے واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفات سبعہ یا ثمانیہ مختلف قول کے موافق جو صفات حقیقیہ ہیں، خارج میں موجود ہیں اور اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے سوا باقی تمام مخالف فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی حق تعالیٰ کی صفات کے وجود کا قائل نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ اہل حق میں سے متاخرین صوفیہ نے بھی وجود صفات کا انکار کیا ہے اور صفات کی زیادتی کو علم کی طرف راجع کرتے اور کہتے ہیں۔

بیت: ازروئے تعقل ہمہ غیر اند صفات تواز روئے تحقق ہمہ عین ذات

ترجمہ بیت: غیر ہیں ازروئے تعقل کے صفات لیک تحقیق میں ہیں سب عین ذات

حق یہ ہے کہ اہل حق کی بات برحق ہے۔ مشکوۃ نبوت سے مقتبس اور کشف و فراست کے نور سے موید ہے۔ حاصل کلام یہ کہ وہ اشکال جو مخالف صفات کے وجود میں رکھتی ہیں، قوی ہے کیونکہ صفات اگر موجود ہوں تو دو امر سے خالی نہیں۔ ممکن ہوں گی یا واجب۔ امکان حدوث کو مستلزم ہے کیونکہ ان کے نزدیک جو ممکن ہے حادث ہے اور واجب کے متعدد ہونے کا قائل ہونا توحید کے منافی ہے اور نیز امکان کی صورت میں حق تعالیٰ کی ذات سے صفات کا الگ ہونا لازم آتا ہے اور یہ بات حق تعالیٰ کے لیے جہل و عجز کے جواز کا موجب ہے۔

اس اشکال کا حل جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے، یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ خواہ وہ وجود عین ہو یا زائد اور حق تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ۔ کیونکہ اس مقام میں وجود کی گنجائش نہیں۔

شیخ علاؤ الدولہ نے اسی مقام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِکِ الْوَدُوْدِ (عالم وجود کے اوپر مالک ودود کا عالم ہے)

پس امکان و وجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں کیونکہ امکان و وجوب ماہیت اور وجود کی درمیانی نسبت کا نام ہے لیکن وہاں نہ وجود ہے نہ امکان اور نہ وجوب۔ یہ معرفت نظر و فکر کے طور سے ماوراء ہے۔ دائرہ عقل میں محبوس لوگ اس معرفت کو کیا پا سکتے ہیں اور انکار کے سوا

ان کے حصہ میں کیا آ سکتا ہے۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللهُ تَعَالیٰ (مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے)

عرض دیگر یہ ہے کہ سیادت پناہ میر محب اللہ کچھ مدت سے یہاں تھے اب ان حدود کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ ان کی صحبت و خدمت کو غنیمت جانیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ.

مکتوب ۳

اس بیان میں کہ انفس و آفاق کا معاملہ ظلال میں داخل ہے اور ولایت صغریٰ و کبریٰ اور کمالات نبوت اور تجلی افعال کی حقیقت کی تحقیق میں جس کو بعض صوفیہ نے بیان کیا ہے کہ وہ تجلی حق تعالیٰ کے فعل کا ظل ہے نہ کہ عین فعل۔ تو پھر صفات و ذات کا کیا حال ہوگا۔ حقائق و معارف کو جاننے والے فیض الٰہی کے مظہر مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

جو کچھ انفس و آفاق کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے، اس پر ظلیت کا داغ لگا ہوتا ہے۔ اس واسطے نفی کے لائق ہے تاکہ اصل ثابت ہو جائے۔ جب انفس و آفاق سے معاملہ گزر جاتا ہے تو ظلیت کی قید سے چھوٹ جاتے ہیں اور فعل و صفات کی تجلی کا آغاز ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے پہلے سیر انفسی و آفاقی میں جو تجلی ظاہر ہوئی تھی، اگرچہ اس کو تجلی ذات جانتے ہیں لیکن فعل و صفت کے ظلال سے تعلق رکھتی تھی نہ کہ نفس فعل و صفت کے ساتھ تو پھر ذات کا کیا ذکر ہے کیونکہ دائرہ ظلیت انفس کے نہایت منتہی ہو جاتا ہے۔ پس جو کچھ انفس و آفاق میں ظہور کرتا ہے، سب اس دائرہ میں داخل ہے۔ فعل و صفت بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں لیکن دائرہ اصل میں داخل ہیں۔ اس دائرہ کی ولایت اصلی ہے برخلاف پہلے مرتبہ کی ولایت کے جو انفس و آفاق سے تعلق رکھتی تھی۔ جس کو ولایت ظلی کہتے ہیں۔ دائرہ ظل کے منتہیوں کو تجلی برقی جو مرتبہ اصل سے پیدا ہوتی ہے، میسر ہوتی ہے جو ایک ساعت کے لیے ان کو آفاق و انفس کی قید سے رہا کر دیتی ہے اور وہ لوگ جو دائرہ آفاق و انفس سے گزر جاتے ہیں اور ظل سے اصل کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ یہ تجلی برقی ان کے حق میں دائمی ہوتی ہے کیونکہ ان بزرگواروں کا مسکن و ماویٰ دائرہ اصل ہے جہاں سے تجلی برقی ظاہر ہوتی ہے

بلکہ ان بزرگواروں کا معاملہ تجلیات وظہورات سے بڑھ کر ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک تجلی وظہور خواہ وہ کسی مرتبہ سے تعلق رکھے، ظلیت کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتی۔ لیکن ان بزرگواروں کو اصل الاصل کی گرفتاری نے ظل سے فارغ اور زیغ بصر سے آزاد کردیا ہوتا ہے۔

ولایت ظلی جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں، اس کا نہایت کمال تجلی برقی کے ظاہر ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ تجلی برق ولایت کبریٰ میں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے، پہلا قدم ہے اور ولایت صغریٰ اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی ولایت ہے۔ اس بیان سے اولیاء کی ولایت کا اور انبیاء کی ولایت کا فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ اولیا کی ولایت کی انتہاء انبیاء کی ولایت کی ابتداء ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے کمالات کا ذکر کیا جائے جبکہ اس ولایت کی انتہاء نبوت کی ابتداء ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے تبعیت و وراثت کے طور پر حصہ پایا ہے جس کے سبب انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدائیت میں درج کرتے ہیں۔

یہ فقیر اس قدر جانتا ہے کہ نقشبندیہ نسبت وحضور جب کمال تک پہنچ جاتے ہیں تو ولایت کبریٰ سے جا ملتے ہیں اور اس ولایت کے کمالات سے حظ وافر حاصل کر لیتے ہیں۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے کہ جن کے کمال کی نہایت تجلی برقی تک ہی ہے۔

جاننا چاہئے کہ وہ سیر جو آفاقی وانفسی سیر کے بعد میسر ہوتا ہے، وہ حق تعالیٰ کی اقربیت میں سیر ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا فعل بھی ہم سے ہماری نسبت زیادہ نزدیک ہے اور حق تعالیٰ کی صفت بھی اس کے اپنے فعل کی اور ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے اور حق تعالیٰ کی ذات بھی اس کے فعل وصفت کی اور ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے۔ ان مراتب کا سیر حق تعالیٰ کی اقربیت کا سیر ہے۔ اس مقام میں تجلی فعل اور تجلی صفت اور تجلی ذات متحقق وثابت ہو جاتی ہیں اور وہم کی سلطنت اور خیال کے دائرہ سے اس مقام مین نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ سلطان وہم وخیال کا غلبہ دائرہ انفس و آفاق کے باہر میسر نہیں۔ وہم کی نہایت ظل کی نہایت تک ہی ہوتی ہے جہاں ظل نہ ہو وہاں وہم بھی نہیں ہوتا۔

پس معلوم ہوا کہ ولایت ظلی میں موت کے بعد جب کہ وہم معدوم ہو جائے، وہم سے خلاصی حاصل ہوتی ہے لیکن ولایت اصلی میں جو ولایت کبریٰ ہے، اسی جہان میں وہم وخیال

کی قید سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے اور وہم کے باوجود وہم کی قید سے آزاد ہوتے ہیں۔ پہلے گروہ کو جو کچھ آخرت میں جا کر حاصل ہوگا، وہ دوسرے گروہ کو اسی جگہ میسر ہوتا ہے۔ ولایت ظلی میں حصول مطلب اس جہان میں وہم و خیال کا تراشیدہ اور بنایا ہوا ہوتا ہے اور ولایت اصلی میں مطلوب وہم کی تراش وخراش سے منزہ و مبرا ہوتا ہے۔

شاید حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ وہم و خیال کے احاطہ اور قید سے تنگ آ کر موت کی آرزو کرتے ہیں تا کہ وہم و خیال سے اپنے مطلوب کو پائیں اوائل موت میں "خلافاک اللہ" سے منع کر کے فرماتے ہیں۔

من شوم عریاں زتن اواز خیال تاخر ام در نہایات الوصال

ترجمہ: دور ہوں مجھ سے یہ سب وہم و خیال تا کہ پاؤں یار کا اصلی وصال

یہ جو میں نے کہا ہے کہ انفس و آفاق میں افعال و صفات کے ظلال کے تجلیات ہیں نہ کہ نفس افعال و صفات کے تجلیات، اس کا بیان یہ ہے کہ تکوین صفات حقیقیہ سے ہے۔ جیسے کہ علماء ماتریدیہ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا مذہب ہے نہ کہ صفات اضافیہ سے جیسے کہ اشعرکا یہ گمان ہے۔ اس صفت میں چونکہ اضافت کا رنگ غالب ہے، اس واسطے اشعریہ نے دوسری صفات کی طرف نظر کر کے اس کو بھی صفات اضافیہ سے گمان کیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ صفت صفات حقیقیہ سے ہے جس کے ساتھ اضافت کا رنگ مل گیا ہے۔ یہ صفت تکوین تمام صفات سے پیچھے ہے اور تمام صفات عالیہ کا رنگ رکھتی ہے۔ مثلاً علم وحیوۃ سے بھی حصہ رکھتی ہے اور قدرت وارادت سے بھی اور اس صفت تکوین کے کئی جزئیات ہیں جو حقیقت میں اس کے ظلال ہیں۔ جیسے کہ تخلیق (پیدا کرنا اور ترزیق (رزق دینا) اور احیاء و اماتت (زندہ اور مردہ کرنا) اور انعام و ایلام وغیرہ وغیرہ۔

یہ جزئیات افعال میں داخل ہیں جو در حقیقت اس صفت کے ظلال ہیں اور صفات حقیقیہ کے دائرہ سے خارج ہیں اور اس فعل کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت فاعل کی طرف ہے اور دوسری مفعول کی طرف اور یہ دونوں جہتیں نظر کشفی میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ پہلی جہت عالی ہے اور دوسری جہت سافل یعنی نیچی نیز جہت اول اصل کی طرح نظر آتی ہے اور جہت دوم اس اصل کے ظل کی طرح دکھائی دیتی ہے اور نیز جہت اول میں وجوب کا رنگ ملا ہوا ہوتا ہے

اور جہت دوم میں امکان کا رنگ یہ دوسری جہت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا باقی تمام اولیائے کرام اور مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہے۔ حق تعالیٰ کا یہ فعل چونکہ دونوں جہتوں کے اعتبار سے وجوب کا اور ممکن کا رنگ رکھتا ہے، اس لیے ممکن ہے کیونکہ جو واجب اور ممکن سے مرکب ہے، وہ ممکن ہے نیز یہ فعل چونکہ اوپر کی جہت کے اعتبار سے قدم کی طرف توجہ رکھتا ہے اور نیچی جہت کے اعتبار سے حدوث میں قدم رکھتا ہے۔ اس لیے حادث ہے کیونکہ قدیم و حادث سے مرکب حادث ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے حق تعالیٰ کے فعل کو قدیم کہا ہے انہوں نے جہت اول کی طرف نظر کر کے کہا ہے اور جنہوں نے حق تعالیٰ کے فعل کو حادث کہا ہے، ان کی منظور نظر دوسری جہت ہے۔ اول گروہ کی نظر بلند ہے اور دوسرے گروہ کی نظر پست لیکن یہ دونوں گروہ حق کو چھوڑ کر افراط و تفریط کی طرف جا پڑے ہیں اور حق متوسط وہی ہے جس کے ساتھ یہ فقیر ممتاز ہوا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے، بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) صفات حقیقیہ کی اسی قسم کی تحقیق بعض اور مکتوبوں میں بھی لکھی جا چکی ہے اور وہاں سے طلب فرمالیں۔

جاننا چاہئے کہ فعل کی جہت دوم سے مراد خلق خاص ہے جس کا تعلق زید کے ساتھ ہے اور یہ خلق زید گویا خلق مطلق کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے۔ یہ خلق خاص بھی جو زید سے تعلق رکھتی ہے، بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے کہ زید کی ذات کا خلق اور زید کی صفات کا خلق اور زید کے افعال کا خلق اور خلق زید کی یہ جزئیات اس خلق زید کے لیے جو کلی کی طرح ہے، ظلال کی مانند ہیں اور زید کے فعل کے خلق کا بھی ایک ظل اور مظہر ہے اور وہ زید کا کسب ہے جس کا تعلق فعل سے ہوا ہے۔ اس کسب کو زید اپنے باپ کے گھر سے نہیں لایا بلکہ اس کا کسب حق تعالیٰ کی خلق کا پرتو ہے۔ پس ان معارف سے معلوم ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کا فعل تکوین کا ظل ہے اور فعل کی جہت ثانی جہت اول کا ظل ہے جیسے کہ تحقیق پا چکا ہے اور جہت دوم کا بھی ظل ہے جو خلق زید ہے اور خلق زید کا بھی ظل ہے جو فعل زید کی خلق ہے اور اس ظل کا بھی ظل ہے۔ جو زید کا کسب ہے۔

جب یہ علوم معلوم ہو چکے تو پھر جاننا چاہئے کہ سالکوں کی نظر میں سلوک کے وقت جب

زید کے کسب کی نسبت زید سے منتفی ہو جاتی ہے اور اس کی وہ اضافت جو زید کی طرف ہے، دور ہو جاتی ہے تو اس فعل کا فاعل حق تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں بلکہ مخلوقات کے بے شمار اور مختلف افعال کو ایک ہی فاعل کا فعل سمجھتے ہیں اور اس معنی کے ظہور کو تجلی افعال خیال کرتے ہیں۔ ذرا انصاف کرنا چاہئے کہ یہ تجلی حق تعالیٰ کے فعل کی تجلی ہے یا اس فعل کے ظلال میں سے ایک ظل کی تجلی ہے جس نے کئی مراتب میں تنزل کر کے ظلیت کا نام پایا ہے۔ دوسرے تجلیات کو بھی تجلی فعل پر قیاس کرنا چاہئے کہ ظلال میں کسی ظل پر کفایت کر کے اس کو اصل الاصل خیال کر رہے ہیں اور جوز و مویز پر تسلی کیے بیٹھے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ وجوب وجود چونکہ نسبت و اضافت ہے، اس لیے مرتبہ فعل میں پایا جاتا ہے اور جب یہ نسبت عالم کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی بلکہ صانع عالم کے ساتھ مخصوص ہے تو فعل کی جہت اول سے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے، مناسب ہو گی۔ اگر کہیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کے مرتبہ میں وجوب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی ذات و صفات کو واجب کہا جاتا ہے۔ پس وجوب بھی حضرت ذات و صفات سے مسلوب ہو گا جیسے امکان و امتناع اس حضرت جل شانہ سے مسلوب ہیں۔ پس وجوب و امکان و امتناع کے سوا چوتھی قسم پیدا ہو گئی۔ حالانکہ انحصار عقلی انہیں تین چیزوں میں ثابت ہو چکا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ انحصار اس کے وجود کی نسبت صرف ماہیت کے لیے ہے کیونکہ اس مقام میں ماہیت کو وجود کی طرف کوئی نسبت نہیں اور نہ ہی کوئی انحصار ہے۔ جیسے کے حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات بذات خود موجود ہے۔ نہ کہ کسی وجود کے ساتھ خواہ وہ وجود عین ہو یا زائد اور حق تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں۔

سوائے اس کے کہ ان میں وجود کا دخل ہو۔ پس حق تعالیٰ کی ذات و صفات ان تینوں منحصرہ چیزوں سے برتر اور بلند ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ جب وجود اور اعتبارات سے حق تعالیٰ کی ذات کا تصور اور اس کی صفات میں غور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی کنہ کی طرف کوئی راہ نہیں تو اس کی ذات کے لیے وجود تصوری ظلی میں وجوب کا عارض ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کی غنا کے مناسب اور لائق ہے اور اس کی صفات کے لیے وجود ذہنی میں امکان عارض ہوتا ہے جو ان کے لیے مناسب ہے۔ اس

لیے کہ ذات کی طرف محتاج ہیں۔ پس حق تعالیٰ کی ذات وصفات فی نفسہا مرتبہ وجوب وامکان بلکہ مرتبہ وجود سے بھی برتر اور بلند ہیں اور وجود تصوری ظلی کے اعتبار سے وجوب ذات کے لیے مناسب ہے اور امکان صفات کے مناسب۔ پس صفات وجود خارجی کے لحاظ سے نہ واجب ہیں نہ ممکن۔ بلکہ واجب وامکان سے برتر ہیں اور وجود ذہنی کے اعتبار سے ممکن ہے اور اس امکان سے حدوث لازم نہیں آتا کیونکہ امکان ان کی ذات یعنی اصلوں کے لیے نہیں ہے بلکہ ان کے ظلی وجودوں کے لیے ہے۔ یہی معرفت کے مناسب ہے۔ یہ مقولہ جو معقول والوں نے کہا ہے کہ کلیت اور جزئیت دونوں وجود ذہنی کی خصوصیت کے اعتبار سے ماہیت کو عارض ہوتی ہیں لیکن وجود خارجی کی حالت میں ان دونوں کے ساتھ ماہیت موصوف نہیں ہوسکتی۔ مثلاً زید جو خارج میں موجود ہے تعقل سے پہلے جزئی نہیں جیسے کہ کلی بھی نہ تھا بلکہ وجود ذہنی ظلی کے بعد جزئیت اس کو عارض ہوگئی بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تمام نسبتیں اور اضافتیں اور احکام واعتبارات جو حق تعالیٰ پر محمول کیے جاتے ہیں۔ مثلاً الوہیت اور ربوبیت اور اولیت اور ازلیت وغیرہ سب صفات ثمانیہ موجودہ کے ماسوا ہیں جو حق تعالیٰ پر تصور اور تعقل کے اعتبار سے صادق آتی ہیں ورنہ حق تعالیٰ کی ذات اصل میں کسی صفت سے متصف اور کسی اسم سے موسوم اور کسی حکم کے محکوم نہیں ہے۔ صاحب شرع نے جو حق تعالیٰ کی ذات پر اسماء واحکام کا اطلاق کیا ہے تو وہ باعتبار تناسب اور تشابہ کے ہے تاکہ مخلوقات کی سمجھ میں آسکے اور ان کے ساتھ ان کی عقول کے موافق گفتگو ہوسکے۔ مثلاً زید کے لیے جو خارج میں موجود ہے۔ اس کے وجود ذہنی کے ملاحظہ کے بغیر تشبیہ اور تنظیر کے طور پر کہا جائے کہ وہ جزئی ہے تو اس کے کلی ہونے کے احکام کی نسبت جزئی ہونے کے احکام زید کے لیے بہت ہی مناسب اور مشابہ ہوں گے۔ اسی طرح اس ذات بے نیاز اور بلند پر امکان اور امتناع کے حکم کی نسبت وجوب اور وجود کا حکم بہتر اور مناسب ہے ورنہ اس کی جناب پاک تک نہ وجوب پہنچ سکتا ہے نہ وجود جیسے کہ اس کی پاک بارگاہ کے لیے امکان اور امتناع لائق نہیں۔ اس شریف اور پاکیزہ معرفت کو غور سے سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ معرفت دین کی بنیاد اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے علم کا خلاصہ ہے۔ یہ معرفت کہ جس کے لیے حق تعالیٰ نے اس حقیر بندہ کو برگزیدہ اور مختار کیا ہے، آج تک کسی ولی اور بزرگ نے بیان نہیں کی۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔)

مکتوب ۴

اس بیان میں کہ علم الیقین اور حق الیقین جو بعض صوفیوں نے مقرر کیے ہوئے ہیں، درحقیقت علم الیقین کے تین حصوں میں سے دو حصے ہیں اور علم الیقین کا ایک حصہ ابھی آگے ہے۔ پھر عین الیقین اور حق الیقین کا کیا ذکر ہے اور اس بیان میں کہ ان علوم کا صاحب اس ہزار کا مجدد ہے۔ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

مدت گزری ہے کہ آپ نے اپنی خیریت کے احوال سے اطلاع نہیں بخشی۔ آپ کی صحت و استقامت اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔

آپ کو واضح ہو کہ علم الیقین ان آیات کے شہود سے مراد ہے جو تعین علمی کا فائدہ دیتی ہیں۔ یہ شہود درحقیقت اثر سے موثر کی طرف استدلال کا نام ہے۔ پس جو کچھ تجلیات وظہورات آفاق وانفس کے آئینوں میں دیکھے جاتے ہیں، سب اثر سے موثر کی طرف دلالت پانے کی قسم سے ہیں۔ اگرچہ ان تجلیات کو تجلیات ذاتیہ اور ان ظہورات کو بے کیف کہیں کیونکہ آئینے میں کسی شے کا ظہور اس شے کے آثار میں سے ایک اثر ہے نہ کہ اس شے کے عین کا حصول۔

پس سیر آفاقی اور انفسی بتمامہ دائرہ علم الیقین سے قدم باہر نہیں لے جاتا اور اثر سے موثر کی طرف استدلال کے سوا کچھ اس کے نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (ہم ان کو آفاق دنیا میں اور ان کے اپنے نفسوں میں نشان دکھائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے)

دوسروں نے سیر آفاق کو علم الیقین سے جانا ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو سیر انفسی میں ثابت کیا ہے اور انفس کے سوا اور کوئی سیر بیان نہیں کیا۔

آں ایشا نند و من چنینم یارب

ترجمہ: وہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں یارب۔

آپ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ بندہ سے بندہ کی نسبت زیادہ نزدیک ہے۔ پس بندہ سے حق تعالیٰ تک اقربیت کی جانب میں ایک اور سیر درمیان ہے جس کے قطع کرنے پر وصول الی

اللہ منحصر ہے۔ یہ تیسرا سیر بھی حقیقت میں علم الیقین ہی کو ثابت کرتا ہے۔ اگرچہ دائرہ ظلیت سے باہر ہے لیکن ظلیت کی آمیزش سے پاک وصاف نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات درحقیقت حضرت ذات تعالیٰ کے ظلال ہیں اور جس میں ظلیت کی ملاوٹ ہو۔ وہ آثار وآیات میں داخل ہے۔ پس انہوں نے علم الیقین کے تین سیروں میں سے ایک سیر کو علم الیقین کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور علم اور الیقین کے دوسرے سیر کو عین الیقین حاصل کرنے والا سمجھا ہے اور تیسرے سیر کو بیان ہی نہیں کیا تاکہ علم الیقین کا دائرہ تمام ہو جاتا۔ ابھی عین الیقین اور حق الیقین آگے ہیں۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ترجمہ: میری بہار تو کرلے قیاس بستان سے

یہ فقیر عین الیقین اور حق الیقین کی نسبت کیا بیان کرے اور اگر کچھ بیان کرے تو کوئی کیا سمجھے گا اور کیا معلوم کرے گا۔ یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت علماء ظاہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز اور ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد تبعیت ووراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور تروتازہ ہو کر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان علوم ومعارف کا صاحب اس الف کا مجدد ہے۔ چنانچہ اس کے ان علوم ومعارف میں جو ذات وصفات اور افعال اور احوال ومواجید اور تجلیات وظہورات کے متعلق ہیں، نظر وغور کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام علوم ومعارف علماء کے علوم ہیں اور اولیاء کے معارف وراء الوراء ہیں بلکہ یہ علوم ان علوم کے مقابلہ میں پوست کی طرح ہیں اور یہ معارف اس پوست کی مغز کی مانند۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِیْ (اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے)

جاننا چاہیئے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار کا مجدد اور جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے۔ اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجددوں کے درمیان فرق ہے اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ جو فیض اس مدت میں امتوں کو پہنچنا ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے پہنچتا ہے، خواہ اس وقت کے اقطاب واوتاد ہوں اور خواہ ابدال ونجباء۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

ترجمہ: خاص کرلیتا ہے اک کو تا بھلا ہو عام کا

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِيْعِ اِخْوَتِهِ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلٰئِکَةِ وَالْمُقَرَّبِيْنَ وَعِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَجْمَعِيْنَ.

سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۵

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات دو اعتبار رکھتی ہیں۔ اعتبار اول فی نفسہا ان کا حصول ہے اور دوسرا اعتبار ذات کے ساتھ ان کا قیام ہے اور یہ دونوں اعتبار خارج میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ میر شمس الدین علی خلخانی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

میرے مخدوم حق تعالیٰ کی صفات جو موجود ہیں اور ذات تعالیٰ کے ساتھ قیام رکھتی ہیں، دو اعتبار رکھتی ہیں۔ اعتبار اول یہ ہے کہ فِیْ حَدِّ ذَاتِہَا ثابت ہیں اور اعتبار دوم یہ ہے کہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں۔ اعتبار اول کے لحاظ سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور تعینات کے مبادی ہیں اور اعتبار دوم کے رو سے عالم بے مستغنی ہیں اور عالم اور اہل عالم کے ساتھ کسی قسم کی توجہ نہیں رکھتیں۔ نیز نظر کشفی میں اعتبار اول پر حق تعالیٰ کی ذات سے الگ معلوم ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کا حجاب ہیں اور اعتبار دوم سے حجاب مرفوع ہے جس طرح کہ سفیدی جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے، کپڑے کا حجاب نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ سفیدی حصول نفسی اور حصول قیامی کے دونوں اعتباروں سے ذات جامہ کی حجاب نہیں۔ اگرچہ محسوس وہی سفیدی ہے لیکن حجابیت مرفوع ہے۔ برخلاف واجب تعالیٰ کی صفات کے کہ اعتبار اول سے حاجب ہیں اور اعتبار دوم سے غیر حاجب۔ ان دونوں اعتباروں کے درمیان فرق کو تو تھوڑا خیال نہ کرے۔

اس فقیر نے باوجود جذب قوی اور تیز رفتاری کے ان دونوں کی درمیانی مسافت کو تقریباً

پندرہ سال میں قطع کیا ہے۔

علماء متقدمین کو ان دونوں اعتباروں کا درمیانی فرق معلوم نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا ہے کہ عرض کا فی نفسہ حصول وہی ہے جو اس کا قیامی حصول ہے لیکن علماء متاخرین میں سے بعض نے ان دونوں اعتباروں کا فرق معلوم کیا ہے اور تحقیق کیا ہے کہ عرض کا حصول نفسی اور ہے اور حصول قیامی اور لِاَنَّ الْعَرَضَ یُقَالُ فِیْ حَقِّہٖ اَنَّہٗ وُجِدَ فَقَامَ فِی الْوُجُوْدِ غَیْرِ الْقِیَامِ (کیونکہ عرض وہ ہے جس کے حق میں کہا جاتا ہے کہ وہ پایا گیا پھر قیام کے سوا وجود میں قائم ہوا)

متاخرین کی یہ تحقیق جو انہوں نے عرض کے بارہ میں کی ہے، اس مستمند کے عروج کے لیے اور اس حاجت مند کی معرفت کے لیے زینہ کا کام دے گی بلکہ اس سیر و سلوک میں بہت سی کلامی اور فلسفی تحقیقات نے فقیر کی مدد کی اور حق تعالیٰ کے معرفت کا واسطہ بن گئیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلٰوۃِ اَتَمُّھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۶

بعض پوشیدہ اسرار کے بیان میں جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا کیوں امر ہوا، جامع علوم عقلی و نقلی مخدوم زادہ مجد الدین محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی ﷺ ولایت ابراہیمی علیہ السلام کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کا حسن ملاحت اس ولایت کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے۔ حدیث میں آیا ہے اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَاَنَا اَمْلَحُ (میرا بھائی یوسف صبیح تھا اور میں ملیح ہوں) اور اس انصباح اور امتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ بلند تک پہنچ جائے۔

ملت ابراہیمی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کے امر۔ سے یقیناً اسی دولت عظمیٰ کا حاصل ہونا مقصود ہوگا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلوات و برکات جیسے صلوات و برکات کا طلب کرنا اسی غرض کے لیے ہوگا۔ صباحت و ملاحت دونوں حق تعالیٰ کے اس حسن ذاتی کا پتہ دیتی ہیں جس میں صفات کی ملاوٹ نہیں لیکن صفات و افعال و آثار کا حسن سب حسن صباحت سے مستفاد ہے جو بڑی برکت والا ہے۔ حسن ملاحت حضرت اجمال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ گویا ملاحت دائرہ حسن کا مرکز ہے اور صباحت اس مرکز کا دائرہ ہے۔

حضرت ذات تعالیٰ میں جس طرح بساطت ہے، وسعت بھی ہے لیکن وہ بساطت و وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آسکے اور نہ وہ اجمال و تفصیل جو ہمارے ادراک میں آئے۔ لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں لیکن وہ آنکھوں کو پاسکتا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے)

بساطت و وسعت جو حق تعالیٰ کی ذات میں ثابت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا ہیں نہ کہ ایک دوسرے کا عین ہیں۔ جیسے کہ بعض نے گمان کیا ہے لیکن وہ تمیز جو اس مرتبہ میں ان کے درمیان ثابت ہے، ہمارے ادراک کے احاطہ اور ہمارے فہم کے دائرہ سے باہر ہے۔ پس صباحت و ملاحت بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں اور وہ کمالات جو ان کے متعلق ہیں، وہ بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی پیدائش سے جو مقصود سمجھتا تھا، وہ حاصل ہو گیا ہے اور ہزار سال کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَ مُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ اَعْمَلُ اَلْحَمْدَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اِخْوَانِہِ الْکِرَامِ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَلٰئِکَةِ الْعِظَامِ (اللہ تعالیٰ کی ہر حال میں کمال حمد ہے جس نے مجھ کو دو دریاؤں کا ملانے والا اور دو گروہوں کے درمیان اصلاح کرنے والا بنایا اور حضرت خیر الانام اور ان کے بھائیوں یعنی انبیاء اور ملائکہ عظام پر صلوٰۃ و سلام ہو)

چونکہ صباحت نے بھی ملاحت کا رنگ اختیار کر لیا ہے، اس لیے خلت ابراہیمی کے مقام نے بھی وسعت پیدا کی ہے اور محیط نے مرکز کا حکم حاصل کر لیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ مقام محبت مرتبہ ملاحت سے مناسبت رکھتا ہے اور مقام خلت مرتبہ

صباحت کے مناسب ہے۔ مقام محبت میں محبوبیت صرف حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نصیب ہے اور محسبیت خالص حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یاری اور ندیمی کی نسبت رکھتے ہیں۔ محبت و محبوب اور ہوتا ہے اور یار و ندیم اور ہر ایک کی نسبت الگ الگ ہے۔

یہ فقیر چونکہ ولایت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ولادت موسویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تربیت یافتہ ہے، اس لیے وطن و سکونت مقام ملاحت میں رکھتا ہے لیکن ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے غلبہ کے باعث محبوبیت کی نسبت غالب ہے اور محسبیت کی نسبت مغلوب و مستور۔

اے فرزند باوجود اس معاملہ کے جو میری پیدائش سے مقصود تھا، ایک اور کارخانہ عظیم میرے حوالہ فرمایا ہے۔ مجھے پیری و مریدی کے واسطے نہیں لائے اور نہ میری پیدائش سے خلق کی تکمیل و ارشاد مقصود ہے بلکہ معاملہ دیگر اور کارخانہ دیگر مطلوب ہے اس ضمن میں جس کو مناسبت ہوگی وہ فیض پالے گا ورنہ نہیں۔ معاملہ تکمیل و ارشاد اس کارخانہ کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ان کو باطنی معاملات کے ساتھ یہی نسبت تھی۔ اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات اور خصوصیتوں سے تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو حصہ حاصل ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۷

مراتب پنجگانہ محبوبیت اور محسبیت اور محبت اور حب اور رضا اور ان سے ایک اور برتر مرتبہ کے بیان میں اور اس بیان میں کہ ان مراتب میں سے ہر ایک پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ فقیر حقیر عبدالحیٔ کی طرف جو ان مکتوبات شریف کا جامع ہے، صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَهَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّةِ حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَسَلَّمَ

(اللہ تعالیٰ کا حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کا حمد ہے جس نے ہم پر

انعام کیا اور اسلام کی ہدایت دی اور ہم کو اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے بنایا)

خدا تجھے ہدایت دے۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ محبت ذاتیہ میں کہ حق تعالیٰ اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔ تین اعتبار ہیں۔ محبوبیت اور محبیت اور محبت۔ محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

خلاصہ یہ کہ محبوبیت کی جانب میں دو کمال ہیں۔ فعلی اور انفعالی، فعلی اصل ہے اور انفعالی اس کی تابع۔ لیکن انفعال فعل کی علت غائی ہے۔ اگرچہ وجود میں متاخر ہے لیکن تصور میں متقدم ہے اور کمالات محبیت کا ظہور حضرت کلیم اللہ علیہ والصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور اعتبار سوم میں جو نفس محبت ہے۔ اول دفعہ ابوالبشر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسری دفعہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تیسری بار حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مشہور ہوئے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (حقیقت امر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے)

جس طرح حق تعالیٰ اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے، اسی طرح اپنے اسماء وصفات وافعال کے کمالات کو بھی دوست رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ کے اپنے اسماء وصفات کی اس محبت کا ظہور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کامل طور پر ہے اور اسماء وصفات وافعال کے محبوبیت کا ظہور ان کی محبیت کے ظہور کی طرح دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں متحقق ہے۔ چونکہ اسماء وصفات وافعال کے ظلال بھی ہیں، اس لیے ان ظلال کے محبوبیت کا ظہور ان کے اصول کے واسطہ سے مراد اور محبوب اولیاء کا نصیب ہے جس طرح کہ ان ظلال کے محبیت کا ظہور اولیائے مریدین اور محبین کا حصہ ہے۔

محبت ذاتیہ کے مقام کے اوپر حب کا مقام ہے جو ان تینوں اعتباروں کا جامع اور ان کا اجمال ہے اور مقام رضا مقام محبت وحب کے اوپر ہے کیونکہ محبت میں نسبتیں اجمالی اور تفصیلی طور پر پائی جاتی ہیں اور مقام رضا میں نسبتیں حذف ہوتی ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات کے مناسب ہیں۔

مقام رضا کے اوپر حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کا قدم نہیں۔ شاید جو اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک ایسا وقت ہے جس میں کسی فرشتہ

مقرب اور نبی مرسل کو دخل نہیں) اسی مقام کی نسبت خبر دی ہے۔

اور ایک حدیث قدسی میں وارد ہے کہ

یَامُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوٰیکَ خَلَقْتُ لِاَجْلِکَ فَقَالَ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَمَا اَنَا وَمَا سِوٰیکَ تَرَکْتُ لِاَجْلِکَ (اے محمد ﷺ میں اور تو اور تیرے سوا جو کچھ ہیں، سب تیرے لیے پیدا کیا ہے۔ پھر حضرت محمد ﷺ نے کہا کہ یا اللہ تو ہے اور میں نہیں اور میں نے تیرے سوا سب کچھ تیرے لیے ترک کر دیا) شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے۔

آج محمد رسول اللہ ﷺ کی شان کو کیا پاسکیں اور ان کی عظمت و بزرگی اس جہان میں کیا پہچان سکیں کیونکہ سچ جھوٹ کے ساتھ اور حق باطل کے ساتھ اس جہان میں ملا ہوا ہے۔ قیامت کے دن ان کی بزرگی معلوم ہوگی جب کہ پیغمبروں کے امام ہوں گے اور ان کی شفاعت کریں گے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس موطن خاص میں جو مقام رضا کے اوپر ہے، اگر ان کے پس خوردہ کھانے والے خادموں میں سے کسی خادم کو وراثت و تبعیت کے طور پر جگہ دیدیں اور ان کے طفیل اس بارگاہ کا محرم بنا دیں تو کوئی بڑی بات نہیں۔

برکریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ: سخیوں پر نہیں یہ کام دشوار

اس بات سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر غیر کی زیادتی اور برتری لازم نہیں آتی۔ خادم اپنے مخدوم کے ساتھ کب برابر ہوتا ہے اور تابع کو اپنے متبوع کے ہمسروں کے ساتھ کیا نسبت۔ اصل مقصود بالذات ہوتا ہے اور تابع طفیلی تابع کا معاملہ صرف ایک جزئی فضیلت تک ہی ہوتا ہے جس میں کچھ حرج نہیں کیونکہ ہر ایک جولاہا اور حجام اپنی صنعت کے اعتبار سے ہر ذی فنون عالم پر فضیلت رکھتا ہے اور اعتبار سے ساقط ہے۔

ہمارا کلام اشارات اور رموز اور بشارات اور ایسے خزانے ہوتے ہیں کہ جب تک حسن ظن کے ساتھ ان کی تصدیق نہ کریں، کسی کو ان کا حصہ نہیں ملتا اور نہ ہی ان سے کوئی ثمرہ اور نفع پاسکتا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰئِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۸

اخص خواص اور عوام اور متوسطوں کے ایمان بالغیب کے درمیان فرق کے بیان میں خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

از ہر چہ میر ود سخن دوست خوشتر است

ترجمہ: کلام یار بہتر ہے کلاموں سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَئَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ" (جب میرے بندے تجھ سے میری نسبت سوال کریں تو میں قریب ہوں) اور جگہ فرماتا ہے۔ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَمَا کَانُوْا (جہاں تین آدمی مشورہ کریں وہاں چوتھا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور پانچ ہوں تو چھٹا خدا ہوتا ہے اور خواہ ان سے زیادہ ہوں یا کم۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے)

حق تعالیٰ کی قرب و معیت اس کی ذات کی طرح بیچون و بیچگون ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں اور اس قرب و معیت سے جو ہمارے عقل و فہم یا کشف و شہود میں آ سکے حق تعالیٰ منزہ و مبرا ہے کیونکہ یہ بات مذہب مجسمہ میں قدم رکھتی ہے۔

ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہمارے قریب اور ساتھ ہے لیکن قرب و معیت کے معنی ہم نہیں جانتے کہ کیا ہیں۔ اس جہان میں کاملوں کا اعلیٰ نصیب حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے غیب کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ بیت:

دور بینان بارگاہ الست پیش ... ازیں پے نبردہ اند کہ ہست بیش

ترجمہ: بارگاہ الست کے محرم ... ہست سے آگے لے گئے نہ قدم

ایمان بالغیب جو اخص خواص کے نصیب ہے، عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں ہے۔ عوام نے سماع اور استدلال کے ساتھ ایمان غیب حاصل کیا ہے اور اخص خواص نے جمال وجلال کے ظلال اور تجلیات وظہورات کے پردوں کے پیچھے غیب الغیب کا مطالعہ کر کے ایمان غیب حاصل کیا ہے اور متوسطہ ظلال کو اصل خیال کر کے اور تجلیات کو عین متجلی جان کر ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں۔ ان کے حق میں ایمان بالغیب نصیب اعدا ہے۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (ہر ایک گروہ اپنے اپنے طریق پر خوش ہے)

دیگر آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ مولانا عبدالغفور اور مولانا حاجی محمد خاص یاروں میں سے ہیں۔ ان کے ساتھ جس طرح کا احسان وسلوک کریں گے، فقیر کی احسان مندی کا موجب ہوگا۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

والسلام۔

مکتوب ۹

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے فضائل اور مقام تنزیہ کی تحقیق اور اس بیان میں کہ ایمان بالغیب اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ معاملہ اقربیت تک پہنچ جائے کیونکہ یہ معاملہ وہم خیال کے ضبط سے باہر ہے۔ ملا عارف ختنی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

مولانا محمد عارف ختنی کو چاہئے کہ پہلے باطل خداؤں کی نفی کر کے معبود برحق جل شانہ کا اثبات کرے اور جو کچھ چونی اور چندی کے داغ سے موسوم ہو، اس کو لا کے نیچے داخل کر کے خدائے بیچون کے ساتھ ایمان لائے۔ سب سے بڑھ کر عبادت کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی نفی و اثبات میں ہے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تمام ذکروں سے افضل ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ اگر میرے سوا سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک پلہ میں اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو دوسرے پلہ

میں رکھا جائے تو کلمہ والا پلہ بھاری ہوگا۔ کیوں افضل و راجح نہ ہو جبکہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں، زمینوں اور عرش وکرسی ولوح وقلم و عالم و آدم کی نفی کرتا ہے اور اس کا دوسرا کلمہ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے۔ جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ انفس و آفاق میں ہے سب چونی اور چندی کے داغ سے لتھڑا ہوا ہے۔ پس جو کچھ آفاق وانفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہو، بطریق اولیٰ چندو چون ہوگا جو نفی کے لائق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہمارے علم و وہم میں آسکے اور جو ہمارا مشہود و محسوس ہو، سب چونی اور چگونی ہے متصف اور حدوث وامکان کے عیب سے عیب ناک ہے کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا اپنا تراشا اور بنایا ہوا ہے۔ وہ تنزیہ جس کا تعلق ہمارے علم سے ہے، عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہمارے فہم میں آسکے عین نقص ہے۔ پس جو کچھ ہم پر متجلی اور مکشوف اور مشہود ہو، وہ سب حق تعالیٰ کا غیر ہے۔ حق تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ أتعبدون ماتنحتُون واللہ خلقکم وما تعملون (کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے۔)

ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو، خواہ عقل و وہم کے ساتھ، سب حق تعالیٰ کا مخلوق ہے جو عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق وہی خدائے بیچون وبیچگون ہے جس کے دامن ادراک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور ہماری کشف وشہود کی آنکھ اس کی عظمت وجلال کے مشاہدے سے خیرہ اور تباہ ہے۔ ایسے خدائے بیچون وبیچگون کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا تمام ایمان میسر نہیں ہوتا کیونکہ ایمان شہودحق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ اپنی تراشیدہ اور بنائی ہوئی چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ گویا ایمان شہود غیر کے ایمان کو حق تعالیٰ کے ایمان کے ساتھ شریک کرتا ہے بلکہ صرف ایمان بغیر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ذٰلِکَ (اس سے اللہ تعالیٰ ہم کو بچائے۔)

ایمان بالغیب اس وقت میسر ہوتا ہے جبکہ تیز رفتار وہم کی جولانی نہ رہے اور وہاں کی کوئی

چیز قوت متخیلہ میں منقش نہ ہو اور یہ بات حق تعالیٰ کی اقربیت میں ثابت ہوتی ہے جو وہم و خیال کے احاطہ سے باہر ہے کیونکہ جس قدر زیادہ دور ہوں، اسی قدر وہم کا جولان زیادہ ہوتا ہے اور اسی قدر زیادہ خیال کا غلبہ پڑتا ہے۔ یہ دولت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ایمان بالغیب بھی انہیں بزرگواروں کا نصیب ہے اور جس کسی کو کہ چاہتے ہیں ان کی تبعیت و وراثت کے سبب اس دولت سے مشرف کرتے ہیں اور وہ ایمان غیب جو عوام کو حاصل ہے، وہم کے احاطہ سے باہر نہیں کیونکہ وراء الوراء عوام کے نزدیک بعد اور دوری کی جانب میں ہے جو وہم کا جولانگاہ ہے اور ان بزرگواروں کے نزدیک وراء الوراء قرب کی جانب میں ہے جہاں وہم کی مجال نہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے اور حیات دنیا کے ساتھ زندہ ہیں، ایمان غیب سے چارہ نہیں کیونکہ ایمان شہود اس جگہ معلول ہے۔ جب عالم آخرت پرتو ڈالے گا اور وہم و خیال کی صورت کو توڑ دے گا تو پھر ایمان شہودی مقبول ہوگا اور تراشنے اور بنانے کی علت سے پاک و مبرا ہوگا۔

میرے خیال میں جب حضرت محمد رسول اللہ دنیا میں دولت رویت سے مشرف ہوئے تو ان کے حق میں اگر ایمان شہودی ثابت کریں تو زیبا اور محمود ہے اور اپنی طرف سے بنانے اور تراشنے سے صاف آزاد ہے کیونکہ جس چیز کا اوروں کے لیے قیامت کا وعدہ ہے، ان کو اسی جگہ میسر ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ .

جاننا چاہیے کہ کلمہ نفی کو حضرت خلیل علٰے نبینا وعلیہ والصلوٰۃ والسلام نے پورا کیا تھا اور شرک کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ نہ چھوڑا جس کو بند نہ کیا جائے۔ اسی واسطے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امام اور پیشوا بن گئے کیونکہ اس جہان میں نہایت کمال اس نفی کے کامل کرنے پر وابستہ ہے اور کلمہ طیبہ کے اثبات کے کمالات کا ظہور عالم آخرت پر موقوف ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جب حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جہان میں رویت کی دولت سے مشرف ہوئے تو انہوں نے کلمہ اثبات کے کمالات سے بھی کامل حصہ پالیا۔ اس صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ کلمہ اثبات اس جہان کے اندازے کے موافق ان کی بعثت سے کامل و تمام ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ تجلی ذات ان کے حق میں اسی جہان میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے حق میں آخرت پر موعود جانتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ

مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (سلام اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔)

مکتوب ۱۰

اس بیان میں کہ جو ظہور ہوتا ہے، ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوتا۔ برخلاف اس ظہور کے جو عرش پر واقع ہو اور جب قلب اپنی نہایت کمال تک پہنچ جاتا ہے تو انوار عرش سے نور اقتباس کر لیتا ہے۔ حقائق آگاہ برادر حقیقی میاں محمد مودود کی طرف صادر کیا ہے۔

شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے، سب عارف کے دل کے گوشہ میں رکھ دیں تو عارف کو قلب کی فراخی کے باعث کچھ محسوس نہ ہو۔

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی تائید کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا اثر کچھ باقی نہیں رہتا یعنی عرش و مافیہا حادث ہے اور عارف کا قلب جو انوار قدم کے ظہور کا محل ہے، جب اس حادث کو اس قلب کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو مضمحل اور متلاشی یعنی فانی و ناچیز ہو جاتا ہے۔ پھر کس طرح محسوس ہو سکے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب صوفیہ کے رئیس یعنی سلطان العارفین اور سید الطائفہ اس طرح کہیں اور عرش مجید کا قلب عارف کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہ کریں اور عرش کو انوار قدم کے ظہورات سے خالی جان کر حادث کہہ دیں اور قلب کو انوار قدم کے ظہورات کے باعث قدیم بیان کریں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔

اس فقیر کے نزدیک جو جذبات الٰہی سے تربیت یافتہ ہے، یہ ہے کہ عارف کا قلب جب اپنی خاص استعداد کے موافق نہایت النہایت تک پہنچ جاتا ہے اور وہ کمال حاصل کر لیتا ہے جس سے بڑھ کر اور کمال متصور نہیں تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوار عرشی کے ظہور کے بے نہایت لمعات میں سے ایک لمعہ اس پر فائض ہو۔ اس لمعہ کو ان لمعات کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم ہوتی ہے۔

عرش وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ عظیم فرماتا ہے اور جس پر استواء کا سر ثابت کرتا ہے۔ قلب عارف کو جامعیت کے باعث تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہتے ہیں یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور خلق وامر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ اسی طرح قلب بھی عالم صغیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور اس عالم کے خلق وامر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی تشبیہ کے طور پر عرش کہہ سکتے ہیں۔

جاننا چاہئے اور غور سے سننا چاہئے کہ انوار قدم کے ظہور کی قابلیت جو ظلیت کی ملاوٹ سے منزہ اور مبرا ہے، وہ عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ قابلیت عرش مجید کے سوا نہ عالم خلق رکھتا ہے اور نہ عالم امر نہ عالم کبیر نہ عالم صغیر۔

عارف کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث ان انوار سے نور اقتباس کر لیتا ہے اور دریا سے ایک چلو بھر لیتا ہے۔ عرش اور کامل معرفت والے عارف کے دل کے سوا اور جس قدر ظہور ہیں، سب پر ظلیت کا داغ ہے اور کسی میں اصل کی بو نہیں۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ اگر سکر کے باعث اس طرح کہہ دیں تو مناسب ہے لیکن جنیدؒ سے جو صحو کا مدعی ہے، اس قسم کی کلام کا صادر ہونا نہایت ہی ناخوش اور نامناسب ہے لیکن کیا کریں۔ وہ حقیقت معاملہ سے واقف ہی نہیں ہوئے اور دریائے ظلیت کے بھنور سے کنارہ تک نہیں پہنچے۔ یہ بات اگرچہ اکثر خلق کی نظر میں آج بعید اور عجیب دکھائی دیتی ہے لیکن آج کے آگے کل نزدیک ہے۔ جلدی نہ کریں۔ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ (اللہ تعالیٰ کا امر آ گیا ہے۔ جلدی نہ کرو) سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ (اللہ تعالیٰ شرک کی باتوں سے پاک ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّالِحِیْنَ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اَجْمَعِیْنَ (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔)

مکتوب ۱۱

فوق عرشی کے ظہور کی بعض خصوصیتوں اور آیت کریمہ اللہ نور السموت الارض کے تاویلی معنوں اور انسان کے بعض خاص کمالوں اور جزو ارضی کی

فضیلتوں کے بیان میں حقائق و معارف آ گاہ مظہر فیض الٰہی مجد الدین خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیۡهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الۡکِرَامِ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی اور اس کی آل بزرگ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔)

عالم کبیر باوجود وسعت اور تفصیل کے چونکہ ہیئت وحدانی نہیں رکھتا۔ اس لیے بسیط حقیقی (جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے مجرد اور شیون وصفات کی تفصیلوں سے معرا ہے) کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتا۔ عالم کبیر کے اجزاء میں سے اشرف جزو حضرت رحمٰن کا عرش ہے جو حضرت ذات جامع صفات جل شانہ کے انوار کے ظہور کا مقام ہے۔ عرش مجید کے سوا باقی جو کچھ کہ عالم کبیر میں سے ہے۔ سب کے ظہورات ظلیت کی آمیزش سے خالی نہیں۔ اسی واسطے رب العالمین نے استواء کے سر کو عالم کبیر کے اجزاء میں سے عرش مجید کے ساتھ جو اس کی اجزاء میں سے افضل و اشرف ہے، مخصوص کیا ہے کیونکہ ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور درحقیقت حق تعالیٰ کا ظہور نہیں تاکہ استوا کی عبارت میں ادا کیا جائے۔ نیز وہ ظہور جو وہاں ہے، دائمی ہے اور کوئی پردہ درمیان حائل نہیں۔ اگرچہ زمین و آسمان کا نور اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے اور ظلیت کے واسطہ کے بغیر ان میں ظہور نہیں فرمایا۔ یہ سب ظہورات ظہور عرشی کے انوار سے مقتبس ہیں جنہوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ میں پوشیدہ ہو کر ظہور فرمایا ہے جس طرح کہ دریائے محیط سے برتنوں کے ذریعے پانی ہر جگہ لے جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں یا ایک بڑے مشعل سے چھوٹے چھوٹے چراغوں کو جلا کر اطراف و اکناف کو ان چراغوں سے روشن کرلیں۔

آیت کریمہ: اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِهٖ کَمِشۡکٰوةٍ فِیۡهَا مِصۡبَاحٌ ط اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَةٍ ط اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ زَیۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِیَّةٍ وَّلَا غَرۡبِیَّةٍ یَّکَادُ زَیۡتُهَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چراغ دان ہو اور اس کے اندر چراغ ہو اور چراغ ایک شیشے میں ہو۔ وہ شیشہ گویا ایک چمکدار ستارہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو۔ نہ شرقی ہو نہ غربی اور اس کا تیل آگ کے بغیر ہی

روشنی دیتا ہو اور بہت روشن ہو) میں انہی معارف کی طرف اشارہ ہے۔

کیونکہ آیت کریمہ میں تمثیل کو اسی واسطے اختیار کیا ہے تا کہ ان میں اس نور کے ظہور کو بلاواسطہ نہ سمجھ لیں اور ظل کو اصل سے مشتبہ نہ کریں اور نور ظل کو نور اصل سے مقتبس اور روشن شدہ خیال کریں۔ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔) آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے لیکن ہم اس کی تاویل کرتے ہیں جو ہم پر کشف ہوئی ہے جس کو ہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور حسن توفیق سے بیان کرتے اور کہتے ہیں۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ حجاب نہیں ہے۔ صفات کا ذات کے لیے حجاب ہونا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں اور ظہور اصل مقام عین میں۔ علم میں صفات ذات کا حجاب ہیں نہ عین میں۔ مثلاً زید کو جب تو مرتبہ علم میں تعقل و تصور کرے تو اس کا ظہور علم میں صفات کے ساتھ ہوگا یعنی دراز قد ہے یا پست قد۔ عالم ہے یا جاہل۔ چھوٹا ہے یا بڑا۔ شاعر ہے یا کاتب۔ یہ سب صفات جن کا تو نے تصور کیا، اس کی ذات کا حجاب ہوں گے اور یہ سب تقیدات کلیہ اس کے تشخص کے لیے مفید نہ ہوں گے لیکن جب زید علم سے عین میں آجائے گا اور باوجود صفات کے مشہود ہو جائے گا اور معاملہ ظلیت سے اصالت تک پہنچ جائے گا کیونکہ زید کی علمی صورت زید موجود خارجی کے لیے جو اس کا اصل ہے، ظل کی طرح ہے تو یہاں صفات اس کی ذات کا حجاب نہ ہوں گے۔ صفات کا جامع شخص محسوس ہوگا۔

اسی طرح مراتب ظلال اور تصورات مثال میں حق تعالیٰ کے صفات اس کی ذات سے جدا دکھائی دیتے ہیں لیکن جب اصل تک وصول میسر ہو جائے تو صفات کو ذات سے الگ نہ پائیں گے اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے الگ نہ ہوگا۔ تجلی صفات کو جو تجلی ذات سے جدا کرتے ہیں اور تجلی افعال کو الگ جانتے ہیں، سب مقامات ظلالی میں ہے۔ اصل تک وصول کے بعد ایک ہی تجلی ہے جو تجلیات ثلثہ کو شامل ہے۔ مثلاً زید کو جب دیکھتے ہیں تو اس کی ذات کا شہود اس کی صفات کے شہود سے جدا نہیں۔ اسی وقت میں کہ جب زید کو دیکھتے ہیں۔ معلوم کرتے ہیں کہ عالم و فاضل ہے۔ علم و فضل جس طرح اس کی رویت کا حجاب نہیں۔ اسی طرح اس سے جدا بھی نہیں۔ ہاں اگر زید کو تصور کریں اور ظلی صورتوں میں اس کا ادراک کریں تو اس صورت میں

صفات اس کی ذات سے الگ ہوں گی اور ذات کا حجاب بن جائیں گی جیسے کہ گزر چکا۔

کیا نہیں جانتے کہ آخرت میں مرئی وہ ذات ہے جو جامع صفات ہے۔ نہ وہ ذات جو اسماء و صفات سے معرا ہے کیونکہ وہ مجرد اعتبار ہی اعتبار ہے۔ اس لیے کہ ذات ہرگز صفات سے مجرد نہیں اور صفات ذات سے ہرگز الگ نہیں ہیں۔ الگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ عارف پر جب حق تعالیٰ کی ذات کی گرفتاری غالب آ جاتی ہے تو اس کی نظر سے اسماء و صفات کا ملاحظہ ساقط ہو جاتا ہے اور ذات احدیت کے سوا اس کے مشاہدہ میں کچھ نہیں آتا۔ پس ذات کا صفات سے الگ ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہے۔ (آسمانوں اور زمین کا نور) نور وہ ہے جس سے چیزیں روشن ہوتی ہیں۔ آسمان اور زمین حق تعالیٰ کے ساتھ روشن ہوئے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے ان کو عدم کے اندھیرے سے نکالا ہے اور وجود اور اس کے توابع کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو جو اس نور سے روشن ہوئے ہیں، مشکوٰۃ کی طرح تصور کرنا چاہیے اور اس نور کو چراغ کی مانند جاننا چاہیے جو اس مشکوٰۃ میں رکھا ہوا ہے۔ مشکوٰۃ پر کاف تمثیل کا آنا مصباح پر مشکوٰۃ کے شامل ہونے کے لیے ہے اور زجاجہ سے اسماء و صفات کا پردہ ملاحظہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ نور اسماء و صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شیون و اعتبارات سے معرا نہیں اور حق تعالیٰ کی صفات کا زجاجہ حسن و جوب اور جمال قدم میں ستارہ روشن کی طرح ہے اور وہ مصباح جو اس مشکوٰۃ میں رکھا ہے، زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے جو عرش کے اس ظہور جامع سے مراد ہے جس ظہور کی رمزوں میں سے استوار ایک رمز ہے کیونکہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمینوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس ظہور جامع کے اجزاء کی طرح ہیں۔ وہ ظہور جامع چونکہ لامکانی اور بے جہت ہے، اس واسطے اس کو لَاشَرْقِيَّةٍ لَا غَرْبِيَّةٍ کہہ سکتے ہیں۔ یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْئُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" میں اس مبارک درخت کی تعریف اور اس درخت کے تیل کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے جس کے ساتھ اس کو تمثیل دی گئی ہے۔ نُوْرٌ" عَلٰی نُوْرٍ یعنی اس پردہ زجاجہ نے اپنی صفائی اور چمک دمک کے باعث اس نور کو زیادہ کر دیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو بڑھا دیا ہے کیونکہ کمالات صفات کمالات ذات کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور صفات کا حسن ذات کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے۔

باوجود نور کی زیادتی اور کمال ظہور کے یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ

اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے) ہاں سچ ہے۔ مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِنْ نُوْرٍ (جس کو اللہ تعالیٰ نے نور نہیں دیا، اس کے لیے کوئی نور نہیں)

یہ ظہور جامع جو عرش سے منسوب ہے، تمام مشاہدات و معائنات و مکاشفات کا منتہیٰ اور تمام تجلیات و ظہورات کا انتہاء ہے، خواہ تجلی ذاتی ہو اور خواہ تجلی صفاتی۔ اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ آ پڑتا ہے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا حال بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ ظہور جامع اگرچہ صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن صفات اس مقام میں ذات کے نہ کہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے جیسے کہ اس کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی نیز یہ ظہور جامع مثال کی تصویروں کا منتہیٰ ہے بعد ازاں جو کمال ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے آئینہ میں اس کی تصویر نہیں پا سکتے کیونکہ مثال میں اس امر کی تصویر دکھاتے ہیں جو خارج کے ساتھ مناسبت و مشابہت رکھتا ہو اگرچہ وہ مشابہت اسم میں ہو لیکن وہ امر جو خارج میں کسی چیز کے ساتھ کسی طرح مشابہت نہیں رکھتا، اس کی تصویر مثال میں محال ہے۔ اس سے اوپر کے کمالات سب اسی قسم کے ہیں کہ وہ کسی چیز کے ساتھ کسی طرح بھی مشابہ نہیں تا کہ مثال میں ان کی تصویر ظاہر کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں ہر وقت جہل دامن گیر ہے اور ادراک کا نہ ہونا ادراک کا نشان ہے۔ اگرچہ اس جہان میں اس مقام سے سوائے جہل با علم کے اور کوئی امر حاصل نہیں ہوا لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایسی قوت بخشیں گے اور ایسا دل دیں گے جو نور کی چمک میں متلاشی اور ناچیز نہ ہوگا اور معاملہ کی اصلیت سے آگاہ ہوگا۔ بیت

تو مرا دل دہ و دلیری بہ بیں	روبہ خویش خوان و شیری بیں
ترجمہ: دل مجھے دے کے پھر دلیری دیکھ	اپنی روبہ بنا کے شیری دیکھ

آگاہ ہو کہ فوق العرش کا ظہور تجھے وہم میں نہ ڈال لے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا مقام و قرار عرش کے اوپر ہے اور جہت و مکان اس کے لیے ثابت ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ وَعَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِ قُدْسِهٖ تَعَالٰى (اللہ تعالیٰ کی پاک جناب ایسی باتوں سے جو اس کے لائق نہیں ہیں، برتر اور بلند ہے)

آئینہ میں زید کی صورت کے ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید آئینے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ ایسا وہم شاید کسی بے وقوف کو ہی ہوگا۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اعلیٰ مثال اللہ ہی کے لیے ہے۔)

مومن آخرت میں حق تعالیٰ کو بہشت میں دیکھیں گے۔ حالانکہ بہشت اور غیر بہشت سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اور اسی کی مخلوق ہیں اور وہ تجلی جو کوہ طور پر واقع ہوئی تھی، حالیت ومحلیت کی آمیزش سے پاک تھی۔

حاصل کلام یہ کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں اور بعض میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور گھوڑوں کی نعت میں یہ قابلیت نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں لوہے سے بنے ہیں۔ پس فرق مظہر میں ہے نہ ظاہر میں۔ ظاہر یعنی ظہور کرنے والے کی نسبت سب مظہر برابر ہیں۔ قابل بھی اور ناقابل بھی اور ایسے ہی وہ الفاظ جن سے کلیت یا جزئیت اور حالیت ومحلیت کا وہم پایا جاتا ہے۔ وہ ظاہر سے مصروف اور تاویل کے لائق ہیں۔ ایسے الفاظ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے مناسب نہیں۔ عبارت کی تنگی کے باعث اس قسم کے الفاظ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ بیت

ایں قاعدہ یاددار کانجا کہ خداست   نہ جزو نہ کل نہ ظرف نہ مظروف است

ترجمہ: یادرکھو جس جا وہ خداوند زمیں ہے   ظرف ومظروف وکل وجزو نہیں ہے

چونکہ قلب عالم صغیر کا عرش ہے اور عالم کبیر کے عرش کے مشابہ ہے۔ جہان کی تجلی میں ظلیت کی آمیزش نہیں۔ اس لیے اس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی کا ایک لحہ اس قلب کا حصہ ہے۔ اگرچہ آسمانوں اور زمین کو بھی اسی تجلی کی چمک پہنچی ہے لیکن ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ میں ہے۔ سوائے قلب کے جو عرش کی طرح ظلیت کی ملاوٹ سے پاک ہے۔ اگرچہ ظہور چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہے

بقدر آئینہ حسن تو مے نماید او

ترجمہ: بقدر آئینہ پاتا ہے تیرا حسن ظہور

پس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی عرش مجید کے بعد کاملین کے قلب کا حصہ ہے۔ دوسروں کے لیے ظلیت دامن گیر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ظہور عرشی اگرچہ ظلیت کی آمیزش سے پاک ہے لیکن وہاں صفات ذات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور شیون واعتبارات ذات میں ثابت ہیں۔ اگرچہ صفات وشیون اس مرتبہ بھی ذات کا حجاب نہیں ہیں لیکن دید ودانش میں مشارکت اور محبت وگرفتاری میں برابر

مشترک ہیں۔ احدیت مجردہ کی محبت کے گرفتار کسی امر کی شرکت پر راضی نہیں ہیں۔ اَلاَ لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے) کے موافق دین خالص کو چاہتے ہیں۔ صفات کا شریک نہ کرنا انسان کے قلب کی ہیئت وحدانی اور انسان کے جزاء ارضی کے نصیب ہے۔ ان سب سے بڑھ کر ایک اور انسان کی ہیئت وحدانی ہے جس نے اس کی جزاء ارضی کا رنگ اور اسی کا حکم اختیار کر لیا ہے۔ غرض اس معاملہ میں عمدہ اور بہتر جزء ارضی ہے۔ دوسرے امور زائدہ تحسین وخوبی کی طرح ہیں۔

انسان میں جو چیزیں ایسی ہیں جو عرش میں نہیں ہیں اور نہ ہی عالم کبیر کو ان کا کچھ حصہ ملا ہے۔ انسان میں ایک جزء ارضی ہے جو عرش میں نہیں اور دوسری ہیئت وحدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں اور وہ شعور جو ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے۔ ''نور علیٰ نور'' ہے جو عالم اصغر کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک عجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کر لی ہے اور بار امانت کو اٹھا لیا ہے۔

انسان کی عجیب وغریب خصوصیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت احدیت مجردہ کے آئینہ بننے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے اور صفات وشیون کے ملنے کے بغیر ذات احد کا مظہر بن جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت ذات تعالیٰ ہر وقت صفات و شیونات کی جامع ہے اور صفات وشیونات کسی وقت بھی ذات تعالیٰ سے الگ نہیں ہیں۔

اس کا بیان یہ ہے کہ جب انسان کامل ذات احدیت کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ذات احد سے گرفتاری حاصل کر لیتا ہے اور صفات وشیونات سے کچھ بھی اس کے ملحوظ اور منظور اور مقصود ومطلوب نہیں ہوتا تو اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کے موافق اس کو حضرت احدیت مجردہ کے ساتھ ایک قسم کا مجہول الکیفیت اتصال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گرفتاری جو ذات احد کے ساتھ اس کو حاصل ہوتی ہے، ذات بیچون کے ساتھ قریب چون کی نسبت اس میں ثابت کر دیتی ہے۔ اس وقت انسان کامل ذات احد کا اس قسم کا آئینہ بن جاتا ہے کہ اس میں صفات و شیون کچھ مشہود اور مرئی نہیں ہوتیں بلکہ احدیت مجردہ اس میں ظاہر اور جلوہ گر ہوتی ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمُ وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہ تھی، اس انسان کامل کے آئینہ میں مجرد اور تنہا طور پر ظاہر اور متجلی ہو گئی اور حسن ذاتی فاتی سے الگ ہو گیا۔ اس قسم کا آئینہ اور مظہر

بنا انسان کامل کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا اور حضرت ذات صفات وشیون کی آمیزش کے بغیر انسان کے سوا اور کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوئی۔ عالم کبیر میں عرش مجید حضرت ذات مستجمع الصفات کا مظہر ہے اور عالم صغیر میں انسان کامل ذات احد کا مظہر ہے۔ جو اعتبارات سے مجرد ہے۔ اس قسم کا آئینہ اور مظہر بنا انسان کی نہایت عجوبہ باتوں میں سے ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُعْطِیْ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَاهُ وَلاَ مُعْطِیَ لِمَا مَنَعَهٗ (اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے جس کو وہ جو کچھ عطا کرے، اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روک لے اس کو کوئی دے نہیں سکتا۔) وَالسَّلاَمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ الْعُلٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔)

مکتوب ۱۲

اس بیان میں کہ فرشتے اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن اس طرح دولت کو انسان میں جز کی طرح بنایا ہے اور اس کے ساتھ اس کو بقا بخشی ہے اور اس کے مناسب بیان میں معارف آگاہ برادر حقیقی میاں غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلاَمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

ملائکہ کرام اصل کا مشاہدہ کرتے اور اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں۔ ظلیت کی آمیزش ان کے حق میں مفقود ہے۔ انسان بیچارہ اس جہان میں دائرہ ظلیت سے بمشکل قدم باہر نکال سکتا ہے اور انفسی اور آفاقی آئینوں کے وسیلوں کے بغیر شہود دائمی بمشکل حاصل کر سکتا ہے۔ اصل تک پہنچنے کے بعد اصل کے انوار کی شعاعوں کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ گر کر کے پھر اس کو عالم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالہ کرتے ہیں۔ اس رجوع میں اس کی اپنی بھی تربیت ہے اور دوسروں کی بھی کیونکہ اصلی انوار کا وہ پرتو جو اس کی جز کی طرح بنایا گیا ہے، رجوع کی مدت میں دوسرے اجزاء کو بھی اپنے رنگ پر لے آتا اور اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے جس طرح کہ دوسروں کو نقص

سے کمال تک لے آتا ہے اور غیب کی شہادت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جب اس کی دعوت اور رجوع کی مدت تمام ہو جاتی ہے اور کتاب وقت مقررہ تک پہنچ جاتی ہے تو اس کو اپنے اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی ندا اس سے نکلتی ہے اور مختلف تعلقات سے آزاد ہو کر غیب سے شہادت کی طرف اسباب لے جاتا ہے اور گوش سے آغوش تک معاملہ آ جاتا ہے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے) اس وقت صادق آتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہد ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن اس دولت کو انسان میں جز کی طرح بنایا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کو بقا بخشی ہے اور اس کے ساتھ متحقق ہوا ہے۔ برخلاف فرشتہ کے کہ اس دولت کو اس میں جزء کی طرح نہیں بنایا۔ باہر ہی میں نظارہ کرتا ہے اور بقاء وتحقق اس کے ساتھ حاصل نہیں کرتا۔ یہ انصباغ وتلون جو انسان کو اصلی رنگ سے میسر ہوا ہے، فرشتہ نہیں رکھتا اور وہ خصوصیت جو خاکیوں کو حاصل ہوئی ہے، قدسیوں کو حاصل نہیں کیونکہ اندر سے باہر تک بہت فرق ہے۔ اگرچہ اندرونی دولت جزو کی طرح ہوتی ہے اور بیرون دولت کل کی طرح لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر۔ کَلَامُنَا اِشَارَۃٌ وَ بَشَارَۃٌ (ہماری کلام اشارہ اور بشارت ہوتی ہے۔) اسی واسطے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہو گئے اور ان کے ہوتے ہوئے خلافت کے مستحق بن گئے۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) بیت

زمیں زادہ بر آسماں تاختہ . زمین وزماں راپس انداختہ

ترجمہ: زمیں زادہ گیا چڑھ آسماں پر زمین و آسمان سے گزر کر

یہ دولت انسان کو جزء ارضی کے باعث میسر ہوئی ہے اور قلب کو جو عرش اللہ کہتے ہیں۔ عنصر خاک ہی کی بدولت ہے جو کل کا جامع اور دائرہ امکان کا مرکز ہے۔ ہاں زمین کو اس کی پستی اور عاجزی کے باعث یہ سب رفعت و بلندی حاصل ہوئی ہے اور اس فروتنی نے اس کو بلند کر دیا ہے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَفَعَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے) جب انسان رجوع اور دعوت کی مدت کے تمام ہونے اور اصلی

رنگ میں رنگے جانے کے بعد اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور جناب پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس وقت جو خصوصیت اور انبساط جو اس کو میسر ہوتا ہے، یقین نہیں کہ دوسروں کو بھی حاصل ہوا اور وہ قرب و مرتبہ جو اس کو حاصل ہوتا ہے، کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اصل میں ثانی ہو کر اس کے ساتھ بقاء پیدا کر لیتا ہے اور اصل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ کسی اور کی کیا مجال ہے کہ اس کے ساتھ برابری کرے کیونکہ دوسروں کا انصباغ یعنی اصل کے رنگ میں رنگا جانا اگرچہ تجرد و تنزہ کے اعتبار سے اتم و اکمل ہوتا ہے لیکن چونکہ خارج سے آیا ہے، اس لیے عارضی کا حکم رکھتا ہے اور انسان کا انصباغ چونکہ درونی ہے۔ اس لیے ذاتی حکم رکھتا ہے۔ شَتَّانَ مَابَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے۔)

یہ کمال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کہ جن کو خاص بشر کہتے ہیں، مخصوص ہے اور جس کسی کو چاہیں اپنی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں۔

یہ دولت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو ان کی صحبت کی برکت سے زیادہ تر حاصل تھی۔ اصحاب کرام کے سوا اور لوگ جن کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں بہت کم بلکہ اس سے بھی کمتر ہیں۔

بیت: اگر پادشہ بردر پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ترجمہ: اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطان تو اے خواجہ نہ ہو ہرگز پریشان

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بِحُرْمَةِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَکْمَلُھَا وَاَتَمُّھَا (یا اللہ تو حضرت سید المرسلین ﷺ کے طفیل ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہم کو بخش تو سب چیزوں پر قادر ہے)

مکتوب ۱۴

اس بیان میں کہ علماء ظاہر کے نصیب کیا ہے اور صوفیا علیہ کے حصہ میں کیا آیا ہے اور علماء راسخین جو انبیاء کے وارث ہیں، ان کے نصیب میں کیا ہے، مرزا شمس الدین کی طرف اس کے خط کے جواب میں لکھا ہے:

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مبارک خط جو از روئے کرم صادر

فرمایا تھا۔ برادر عزیز شیخ محمد طاہر نے پہنچایا اور خوش وقت کیا۔ آپ نے لکھا تھا کہ ملاقات کے حاصل ہونے تک ایسے مکتوبات کے ساتھ جو نصیحتوں سے پر ہوں، یاد فرماتے رہیں۔

میرے مخدوم مکرم اَلنَّصِیْحَۃُ ھِیَ الدِّیْنُ وَمَتَابَعَۃُ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ مِنَ الصَّلٰوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُھَا (یعنی سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کا دین اور متابعت اختیار کریں)

سید المرسلین کے دین اور متابعت سے علماء ظاہر کا نصیب عقائد درست کرنے بعد شرائع و احکام کا علم اور اس کے موافق عمل ہے اور صوفیا علیہ کا نصیب بمعہ اس چیز کے جو علماء رکھتے ہیں، احوال و مواجید اور علوم و معارف ہیں اور علماء راسخین کا نصیب جو انبیاء کے وارث ہیں، بمعہ اس چیز کے جو عالم رکھتے ہیں اور بمعہ اس چیز کے جس کے ساتھ صوفیہ ممتاز ہیں، وہ اسرار و دقائق ہیں جن کی نسبت متشابہات قرآنی میں رمز و اشارہ ہو چکا ہے اور تاویل کے طور پر درج ہو چکے ہیں۔ یہی لوگ متابعت میں کامل اور وراثت کے مستحق ہیں۔ یہ لوگ وراثت و تبعیت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خاص دولت میں شریک اور بارگاہ کے محرم ہیں۔

اسی واسطے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں) کی شرافت کرامت سے مشرف ہوئے ہیں۔ پس آپ کو بھی لازم ہے کہ علم و عمل و حال و وجد کی رو سے حضرت سید المرسلین اور حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین و اہل طاعۃ اجمعین کی متابعت بجالائیں تاکہ اس وراثت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو جو نہایت اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۱۴

اس استفسار کے جواب میں کہ صاحب منصب البتہ صاحب علم ہے یا نہیں اور اس استفسار میں کہ فنائی اللہ اور بقاباللہ اب تک حاصل نہیں ہوئی اور اپنی حالت پر اطلاع نہ ہونے کے بیان میں مولانا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ کے دو مبارک خط پے در پے پہنچے۔ آپ نے مصائب کی ماتم پرسی کی بابت لکھا ہوا

تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یاروں اور دوستوں کو فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ طیبہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ پڑھ کر خواجہ محمد صادق مرحوم اور ان کی ہمشیرہ ام کلثوم مرحومہ کی روح کو بخشیں یعنی ستر ہزار بار پڑھ کر ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار دوسرے کی روح کو۔ دوستوں سے دعاء فاتحہ مسئول و مطلوب ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات میں درج ہو چکا ہے کہ صاحب منصب صاحب علم ہے۔ میرے مخدوم قطب الاقطاب صاحب علم ہے اور شہروں کے اقطاب اس کے اجزاء اور ہاتھ پاؤں کی طرح ہیں۔ بعض کو اپنے مدار ہونے کا علم ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا۔

آپ نے لکھا تھا کہ فنا فی اللہ اور بقاء باللہ ابھی تک حاصل نہیں ہوا۔ میرے مکرم کیا کیا جائے آپ صحبت میں کم رہے ہیں۔ آپ اس قدر بھی نہیں ٹھہرے کہ آپ کو آپ کے بعض حاصل شدہ احوال سے اطلاع دی جاتی۔ اب ہندوستان سے آپ کی فنا و بقاء کا مشاہدہ کرتا ہوں اور یہ دونوں کمال جو آپ نے فرمائے ہیں، آپ میں محسوس کرتا ہوں اور آپ ان سے انکار کرتے ہیں۔ دور دراز فاصلہ درمیان ہے جب تک ظاہری ملاقات حاصل نہ ہو، پوشیدہ احوال پر اطلاع پانا مشکل ہے۔

مشائخ رحمتہ اللہ علیہ نے فنا و بقاء کے بارے میں مختلف باتیں کہی ہیں جو سب کی سب رمز و اشارہ کے طور پر ہیں۔ کوئی شخص اپنی نسبت کیا معلوم کر سکتا ہے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سب کو احوال کا علم نہیں بخشتے۔ بعض کو احوال کا علم عطا فرما کر پیشوا بنا دیتے ہیں اور بعض کو اس کے حوالہ کر کے کمال و تکمیل کے مرتبہ تک پہنچاتے ہیں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را ترجمہ: خاص کر لیتا ہے ایک کو تا بھلا ہو عام کا

کیا اچھا ہوتا اگر ہم شیخ حسن کو چند روز اور اپنے پاس رکھ کر بعض ظاہر شدہ احوال پر اطلاع دے کر آپ کی طرف بھیجتے۔ آپ کا آنا مشکل ہے اور اگر آپ کے قابل اور رشید دوستوں میں سے کوئی آ جاتا اور چند روز ہمارے پاس رہتا اور ہماری بات کو سمجھتا تو کیا اچھا ہوتا تاکہ ضروری باتیں اس پر ظاہر کی جاتیں۔ اصل مقصود یہی ہے کہ احوال حاصل ہو جائیں اور احوال پر اطلاع پانا امر دیگر ہے۔ وَالْبَاقِیْ عِنْدَ التَّلاَقِیْ اِنْشَاءَ اللّٰہُ الْبَاقِیْ وَالسَّلاَمُ سب سے زیادہ ضروری نصیحت یہ ہے کہ علوم کے درس میں کسی طرح کوتاہی نہ کریں۔ اگر آپ کا

سارا وقت درس ہی میں لگ جائے تو اچھا ہے۔ ذکر وفکر کی ہوس نہ کریں۔ رات کے ساعات ذکر وفکر کے لیے فراخ ہیں۔

شیخ حسن کو بھی سبق پڑھاتے رہیں اور اس کو بیکار نہ رہنے دیں۔ ان حدود میں چونکہ علم بہت کم ہے، اس لیے ضروری علوم شرعیہ کو تازہ اور زندہ کریں۔ زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ خواجہ اویس کے واقعات کے اوراق پہنچے اکثر جگہ سے دیکھے گئے۔ مبشرات ہیں، حق تعالیٰ کی بارگاہ سے امیدوار ہیں تاکہ قوۃ اور پوشیدگی سے فعل وظہور میں آ جائیں۔ والسلام۔

مکتوب ۱۵

قصبہ سامانہ کے خطیب کی مذمت وتکوہش میں جس نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اور بیان نہ کیا تھا۔ شہر سامانہ کے بزرگ سادات اور قاضیوں اور رئیسوں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

شہر سامانہ کے سادات عظام اور قاضیوں اور بزرگ رئیسوں کے معزز خادموں کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کیا ہے اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں لیا اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جب لوگوں نے اس سے تعرض کیا تو بجائے اس کے کہ اپنی سہو ونسیان کا عذر کرتا، سرکشی سے پیش آیا اور یوں کہہ اٹھا کہ اگر خلفاء راشدین کے ناموں کا ذکر نہیں ہوا تو کیا ہوا اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس مقام کے رئیسوں اور معزز لوگوں نے اس بارہ میں بہت سستی کی ہے اور اس بے انصاف خطیب کے ساتھ سختی اور درشتی سے پیش نہیں آئے۔

وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے   ترجمہ: ایک افسوس نہیں صد ہا افسوس

خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں لیکن اہلسنت کا شعار تو ضرور ہے۔ عمداً اور ہیکڑ پن کے سوائے اس شخص کے کہ جس کا دل مریض اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص اس کو ترک نہیں کرتا۔ ہم نے مانا کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا مگر مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس نے کسی قوم کی مشابہت کی، وہ انہیں میں سے ہے) کا کیا جواب

دے گا اور اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَمِ (تہمت کی جگہوں سے بچو) کے موافق تہمت کے ظن سے کس طرح خلاصی پائے گا۔ اگر شیخین کی تقدیم و تفضیل میں متوقف ہے تو طریق اہل سنت کے مخالف ہے اور اگر حضرت ختنین کی محبت میں متردد ہے تو بھی اہل حق سے خارج ہے۔ عجب نہیں کہ وہ بے حقیقت جو کشمیریہ کی طرف منسوب ہے۔ اس خبث کو کشمیر کے بدنقیوں یعنی رافضیوں سے لے کر آیا ہو۔ اس کو سمجھانا چاہئے کہ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کی اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو بزرگ اماموں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔

جن میں سے ایک امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ شیخ امام ابوالحسن اشعری نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت باقی امت پر قطعی اور یقینی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں ان کے تابعداروں کے جم غفیر کے تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام امت سے افضل ہیں۔

پھر امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی (80) آدمیوں سے زیادہ نے روایت کیا ہے اور ایک جماعت کو گن کر بتلایا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ خدا رافضیوں کا برا کرے۔ یہ کیسے جاہل ہیں اور امام بخاری نے اپنی کتاب میں جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے، حضرت علی سے اس طرح روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر فرمایا کہ ایک اور شخص تو ان کے بیٹے محمد بن حنیفہ نے عرض کیا کہ پھر آپ۔ تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں حضرت علی اور اکابر صحابہ اور تابعین سے مشہور ہیں جن سے سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔

اس بے انصاف کو کہنا چاہئے کہ ہم کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کے ساتھ محبت رکھنے کا امر ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنے و ایذا دینے کی ممانعت ہے۔ حضرت ختنین آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بزرگ صحابہ اور قریبیوں میں سے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت و مودت اور بھی زیادہ بہتر و مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (کہ یا رسول اللہ ﷺ کہ تم سے میں قریبیوں کی محبت کے سوا اور کوئی اجر نہیں مانگتا) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اَللہَ اَللہَ فِی اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللہَ وَمَنْ اٰذَی اللہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ (میرے اصحاب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے بعد میرے اصحاب کو نشانہ کو بناؤ۔ جس نے ان کو دوست رکھا، اس نے میری دوستی کے سبب ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا جس نے ان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی، وہ ضرور اس کا مواخذہ کرے گا) اس قسم کا بدبودار پھول ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک معلوم نہیں کہ ہندوستان میں کھلا ہو عجب نہیں کہ اس معاملہ سے تمام شہر متہم ہو جائے بلکہ تمام ہندوستان سے اعتماد دور ہو جائے۔ سلطان وقت کہ خدا اس کو اسلام کے دشمنوں پر مدد اور غلبہ دے۔ اہل سنت اور حنفی المذہب ہے۔ اس کے زمانہ میں اس قسم کی بدعت کا ظاہر کرنا بڑی جرأت اور دلیری کا کام ہے بلکہ درحقیقت بادشاہ کے ساتھ مقابلہ کرنا اور اولی الامر کی اطاعت سے نکلنا ہے۔ پھر بڑی تعجب کی بات ہے کہ اس مقام کے بزرگ اور رئیس لوگ اس واقعہ میں خاموش رہیں اور سستی اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی مذمت میں فرماتا ہے۔ لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ان کے علماء اور خدا پرست لوگ ان کو ان کی بری باتوں و رشوت و سود کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے۔ واقعی بہت بری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اور فرماتا ہے کہ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ایک دوسرے کو برے فعل کے کرنے سے منع نہ کرتے تھے۔ واقعی بہت برا کرتے تھے۔ اس قسم کے واقعات میں تغافل و سستی کرنا گویا بدبختیوں کو دلیر کرنا اور دین میں رخنہ ڈالنا ہے۔ یہ سستی اور غفلت ہی کا نتیجہ ہے کہ مہدو (1) یہ جماعت کے لوگ کھلم کھلا اہل حق کو اپنے باطل طریق کی طرف دعوت کرتے اور موقع پا کر بھیڑیئے کی طرح ریوڑ سے ایک دو کو لے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا

1- یعنی سید محمد جونپوری کے تابعدار جو ملک دکن میں اب تک موجود ہیں۔ سید محمد جونپوری ۸۴۷ھ میں پیدا ہوا تھا اور اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ نعوذ باللہ منہ ۱۲ مترجم۔

تکلیف دی جائے اس وحشت انگیز خبر کو سن کر مجھ میں ایک شورش سی پیدا ہو گئی اور میری فاروقی رگ بھڑک اٹھی۔ اس لیے چند کلمے لکھے گئے، امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ (سلام ہو آپ پر اور ان بزرگواروں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا

مکتوب ۱۶

چند استفساروں کے جواب اور برزخ صغریٰ کے عجیب وغریب احوال اور مرگ طاعون کی فضیلت کے بیان میں شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ کا مبارک نامہ پہنچا جس میں لکھا تھا کہ اس طرف دو قومی حادثے واقع ہوئے ہیں۔ اول طاعون کا حادثہ، دوسرے قحط کا حادثہ اَعَافَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَنِ الْبَلِيَّاتِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو بلیات سے بچائے۔)

آپ نے لکھا تھا کہ ان فتنوں کے باوجود رات دن عبادت ومراقبہ میں گزر جاتا ہے اور باطن معمور ہے۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا حمد اور اس کا احسان ہے۔

اب ان سوالوں کا جواب لکھا جاتا ہے جو آپ نے دریافت کیے تھے۔ سنتوں میں اکثر اوقات چار قل کی قرأت کی جاتی ہے اور مردوں کے لیے کفن مسنون تین کپڑے ہیں۔ دستار زائد ہے۔ ہم قدر مسنون پر کفایت کرتے ہیں اور جواب نامہ بھی نہیں لکھتے کیونکہ نجاست اور پلیدی کے ساتھ اس کے آلودہ ہو جانے کا احتمال ہے اور سند صحیح سے بھی ثابت نہیں ہوا۔ علماء ماوراء النہر کا عمل اسی پر ہے اور اگر کفن میں قمیص کے بجائے پیراہن ترکی کو استعمال کریں تو مضائقہ نہیں۔ شہداء کے کفن ان کے اپنے کپڑے ہیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے وصیت کی تھی۔

كَفِنُوْنِيْ فِيْ ثَوْبِيْ هٰذَيْنِ (مجھے میرے ان دو کپڑوں میں کفنا دینا)

برزخ صغریٰ چونکہ ایک جہت سے دنیاوی وطنوں میں سے ہے، اس لیے ترقی کی گنجائش رکھتا ہے۔ اس مقام کے احوال مختلف اشخاص کے حالات پر نظر کرنے کے باعث باہم بہت فرق رکھتے ہیں۔ اَلْاَنْبِيَآءُ يُصَلُّوْنَ فِي الْقَبْرِ (انبیاء قبر میں نماز پڑھتے ہیں) آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام معراج کی رات جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر گزرے تو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جب اسی وقت آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو وہاں پایا۔

اس مقام کے معاملات نہایت عجیب وغریب ہیں۔ آج کل چونکہ فرزند اعظم مرحوم کی تقریب پر اس مقام کی طرف بہت نظر کی جاتی ہے۔ اس لیے نہایت ہی عجیب وغریب اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ان کا تھوڑا سا حال بھی بیان کیا جائے تو بڑے فتنے پیدا ہو جائیں۔ اگرچہ جنت کا چھت عرش مجید ہے لیکن قبر بھی جنت کے باغوں میں سے اک باغیچہ ہے۔ عقل کوتاہ اندیش ان باتوں کے تصور سے عاجز ہے۔ وہ اور ہی آنکھ ہے جو اس قسم کی عجوبہ باتوں کو دیکھتی ہے۔

مجرد ایمان اگرچہ چناں وچنیں کے بعد نجات دینے والا ہے مگر کلمہ طیبہ کا بلند ہونا عمل صالح پر موقوف ہے اور موت وباء سے بھاگنا یوم زحف یعنی کفار کے مقابلے سے بھاگنے کی طرح گناہ کبیرہ ہے جو کوئی وبا والی زمین میں صبر کے ساتھ رہے اور مر جائے شہداء سے ملے اور قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے اور جو کوئی صبر کرتا ہے اور نہیں مرتا وہ غازیوں سے ہے۔

اِنْ قَالَ لِيْ مُتْ مُتُّ سَمْعاً وَطَاعَةً
وَقُلْتُ لِدَاعِي الْمَوْتِ اَهْلاً وَ مَرْحَبا

ترجمہ: گر وہ کہے کہ مر جا مر جاؤں میں خوشی سے
پیک اجل کو کہہ دوں آ جا میں تیرے صدقے

چند روز سے بلغم وکھانسی نے تنگ کیا ہوا ہے اور بدن کمزور ہو رہا ہے۔ اس لیے جواب مختصر طور پر دیئے گئے۔ والسلام

مکتوب ۱۷

اس بیان میں کہ اس جہان کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر جراحت و زخم ہیں مگر حقیقت میں ترقیوں کا موجب ہیں اور مرہم ہیں اور مرگ طاعون کی فضیلت میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو مصائب کی ماتم پرسی کے بارہ میں شیخ مصطفیٰ کے ہاتھ ارسال کیا تھا، اس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں ترقیات اور مرہم ہیں۔ وہ (1) ثمرات و نتائج جن کے ملنے کی امید و توقع آخرت میں ہے، ان نتائج و ثمرات کا سواں (100) حصہ ہیں جو حق تعالیٰ کی عنایت سے اس جہان میں ان مصیبتوں پر مترتب ہوئی ہیں۔ فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے۔ زندگی میں بھی ان سے فائدے اور نفعے ہیں اور مرنے پر بھی ثمرات و نتائج مترتب ہیں۔

امام اجل محی السنۃ (2) حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تین دن طاعون واقع ہوئی۔ اس طاعون میں حضرت انس کے تراسی (83) بیٹے جو سب کے سب ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم تھے اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے حق میں برکت کی دعا فرمائی تھی، سب فوت ہو گئے اور چالیس (40) بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوت ہو گئے۔ جب حضرت خیر الانام علیہ السلام کے اصحاب کرام کے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں گے تو پھر ہم گنہگار کس حساب میں ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کے لیے شہادت ہے۔ واقعی وہ لوگ جو اس وباء میں مرتے ہیں۔ عجب حضور و توجہ سے مرتے ہیں۔ ہوس آتی ہے کہ کوئی شخص ان دنوں میں اس بلا والے لوگوں کے ساتھ ملحق ہو جائے اور دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر جائے۔ یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت۔

1- وہ نتائج و ثمرات جو حق تعالیٰ کی عنایت سے اس جہان میں ان مصیبتوں پر مترتب ہوئے ہیں۔ ان نتائج و ثمرات کا سواں حصہ ہیں جن کے ملنے کی امید و توقع عالم آخرت میں ہے۔

2- یعنی امام نووی۔

میاں شیخ طاہر بیان کرتے تھے کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ جو کوان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا۔ ہاں جب ان گزشتہ لوگوں کے حالات پر نظر کی جاتی ہے تو احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شائد شہداء فی سبیل اللہ ان خصوصیتوں سے ممتاز ہیں۔

میرے مخدوم فرزند عزیز قدس سرہ کی مفارقت بڑی بھاری مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو لیکن وہ صبر و شکر جو حق تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے۔ بڑی اعلیٰ نعمت اور اعظم انعام ہے۔ یہ فقیر حق تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزاء آخرت پر موقوف رکھے اور دنیا میں اس کی جزا کچھ بھی ظاہر نہ ہو۔ حالانکہ جانتا ہے کہ یہ سوال بھی سینہ کی تنگی کے باعث ہے ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى (دنیا و آخرت اللہ ہی کے لیے ہے۔)

دوستوں سے التجا ہے کہ دعا کے ساتھ امداد و اعانت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ سلامتی کے ساتھ کرے اور لغزشوں کو جو انسان کے لیے لازم ہیں، معاف فرمائے اور ان تقصیروں سے جو بشریت کے باعث صادر ہوتی ہیں، درگزر کرے۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (یا اللہ ہمارے گناہوں کو اور جو کچھ ہم سے کاموں میں اسراف ہوا ہے بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہماری مدد کر۔) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی۔)

مکتوب ۱۸

اس بیان میں کہ علماء راسخین اور علماء ظواہر اور صوفیہ میں سے ہر ایک کا نصیب کیا کیا ہے۔ شیخ جمال ناگوری کی طرف اس کی التماس کے جواب میں صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کا حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (علماء انبیاء کے وارث ہیں) علماء عظام کی تعریف میں کافی

ہے۔ علم وراثت علم شریعت ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے باقی رہا ہے۔ علم شریعت کی ایک صورت ہے ایک حقیقت۔ صورت وہ ہے جو علماء ظاہر کے نصیب ہے جو کتاب وسنتِ کے محکمات سے تعلق رکھتی ہے اور حقیقت یہ ہے جو علماء راسخین کے نصیب ہے جو کتاب وسنت کی متشابہات سے متعلق ہے۔ محکمات اگرچہ کتاب کے امہات یعنی اصول ہیں لیکن ان کے نتائج و ثمرات متشابہات ہیں جو کتاب کا اصلی مقصد ہیں اور نتائج وثمرات کے حاصل ہونے کے لیے امہات وسیلہ ہیں۔ گویا کتاب کا مغز متشابہات ہیں اور اس کا پوست محکمات۔ وہ متشابہات ہی ہیں جو رمز واشارہ کے ساتھ اصل کو ظاہر کرتی ہیں اور معاملہ کی حقیقت کا پتہ بتاتی ہیں۔ علماء راسخین نے پوست کو مغز کے ساتھ جمع کیا ہے اور شریعت کی صورت وحقیقت کے مجموعہ کو پالیا ہے۔ ان بزرگواروں نے شریعت کو ایک شخص تصور کیا ہے جس کا پوست صورت شریعت اور اس کا مغز حقیقت شریعت ہو۔ شرائع واحکام کے علم کو شریعت کی صورت اور حقائق واسرار کے علم کو شریعت کی حقیقت سمجھا ہے۔

بعض لوگوں نے شریعت کی صورت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے اور صرف ہدایہ اور بزدوی کو اپنا پیر ومقتدا سمجھا ہے۔

بعض لوگ اگرچہ حقیقت کے گرفتار ہوئے لیکن چونکہ انہوں نے اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہ جانا بلکہ شریعت کو صورت پر موقوف رکھا اور اس کو صرف پوست ہی خیال کیا اور مغز کو اس کے سوا کچھ اور تصور کیا۔ اس لیے اس حقیقت کی حقیقت سے سب واقف نہ ہوئے اور متشابہات کا کچھ حصہ حاصل نہ کیا۔ پس علماء راسخین ہی درحقیقت وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ان کے محبین اور تابعداروں میں سے بنائے۔

دیگر یہ عرض ہے کہ شیخ نور محمد نے آپ کی طرف سے ظاہر کیا کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم کو دوسرے سلسلوں کے مشائخ سے اجازت ہے۔ نقشبندیہ کی طرف سے بھی اجازت چاہتے ہیں۔

میرے مخدوم مکرم طریقہ علیا نقشبندیہ میں پیری ومریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر موقوف ہے۔ نہ کہ کلاہ وشجرہ پر جیسے کہ دوسرے سلسلوں میں متعارف اور مشہور ہے۔ ان بزرگواروں کا طریق صحبت ہی صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے۔ اسی واسطے ان کی ابتداء میں دوسروں کی نہایت مندرج ہے اور سب راستوں سے زیادہ قریب راستہ یہی ہے۔ ان کی

نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور ان کی توجہ باطنی بیماریوں کو دور کرتی ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند   کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

ترجمہ: عجب ہی قافلہ سالار ہیں یہ نقشبندی   کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو

امید ہے کہ معذور و معاف فرمائیں گے۔ ع

وَالْعُذْرُ عِنْدَہٗ كِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ

ترجمہ: بزرگ لوگوں کے ہاں عذر ہے مقبول۔ والسلام

مکتوب ۱۹

سنت سنیہ کی تابعداری کرنے اور بدعت نامرضیہ سے بچنے اور اس کے مناسب بیان میں میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد برادر عزیز میر محب اللہ کی خدمت میں یہ فقیر عرض کرتا ہے کہ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی سلامتی اور استقامت اللہ تعالیٰ سے مطلوب و مسئول ہے۔ سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کا دین اور متابعت اختیار کریں۔ سنت سنیہ کو بجالائیں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفاء ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سنت کی رافع ہوگی یا رفع سنت سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو، سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں۔ ہائے افسوس انہوں نے دین کامل اور اسلام پسندیدہ میں جب کہ نعمت تمام ہو چکی۔ بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ اکمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ (حق کے بعد گمراہی ہی ہے) اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدث امر کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور

نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔ رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَا اَوْاَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ فرمانا) وَالسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَدَیْکُمْ۔

مکتوب ۲۰

نماز کی فضیلت اور اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ ارکان و شرائط اور تعدیل ارکان کو اچھی طرح بجالانا چاہئے، مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف سے صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلاَمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ کا مکتوب شریف جو جونپور کی اطراف سے آپ نے لکھا تھا، پہنچا۔ آپ کی کمزوری اور ضعف کا حال پڑھ کر بڑی بے آرامی ہوئی۔ آپ کی صحت و تندرستی کا بڑا انتظار ہے۔ کسی آنے والے کے ہمراہ صحت کی خبر اور کیفیت احوال لکھ کر ارسال فرمائیں۔ اے محبت کے نشان والے چونکہ یہ دار یعنی دنیا دار عمل ہے اور دار جزا دار آخرت ہے۔ اس لیے اعمال صالح کے بجا لانے میں بڑی کوشش کرنی چاہئے۔ سب اعمال سے بہترین اور سب عبادات سے فاضل ترین نماز کا قائم کرنا ہے۔ جو دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔

پس اس کے ادا کرنے میں بڑی کوشش بجالانی چاہئے اور احتیاط کرنی چاہئے کہ اس کے ارکان شرائط و سنن و آداب کماحقہ ادا ہوں۔ تعدیل اور طمانیت کے بارہ میں بار بار مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اس کی اچھی طرح محافظت کریں۔ اکثر لوگ نماز کو ضائع کر دیتے ہیں اور طمانیت اور تعدیل ارکان کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے حق میں بہت سی وعید آئی ہیں۔ جب نماز درست ہو جائے۔ نجات کی بڑی بھاری امید ہے کیونکہ نماز کے قائم ہونے سے دین قائم ہو جاتا ہے اور مراتب کی بلندی کی معراج پوری ہو جاتی ہے۔

بر شکر غلطید اے صفرائیاں   از برائے کورئے سودائیاں

ترجمہ: پل پڑو شکر پہ تم صفرائیو   کور سودائی ہیں سارے مت ڈرو

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰى (سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفے ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔)

مکتوب ۲۱

اس بیان میں کہ مراد اس قلب سے جو حدیث قدسی لَايَسَعُنِىْ اَرْضِىْ الخ میں واقع ہے مضغہ ہے۔ نہ کہ وہ حقیقت جامعہ جس کی وسعت کی نسبت بعض مشائخ نے خبر دی ہے وہ مضغہ جس نے سلوک و جذبہ اور تصفیہ و تزکیہ اور قلب کی تمکین اور نفس کے اطمینان کے بعد اجزاء عشرہ کی ترکیب سے صورت حاصل کی ہے اور ہیئت وحدانی پیدا کی ہے۔ اس حقیقت جامعہ پر کئی وجوہ سے زیادتی رکھتا ہے اور اس بیان میں کہ یہ سب کمالات جو مضغہ کے لیے ثابت کیے گئے ہیں۔ مقام قاب قوسین میں ہیں اور او ادنیٰ کا معاملہ آگے ہے۔ خواجہ محمد صدیق کی طرف جو ہدایہ سے ملقب ہے، صادر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ نے دریافت کیا تھا کہ آپ نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے کہ ظہور قلبی ظہور عرشی کا ایک لمعہ اور کلی فضیلت ظہور عرشی کے لیے ہے اور حدیث شریف میں یوں آیا ہے۔ لَايَسَعُنِىْ اَرْضِىْ وَلَا سَمَائِىْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِىْ قَلْبُ عَبْدِالْمُؤْمِنِ. میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمانوں میں لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں۔ اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ ظہور قلبی زیادہ کامل ہے اور فضیلت اسی کے لیے ہے۔ اے میری محبت کے نشان والے۔ اس سوال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے۔

جاننا چاہیے کہ ارباب ولایت لفظ قلب بولتے ہیں اور اس سے انسان کی وہ جامعہ حقیقت مراد لیتے ہیں جو عالم امر سے ہے اور نبوت علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زبان میں اس سے وہ مضغہ مراد ہے جس کی درستی پر تمام بدن کی درستی وابستہ ہے اور جس کے بگڑنے پر تمام جسم کا بگاڑ موقوف ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہے۔ اِنَّ فِيْ جَسَدِ

الْاِنْسَانِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (انسان کے جسم میں ایک مضغہ ہے کہ جس وقت وہ درست ہو جائے تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار اور وہ قلب ہے)

قلب کی وسعت اطلاق اول کو لازم ہے جس کے باعث بایزید و جنید قدس سرہما نے قلب کی اور اس قدر وسعت بیان کی ہے کہ عرش مافیہ کو قلب کی عظمت کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر خیال کیا ہے اور قلب کی تنگی دوسری اطلاق کو لازم ہے۔ اس مقام میں قلب کی تنگی اس طرح پر ہے کہ جز لایتجزیٰ کو جو تمام اشیاء سے حقیر و صغیر ہے۔ اس میں کچھ گنجائش نہیں۔ بعض اوقات کہ تنگی قلب کو جزء لایتجزیٰ کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے۔ وہ جزو حقیر نظر میں آسمانوں اور زمین کے طبقات کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ یہ معاملہ نظر عقلی سے برتر ہے۔ (فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ کچھ شک نہ کر)

جب یہ مقدمہ معلوم ہو چکا تو پھر جاننا چاہئے کہ وہ ظہور جو حقیقت جامعہ سے وابستہ ہے۔ بے شک عرش کے ظہور نامہ کے مقابلہ میں ایک لمعہ ہے اور کلی فضیلت اس مقام میں عرش ہی کو ہے اور شیخ بایزید اور شیخ جنید رحمہما اللہ تعالیٰ نے جو قلب کو سب سے وسیع فرمایا ہے اور عرش و مافیہ کو اس کے پہلو میں بہت ہی حقیر خیال کیا ہے۔ یہ بات شے کو اس کے اپنے نمونہ کی مانند جاننے کی قسم ہے۔ انہوں نے عرش و مافیہ کے نمونہ کو جامعیت قلب کے پہلو میں حقیر دیکھ کر اس کا حکم عرش و مافیہ کے حقائق پر کیا ہے۔ اس اشتباہ کا باعث فقیر نے اپنی کتابوں میں اور رسالوں میں کئی جگہ لکھا ہے اور جو وہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ وہ انبیاء علیہ السلام کی زبان کے موافق ہے اور مراد اس قلب سے مضغہ ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ظہور اتم اسی جگہ ہے اور ذات مجرہ کی احدیت کے مراتب اسی کے لیے مسلم ہیں۔ عرش کو اگرچہ ظہور تمام سے جو ظہور اصلی ہے، کامل حصہ ہے لیکن اس مقام میں صفات کی آمیزش ہے اور صفات چونکہ حقیقت میں حضرت ذات کے ظلال ہیں۔ اس لیے وہ ظہور ظلال کی آویزش سے پاک و صاف نہیں ہے۔ یہی باعث ہے کہ عرش کو اس ظہور انسانی سے جو اصل محض کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کئی طرح امیدیں ہیں۔ اس معاملہ کا مرکز وہی مضغہ ہے۔

سوال: حدیث قدسی سے اس قلب کی وسعت مفہوم ہوتی ہے اور تو اس کو تنگ کہتا ہے۔

جواب: تنگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس میں ماسوا کی گنجائش نہیں اور وسیع اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس پر انوار قدم کا ظہور ہوتا ہے۔ پس کوئی منافات و تناقص نہیں۔ اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں اس قلب کی تعبیر اس عبارت سے کی ہے۔ **الضیق الاوسع والبسیط الابسط والاقل الاکثر**

سوال:- فضیلت کے لائق حقیقت جامعہ ہے جو عالم امر سے ہے نہ کہ مضغہ جو عالم خلق سے ہے۔ اس عناصر کے مرکز نے یہ فضیلت کہاں سے پائی ہے۔

جواب:- عالم خلق کو عالم امر پر وہ فضیلت ہے جس عوام کیا خواص بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس مضمون کو فقیر نے اس مکتوب میں جو فرزند اعظم مرحوم کے نام طریق کے بیان میں لکھا ہے۔ بخوبی واضح کیا ہے۔ اگر کچھ تردد رہ جائے تو وہاں سے اطمینان کر لیں۔

اب ہم اس مضغہ کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ ذرا غور سے سنیں۔ عوام کا وہ مضغہ ہے جو اربعہ عناصر کی ترکیب سے حاصل ہے اور خواص اور اخص خواص مضغہ اس قسم کا ہے جس نے سلوک و جذبہ اور تصفیہ و تزکیہ اور قلب کے تمکین اور نفس کے اطمینان کے بعد بلکہ اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم سے اجزاء عشرہ کی ترکیب سے صورتحال کی ہے یعنی چار جزو عناصر کے ہیں اور ایک جزو نفس مطمئنہ کا اور پانچ جزو عالم امر کے۔ دونوں طرفوں کے اجزاء حالانکہ ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں لیکن حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ان کی ضدیت اور مخالفت دور ہو گئی اور باہم جمع ہو گئے ہیں اور ہیئت وحدانی پیدا کر کے اس عجوبہ کو حاصل کیا ہے۔ جزو اعظم اس معاملہ میں عنصر خاک ہے۔ اس ہیئت وحدانی نے بھی جزو ارضی کا رنگ اختیار کر کے خاک کے ساتھ قرار پکڑا ہے۔ بیت

خاک شو خاک تا بروَید گل   کہ بجز خاک نیست مظہر گل

ترجمہ: خاک ہو خاک تا اگیں سب پھول   خاک مظہر ہے کل کامت بھول

اے برادر ارباب ولایت کا ہاتھ ان علوم و معارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ یہ انوار نبوت علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہیں۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ** ط (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔)

وہ قلب جس کے اطمینان کے لیے حضرت خلیل الرحمٰن علےٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال کیا تھا۔ یہی مضغہ ہے کیونکہ ان کی حقیقت جامعہ تمکین تک پہنچ چکی تھی اور نفس مطمئنہ ہو چکا تھا اور یہ تمکین و اطمینان مرتبہ ولایت میں متصور ہے جو نبوت کا زینہ ہے۔ شان نبوت کے مناسب مضغہ کی بیقراری اور اضطراب ہے نہ حقیقت جامعہ کی بیقراری و بے آرامی کہ یہ عوام کو بھی نصیب ہے اور حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قلب کی ثابتی طلب فرمائی ہے اور کہا ہے اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ (اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت رکھ) اس سے مقصود مضغہ کا ثابت ہے اور بعض احادیث میں جو امتوں کے احوال پر نظر کرنے کے باعث دل کی بیقراری کے بارہ میں وارد ہوئی ہے۔ اگر قلب کے وہ معنی مراد لیے جائیں جو حقیقت جامعہ اور مضغہ دونوں کو شامل ہوں تو بھی ہوسکتا ہے۔

سوال:- یہ مضغہ جب "یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ مُؤْمِنٍ" کے شرف سے مشرف ہو چکا اور حضرت ذات تعالیٰ کا آئینہ بننے کے لائق ہو چکا ہو تو پھر اس میں اضطراب و بے قراری کیوں ہو اور اطمینان کا محتاج کیوں ہو۔

جواب:- ظہور جس قدر اتم و اکمل ہوتا جاتا ہے اور شیون و صفات کی آمیزش سے صاف ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر جہل و حیرت پیدا کرتا جاتا ہے اور بیگانگی اور نایافت زیادہ تر حاصل ہوتی جاتی ہے۔ بسا اوقات اس ظہور اور اس گنجائش کے باوجود کمال جہل و حیرت سے صانع کے وجود پر دلیل طلب کرتا ہے اور عوام کی طرح استدلال و تقلید کے بغیر اس کو وجود صانع کا یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اضطراب و بے قراری اس کے حال کے مناسب ہے اور اطمینان کا طلب کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔

اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ عارف صاحب یقین کو رجوع کے بعد استدلال کی حاجت ہوتی ہے۔ اس مقام میں معلوم ہوا ہے کہ عین وصول اور حصول میں دلیل کی احتیاج ہے۔ یہ مقام مرتبہ نبوت کے کمالات کے موافق ہے اور وہ مقام مرتبہ ولایت کے حال کے مناسب۔ جب اس قلب کا صاحب دعوت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے دل کا قلق و اضطراب اور تغیر و تبدیل زیادہ ہو جاتا ہے۔ جب عین وصل میں جہل و حیرت کے باعث

دلیل کا محتاج ہے تو جدائی کے زمانہ میں بطریق اولیٰ استدلال کا محتاج ہوگا تا کہ استدلال کے ذریعے کچھ اطمینان حاصل کرے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ دولت جس کو چند روز کے لیے اپنے دوست سے پوشیدہ رکھا ہے اور داغ فرقت میں مبتلا کیا ہے، اس کے واسطے مناسب ہے کہ ہمیشہ قلب و اضطراب اور دائمی غم و اندوہ میں رہے۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ دَائِمُ الْفِكْرِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غمناک اور متفکر رہتے تھے) اب وہ وجوہ جو قلب کے ان دونوں اطلاقوں کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہیں، بیان کیے جاتے ہیں۔ گوش ہوش سے سننے چاہئیں۔

وجہ اول: حقیقت جامعہ جو عالم امر سے ہے، تصفیہ اور تزکیہ کے بعد اس کو تمکین تام و دائمی طور پر میسر ہے۔ برخلاف مضغہ کے کہ اس کا اطمینان حواس کے ادراک پر وابستہ ہے۔ جب تک کسی شے کو حواس کے ساتھ ادراک نہ کر لے، اس کا قلق نہیں جاتا۔ اسی واسطے حضرت خلیل الرحمٰن علےٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وعلےٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین نے اپنے قلب کے اطمینان کے لیے سوال کیا اور کہا۔ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (یا اللہ تو مجھے دکھا کہ کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے)

وجہ دوم: حقیقت جامعہ ذکر کے ساتھ متاثر ہو جاتی ہے اور جب کمال ذکر تک پہنچ جاتی ہے تو ذکر سے متحد اور اس کی ہم جنس ہو جاتی ہے۔ اس مقام کو صاحب عوارف قدس سرہ نے مقصد اسنیٰ کہا ہے اور ذکر ذات کے ساتھ قلب کے اس ہم رنگ ہونے کو اس سے تعبیر کیا ہے۔ برخلاف مضغہ کے کہ ذکر کو اس کی طرف راہ نہیں۔ پھر اس کا متاثر ہونا کجا اور ہم جنس ہونا کجا۔ مضغہ میں مذکور کا ظہور اصالت کے طور پر ہے نہ کہ ظلیت کے طور پر اور ذکر کا عروج مذکور کی دہلیز تک ہی ہے۔

وجہ سوم: حقیقت جامعہ جب نہایت النہایت تک پہنچ جاتی ہے اور مراتیت سے حظ وافر حاصل کر لیتی ہے تو اس وقت اگر مطلوب کو نمایاں کرنا چاہیے تو اس میں مطلوب کا ظل ظاہر ہوگا نہ کہ اس کا عین۔ جیسے کہ آئینہ میں شخص کا نمونہ ظاہر ہے نہ کہ شخص کا عین۔ برخلاف مضغہ کے کہ آئینہ کے برعکس اس میں مطلوب کا عین ظاہر ہے۔ نہ کہ اس کا ظل۔ اسی واسطے فرمایا يَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیْ الْمُؤْمِنْ یہ معاملہ نظر وفکر کے طور سے وراء الورا ہے۔ اس بیان سے کہیں حلول و

تمکین نہ سمجھ لینا کہ یہ کفر زندقہ ہے۔ اگرچہ عقل معاش باور نہیں کرتی کہ ایک شے کا عین دوسری شے میں ظاہر ہو اور حلول و تمکین نہ ہو۔ یہ عقل کا قصور ہے اور حاضر پر غائب کا قیاس ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (پس کچھ شک نہ کر)۔

وجہ چہارم: حقیقت جامعہ عالم امر سے ہے اور مضغہ عالم خلق سے بلکہ عالم خلق اور عالم امر دونوں اسی کے اجزاء ہیں۔ خلق اس کا بڑا جزو ہے اور امر اس کا چھوٹا جزو۔ ان دونوں اجزاء کے ملنے سے ایک ایسی ہیئت وحدانی موجود ہوگئی ہے جو عجوبہ روزگار بن گئی ہے۔ یہ عجوبہ اگرچہ عالم امر و عالم خلق سے ہے لیکن ہیئت ترکیبی کے باعث ان میں سے کسی کے ساتھ مناسب و مشابہت نہیں رکھتا مگر اس کو عالم خلق ہی گنتے ہیں کیونکہ اس معاملہ میں سب سے عمدہ اور بہتر جزو ارضی ہے اور خاک کی پستی اس کی بلندی کا باعث ہے۔

وجہ پنجم: حقیقت جامعہ کی وسعت اس اعتبار سے ہے کہ اس میں اشیاء کی صورتوں کا حصول ہے اور مضغہ کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد مکشوف ہوتی ہے، اس اعتبار سے ہے کہ نامحدود اور ناقتناہی مطلوب کی اس میں گنجائش ہے اور وہ تنگی اس کی دہلیز تک کی ہے جو ماسوا کو وہاں داخل ہونے نہیں دیتی۔ حتیٰ کہ ذکر کو بھی مذکور کے خیموں کے گرد نہیں آنے دیتی اور ظلیت کی آمیزش کو اس حریم مقدس کے گرد پھٹکنے نہیں دیتی۔

وجہ ششم: حقیقت جامعہ کی فراخی چونکہ چون کی آمیزش رکھتی ہے۔ اس لیے اس میں بے چون کی گنجائش نہیں اور مضغہ کی فراخی نے چونکہ بے چونی سے حصہ پایا ہے، اس لیے اس میں چون کی گنجائش نہیں۔ عجب معاملہ ہے اسی قلب پر دعوت کے لیے رجوع کرنے کے بعد ظلمت و غین طاری ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ (یعنی میرے قلب پر بھی پردہ ڈالا جاتا ہے) اس سے زیادہ کس قدر فرق بیان کیا جائے۔ مَالِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک)

اے برادر تو اس مضغہ کو ایک بے اعتبار گوشت کا ٹکڑا نہ خیال کر لے بلکہ یہ وہ جوہر نفیس ہے جس میں عالم خلق کے خزائن و اسرار پوشیدہ ہیں اور عالم امر کے دفینے اور خفیہ دقائق مدفون ہیں۔ معاملات خاصہ کی زیادتی جو اس ہیئت وحدانی سے وابستہ ہے۔ یہ ہے کہ اول اس کے اجزاء عشرہ کو تصفیہ و تزکیہ اور جذبہ و سلوک اور فنا بقا کے ساتھ پاک و صاف کیا ہے اور ماسوا کے

تعلقات کی آلودگی سے آزاد کیا ہے۔ مثلاً قلب کو تقلب یعنی تغیر سے گزار کر تمکین تک اور نفس کو امارگی سے اطمینان تک لے آئے اور جزو آتشی سے سرکشی اور نافرمانی کو دور کیا اور خاک کو پستی اور پست فطرتی سے بلند کیا۔ علیٰ ہذا القیاس اس کے تمام اجزاء کو افراط و تفریط سے ہٹا کر حد اعتدال و توسط پر لائے ہیں۔ بعدازاں محض فضل و کرم کے ساتھ ان اجزاء کو مرکب کرکے شخص معین بنایا ہے اور اس کا نام انسان کامل رکھا ہے اور اس کے قلب کو جو اس کا خلاصہ اور اس کے وجود کا مرکز ہے۔ مضغہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ یہ ہے مضغہ کی حقیقت جو عبارت کے انداز کے موافق بیان کی گئی ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔)

اگر کوئی ناقص کہے کہ ہر ایک انسان ان اجزاء عشرہ سے مرکب ہے اور انہی کی ترکیب سے ہیئت وحدانی رکھتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہاں انہی اجزاء سے مرکب ہے لیکن وہ اجزاء پاک و صاف نہیں ہوئے اور جذبہ و سلوک کے ساتھ ماسوا کے تعلقات کی آلائش سے آزاد نہیں ہوئے۔ برخلاف انسان کامل کے اجزاء کے جو فنا و بقا سے پاک و صاف ہو گئے ہوتے ہیں، جیسے کہ اوپر گزر چکا ہے۔

چونکہ ہر ایک انسان میں یہ اجزاء ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہیں اور ہر جزو کے احکام و احوال الگ ہیں، اس لیے ہیئت وحدانی ان کے نصیب نہیں اور اگر کچھ ہیئت پیدا کی ہے تو وہ اعتباری ہے، حقیقی نہیں۔ برخلاف انسان کامل کے اجزاء کے جو تمائز اور تباین سے نکل کر ایک دوسرے سے مل جل گئے ہیں اور ان کے مختلف احکام و احوال زائل ہو کر ایک ہی حکم میں پا گئے ہیں۔ پس ناچار اس میں ہیئت وحدانی حقیقی ہوگی نہ کہ اعتباری جس طرح معجون کو مختلف ادویہ سے درست کرتے ہیں اور سب اجزاء کو باریک پیس کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ہیئت وحدانی ثابت کرتے ہیں اور اس کے مختلف احکام کو ایک ہی حکم میں لے آتے ہیں۔ فَافْهَمْ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ.

اے برادر، یہ سب کمالات جو مضغہ کے لیے ثابت ہیں، مقام قاب قوسین میں ہیں۔ جہاں ظاہر میں مظہر کے رنگ کا وہم پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ظاہر اس جگہ اصل ہے۔ اس کا ظل یا صورت نہیں لیکن شخص ظاہر آئینہ کے رنگ سے پاک و مبرا نہیں۔ پس قوسین ثابت ہوں گے۔ اس مقام سے اعلیٰ مقام اَوْ اَدْنٰی ہے جہاں ظاہر نے مظہر کا رنگ اختیار نہیں کیا اور کوئی امر زائد

خیال میں نہیں آتا۔ پس قوسین اس جگہ مفقود ہوں گے۔ یہاں سوائے یک رنگی کے جو مقام او
ادنیٰ کے مناسب ہے۔ کچھ متصور نہیں۔ اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے۔ اگر تمام ورق کو الٹ دیں
تو پھر قوسین سے ادنیٰ تک رخت اٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔ کَلَامُنَا اِشَارَاتٌ وَرُمُوْزٌ
وَبَشَارَاتٌ وَکُنُوْزٌ (ہماری کلام اشارات و رموز و بشارات و کنوز ہوتی ہے) وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ
الْمُلْهِمُ (اللہ تعالیٰ ہی الہام کرنے والا ہے) وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ
وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ.

مکتوب ۲۲

حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ کے طفیل اکثر شہروں پر سرہند کی فضیلت و شرافت
پانے اور اپنی سکونت والی زمین میں ایسے نور کے پانے میں جس کو صفت کی گرد
نہیں لگی اور وہ زمین کچھ مدت کے بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق قدس سرہ
کا روضہ مقدسہ بن گئی۔ مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس
کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب ﷺ کے صدقہ سے شہر سرہند گویا میری جائے
پیدائش ہے کہ میرے لیے ایک تاریک گہرے کنوئیں کو پر کر کے صفہ بلند بنایا ہے اور اکثر
شہروں اور قصبوں پر اس کو بلندی بخشی ہے۔ اس زمین میں اس قسم کا نور امانت کے طور پر رکھا گیا
ہے جو بے صفتی اور بے کیفی کے نور سے مقتبس ہے اور وہ نور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ کی
پاک زمین سے ظاہر اور روشن ہے۔

فرزند اعظم مرحوم کے ارتحال سے چند ماہ اول اس نور کو اس درویش پر ظاہر کیا گیا تھا اور
فقیر کی تنگ زمین میں اس کا نشان دیا تھا۔ وہ نور اس قسم کا ظاہر ہوا تھا کہ صفت و شان کی گرد
اس کو نہ لگی تھی اور کیفیات سے منزہ و مبرا تھا۔ اس وقت یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس زمین
میں مدفون ہوں اور وہ میری قبر پر چمکتا رہے۔ اس بات کو میں نے فرزند اعظم کے آگے ظاہر کیا
اور اس نور اور اس خواہش سے مطلع کیا۔ اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت میں سبقت لے گیا اور
خاک کے پردہ میں اس نور کے دریا میں مستغرق ہو گیا۔ بیت

هَنِيئاً لِاَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی دولت مبارک عاشقوں کو درود کلفت

اس شہر بزرگ کے لیے یہ بڑی عظیم شرافت کا موجب ہے کہ میرے فرزند اعظم جیسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے بزرگ اولیاء میں سے ہے، اس جگہ آسودہ ہے۔ کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نور امانت اس فقیر کے قلبی انوار کا لمعہ ہے جس کو وہاں سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا ہوا ہے۔ جس طرح کہ مشعل سے چراغ روشن کر لیں۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللهِ (کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا) سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (تیرا رب اس وصف سے جو لوگ کرتے ہیں پاک و برتر ہے اور مرسلین پر سلام ہو اور اللہ رب العلمین کے لیے حمد ہے)

مکتوب ۲۳

اس بیان میں کہ سب سے بہتر کام سنت سنیہ کی اتباع اور بدعت نا مرضیہ سے اجتناب ہے اور اس بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت دوسرے طریقوں پر صاحب شریعت علیہ السلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے باعث ہے اور اس طریقہ علیا کی تعریف اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد عیسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے (کہ خدا تعالیٰ اس کو سلامت و باقی رکھے اور اعلیٰ مقصد تک پہنچائے)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ سنت سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے بچیں۔ اسلام دن بدن غربت پیدا کرتا جاتا ہے اور مسلمان غریب ہوتے جاتے ہیں اور جوں جوں مرتے جائیں گے، زیادہ تر

غریب ہوتے جائیں گے۔ حتیٰ کہ زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ وَتَقُوْمُ الْقِيَامَةُ عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ اور قیامت برے لوگوں پر قائم ہوگی۔ سعادت مند وہ شخص ہے جو اس غربت میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مستعملہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو مارے اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈالا ہے۔ سنت عہد نبوت کے بُعد کے باعث پوشیدہ ہوگئی ہے اور بدعت جھوٹ کے ظاہر ہونے کے باعث جلوہ گر ہوگئی ہے۔ اب ایک ایسے بہادر جوان مرد کی ضرورت ہے ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے۔ مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ الْبِدْعَةِ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ (جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی) آپ نے سنا ہوگا پورے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے۔ خصوصاً ان دنوں میں کہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جبھی قائم رہ سکتی ہیں جب کہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دور کیا جائے۔ گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہوگا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔

اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانہ میں کہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ ہر بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارہ کی طرح دیکھتا ہے۔ جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے۔ حق تعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرات نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔

گزشتہ زمانہ میں چونکہ اسلام قوی تھا، اس لیے بدعت کے ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی معلوم ہوتے ہوں گے اور حسن کا حکم پا لیتے ہوں گے۔ اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہ تھی مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے، بدعتوں کے ظلمات کو نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین و متاخرین کا فتویٰ جاری نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں۔ اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور بسبب غربت اور ندرت کے اس دریائے ظلمانی میں کرم شب افروز یعنی جگنو کی طرح محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کرتا جاتا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

اب اختیار ہے کہ کوئی خواہ بدعتوں کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔ اَلاَ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَلاَ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطَانِ ھُمُ الْخَاسِرُوْنَ۔ خبردار اللہ تعالیٰ کا گروہ خلاصی یافتہ ہے اور شیطان کا گروہ خسارہ پانے والا ہے۔

صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کی کثرت کا ملاحظہ کریں تو چاہیئے کہ سنت کے ماسوا میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کا بہانہ کر کے امور مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ اتباع سنت بے شک نجات دینے والی اور خیرات و برکات بخشنے والی ہے اور غیر سنت کی تقلید میں خطر در خطر ہیں۔ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ قاصد پر حکم پہنچا دینا ہے۔

ہمارے پیروں کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے تابعداروں کو امور مبتدعہ کے بجا لانے کی ہدایت نہ کی اور اپنی تقلید سے ہلاک کرنے والے اندھیروں میں نہ ڈالا اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہ بتایا اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہو گیا اور ان کے وصول کا ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سماع و رقص پر پشت پا ماری ہے اور وجد و تواجد کو انگشت

شہادت سے دو پارہ کر دیا ہے۔ دوسروں کا مکشوف و مشہود ان بزرگواروں کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے اور اوروں کا متخیل و معلوم نفی کے قابل ہے۔

ان بزرگواروں کا معاملہ دید و دانش اور معلوم و متخیل اور تجلیات اور ظہورات اور مکاشفات اور معاینات سے وراء الوراء ہے۔

دوسروں کا اہتمام اثبات میں ہے اور ان بزرگواروں کی ہمت ماسوا کی نفی میں۔

دوسرے لوگ کلمہ نفی اثبات کا تکرار اس واسطے کرتے ہیں کہ دائرہ اثبات وسعت پیدا کرے اور تمام عالم جو غیریت کے طریق پر ظاہر و پیدا ہے، کلمہ توحید کے تکرار سے حقیقت کے طور پر منکشف ہو جائے اور سب کو حق دیکھیں اور حق معلوم کریں۔

برخلاف ان بزرگواروں کے کہ ان کا مقصود کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار سے دائرہ نفی کی وسعت ہے تا کہ جو کچھ مکشوف و مشہود اور معلوم و متخیل ہوا ہے، سب لا کے تحت میں داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب میں کچھ بھی ملحوظ و منظور نہ ہو۔ اگر فرضاً اثبات کی جانب میں کوئی امر ظاہر ہو بھی جائے تو اس کو بھی نفی کی طرف راجع کرتے ہیں اور مقام اثبات متبدیوں کے حال کے مناسب ہے اور ذکر اللہ جو محض اثبات کا کلمہ ہے۔ اس کے بعد مناسب ہے تا کہ مثبت مکشوف اس کلمہ اثبات کے تکرار سے استقرار استمرار پیدا کر لے۔ برخلاف ان بزرگواروں کے طریق کے جو اس کے برعکس ہے یعنی اول اثبات ہے، پھر اس اثبات کی نفی۔ پس اس طریق میں ذکر اسم اللہ ابتداء میں مناسب ہے اور ذکر نفی اثبات اس کے بعد۔

اگر کوئی ناقص سوال کرے اور کہے کہ اس صورت میں اس طریق کے بزرگواروں کو مقام اثبات سے کچھ حصہ نہ ہوگا اور نفی کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہ ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسروں کا اثبات ابتدائی حال میں ان بزرگواروں کو حاصل ہوتا ہے لیکن بلند ہمتی کے باعث اس کی طرف التفات نہیں کرتے بلکہ نفی کے لائق سمجھ کر اس کی بھی نفی کر دیتے ہیں اور مطلوب کو اس کے ماوراء میں جانتے ہیں۔ پس دوسروں کا اثبات بھی ان کو میسر ہے اور اس اثبات کی نفی بھی جو مقام کبریا کے مناسب ہے، انہی کو مسلم ہے۔ ہر ایک ناقص و بے سرانجام ان کے کام کا پتہ نہیں لگا سکتا اور ہر ایک بوالہوس ان کے معاملہ کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ ان بزرگواروں کے عدم حصول کا تھوڑا سا بیان جو اس مقام میں نفس حصول ہے، کہا گیا ہے۔ اگر

ان کے بزرگان بزرگ کے حصول کا بیان کیا جائے تو خواص عوام سے مل جائیں اور منتہی مبتدیوں کی طرح الف وبا کا سبق اختیار کریں۔ بیت

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست   ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

ترجمہ: نہیں بے فائدہ حافظ کی فریاد   بہت دلچسپ اس کا ماجرا ہے

حق تعالیٰ کی ذات کا وہ مراقبہ جو دوسروں نے اختیار کیا ہوا ہے، ان کے نزدیک اعتبار سے ساقط اور بے اصل ہے۔ یہ مراقبہ حق تعالیٰ کے ظلال میں کسی ظل کا ہے اور کچھ نہیں۔ تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ بہت برتر ہے اس بات سے جو لوگ کہتے ہیں) حق تعالیٰ کی ذات بلکہ اس کے اسماء و صفات بھی ہمارے فکر و مراقبہ کے احاطہ سے باہر ہیں۔

اس مقام سے وائے جہل اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں۔ نہ وہ جہل و حیرت کہ جس کو لوگ جہل و حیرت جانتے ہیں کیونکہ یہ مذموم ہے بلکہ اس مقام کی جہل و حیرت عین معرفت و اطمینان ہے نہ وہ معرفت و اطمینان جو لوگوں کی سمجھ میں آسکے کیونکہ یہ چون کی قسم سے ہے اور بیچونی سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں جو کچھ ہم ثابت کریں، بیچون ہوگا۔ خواہ اس کی تعبیر جہل سے کریں خواہ معرفت سے۔ مَنْ لَّمْ يَذُقْهُ لَمْ يَدْرِ جس نے مزہ چکھا ہی نہیں وہ کیا جانے۔

نیز ان بزرگواروں کی توجہ احدیت ذات کی طرف ہے اور اسم و صفت سے سوا ئے ذات کے کچھ نہیں چاہتے اور دوسروں کی طرح ذات سے صفات کی طرح نہیں اترتے اور بلندی سے پستی کی طرف نہیں آتے۔ عجب معاملہ ہے۔ اس گروہ میں سے بعض لوگ اسم اللہ کا ذکر اختیار کرتے ہیں اور اس پر کفایت نہ کر کے صفات کی طرف اتر آتے ہیں اور سمیع و علیم و بصیر کا ملاحظہ کرتے ہیں اور پھر عروج کے طور پر علیم و بصیر و سمیع سے اسم اللہ کی طرف جاتے ہیں۔ صرف اسم اللہ پر کیوں کفایت نہیں کرتے اور احدیت ذات کو توجہ کا قبلہ کیوں نہیں بناتے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے) نص قاطع ہے اور آیت کریمہ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (کہہ دو اللہ پھر ان کو چھوڑ دے) اس مضمون کی تائید کرتی ہے۔

غرض اس طریقہ علیا کے بزرگواروں کی نظر ہمت بہت بلند ہے۔ ہر زراق اور رقاص یعنی مکار اور ناچنے والے سے نسبت نہیں رکھتے۔ اسی واسطے دوسروں کی نہایت ان کی بدایت

میں مندرج ہے اور اس طریقہ کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کا حکم رکھتا ہے۔ ابتداء ہی سے ان کا سفر وطن میں مقرر ہوا ہے اور خلوت در انجمن حاصل ہو چکی ہے اور دوام حضور ان کا نقد وقت ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ طالبوں کی تربیت ان کی صحبت علیہ پر موقوف ہے اور ناقصوں کی تکمیل ان کی شریف توجہ پر منحصر ہے۔ ان کی نظر امراض قلبی کو شفا بخشتی ہے اور ان کی توجہ باطنی بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ ان کی ایک توجہ سو چلوں کا کام کر جاتی ہے اور ان کی ایک التفات کئی سالوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے برابر ہے۔ بیت

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند　　　که برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

ترجمہ: عجب ہی قافلہ سالار ہیں نقشبندی　　　کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو

اے سعادت کے نشان والے۔ اس بیان سے کوئی یہ وہم نہ کرے کہ یہ اوصاف طریقہ علیہ نقشبندیہ کے تمام اساتذوں اور شاگردوں کو حاصل ہوتے ہیں، ہرگز نہیں بلکہ یہ شمائل و خصائل اس طریقہ علیہ کے ان بزرگواروں کے ساتھ مخصوص ہیں جنہوں نے کام کو نہایت النہایت تک پہنچایا ہے اور وہ مبتدی رشید جنہوں نے ان بزرگوں کے ساتھ نسبت ارادت درست کی ہے اور آداب کو مدنظر رکھا ہے، ان کے حق میں اندراج نہایت در بدایت ثابت ہے۔ برخلاف اس طریق کے اسی مبتدی کے جو اس طریق کے شیخ ناقص کا مرید ہو، اندراج نہایت در بدایت کے حق میں متصور نہیں کیونکہ جب اس کا شیخ نہایت تک نہیں پہنچا تو مبتدی کے حق میں نہایت کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔

از کوزہ بروں ہماں تراود کہ در وست

ترجمہ: نکلتا ہے وہی برتن سے جو کچھ اس میں ہوتا ہے

اے نجابت و شرافت کے نشان والے۔ ان بزرگوں کا طریق بعینہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریق ہے اور یہ اندراج نہایت در بدایت اس اندراج نہایت در بدایت کا اثر ہے جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں میسر ہو جاتا تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ میسر ہو جاتا تھا جو دوسروں کو انتہا میں بھی جا کر بمشکل حاصل ہو سکے اور یہ فیوض و برکات وہی فیوض و برکات ہیں جو قرن اول میں ظاہر ہوتے تھے۔ اگرچہ ظاہر میں

آخر اول سے وسط کی نسبت دور ہے لیکن حقیقت میں آخر وسط کی نسبت اول کے زیادہ نزدیک ہے اور اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ متوسطین اس کو یاد رکھیں یا نہ رکھیں بلکہ متاخرین میں سے آخر کو بھی معلوم نہیں کہ اس معاملہ کی حقیقت کو پاسکیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلٰى. (سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔)

مکتوب ۲۴

حاجی محمد فرکتی کی طرف سے اس کے اس خط کے جواب میں جس میں اس نے یہ آرزو ظاہر کی تھی کہ مجھے تمام ذرات میں جمال لایزال کا مشاہدہ میسر ہو جائے۔ صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ کا مراسلہ شریف جو کمال محبت و اخلاص سے ارسال فرمایا تھا، بڑی خوشی کا باعث ہوا۔ رابطہ کی نسبت ہمیشہ آپ کو صاحب رابطہ کے ساتھ رکھتی ہے اور انعکاسی فیوض کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اس بڑی نعمت کا شکر بجالانا چاہیے۔ قبض و بسط دونوں اس راہ میں اڑنے کے لیے بازو ہیں۔ قبض سے دلگیر اور بسط سے خوش دل نہ ہونا چاہیے۔ آپ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ تمام ذرات میں جمال لایزال کا مشاہدہ میسر ہو جائے۔

اے میرے محبت کے طور والے بندہ کو آرزو سے کیا کام۔ اس کی آرزو اس کے فہم قاصر کے اندازہ کے موافق ہوگی۔ جمال لایزال کو ذرات کے آئینوں میں مشاہدہ کرنا قصور نظر سے ہے۔ ذرات کی کیا مجال ہے کہ اس جمال کا آئینہ بن سکیں۔ جو کچھ ذرات کے آئینوں میں مشہود ہوتا ہے، اس جمال کے بے نہایت ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اس کو انفس و آفاق کے باہر طلب کرنا چاہیے۔ وہ نسبت جواب آپ کو حاصل ہے، آپ کی آرزو سے بڑھ کر ہے۔ ہرگز ہرگز لوگوں کی تقلید سے پستی کی خواہش نہ کریں اور بلندی سے پستی کی طرف اترنے کی تمنا نہ کریں۔ ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يُحِبُّ مَعَالِيَ الْهِمَمِ (اللہ تعالیٰ بلند ہمت والوں کو دوست رکھتا ہے)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ظاہری باطنی جمعیت عطا فرمائے۔ والسلام

مکتوب ۲۵

اس بیان میں کہ جو عمل شریعت غرا کے موافق کیا جائے، ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید وفروخت ہو خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

وہ مبارک خط جو میرے فرزند عزیز نے مولانا عبدالرشید اور مولانا جان محمد کے ہاتھ ارسال کیا تھا، پہنچا اور نذرانہ کے مبلغات بھی پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا خیر دے۔ تمہاری صحت کی خبر سن کر بڑی خوشی ہوئی۔

اے فرزند، فرصت اور صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہیے اور تمام اوقات ذکر الٰہی میں مشغول رہنا چاہیے۔ جو عمل شریعت غراء کے موافق کیا جائے، ذکر ہی میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید وفروخت ہو۔ پس تمام حرکات وسکون میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی چاہیے تاکہ سب کچھ ذکر ہو جائے کیونکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے۔ جب تمام افعال میں اوامر ونواہی کو مدنظر رکھا جائے تو اس صورت میں بھی امر و ناہی کی غفلت دور ہو جاتی ہے اور دوام ذکر الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوام ذکر حضرت خواجگان کی یادداشت سے جدا ہے۔ وہ یادداشت صرف باطن تک ہی ہے اور اس دوام ذکر کا اثر ظاہر میں بھی ہے۔ اگرچہ دشوار ہے۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَإِيَّاكُمْ بِمُتَابَعَةِ صَاحِبِ الشَّرِيْعَةِ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی توفیق بخشے۔

مکتوب ۲۶

ایک خط کے جواب میں جس سے طرف داری کی بو آتی تھی اور اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین بچوں کو الف و با سکھانے کی طرح ہے، عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف ارسال کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ کا مبارک خط جو کشمیر کے قاصد کے ہاتھ ارسال کیا تھا، پہنچا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اس طرف کے حضرات کی خیریت کا حال پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

آپ نے لکھا تھا کہ مخدوم زادہ کلاں اور جمال الدین حسین میاں اللہ داد کی تلقین سے شرم کے مارے وہاں نہیں پہنچ سکے۔

میرے مخدوم اس قسم کی باتوں سے اجنبی طرفداری کی بو آتی ہے اور اس طرز وضع سے بیگانگی اور مخالفت مفہوم ہوتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ط.

مخدوم زادہ کلاں کو چاہئے تھا کہ اپنے والد بزرگوار کی وصیت کی شرم کرتے یا اس توجہ اور افادہ کی شرم کرتے جو حضرت ایشاں قدس سرہ کے حضور میں ان کے امر کے بموجب ہر دو مخدوم زادہ کی نسبت واقع ہوئی تھی اور میاں شیخ الہ داد باوجود دعوے پیر پرستی کے اتنی جرات نہ کرتے اور وصیت اور سبقت افادہ کی ملاحظہ کرتے۔ جو کچھ آپ نے لکھا ہے حق وصواب ہوگا لیکن وہ مکتوب جو مخدوم زادہ کلاں نے اپنے برادر عزیز کے ہاتھ ارسال کیا تھا۔ کمال تواضع اور بڑی طلب وشوق سے بھرا ہوا تھا اور اس میں اس قسم کی عبارتیں درج تھیں جن کا لکھنا بغیر جنون کے متصور نہیں۔ شاید یہ خط ارسال کر چکنے کے بعد طبیعت بدل گئی ہوگی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ھَدَیۡتَنَا وَھَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَھَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کیجو اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما تو سب کچھ بہت زیادہ بخشنے والا ہے)

فقیر جانتا ہے کہ حضرت ایشاں قدس سرہ کی وصیت بے حکمت نہ ہوگی۔ امید ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ وہ طلب جوان کے مکتوب سے کچھ کچھ مفہوم ہوتی تھی، برباد ہو جائے گی اور اس کی جگہ ضد آ جائے گی۔ دوستوں اور خیرخواہوں کو یہ بات بہت ناگوار اور گراں معلوم ہوتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس کا اہتمام اور انتظام کریں۔

میرے مکرم۔ اگر کام صرف تلقین ہی سے تمام ہو جاتا تو مبارک ہو۔ فقیر کے نزدیک ذکر کا تلقین کرنا بچوں کو الف با کے پڑھانے کی طرح ہے۔ اگر اسی تعلیم سے مولویت کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے تو مضائقہ نہیں۔ آپ کی مہربانی اور توجہ سے امید ہے کہ آپ طرفداری کو چھوڑ کر سب یاروں کے ساتھ یکساں محبت و آشنائی کریں گے۔ زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ والسلام۔

مکتوب ۲۷

شیخ عبدالعزیز جونپوری کے ان تشکیکات و سوالات کے جواب میں جو مکتوب اول میں جو اس کے نام پر ہے، کیے گئے ہیں۔ مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف ارسال فرمایا ہے۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو آپ نے بڑی مدت کے بعد ارسال کیا تھا، پہنچا۔ بڑی خوشی ہوئی حضرت حق سبحانہ تعالیٰ آپ کو ظاہری باطنی جمعیت کے ساتھ آراستہ پیراستہ رکھے۔ فقیر نے اس مدت میں تین مکتوب آپ کی طرف بھیجے ہیں جن میں سے صرف ایک مکتوب آپ کو ملا ہے۔ دور دراز فاصلہ کے باعث امید ہے کہ معذور فرمائیں گے۔

مشیخت مآب شیخ عبدالعزیز کا مکتوب بھی آپ کے مکتوب کے ساتھ پہنچا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا تھا، واضح ہوا۔

سوال: وہاں درج تھا کہ اگر ممکنات کے حقائق جو صور علمیہ ہیں، عدمات ہوں جو صفات کے اضداد ہیں تو لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات میں عدمات حاصل ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ ان باتوں سے منزہ و برتر ہے۔

جواب: عجب شبہ و اعتراض ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ تمام شریف اور کثیف اشیاء کو جانتا ہے مگر حق تعالیٰ کی ذات میں ان میں سے کسی کا حصول نہیں اور ان میں سے کسی کے ساتھ متصف نہیں تو اس صورت میں حصول کہاں سے پیدا ہو جائے گا۔

سوال دوم: وہاں درج تھا کہ ممکنات کے حقائق وجودی اور ثبوتی ہونے چاہئیں نہ کہ عدمی کیونکہ حقائق سے مراد ممکنات کے ارواح و نفوس ہیں۔

جواب: ہاں وجود و ثبوت علمی رکھتے ہیں جو حقائق میں درکار ہیں۔ یہ اعتراض پہلے شیخ محی الدین

پر کرنا چاہئے تھا جس نے کہا ہے کہ اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ (اعیان نے وجود کی بو بھی نہیں سونگھی) عجب معاملہ ہے کہ یہاں حقائق سے ارواح ونفوس مراد لیے ہیں اور اعیان ثابتہ اور معلومات اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔

سوال سوم: اس میں درج تھا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء علیہم الرضوان اور تمام افراد انسان جو ممکنات سے ہیں، اگر ان سب کے حقائق عدمات ہوں تو اس گروہ بلند سے شرف وکرامت مسلوب ومعدوم ہوگی۔

جواب: کیوں مسلوب ومعدوم ہوگی۔ جب کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے ان عدمات کو اپنے حسن تربیت کے ساتھ اپنے اسماء وصفات کے عکسوں کا آئینہ بنا کر نبوت وولایت کے شرف سے مشرف کیا ہے اور اپنے کمالات کے ظلال سے آراستہ کر کے معزز ومکرم فرمایا ہے جس طرح کہ انسان کو ماءِ مہین یعنی ناپاک پانی سے پیدا کر کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ انسان کی شرف وکرامت کو نظر میں لے آئے ہیں اور حق تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس کو ہاتھ سے دے کر کہتے ہیں کہ ہمہ اوست اشیاء رذیلہ وخسیسہ کو حق تعالیٰ کا عین کہنے سے کنارہ نہیں کرتے اور انسان کے لیے حقائق عدمیہ کے تجویز کرنے سے ڈرتے ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو انصاف دے۔

سوال چہارم: لکھا تھا کہ سخن اجماعی یعنہ ہمہ اوست کو سخن ابداع یعنی ہمہ از وست سے رفع نہیں کر سکتے۔

جواب: سخن مبدع یعنی نئی بات ہم مقولہ ہمہ اوست کو جانتے ہیں۔ مقولہ ہمہ از وست پر تمام علماء کا اتفاق واجماع ہے۔ اب تک جو ملامت وشناعت جو صاب فصوص پر ہوتی چلی آئی ہے، صرف اسی ایک مقولہ ہمہ اوست کے باعث ہے اور فقیر نے جس قدر معارف لکھے ہیں، ان کا حاصل ہمہ از وست ہے جو شرع وعقل کے نزدیک مقبول ہے بھلا کیونکر مقبول نہ ہو جب کہ کشف والہام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہو۔

شیخ مشار الیہ نے اعتراضات کو ذکر کر کے شفقت کے مقام میں آ کر لکھا ہے کہ اگر ممکنات کے حقائق سے مراد ارواح انسانی ہوں تو جمہور کے موافق ہے۔ معلوم نہیں جمہور سے کونسا گروہ مراد ہے اور نہ آج تک سنا گیا ہے کہ حقائق ممکنات کو کسی نے ارواح انسانی کہا ہو۔

افسوس صد افسوس۔ شیخ نے کیا خیال کیا ہے کہ ہر ایک شخص صرف قیاس وتخمینہ سے بات کہتا ہے اور اس کے تفکر و تخیل میں جو کچھ آئے بکواس کر دیتا ہے، ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔

وہ معارف جو کشف و الہام کے بغیر کہے اور لکھے جائیں یا شہود و مشاہدہ کے بغیر تحریر و تقریر میں آئیں، سراسر بہتان وافترا ہیں۔ خاص کر جبکہ قوم کے مخالف ہوں۔ معلوم نہیں شیخ مشار الیہ کا کیا اعتقاد ہے اور ان معارف کو کیا سمجھتے ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ یا اللہ تو ہمارے گناہوں کو اور امور میں ہمارے اسراف کو معاف فرما اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے۔

مکتوب ۲۸

چند استفساروں کے جواب میں مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ چونکہ اس میں پسندیدہ احوال لکھے تھے، اس لیے بڑی خوشی کا موجب ہوا۔

آپ نے لکھا تھا کہ ورائیت میں معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ صفات کو حق تعالیٰ پر بڑی تکلف سے حمل کرتا ہے اور حق تعالیٰ کو وراء الوراء جانتا ہے۔ آپ کوشش کریں تا کہ یہ حمل کرنا تکلف سے بھی میسر نہ ہو اور صرف حیرت تک معاملہ پہنچ جائے۔

آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ رشحات میں باباء آبریز کی نسبت منقول ہے کہ اس نے کہا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے روز اول میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی گوندھی تھی تو میں اس مٹی پر پانی گراتا تھا، اس کی تاویل کیا ہے۔

آپ کو جاننا چاہئے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظلیہ خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام کو دخل دیا ہوا تھا، شاید اس کی روح کو بھی دخل دیا ہو اور اس کی عنصری پیدائش اور اس کے کمال کے بعد اس امر سے اس کو اطلاع دی گئی ہو۔ جائز ہے کہ حق تعالیٰ ارواح مجردہ کو وہ طاقت وقدرت دے کہ ان سے اجسام کے سے افعال صادر ہوں اور اسی قسم کی ہیں وہ باتیں بھی جو بعض کبراء نے اپنے افعال شاقہ سے خبر دی ہے جو ان سے ان کے وجود عنصری سے کئی قرن پہلے صادر ہوئے تھے۔ وہ افعال ان کے ارواح مجردہ سے صادر ہوئے اور وجود عنصری کے بعد ان کو ان افعال پر اطلاع دی گئی۔ بعض لوگ اس قسم کے افعال صادر ہونے سے تناسخ

کے وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ حاشد وکلا کہ کسی دوسرے بدن کا اس سے تعلق ہوا ہو۔ روح مجرد ہے جو حق تعالیٰ کی طاقت بخشنے سے بدن کا کام کرتا ہے اور ارباب زی یعنی کجرووں کو خلاف میں ڈالتا ہے۔ اس مقام میں سخن کی بہت مجال ہے اور بہت سی عجیب وغریب تحقیقات فائض ہوئے ہیں۔ اگر توفیق شامل حال ہوئی تو کسی جگہ انشاء اللہ لکھی جائیں گی۔ اب وقت نے مساعدت اور یاوری نہیں کی۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ رشحات میں لکھا ہے کہ جب خواجہ علاؤ الدین قدس سرہ مولانا نظام الدین خاموش سے رنجیدہ خاطر اور ناراض ہوئے تو چاہا کہ ان سے نسبت کو سلب کر لیں۔ مولانا نے اس وقت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے التجا کی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خواجہ قدس سرہ کو خطاب ہوا کہ نظام الدین ہمارا ہے، اس پر کسی کا تصرف نہیں ہوگا اور دوسری جگہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ بڑھاپے میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے مولانا سے نسبت کو سلب کر لیا۔ مولانا کہا کرتے تھے کہ خواجہ نے ہم کو بوڑھا جانا، اس لیے جو کچھ میرے پاس تھا، سب لے گئے اور آخر کار مفلس بنا دیا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام جس شخص کو اپنا کہیں اور فرمائیں کہ اس پر کسی کو تصرف کی مجال نہیں۔ اس پر حضرت خواجہ احرار قدس سرہ تصرف کر جائیں۔

جاننا چاہئے کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ اس نقل کو پسند نہ کرتے تھے اور مولانا کی نسبت کے سلب ہونے میں توقف فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولانا سعد الدین کاشغری (جو مولانا نظام الدین کے مرید ہیں) کے مریدوں میں سے مولانا عبدالرحمن اور دوسرے ان کے بے شمار مریدوں میں سے کسی نے اس نقل کو بیان نہیں کیا اور نہ اس کے رد و قبول کا ذکر کیا ہے۔ معلوم نہیں مولانا فخر الدین علی نے کہاں سے لکھا ہے۔ اگر یہ خبر سچی ہوتی تو تواتر کے ساتھ نقل ہوتی چلی آتی کیونکہ تواتر کے طور پر اس کی نقل ہونے کے بہت سے اسباب تھے اور جب تواتر کے ساتھ منقول نہیں اور خبر واحد کے ساتھ قرار پا چکی ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے صدق میں تردد ہے۔ رشحات کی اور اس قسم کی بہت سی نقلیں صدق سے دور ہیں اور اس سلسلہ عالیہ کے لوگ ان نقلوں میں تردد رکھتے ہیں۔ وَهُوَ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ (اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے) اور حضرت خواجہ قدس سرہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مفلس کرنا سلب ایمان پر

دلالت کرتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ اور یہ بات بہت مشکل ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ یااللہ ہدایت دے کر تو ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ بے شک تو بہت بخشنے والا ہے۔

مکتوب ۲۹

اس بیان میں کہ اس جہان کے بہتر اسباب حزن واندوہ ہیں اور اس دستر خوان کی خوشگوار نعمت الم ومصیبت ہے۔ فضیلت پناہ شیخ عبدالحق دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

میرے مخدوم مکرم مصائب میں اگرچہ بڑی تکلیف وایذا برداشت کرنا پڑتی ہے لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے۔ اس جہان کا بہتر اسباب حزن واندوہ ہے اور اس دستر خوان کی خوشگوار نعمت الم ومصیبت ہے۔ ان شکر پاروں پر داروئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھایا ہوا ہے اور اس حیلہ سے ابتلاء وآزمائش کا راستہ کھولا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کر کے تلخی کو شکر کی طرح چبا جاتے ہیں اور کڑواہٹ کو صفراء کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں۔ کیوں شیریں معلوم نہ کریں جب کہ محبوب کے افعال سب شیریں ہوتے ہیں۔ علتی اور بیمار شائد ان کو کڑوا معلوم کرے تو کرے جو ماسوا میں گرفتار ہے مگر دولت مند محبوب کے ایلام ورنج میں اس قدر حلاوت ولذت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں ہرگز متصور نہیں۔ اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں لیکن ایلام میں محب کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے۔

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی دولت — مبارک عاشقوں کو درد وکلفت

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ (یااللہ تو ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ رکھ اور ان کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال) اس غربت اسلام کے زمانہ میں آپ کا وجود شریف

اہل اسلام کے لیے غنیمت ہے۔ سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَبْقَاکُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و باقی رکھے) والسلام۔

مکتوب ۳۰

ایک خط اور دو سوالوں کے جواب میں جن میں سے ایک نسبت رابطہ کی ورزش کی نسبت اور دوسرا فتور مشغولی کے بارہ میں کیا گیا تھا، خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

صحیفہ شریف جو دونوں معزز بھائیوں نے ارسال کیا تھا، پہنچا اور کیفیات احوال جو اس میں درج تھیں، واضح ہوئیں۔

خواجہ محمد اشرف نے لکھا تھا کہ نسبت رابطہ کی ورزش یہاں تک غالب ہوگئی ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر بالفرض اس کو دور کرنا بھی چاہوں تو نہیں ہوسکتا۔

اے محبت کے نشان والے، طالب اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں اور ہزاروں میں سے ایک کو ملتی ہے۔ ایسے حال والا شخص کامل مناسبت کی استعداد رکھتا ہے اور شیخ مقتدا کی تھوڑی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لیتا ہے۔ رابطہ کی نفی کیوں کرتے ہیں رابطہ مسجود الیہ ہے نہ مسجود لہ، محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کی دولت سعادت مندوں کو میسر ہوتی ہے تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ جانیں اور تمام اوقات اسی کی طرف متوجہ رہیں۔ نہ ان بدبخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی جانتے ہیں اور توجہ کے قبلہ کو اپنے شیخ کی طرف سے پھیر لیتے ہیں اور اپنے معاملہ کو درہم برہم کر لیتے ہیں۔

دیگر یہ کہ آپ نے اپنے فرزندوں کی والدہ کے فوت ہونے کی خبر لکھی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر فاتحہ کیا اور پڑھنے کے وقت قبولیت کا اثر مفہوم ہوا۔

مولانا حاجی محمد نے ظاہر کیا تھا کہ تقریباً دو ماہ گزرے ہوں گے کہ مشغولی میں فتور پڑا ہوا ہے اور وہ ذوق و حلاوت جو پہلے حاصل تھی، اب نہیں رہی۔

اے میرے دوست، اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو کچھ غم نہیں۔ ان میں سے ایک صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ دوسرے اپنے شیخ کی محبت و اخلاص ان دو چیزوں کے ہوتے۔ اگر ہزار ہا ظلمات طاری ہو جائیں تو کچھ غم نہیں۔ آخر اس کو ضائع نہ چھوڑیں گے اور اگر نعوذ باللہ ان چیزوں میں سے ایک میں نقصان پیدا ہو جائے تو پھر خرابی ہی خرابی ہے۔ اگر چہ حضور و جمعیت سے رہیں کیونکہ یہ استدراج ہے جس کا انجام خراب ہے۔ بڑی عاجزی اور زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں کہ ان دو امروں پر ثبات و استقامت عطا فرمائے کیونکہ یہی دونوں اصل مقصود اور نجات کا مدار ہیں۔

آپ کو اور تمام دوستوں کو اور خاص کر ہمارے پرانے دوست مولانا عبدالغفور سمرقندی کو سلام پہنچے۔

مکتوب ۳۱

وعظ و نصیحت کے بیان میں خواجہ محمد شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

میرے فرزند عزیز فرصت کو غنیمت جانیں اور خیال رکھیں کہ عمر بیہودہ امور میں صرف نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں بسر ہو۔ نماز پنجگانہ کو جمعیت و جماعت اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں۔ نماز تہجد کو ترک نہ کریں اور صبح کے استغفار کو رائیگاں نہ چھوڑیں اور خواب خرگوش سے محظوظ نہ ہوں اور دنیا کی فانی لذتوں پر فریفتہ و حریص نہ ہوں۔ موت کو یاد رکھیں اور آخرت کے احوال کو مدنظر رکھیں۔ غرض دنیا کی طرف سے منہ پھیر لیں اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ بقدر ضرورت دنیا کے کاموں میں مشغول ہوں اور باقی اوقات کو امور آخرت کے اشتغال میں بسر کریں۔ حاصل کلام یہ کہ دل کو ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد کریں اور ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔

ع کار این است وغیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل مطلب ہے یہی باقی ہے ہیچ

باقی احوال بخیریت ہیں۔ والسلام

مکتوب ۳۲

ایک عریضہ کے جواب میں جس میں باطنی جمعیت کی شکایت لکھی تھی، مرزا قلیچ خان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد گزارش ہے کہ صحیفہ شریفہ جو آپ نے ماتم پرسی کے بارہ میں لکھا تھا۔ پہنچا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی قضا پر راضی ہیں۔ آپ بھی راضی ہو کر دعا و فاتحہ کے ساتھ مدد و اعانت فرمائیں۔

دیگر یہ کہ آپ کی خلاصی کی خبر سن کر بڑی مسرت وخوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا حمد اور احسان ہے کہ دو غموں میں سے ایک کی طرف سے تسلی وتسکین ہوئی۔

آپ نے باطنی جمعیت کی نسبت شکایت لکھی تھی۔ ہاں ظاہر کی پراگندگی باطنی تفرقہ میں بڑی تاثیر رکھتی ہے۔ جب باطن میں کدورت معلوم کریں تو توبہ و استغفار سے اس کا تدارک کریں اور جب کوئی خوفناک صورت ظاہر ہو تو کلمہ تمجید لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ سے اس کو دفع کریں۔ مُعَوَّذَتَیْنَ کا تکرار بھی اس وقت غنیمت ہے۔ باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ دَائِمًا وَعَلٰی کُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ حَالِ اَھْلِ النَّارِ (ہمیشہ اور ہر حال پر اللہ تعالیٰ کا حمد ہے اور اس کا احسان ہے اور دوزخیوں کے حال پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں) فقیر ضعیف وکمزوری کے باعث مفصل حال نہیں لکھ سکا۔ حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سیدھے راستہ پر استقامت عطا فرمائے۔ والسلام۔

مکتوب ۳۳

اس بیان میں کہ محبوب محب کی نظر میں ہر حال میں محبوب ہے، خواہ انعام فرمائے خواہ درد پہنچائے بلکہ اقل وبعض کے نزدیک رنج کا پہنچانا انعام کی نسبت زیادہ محبت بخشتا ہے اور شکر پر حمد کی زیادتی کے بیان میں مولانا محمد صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

برادر عزیز مولانا محمد صالح کو واضح ہو کہ محبوب محبّ کی نظر میں ہر حال میں بلکہ نفس الامر میں ہر وقت و ہر حال میں محبوب ہے، خواہ رنج پہنچائے اور خواہ انعام فرمائے۔ اکثر لوگوں کے نزدیک جو دولت محبت سے مشرف ہوئے ہیں، ایلام کی نسبت انعام میں محبوب کی زیادہ محبت ہے یا دونوں حالتوں میں محبت برابر و یکساں ہے اور اقل و بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے اور ایلام انعام کی نسبت زیادہ محبت بخش ہیں۔ اس دولت عظمیٰ کا مقدمہ محبوب پر حسن ظن ہے حتیٰ کہ اگر محبوب محبّ کے حلقوم پر خنجر چلا دے اور اس کے اعضاء کو ایک دوسرے سے الگ کر دے تو محبّ اس کو اپنی عین صلاح جانے اور اپنی بہتری تصور کرے۔ جب اس کے حسن ظن کے حاصل ہونے سے محبوب کے فعل کی کراہت محبّ کی نظر سے دور ہو جائے تو محبت ذاتی کی دولت سے جو حبیب رب العالمین ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نسبتوں اور اعتباروں سے معرا ہے۔ مشرف ہو جاتا ہے اور محبوب کے ایلام میں اس کے انعام کی نسبت زیادہ لذت و خوشی پاتا ہے۔ میرے خیال میں یہ مقام مقام رضا سے برتر و بلند ہے کیونکہ رضا میں محبوب کے فعل ایلام کی کراہت کا دفع کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہاں اس فعل سے لذت حاصل ہوتی ہے کیونکہ محبوب کی جانب سے جس قدر جفا زیادہ ہوتی جاتی ہے، اسی قدر محبّ کی جانب سے فرح و سرور زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے۔) چونکہ محبوب محبّ کی نظر میں بلکہ نفس الامر میں ہر وقت و ہر حال میں محبوب ہے، اس لیے محبوب ہر وقت و ہر حال میں بلکہ نفس الامر میں محمود اور ممدوح بھی ہوگا اور محبّ اس کے ایلام و انعام کے وقت اس کی ثناء و مدح کرے گا۔ اس وقت اس محبّ کو واجب ہے کہ صادق و مصدق ہو کر کہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اور اس وقت یہ محبّ حقیقی طور پر رنج و خوشی میں اللہ تعالیٰ کا حمد کرنے والا ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شکر پر حمد کی زیادتی اسی سبب سے ہے کہ شکر میں منعم کا انعام ملحوظ ہوتا ہے جو صفت بلکہ فعل کی طرف راجع ہے اور حمد میں محمود کا حسن و جمال ملحوظ ہوتا ہے۔ خواہ ذاتی ہو یا فعلی اور خواہ انعام ہو یا ایلام کیونکہ حق تعالیٰ کا ایلام اس کے انعام کی طرح حسن ہے۔

پس حمد ثناء میں زیادہ بلیغ اور حسن و جمال کے مرتبوں کا زیادہ جامع اور رنج و خوشی کی دونوں حالتوں میں دیر تک باقی رہنے والا ہے۔ برخلاف شکر کے کہ بسبب اپنے قصور کے سریع الزوال ہے اور انعام و احسان کے دور ہونے سے دور ہو جاتا ہے۔

سوال: تو نے اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ مقام رضا مقام محبت و مقام حب کے اوپر ہے اور یہاں تو لکھتا ہے کہ یہ مقام محبت مقام رضا سے برتر ہے۔ ان دونوں باتوں کے درمیان موافقت کس طرح ہے؟

جواب: یہ مقام محبت اس مقام محبت و حب کے ماسوا ہے کیونکہ وہ مقام اجمالی اور تفصیلی طور پر نسبتوں اور اعتباروں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ محبت کو محبت ذاتیہ کہتے ہیں اور اس حب کو حب ذاتی تصور کرتے ہیں کیونکہ وہاں شیون و اعتبارات کے ملاحظہ سے نظر قطع نہیں ہوتی۔ برخلاف اس مقام کے جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے معرا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا اور یہ جو بعض مکتوبات میں درج ہو چکا ہے کہ مقام رضا سے اوپر حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کسی کو رسائی نہیں۔ شائد اسی مقام سے مراد ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ظاہر کی کراہت باطنی رضا کے منافی نہیں اور ظاہری کڑواہٹ حقیقی حلاوت کے برخلاف نہیں کیونکہ عارف کامل کے ظاہر و صورت کو صفات بشریت پر مقرر کیا ہے تاکہ اس کے کمالات کا پردہ ہوں اور آزمائش و امتحان کا محل بنے اور حق باطل کے ساتھ ملا رہے۔ عارف کامل کے اس ظاہر و صورت کو اس کے باطن و حقیقت کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کپڑے کو پہننے والے شخص کے ساتھ نسبت ہے اور معلوم ہے کہ کپڑے کو شخص کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ یہی حال عارف کی صورت کا اس کی حقیقت کے مقابلہ میں ہے۔ عارف کی اس صورت کو نادان اور بے بصر لوگ اپنی طرح خیال کرتے ہیں اور اپنی بے حقیقت صورتوں کی مانند سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان کا انکار کر دیتے ہیں اور ان کے کمالات سے محروم رہ جاتے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۳۴

ایک عریضہ کے جواب میں جو تواردِ احوال کی نسبت لکھا ہوا تھا۔ نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ تواردِ احوال کا مضمون واضح ہوا۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح حق تعالیٰ عالم میں داخل نہیں ہے۔ اس سے خارج بھی نہیں اور جس طرح عالم سے منفصل نہیں ہے۔ اس کے ساتھ متصل بھی نہیں۔ حق تعالیٰ ہے مگر یہ دخول وخروج و اتصال و انفعال کی سب صفتیں اس سے مسلوب ہیں۔ حق تعالیٰ کو ان چاروں صفات سے خالی ڈھونڈھنا چاہئے اور ان صفات سے باہر اس کو تلاش کرنا چاہئے۔ اگر ان صفات میں سے کسی صفت کا رنگ مل جائے تو ظلال و مثال کی گرفتاری حاصل ہے بلکہ حق تعالیٰ کو بیچونی اور بیچگونگی کی صفت سے جس میں ظلیت کی گرد نہیں۔ طلب کرنا چاہئے اور اس مرتبہ کے ساتھ بیچونی اتصال پیدا کرنا چاہئے۔ یہ دولت صحبت کا نتیجہ ہے۔ کہنے اور لکھنے میں نہیں آسکتی اور اگر لکھی جائے تو کون اس کو سمجھے گا اور کون اس کو پائے گا۔ آپ اپنے کام میں سرگرم رہیں اور ملاقات کے وقت تک کیفیات احوال کو لکھتے رہیں۔ والسلام

مکتوب ۳۵

بعض ان استفساروں کے جواب میں جو توحید و عین الیقین کے بارہ میں کیے گئے تھے، پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد مخدوم زادہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ اس کے مطالعہ سے بڑی خوشی ہوئی۔ نسبت حضور کے شمول اور غلبہ کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ نیک و مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین مہینوں میں میسر ہوئی ہے۔ دوسرے سلسلوں میں اگر دس سالوں میں بھی میسر ہو جائے تو بڑی نعمت گنتے ہیں اور امر عظیم تصور کرتے

ہیں۔ اس قسم کے احوال کی تعریف و تحسین کرنے سے عجب و تکبر کے پیدا ہونے کا گمان نہیں ہے۔ اس لیے اس نعمت کا اظہار کیا گیا۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا) نص قاطع ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ پیش گاہ توحید کا ظہور شروع ہو گیا ہے۔ یہ دولت بھی مبارک ہو۔ ادب کے ساتھ اس واردہ کو قبول کریں لیکن اس حال کے غلبہ میں آداب شرعی کو بخوبی مدنظر رکھیں اور بندگی کے حقوق کو کما حقہ بجالائیں۔

جاننا چاہئے کہ یہ شعبدہ صدق وصحت کی تقدیر پر محبوب کی محبت کے غلبہ کے باعث ہے کہ محب جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہے، محبوب کے سوا نہ کچھ دیکھتا ہے۔ نہ جانتا ہے اور جو لذت و ذوق حاصل کرتا ہے، اس کو محبوب کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس صورت میں کثرت وحدت کے طور پر محب کا مشہود ہوتی ہے۔ پس فنا اس مقام میں متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ فنا میں واحد کے مشاہدہ کے غلبہ کے باعث کثرت کا مشاہدہ بالکل رفع ہوتا ہے۔ کثرت ممکنات کے اس عدم شہود کو بھی فنا کہتے ہیں مگر فنا کی حقیقت اس وقت متحقق ہوتی ہے جب کہ اسماء وصفات و شیون و اعتبارات کی کثرت بھی سب کی سب نظر سے مخفی ہو جائے اور ذات مجردہ کی احدیت کے سوا کچھ ملحوظ و منظور نہ ہو۔ سیر الی اللہ کے تمام ہونے کی حقیقت اس جگہ جلوہ گر ہوتی ہے اور ظلال کی گرفتاری سے پوری پوری خلاصی اس مقام میں حاصل ہوتی ہے۔ اس وقت معاملہ اصل اصول سے پڑتا ہے اور دال سے مدلول تک پہنچ جاتا ہے اور علم سے عین تک اور گوش سے آغوش تک عروج حاصل ہوتا اور وصل عریانی متحقق ہوتا ہے۔ اس کے آگے وہ مقام ہے جس کو کسی رمز و اشارہ سے بیان نہیں کر سکتے بلکہ سراسر مبہم اور سر مکتوم ہے۔ اس مقام کی نسبت لب نہیں ہلا سکتے۔

حضرت مخدوم زادہ ہم سے اس عین الیقین کا بیان طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ عین الیقن علم میں سما سکے، مشکل کام ہے۔ فقیر کیا کرے اور کیا کہے اور کس طرح آپ کو سمجھائے۔ امید ہے کہ مخدوم زادہ مہربانی سے معذور فرمائیں گے اور طلب علم سے طلب حال کی طرف میلان کریں گے۔ دونوں سوال جو مخدوم زادہ نے کیے ہیں، بلند فطرتی کی خبر دیتے ہیں۔

ایک سوال تو خاص طرز پر عین الیقین کے بارہ میں تھا جو گزر چکا۔

دوسرا سوال متشابہات قرآنی کی تاویل کے بیان میں تھا جن کا علم علماء راسخین کے نصیب ہے۔ دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے بھی زیادہ دقیق اور پوشیدہ اور چھپانے کے لائق اور ظہور و اظہار کے منافی ہے۔ تاویل متشابہات کا علم ان معاملات سے مراد ہے جو پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ امتوں میں سے بہت ہی کم کسی کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس علم کا حصہ بخشتے ہیں اور اس جہان میں ان کے جمال کا برقعہ ان پر کھولتے ہیں مگر امید ہے کہ عالم آخرت میں امتوں سے بکثرت لوگ تبعیت کے طور پر اس دولت سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس جہان میں بھی ان اقل اور بعض کے سوا اوروں کو بھی اس دولت سے مشرف فرمائیں لیکن معاملہ کی حقیقت کا علم نہ دیں اور تاویل کو منکشف نہ کریں۔ غرض جائز ہے کہ متشابہات کی تاویل بعض کو حاصل ہو لیکن نہ جانے کہ کیا حاصل ہے کیونکہ متشابہات معاملات سے مراد ہیں تو روا ہے کہ معاملہ حاصل ہو اور اس کا علم میسر نہ ہو۔ یہ بات میں نے اپنے متبعین اور متعلقین میں سے ایک فرد میں مشاہدہ کی ہے۔ پھر دوسروں کا کیا حال ہے۔ آپ کے سوال نے اس معاملہ سے امیدوار کر دیا ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یا اللہ ہمارے نور کو پورا کر اور ہم کو بخش تو سب چیزوں پر قادر ہے۔

مکتوب ۳۶

امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت اور اس بیان میں کہ اہل سنت و جماعت افراط و تفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے۔ توسط اور اعتدال پر ہیں اور اہل بیت کی تعریف میں خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ درویشوں کی محبت اور ان کے ساتھ الفت و ارتباط رکھنا اور اس طائفہ علیا کی باتوں کو سننا اور ان کے اوضاع و اطوار کی خواہش رکھنا حق تعالیٰ کی اعلےٰ نعمت اور بڑی دولت ہے۔

حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی آدمی

اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔ پس ان کا محب ان کے ساتھ ہے اور قرب کی بلند بارگاہ میں ان کا طفیلی ہے۔

توفیق آثار سعادت اطوار فرزندی خواجہ شرف الدین حسین نے بیان کیا ہے کہ باوجود مختلف تعلقات کے یہ تمام اوصاف حمیدہ آپ میں جمع ہیں اور باوجود بیہودہ گرفتاریوں کے یہ معانی پسندیدہ آپ میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حمد اور اس کا احسان ہے۔ آپ کی بہتری بہت سی خلقت کی بہتری کا موجب ہے اور آپ کی فلاح و بہبود پر بہت مخلوق کی فلاح و بہبود موقوف ہے۔

مشارالیہ نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ اس فقیر کی باتوں سے آشنا ہے اور فقیر کے علوم کے سننے کی رغبت رکھتے ہیں۔ اگر چند کلمے آپ کی خدمت میں لکھے جائیں تو بہتر ہوگا۔ ان کے التماس کو قبول کر کے چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

چونکہ اس زمانہ میں امامت کی بحث بہت ہو رہی ہے اور ہر ایک اس بارہ میں اپنے ظن و تخمین کے بموجب گفتگو کرتا ہے۔ اس لیے اس بحث کے متعلق چند سطریں لکھی جاتی ہیں اور اہل سنت و جماعت اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

اے شرافت و نجابت کے نشان والے، شیخین کی فضیلت اور ختنین کی محبت اہل سنت و جماعت کی علامتوں میں سے ہے یعنی شیخین کی فضیلت جب ختنین کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ امر اہل سنت و جماعت کے خاصوں میں سے ہے۔ شیخین کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو اکابر آئمہ نے کہ ان میں سے ایک امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ نقل کیا ہے اور شیخ ابوالحسن اشعری فرماتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت باقی امت پر قطعی ہے اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں جم غفیر یعنی بڑی کثیر جماعت کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت میں سب سے بہتر ہیں۔ جیسے کہ امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ پھر ایک اور آدمی۔ پس ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ۔ فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔

غرض شیخین کی فضیلت ثقہ اور معتبر راویوں کی کثرت کے باعث شہرت اور تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا انکار کرنا سراسر جہالت ہے یا تعصب۔

عبدالرزاق نے جو اکابر شیعہ میں سے ہے، جب انکار کی مجال نہ دیکھی تو بے اختیار شیخین کی فضیلت کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب حضرت علی شیخین کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علی کے فرمانے کے بموجب شیخین کو حضرت علی پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ میں حضرت علی کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان کی مخالفت کروں۔ چونکہ حضرت ختنین کی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان بہت فتنہ اور فساد برپا ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت و کینہ غالب آ گیا تھا، اس لیے ختنین کی محبت کو بھی اہل سنت و جماعت کے شرائط میں سے شمار کیا گیا تا کہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت اہل سنت و جماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا، اہلسنت سے خارج ہے۔ اس کا نام خارجی ہے اور جس شخص نے حضرت امیر کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا ہے اور جس قدر کہ محبت مناسب ہے۔ اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو سب وطعن کرتا ہے اور صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے، وہ رافضی ہے۔

پس حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں افراط و تفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے، اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضرت پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ

اے علی تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ اس کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے اسے قدر دوست رکھا کہ اس کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھا یعنی ابن اللہ کہا۔

پس حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو شخص میرے حق میں ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ جو میری محبت میں افراط کرے گا اور جو کچھ مجھ میں نہیں، میرے لیے ثابت کرے گا اور دوسرا وہ شخص جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا اور عداوت سے مجھ پر بہتان لگائے گا۔

پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے حال کے موافق کہ دونوں حق وسط سے برطرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہلسنت و جماعت کو حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوں سے نہیں جانتا اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کو رافضیوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفاء ثلاثہ سے تبریٰ اور بیزاری رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ بیت

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ الِ مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَيْنِ اِنِّيْ رَافِضٌ

ترجمہ: اگر محبت آل محمدی ہے رفض
تو جن وانس گواہ ہیں کہ رافضی ہوں میں

یعنی آل محمد کی محبت رفض نہیں ہے۔ جیسے کہ جاہل لوگ گمان کرتے ہیں۔ اگر اس محبت کو رفض کہتے تو پھر رفض مذموم نہیں کیونکہ رفض کی مذمت دوسروں کے تبریٰ کے باعث ہوتی ہے۔ نہ کہ ان کی محبت کے باعث۔

پس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے محبت اہل سنت و جماعت ہیں اور حقیقت میں اہل بیت کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں۔ نہ کہ شیعہ جو اہل بیت رسول اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہین اور اپنے آپ کو گروہ اہل بیت کا خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ یعنی شیعہ اہلبیت کی محبت پر کفایت کریں اور دوسروں سے تبرائے نہ کریں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے تمام اصحاب کی عزت و توقیر بجالائیں اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کریں تو اہل سنت و جماعت میں داخل ہوں گے اور خارجیوں اور رافضیوں سے باہر ہو جائیں گے کیونکہ اہلبیت کی محبت اور تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر تسنین یعنی اہلسنت و جماعت بنتا ہے۔

غرض خروج و رفض کی بناء پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے بغض پر ہے اور تسنین کی بنیاد آنحضرت ﷺ کے اصحاب کی محبت پر ہے۔ عاقل منصف ہرگز اصحاب کے بغض کو ان کی محبت پر اختیار نہیں کرے گا بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث سب کو دوست رکھے گا۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ جس نے ان کو دوست رکھا، اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض کیا، اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اہلبیت کی محبت کا نہ ہونا اہلسنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے جب کہ یہ محبت ان بزرگواروں کے نزدیک ایمان کی جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔ اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری باطنی عالم تھے، اکثر اوقات اہلبیت کی محبت پر ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے۔ اس کی بڑی رعایت کرنی چاہیے۔ ان کی مرض موت میں فقیر حاضر تھا۔ جب ان کا معاملہ آخر تک پہنچا اور اس جہان کا شعور کم ہو گیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات کو انہیں یاد دلایا اور محبت کی نسبت پوچھا تو اس بیخودی میں آپ نے فرمایا کہ میں اہلبیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اہلبیت کی محبت اہلسنت و جماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس معنی سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔ مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب اختیار کیا ہے اور افراط کے ماسوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم دیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے۔ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حد وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا متوطن ہے جو اہلسنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کو نصیب ہوا ہے۔

تعجب ہے کہ خوارج کو اہلسنت ہی نے قتل کیا ہے اور اہلبیت کے دشمنوں کو جڑ سے اکھیڑا

ہے۔ اس وقت رافضیوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اگر تھا بھی تو عدم کا حکم رکھتا تھا۔ شاید اپنے گمان فاسد ہیں کہ اہلبیت کے محبوں کو رافضی تصور کرتے ہیں اور اہلسنت کو روافض کہتے ہیں۔

عجب معاملہ ہے۔ کبھی اہلسنت کو خارجیوں سے گنتے ہیں۔ اس لیے کہ افراط محبت نہیں رکھتے۔ کبھی نفس محبت کو ان سے محسوس کر کے ان کو رافضی جانتے ہیں۔ اسی واسطے یہ لوگ اپنی جہالت کے باعث اہلسنت کے اولیاء عظام کو جو اہل بیت کی محبت کا دم مارتے ہیں اور آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حب کا اظہار کرتے ہیں۔ رافضی خیال کرتے ہیں اور اہلسنت و جماعت کے بہت سے علماء کو جو اس محبت کی افراط سے منع کرتے ہیں اور حضرات خلفاء ثلاثہ کی تعظیم و توقیر میں کوشش کرتے ہیں، خارجی جانتے ہیں۔ ان لوگوں کی ان نامناسب جراتوں پر ہزارہا افسوس ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ اِفْرَاطِ تِلْکَ الْمَحَبَّۃِ وَتَفْرِیْطِھَا (اللہ تعالیٰ اس محبت کی افراط وتفریط سے ہم کو بچائے) یہ افراط محبت ہی کا باعث ہے کہ اصحاب ثلاثہ وغیرہ کے تبرائے کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت کی شرط جانتے ہیں۔

انصاف کرنا چاہئے کہ یہ کونسی محبت ہے کہ جس کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کی بیزاری اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے سب وطعن پر موقوف ہو۔ اہلسنت کا گناہ یہی ہے کہ اہلبیت کی محبت کے ساتھ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں اور باوجود لڑائی جھگڑوں کے جو ان کے درمیان واقع ہوئی، ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہیں کرتے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم اور اس عزت وتکریم کے باعث جو نبی ﷺ اپنے اصحاب کی کیا کرتے تھے، سب کو ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں اور اس کے علاوہ اہل حق کو حق پر اور اہل باطل کو باطل پر کہتے ہیں لیکن اس کے بطلان کو ہوا وہوس سے دور سمجھتے ہیں اور رائے واجتہاد کے حوالہ کرتے ہیں۔

رافضی اس وقت اہل سنت سے خوش ہوں گے جب کہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے اصحاب کرام سے تبرائے کریں اور ان دین کے بزرگواروں کے حق میں بدظن ہو جائیں۔ جس طرح خارجیوں کی خوشنودی اہل بیت کی عداوت اور آل نبی کے بغض پر وابستہ ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت

نازل فرما۔ تو بڑا ہی بخشنے والا ہے۔﴾

اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے بزرگواروں کے نزدیک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب ایک دوسرے کی لڑائی جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک گروہ نے دلیل و اجتہاد کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب کی حقیقت کو معلوم کر لیا تھا اور دوسرے گروہ نے بھی دلیل و اجتہاد کے ساتھ دوسری طرف حقیقت کو دریافت کر لیا تھا اور تیسرا گروہ متوقف رہا اور کسی طرف کو دلیل کے ساتھ ترجیح نہ دی۔ پس پہلے گروہ نے اپنے اجتہاد کے موافق حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور دوسرے گروہ نے اپنے اجتہاد کے باعث جانب مخالف کی امداد کی اور تیسرا گروہ توقف میں رہا۔ اس نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا خطا سمجھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا اور جو کچھ ان پر واجب لازم تھا، بجا لائے۔ پھر ملامت کی کیا گنجائش ہے اور طعن کی کیا مناسبت ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ تِلْکَ دِمَاءٌ" طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ ہمیں چاہیۓ کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کو حق پر اور دوسرے کو خطا پر بھی نہ کہنا چاہیۓ اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیۓ۔

اسی طرح حدیث نبوی میں آیا ہے۔ اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِكُوْا کہ جب میرے اصحاب کا ذکر ہو اور ان کی لڑائی جھگڑوں کا تذکرہ آ جائے تو تم اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو اور ایک کو دوسرے پر اختیار نہ کرو۔

لیکن جمہور اہلسنت اس دلیل سے جو ان پر ظاہر ہوئی ہو گی، اس بات پر ہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطا خطاء اجتہادی کی طرح طعن و ملامت سے دور اور تشنیع و تحقیر سے مبرا و پاک ہے۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے بھائی ہمارے باغی ہو گئے۔ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ فاسق کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر و فسق سے روکتی ہے۔ اہل سنت و رافضی دونوں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کو خطاء پر

سمجھتے ہیں اور دونوں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی حقیت کے قائل ہیں لیکن اہلسنت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے محاربین کے حق میں لفظ خطا سے جو تاویل سے پیدا ہے، زیادہ اور کچھ اطلاق پسند نہیں کرتے اور زبان کو ان کے طعن و تشنیع سے نگاہ رکھتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق صحبت کی محافظت کرتے ہیں۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا یعنی میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تاکید کے واسطے اس کلمہ کو دوبار فرمایا ہے اور میرے اصحاب کو اپنی ملامت کے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔

اور نیز فرماتا ہے۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے اور بھی بہت حدیثیں تمام اصحاب کی تعظیم وتوقیر کے بارے میں آئی ہیں۔ پس سب کو معزز و مکرم جاننا چاہئے اور ان کی لغزشوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ میں اہل سنت کا مذہب یہی ہے۔ رافضی اس بارہ میں غلو کرتے ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے محاربوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ہر طرح کے طعن اور ہر قسم کی گالیوں سے اپنی زبان کو آلودہ کرتے ہیں۔ اگر ان کا مقصود حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب کی حقیقت اور ان کے محاربوں کا خطاء کا اظہار ہے تو جو کچھ اہلسنت نے اختیار کیا ہے۔ کافی اور حد اعتدال پر ہے اور دین کے بزرگواروں پر طعن لگانا جو رافضیوں نے اختیار کیا ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو گالی نکالنا اپنا دین و ایمان تصور کیا ہے۔ دیانت و دینداری سے دور ہے۔ یہ عجب دین ہے جس کا جزو اعظم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کو گالی نکالنا ہے۔ تمام بدعتی گروہوں میں سے جو بدعتیں اختیار کر کے اہلسنت سے جدا ہو گئے ہیں۔ رافضیوں اور خارجیوں کے فرقے اصل معاملہ اور حق سے دور جا پڑے ہیں۔ بھلا یہ لوگ جو دین کے بزرگواروں کے سب وطعن کو اپنے دین کا جزو اعظم تصور کرتے ہیں۔ حق ان کے نصیب کیا ہوگا۔ رافضیوں کے بارہ فرقے ہیں۔ سب کے سب اصحاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافر کہتے ہیں اور خلفاء راشدین کو گالیاں نکالنا عبادت جانتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اوپر لفظ رفض کے اطلاق کرنے سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے سوا اور لوگوں کو رافضی جانتے ہیں کیونکہ احادیث میں رافضیوں کے حق میں بہت وعید آئی ہے۔ کیا اچھا ہوتا

اگر یہ لوگ رفض کے معنی سے بھی اجتناب کرتے اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہ سے تبرے اختیار نہ کرتے۔

ہندوستان کے ہندو بھی اپنے آپ کو ہندو کہلواتے ہیں اور لفظ کفر کے اطلاق سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے بلکہ دار حرب کے رہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ دونوں کافر ہیں اور کفر کی حقیقت سے متحقق ہیں۔ ان لوگوں نے شاید پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلبیت کو اپنی طرح تصور کیا ہے اور ان کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دشمن خیال کیا ہے۔ ان لوگوں نے تقیہ کے باعث جو خود کیا کرتے ہیں، اہلبیت کے بزرگواروں کو منافق اور مکار خیال کیا ہے اور حکم کیا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تقیہ کے طور پر خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تیس سال تک منافقانہ صحبت رکھتے رہے اور ناحق ان کی تعظیم وتکریم کرتے رہے۔

عجب معاملہ ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت کی محبت رسول اللہ کی محبت کے باعث ہے تو چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کو بھی دشمن جانیں اور اہلبیت کے دشمنوں کی نسبت ان کو زیادہ سب ولعن کریں۔ ابوجہل جو رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے، جس نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں رسول اللہ کو پہنچائی ہیں۔ کبھی نہیں سنا کہ اس گروہ میں سے کسی نے اس کو سب طعن کیا ہو یا اس کو برا کہا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب مردوں سے پیارے ہیں۔ اپنے خیال فاسدین میں اہلبیت کا دشمن تصور کر کے ان کے سب وطعن میں زبان دراز کرتے ہیں اور نامناسب امور کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کونسی دیانت اور دینداری ہے۔ خدا تعالیٰ نہ کرے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت سے دشمنی کریں اور نبی ﷺ کی آل کے ساتھ بغض و عداوت رکھیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اہلبیت کے دشمنوں کو سب کرتے اور اصحاب کرام کے نام مقرر نہ کرتے اور بزرگان دین پر بدظن نہ ہوتے تا کہ ان کی مخالفت جو اہلسنت کے ساتھ ہے، دور ہو جاتی کیونکہ اہلسنت کی خوبی ہے کہ شخص معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو، اسلام وتوبہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور لعن کا اطلاق اس پر پسند نہیں کرتے۔ عام

طور پر کافروں پر لعنت کرتے ہیں لیکن کافر معین پر بھی لعنت پسند نہیں کرتے جب تک اس کے خاتمہ کی برائی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو لیکن رافضی بے تحاشا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لعنت اور اکابر صحابہ کو سب وطعن کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام ہیں جن میں اہلسنت اور مخالفوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔
مقام اول یہ کہ اہلسنت خلفاء اربعہ کی خلافت کی حقیت کے قائل ہیں اور چاروں کو برحق خلیفے جانتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح جس میں مغیبات یعنی امور غائبانہ کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ آیا ہے کہ اَلْخِلَافَةُ مِنْ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً خلافت میرے بعد تیس برس تک ہے اور یہ مدت حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر تمام ہو جاتی ہے۔ (حضرت حسن کی خلافت بھی اس میں شامل ہے۔) پس اس حدیث کے مصداق چاروں خلیفے ہیں اور خلافت اور خلافت کی ترتیب برحق ہے اور مخالف لوگ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی حقیت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو تعصب اور تغلب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سوا امام برحق کسی کو نہیں جانتے اور اس بیعت کو جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی، تقیہ پر حمل کرتے ہیں اور اصحاب کرام کے درمیان منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں اور مدارات میں ایک دوسرے کو مکار تصور کرتے ہیں کیونکہ ان کے زعم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے موافق لوگ ان کے مخالفوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا تھا، اس کے برخلاف اپنی زبان پر ظاہر کرتے تھے اور مخالف بھی چونکہ ان کے زعم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں کے دشمن تھے، اس لیے ان کے ساتھ منافقانہ محبت کرتے تھے اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے۔ پس ان کے خیال میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب منافق اور مکار تھے اور جو ان کے باطن میں ہوتا تھا، اس کے برخلاف ظاہر کرتے تھے۔ پس چاہئے کہ ان کے نزدیک اس امت میں سے بدترین اصحاب کرام ہوں اور تمام صحبتوں میں سے بدتر صحبت حضرت خیرالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہو جہاں سے یہ اخلاق ذمیمہ پیدا ہوئے ہیں اور تمام قرنوں میں سے برا اصحاب کرام کا قرن ہو جو نفاق وعداوت وبغض وکینہ سے پر تھا۔ حالانکہ حق تعالیٰ اپنی کلام مجید میں ان کو

رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ فرماتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ مُعْتَقَدَاتِھِمُ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے برے عقائد سے بچائے) یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاق ذمیمہ سے موصوف کرتے ہیں تو لواحقین میں کیا خیریت پائیں گے۔ ان لوگوں نے شائد ان آیات قرآنی اور ان احادیث نبوی کو جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اصحاب کرام کی فضیلت اور اس امت کی خیریت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں، نہیں دیکھا یا دیکھا ہے مگر ان کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن و احادیث اصحاب کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے۔ جب اصحاب مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ نیز مطعون ہوگا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

ان لوگوں کا مقصود دین کا ابطال اور شریعت غرا کا انکار ہے۔ ظاہر میں اہلبیت رسول کی محبت کا اظہار کرتے ہیں مگر حقیقت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا انکار کرتے ہیں۔ کاش کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں کو مسلم رکھتے اور تقیہ کے ساتھ جو اہل مکر اور نفاق کی صفت ہے، متصف نہ کرتے۔ وہ لوگ جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے دوست ہوں یا دشمن، جب تیس سال تک ایک دوسرے کے ساتھ نفاق و مکر و فریب کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ہوں تو ان میں کیا خیریت ہوگی اور وہ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو طعن کرتے ہیں، نہیں جانتے کہ اس طعن میں نصف احکام شریعہ پر طعن آتا ہے کیونکہ علماء مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام والی تین ہزار حدیث وارد ہوئی ہے یعنی تین ہزار احکام شرعیہ ان احادیث سے ثابت ہوئے ہیں جن میں سے ایک ہزار پانچ سو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوئی ہیں۔ پس اس کا طعن نصف احکام شریعہ کا طعن ہے اور امام بخاری کہتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے راوی آٹھ سو صحابہ کرام اور تابعین سے زیادہ ہیں جن میں سے ایک ابن عباس ہے اور ابن عمر بھی اسی سے روایت کرتا ہے اور جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک بھی اسی کے راویوں میں سے ہیں اور وہ حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طعن سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ جھوٹی حدیث ہے جیسے کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے اور وہ حدیث کہ جس میں

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فہم کے لیے دعا کی ہے۔ علماء میں مشہور و معروف ہے۔

قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ حَضَرْتُ مَجْلِسًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَّبْسُطُ مِنْكُمْ رِدَاءَهٗ حَتّٰى اُفِيْضَ فِيْهِ مَقَالَتِيْ فَيَضُمُّهَا اِلَيْهِ ثُمَّ لَا يَنْسَاهَا فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَاَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ فَضَمَمْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَمَا نَسِيْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئًا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی چادر بچھائے تاکہ میں اس میں اپنی کلام گراؤں اور پھر وہ اس کو اپنے بدن سے لگائے تو اس کو کوئی چیز نہ بھولے گی۔ پس میں نے اپنی چادر کو بچھا دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی کلام اس میں گرائی اور میں نے چادر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ نہ بھولا۔

پس صرف اپنے ظن ہی سے دین کے ایک بزرگ شخص کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا دشمن جاننا اور اس کے حق میں سب وطعن ولعن جائز رکھنا انصاف سے دور ہے۔ یہ سب افراط محبت کی باتیں ہیں جن سے ایمان کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اگر بالفرض حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی سمجھا جائے تو حضرت امیر کے ان اقوال میں کیا کہیں گے جو بطریق تواتر شیخین کی افضلیت میں منقول ہیں اور ایسے ہی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ان کلمات قدسیہ کا کیا جواب دیں گے جو ان کی خلافت و مملکت کے وقت خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے میں صادر ہوئے ہیں کیونکہ تقیہ اسی قدر ہے کہ اپنی خلافت کی حقیقت کو چھپا لے اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا باطل ہونا ظاہر نہ کرے لیکن خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے کا اظہار کرنا اور شیخین کی افضلیت کا بیان کرنا اس تقیہ کے سوا ایک علیحدہ امر ہے جو صدق و ثواب کے سوا کوئی تاویل نہیں رکھتا اور تقیہ کے ساتھ اس کا دور کرنا ناممکن ہے۔

نیز وہ صحیح حدیثیں حد شہرت کو پہنچ چکی ہیں بلکہ مُتَوَاتِرُ الْمَعْنٰی ہو گئی ہیں جو حضرات خلفاء ثلاثہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں اکثر کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان حدیثوں کا جواب کیا کہیں گے کیونکہ تقیہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جائز نہیں۔ اس لیے تبلیغ پیغمبروں پر لازم ہے۔

نیز وہ آیات قرآنی جو اس بارہ میں نازل ہوئی ہیں، ان میں بھی تقیہ متصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو انصاف دے۔

دانا لوگ جانتے ہیں کہ تقیہ جبانت یعنی بزدلی اور نامردی کی صفت ہے۔ اسد اللہ کے ساتھ اس کو نسبت دینا نامناسب ہے۔ بشریت کی رو سے ایک ساعت یا دو ساعت یا ایک یا دو دن کے لیے اگر تقیہ جائز سمجھا جائے تو ہو سکتا ہے۔ اسد اللہ میں تیس سال تک اس بزرگی کی صفت کا ثابت کرنا اور تقیہ پر مصر سمجھنا بہت برا ہے اور جب صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ ہے تو پھر بھلا دشمنوں اور منافقوں کی صفات میں سے کسی صفت پر اصرار کرنا کیسا ہوگا۔ کاش کہ یہ لوگ اس امر کی برائی سمجھتے۔ شیخین رضی اللہ عنہما کی تقدیم و تعظیم سے اس لیے بھاگتے ہیں کہ اس میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی اہانت ہے اور تقیہ اختیار کر لیا ہے۔ اگر تقیہ کی برائی جوارباب نفاق کی صفت ہے، سمجھتے تو ہرگز تقیہ کو جائز قرار نہ دیتے اور دو بلاؤں میں سے آسان کو اختیار کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ شیخین کی تقدیم و تعظیم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی کچھ اہانت نہیں۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت بھی بجائے خود ہے اور ان کی ولایت کا درجہ اور ہدایت و ارشاد کا رتبہ بھی اپنے حال پر ہے اور تقیہ کے ثابت کرنے میں نقص و توہین لازم ہے کیونکہ یہ صفت ارباب نفاق کے خاصوں اور مکاروں اور فریبیوں کے لوازم سے ہے۔

مقام دوم: یہ کہ اہلسنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے اور ان کے روشن سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ جب ہر ایک صاحب رائے اور صاحب اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے۔ اس لیے بعض امور میں راؤں کے اختلاف کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت و منازعت واقع ہوئی اور ہر ایک کے لیے اپنی رائے کی تقلید بہتر تھی۔ پس ان کی مخالفت موافقت کی طرح حق کے لیے تھی، نہ کہ نفس امارہ کی ہوا و ہوس کے لیے۔

اہلسنت کے مخالف لوگ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں

اور طرح طرح کے طعن و تشنیع ان کے حق میں جائز سمجھتے ہیں۔ جب اصحاب کرام بعض امور اجتہادیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخالفت کرلیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی رائے کے برخلاف حکم کیا کرتے تھے اور ان کا یہ اختلاف مذموم اور قابل ملامت نہ ہوتا تھا اور باوجود نزول وحی کے ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امور اجتہادیہ میں مخالفت کرنا کیوں کفر ہو اور ان کے مخالف کیوں اسلام سے خارج اور مطعون ہوں۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے مسلمان ایک جم غفیر ہیں جو سب کے سب اصحاب کبار ہیں۔ جن میں سے بعض کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان کو کافر اور برا کہنا آسان نہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (چھوٹا منہ بڑی بات) قریباً نصف دین اور شریعت کو انہی نے تبلیغ کیا ہے۔ اگر ان پر طعن آیا تو نصف دین سے اعتماد دور ہوجاتا ہے۔ یہ بزرگوار کس طرح قابل طعن ہوسکتے ہیں جب کہ ان میں سے کسی کی روایت کو کسی امیر اور وزیر نے رد نہیں کیا۔ صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے اور شیعہ بھی اس کو مانتے ہیں۔

(فقیر نے احمد تبتی کی نسبت جو اکابر شیعہ میں سے تھا، سنا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ کتاب بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح کتاب ہے) اس میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے دوستوں کی بھی روایتیں ہیں اور مخالفوں کی بھی اور موافقت و مخالفت کے باعث کسی کو راجح و مرجوح نہیں جانا۔ جس طرح حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کی روایت میں کسی قسم کا طعن ہوتا تو ہرگز اس کی روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتا۔ اسی طرح سلف میں جو حدیث کے نقاد اور صراف گزرے ہیں، کسی نے اس وجہ سے حدیث کی روایت میں فرق نہیں کیا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو طعن کا باعث نہیں بنایا۔

جاننا چاہئے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تمام امور خلافیہ میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔ اگرچہ محاربہ میں حق بجانب امیر تھا کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صدر اول کے احکام خلافیہ میں علماء و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت امیر کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے اور ان کے مذہب پر حکم نہیں کیا۔ اگر حضرت امیر کی جانب ہی حق مقرر ہوتا تو ان

کے برخلاف حکم نہ کرتے۔ قاضی شریح نے جو تابعین میں سے ہے اور صاحب اجتہاد ہوا ہے، حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مذہب پر حکم نہیں کیا اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی شہادت کو نسبت بنوت یعنی فرزندی نسبت کے باعث منظور نہیں کیا اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول پر عمل کیا اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت جائز نہیں سمجھتے۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے برخلاف اقوال جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں، اختیار کیے گئے ہیں جو منصف تابعدار پر مخفی نہیں ہیں۔ان کی تفصیل دراز ہے پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اور ان کے مخالف طعن و ملامت کے لائق نہیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حبیب رب العالمین کی محبوبہ تھیں اور لب گور تک حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقبولہ و منظورہ ہیں اور مرض موت کے ایام بھی انہی کے حجرے میں بسر کیے اور انہی کی گود میں جان دی اور انہی کے پاک حجرے میں مدفون ہوئے۔ اس شرف و فضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ بھی تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھا دین ان کے حوالہ کیا تھا اور اصحاب کرام مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان سے مشکلات کا حل طلب کیا کرتے تھے۔اس قسم کی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باعث طعن کرنا اور ناشائستہ حرکات کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے سے دور ہے۔ حضرت امیر اگر پیغمبر علیہ السلام کے داماد اور چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور محبوبہ مقبولہ ہیں۔

اس سے چند سال پہلے فقیر کا طریق تھا کہ اگر طعام پکاتا تھا تو اہل عباء کی ارواح پاک کو بخش دیا کرتا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت امامین رضی اللہ عنہما کو ملا لیتا تھا۔ ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں۔ فقیر نے سلام عرض کی۔ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور فقیر کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر فقیر کو فرمایا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں۔ جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بھیج دیا کرے۔ اس وقت فقیر نے معلوم کیا کہ حضور علیہ السلام کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس

طعام میں حضرت صدیقہ کو شریک نہ کرتا تھا۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ تمام ازواج مطہرات کو جو سب اہلبیت ہیں، شریک کرلیا کرتا تھا اور تمام اہلبیت کو اپنا وسیلہ بناتا تھا۔

پس وہ آزار وایذا جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے پہنچتی ہے۔ وہ اس آزار وایذا سے زیادہ ہے جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔ منصف عقلمندوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ بات اس صورت میں ہے جب کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت اور تعظیم پیغمبر علیہ السلام کی محبت و تعظیم اور قرابت کے باعث ہو اور اگر کوئی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت کو مستقل طور پر اختیار کرے اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی محبت کو اس میں دخل نہ دے تو ایسا شخص محبت سے خارج ہے اور گفتگو کے لائق نہیں۔ اس کی غرض دین کا باطل کرنا اور شریعت کا گرانا ہے۔ ایسا شخص چاہتا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر کوئی اور راستہ اختیار کرے اور حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آجائے، یہ سراسر کفر اور زندقہ ہے۔ حضرت علی اس سے بیزار اور اس کے کردار سے آزار میں ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب (اصہار و سسر) اور ختنین (دامادوں) کی دوستی بعینہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی ہے اور ان کی عزت وتکریم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے باعث ہے۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ (جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا) ایسے ہی جو شخص ان کا دشمن ہے، وہ پیغمبر ﷺ کی دشمنی کے باعث ان کو دشمن جانتا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ فَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ (جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب سے متعلق ہے، وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح ان کا بغض بھی بعینہ میرا بغض ہے۔

حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اصحاب کبار اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان پر طعن وتشنیع کرنا نامناسب ہے اور ان کی لعن وطعن کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما وہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑا اور ان میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو داخل کیا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لیے کوئی دلیل واضح نہ پائی تو طلحہ وزبیر نے اپنے اختیار سے خلافت کا حصہ چھوڑ

دیا اور ہر ایک نے تَرَکْتُ حَظِّیْ (میں نے اپنا حصہ ترک کیا) کہہ دیا اور یہ وہی طلحہ ہے جس نے اپنے باپ کو اس بے ادبی کے باعث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اس سے صادر ہوئی تھی، قتل کر کے اس کے سر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آیا تھا۔ قرآن مجید میں اس فعل پر اس کی تعریف وثناء بیان کی گئی ہے اور یہ وہی زبیر ہے جس کے قاتل کے لیے مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے۔ قَاتِلُ زُبَیْرٍ فِی النَّارِ کہ زبیر کا قاتل دوزخ میں ہے۔ حضرت زبیر پر لعن وطعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ پس اکابر دین اور بزرگواران اسلام کی طعن و مذمت سے ڈرنا چاہیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے بول بالا کرنے اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سرتوڑ کوششیں کی ہیں اور رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید میں مال و جان کی پروا نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنے خویش و اقارب اور مال و اولاد، گھربار، وطن، کھیتی باڑی، باغ و درخت و نہروں کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنے اموال و اولاد اور اپنی جانوں کی محبت پر اختیار کیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرف صحبت حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں برکات نبوت سے مالا مال ہوئے۔ وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات کو دیکھا۔ حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا حتیٰ کہ دوسروں کا احد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ان کے ایک آدھ مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بایں الفاظ تعریف کرتا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے)

ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ (توریت اور انجیل میں ان کی مثال اس بیج کی طرح ہے جس کی بے شمار شاخیں نکل کر مضبوط ہو جائیں اور اس کے تنے خوب موٹے ٹکڑے مضبوط ہو جائیں جن کو دیکھ کر زراعت کرنے والے خوش ہوں اور کفار غیظ و غضب میں آئیں) ان پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے۔

پس جس طرح کفر سے ڈرتے ہیں، اس طرح ان کے غیظ وغضب سے بھی ڈرنا چاہئے وَاللہُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ۔

وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کی نسبت درست کی ہو اور رسول اللہ ﷺ کے منظور اور مقبول ہوں تو اگر بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے واجتہاد کے موافق عمل کریں تو طعن واعتراض کی مجال نہیں بلکہ اس وقت اختلاف اور اپنی رائے کے سوا غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق وصواب ہے۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے لیے درجہ اجتہاد تک پہنچنے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید خطا ہے۔ اس کے لیے بہتری اپنی رائے کی تقلید میں ہے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کسی اصحابی کے قول کو خواہ صدیق رضی اللہ عنہ خواہ امیر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتے اور اپنی رائے کے موافق اگرچہ قول صحابی کے مخالف ہو، عمل کرنا بہت جانتے ہیں۔

جب امت کے مجتہد اصحاب کی آرا کی مخالفت کر سکتے ہیں تو اگر اصحاب ایک دوسرے کی مخالفت کریں تو کیوں مطعون ہوں۔ حالانکہ اصحاب کرام نے امور اجتہادیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ خلاف کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کی رائے کے برخلاف حکم کیا ہے اور باوجود نزول وحی کے ان کے خلاف پر مذمت نہیں آئی اور ان کے اختلاف پر منع وارد نہیں ہوا جیسے کہ گزر چکا۔ اگر یہ اختلاف حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسند اور نامقبول ہوتا تو البتہ منع ہوتا اور اختلاف کرنے والوں پر وعید نازل ہوتی۔

کیا نہیں جانتے کہ وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے میں بلند آواز کیا کرتے تھے۔ ان کے اس آوازے کو کس طرح منع کیا گیا اور اس پر کیسی وعید مترتب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (اے ایمان والو، اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو اور ان کو بلند آواز سے اس طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ورنہ تمہارے اعمال نیست ونابود ہو جائیں گے اور تم کو

معلوم نہ ہوگا۔)

بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختلاف عظیم پڑ گیا تھا۔ حضرت فاروق اور سعد بن معاذ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا اور دوسروں نے ان کو چھوڑ دینے اور فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے نزدیک بھی یہی رائے مقبول تھی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور فدیہ لے لیا جائے۔ اس قسم کے اختلاف کے مقام اور بھی بہت سے ہیں اور وہ اختلاف بھی اس قسم کا تھا جو کاغذ کے لانے میں کیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مرض موت میں کاغذ طلب فرمایا تھا تاکہ ان کے لیے کچھ لکھیں۔ بعض نے کہا کہ کاغذ لانا چاہئے اور بعض نے کاغذ لانے سے منع کیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جو کاغذ نہ لانے میں راضی نہ تھے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس سبب سے طعن لگانے والوں نے حضرت فاروق پر عیب لگایا ہے اور طعن و تشنیع کے ساتھ زبان دراز کی ہے۔ حالانکہ درحقیقت کوئی محل طعن نہیں کیونکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے معلوم کر لیا تھا کہ وحی کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور آسمانی احکام تمام ہو چکے ہیں اور احکام کے ثبوت میں رائے و اجتہاد کے سوا کسی امر کی گنجائش نہیں رہی۔ اب آنحضرت ﷺ جو کچھ لکھیں گے، امور اجتہادیہ میں سے ہوگا جس میں دوسرے بھی شریک ہیں۔ بحکم فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

پس بہتری اسی بات میں دیکھی کہ اس قسم کے سخت درد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف نہ دینی چاہئے اور دوسروں کی رائے و اجتہاد پر کفایت کرنی چاہئے۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ یعنی قرآن مجید جو قیاس و اجتہاد کا ماخذ ہے۔ احکام کے نکالنے والوں کے لیے کافی ہے۔ احکام وہاں سے نکال لیں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی خصوصیت اسی واسطے ہو سکتی ہے جب کہ قرآئن سے معلوم کیا ہو کہ یہ احکام جن کے لکھنے کے درپے ہیں۔ ان کا ماخذ کتاب میں ہے نہ کہ سنت میں تاکہ سنت کا ذکر کیا جاتا۔

پس حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا منع کرنا شفقت و مہربانی کا باعث تھا تاکہ آنحضرت ﷺ شدت درد میں کسی امر کی تکلیف نہ اٹھائیں جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کا کاغذ لانے کے لیے فرمانا بھی استحسان کے لئے تھا نہ کہ وجوب کے لیے تاکہ دوسرے لوگ استنباط کے رنج

سے آسودہ ہو جائیں اور اگر امر اِیْتُونِیْ وجوب کے لیے ہوتا تو اس کی تبلیغ میں مبالغہ فرماتے اور صرف اختلاف ہی سے اس سے روگردانی نہ کرتے۔

سوال: حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت کہا تھا۔ اَھَجَرَا اِسْتَفْھِمُوْہُ اس سے کیا مراد ہے۔

جواب: حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے شائد اس وقت سمجھا ہو کہ یہ کلام آپ سے درد کے باعث بلا قصد و اختیار نکل گیا ہے جیسے کہ لفظ اَکْتُبُ سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا اور نیز آپ نے فرمایا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ (تم میرے بعد گمراہ نہ ہو گے)

جب دین کامل ہو چکا تھا اور نعمت پوری ہوگئی تھی اور رضاء مولیٰ حاصل ہو چکی تھی تو پھر گمراہی کے کیا معنی اور ایک ساعت میں کیا لکھیں گے جو گمراہی کو دور کرے گا۔ کیا جو کچھ تیئس سال کے عرصہ میں لکھا گیا، کافی نہیں اور وہ گمراہی کو دور نہیں کر سکتا اور جو ایک ساعت میں باوجود شدت درد کے لکھیں گے، وہ گمراہی کو دور کرے گا۔ اسی سبب سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جان لیا ہوگا کہ یہ کلام آپ سے بشریت کے لحاظ سے بلا قصد نکل گئی ہے۔ اس بات کی تحقیق کرو اور از سر نو دریافت کرو۔ اسی اثناء میں مختلف باتیں شروع ہو گئیں۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اٹھ جاؤ اور مخالفت نہ کرو کیونکہ پیغمبر ﷺ کے حضور میں نزاع و جھگڑا اچھا نہیں۔ پھر اس امر کی نسبت کوئی کلام نہ کی اور نہ دوات و کاغذ کو یاد کیا۔

جاننا چاہئے کہ وہ اختلاف جو اصحاب کرام امور اجتہادیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اگر اس میں نعوذ باللہ ہوا و تعصب کی بو ہوتی تو یہ اختلاف سب کو مرتدوں میں داخل کر دیتا اور اسلام سے باہر نکال دیتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور بدمعاملگی کرنا کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے) بلکہ یہ اختلاف امر فَاعْتَبِرُوْا کے بجالانے کے باعث ہوا ہے کیونکہ وہ شخص جو اجتہاد کا درجہ حاصل کر چکا ہو۔ احکام اجتہادیہ میں اس کے لیے دوسروں کی رائے و اجتہاد کی تقلید کرنا خطاء اور منہی عنہ ہے۔ ہاں احکام منزلہ میں کہ جن میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے، تقلید کے سوا کچھ گنجائش نہیں۔ ان پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا واجب ہے۔

حاصل کلام یہ کہ قرن اول کے اصحاب تکلفات سے بری اور عبارتوں کی آرائش سے

مستغنی تھے۔ ان کی کوشش ہمہ تن باطن کے درست کرنے میں ہوتی تھی اور ظاہر کی طرف سے نظر ہٹا رکھی تھی۔ اس زمانہ میں حقیقت و معنی کے طور آداب بجالاتے تھے۔ نہ فقط صورت و لفظ کے اعتبار پر۔ رسول اللہ ﷺ کے امر کا بجالانا ان کا کام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت سے بچنا ان کا معاملہ تھا۔ ان لوگوں نے اپنے ماں باپ اور اولاد و ازدواج کو رسول اللہ ﷺ پر فدا کر دیا تھا اور کمال اعتقاد و اخلاص کے باعث آنحضرت ﷺ کی لعاب مبارک کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ آب حیات کی طرح اس کو پی جاتے تھے اور فصد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے پی جانا مشہور و معروف ہے۔ اگر اس قسم کی عبادت جو اس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک کہ کذب و مکر سے پر ہے، بے ادبی کا موجب ہو۔ ان بزرگواروں سے آنحضرت ﷺ کی نسبت صادر ہوئی ہو تو اس پر نیک ظن کرنا چاہئے اور عبارت کے مطلب کو دیکھنا چاہئے اور الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں ان سے قطع نظر کرنی چاہئے۔ سلامتی کا طریق یہی ہے۔

سوال: جب احکام اجتہادیہ میں خطا کا احتمال ہے تو ان تمام احکام شرعیہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں۔ کس طرح وثوق و اعتبار کیا جائے۔

جواب: احکام اجتہادیہ ثانی الحال میں احکام منزلہ آسمانی کی طرح ہو گئے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطا پر برقرار رکھنا جائز نہیں۔ پس احکام اجتہادیہ میں مجتہدوں کے اجتہاد اور ان کی آراء کے اختلاف کے ثابت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہو جاتا ہے جو صواب کو خطا سے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے۔ پس احکام اجتہادیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نزول وحی کے بعد کہ صواب و خطا میں تمیز ہو چکی تھی۔ قطعی الثبوت ہو گئے تھے اور ان میں خطا کا احتمال نہ رہ گیا تھا۔ پس تمام احکام جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ثابت ہو چکے تھے، قطعی ہیں اور خطا کے احتمال سے محفوظ ہیں کیونکہ ابتداء و انتہا میں وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ ان احکام کے اجتہاد اور استنباط سے مقصود یہ تھا کہ مجتہدین اور مستنبطین کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہو جو صواب کو خطا سے جدا کر دے اور درجات و کرامت کی امتیاز حاصل ہو اور مُخطِیٔ (خطا کرنے والا) اور مُصِیب (صواب کو پہنچنے والا) اور اپنے اپنے درجوں کے موافق ثواب پائیں۔ پس احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کے درجے بھی

بلند ہو گئے اور نزول وحی کے بعد ان کی قطعیت بھی ثابت ہو گئی۔

ہاں زمانہ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد احکام اجتہادیہ ظنی ہیں جو مفید عمل ہیں۔ نہ کہ مثبت اعتقاد کہ ان کا منکر کافر ہو مگر جب ان احکام پر مجتہدوں کا اجماع منعقد ہو جائے تو اس صورت میں وہ احکام مثبت اعتقاد بھی ہوں گے۔

ہم اس مکتوب کو ایک عمدہ خاتمہ پر ختم کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت کے فضائل درج ہیں۔ ابن عبداللہ المعروف باابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِيًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ وَمَنْ اٰذٰى عَلِيًّا فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ (جس نے علی کو دوست رکھا، اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی)

اور ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور بریدہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بریدہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ بِحُبِّ اَرْبَعَةٍ وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ يُحِبُّهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِّهِمْ لَنَا قَالَ عَلِيٌّ مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلٰثًا وَاَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَ سَلْمَانُ (اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت کرنے کا امر کیا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ان کے نام کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سے علی ہے، اس بات کو تین بار کہا۔ دوسرے ابو ذر تیسرے مقداد اور چوتھے سلمان ہیں) اور طبرانی اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلنَّظَرُ اِلٰى عَلِيٍّ عِبَادَةٌ علی کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔

اور شیخین نے براء سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھوں پر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ (یا اللہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ۔)

اور بخاری نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے کہا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تھے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے اور کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی اس کی طرف اور فرماتے۔ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کر دے گا)

اور ترمذی نے اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ اسامہ بن زید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی ران پر ہیں اور فرما رہے ہیں۔ ھٰذَانِ اِبْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا (یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں یا اللہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔ تو ان کو دوست رکھ اور جو لوگ ان سے محبت رکھیں ان کو بھی دوست رکھ۔)

اور ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اہلبیت میں سے کون کون آپ کو زیادہ عزیز ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اور مسور بن مخرمہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلْفَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِنِّی فَمَنْ اَبْغَضَھَا اَبْغَضَنِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا (فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اس سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیز اس کو متردد کرے، وہ مجھے بھی متردد کرتی ہے اور جس چیز سے اس کو ایذا پہنچے مجھے بھی پہنچتی ہے۔)

اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا فَاطِمَۃُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْکَ وَاَنْتَ اَعَزُّ عَلَیَّ مِنْھَا (فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ پیاری ہے اور تو میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ لوگ حضرت عائشہ کے دن اپنے تحائف وہدایہ لے آتے تھے اور اس سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی طلب کرتے تھے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج

دو گروہ تھیں۔ ایک وہ گروہ تھا جس میں حضرت عائشہ و حفصہ و سودہ و صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن تو ام سلمہ والے گروہ نے ام سلمہ کو کہا کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہہ دے کہ وہ لوگوں کو کہہ دیں کہ جہاں میں ہوا کروں، وہیں تحائف لایا کریں۔ پس ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کہہ دی تو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے ام سلمہ اس بارے میں مجھے ایذا نہ دے کیونکہ عائشہ کے کپڑے کے سوا اور کسی عورت کے کپڑے میں میرے پاس وحی نہیں آئی۔

ام سلمہ نے اس بات کو سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس بات سے توبہ کرتی ہوں۔ پھر ام سلمہ کے گروہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہیں۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے میری بیٹی۔ کیا تو اس چیز کو دوست نہیں رکھتی جس کو میں دوست رکھتا ہوں۔ عرض کیا کہ کیوں نہیں، پھر فرمایا کہ اس کو یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوست رکھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عورتوں میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں کی جتنی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کی۔ حالانکہ میں نے اس کو دیکھا نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور بسا اوقات بکری ذبح کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دیا کرتے تھے اور جب کبھی میں کہتی کہ کیا خدیجہ جیسی عورت دنیا میں نہیں ہوئی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ وہ تھی جیسی کہ تھی اور اسی سے میری اولاد تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ (عباس میرا ہے اور میں عباس کا ہوں)

اور دیلمی نے ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ اٰذَانِیْ فِیْ عِتْرَتِیْ (اللہ تعالیٰ اس شخص پر سخت غضب فرماتا ہے

جس نے میری اولاد کے حق میں ایذا دی۔)

اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَهْلِیْ مِنْ بَعْدِیْ (تم میں سے اچھا وہ شخص ہے جو میرے بعد میرے اہل بیت کے ساتھ بھلائی کرے)

اور ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ صَنَعَ لِاَهْلِ بَیْتِیْ بِرًّا کَافَأْتُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلَیْهَا جس نے میرے اہل بیت کے ساتھ احسان کیا، میں اس کو قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا۔

اور ابن عدی اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَثْبَتُکُمْ عَلَی الصِّرَاطِ اَشَدُّکُمْ حُبًّا لِاَهْلِ بَیْتِیْ وَلَا صَحَابِیْ تم میں سے پل صراط پر وہ شخص زیادہ ثابت قدم ہوگا جس کی میرے اہلبیت اور اصحاب کے ساتھ زیادہ محبت ہوگی۔

خدایا بحق بنی فاطمہ که بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول من ودست ودامان آل رسول

ترجمہ: خدایا بحق بنی فاطمہ کہ ایمان پر ہو میرا خاتمہ
دعا کو میری رد کر یا قبول مجھے بس ہے دامان آل رسول

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلٰى سَائِرِ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَجْمَعِيْنَ. اٰمِيْن.

مکتوب ۳۷

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں فقیر حقیر عبدالحی کی طرف جو ان مکتوبات شریف کا جامع ہے، صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حق تعالیٰ کے غضب کو دور کرنے کے لیے اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر زیادہ فائدہ مند اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جب یہ کلمہ طیبہ دوزخ کے غضب کو تسکین کر دیتا ہے تو اور

غضب جو اس سے کم درجہ کے ہیں، ان کی بطریق اولیٰ تسکین کر دیتا ہے۔ کیوں تسکین نہ کرے جب کہ بندے نے اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے ماسوی کی نفی کر کے سب کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے اور اپنی توجہ کا قبلہ معبود برحق کو بنایا ہے۔ غضب کا باعث مختلف تعلقات اور توجہات ہی تھیں جن میں بندہ مبتلا ہو رہا تھا جب وہ نہ رہیں تو غضب بھی نہ رہا۔ اس باز کو عالم مجاز میں بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

جب مالک اپنے غلام پر ناراض اور غضبناک ہو تو بندہ اپنے حسن فطرت سے جو اس کو حاصل ہے، اپنی توجہ کو اپنے مالک کے ماسوا سے پھیر کر اپنے آپ کو پورے طور پر مالک کی طرف متوجہ کر لے تو اس وقت مالک کو اپنے غلام پر ضرور شفقت و رحمت آ جائے گی اور غضب و آزار دور ہو جائے گا۔

فقیر اس کلمہ طیبہ کو رحمت کے ان ننانوے حصوں کے خزانہ کی کنجی سمجھتا ہے جو آخرت کے لیے ذخیرہ فرمائے ہیں اور جانتا ہے کہ کفر کی ظلمتوں اور شرک کی کدورتوں کو دفع کرنے کے لیے اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر زیادہ شفیع اور کوئی کلمہ نہیں ہے جس شخص نے اس کلمہ طیبہ کی تصدیق کی ہو اور ذرہ بھر ایمان حاصل کر لیا ہو اور پھر کفر و شرک کی رسموں میں بھی مبتلا ہو تو امید ہے کہ اس کلمہ کی شفاعت سے اس کا عذاب دور ہو جائے گا اور دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پا جائے گا۔ جس طرح کہ اس امت کے تمام کبیرہ گناہوں کے عذاب دور کرنے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نافع اور فائدہ مند ہے۔

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس امت کے کبیرہ گناہ تو اس لیے کہا ہے کہ سابقہ امتوں میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہے بلکہ کفر و شرک کی رسمیں بھی بہت کم پائی جاتی ہیں۔ شفاعت کی زیادہ محتاج یہی امت ہے۔ گزشتہ امتوں میں بعض لوگ کفر پر اڑے رہتے تھے اور بعض اخلاص کے ساتھ ایمان لاتے تھے اور امر بجا لاتے تھے۔ اگر کلمہ طیبہ ان کا شفیع نہ ہوتا اور حضرت خاتم الرسل ﷺ جیسا شفیع ان کی شفاعت نہ کرتا تو یہ امت پر گناہ ہلاک ہو جاتی۔ "اُمَّةٌ مُذْنِبَةٌ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ" (امت گنہگار ہے اور رب بخشنے والا ہے) حق تعالیٰ کی عفو و بخشش جس قدر کہ اس امت کے حق میں کام آئے گی، معلوم نہیں کہ گزشتہ امتوں کے حق میں اس قدر کام آئے۔ گویا رحمت کے ننانوے حصوں کو اسی پر گناہ امت کے لیے ذخیرہ کیا ہوا ہے

کہ مستحق کرامت گناہ گار اند

ترجمہ: کہ ہیں گناہ گار لائق بخشش

چونکہ حق تعالیٰ عفو و مغفرت کو دوست رکھتا ہے اور عفو و معرفت کے لیے اس پر تقصیر امت کے برابر اور کوئی محل نہیں، اس لیے یہ امت خیر الامم ہوگئی اور کلمہ طیبہ جو ان کی شفاعت کرنے والا ہے، افضل الذکر بن گیا اور ان کی شفاعت کرنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سید الانبیاء کا خطاب پایا اُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِھِمْ حَسَنَاتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْراً رَحِیْماً (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ ہاں ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ایسا ہی ہونا چاہئے۔

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں یہ کام دشوار

وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا (اللہ تعالیٰ پر یہ بات بہت آسان ہے) رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ (یا اللہ ہمارے گناہوں اور کاموں میں زیادتی کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے)

اب اس کلمہ کے فضائل سنو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا جنت میں داخل ہوا۔ کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمہ لا الہ الا اللہ کہنے سے جنت میں داخل ہونا کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ لوگ اس کلمہ طیبہ کے برکات سے واقف نہیں ہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر تمام جہان کو اس کلمہ طیبہ کے ایک بار کہنے سے بخش دیں تو بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی مشہود ہوتا ہے کہ اگر اس کلمہ پاک کے برکات کو تمام جہان میں تقسیم کریں تو ہمیشہ کیلئے سب کو کفایت کرے اور سب کو سیراب کردے۔ خاص کر جب کہ اس کلمہ طیبہ کے ساتھ کلمہ مقدسہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمع ہو جائے اور تبلیغ توحید کے ساتھ منتظم ہو جائے اور رسالت ولایت کے ساتھ مل جائے، ان دو کلموں کا مجموعہ نبوت و ولایت کے کمالات کا جامع اور ان دونوں سعادتوں کے راستوں پر ہدایت کرنے والا ہے جو ولایت کو ظلال کے ظلمات سے پاک کرتا ہے اور نبوت کو درجہ بلند تک پہنچاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا مِنْ بَرَکَاتِ ھٰذِہِ الْکَلِمَۃِ الطَّیِّبَۃِ وَثَبِّتْنَا عَلَیْھَا وَاَمِتْنَا عَلٰی تَصْدِیْقِھَا وَاحْشُرْنَا مَعَ الْمُصَدِّقِیْنَ لَھَا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ بِحُرْمَتِھَا وَحُرْمَۃِ مُبَلِّغِیْھَا عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالْبَرَکَاتُ (یا اللہ تو ہم کو اس کلمہ طیبہ کی برکات سے محروم نہ رکھ اور ہم کو اس پر ثابت قدم رکھ اور اس کی تصدیق پر مار اور ہم کو اس کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ اٹھا اور اس کلمہ اور اس کے پہچاننے والوں کے طفیل ہم کو جنت میں داخل کر۔)

جب نظر و قدم واپس رہ جاتے ہیں اور ہمت کے پر و بال گر جاتے ہیں اور غیب محض کے ساتھ معاملہ پڑتا ہے تو اس مقام میں کلمہ طیبہ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے پاؤں کے سوا نہیں چل سکتے اور اس کلمہ مقدسہ کی مدد کے سوا اس مسافت کو قطع نہیں کر سکتے۔ اس مقام کا چلنے والا کلمہ طیبہ کے ایک بار کہنے سے اس کلمہ مقدسہ کی حقیقت کو مدد و اعانت سے اس مسافت سے ایک قدم راستہ قطع کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دور اور حق تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اس مسافت کا ہر ایک جزو اور قدم عالم امکان کے تمام دائرہ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس بیان سے اس ذکر کی فضیلت کو معلوم کرنا چاہیئے کہ تمام دنیا کا اس کے مقابلہ میں کچھ مقدار و احساس نہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کہنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہے جس قدر کہنے والا کا درجہ زیادہ ہوگا۔ اسی قدر یہ عظمت زیادہ ظاہر ہوگی۔

یَزِیْدُکَ وَجْھُہٗ حُسْنًا اِذَا مَازِدْتَہٗ نَظْرًا

چہرے پہ اس کے جوں جوں تیری نظر پڑے گی
تیری نظر میں اس کی خوبی بہت بڑھے گی

دنیا میں اس آرزو کے برابر اور کوئی آرزو نہیں کہ گوشہ میں بیٹھ کر اس کلمہ کے تکرار سے محظوظ و متلذذ ہوں مگر کیا کیا جائے سب خواہشیں میسر نہیں ہو سکتیں اور خلقت کی غفلت اور خلط ملط سے چارہ نہیں۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یارب ہمارے نور کو کامل اور ہمارے گناہوں کو بخش تو سب چیز پر قادر ہے) سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پاک ہے رب

تیرا جو بڑی عزت والا ہے۔ اس وصف سے جو لوگ کرتے ہیں۔ بہتر برتر اور مرسلین پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جو تمام جہان کا پالنے والا ہے۔

مکتوب ۳۸

اس بیان میں کہ اہل اللہ کو باطن میں دنیا کے ساتھ رائی کے دانہ جتنا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اگرچہ بظاہر دنیا اور دنیا کے اسباب میں مشغول ہوتے ہیں۔ حاجی محمد یوسف کشمیری کی طرف سے صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

خدا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو یا اس کے باطن کو دنیا کے ساتھ اس قدر تعلق ہو یا دنیا کی اتنی مقدار اس کے باطن میں گزرتی ہو۔ باقی رہا ظاہر، اس کا ظاہر جو باطن سے کئی منزلیں دور پڑا ہے اور آخرت سے دنیا میں آیا ہے اور اس کے لوگوں کے ساتھ اختلاط پیدا کیا ہے تاکہ وہ مناسبت حاصل ہو جو افادہ اور استفادہ میں مشروط ہے۔ اگر دنیا کی کلام کرے اور دنیاوی اسباب میں مشغول رہے تو گنجائش رکھتا ہے اور کچھ مذموم نہیں بلکہ محمود ہوتا ہے تاکہ بندوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور استفادہ و افادہ کا طریق بند نہ ہو جائے۔ پس اس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہوتا ہے اور جو نما گندم فروش کو حکم رکھتا ہے۔ ظاہر بین لوگ اس کو اپنی طرح گندم نما جو فروش تصور کرتے ہیں اور اس کے ظاہر کو اس کے باطن سے بہتر جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بظاہر بے تعلق دکھائی دیتا ہے مگر باطن میں گرفتار ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ (یا اللہ تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر۔ تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَیْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰاةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔)

مکتوب ۳۹

اصحاب یمین اور اصحاب شمال اور سابقین کے بیان میں سید عبدالباقی سارنگ پوری کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

خدا تجھے ہدایت دے۔ تجھے واضح ہو کہ اصحاب شمال ظلمانی حجابوں والے لوگ ہیں اور اصحاب یمین نورانی حجابوں والے۔ سابقین وہ لوگ ہیں جو ان حجابوں اور ان حجابوں سے نکل گئے ہیں اور ایک قدم شمال پر اور ایک قدم یمین پر رکھ کر سبقت کا گیند اصل کے میدان میں لے گئے ہیں اور ظلال امکانی اور ظلال وجوبی سے اوپر گزر گئے ہیں اور اسم وصفت اور شان و اعتبار سے سوائے ذات کے اور کچھ نہیں چاہتے۔

اصحاب شمال ارباب کفر و شقات ہیں اور اصحاب یقین اہل اسلام اور ارباب ولایت ہیں اور سابقین بالا صالت انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات ہیں یا وہ لوگ جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ یہ دولت تبعیت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بزرگوار اصحاب میں زیادہ تر پائی جاتی ہے اور اصحاب کے سوا دوسرے لوگوں میں بھی شاذ و نادر طور پر متحقق و ثابت ہے۔ حقیقت میں یہ شخص بھی زمرہ اصحاب میں سے ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات سے ملنے والا ہے۔ اس شخص کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا یُدْرٰی اَوَّلُھُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُھُمْ (نہیں معلوم ان میں سے اول اچھا ہے یا آخر کا) اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ (میرا زمانہ سب زمانوں سے بہتر زمانہ ہے) لیکن اس کو باعتبار قرون کے فرمایا ہے اور اس کو باعتبار اشخاص کے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ۔

لیکن اہل سنت کا اجماع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد شیخین کی فضیلت پر ہے۔ کوئی ایسا شخص نہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے گیا ہو۔ اس امت کے سابقوں کے سابق اور اس ملت کے پہلوں کے پہلے وہی ہیں۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ انہی کے ذریعے افضلیت و

اسبقیت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور انہی کے واسطہ سے دوسروں سے بڑھ گئے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ خود کو خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے اور خطبہ میں خَلِیْفَۃُ خَلِیْفَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ یعنی رسول اللہ کے خلیفے کا خلیفہ پڑھا کرتے تھے۔ اس معاملہ کے شہسوار حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت فاروق اس کے ردیف ہیں۔ کیا ہی عمدہ ردیف ہے جو شہسوار کے ساتھ ہمراہی اختیار کرے اور خاص خاص اوصاف میں اس کے ساتھ شریک ہو۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ سابقین یمین اور شمال کے احکام سے خارج ہیں اور ظلمانی اور نورانی معاملات سے برتر ہیں۔ ان کی کتاب یمین و شمال کی کتاب کے سوا ہے اور ان کا محاسبہ اصحاب یمین اور اصحاب شمال کے محاسبہ سے وراء الوراء ہے۔ ان کا کاروبار علیحدہ ہے اور ان کے ناز و ادا الگ ہیں۔ اصحاب یمین اصحاب شمال کی طرح ان کے کمالات کو کیا پا سکتے ہیں اور ارباب ولایت عام مومنوں کی طرح ان کے اسرار سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن کے حروف مقطعات ان کے اسرار کی رمزیں ہیں اور فرقانی متشابہات ان کے درجات کے خزانے ہیں۔ اصل کے وصول نے ان کو ظل سے فارکر دیا ہے اور ارباب ظلال کو ان کی خاص حریم سے دور کر دیا ہے۔ یہی لوگ مقرب ہیں اور روح و ریحان انہی کے نصیب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فزع اکبر یعنی قیامت سے غمناک نہیں ہوتے اور دوسروں کی طرح قیامت کے ڈر سے بے قرار نہیں ہوتے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُحِبِّیْھِمْ فَاِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ اَحَبَّ بِصَدْقَۃِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالْبَرَکَاتُ یا اللہ تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم کو ان لوگوں کے محبوں میں سے بنا کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کو محبت ہوگی۔

مکتوب ۴۰

اس بیان میں کہ حجابوں کا رفع ہونا باعتبار شہود کے ہے نہ باعتبار وجود کے مولانا بدرالدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

حق تعالیٰ کی ذات سے اسماء و صفات وشیون واعتبارات کے پردوں کا دور ہونا دوقسم پر ہے۔ ایک وہ خرق ہے جو باعتبار شہود کے ہے اور دوسرے وہ خرق ہے جو باعتبار وجود کے ہے۔ خرق وجودی ممتاع اور محال ہے اور خرق شہودی ممکن بلکہ واقع ہے۔ گو اقل قلیل اور خصص خواص کے نصیب ہو اور یہ جو حدیث میں آیا ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَظُلْمَةٍ لَوْ كَشَفْتُ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار ظلمت ونور کے پردے ہیں۔ اگر وہ دور ہوں تو اس کی ذات کے تجلیات ہر ایک چیز کو جو اس کی خلق میں سے اس تک پہنچے جلادیں۔

اس کشف وخرق سے مراد خرق وجودی ہے جو ممتنع اور محال ہے اور وہ جو اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں حق تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابوں کے خرق کی نسبت لکھا ہے۔ مراد اس خرق سے خرق شہودی ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس قسم کی بینائی عطا کرے کہ حجابوں اور پردوں کے باہر سے پوشیدہ اشیاء کو دیکھ لے تو جس طرح یہاں حجابوں اور پردوں کا دور ہونا باعتبار شہود کے ہے، اسی طرح وہاں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ جو فقیر نے جواز خرق کی نسبت لکھا ہے، خرق کے عدم جواز کے منافی نہیں۔ وہ خرق اور ہے یہ خرق اور۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (پس کچھ شک نہ کر)

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰى سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۴۱

اس بیان میں کہ مراتب نہایت النہایت کے آگے ایک اور مرتبہ آتا ہے جس کا ہر ایک ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ شیخ فرید تھانیسری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عروج کے وقت نہایت النہایت کے مرتبوں کے آگے ایک اور مرتبہ آتا ہے۔ جس مقام کا ہر ایک ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ پس اگر اس مقام کا ایک ذرہ سلوک کر کے قطع کیا جائے تو گویا

تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ مسافت طے ہو جائے گی۔ خاص کر جب کہ اس مرتبہ سے لمبی مسافت طے کی جائے۔

پس معلوم ہوا کہ مراتب وجوب فما فوقہا کے مقابلہ میں دائرہ امکان کی کچھ مقدار نہیں۔ کاش کہ ان میں قطرہ اور دریا ہی کی نسبت ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنے پاؤں کی قوت سے دوست کے کوچہ میں نہیں پہنچ سکتے اور اپنی آنکھوں سے اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔

مکتوب ۴۲

اس بیان میں کہ صوفیہ نے سیر کو آفاق وانفس ہی میں منحصر رکھا ہے اور تخلیہ اور تجلیہ اسی سیر میں ثابت کیا ہے اور حضرت ایشان یعنی حضرت مجدد قدس سرہ اس حصر سے منع فرماتے ہیں اور نہایت النہایت کو آفاق وانفس سے باہر ثابت کرتے ہیں۔

خواجہ جمال الدین ولد مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ وَاَصْحَابِہِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔

فرزند عزیز خدا تجھے سعادت بخشے۔ گوش ہوش سے سنو کہ جب سالک نیت کو درست اور خالص کر کے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے اختیار کرتا ہے اور تزکیہ پا کر اس کے اوصاف رذیلہ اخلاق حسنہ سے بدل جاتے ہیں اور توبہ وانابت اس کو میسر ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور صبر و توکل و رضا حاصل ہو جاتے ہیں اور اپنی حاصل شدہ معانی کو درجہ بدرجہ اور ترتیب وار عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بشریت کی کدورتوں اور کمینہ صفتوں سے پاک وصاف دیکھتا ہے تو اس وقت اس کا سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے۔

اس مقام میں اس گروہ میں سے بعض نے احتیاط اختیار کی ہے اور انسان کے ساتوں لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ کیلئے عالم مثال میں اس کے مناسب انوار میں سے ایک نور مقرر کیا ہے اور اس نور مثالی میں سے نور کے ظاہر ہونے کو اس لطیفہ کی صفائی کی علامت مقرر کی ہے اور اس سیر کو لطیفہ قلب سے شروع کر کے بتدریج وترتیب لطیفہ اخفیٰ تک جو تمام لطائف کا منتہا ہے، پہنچاتا ہے۔

مثلاً صفائی قلب کی علامت قلب کے نور کا ظہور مقرر کی ہے اور عالم مثال میں وہ نور نور سرخ کی صورت میں ہے اور صفائی روح کی علامت اس کے نور کا ظہور ہے جو نور زرد کی صورت میں مقرر ہے۔ اسی طرح دوسرے لطائف کا حال ہے۔ پس سیر آفاقی کا حال یہ ہے کہ سالک اپنے اوصاف کی تبدیلی اور اخلاق کے تغیر کو عالم مثال کے آئینے میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی کدورتوں اور ظلمتوں کا دور ہونا اس جہان میں محسوس کرتا ہے تاکہ اس کو اپنی صفائی کا یقین اور اپنے تزکیہ کا علم ہو جائے۔ جب سالک اس سیر میں دمبدم اپنے احوال واطوار کو عالم مثال میں جو من جملہ آفاق کے ہے، مشاہدہ کرتا ہے اور اس عالم میں ایک حالت سے دوسری حالت میں اپنی تبدیلی کو دیکھتا ہے تو گویا اس کا یہ سیر آفاق ہی میں ہے۔ اگرچہ درحقیقت یہ سیر سالک کے اپنے نفس کا سیر ہے اور اس کے اپنے اوصاف و اخلاق میں حرکت کیفی ہے لیکن چونکہ دور بینی کے باعث اس کے مدنظر آفاق ہے نہ کہ انفس۔ اس لیے یہ سیر بھی آفاق کی طرف منسوب ہے۔ اس سیر کے تمام ہونے کو جو آفاق کی طرف منسوب ہے۔ سیر الی اللہ کا تمام ہونا مقرر کیا ہے اور فنا کو اس سیر پر موقوف رکھا ہے اور اس سیر کو سلوک سے تعبیر کیا ہے۔

اس کے بعد جو سیر واقع ہوتا ہے، اس کو سیر انفسی کہتے ہیں اور سیر فی اللہ بھی بولتے ہیں اور بقا باللہ اس مقام میں ثابت کرتے ہیں اور اس مقام میں سلوک کے بعد جذبہ کا حاصل ہونا جانتے ہیں۔ چونکہ سالک کے لطائف سیر اول میں تزکیہ پا چکتے ہیں اور بشریت کی کدورتوں سے صاف ہو جاتے ہیں، اس لیے یہ قابلیت پیدا کر لیتے ہیں کہ اسم جامع (جو اس کا رب ہے) کے ظلال وعکوس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہوں اور یہ لطائف اس اسم جامع کی جزئیات کے تجلیات وظہورات کے مظہر اور مورد ہوں۔

اس سیر کو سیر انفسی اس لیے کہتے ہیں کہ انفس اسماء کے ظلال وعکوس کے آئینے ہیں۔ نہ یہ کہ سالک کا سیر نفس میں ہے۔ جیسے کہ سیر آفاقی میں گزرا کہ باعتبار آئینہ ہونے کے اس کو سیر آفاقی کہا ہے۔ نہ یہ کہ سیر آفاق میں ہے۔ اس سیر میں درحقیقت انفس کے آئینوں میں اسماء کے ظلال کا سیر ہے۔ اسی واسطے اس سیر کو سیر معشوق فی العاشق کہتے ہیں۔

آئینہ صورت از سفر دور است	کان پذیرائے صورت از نور است
ترجمہ: سفر سے صورت کا آئینہ ہے دور	قبول کرتا ہے صورت کو وہ بباعث نور

اس سیر کو سیر فی اللہ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ صوفیاء نے کہا ہے کہ سالک اس سیر میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق و متصف ہو جاتا ہے اور ایک خلق سے دوسری خلق میں انتقال کرتا ہے کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف سے حصہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر چہ اجمالی طور پر ہو۔ گویا حق تعالیٰ کے اسماء میں سیر متحقق ہو گیا۔ اس مقام کی نہایت تحقیق اور اس کلام کی تصحیح یہی ہے جو بیان ہو چکی۔ دیکھیں صاحب مقام کا کیا حال ہوگا اور کلام کے متکلم کی کیا مراد ہوگی۔ ہر ایک شخص سے اس کی سمجھ کے مطابق کلام کرتا ہے۔ کہنے والا اپنی کلام سے خواہ کچھ معنی مراد رکھے۔ سننے والا اسی کلام سے کچھ اور معنی بھی سمجھ لیتا ہے۔

یہ لوگ سیر انفسی کو بے تکلف سیر فی اللہ اور بے تحاشا اس کو بقا باللہ کہتے ہیں اور مقام وصال و اتصال خیال کرتے ہیں۔ یہ اطلاق اس فقیر پر بہت گراں گزرتے ہیں۔ اسی واسطے اس کی توجیہ اور تصحیح میں حیلہ و تکلف کیا جاتا ہے۔ جس کا کچھ حصہ ان کی کلام سے ماخوذ ہے اور کچھ افاضہ اور الہام کی راہ سے حاصل ہے۔ سیر آفاقی میں رذائل یعنی بری صفتوں سے تخلیہ حاصل ہو چکا ہوتا ہے اور سیر انفسی میں اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو جاتے ہیں کیونکہ تخلیہ یعنی بری صفات سے خالی ہونا مقام فنا کے مناسب ہے اور تحلیہ یعنی نیک صفات سے آراستہ ہونا مقام بقا کے لائق۔ ان کے نزدیک اس سیر نفسی کی نہایت نہیں اور عمر ابدی کے ساتھ بھی اس کے منقطع نہ ہونے کا حکم کیا ہے اور کہا ہے کہ محبوب کے اوصاف اور خصلتوں کی کوئی نہایت نہیں۔

پس ہمیشہ کے لیے سالک متخلق کے آئینہ میں اس کی صفات میں سے کسی صفت کی تجلی ہوگی اور اس کے کمالات میں سے کسی کمال کا ظہور ہوگا۔ پھر انقطاع کہاں ہوگا اور نہایت کس طرح جائز ہوگی اور انہوں نے کہا ہے

ذرہ گر بس نیک ور بس بد بود   گر چہ عمرے تگ زند در خود بود

ترجمہ: ذرہ گر ہو نیک یا ہو بد عیاں   عمر بھر دوڑے تو پھر بھی ہے یہاں

اور اس فنا و بقاء پر جو سیر آفاقی اور انفسی سے حاصل ہوا ہے، ولایت اطلاق کرتے ہیں اور نہایت کمال اسی جگہ تک جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیر میسر ہو تو وہ سیر ان کے نزدیک رجوعی ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی طرح سیرِ چہارم کو بھی جس کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں۔ نزول کے ساتھ تعلق رکھتا

ہے۔ ان دو سیروں کو تکمیل و ارشاد کے لیے مقرر کیا ہے جس طرح کہ پہلے دو سیروں کو نفس ولایت و کمال کے حاصل ہونے کے لیے مقرر کیا ہے اور بعض نے یوں کہا ہے کہ وہ ستر ہزار پردے جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ لَسَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے لیے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں) سب کے سب سیر آفاقی میں دور ہو جاتے ہیں کیونکہ ساتوں لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ دس دس ہزار پردوں کو دور کر دیتا ہے اور جب یہ سیر تمام ہو جاتا ہے۔ پردے بھی سب کے سب دور ہو جاتے ہیں اور سالک سیر فی اللہ سے متحقق ہو جاتا ہے اور مقام وصل میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ ہے ارباب ولایت کے سیر و سلوک کا حاصل اور ان کے کمال و تکمیل کا نسخہ جامعہ۔

اس بارہ میں جو کچھ اس فقیر پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیا گیا ہے اور جس راستے پر اس فقیر کو چلایا ہے۔ اس نعمت کے ظاہر اور عطیہ کے شکر ادا کرنے کی خاطر اس کو لکھتا اور بیان کرتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ.

اے عزیز خدا تجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ تجھے جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ جو بے چون و چگون ہے، جس طرح آفاق سے وراء الوراء ہے، اسی طرح انفس سے بھی وراء الوراء ہے۔

پس سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا فضول ہے بلکہ سیر آفاقی اور سیر انفسی دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہے اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو آفاق و انفس سے کئی منزلیں دور اور ان سے وراء الوراء ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ انہوں نے سیر فی اللہ کو سیر انفسی مقرر کیا ہے اور اس کو بے نہایت کہا ہے اور عمر ابدی سے بھی اس کا طے ہونا جائز نہیں سمجھا۔ جیسے کہ گزر چکا ہے۔ جب انفس بھی آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہوتا ہے تو اس صورت میں دائرہ امکان کا قطع کرنا ناممکن ہوگا۔ پس اس سے دائمی مایوسی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ نہ کبھی فنا متحقق ہوگی نہ بقا متصور ہوگا۔ پھر وصال و اتصال کیسے ہوگا اور قرب و کمال کیا حاصل ہوگا۔

سبحان اللہ جب بزرگ لوگ پانی کو چھوڑ کر سراب پر کفایت کریں اور الی اللہ کو فی اللہ خیال کریں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور چون کو بیچون تعبیر کریں تو پھر چھوٹوں اور پست فطرتوں کا کیا گلہ اور کیا شکایت ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔ انہوں نے انفس کو کس اعتبار سے

حق تعالیٰ کہا ہے کہ اس کے سیر کو باوجود حد و نہایت کے بے نہایت کہا ہے۔ سالک آئینہ میں حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وہ ظہور جو انہوں نے سیر انفسی میں مقرر کیا ہے۔ وہ اسماء و صفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے۔ نہ عین اسماء و صفات کا ظہور۔ اس مضمون کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ لکھی جائے گی۔

میں کیا کروں اور باوجود علم و تمیز کے حق تعالیٰ کی پاک جناب میں یہ بے ادبی کس طرح جائز رکھوں اور حق تعالیٰ کے ملک میں غیر کو کیسے شریک کروں۔ اگر چہ ان بزرگواروں کے حقوق مجھ پر لازم ہیں کیونکہ انہوں نے مجھے طرح طرح کی تربیت سے پرورش کیا ہے لیکن حق تعالیٰ کے حقوق ان تمام کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور اس کی تربیت دوسروں کی تربیت سے برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حسن تربیت کے سبب میں نے اس بھنور سے نجات پائی ہے اور اس کے ملک مقدس میں غیر کو شریک نہیں کیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔) حق تعالیٰ بیچون و بے چگون ہے اور جو چیز چونی اور چندی کے داغ سے لتھڑی ہوئی ہے، سب اس کے بارگاہ سے مسلوب اور دور ہے۔ پس آفاق کے آئینوں میں اور انفس کی جلوہ گاہوں میں حق تعالیٰ کی کچھ گنجائش نہیں اور جو کچھ ان میں ظاہر ہوتا ہے، وہ بھی چند و چون کا مظہر ہے۔ پس انفس و آفاق سے آگے گزرنا چاہئے اور حق تعالیٰ کو انفس و آفاق سے ماوراء ڈھونڈنا چاہئے۔ جس طرح دائرہ امکان یعنی انفس و آفاق میں حق تعالیٰ کی ذات کی گنجائش نہیں۔ اس کے اسماء و صفات کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ جو کچھ وہاں ظاہر ہے، اسماء و صفات کے ظلال و عکوس اور ان کی شبہ و مثال ہیں بلکہ اسماء و صفات کی ظلیت اور مثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے۔ اس جگہ تعبیہ اور نقش قدرت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ ظہور کس کا اور تجلی کہاں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات بھی اس کی ذات کی طرح بیچون و بے چگون اور بے شبہ و بے نمونہ ہیں جب تک انفس و آفاق سے باہر نہ نکلیں۔ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی ظلیت کے معنی سمجھ میں نہیں آتے تو پھر اسماء و صفات تک وصول کیسے حاصل ہوگا۔

عجب معاملہ ہے کہ اگر میں اپنے یقینی مکشوفات و معلومات کو بیان کروں تو مشائخ کے

مذاق اور ان کے مکشوفات کے موافق و مطابق نہ ہوں گے تو پھر مجھ پر کون اعتبار کرے گا اور کون قبول کرے گا اور اگر کچھ نہ کہوں پوشیدہ ہی رہنے دوں تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا اور حق تعالیٰ کے حق میں ان امور کا اطلاق جائز سمجھا جائے گا جو اس کی بارگاہ کے لائق نہیں۔ اس لیے جو کچھ حق تعالیٰ کی پاک جناب کے نامناسب ہے، اس کو سلب اور دفع کرتا ہوں اور دوسروں کے خلاف سے نہیں ڈرتا ہوں۔ ان کی مخالفت کا خوف تب ہو سکتا ہے جب کہ میرے معاملہ میں تذبذب اور میرے مکشوف میں شبہ ہو۔ جب اصل حقیقت کو صبح کی سفیدی کی طرح ظاہر کر دیں اور اصل معاملہ کو چودھویں رات کے چاند کی طرح واضح کر دیں اور تمام ظلال و شبہ و مثال سے گزار کر بالاتر لے جائیں تو پھر شبہ کہاں ہوگا اور تردد و تذبذب کس کو پیدا ہوگا۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ احوال کے درست ہونے کی علامت اپنے کمال پر یقین کا حاصل ہونا ہے۔ نیز تذبذب و اشتباہ کیسے متصور ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت سے ان بزرگواروں کے مقرر احوال کی تفصیل پر اطلاع ہو چکی ہے اور معارف توحید و اتحاد و احاطہ و سریان مکشوف ہو گئے ہیں اور ان کے مکشوف و مشہود کی حقیقت حاصل ہو چکی ہے اور ان کے علوم و معارف کے دقائق واضح ہو گئے ہیں۔

فقیر مدتوں تک اس مقام میں ٹھہرا رہا اور ان کے قلیل و کثیر پر خوب غور کیا۔ آخر کار فضل خداوندی جل شانہ سے ظاہر ہوا کہ یہ سب ظلال کے شعبدے اور شبہ و مثال کی گرفتاری ہے۔ مطلوب ان سب سے وراء الوراء اور مقصود ان سے سواء السواء ہے۔ ناچار ان سب سے منہ پھیر کر بیچون کی بارگاہ پاک کی طرف متوجہ ہوا اور جو کچھ چند و چون کے داغ سے موسوم تھا۔ اس سے بیزار ہوا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (سب طرف سے ہٹ کر میں نے اپنے آپ کو اس ذات پاک کی طرف متوجہ کیا جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) اگر معاملہ ایسا نہ ہوتا تو مشائخ کے برخلاف ہرگز نہ کہتا اور ظن و تخمین سے ان کی مخالفت نہ کرتا۔ نیز اگر یہ خلاف حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق نہ ہوتا اور اس کی تقدیس و تنزیہ کی نسبت گفتگو نہ ہوتی تو پھر بھی ان بزرگوں کے مکشوف کے برخلاف وقوع میں نہ آتا اور ان کے علوم کی مخالفت میں کلام نہ کرتا کیونکہ میں انہی کی دولتوں کے خرمنوں کا کمینہ خوشہ چین

ہوں اور انہی کی نعمتوں کے دستر خوان سے پس خوردہ کھانے والا فقیر ہوں۔ بار بار یہی ظاہر کرتا ہوں کہ انہی لوگوں نے مجھے طرح طرح کی تربیت سے پرورش کیا ہے اور طرح طرح کے کرم واحسان سے مجھے فائدہ پہنچایا ہے۔

لیکن کیا کروں حقوق خداوندی ان کے حقوق سے برتر ہیں۔ جب حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی بحث درمیان میں آ گئی اور معلوم ہوا کہ بعض امور کا اطلاق حق تعالیٰ کی پاک جناب کے لائق نہیں تو اس مقام پر خاموش رہنا اور دوسروں کے خلاف سے ڈرنا دین و دیانت سے دور ہے، بندگی اور اطاعت کا مقام اس کی تاب نہیں لاسکتا۔ علماء کا خلاف مشائخ کے ساتھ مسئلہ توحید وغیرہ امور خلافیہ میں نظر واستدلال کی وجہ سے ہے اور فقیر کا خلاف ان کے ساتھ ان امور میں کشف وشہود کی وجہ سے ہے۔ علماء ان امور کی قباحت کے قائل ہیں اور فقیر بشرط عبوران امور کے حسن کا۔ مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاؤ الدولہ کا خلاف علماء کے طور پر مفہوم ہوتا ہے اور اس کی نظر امور کی قباحت پر ہے۔ اگرچہ اس کا خلاف کشف کی راہ سے بھی ہے کیونکہ صاحب کشف ان کو قبیح نہیں جانتا۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ احوال غریبہ اور معارف عجیبہ پر مشتمل ہے۔ ہاں اس مقام میں ٹھہرا رہنا اچھا نہیں اور انہی احوال ومعارف پر کفایت کرنا مناسب نہیں۔

سوال: اس صورت میں مشائخ باطل ہوں گے اور حق ان کے مکشوف ومشہود کے برخلاف ہوگا۔

جواب: باطل وہ ہوتا ہے جس میں صدق کی بو نہ ہو اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، ان احوال ومعارف کا باعث حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے یعنی حق تعالیٰ کی محبت یہاں تک غالب آجاتی ہے کہ ان کی نظر بصیرت میں ماسوا کا نام ونشان نہیں چھوڑتی اور غیر وغیریت کا اسم و رسم محو ولاشے کر دیتی ہے۔ اس وقت سکر وغلبہ حال کے باعث ماسوا کو معدوم جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں دیکھتے۔

یہاں باطل کیا ہے اور بطلان کہاں ہے۔ اس مقام میں حق کا غلبہ اور باطل کا بطلان ہے۔ بزرگواروں نے حق تعالیٰ کی محبت میں اپنے آپ کو اور اپنے غیر کو قربان کر دیا ہے اور اپنا اور اپنے غیر کا نام ونشان نہیں چھوڑا۔ باطل تو ان کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ یہاں سب حق ہی حق ہے اور حق ہی کے لیے ہے۔ علمائے ظاہر بین ان کی حقیقت کو کیا پاسکیں اور ظاہری مخالفت

کے سوا اور کیا سمجھیں اور ان کے کمالات کو کیسے حاصل کر سکیں۔

گفتگو اس امر میں ہے کہ ان احوال و معارف کے سوا اور بھی اس قسم کے کمالات ہیں۔ جن کے ساتھ یہ احوال و معارف وہ نسبت رکھتے ہیں جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود   ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

ترجمہ: عرش سے نیچے ہے گرچہ آسماں   لیک اونچا ہے زمیں سے اے جواں

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جو انہوں نے خرق حجب یعنی پردوں کے دور ہونے کی نسبت کہا ہے کہ سیر آفاقی میں سب ظلمانی اور نورانی پردے دور ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔

فقیر کے نزدیک اس کلام میں خدشہ ہے بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے اور مشہود ہوا ہے کہ ظلمانی پردوں کا دور ہونا امکان کے تمام مراتب طے کرنے یعنی سیر آفاقی اور سیر انفسی کے تمام ہونے پر وابستہ ہے اور نورانی پردوں کا دور ہونا حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے سیر پر موقوف ہے۔ حتیٰ کہ نظر میں نہ اسم ہے نہ صفت اور نہ شان اور نہ اعتبار۔ اس وقت تمام نورانی پردے دور ہو جاتے ہیں اور وصل عریانی حاصل ہوتا ہے۔ یہ وصل بہت ہی کم کسی کو حاصل ہوتا ہے اور ایسے وصل والا نہایت ہی عزیز الوجود ہے۔

پس سیر آفاقی میں معلوم نہیں کہ نصف ظلمانی پردے بھی دور ہوتے ہوں۔ پھر نورانی پردوں کے دور ہونے کا کیا حال ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ظلمانی پردوں میں مختلف اور متفاوت مرتبے ہیں جو اشتباہ کا سبب ہو جاتے ہیں کیونکہ نفسانی پردے ظلمت میں قلبی پردوں کے اوپر ہیں۔ جس طرح کہ تھوڑی سی ظلمت والی چیز بہت سی ظلمت والی چیز کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ نورانی ظاہر کرے اور ظلمانی نورانی متخیل ہو ورنہ درحقیقت ظلمانی ظلمانی ہے اور نورانی نورانی۔ تیز نظر والا شخص ایک کو دوسرے کے ساتھ نہیں ملاتا اور اشتباہ کا باعث معلوم کر کے ظلمت پر نور کا حکم نہیں کرتا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

وہ طریق کہ جس کے سلوک سے اس فقیر کو مشرف فرمایا ہے۔ ایسا طریق ہے جو جذبہ د

سلوک کا جامع ہے۔ وہاں تخلیہ اور تجلیہ باہم جمع ہیں اور تصفیہ و تزکیہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں سیر انفسی سیر آفاقی کو شامل ہیں۔ عین تصفیہ میں تزکیہ ہے اور عین تجلیہ میں تخلیہ۔ جذبہ سے سلوک حاصل ہوتا ہے اور انفس کو آفاق شامل ہے لیکن تقدم ذاتی تجلیہ اور جذبہ کے لیے ہے اور تزکیہ پر تصفیہ کو ذاتی سبقت ہے اور مدنظر و ملحوظ انفس ہے نہ کہ آفاق۔

یہی وجہ ہے کہ یہ راستہ سب راستوں سے اقرب اور وصل کے نزدیک تر ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ طریقہ البتہ موصل ہے۔ یہاں عدم وصول کا احتمال مفقود ہے۔ حق تعالیٰ سے استقامت اور فرصت طلب کرنی چاہئے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ یہ طریق البتہ موصل ہے، اس لیے ہے کہ اس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے جو وصول کی دہلیز ہے اور توقعات کی جگہیں یا سلوک کی منزلیں ہیں یا وہ مقامات جذبات جو سلوک پر شامل نہ ہوں اور اس طرق میں یہ دونوں مانع مرتفع ہیں کیونکہ یہ سلوک طفیلی ہے جو جذبہ کے ضمن میں حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں نہ سلوک خاص ہے اور نہ جذبہ ناقص تاکہ سدراہ ہوں۔

یہ وہ طریق ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شاہراہ ہے۔ یہ بزرگوار اس راہ سے اپنے اپنے درجوں کے موافق وصول کی منزلوں تک پہنچے ہیں اور آفاق و انفس کو ایک قدم سے قطع کر کے دوسرا قدم آفاق و انفس کے آگے رکھا ہے اور اپنا معاملہ سلوک و جذبہ سے آگے لے گئے ہیں کیونکہ سلوک کی نہایت سیر آفاقی کی نہایت تک ہے اور جذبہ کی نہایت سیر انفسی کی نہایت تک۔ جب سیر آفاقی و انفسی ختم ہوا سلوک و جذبہ کا معاملہ بھی تمام ہوا۔ بعدازاں نہ سلوک ہے نہ جذبہ۔ یہ بات ہر مجذوب سالک اور سالک مجذوب کی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ ان کے نزدیک آفاق و انفس کے آگے کوئی مرتبہ نہیں۔ اگر بالفرض ابدی اور دائمی عمر پائیں اور اس کو سیر انفسی میں لگائیں تو بھی اس کو تمام نہ کرسکیں۔ ایک بزرگ فرماتا ہے۔ بیت

ذرہ گر بس نیک و ربس بد بود　　　گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

ترجمہ: ذرہ گر ہو نیک یا ہو گر برا　　　عمر بھر دوڑے رہے اس جا پڑا

ایک اور بزرگ فرماتا ہے کہ تجلی ذاتی متجلی لہ کی صورت کے سوا نہیں ہوتی کیونکہ متجلی لہ نے حق کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا نہیں دیکھا اور حق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے۔

جاننا چاہئے کہ میرے پیروں اور خدا کی طرف مجھے رہنمائی کرنے والوں نے جن کے وسیلہ سے میں نے اس راہ کی آنکھ کھولی ہے اور جن کے ذریعے یہ گفتگو کر رہا ہوں، میں نے طریقت میں الف با کا سبق انہی سے لیا ہے اور مولویت کا ملکہ انہی کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔ اگر مجھے علم ہے تو انہی کے طفیل ہے اور اگر معرفت ہے تو انہی کی توجہ کا اثر ہے۔ اندراج النہایت فی البدایت کا طریق میں نے انہی سے سیکھا ہے اور قیومیت کی طرف انجذاب کی نسبت انہی سے اخذ کی ہے اور ان کی ایک نظر سے وہ کچھ دیکھا ہے جو لوگ چلوں میں بھی نہیں دیکھتے اور ان کے ایک کلام سے وہ کچھ پایا ہے جو دوسرے سالوں میں نہیں پا سکتے۔ بیت

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظرش شمس دین　　طعنہ زند بردہ و تخرہ کند بر چلہ

ترجمہ: ایک نظر میں شمس تبریزی نے وہ کچھ پالیا　　جو چلوں میں اور لوگوں کو نہیں حاصل ہوا

کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ بیت

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند　　کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

ترجمہ: عجب ہی قافلہ سالار ہیں یہ نقشبندی　　کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو

اپنی بلند فطرتی اور عالی ہمتی سے طریقت کی ابتدا سیر انفسی سے مقرر کی ہے اور سیر آفاقی کو اس کے ضمن میں قطع کر لیتے ہیں۔ ان کی عبارت میں سفر در وطن سے مراد یہی ہے۔ ان بزرگواروں کا طریق سب طریقوں سے اقرب اور وصول کے نزدیک تر ہے اور دوسروں کے سیر کی نہایت ان کے سیر کی ابتداء ہے۔ اسی واسطے انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔

غرض ان بزرگواروں کا طریق مشائخ کے تمام طریقوں سے بہت بلند ہے اور ان کی حضور و آگاہی ان میں سے اکثر کی حضور و آگاہی سے برتر ہے۔ اسی واسطے انہوں نے فرمایا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے اور نسبت سے ان کی مراد حضور و آگاہی ہے لیکن چونکہ انفس و آفاق اور جذبہ و سلوک کے آگے اولیاء کی ولایت کا گزر نہیں، اس لیے ان بزرگواروں نے بھی آفاق و انفس کے سوا کوئی خبر نہیں دی اور جذبہ اور سلوک کے سوا کوئی کلام نہیں کی اور کمالات ولایت کے اندازہ کے موافق فرماتے ہیں کہ اہل اللہ فنا بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں، اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے آپ میں پہچانتے ہیں

اوران کی حیرت ان کے اپنے وجود میں ہے۔ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ اور تمہاری جانوں میں نشان ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا حمد اور احسان ہے کہ ان بزرگواروں نے اگر چہ انفس کے سوا کوئی اور خبر نہیں دی لیکن انفس میں گرفتاری بھی نہیں چاہتے ہیں کہ انفس کو بھی آفاق کی طرح لا کے نیچے لائیں اور غیریت کے باعث اس کی نفی کریں۔

حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا اور سنا اور جانا گیا سب کچھ غیر ہے۔ کلمہ لا سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔

نقشبند ندو لے بند بہر نقش نیند ہر دم از بوالعجبی نقش دگر پیش آرند

ترجمہ: نقشبند ہیں پر ہر نقش کے پابند نہیں ہیں نقش نیا دیکھتے ہیں ایک پہ فرسندہ نہیں ہیں

نقشبندانے والے از نقش پاک نقش راہم کردہ پاک از لوح خاک

ترجمہ: نقشبندی ہیں مگر نقشوں سے پاک .ان کے نقشوں پر نہیں ہے ذرہ خاک

یہاں ایک سر ہے جو جاننے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ غیریت کی نفی اور ہے اور غیریت کا انتفا اور شَتَّانَ مَا بَیْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ جذبہ وسلوک و آفاق و انفس کے باہر ولایت کا قدمگاہ نہیں ہے۔ وہ اس لیے ہے کہ ولایت کے ان چاروں ارکان کے آگے کمالات نبوت کے مبادی اور مقدمات ہیں جس کے بلند درخت تک ولایت کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں سے اکثر لوگ اور باقی تمام امتوں میں سے کمتر لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور جذبہ وسلوک کی اس جامع راہ سے بعد کی منازل کو قطع کر کے جذبہ وسلوک کے آگے قدم رکھا ہے اور دائرہ ظلال سے باہر نکل کر انفس کو آفاق کی طرح پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس مقام میں وہ تجلی ذاتی برقی جو دوسروں کے لیے برق خاطف کی طرح ہوتی ہے، ان کے لیے دائمی ہے بلکہ ان بزرگواروں کا معاملہ تجلی سے خواہ برقی ہو یا غیر برقی اعلیٰ و برتر ہے کیونکہ تجلی کچھ نہ کچھ ظلیت چاہتی ہے اور ظلیت کا ایک نقطہ ان بزرگواروں کو کوہ عظیم نظر آتا ہے۔ ان بزرگواروں کے کام کی ابتداء جذب ومحبت الٰہی جل شانہ پر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت بیغایت سے یہ محبت دمبدم

غالب آتی جاتی ہے اور قوت و غلبہ پکڑتی جاتی ہے تو آہستہ آہستہ ماسوا کی محبت زائل ہوتی جاتی ہے اور اغیار کی گرفتاری کا تعلق بتدریج دور ہوتا جاتا ہے اور جب کسی صاحب دولت پر حق تعالیٰ کی محبت غالب آجاتی ہے اور ماسوا کی محبت بالکل زائل ہو کر اس کی بجائے حق تعالیٰ کی محبت و گرفتاری آجاتی ہے تو اس کے برے اوصاف اور ردی اخلاق سب دور ہو جاتے ہیں اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو کر مقامات عشرہ کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے اور جو کچھ سیر آفاقی سے تعلق رکھتا ہے، سلوک اور ریاضتوں اور مجاہدوں کی تکلیف کے بغیر اس کو میسر ہو جاتا ہے کیونکہ محبت محبوب کی اطاعت چاہتی ہے۔ جب محبت کامل ہو جائے تو اطاعت بھی کامل طور پر حاصل ہو جاتی ہے اور جب محبوب کی اطاعت قوت بشری کے انداز کے موافق پورے طور پر حاصل ہو جائے تو مقامات عشرہ حاصل ہو جاتے ہیں اور اسی سیر محبوب سے جس طرح سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے۔ سیر انفس بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی)

اور جب محبوب آفاق و انفس سے باہر ہے، محبّ بھی معیت کے حکم سے آفاق و انفس سے گزر جائے گا یعنی سیر انفسی کو بھی پیچھے چھوڑ کر معیت کی دولت حاصل کر لے گا۔ یہ بزرگوار محبت کی دولت کے باعث نہ آفاق سے تعلق رکھتے ہیں نہ انفس کے ساتھ بلکہ انفس و آفاق ان کے کام کے تابع ہیں اور جذبہ و سلوک ان کے معاملہ کا طفیلی ہے۔ ان بزرگواروں کا سرمایہ محبت ہے جس کو محبوب کی اطاعت لازم ہے اور محبوب کی اطاعت شریعت کی تابعداری پر موقوف ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے۔

پس کمال محبت کی علامت شریعت کی کمال اطاعت ہے اور شریعت کی کمال اطاعت علم و عمل و اخلاص پر منحصر ہے۔ وہ اخلاص جو تمام اقوال و اعمال اور تمام حرکات و سکنات میں متصور ہو سکے، وہ مخلَص (بفتح لام) کا حصہ ہے۔ مخلِص (بکسر لام) اس معما کو کیا پا سکتے ہیں۔ وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ (مخلص خطرہ عظیم پر ہیں) آپ نے سنا ہی ہوگا۔

اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلوک و جذبہ کے سیر سے مقصود یہ ہے کہ انفس ان اخلاق ردیہ اور اوصاف رذیلہ سے جن کا رئیس انفس کی گرفتاری اور انفس کی مرادوں اور خواہش کا حاصل ہونا ہے۔ پاک صاف ہو جائے۔ پس سیر انفسی بڑا ضروری ہے

کیونکہ اس کے سوا صفات رذیلہ سے صفات حمیدہ تک جانے کا اور کوئی راستہ نہیں اور سیر آفاقی مقصود سے خارج ہے کوئی غرض معتد بہ اس کے متعلق نہیں کیونکہ آفاق کی گرفتاری انفس کی گرفتاری کے باعث ہے کیونکہ جس چیز کو کوئی شخص دوست رکھتا ہے، اپنی دوستی کے باعث دوست رکھتا ہے۔ اگر مال و فرزند کو دوست رکھتا ہے تو اپنے نفع اور فائدے کے لیے دوست رکھتا ہے۔ جب سیر انفسی میں حق تعالیٰ کی محبت کے غلبہ کے باعث اپنی دوستی زائل ہو جاتی ہے تو اس کے ضمن میں مال و اولاد کی محبت بھی دور ہو جاتی ہے۔

پس اسیر انفسی ضروری ہے اور سیر آفاقی اس کے ضمن میں اس کے طفیل میسر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سیر انفس پر موقوف ہے اور آفاقی اس کے طفیل اسی کے ضمن میں طے ہو جاتا ہے۔ ہاں سیر آفاقی بھی نیک ہے۔ بشرطیکہ اس کے قطع کرنے کی فرصت دیں اور توقفات کے خلل کے بغیر انجام تک پہنچا دیں اور اگر اس کے قطع کرنے کی فرصت نہ دیں اور توقفات میں ہی مبتلا رکھیں تو پھر سیر آفاقی مالایعنی میں داخل ہے اور مطلب حاصل ہونے سے مانع گنا جاتا ہے۔ سیر انفسی جس قدر قطع کیا جائے غنیمت ہے کیونکہ برائی سے نیکی کی طرف جانا جس قدر ہو سکے بہتر ہے۔ اس سیر کو انجام تک پہنچانا اور دائرہ نفس سے باہر نکلنا بڑی نعمت ہے۔ اسکے ہوتے کچھ ضروری نہیں کہ انفس کی تلونیات کو آفاق کے آئینہ میں مشاہدہ کریں اور اپنے تغیرات کو آفاق میں معائنہ کریں یعنی اپنی صفاء قلب کو مثال کے آئینہ میں معلوم کریں اور اس صفا کو نور سرخ کی صورت میں دیکھیں۔ کیوں اپنی وجدان پر عمل نہ کریں اور اس صفاء کو اپنی فراست کے حوالہ کیوں نہ کریں۔

مثل مشہور ہے کہ دوازدہ سالہ یعنی بارہ سال کے آدمی کو طبیب کی کیا حاجت ہے۔ اپنے وجدان صحیح سے اپنے احوال کے تلونیات معلوم کر لے گا اور فراست کے ساتھ اپنی صحت و بیماری کا پتہ لگا لے گا۔

ہاں سیر آفاقی میں بہت سے علوم و معارف اور تجلیات اور ظہورات ہیں جو سب کے سب ظلال کی طرف راجع اور شبہ و مثال کے متعلق ہیں۔ جب سیر انفسی ظلال سے تعلق رکھتا ہو جیسے کہ اپنے مکتوبات و رسالوں میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے تو پھر آفاقی ظل کے ظل کے ساتھ متعلق ہونا چاہئے کیونکہ آفاق انفس کے ظل کی طرح ہے اور اس کے ظہور کا آئینہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ انفس کے احوال جو آفاق کے آئینہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور صفا و تجلیہ وہاں سے معلوم کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب یا واقعہ یا عالم مثال میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے یا قطب وقت مشاہدہ کرے۔ حقیقت میں وہ نہ بادشاہ ہے نہ قطب۔ بادشاہ تب ہے جب خارج میں اس مرتبہ سے مشرف ہو۔ ہاں اتنا ہو جاتا ہے کہ اس خواب اور واقعہ سے بادشاہ ہونے کی استعداد اور قطب بننے کی قابلیت معلوم ہو جاتی ہے۔ بڑی کوشش اور محنت کرنی پڑتی ہے تاکہ معاملہ قوت سے فعل میں آئے اور گوش سے آغوش تک پہنچے اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں بھی تزکیہ اور تجلیہ سیر انفسی پر وابستہ ہے جو کچھ سیر آفاقی میں دیکھا ہے وہ تزکیہ اور تجلیہ کی استعداد اور قابلیت ہے۔

پس جب تک خارج میں سیر انفسی کے ساتھ اپنے آپ کو پاک و صاف نہ دیکھیں اور وجدان سے اپنے آپ کو مصفا معلوم نہ کریں تب تک حقیقت میں فنا سے بے نصیب اور مقامات کے حاصل ہونے سے بےبہرہ ہیں اور اطوار سبعہ سے سوائے پوست کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ اس اعتبار سے سیر انفسی سیر الی اللہ میں داخل ہے اور سیر الی اللہ کا تمام ہونا جو مقام فنا ہے۔ سیر انفسی پر وابستہ ہے اور سیر فی اللہ سیر انفسی سے کئی منزلیں آگے ہے۔ بیت

كَيْفَ الْوُصُولُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ حُيُوْقٌ

ترجمہ: ہائے جاؤں کس طرح میں یار تک راہ میں ہیں پرخطر غار اور کوہ

اے سعادت کے نشان والے۔ جب سیر انفسی میں وہ تعلق علمی وجبی جو سالک کی ذات کی طرف منسوب ہو جاتا ہے، زائل ہو جاتا ہے اور وہ گرفتاری جو اپنے آپ کے ساتھ رکھتا ہے، دور ہو جاتی ہے تو دوسروں کی گرفتاری اس کی ذات کی گرفتاری کے ضمن میں زائل ہو جاتی ہے کیونکہ دوسروں کی گرفتاری اپنی گرفتاری کے باعث ہے جیسا کہ اس کے تحقیق اوپر گزر چکی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ سیر آفاقی سیر انفسی میں قطع ہو جاتا ہے اور سالک اسی ایک سیر سے اپنی گرفتاری اور دوسروں کی گرفتاری سے بھی نجات پا جاتا ہے۔ پس اس تحقیق کے اندازہ کے موافق سیر انفسی اور آفاقی کا مطلب بے تکلف حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ سیر در انفس بھی ہے اور

سیر در آفاق بھی۔ کیونکہ نفس کا قطع تعلقات بتدریج سیر درانفس ہے اور آفاق کا قطع تعلقات جو سیر انفسی کے ضمن میں ہو جاتا ہے سیر در آفاق ہے۔ برخلاف دوسروں کے سیر آفاقی اور سیر انفسی کے جو تکلف کے محتاج ہیں جیسے کہ گزر چکا۔

ہاں جس جگہ حقیقت ہے وہاں تکلف نہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ ذرا غور سے سنو کہ سالک کہ آئینہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا ظہور جو سیر انفسی میں انہوں نے کہا ہے اور اس کو تجلیہ بعد تخلیہ سمجھا ہیں۔ درحقیقت وہ ظہور اسماء وصفات کا ظہور ہے جس سے تجلیہ اور تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ سبقت اسی طرف سے ہے جو مبدا بننے کے مناسب ہے۔ پہلے طالب کے آئینہ میں مطلوب کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہوتا ہے تاکہ طالب کی ظلمتوں اور کدورتوں کو دور کرے اور اس کو تصفیہ اور تزکیہ حاصل ہو۔ ظلمتوں کے دور ہونے اور تصفیہ و تزکیہ کے حاصل ہونے کے بعد جو سیر انفسی کے تمام ہونے پر وابستہ ہے۔ تخلیہ حاصل ہوتا ہے اور تجلیہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ظہور کے لائق ہوتا ہے۔ پس سیر انفسی میں وہ تخلیہ حاصل ہوتا ہے جو تزکیہ اور تصفیہ پر وابستہ ہے اور وہ تخلیہ جو سیر آفاقی میں متوہم ہوا تھا وہ تخلیہ کی صورت تھی نہ کہ تخلیہ کی حقیقت تاکہ سیر انفسی میں تجلیہ کا حصول اور اسماء وصفات کا ظہور متصور ہوتا ہے جیسے کہ صوفیہ نے کہا ہے۔

اس بیان سے لازم آتا ہے کہ ظل کا پیوستن (جوڑنا و ملنا) گسستن (توڑنے) پر مقدم ہے یعنی جب تک مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل سالک کے آئینہ میں منعکس نہ ہو۔ مطلوب کے غیر سے گسستن (توڑنا) متصور نہیں ہو سکتا لیکن اصل کا پیوستن گسستن کے حاصل ہونے کے بعد ہے۔

پس مشائخ میں سے جنہوں نے پیوستن کو مقدم رکھا ہے، اس سے مراد ظل کا پیوستن ہے اور جنہوں نے گسستن کو پیوستن پر مقدم کیا ہے۔ اس سے مراد اصل کا پیوستن سمجھنا چاہئے تاکہ فریقین کا نزاع لفظ کی طرف راجع ہو۔

شیخ ابوسعید خراز قدس سرہ اس مقام میں متوقف ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ''تا نرہی نیابی تا نیابی نرہی ندانم کدام پیش بود'' (یعنی جب تو آزاد نہ ہوگا نہ پائے گا اور جب تک تو نہ پائے گا، آزاد نہ ہوگا۔ میں نہیں جانتا پہلے کون ہے۔)

پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ ظل کا پانا آزاد ہونے سے پہلے ہے اور اصل کا پانا آزاد ہونے کے بعد۔ پس کوئی اشتباہ نہ رہا۔ جیسے کہ صبح کے وقت آفتاب سے پہلے آفتاب کی شعاعوں کے ظلال کا ظہور ہوتا ہے تاکہ جہان کو اندھیرے سے خالی کر کے صاف کر دے اور اندھیروں کے دور ہونے اور صفائی کے حاصل ہونے کے بعد نفس آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ پس آفتاب کے ظل کا ظہور ظلمات کے زوال سے پہلے ہے اور نفس آفتاب کا طلوع ظلمات کے زائل ہونے کے بعد۔ ہاں بادشاہوں کا طلوع کرنا تخلیہ اور تصفیہ کے حاصل ہونے کے بعد اچھا ہے۔ اگرچہ تخلیہ اور تصفیہ ان کے طلوع کے مقدمہ کے بغیر متصور نہیں۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور نزاع دور ہو گیا اور اشتباہ زائل ہو گیا۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْھِمُ اللہ تعالیٰ ہی بہتری کا الہام کرنے والا ہے۔

مکتوب ۴۳

اس عبارت کے معنی میں جو بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس بارگاہ میں یافت کا صرف ذوق ہی ہے نہ کہ یافت اور اندراج النہایت فی البدایت کی تحقیق میں جو اس طریقہ علیا کا خاصہ ہے اور دوسرے طریقوں پر اس طریقہ کی افضلیت کے بیان میں مولانا محمد افضل کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

اس طریقہ علیہ کے مشائخ کی عبارات میں آیا ہے کہ اس بارگاہ جل شانہ میں یافت کا ذوق ہے نہ یافت۔ یہ بات اندراج النہایت فی البدایت کے مناسب ہے جو ان بزرگواروں کے جذبہ خاص کا مقام ہے۔ اس مقام میں یافت کی حقیقت نہیں کیونکہ وہ انتہاء کے ساتھ مخصوص ہے لیکن چونکہ نہایت کی چاشنی بدایت میں درج کی ہوئی ہے اس لیے یافت کا ذوق اس مقام میں بھی میسر ہے اور جب معاملہ جذبہ سے آگے بڑھ جائے اور ابتداء سے توسط تک پہنچ جائے۔ یافت کا ذوق بھی یافت کی طرح معدوم ہو جاتا ہے۔ نہ یافت رہتی ہے نہ یافت کا ذوق اور جب کام نہایت تک پہنچ جاتا ہے یافت میسر ہو جاتی ہے اور یافت کا ذوق مفقود ہو جاتا ہے اور جب یافت کا ذوق منتہی میں مفقود ہے تو لذت و حلاوت بھی اس کے حق میں کمتر

ہوگی۔ منتہی ذوق وحلاوت کو پہلے قدم میں ہی چھوڑ جاتا ہے اور آخر میں بے لذتی اور بے مزگی کے گوشہ میں گمنام پڑا رہتا ہے۔ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ مُتَوَاصِلَ الْحُزَانِ دَائِمَ الْفِكْرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غمناک اور متفکر رہا کرتے تھے۔

سوال: جب منتہی کو مطلوب کی یافت میسر ہوگئی تو پھر یافت کا ذوق کیوں مفقود ہوگا اور جب مبتدی یافت سے بے نصیب ہے تو یافت کا ذوق کہاں سے پائے گا؟

جواب: یافت کی دولت منتہی کے باطن کا حصہ ہے جو اپنے ظاہری تعلق کے منقطع ہونے کے بعد اس دولت سے مشرف ہوا ہے۔ جب اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے ساتھ تعلق نہیں رہا۔ اس لیے باطنی نسبت اس کے ظاہر میں اثر نہیں کرتی اور باطنی یافت سے ظاہر ذوق و لذت نہیں لے سکتا۔ پس منتہی کے باطن کو مطلوب کی یافت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ظاہر کو اس یافت کا ذوق نہیں ہوتا۔ باقی رہا باطن کا ذوق جس کا حصہ یافت ہے جب باطن نے بیچونی کا حصہ پالیا ہے اس کا وہ ذوق بھی عالم بیچونی سے ہوگا اور ظاہر کے ادراک میں جو سراسر چون ہے نہ آئے گا بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر باطن سے ذوق کی نفی کر دیتا ہے۔ باطن کو بھی اپنی طرح بے حلاوت جانتا ہے کیونکہ چون کا ذوق اور ہے اور بیچون کا ذوق اور جب منتہی کا ظاہر اس کے ذوق کی خبر نہیں رکھتا تو پھر عوام ظاہر بین منتہی کے باطن کی کیا خبر پائیں گے اور سوائے انکار کے ان کے حصہ میں کیا آئے گا۔ وہ ذوق جو ان کے فہم میں آتا ہے، ظاہر کا ذوق ہے جو عالم چون سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سماع اور رقص اور نعرہ اور اضطراب وغیرہ جو ظاہری احوال و اذواق ہیں ان کے نزدیک بڑے نایاب اور عظیم القدر ہیں بلکہ اکثر اوقات اذواق و مواجید کو انہی امور میں منحصر جانتے ہیں اور ولایت کے کمالات انہی امور کو سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ ظاہری احوال باطنی احوال کے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو چون کو بیچون کے ساتھ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ منتہی کا باطن یافت بھی رکھتا ہے اور یافت کا ذوق بھی لیکن چونکہ وہ ذوق عالم بے چونی سے حصہ رکھتا ہے، اس لیے ظاہر کے ادراک میں نہیں آ سکتا بلکہ ظاہر اس ذوق کی نفی کا حکم کرتا ہے۔ اگرچہ ظاہر باطن کی یافت پر اطلاع رکھتا ہے لیکن اس یافت کے ذوق کو نہیں پا سکتا۔ پس کہہ سکتے ہیں کہ منتہی کو ظاہر میں ذوق میسر ہے لیکن یافت کا ذوق مفقود ہے۔

اور اس طریقہ عالیہ کے مبتدی رشید ہیں جو باوجود یافت کے مفقود ہونے کے یافت کا ذوق ثابت کرتے ہیں، وہ اس سبب سے ہے کہ یہ بزرگوار ابتداء میں انتہاء کی چاشنی درج کردیتے ہیں اور انعکاس کے طور پر نہایت کا پرتو مبتدی رشید کے باطن میں ڈالتے ہیں۔ چونکہ مبتدی کا ظاہر اس کے باطن سے ملا ہوا ہوتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں قوی تعلق ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے نہایت کا وہ پرتو اور ولایت کی وہ چاشنی مبتدی کے باطن سے اس کے ظاہر میں بھی آجاتی ہے اور اس کا ظاہر باطن کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور یافت کا ذوق بے اختیار اس کے ظاہر میں پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مبتدی میں یافت کی حقیقت مفقود ہے اور یافت کا ذوق حاصل ہے۔ اس بیان سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کی بلندی اور ان کی نسبت علیا کی رفعت معلوم ہوتی ہے اور مریدوں اور طالبوں کے حق میں ان بزرگواروں کا کمال اہتمام اور حسن تربیت مفہوم ہوتا ہے۔ پہلے ہی قدم میں جو کچھ خود رکھتے ہیں مرید رشید اور طالب صادق کے حوصلہ کے موافق عطا فرماتے ہیں اور جبی تعلق اور ارتباط کے باعث توجہ اور انعکاس سے اس کی تربیت کرتے ہیں۔

دوسرے سلسلوں کے بعض مشائخ ان بزرگواروں کی کلام اندراج النہایت فی البدایت میں شبہ کرتے ہیں اور اس کلام کی حقیقت میں متردد ہیں۔ وہ پسند نہیں کرتے کہ اس طریق کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ انہوں نے اس طریق کے مبتدی کا دوسرے طریقوں کے منتہی کے ساتھ برابر ہونا کہاں سے سمجھ لیا ہے۔ ان بزرگواروں سے اندراج نہایت در بدایت سے زیادہ کچھ سرزد نہیں ہوا اور یہ عبارت مساوات پر دلالت نہیں کرتی۔ اس عبارت سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اس طریق میں شیخ منتہی اپنی توجہ اور تصرف سے اپنی نہایت کی دولت کی چاشنی انعکاس کے طور پر مبتدی رشید کو عطا فرماتا ہے اور ہدایت میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے۔ اس میں کون سی مساوات ہے اور کون سا اس میں شبہ ہے اور اس کی حقیقت میں کیا تردد ہے۔ یہ اندراج بڑی دولت ہے۔ اس طریق کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا لیکن نہایت کی دولت سے بے نصیب نہیں رہتا۔ بالفرض اگر اس مبتدی کو طریق وصول کو قطع کرنے اور اس کے منازل کو طے کرنے کی فرصت نہ بھی دیں تو پھر نہایت کی دولت سے بے نصیب نہ

رہے گا اور وہ ذرہ نمک اس کے کلیت کو ملیح و نمکین بنا دے گا۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے جو نہایت سے بہت دور ہیں اور منزلوں کا قطع کرنا اور مسافتوں کا طے کرنا ان کے حق میں مشکل کا سامنا ہے۔ اگر ان کو اس قطع کی فرصت نہ ملی اور مسافت کو طے کرنے کا موقع نہ ملا تو پھر ان کی حالت نہایت ہی قابل افسوس ہے۔ جب اس طریق کے مبتدی اور دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے درمیان فرق واضح ہو چکا اور اس مبتدی کی زیادتی دوسرے مبتدی پر ثابت ہو چکی تو پھر جاننا چاہیے کہ اس طریق کے منتہی اور دوسرے طریقوں کے منتہیوں کے درمیان اس قدر فرق ہے اور اس منتہی کی زیادتی دوسرے طریقوں کے منتہیوں پر اسی قدر ثابت ہے بلکہ اس طریقہ علیا کی نہایت دوسرے مشائخ کے تمام طریقوں کی نہایات سے وراء الوراء ہے۔

خواہ میری اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ ہاں اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں تو شاید اعتبار کر لیں۔ وہ نہایت جس کی بدایت میں نہایت ملی ہوئی ہو دوسروں کی نہایتوں سے ممتاز ہوگی بلکہ ان نہایتوں کی نہایت ہوگی۔

سالے کہ نکو است از بہارش پیداست

ترجمہ: سال اچھا بہار اچھی

دوسروں سلسلوں کے بعض متعصب لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہماری نہایت وصول بحق تعالیٰ ہے اور اس کو تم اپنی بدایت کہتے ہو۔ پس حق کے آگے کہاں جاؤ گے اور حق کے آگے تمہاری نہایت کیا ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق کی طرف جاتے ہیں اور ظلیت کی آمیزش سے نکل کر اصل الاصل کی طرف دوڑتے ہیں اور تجلیات سے منہ پھیر کر متجلی کو ڈھونڈتے ہیں اور ظہورات کو واپس چھوڑ کر ظاہر کو باطنوں میں طلب کرتے ہیں اور چونکہ ابطنیت میں مراتب مختلف ہیں، اس لیے ایک ابطنیت سے دوسری ابطنیت میں جاتے ہیں اور دوسری سے تیسری میں قدم رکھتے ہیں۔ اِلَّا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

حق تعالیٰ اگرچہ بسیط حقیقی ہے لیکن واسع بھی ہے۔ نہ یہ وسعت جس کا طول و عرض ہوتا ہے کہ یہ امکان و حدوث کے نشانات و علامات میں سے ہے بلکہ حق تعالیٰ کی وسعت بھی اس

کی ذات کی طرح بیچون و بے چگون ہے اور وہ سیر بھی جو اس وسعت میں واقع ہوتا ہے۔ بیچون وبیچگون ہے اور سیر کرنے والا بھی باوجود چندی اور چونی کے بیچونی اور بے چگونی کی قوت سے ان بیچونی منزلوں کو قطع کرتا ہے اور چون سے بیچون کی طرف جاتا ہے۔ بیچارے بے سروسامان اس معاملہ کی حقیقت کو کیا پائیں اور عالم چون کے رفتار بیچون کی خبر کیا جانیں۔ اپنی نارسائی کو اعتراض سمجھتے ہیں اور اپنی نادانی پر فخر کرتے ہیں۔

بیخروے چند ز خود بے خبر　　　عیب پسند ند برغم ہنر

ترجمہ: وہ بے وقوف جن کو نہیں اپنی بھی خبر　　　پسند عیب کو کرتے ہیں برخلاف ہنر

اس قدر نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نہایت بلکہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی نہایت بھی حق ہے اور ان کی نہایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نہایت کے ساتھ متحد نہیں بلکہ آپس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔

پس ہوسکتا ہے کہ بعض کو وہ نہایت میسر ہو جو ان کی نہایت سے برتر ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نہایت سے نیچے اس بیان سے ثابت ہوا کہ سب کی نہایت حق تعالیٰ ہے اور صوفیاء کے گروہوں کے درمیان ان کے مرتبوں کے اختلاف کے بموجب تفاوت ثابت ہے یا ہم یہ کہتے ہیں کہ سب اپنی اپنی نہایت کو وصول بحق جانتے ہیں لیکن اکثر ایسے ہیں جو حق تعالیٰ کے ظلال اور ظہورات کو حق تعالیٰ جانتے ہیں۔ حالانکہ ظلال اور ظہورات کے مرتبوں میں بہت فرق ہے۔ پس تمام ارباب نہایت کی نہایت نفس الامر میں وصول بحق نہ ہوئی بلکہ ہر ایک کی نہایت اس کے اپنے خیال میں حق سبحانہ ہے۔ پس اگر ایک گروہ کی ابتداء حق تعالیٰ کے ظلال و ظہورات ہوں جو حقانیت کے خیال سے دوسرے گروہ کی نہایت ہے اور اس پہلے گروہ کی نہایت وہ وصول بحق ہو جو ظلال وظہورات سے ماوراء ہے تو پھر یہ بات کیوں بعید معلوم ہوتی ہے اور اس میں کون سا انکار اور شبہ کا مقام ہے۔ بیت

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن وقصور　　　حاشاء اللہ کہ برآرم بر زبان ایں گلہ را

ہمہ شیران جہان بستۂ ایں سلسلہ اند　　　روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ: گر کوئی قاصر لگائے طعن ان کے حال پر　　　توبہ توبہ کیوں زبان پر لاؤں میں اس کا گلہ

شیر ہیں جکڑے ہوئے اس سلسلہ میں سب کے سب　　　لومڑی حیلہ سے توڑے کس طرح یہ سلسلہ

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِی اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ یارب ہمارے گناہوں اور ہمارے کاموں میں زیادتی کو معاف کر اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے۔

مکتوب ۴۴

ایک استفسار کے جواب میں جو وحدت کی نسبت کیا گیا تھا اور علوم شریعہ کے ساتھ اس کے مطابق کرنے کے بیان میں اور نیز پوچھا گیا تھا کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَبْدًا الخ کے کیا معنی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں محمد صادق ولد حاجی محمد مومن کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

آپ نے پوچھا تھا کہ صوفیاء وحدت وجود کے قائل ہیں اور علماء اس کو کفر و زندقہ جانتے ہیں اور دونوں گروہ فرقہ ناجیہ سے ہیں، اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے۔

اے محبت کے نشان والے اس بحث کی تحقیق فقیر نے اپنے مکتوب اور رسالوں میں مفصل لکھی ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے لیکن چونکہ آپ نے پوچھا ہے ،اس لیے سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔ ناچار چند کلمات لکھے جاتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ صوفیاء علیا میں سے جو لوگ وحدت وجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کا حکم کرتے ہیں، ان کی یہ مراد نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد رہیں اور تنزیہ تنزل کر کے تشبیہ بن گئی ہے اور واجب ممکن ہو گیا ہے اور بیچون چون میں آ گیا ہے کہ یہ سب کفر و الحاد اور گمراہی و زندقہ ہے۔ وہاں نہ اتحاد ہے نہ غیبت نہ تنزل نہ تشبیہ۔

فَھُوَ سُبْحَانَہٗ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ سُبْحَانَہٗ مَنْ لَّا یَتَغَیَّرُ بِذَاتِہٖ وَلَا فِیْ صِفَاتِہٖ وَلَا فِیْ اَسْمَائِہٖ بِحَدُوْثِ الْاَلْوَانِ. اللہ تعالیٰ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ پاک ہے وہ مالک جو موجودات کے حدوث سے ذات وصفات واسماء میں متغیر نہیں ہوتا۔

حق تعالیٰ اپنی اسی صرافت اطلاق پر ہے۔ وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف نہیں آیا بلکہ ہمہ اوست کے معنے یہ ہیں کہ اشیاء نہیں ہیں اور حق تعالیٰ موجود ہے۔ منصور نے جو

انا الحق کہا، اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں کہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب ہے بلکہ اس کے قول کے یہ معنی ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق تعالیٰ موجود ہے۔

حاصل کلام یہ کہ صوفیاء اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے خیال کرتے ہیں۔ بغیر اس بات کے کہ ان میں کسی قسم کا تنزل اور تغیر و تبدل ہو جس طرح کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے ظل کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بلکہ وہ شخص اپنی صرافت و اصالت پر ہے اور تنزل و تغیر کی آمیزش کے بغیر ظل اس سے وجود میں آیا ہے۔ ہاں بعض اوقات ان لوگوں کی نظر میں جن کو اس شخص سے محبت ہوتی ہے، کمال محبت کے باعث سایہ کا وجود مخفی ہو جاتا ہے اور شخص کے بغیر ان کو کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اس وقت اگر یہ کہہ دیں کہ ظل عین شخص ہے یعنی ظل معدوم ہے اور موجود وہی شخص ہے تو ہو سکتا ہے اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ اشیاء صوفیاء کے نزدیک حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ حق تعالیٰ کا عین پس اشیاء حق تعالیٰ سے ہوں گے۔

پس ان کی کلام ہمہ اوست کے معنے ہمہ از وست ہوں گے جو علماء کرام کے نزدیک مختار ہیں اور درحقیقت علماء کرام اور صوفیہ عظام کے درمیان کوئی نزاع ثابت نہ ہوگی اور دونوں قولوں کا مآل ایک ہی ہوگا۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ صوفیاء اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی کنارہ کرتے ہیں تاکہ حلول و اتحاد کا وہم نہ پایا جائے۔

سوال: صوفیاء اشیاء کو باوجود ظہورات کے معدوم خارجی جانتے ہیں اور خارج میں حق تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں دیکھتے اور علماء اشیاء کو موجودات خارجیہ کہتے ہیں۔ پس معنی میں فریقین کا نزاع ثابت ہو گیا۔

جواب: صوفیاء اگرچہ عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں لیکن خارج میں اس کا وجود وہمی ثابت کرتے ہیں اور نمود و ظہور خارجی کہتے ہیں اور کثرت وہمیہ خارجیہ سے انکار نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وجود وہمی جو خارج میں نمایاں ہے۔ ان وجودات وہمیہ کی قسم سے نہیں ہے۔ جو وہم کے اٹھ جانے سے اٹھ جاتے ہیں اور کچھ ثبات و استقرار نہیں رکھتے بلکہ یہ وہمی وجود اور خیالی نمائش چونکہ حق تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرت کاملہ کا نقش ہے، اس لیے

زوال وخلل سے محفوظ ہے اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ انہی وجودوں پر وابستہ ہے۔

سوفسطائی جو عالم کو وہم وخیالات جانتا ہے، اس کے نزدیک وہم وخیال کے اٹھ جانے سے اشیاء بھی اٹھ جاتی ہیں اور کہتا ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے اعتقاد کے تابع ہے۔ بذات خود کچھ ثبوت وحقیقت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم آسمان کو زمین اعتقاد کریں تو زمین ہے اور زمین ہمارے اعتقاد میں آسمان۔ اگر ہم شیریں کو تلخ جانیں تو تلخ ہے اور تلخ ہمارے اعتقاد میں شیریں ہے۔

غرض یہ بے وقوف۔ صانع مختار جل شانہ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔)

پس صوفیاء اشیاء کے لیے خارج میں وجود وہمی جو ثبات واستقرار رکھتا ہے اور وہم کے اٹھ جانے سے اٹھ نہیں جاتا۔ ثابت کرتے ہیں اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ جو دائمی اور ابدی ہے۔ اسی وجود پر موقوف جانتے ہیں اور علماء اشیاء کو خارج میں موجود جانتے ہیں اور خارجی ابدی کے احکام کو اشیاء پر مترتب جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ وجود اشیاء کو حق تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں ضعیف ونحیف تصور کرتے ہیں اور ممکن کے وجود کو حق تعالیٰ کے وجود کی نسبت فانی ونیست جانتے ہیں۔

پس فریقین کے نزدیک اشیاء کا وجود خارج میں ثابت ہو گیا جس پر اس جہان اور اس جہان کے احکام وابستہ ہیں اور وہم وخیال کے دور ہونے سے دور نہیں ہو سکتا۔ پس نزاع فیما بین رفع ہو گیا اور خلاف جاتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ صوفیاء اس وجود کو وہمی کہتے ہیں۔ اس لیے عروج کے وقت اشیاء کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے وجود کے سوا ان کی نظر میں کچھ نہیں رہتا اور علماء اس وجود پر وہم کا لفظ بولنے سے کنارہ کرتے ہیں اور وجود وہمی نہیں کہتے تاکہ کوئی کوتاہ نظر اس کے رفع ہونے کا حکم نہ کرے اور اس کے ابدی ثواب وعذاب سے انکار نہ کرے۔

سوال: صوفیا جو اشیاء کے لیے وجود وہمی ثابت کرتے ہیں، ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود باوجود ثبات واستقرار کے دراصل کچھ نہیں صرف وہم میں وجود رکھتا ہے اور نمود وظہور کے

سوا اس کو کچھ نصیب نہیں اور علماء اشیاء کو باوجود نفس الامری کے خارج میں موجود جانتے ہیں، پس نزاع باقی رہا۔

جواب: وجود وہمی اور نمود خیالی جب وہم و خیال کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا تو نفس الامری ہے کیونکہ اگر ہم تمام وہمیوں کے وہم کا زائل ہونا فرض کریں تو یہ وجود ثابت رہے گا اور ان کے زائل ہونے سے زائل نہ ہوگا۔ واقع اور نفس الامری کے یہی معنی ہیں۔ اس قدر ہے کہ یہ نفس الامری جو وجود ممکن میں ثابت کی جاتی ہے۔ اس نفس امری کے مقابلہ میں جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے، لاشے کا حکم رکھتی ہے اور نزدیک ہے کہ اس کو موہومات اور متخیلات میں شمار کیا جائے جس طرح کلی مشکک کے افراد جو ایک دوسرے کے ساتھ بڑا تفاوت رکھتے ہیں یا جس طرح ممکن کا وجود جو واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت لاشے کا حکم رکھتا ہے نزدیک ہے کہ اس کو عدمات میں شمار کیا جائے۔ پس حقیقت میں کوئی نزاع نہ رہا۔

سوال: تمام اشیاء کا وجود جب نفس الامری ہے تو لازم آتا ہے کہ نفس امر میں موجودات متعدد ہوں اور نفس الامر میں ایک موجود نہ ہو اور یہ امر وحدت وجود کے منافی ہے جو صوفیاء وجودیہ کے نزدیک مقرر ہے۔

جواب: وہ تو نفس امری ہیں وحدت وجودی بھی نفس امری ہے اور تعدد وجود بھی نفس امری جب جہت و اعتبار مختلف ہیں تو اجتماع نقیضین کا وہم مرفوع ہے۔

یہ بحث اس مثال سے روشن ہوتی ہے مثلاً زید کی صورت جو آئینہ میں دکھا دیتی ہے، نفس الامر آئینہ میں کوئی صورت موجود نہیں ہے کیونکہ وہ صورت نہ آئینہ کیموٹائی میں ہے نہ آئینہ کے منہ میں بلکہ اس صورت کا وجود آئینہ میں وہم کے اعتبار سے ہے اور خیالی دکھاوٹ کے سوا آئینہ میں کچھ حاصل نہیں اور یہ وہمی وجود اور خیالی نمود بھی جو صورت کے لیے آئینہ میں پیدا ہوئی ہے، نفس امری ہے۔ پس اگر کوئی کہہ دے کہ میں نے زید کی صورت آئینہ میں دیکھی ہے۔ عقل و عرف میں اس کو اس کلام میں سچا جانتے ہیں اور حق پر سمجھتے ہیں اور جب قسموں کی بنا عرف پر ہے۔ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ واللہ میں نے زید کی صورت کو آئینہ میں دیکھا ہے تو حانث نہ ہوگا۔ پس اس صورت میں آئینہ میں زید کی اس صورت کا عدم حصول بھی نفس امری ہے لیکن پہلا نفس امر مطلق نفس امر۔ ہے اور پچھلا نفس امر وہم و خیال کے ذریعے ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ وہم و خیال کا اعتبار جو نفس امری کے منافی ہے، اس جگہ یہی اعتبار نفس امر کے حاصل ہونے کا باعث ہے۔ اِذْلَوْ لَا ہُ لَمَا حَصَلَ ثَمَّہ نَفْسُ الْاَمْرِ اگر وہ نہ ہوتا تو نفس الامر حاصل نہ ہوتا۔

دوسری مثال نقطہ جوالہ ہے جس نے توہم و خیال کے اعتبار سے دائرہ کی صورت میں خارج میں ثبوت پیدا کیا ہے۔ یہاں بھی خارج میں دائرہ کا عدم حصول نفس امری ہے اور وہم و خیال کے اعتبار سے خارج میں اس دائرہ کا حصول بھی نفس امری ہے لیکن دائرہ کا عدم حصول مطلق نفس امری ہے اور اس دائرہ کا حصول وہم و خیال کے ملاحظہ سے نفس امری ہے۔ پس اول مطلق ہے دوسرا مقید۔

پس مذکورہ بالا صورت میں وحدت وجود مطلقاً نفس امری ہے اور تعدد وجود باعتبار وہم و خیال کے نفس امری ہے۔ پس اطلاق و تقید کے ملاحظہ سے ان دونوں نفس امر کے درمیان تناقض نہ رہا اور اجتماع نقیضین ثابت نہ ہوا۔

سوال: جب تمام وہمیوں کے وہم کا زوال فرض کیا جائے تو وجود وہمی اور نمود خیالی کس طرح ثابت ہوگا۔

جواب: یہ وجود صرف وہم کے اختراع سے حاصل نہیں ہوا جو وہم کے زوال سے زائل ہو جائے بلکہ حق تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ وہم میں حاصل ہوا ہے اور ثبات و قرار حاصل کیا ہے۔ اس لیے وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا اور وجود وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کو مرتبہ حس و وہم میں خلق فرمایا ہے اور چونکہ اسی کی خلق ہے خواہ کسی مرتبہ میں ہو زوال و خلل سے محفوظ ہے اور چونکہ حق تعالیٰ نے اس کو خلق فرمایا ہے، اس لیے نفس امری ہو گیا ہے۔ اگرچہ وہ مرتبہ کہ جس میں پیدا کیا ہو، نفس امری نہیں ہوتا اور مجرد اعتبار ہوتا ہے لیکن مخلوق اس مرتبہ میں نفس امری ہے۔

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے یعنی اشیاء کو اس مرتبہ میں ایجاد فرمایا ہے کہ اس مرتبہ کے لیے حس و وہم کے سوا کوئی حصول و ثبوت نہیں۔ جس طرح کہ شعبدہ باز غیر واقع چیزوں کو واقع ظاہر کرے اور ایک چیز کی دس چیزیں دکھائے، ان دس چیزوں کا حصول و ثبوت وہم و حس کے سوا نہیں اور نفس امر میں ایک چیز کے سوا موجود نہیں۔ ان دس چیزوں کو جو اس نے ظاہر کی ہیں، اگر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ثبات و

استقرار بخشیں اور سرعت زوال اور خلل سے محفوظ ہو جائیں تو نفس امری ہو جائیں گے۔

پس وہ دس چیزیں نفس امر میں ہیں بھی اور نہیں بھی لیکن دو اعتبار سے۔ اگر مرتبہ حس و وہم سے قطع نظر کی جائے تو نہیں ہیں اور حس و وہم کے ملاحظہ سے ہیں۔

قصہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے کسی شہر میں شعبدہ بازوں نے بادشاہ کے حضور میں شعبدہ بازی شروع کی اور طلسم و شعبدہ سے آموں کے درختوں کا باغ ظاہر کیا حتیٰ کہ وہ درخت اسی اثناء میں بڑے بڑے درخت ہو گئے اور ان کو پھل لگ گیا اور اہل مجلس نے ان پھلوں کو کھایا بھی۔ اس وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ شعبدہ بازوں کو قتل کر دیں کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا کہ شعبدوں کے ظاہر ہونے کے بعد اگر شعبدہ بازوں کو قتل کر دیں تو وہ شعبدہ حق تعالیٰ کی قدرت سے اپنے حال پر رہتا ہے۔ اتفاقاً جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا تو وہ آم کے درخت حق تعالیٰ کی قدرت سے اسی طرح موجود رہے۔

میں نے سنا ہے کہ وہ درخت اب تک بھی موجود ہیں اور لوگ ان کے میووں کو کھاتے ہیں۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ اللہ تعالیٰ پر یہ بات مشکل نہیں۔

پس صورت متنازع فیہ میں حق تعالیٰ نے کہ جس کے سوا خارج اور نفس الامر میں کوئی موجود نہیں۔ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے اسماء و صفات کے کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردہ میں مرتبہ حس و وہم میں ظاہر کیا اور ان کمالات کو وجود وہمی اور ثبوت خیالی کے ساتھ اشیاء کے مظہروں میں جلوہ گر کیا یعنی اشیاء کو ان کمالات کے مطابق مرتبہ حس و وہم میں ایجاد فرمایا ہے اور انہوں نے نمود وہمی اور ثبوت خیالی حاصل کیا۔ پس اشیاء کا وجود نمود کے اعتبار سے خیالی ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس نمود کو ثبات و استقرار کرامت فرمایا ہے اور اشیاء کی صنعت میں استحکام کو مدنظر رکھا ہے اور ابدی معاملہ انہی پر وابستہ کیا ہے۔ ناچار اشیاء کا وجود وہمی اور ثبوت خیالی بھی نفس الامر ہو گیا ہے اور خلل سے محفوظ ہے۔

پس کہہ سکتے ہیں کہ اشیاء خارج میں باعتبار نفس الامر کے وجود رکھتی بھی ہیں اور نہیں بھی رکھتیں لیکن دو اعتبار سے جیسے کہ اوپر گزر چکا۔

اس فقیر کے والد بزرگوار اقدس سرہ جو علماء محققین میں سے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ قاضی جلال الدین آگری نے جو بڑے بزرگ عالموں میں سے تھے، مجھ سے پوچھا کہ نفس

الامر وحدت ہے یا کثرت اگر وحدت ہے تو شریعت جس کی بنیاد مختلف اور جدا جدا احکام پر ہے، باطل ہو جاتی ہے اور اگر نفس الامر کثرت ہے تو صوفیاء کا قول جو وحدت وجود کے قائل ہیں، باطل ہوتا ہے۔

والد بزرگوار قدس سرہ نے جواب میں فرمایا کہ دونوں نفس امری ہیں اور مفصل طور پر بیان کر دیا۔ فقیر کو یاد نہیں رہا کہ اس وقت والد بزرگوار قدس سرہ نے کیا کچھ بیان فرمایا تھا۔ اس وقت جو کچھ فقیر کے دل میں ڈالا گیا ہے، لکھا گیا ہے وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ حقیقت امر کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

پس صوفیاء جو وحدت وجود کے قائل ہیں، حق پر ہیں اور علماء بھی کثرت وجود کا حکم کرتے ہیں۔ حق پر ہیں۔ صوفیاء کے احوال کے مناسب وحدت ہے اور علماء کے حال کے مناسب کثرت ہے کیونکہ شرائع کی بنا کثرت پر ہے اور احکام کا جدا جدا ہونا کثرت پر موقوف ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اور آخرت کا ثواب و عذاب اسی کثرت سے تعلق رکھتا ہے اور جب حق تعالیٰ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں چاہتا ہوں کہ پہچانا جاؤں) کے موافق کثرت کو چاہتا اور ظہور کو دوست رکھتا ہے تو اس مرتبہ کا باقی رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس مرتبہ کی ترتیب حق تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہے۔ سلطان ذیشان کے لیے نوکروں چاکروں کا ہونا ضروری ہے اور اس کی عظمت و کبریا کے لیے ذلت اور احتیاط اور انکار درکار ہے۔ وحدت وجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور کثرت کا معاملہ اس کے مقابلہ میں مجاز کی طرح اسی واسطے اس عالم کو عالم حقیقت کہتے ہیں اور اس عالم کو عالم مجاز لیکن چونکہ ظہورات حق تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ ہیں اور دائمی اور ابدی بقا اشیاء کو عطا فرمائی ہے اور قدرت کو حکمت کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور اسباب کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے، اس لیے وہ حقیقت گویا متروک ہے اور یہ مجاز متعارف و مشہور ہے۔ نقطہ جوالہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور وہ دائرہ جو اس نقطہ سے پیدا ہوا ہے۔ مجاز کی مانند ہے لیکن اس کی حقیقت متروک ہے اور جو متعارف ہے، وہ مجازی ہے۔

نیز آپ نے اس قول کے معنی پوچھے تھے کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا۔

جاننا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس سے صادر نہیں

ہوتا کیونکہ اولیاء اللہ گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہیں۔ اگرچہ ان سے گناہ کا صادر ہونا جائز ہے۔ برخلاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو گناہوں سے معصوم ہیں۔ ان کے حق میں گناہ صادر ہونے کا جواز بھی مسلوب ہے اور جب اولیاء اللہ سے گناہ صادر نہ ہوں تو یقین ہے کہ گناہ کا ضرر بھی نہ ہوگا۔ پس گناہ کے صادر ہونے کی صورت میں لَا یَضُرُّہُ ذَنْبٌ' درست ہے۔ جیسے کہ صاحبان علم پر پوشیدہ نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہوں جو درجہ ولایت تک پہنچنے سے پہلے صادر ہوئے ہیں۔ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَهٗ (کیونکہ اسلام پہلی باتوں کو قطع کر دیتا ہے) وَحَقِیْقَةُ الْاَمْرِ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَانَا (یا اللہ تو بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۴۵

اس بیان میں کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہے۔ برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں قیام بذات خود حاصل نہیں اور سب کا سب عرض ہے۔ اس میں جوہر ہونے کی بو بھی نہیں اور اس کے مناسب بیان میں حقائق آگاہ معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔) میرے مخدوم ومکرم۔

از ہرچہ میرود سخن دوست خوش تر است

ترجمہ: تمام باتوں سے بہتر ہیں یار کی باتیں

عجیب وغریب معرفتیں بیان کی جاتی ہیں۔ غور سے سنیں اور اخص خواص کے مراقبہ کا طریق بتایا جاتا ہے۔ بڑی توجہ فرمائیں۔

جاننا چاہیئے کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی واجب تعالیٰ کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو اسی کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو اسی کی قدرت کا آئینہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن اس کی ذات کا عالم میں نہ کوئی آئینہ ہے نہ کوئی مظہر۔ بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں شراکت نہیں۔ اگر چہ وہ مناسبت اسم میں ہو یا مشارکت صورت میں ہو۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ سب جہان سے غنی ہے) برخلاف اسماء وصفات کے کہ عالم کے ساتھ اسمی مناسب رکھتے ہیں اور صوری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے یعنی جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے۔ ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اسی قدرت کی صورت ہے برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں قیام بذات خود حاصل نہیں بلکہ ممکن چونکہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی صورتوں پر مخلوق ہے۔ اس لیے سب کا سب عرض ہے اور اس میں جوہریت کی بو نہیں۔ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور معقول والوں نے جو ممکن جوہر و عرضی میں تقسیم کیا ہے۔ ظاہر ہے ظاہر بینی کے سبب ہے اور بعض ممکن کا بعض کے ساتھ قیام جو ثابت ہے وہ عرض کا عرض کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے ہے۔ نہ عرض کا جوہر کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے بلکہ درحقیقت وہ دونوں عرض حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں۔ تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ ہی ہے۔

پس ممکن کی حقیقت میں کوئی ذات نہیں جس کے ساتھ اس کی صفات قائم ہوں بلکہ ذات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفات اور تمام ممکنات قائم ہیں اور وہ اشارہ جو ہر ایک اپنی ذات کی طرف لفظ انا سے کرتا ہے۔ وہ درحقیقت اسی ایک ذات کی طرف راجع ہے جس کے ساتھ سب کا قیام ہے۔ اشارہ کرنے والا جانے یا نہ جانے اگر چہ حق تعالیٰ کی ذات کسی اشارہ کے ساتھ مشارالیہ نہیں ہے اور کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں۔ کوتاہ نظر ان پوشیدہ معارف کو توحید وجودی کے معارف کے ساتھ نہ ملائیں اور ایک دوسرے کا دست و گریبان نہ جانیں کیونکہ توحید وجودی والے ایک ذات کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے اور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کو بھی اعتبارات علمی خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقائق ممکنات کو

وجود کی بو بھی نہیں پہنچی۔ اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَةَ الْوَجُوْدِ (اعیان نے وجود کی بو بھی نہیں سونگھی) ان کا کلام ہے۔

یہ فقیر حق تعالیٰ کی صفات کو بھی وجود زائد کے ساتھ موجود جانتا ہے۔ جیسے کہ علماء اہل حق نے فرمایا ہے اور ممکنات کے لیے بھی جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے مظہر ہیں۔ وجود ثابت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ممکنات کو اعراض ہی سے جانتا ہے جو خود بخود قیام نہیں رکھتے اور جوہریت کو جو خود بخود قیام رکھتا ہے۔ ممکنات میں ثابت نہیں کرتا اور سب کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جانتا ہے۔

سوال: اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن کی ذات واجب تعالیٰ کی عین ذات ہے اور ممکن واجب کے ساتھ متحد ہے اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے قلب حقائق یعنی حقیقتوں کا تغیر لازم آتا ہے۔

جواب: ممکن کی ذات یعنی اس کی ماہیت و حقیقت انہی اغراض متعددہ مخصوصہ میں سے ہے جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہیں۔ ان اعراض کو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی عینیت نہیں اور کسی قسم کا اتحاد نہیں ہے تاکہ قلب حقائق لازم آئے۔ صرف اس قدر تعلق ہے کہ ان اعراض کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور تمام اشیاء کا قیوم وہی حق تعالیٰ ہے۔

سوال: جب ہر ایک کا اشارہ جو اپنی ذات کی طرف لفظ انا سے ہوتا ہے، حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے تو لازم آتا ہے کہ ممکن کی ذات یعنی اس کی ماہیت و حقیقت حق تعالیٰ کی عین ذات ہو کیونکہ ہر ایک کا اشارہ لفظ انا کے ساتھ اپنی ماہیت و حقیقت کی طرف ہے۔ اس سے قلب حقیقت لازم آتا ہے اور یہ بات بعینہٖ توحید وجودی والوں کی ہے۔

جواب: ہاں ہر ایک کا اشارہ لفظ اَنَا کے ساتھ اگرچہ اپنی حقیقت کی طرف ہے لیکن جب اس کی حقیقت اعراض مجتمع سے ہے۔ اس اشارہ کی قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ اعراض اصلی اور مستقل طور پر حسی اشارہ کے قابل نہیں۔ جب اس کی حقیقت نے اس اشارہ کو قبول نہ کیا تو ضرور وہ اشارہ اس حقیقت کے مقوم (جس کے ساتھ اس کا قیام ہے) کی طرف راجع ہوگا۔ پس ممکن کی ماہیت وہی اعراض مجتمعہ ہے اور اس کا انا کا اشارہ اس کی حقیقت کی قابلیت کے نہ ہونے کے باعث اس کے مقوم کی طرف راجع ہے جو حق تعالیٰ کی ذات سے مراد ہے۔ پس حقیقت کا تغیر

لازم نہ آیا اور ممکن واجب نہ ہوا اور یہ بات توحید وجودی والوں کی بات سے جدا رہی۔

عجب معاملہ ہے کہ ممکن کا انا واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور ممکن اپنے حال میں ممکن ہی رہے اور سبحانی اور انا الحق نہ پکارے۔ ہاں اس قسم کی بات کر سکتا ہی نہیں کیونکہ صاحب تمیز ہے۔

سوال: واجب تعالیٰ کی ذات سے ممکن کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کے قیام کو مستلزم ہے اور یہ ممتنع اور محال ہے۔

جواب: حوادث کا قیام اس صورت میں ممتنع ہے۔ جب کہ حق تعالیٰ کی ذات میں حوادث کا حلول سمجھا جائے جو محال ہے لیکن اس جگہ قیام کے معنی حلول نہیں بلکہ اس کے معنی ثبوت اور تقرر کے ہیں یعنی ممکن کا ثبوت اور تقرر واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔

سوال: جب ممکن سب کا سب عرض ہے تو عرض کے لیے محل کی ضرورت ہے تا کہ اس کے ساتھ قائم ہو۔ وہ محل کون ہے۔ واجب کی ذات نہیں۔ اسی طرح ممتنع اس کا محل نہیں ہو سکتا۔

جواب: عرض وہ ہے جس کو بذات خود قیام نہ ہو بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو۔ چونکہ معقول والوں نے عرض کے قیام میں حلول کے معنی سمجھے ہیں۔ اس لیے عرض کے لیے محل ثابت کیا ہے اور محل کے بغیر اس کا ثابت رہنا محال سمجھا ہے لیکن جب قیام کے معنی اور لیے جائیں جیسے کہ اوپر گزر چکا تو پھر محل کی کچھ ضرورت نہیں۔

ہمارے مشاہدہ میں آ چکا ہے کہ تمام اشیاء کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور کوئی حلول و محل درمیان نہیں۔ معقولی اس کا اعتبار کریں یا نہ کریں۔ ان کی تشکیک ہماری بداہت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ہمارا یقین ان کے شک سے دور نہیں ہوتا۔

اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ ارباب طلسم اور اصحاب سیمیا ایسی ایسی چیزیں دکھاتے ہیں جو اجسام غریبہ اور اعراض عجیبہ کی قسم سے ہوتی ہیں۔ اس صورت میں سب لوگ جانتے ہیں کہ ان اجسام کا اعراض کی طرح خود بخود قیام نہیں ہے بلکہ ان دونوں کا قیام صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے اور ان کا کوئی محل ثابت نہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس قیام میں حالیت و محلیت کی آمیزش نہیں بلکہ ان سب کا ثبوت و تقرر صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے۔ بغیر اس کے کہ حلول کا وہم پایا جائے۔

مذکورہ بالا صورت میں بھی یہی تصور ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اشیاء کو مرتبہ حس و وہم میں خلق فرمایا ہے اور ان کی صنعت میں اتقان و احکام کو مدنظر رکھا ہے اور دائمی رنج و راحت و ثواب و عذاب کا معاملہ انہی پر وابستہ کیا ہے۔ پس ان اشیاء کا خود بخود قیام نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ بغیر اس کے کہ حلول اور حال و محل کا وہم و خیال پایا جائے۔

دوسری مثال پہاڑ یا آسمان کی صورت جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ان صورتوں کو اجسام خیال کرے گا اور جو ہر سمجھ کو قائم بذات خود جاننے لگا اور اگر بالفرض کوئی شخص ان صورتوں کو اعراض جانے اور قائم بغیر تصور کرے اور عرض ہونے کے باعث ان کے لئے محل تلاش کرے اور محل کے بغیر ان کا ثبوت محال جانے۔ وہ شخص بھی بے وقوف ہے جو لوگوں کی تقلید پر بداہت کا انکار کرتا ہے کیونکہ جو شخص تمیز رکھتا ہے، بداہت سے معلوم کر لیتا ہے کہ ان صورتوں کے لیے ہرگز محل ثابت نہیں ہیں بلکہ ان کو محلوں کی کچھ احتیاج نہیں۔ اسی طرح ارباب کشف و شہود کے نزدیک تمام ممکنات ان صورتوں کی طرح ہیں اور تماثیل سے زیادہ کچھ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے ان صورتوں اور تماثیل کو اپنی کامل صنعت سے اس طرح کی مضبوطی اور استحکام بخشا ہے کہ خلل اور زوال سے محفوظ ہیں اور آخرت کا دائمی معاملہ ان پر منحصر کیا ہے۔ جیسے کہ کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ متکلمین میں سے نظام جو علماء معتزلہ سے ہے۔ رَمْيَةٌ مِنْ غَيْرِ رَامٍ (تیر مارنا بغیر تیر انداز کے) کے موافق یعنی اٹکل پچو سے عالم کو اعراض کا مجموعہ جانتا ہے اور جواہر سے خالی سمجھتا ہے۔ ہاں اِنَّ الْكَذُوْبَ قَدْ يَصْدُقُ جھوٹا آدمی کبھی سچ بھی بول جاتا ہے۔ چونکہ کوتاہ نظری سے ان اعراض کا قیام واجب الوجود کی ذات کے ساتھ نہیں جانتا۔ اس لیے داناؤں کے طعن و تشنیع کا محل ہوا ہے کیونکہ عرض کو غیر کے قیام سے چارہ نہیں اور وہ جوہر کے وجود کا قائل نہیں تا کہ قیام کو اس کی طرف منسوب کرے اور صوفیاء میں سے صاحب فتوحات مکیہ عالم کو اعراض مجتمعہ عین واحد میں جانتا ہے اور عین واحد سے مراد ذات احدیت رکھتا ہے لیکن دو زمانوں میں ان اعراض کے باقی نہ رہنے کا حکم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عالم ہر آن میں معدوم ہو جاتا ہے اور اس جیسا اور موجود ہوتا ہے۔

اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے نہ وجودی۔ جیسے کہ شرح رباعیات کے حاشیوں

میں اس کی تحقیق کی گئی ہے۔ سالک احوال کے درمیان پیشتر اس کے کہ ماسوا اس کی نظر سے بالکل دور ہو جائے۔ ایک آن میں ایسا دیکھتا ہے کہ عالم معدوم ہو گیا ہے اور دوسری آن میں پاتا ہے کہ عالم موجود ہے اور تیسری آن میں پھر معدوم سمجھتا ہے اور چوتھی آن میں موجود سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ فنائے مطلق کے ساتھ مشرّف ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ماسوا کو معدوم پاتا ہے۔ اس وقت اس کی شہود میں عالم ہمیشہ کے لیے معدوم ہے۔ اسی طرح بقاء کے حاصل ہونے اور عالم کی طرف رجوع کرنے کے درمیان عالم کبھی نظر میں آ جاتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت بھی تجدد امثال کی حالت کا وہم گزرتا ہے۔ اسی عارف کے لیے جب بقاء اور عالم کی طرف رجوع کرنے کا معاملہ انجام تک پہنچ جاتا ہے اور تکمیل و ارشاد کے مقام میں قرار پکڑتا ہے تو پھر عالم اس کی نظر میں آتا ہے اور اس وقت عالم کو دائمی طور پر موجود پاتا ہے۔

پس یہ معاملہ سالک کے شہود کی طرف راجع ہے۔ نہ کہ عالم کے وجود کی طرف کیونکہ عالم کا وجود ہمیشہ ایک وضع پر ہے۔ اگر تذبذب ہے تو شہود میں ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔) اور وہ زمانوں میں اعراض کے باقی نہ رہنے کا حکم جو بعض متکلمین نے کہا ہے۔ ممنوع اور مدخول فیہ ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں اور وہ دلیلیں جو اعراض کے باقی نہ رہنے پر لائے ہیں، ناتمام ہیں۔ یہ پوشیدہ معارف گویا وہاں کے اکثر یاروں کے لیے ایک سبق ہے جس جس دوست کو ان کے دیکھنے کا شوق ہو، مہربانی فرما کر ان کی نقل کر کے بھیج دیں۔ چونکہ فقیر پر سستی غالب تھی، اس واسطے ہر ایک یار کی طرف الگ الگ مکتوب نہیں لکھا گیا۔ صرف اسی پر کفایت کی گئی ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَدَیْکُمْ۔

مکتوب ۴۶

کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت و حقیقت و شریعت پر مشتمل ہے اور اس بیان میں کہ کمالات نبوت کے مقابلہ میں کمالات ولایت کی کچھ مقدار نہیں اور اس بیان میں کہ صاحب ولایت کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلّف ہے اور باطن اس معاملہ کا گرفتار ہے اور اس کے مناسب بیان میں مولانا حمید الدین بنگالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ کلمہ طیبہ طریقت وحقیقت وشریعت کا جامع ہے۔ جب تک سالک نفی کے مقام میں ہے، طریقت میں ہے اور جب نفی سے پورے طور پر فارغ ہو جاتا ہے اور تمام ماسوا اس کی نظر سے منتفی ہو جاتا ہے تو طریقت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ جب نفی کے بعد مقام اثبات میں آتا ہے اور سلوک سے جذبہ کی طرف رغبت کرتا ہے تو مرتبہ حقیقت کے ساتھ متحقق اور بقاء کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے۔ اس نفی و اثبات اور اس طریقت و حقیقت اور اس فنا و بقاء اور اس سلوک و جذبہ سے اس پر ولایت کا اسم صادق آتا ہے اور نفس امارہ پن کو چھوڑ کر مطمئنہ ہو جاتا ہے اور پاک وصاف بن جاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کی جزو اول کے ساتھ جو نفی و اثبات ہے، وابستہ ہیں۔

باقی رہا اس کلمہ مقدسہ کا دوسرا جزو جو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ دوسرا جزو شریعت کا کامل اور تمام کرنے والا ہے جو کچھ ابتداء اور وسط میں شریعت سے حاصل ہوا تھا۔ وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم و رسم تھا۔ شریعت کی اصل حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے جو مرتبہ ولایت کے حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور کمالات نبوت جو کامل تابعداروں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ طریقت و حقیقت جس سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی حقیقت اور کمالات نبوت کے حاصل ہونے کے لیے گویا شرائط ہیں۔ ولایت کو طہارت یعنی وضو کی طرح سمجھنا چاہئے اور شریعت کو نماز کی طرح۔ طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور حقیقت میں حکمی نجاستیں رفع ہوتی ہیں تاکہ کامل طہارت کے بعد احکام شرعیہ کے بجالانے کے لائق ہو جائیں اور اس کے نماز ادا کرنے کی قابلیت حاصل ہو جائے جو مراتب قرب کی نہایت اور دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔

مجھے اس کلمہ کا دوسرا جزو دریائے ناپید کنار کی طرح معلوم ہوا۔ جس کے مقابلہ میں پہلا جزو قطرہ کی طرف دکھائی دیتا تھا۔ ہاں کمالات نبوت کے مقابلہ میں کمالات ولایت کی کچھ مقدار نہیں۔ آفتاب کے مقابلہ میں ذرہ کی کیا مقدار ہے۔ سبحان اللہ۔ بعض لوگ کج بینی سے ولایت کو نبوت سے افضل جانتے ہیں اور شریعت کو جو لب لباب ہے، پوست سمجھتے ہیں۔

بچارے کیا کریں۔ ان کی نظر شریعت کی صورت تک ہی محدود ہے اور مغز سے پوست کے سوا ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا۔ نبوت کو خلق کی طرف توجہ ہونے کے باعث قاصر جانتے ہیں اور اس توجہ کو عوام کی توجہ کی طرح ناقص سمجھ کر ولایت کو جو حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھتی ہے، اس توجہ پر ترجیح دیتے ہیں اور ولایت کو نبوت سے افضل جانتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے ہیں کہ کمالات نبوت میں بھی عروج کے وقت حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے جس طرح کہ مرتبہ ولایت میں بلکہ مرتبہ ولایت میں ان عروجی کمالات کی صورت ہے جو مقام نبوت میں حاصل ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

نبوت میں نزول کے وقت ولایت کی طرح خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ ولایت میں بظاہر خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور باطن میں حق کی طرف اور نبوت کے نزول میں ظاہر و باطن خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کلی طور پر ان کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ یہ نزول ولایت کے نزول سے اتم و اکمل ہے۔ جیسے کہ کتابوں اور رسالوں میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ خلق کی طرف ان کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی طرح نہیں ہے۔ جیسے کہ انہوں نے گمان کیا ہے بلکہ عوام کی توجہ خلق کی طرف ان کی اس گرفتاری کے باعث ہوتی ہے جو ماسوا کے ساتھ رکھتے ہیں اور اخص خواص کی توجہ خلق کی طرف ماسوا کی گرفتاری کے باعث نہیں ہے کیونکہ یہ بزرگوار ماسوا کی گرفتاری کو پہلے ہی قدم میں چھوڑ جاتے ہیں اور اس کی جگہ خلق کے خالق کی گرفتاری اختیار کر لیتے ہیں بلکہ ان بزرگوں کی توجہ بہ خلق ہدایت و ارشاد کے لئے ہے تا کہ خلق کی خالق کی طرف رہنمائی کریں اور مولیٰ کی رضاجوئی کی طرف ان کی دلالت کریں اور شک نہیں کہ اس قسم کی توجہ بخلق جس کا مقصود خلق کو ماسوا کی غلامی سے آزاد کرنا ہو۔ اس توجہ بحق سے کئی درجے فضیلت والی ہے جو اپنے نفس کے لیے ہے۔

مثلاً ایک شخص ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ اسی اثناء میں ایک نابینا آ گیا۔ جس کے آگے کنواں ہے کہ اگر ایک قدم اور اٹھائے تو کنویں میں جا پڑے تو اس صورت میں ذکر کرنا بہتر ہے یا نابینا کو کنویں سے بچانا۔ شک نہیں کہ اس صورت میں نابینا کو کنویں سے بچانا ذکر کرنے سے بہتر ہے کیونکہ حق تعالیٰ اس سے اور اس کے ذکر سے غنی ہے اور نابینا ایک محتاج

بندہ ہے جس کے ضرر کا دفع کرنا ضروری ہے۔ خاص کر جبکہ اس کو خلاص کرنے پر مامور ہو۔ اس وقت اس کی یہ تخلیص بھی ذکر ہے کیونکہ امر کی بجا آوری ہے۔ ذکر میں ایک ہی حق کا ادا کرنا ہے جو مولا کا حق ہے اور تخلیص میں جو امر کے ساتھ واقع ہو، دو حق ادا ہوتے ہیں۔ بندہ کا حق بھی اور مولیٰ کا حق بھی بلکہ نزدیک ہے کہ اس وقت ذکر کرنا گناہ میں داخل ہو کیونکہ تمام وقت ذکر کرنا ناپسندیدہ نہیں۔ بعض اوقات ذکر نہ کرنا بھی مستحسن اور پسندیدہ ہے۔

ایام منہی عنہا اور اوقات مکروہ میں روزہ نہ رکھنا اور نماز کا ادا نہ کرنا۔ روزہ رکھنے اور نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے خواہ کسی طرح ہو۔ نہ یہ کہ نفی اثبات یا اسم ذات کے تکرار پر ہی منحصر ہے۔ جیسے کے گمان کیا جاتا ہے۔ پس اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا ذکر ہی میں داخل ہے۔ حدود شرعی کو مدنظر رکھ کر خرید و فروخت کرنا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح اس رعایت کے ہوتے ہوئے نکاح و طلاق کا بھی ذکر ہے۔ رعایت شرعی کے ساتھ ان امور میں مشغول ہونے کے وقت آمر و ناہی یعنی حق تعالیٰ ان امور کے کرنے والے کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ پھر غفلت کی کہاں گنجائش ہوتی ہے لیکن وہ ذکر جو مذکور کی اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو، وہ سریع التاثیر ہوتا ہے۔ اور مذکور کی زیادہ محبت بخشنے والا اور مذکور تک جلدی پہنچانے والا ہوتا ہے۔ برخلاف اس ذکر کے جو اوامر کے بجالانے اور نواہی سے ہٹ جانے پر واقع ہو۔ جو ان صفات سے بے نصیب ہے۔ اگرچہ یہ صفات بعض افراد میں جن کا ذکر اوامر کے بجالانے اور شرعی منہیات سے ہٹ جانے پر ہے، شاذ و نادر طور پر پائے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولا زین الدین تائبادی قدس سرہ علم کی راہ سے خدا تک پہنچے ہیں اور نیز وہ ذکر جو اسم و صفت سے واقع ہو اس ذکر کا وسیلہ ہے جو شرعی حدود کو مدنظر رکھنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ تمام امور میں شرعی احکام کا مدنظر رکھنا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل محبت کے بغیر میسر نہیں ہوتا اور یہ کامل محبت حق تعالیٰ کے اسم و صفت کے ذکر پر موقوف ہے۔ پس پہلے ذکر چاہئے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہوں لیکن عنایت کا معاملہ جدا ہے۔ وہاں نہ کوئی شرط ہے نہ کوئی وسیلہ۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان تینوں معاملوں یعنی طریقت و حقیقت و شریعت کے آگے ایک اور معاملہ ہے جس کے آگے ان معاملوں کا کچھ اعتبار و شمار نہیں۔ جو کچھ مرتبہ حقیقت میں حاصل ہوا تھا اور اثبات سے تعلق رکھتا تھا، وہ اس معاملہ کی صورت تھی اور یہ معاملہ اس صورت کی حقیقت ہے جس طرح کہ شریعت کی صورت جو ابتداء میں عوام کے مرتبہ میں حاصل ہوئی تھی اور حقیقت و طریقت کے حاصل ہونے کے بعد اس صورت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ وہ معاملہ کہ جس کی صورت حقیقت ہو اور اس کا مقدمہ ولایت ہو، گفتگو میں کس طرح آ سکتا ہے اور اگر بالفرض بیان کیا جائے تو کوئی اس کی حقیقت کو کیا معلوم کرے گا۔ یہ معاملہ اولوالعزم پیغمبروں کی وراثت ہے جو اقل قلیل کے نصیب ہوتا ہے۔ جب اس معاملہ میں اصول قلیل ہوں تو فروع ضرور ہی اقل و کمتر ہوں گے۔

سوال: ان معارف سے لازم آتا ہے کہ عارف بعض مراتب میں شریعت سے قدم باہر نکال لیتا ہے اور شریعت کے سوا عروج کرتا ہے۔

جواب: شریعت ظاہری اعمال کا نام ہے اور یہ معاملہ اس جہان میں باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلّف ہے اور باطن اس معاملہ میں گرفتار ہے۔ چونکہ یہ جہان دار عمل ہے۔ باطن کو ظاہری اعمال سے بڑی مدد ملتی ہے اور باطن کی ترقیات شریعت کے بجالانے پر جو ظاہر سے تعلق رکھتی ہے، منحصر اور موقوف ہیں۔ پس اس جہان میں ہر وقت ظاہر و باطن کے لیے شریعت کا ہونا ضروری ہے۔ ظاہر کا کام شریعت پر عمل کرنا ہے اور اس کے نتائج و ثمرات باطن کے نصیب ہیں۔

پس شریعت تمام کمالات کی ماں اور تمام مقامات کا اصل ہے۔ شریعت کے نتائج و ثمرات صرف اسی دنیاوی جہان پر موقوف نہیں ہیں بلکہ آخرت کے کمالات اور دائمی ناز و نعمت بھی شریعت کے نتائج و ثمرات میں سے ہیں۔ گویا شریعت شجرہ طیبہ ہے جس کے پھلوں اور میوون سے لوگ اس جہان میں بھی اور اس جہان میں بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور بہت سے فائدے اس سے حاصل کر رہے ہیں۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ کمالات نبوت میں بھی باطن حق کی طرف اور ظاہر خلق کی طرف ہوتا ہے اور آپ نے اپنے رسالوں اور مکتوبات میں لکھا ہے اور اوپر بھی گزر چکا ہے کہ مقام نبوت میں جو دعوت کا مقام ہے، کلی طور پر خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اس میں تطبیق کی وجہ کیا ہے۔

جواب: وہ معاملہ عروج سے تعلق رکھتا ہے اور مقام دعوت ہبوط و نزول سے وابستہ ہے۔ پس عروج کے وقت باطن حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور ظاہر خلق کی طرف تا کہ شریعت غرا کے موافق ان کے حقوق ادا ہوں اور ہبوط و نزول کے وقت کلی طور پر خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تا کہ خلق کو پورے طور پر خالق کی طرف دعوت کریں۔ اس میں کوئی منافات نہیں۔ اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ توجہ بخلق عین توجہ بحق ہے۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (جس طرف منہ پھیرو اسی طرف اللہ کی ذات ہے) اس کے یہ معنی نہیں کہ ممکن عین واجب ہے یا واجب کا آئینہ ہے۔ ممکن حقیر کی کیا طاقت ہے کہ واجب کا عین یا اس کا آئینہ بننے کے قابل ہو سکے بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ واجب تعالیٰ ممکن کا آئینہ ہے اور اشیاء واجب کے آئینہ میں اس طرح معلوم ہوتی ہے جس طرح اشیاء کی صورتیں صورت کے آئینہ میں جس طرح ان صورتوں کے لیے صورت کے آئینہ میں حلول و سریان نہیں۔ اسی طرح ان اشیاء کا واجب کے آئینہ میں کوئی حلول و سریان نہیں۔ کس طرح حلول متصور ہو سکے جب کہ آئینہ کے مرتبہ میں صورتوں کا وجود ہی نہیں۔ صورتوں کا وجود صرف مرتبہ وہم و خیال میں ہے۔

پس جس جگہ آئینہ ہے وہاں صورتیں نہیں اور جہاں صورت ہے وہاں آئینہ کو ہزار عار ہے کیونکہ خیالی نمود کے سوا صورتوں کا کچھ ثبوت نہیں اور وہی صورت کے تحقق کے سوا ان کا کوئی وجود نہیں۔ اگر مکان رکھتے ہیں مرتبہ وہم میں رکھتے ہیں اور اگر زمان رکھتے ہیں مرتبہ تخیل میں رکھتے ہیں لیکن چونکہ اشیاء کی نمود اور ہستی حق تعالیٰ کی صنعت سے ہے، اس لیے خلل اور سراعت زوال سے محفوظ ہے اور معاملہ ابدی اور آخرت کا ثواب و عذاب ان پر موقوف ہے۔

جاننا چاہئے کہ صورت کے آئینہ میں اول صورتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ پھر آئینہ کے شہود کے لیے دوسری التفات درکار ہے اور حق تعالیٰ کے آئینہ میں اول وہی آئینہ ملحوظ ہے۔ پھر اشیاء کے

شہود کے لیے دوسری التفات درکار ہیں اور نیز صورت کے آئینہ میں صورتیں بھی آئینہ کے احکام و آثار کے آئینے ہیں یعنی اگر آئینہ لمبا ہے تو صورتیں بھی لمبی ظاہر ہوتی ہیں اور آئینہ کی لمبائی کا مظہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر آئینہ چھوٹا ہے تو چھوٹا پن صورتوں کے آئینوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ برخلاف واجب تعالیٰ کی ذات کے آئینہ کے کہ اشیاء اس کے احکام و آثار کے آئینے نہیں ہوسکتیں کیونکہ اس مرتبہ علیہ میں کوئی حکم واثر نہیں بلکہ تمام نسبتیں وہاں مسلوب ہیں۔ پھر اشیاء کس چیز کا آئینہ ہوں اور کیا چیز دکھائیں۔

ہاں مراتب تنزل میں جو اسماء و صفات کے ثبوت کا مقام ہے، اگر اشیاء واجب کے احکام کی صورتوں کے آئینے ہوں تو ہو سکتا ہے۔ سمع و بصر و علم و قدرت جو اشیاء کے آئینوں میں ظاہر ہیں۔ مرتبہ وجوب کے سمع بصر و علم قدرت کی صورتیں ہیں جو ان اشیاء کا آئینہ ہے۔ یہ سب آئینہ کے احکام ہیں جو اشیاء ظاہری کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ واجب کے آئینہ میں اول وہی آئینہ ملحوظ ہے۔ پھر آئینہ میں ان اشیاء کے شہود کے لیے جو صورتوں کی طرح ہیں، دوسری التفات درکار ہے۔ یہ رجوع کے ابتداء حال میں ہے جب کہ وہ صورتیں نظر میں آتی ہیں جو پہلے پورے طور پر نظر سے دور ہو چکی تھیں۔ جب رجوع کا معاملہ تمام ہو جاتا ہے اور اشیاء میں دور دراز سیر واقع ہوتا ہے اور دائرہ امکان میں استقرار حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت شہود غیب سے بدل جاتا ہے اور ایمان شہودی ایمان غیبی ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب دعوت کا معاملہ تمام ہو جاتا ہے اور الرحیل یعنی کوچ کا آوازہ اس کو سنا دیتے ہیں، اس وقت یہ غیب بھی دور ہو جاتا ہے اور سوائے شہود کے کچھ نہیں رہتا لیکن یہ شہود اس شہود سے جو رجوع سے اول حاصل ہوتا ہے، اتم و اکمل ہوتا ہے کیونکہ وہ شہود جو آخرت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اس شہود کی نسبت جو دنیا سے تعلق رکھتا ہے، زیادہ کامل ہے۔

هَنِيئاً لِاَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی نعمت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

جاننا چاہیے کہ تحقیق سابق سے واضح ہوا ہے کہ شے کی صورت جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہے، اس کا ثبوت صرف خیال ہی میں ہے۔ آئینہ اس صورت کے حاصل ہونے سے اپنے محض و صرف تجرد پر ہے۔ ہاں کہہ سکتے ہیں کہ آئینہ اس صورت کے قریب ہے یا اس کو محیط ہے یا اس

کے ساتھ ہے۔ یہ قرب و احاطہ معیت اس قسم کا نہیں جیسے جسم کو جسم کے ساتھ یا جوہر کو عرض کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ یہ قرب و احاطہ اس قسم کا ہے جس کے تصور و ادراک سے عقل و فہم عاجز و کوتاہ ہیں۔ پس اس صورت میں قرب و معیت و احاطہ ثابت ہے لیکن کیفیت معلوم نہیں۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

اسی طرح وہ قرب و احاطہ و معیت جو حق تعالیٰ کے عالم کے ساتھ ہے۔ وہ مَعْلُوْمُ الْاَنِیَۃِ جبکہ مَجْھُوْلُ الْکَیْفِیَتُ ہے ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم کے قریب اور محیط اور اس کے ساتھ ہے لیکن اس کے قرب و احاطہ و معیت کی حقیقت نہیں جانتے کہ کیا ہے کیونکہ یہ صفات اشیاء کی صفات سے جدا ہیں اور امکان و حدوث کے نشانات سے علیحدہ ہیں۔ صرف ان کی تشبیہ و تمثیل عالم مجاز میں جو حقیقت کا پل ہے، ظاہر کی گئی ہے اور آئینہ و صورت کے طور پر ان کا اظہار کیا گیا ہے تا کہ باریک بین اور دانا لوگ حق تعالیٰ کی عنایت سے مجاز سے حقیقت کا پتہ لگائیں اور صورت سے معنی کی طرف آئیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۴۷

نصیحت و تنبیہ میں محمد قاسم بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس بھائی کے کلمہ کلام سے طلب کی حرارت مفہوم ہوتی ہے اور جمعیت کی بو آ رہی ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ دولت قرب صحبت ہی کا نتیجہ ہے مگر بیہودہ تعلقات نے آپ کو ایک ہفتہ تک بھی صحبت میں رہنے نہ دیا۔ آپ کی صحبت کے سارے دن شاید ہی دس ہوں تو ہوں۔ آپ کو خدا تعالیٰ سے شرم کرنی چاہئے کہ ہزار دنوں میں سے ایک دن بھی خدا تعالیٰ کے لیے نہیں نکال سکتے اور مختلف تعلقات سے ایک دن کے لیے بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ آپ پر حجت درست ہو چکی ہے اور آپ نے اپنے وجدان سے معلوم کر لیا ہے کہ اس صحبت میں ایک ساعت رہنا مجاہدوں کے کئی چلوں سے بہتر ہے۔ پھر آپ اس صحبت سے بھاگتے ہیں اور حیلہ و بہانہ سے ٹال دیتے ہیں۔ آپ کی استعداد کا جوہر قیمتی ہے لیکن کیا فائدہ جب کہ قوت سے فعل میں نہیں آیا۔ آپ کی استعداد بلند ہے لیکن ہمت پست ہے۔

بچوں کی طرح قیمتی جوہروں کو چھوڑ کر نکمے ٹھیکروں پر خوش ہو رہے ہو۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت   کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

ترجمہ: بوقت صبح ہوگا تجھ کو معلوم   کٹی کس کی محبت میں تری رات

اب بھی کچھ نہیں گیا۔ آپ اپنے اصل کا فکر کریں۔ اس غرض کے لیے سب سے بہت جمعیت والے لوگوں کی صحبت ہے۔ اگر یہ دولت میسر نہ ہو سکے تو ہر وقت ذکر الٰہی میں جو کسی صاحب دولت سے اخذ کیا ہے، مشغول رہیں اور جو کچھ ذکر کے منافی ہے، اس سے بچیں شرعی حل و حرمت میں بڑی احتیاط رکھیں۔ اس میں ہرگز سستی نہ کریں۔ پنج وقتی نماز کو جماعت سے ادا کریں اور تعدیل ارکان میں بڑی کوشش کریں اور اس امر کی بڑی حفاظت کریں کہ نماز مستحب اوقات میں ادا ہو جائے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب شے پر قادر ہے۔

مکتوب ۴۸

ماتم پرسی میں اور مقام رضا کی ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ محمد طالب بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

خواجہ محمد طالب آپ ہمیشہ مطلوب کے طالب رہے۔ آپ نے قرۃ العین محمد صدیق کے فوت ہونے کی خبر لکھی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

میرے برادر عزیز حق تعالیٰ مومنوں کے نزدیک ان کے مالوں، جانوں اور تمام اشیاء سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ زندہ کرنا اور مارنا اسی کا فعل ہے۔ اس میں کسی اور کا دخل نہیں۔ اس لیے اس کا فعل بھی زیادہ عزیز اور محبوب ہوگا۔ محبّ اپنے محبوب کے فعل سے لذت پاتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کو صبر کی ترغیب دینی مکروہ اور نامناسب ہے۔ مقام رضا اگرچہ رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے لیکن التذاذ کا مرتبہ امر دیگر ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت   ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند　　درنگرزاں پس کہ بعد از لاچہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت　　شاد باش اے عشق شرکت سوز و رفت

ترجمہ: عشق وہ شعلہ ہے جب روشن ہوا　　ماسوا معشوق کے سب جل گیا
تیغ لا سے قتل غیر حق کیا　　دیکھ اس کے بعد پھر کیا رہ گیا
رہ گیا اللہ باقی سب گیا　　مرحبا اے عشق تجھ کو مرحبا

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی سلام اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۴۹

اس بیان میں کہ ماسوا کا نسیان اس طریق کا پہلا قدم ہے۔ کوشش کریں تا کہ اس میں کوتاہی نہ ہو۔ خواجہ محمد گدا کی طرف صادر فرمایا ہے۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے نبی اور ان کی آل بزرگ پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

سب سے بہتر نصیحت جو اخی خواجہ محمد گدا کو کی جاتی ہے، یہ ہے کہ عقائد کلامیہ کے درست کرنے اور فقہیہ احکام کے بجا لانے کے بعد ہمیشہ ذکر الٰہی جل شانہ میں مشغول رہیں جس طرح کہ آپ نے سیکھا ہے۔ یہ ذکر اس قدر غالب آ جائے کہ باطن میں مذکور کے سوا کچھ نہ چھوڑے اور مذکور کے سوا تمام چیزوں کا علمی اور حبی تعلق دور ہو جائے۔ اس وقت دل کو ماسوی کا نسیان حاصل ہو جاتا ہے اور غیر کی دید و دانش سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اگر تکلف و بناوٹ سے بھی اس کو اشیاء یاد دلائیں تو اس کو یاد نہیں آتیں اور ان کو پہچان نہیں سکتا۔ ہمیشہ مطلوب میں فانی اور مستغرق رہتا ہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ اس راستہ میں ایک قدم طے ہوتا ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں بھی کوتاہی واقع نہ ہو اور غیر کی دید و دانش ہی میں گرفتار نہ رہیں۔ شعر

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند　　کس بمیدان درنمے آید سواراں راچہ شد

ترجمہ: گوئے توفیق و سعادت درمیاں میں ہے پڑا　　کوئی میدان میں نہیں آتا کہاں ہیں اب سوار

آپ کے تعلقات بظاہر کم نظر آتے ہیں مگر آپ شوق سے تعلق والوں کے ساتھ تعلق پا

لیتے ہیں۔ اَلرَّاضِیُ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (ضرر کا راضی نظر کا مستحق نہیں) مسئلہ مقررہ ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۵۰

اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے۔ ایک حقیقت اور اس بیان میں کہ ابتداء سے انتہاء تک شریعت کا ہونا ضروری ہے اور قلب کی تمکین اور نفس کے اطمینان اور اجزاء قالب کے اعتدال میں جو مرتبہ نبوت میں ہے اور اس کے مناسب بیان میں مرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت، صورت شریعت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان تمام چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہیں، ایمان لانے کے بعد نفس امارہ کی منازعت اور سرکشی اور طغیان کے باوجود جو اس کی طبیعت میں رکھا گیا ہے، احکام شرعیہ کا بجالانا ہے۔ اس مقام میں اگر ایمان ہے تو ایمان کی صورت ہے اور اگر نماز، روزہ ہے تو نماز روزہ کی صورت ہے۔ تمام احکام شریعہ اسی قیاس پر ہیں کیونکہ نفس جو وجود انسان میں سے عمدہ اور انا کے قول سے ہر ایک کا مشار الیہ ہے، اپنے فکر و انکار پر اڑا ہوا ہے۔ ایمان اور اعمال صالحہ کی حقیقت کس طرح متصور ہو سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ صرف صورت کو قبول فرما کر جنت کی خوشخبری دی ہے جو اس کی رضا کا مقام ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ نفس ایمان میں تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نفس کے مان لینے کی تکلیف نہیں فرمائی۔

ہاں جنت کی بھی صورت اور حقیقت ہے۔ اصحاب صورت جنت کی صورت سے محظوظ ہوں گے اور صاحبان حقیقت جنت کی حقیقت سے۔ اصحاب صورت اور ارباب حقیقت جنت کے ایک ہی میوہ کو کھائیں گے مگر صورت والوں کو اور لذت آئے گی اور حقیقت والوں کو اور۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنت میں ہوں گے اور ایک ہی میوہ کو کھائیں گی لیکن ہر

ایک کا مزہ ولذت جدا جدا ہوگا۔ اگر علیحدہ نہ ہوتو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام بنی آدم پر امہات المومنین کی فضیلت لازم آتی ہے۔

اور نیز لازم آتا ہے کہ جو شخص دوسرے شخص سے افضل ہو، اس کی عورت بھی اس دوسرے شخص سے افضل ہو کیونکہ عورت مرد کے ساتھ ملی جلی ہے۔ شریعت کی یہ صورت بشرط استقامت آخرت کی فلاح ونجات اور جنت میں داخل ہونے کا موجب ہے۔ جب شریعت کی صورت درست ہوگئی تو گویا ولایت عامہ حاصل ہوگئی۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔

اس وقت سالک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس بات کے لائق ہو جاتا ہے کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایت خاصہ کی طرف توجہ کرے اور نفس کو امارہ پن سے اطمینان کے درجے تک لے جائے لیکن یاد رہے کہ اس ولایت تک پہنچنے کی منزلوں کا طے کرنا بھی شریعت کے اعمال پر وابستہ ہے۔ ذکر الٰہی جل شانہ جو اس راہ میں سب سے بہتر وعمدہ ہے، شرعی امور میں سے ہے اور منہیات سے بچنا بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے اور فرائض کا ادا کرنا مقربات سے ہے اور راہ بین رہنما پیر کا طلب کرنا بھی تاکہ وسیلہ ہو سکے شرعی امور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو) غرض شریعت سے چارہ نہیں۔ خواہ شریعت کی صورت ہو خواہ شریعت کی حقیقت کیونکہ ولایت ونبوت کے تمام کمالات کی جڑ احکام شرعی ہیں۔ کمالات ولایت صورت شریعت کا نتیجہ ہیں اور کمالات نبوت حقیقت شریعت کا ثمرہ جیسے کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ولایت کا مقصد طریقت ہے جہاں ماسوا کی نفی مطلوب ہے اور غیر وغیریت کا رفع مقصود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ماسوا بالکل نظر سے دور ہو جاتا ہے اور دید میں اغیار کا نام ونشان نہیں رہتا تو فنا حاصل ہو جاتی ہے اور مقام طریقت ختم ہو جاتا ہے اور سیر الی اللہ تمام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مقام اثبات میں سیر شروع ہو جاتا ہے جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی مقام بقاء ہے جو حقیقت کا موطن ہے جو ولایت سے اعلیٰ مقصد ہے۔ اس طریقت وحقیقت پر جو فنا وبقاء ہے، ولایت کا اسم صادق آتا ہے اور امارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے اور کفر وانکار سے ہٹ جاتا ہے اور اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے اور مولیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور

اس کی پیدائشی کراہت دور ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کہتے ہیں کہ نفس مقام اطمینان میں بھی آ کر اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا۔

ہر چند کہ نفس مطمئنہ گردد ہرگز زصفات خود نگردد

ترجمہ: نفس اگرچہ مطمئنہ ہو جائے پر اپنی صفات سے نہ باز آئے

جہاد اکبر جو اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَکْبَرِ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہیں۔

اس سے مراد نفس کا جہاد ہے مگر جو کچھ فقیر کے کشف میں آیا ہے اور اپنے وجدان سے معلوم کیا ہے، اس حکم متعارف و مشہور کے برخلاف ہے۔ اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد یہ فقیر نفس میں کسی قسم کی سرکشی اور نافرمانی معلوم نہیں کرتا بلکہ اس کو تابعداری کے مقام میں برابر دیکھتا ہے اور قلب متمکن کی طرح جس سے ماسوا کا نسیان ہو چکا ہے، معلوم کرتا ہے کیونکہ نفس اس وقت غیر و غیریت کی دید و دانش سے گزرا ہوتا ہے اور جب جاہ و ریاست اور لذت و الم سے آزاد ہوا ہوتا ہے پھر مخالف و سرکشی کہاں۔ ہاں اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد مخالف و سرکشی کی مجال نہیں۔ فقیر نے ہر چند اس بارہ میں غور کی نظر سے دیکھا اور اس معمہ کے حل میں اور دور تک فکر کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان لوگوں کی مقررہ بات کے برخلاف ہی نظر آیا یعنی نفس مطمئنہ میں کسی قسم کی سرکشی اور مخالفت نہ پائی اور فانی اور ناچیز ہونے کے سوا اس میں کچھ نہ دیکھا۔ جب نفس اپنے آپ کو مولا جل شانہ پر فدا کر دے پھر مخالفت کہاں ہو سکتی ہے اور جب نفس اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گیا تو طغیان و سرکشی جو رضا کے منافی ہے، کس طرح ہو سکتی ہے۔ حق تعالیٰ کی مرضی ہرگز نامرضی نہیں ہو سکتی اور جہاد اکبر سے مراد فقیر کے نزدیک وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ ہو سکتا ہے کہ قالب کا جہاد ہو جو مختلف طبیعتوں سے مرکب ہے اور اس کی ہر ایک طبیعت ایک امر کو چاہتی ہے اور دوسرے سے بھاگتی ہے۔ اگر قوت شہوی ہے تو وہ بھی قالب سے پیدا ہے اور اگر غضبی ہے تو وہ بھی وہیں سے ظاہر ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ تمام حیوانات جن میں نفس ناطقہ نہیں ہے۔ ان میں یہ تمام صفات رذیلہ موجود ہیں اور شہوت و غضب و شرہ و حرص سے متصف ہیں۔ یہ جہاد ہمیشہ تک قائم ہے۔ نفس کا اطمینان اس جہاد کو کم نہیں کر سکتا اور قلب کی تمکین اس لڑائی کو رفع نہیں کر سکتی۔ اس

جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے ہیں جو قالب کے پاک وصاف کرنے میں کام آتے ہیں حتیٰ کہ اس جہان کے کمالات اور آخرت کا معاملہ اصل میں اسی پر وابستہ ہے کیونکہ اس جان کے کمالات میں قالب تابع ہے اور قلب متبوع۔ وہاں کام برعکس ہے۔ قلب تابع ہے اور قالب متبوع۔ جب یہ جہان درہم برہم ہو جائے گا اور وہ جہان پر توڈالے گا یہ جہاد و قتال بھی ختم ہو جائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس مقام اطمینان میں آجاتا ہے اور حکم الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے تو اسلام حقیقی میسر ہو جاتا ہے اور ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ بعدازاں جو کچھ عمل میں آئے گا، شریعت کی حقیت ہوگی۔ اگر نماز ادا کرے گا تو نماز کی حقیقت ہوگی اور اگر روزہ یا حج ہے تو روزہ و حج کی حقیقت ہوگی۔ دوسرے احکام شرعیہ کا بجالانا بھی اسی قیاس پر ہوگا۔ پس طریقت وحقیقت دونوں شریعت کی صورت اور اس کی حقیقت کے درمیان متوسط ہیں۔ جب تک ولایت خاصہ سے مشرف نہ ہوں۔ اسلام مجازی سے اسلام حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب سالک محض فضل خداوندی سے شریعت کی حقیقت کے ساتھ آراستہ ہو جاتا ہے اور اس کو اسلام حقیقی میسر ہو جاتا ہے تو اس بات کے لائق ہو جاتا ہے کہ کمالات نبوت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر کامل حصہ پائے جس طرح شریعت کی صورت کمالات ولایت کے لیے شجرہ طیبہ یعنی پاک درخت کی طرح ہے۔ گویا کمالات ولایت صورت شریعت کے ثمرات ہیں۔ اسی طرح شریعت کی حقیقت بھی کمالات نبوت کے لیے شجرہ طیبہ کی طرح ہے اور کمالات نبوت گویا حقیقت شریعت کے ثمرات ہیں۔ جب ولایت کے کمالات صورت کا ثمرہ ہیں اور کمالات نبوت حقیقت کا ثمرہ تو اس لحاظ سے کمالات نبوت حقائق کی طرح ہوں گے اور کمالات ولایت ان کی صورتوں کی طرح۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح صورت شریعت اور حقیقت شریعت کے درمیان فرق نفس کی جہت سے پیدا ہوا تھا یعنی صورت شریعت میں نفس امارہ نافرمان اور اپنے انکار پر تھا اور حقیقت شریعت میں نفس مطمئنہ اور مسلمان ہو گیا ہے اسی طرح کمالات ولایت میں جو صورتوں کی طرح ہیں اور کمالات نبوت میں جو حقیقتوں کی مانند ہیں۔ قالب کی جہت سے فرق ہے۔ مقام ولایت میں قالب کے اجزاء اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہیں آتے۔ مثلاً اس کا

جزو ناری نفس کے اطمینان کے باوجود اپنی بہتری اور تکبر کا دعویٰ نہیں چھوڑتا اور جزو خاکی اپنی خست اور کمینہ پن سے پشیمان نہیں ہوتا۔ دوسرے اجزاء کا بھی یہی حال ہوتا ہے مگر کمالات نبوت کے مقام پر قالب ۔کے اجزاء بھی اعتدال پر آجاتے ہیں اور افراط و تفریط سے ہٹ جاتے ہیں۔

ممکن ہے کہ اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو کہ اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ یعنی میرا شیطان بھی مسلمان ہو گیا ہے جس طرح شیطان آفاق میں ہے۔ نفس میں بھی ہے اور وہ جزو ناری ہے جو خیریت و بہتری کا مدعی اور تکبر و رفعت کا خواہاں ہے جو تمام صفات رذیلہ میں سے بدتر صفات ہیں اور اس کے اسلام لانے سے مراد یہ ہے کہ یہ صفات رذیلہ اس سے دور ہو جائیں۔ پس کمالات نبوت میں قلب کی تمکین بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور قالب کے اجزاء کا اعتدال بھی اور ولایت میں صرف قلب کی تمکین ہے یا کچھ کچھ نفس کا اطمینان اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ کچھ کچھ نفس کا اطمینان۔ اس لیے کہا ہے کہ نفس کو کامل اور بے تکلف اطمینان اجزاء قالب کے اعتدال کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب ولایت اجزاء قالب کے معتدل نہ ہونے کے باعث مطمئنہ کا صفات بشریت کی طرف رجوع کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا مگر وہ اطمینان جو نفس کو اجزاء قالب کے اعتدال کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ صفات رذیلہ کی طرف رجوع کرنے سے پاک و مبرا ہے۔

پس نفس کے رذائل کی طرف رجوع کرنے یا نہ کرنے کا اختلاف نظروں اور مقامات کے اختلافات پر مبنی ہے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مقام کی نسبت خبر دی ہے اور جو کچھ کسی حاصل ہوا ہے، اسی کی نسبت گفتگو کی ہے۔

سوال: جب قالب کے اجزاء بھی حد اعتدال پر آجائیں اور سرکشی اور نافرمانی سے ہٹ جائیں پھر ان کے ساتھ جہاد کی کیا ضرورت ہے؟ نفس مطمئنہ کے جہاد کی کیا صورت ہے۔ نفس مطمئنہ کے جہاد کی طرح ان کا جہاد بھی مرتفع ہے۔

جواب: مطمئنہ اور ان اجزاء کے درمیان فرق ہے کیونکہ مطمئنہ فانی اور ناچیز ہے اور ... سے ملا ہوا ہے۔ جو کمال فنا اور سکر سے متصف ہے اور یہ اجزاء احکام شرعیہ کے بجالانے کے باعث جن کی بنیاد صحو پر ہے، فنا و سکر کے ساتھ مناسبت نہیں کرتے اور جو فانی اور مستہلک ہو

اس میں مخالفت کی گنجائش نہیں رہتی اور وہ جو صحو رکھتا ہے۔ اگر بعض مصلحتوں اور منافع کے واسطے بعض امور میں مخالفت کی صورت ظاہر کرے تو ہوسکتا ہے امید ہے کہ یہ مخالفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترک مستحب سے اوپر نہ جائے گی اور مکروہ تنزیہی کے ارتکاب سے نیچے نہ آئے گی۔ پس قالب کے مرتبہ میں اس کے اجزاء کے اعتدال کے باوجود جہاد متصور ہوگا اور مطمئنہ میں جہاد ناجائز ہوگا۔

اس بحث کی تحقیق مکتوبات کی جلد اول میں اس مکتوب میں جو طریق کے بیان میں اپنے فرزند اعظم مرحوم کے نام لکھا ہے، مفصل طور پر درج ہو چکی ہے۔ اگر کوئی امر پوشیدہ رہ گیا ہو تو وہاں سے معلوم کرلیں۔

مگر محض فضل خداوندی جل شانہ سے کمالات نبوت بھی جو حقیقت شریعت کے نتائج و ثمرات ہیں، انجام تک پہنچ جائیں تو آگے ترقیات وہاں اعمال پر موقوف نہیں۔ اس مقام کا معاملہ حق تعالیٰ کے محض فضل و احسان پر موقوف ہے وہاں اعتقاد کا کچھ اثر نہیں علم و عمل کی کچھ حقیقت نہیں۔ فضل در فضل و کرم در کرم ہے۔ یہ مقام پہلے تمام مقامات کی نسبت بہت بلند اور وسیع ہے اور اس قسم کی نورانیت رکھتا ہے جس کا پہلے مقامات میں کچھ اثر نہ تھا۔ یہ مقام اصلی طور پر اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے یا کچھ کچھ ان لوگوں کے ساتھ جن کو وراثت و تبعیت کے طور پر اس مقام سے مشرف فرمائیں۔

بر کریماں کا رہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

اس مقام میں کوئی یہ غلطی نہ کھا جائے اور یہ نہ کہے کہ اس مقام میں شریعت کی صورت و حقیقت سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے اور احکام شرعیہ کے بجا لانے کی کچھ حاجت نہیں رہتی کیونکہ میں کہتا ہوں کہ شریعت ہی اس کام کا اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت جس قدر بلند اور سرفراز ہوتا جائے اور دیوار جس قدر بلند ہوتی جائے اور اس پر بلند مکان بنتے جائیں اصل و بنیاد سے مستغنی نہیں ہوتے اور ذاتی احتیاج ان سے زائل نہیں ہوتی۔ مثلاً خانہ بلند خواہ کس قدر اونچا ہو جائے اور پستی سے بہت دور تک بلند ہو جائے نیچے کے گھر کے سوا اس کا چارہ نہیں اور نیچے کے گھر سے اس کی احتیاج دور نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض نچلے گھر میں کسی قسم کا خلل

پڑ جائے تو اوپر کے خانہ میں بھی وہ خلل اثر کر جائے گا اور نچلے گھر کا زوال اوپر کے گھر کو زائل کر دے گا۔

پس شریعت ہر وقت و ہر حال میں درکار ہے اور ہر شخص اس کے احکام بجالانے کا محتاج ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معاملہ اس مقام سے بھی بلند ہو جائے اور تفضل سے محبت کی نوبت آ جائے تو اس سے آگے ایک اور نہایت بلند مقام آتا ہے جو اصلی طور پر خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور وراثت و تبعیت کے طور پر دیکھیں کس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ اس بلند محل میں جو نہایت بلندی کے باعث اچھی طرح نظر نہیں آ سکتا، یہ فقیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو وراثت کے طور پر ناف تک داخل شدہ معلوم کرتا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی اسی دولت سے سرفراز ہیں اور امہات المومنین میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی ازدواج کے علاقہ کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دیکھتا ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ پوری حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بہتری ہمارے نصیب کر) برادرم عزیز معارف آگاہ شیخ عبدالحیٔ جو مدتوں اور سالوں تک فقیر کی صحبت میں رہے ہیں، اب چونکہ اپنے وطن کی طرف جانے والے تھے اور وہ مقام بھی انہی کی جناب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لیے چند سطریں لکھی گئی ہیں اور مشارالیہ کے احوال پر اطلاع دی گئی ہے۔ اہل اللہ کا وجود جہاں کہیں ہو، غنیمت ہے اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے موجب بشارت ہے۔ فَطُوْبٰی مِنَ عَرَفَھُمْ (مبارک ہیں وہ لوگ جو ان کو پہچان لیں۔ اسی جگہ برادرم عزیز شیخ نور محمد بھی اقامت رکھتے ہیں اور فقر و نامرادی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس جگہ پر رشک آتا ہے جہاں اس قسم کے دو اہل اللہ جمع ہیں اور قران السعدین یعنی دو نیک ستاروں کا اجتماع متحقق و ثابت ہے۔ والسلام

مکتوب ۵۱

حق تعالیٰ کا بعض کاملین کے ساتھ بالمشافہ و رو برو کلام کرنے کے بیان میں خواجہ محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

برادرم محمد صدیق کو واضح ہو کہ حق تعالیٰ کی کلام بندے کے ساتھ کبھی روبرو بلاواسطہ ہوتی ہے۔ اس قسم کی کلام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے بعض افراد کے لیے ثابت ہے اور کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کے لیے بھی ہوتی ہے جو وراثت وتبعیت کے طور پر ان کے کمالات سے مشرف ہوتے ہیں۔ جب اس قسم کی کلام ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بکثرت ہو تو ایسے شخص کو محدث کہتے ہیں۔ جیسے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ کلام الہام اور القاء روحانی اور قلبی اور اس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتی ہے، الگ ہے۔ اس قسم کی کلام کے ساتھ انسان کامل مخاطب ہوتا ہے جو عالم امر و عالم خلق اور روح ونفس اور عقل وخیال کا جامع ہو۔ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

روبرو کلام کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلام کرنے والا سننے والے کو دکھائی دیتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سننے والے کی آنکھیں کمزور وضعیف ہوں جو متکلم کے انوار کی چمک برداشت نہ کر سکتی ہوں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں جو رویت کی بابت آپ سے پوچھا گیا تھا، فرمایا کہ نور انی اراہ۔ وہ نور ہے، میں اس کو کیسے دیکھ سکوں نہ کہ وجودی، فافہم۔ یہ معرفت شریفہ اس قسم کی ہے کہ آج تک کسی نے بیان نہیں کی۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۵۲

اس گروہ بلند کی محبت کی ترغیب میں خواجہ مہدی علی کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

آپ کا صحیفہ شریفہ جو کمال محبت واخلاص سے صادر فرمایا تھا، مع ہدیوں اور تحفوں کے پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس گروہ کی محبت پر استقامت عطا فرمائے اور قیامت کو انہی کے ساتھ اٹھائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔ اور ان کا انیس وحبیب محروم نہیں

ہوتا۔ هُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ اِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللّٰهُ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آ جاتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پا لیا۔ ان کی نظر دوا ہے اور ان کی کلام شفا اور ان کی صحبت سراپا نور وضیاء ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا، محروم و ناامید ہوا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا بزرگ ہو گیا۔

کسی نے کیا اچھا کہا ہے کہ الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھے پا لیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا یعنی ان کا پہچاننا اور تیرا پانا ایک دوسرے سے الگ نہیں۔

تقدم ذاتی ایک اعتبار سے شناخت کو ہے اور ایک اعتبار سے یافت کو اور کہنے والے کے نزدیک مختار اس طرف کی تقدیم ہے کیونکہ وہ مبدء ہے اور اسی کی طرف سے ہدایت بہتر اور مناسب ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَدَيْكُمْ.

مکتوب ۵۳

اس استفسار کے جواب میں کہ اگر عبادت کروں تو نفس کو استغنا حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی لغزش اور خلاف شرع کار مجھ سے صادر ہو تو شکستگی اور ندامت پیدا ہوتی ہے۔ گردونواح کے مشائخ کی طرف لکھا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

آپ نے پوچھا تھا کہ اگر میں اپنے آپ کو ریاضت و عبادت میں مشغول کرتا ہوں تو نفس میں استغنا پیدا ہوتی ہے اور جانتا ہے کہ میرے جیسا کوئی نیک نہیں اور اگر کوئی خلاف شرع امر صادر ہوتا ہے تو اپنے آپ کو عاجز و محتاج خیال کرتا ہے، اس کا علاج کیا ہے۔

اے توفیق کے نشان والے شق ثانی میں احتیاج و فروتنی کا پیدا ہونا جو ندامت کی خبر دیتا ہے۔ نعمت عظیم ہے اور اگر خلاف شرع کر چکنے کے بعد ندامت بھی جو توبہ کی شاخ ہے، پیدا نہ ہو اور گناہ کر لینے سے متلذذ و محظوظ ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کیونکہ گناہ کی لذت حاصل کرنا گناہ پر اصرار کرنا ہے اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا کفر کی دہلیز ہے۔ اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے تا کہ زیادہ زیادہ ندامت پیدا ہو اور خلاف شریعت

کرنے سے ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو زیادہ دوں گا۔)

شقل اول کا حاصل اعمال صالحہ کے بجالانے سے عجب وتکبر کا حاصل ہونا ہے۔ یہ ایسا زہر قاتل اور مرض مہلک ہے جو عمل صالحہ کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ جیسے کہ آگ ایندھن کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے، عجب وتکبر کا باعث یہ ہے کہ اعمال صالحہ عامل کی نظر میں زیبا و پسندیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ فَالْمُعَالَجَةُ بِالْاَضْدَادِ (علاج ضد کے ساتھ ہوتا ہے) یعنی اپنی نیکیوں کو مہتم یعنی تہمت زدہ معلوم کرے اور نیکیوں کی پوشیدہ قباحتوں کو نظر میں لائے تاکہ اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو قاصر و کوتاہ جانے بلکہ لعنت اور رد ہونے کے لائق خیال کرے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهٗ وَكَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّلْمَاءُ وَالْجُوْعُ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے اور بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزہ سے سوائے بھوک پیاس کے ان کو کچھ حاصل نہیں۔

یہ خیال نہ کریں کہ آپ کی نیکیوں میں کوئی برائی نہیں۔ اگر آپ تھوڑی سی توجہ سے بھی کام لیں گے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی تمام نیکیاں برائیاں ہی برائیاں ہیں اور ان میں کسی قسم کی حسن وخوبی نہیں۔ پھر عجب واستغنا کہاں بلکہ اپنے اعمال کو قاصر دیکھنا اس قدر غالب آئے گا کہ آپ نیکیوں کو بجا لانے سے شرمندہ اور نادم ہوں گے نہ کہ متکبر و مغرور۔ جب اعمال میں دید قصور پیدا ہو جائے اعمال کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور قبولیت کے لائق ہو جاتے ہیں، کوشش کریں کہ یہ دید پیدا ہو جائے تاکہ عجب وتکبر دور ہو جائے۔ وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقَتَادِ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبِّيْ شَيْئًا (ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مشکل نہیں) بعض لوگ جن کو یہ دید قصور کامل طور پر حاصل ہو جاتی ہے، ایسا خیال کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ یعنی نیکیوں کا لکھنے والا معطل اور بیکار ہے اور کوئی نیکی نہیں جو اس کے لکھنے کے لائق ہو اور بائیں ہاتھ یعنی برائیوں کا لکھنے والا ہمیشہ اپنے کام میں ہے کیونکہ جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے اس کی نظر میں برا ہی دکھائی دیتا ہے۔ جب عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہے جو ہوتا ہے۔

قلم ایں جا رسید و سر بشکست

ترجمہ: یہاں آ کر قلم کا کٹ گیا سر

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۵۴

اس بیان میں کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت کے بہت سے مرتبے اور درجے ہیں۔ اور وہ سات درجے ہیں اور ہر ایک درجہ کی تفصیل میں سید شاہ محمد کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے، کئی درجے اور مرتبے رکھتی ہے۔

پہلا درجہ عوام اہل اسلام کے لیے ہے یعنی تصدیق قلبی کے بعد اور اطمینان نفس سے پہلے جو درجہ ولایت سے وابستہ ہے، احکام شرعیہ کا بجالانا اور سنت سنیہ کی متابعت ہے اور علماء ظاہر اور عابد زاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا۔ سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں۔ چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار ہی پر اڑا ہوا ہوتا ہے، اس لیے یہ درجہ متابعت کی صورت پر مخصوص ہے۔ متابعت کی یہ صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔ بیت

مے توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول　　　اے کہ در ساختہ قطرہ بارانی را

ترجمہ بیت:

بنایا قطرہ باراں کو جس نے ہے گوہر　　　عجب نہیں میرا رونا کرے قبول نظر

متابعت کا دوسرا درجہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً تہذیب اخلاق اور بری صفتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور

اندرونی بیماریوں کا رفع کرنا وغیرہ جو مقام طریقت کے متعلق ہیں۔ اتباع کا یہ درجہ ارباب سلوک کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو طریقہ صوفیہ کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

متابعت کا تیسرا درجہ۔ آنحضرت ﷺ کے ان احوال و اذواق و مواجید کی اتباع ہے۔ جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ان ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہیں۔ جب مرتبہ ولایت ختم ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے ہٹ جاتا ہے تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے۔ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے۔ اگر نماز ادا کرتا ہے تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ ہے یا زکوٰۃ اس کا بھی یہی حال ہے۔ غرض تمام احکام شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

سوال:- نماز و روزوں کی حقیقت کے کیا معنی ہیں۔ نماز و روزہ افعال مخصوصہ ہیں۔ اگر یہ افعال فرمان کے بموجب ادا ہو جائیں تو حقیقت پائی جائے گی۔ پھر صورت و حقیقت کے کیا معنی؟

جواب:- مبتدی چونکہ نفس امارہ رکھتا ہے جو ذاتی طور پر آسمانی احکام کا منکر ہے۔ اس لیے احکام شرعی کا بجالانا اس کے حق میں باعتبار صورت کے ہے اور منتہی کا نفس چونکہ مطمئنہ ہو جاتا ہے اور رضا و رغبت سے احکام شرعی کو قبول کر لیتا ہے، اس سے احکام شرعی کا صادر ہونا باعتبار حقیقت کے ہے۔

مثلاً منافق و مسلم دونوں نماز کو ادا کرتے ہیں۔ منافق چونکہ باطن کا انکار رکھتا ہے، اس لیے نماز کی صورت بجالاتا ہے اور مسلمان باطنی اتباع کے باعث نماز کی حقیقت سے آراستہ ہے۔ پس صورت و حقیقت باعتبار اقرار اور انکار باطن کے ہے۔

مذکورہ بالا درجہ یعنی کمالات ولایت خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد (جو اتباع کا تیسرا مرتبہ ہے) نفس کے مطمئن ہونے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ۔ متابعت کا چوتھا درجہ ہے۔ پہلے درجہ میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیم کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی تمکین کے بعد تھوڑا سا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمال اطمینان نفس کو کمالات نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا

ہے۔ جن کمالات سے علماء راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے۔ پس علماء راسخین نفس کے کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے، متحقق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے، اس لیے کبھی شریعت کی صورت سے اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔ علماء راسخین کا میں ایک نشان بتاتا ہوں تاکہ کوئی ظاہر دان رسوخ کا دعویٰ نہ کرے اور اپنے نفس امارہ کو مطمئنہ خیال نہ کرے۔

عالم راسخ وہ شخص ہے جس کو کتاب و سنت کی متشابہات کی تاویلات سے بہت سا حصہ حاصل ہو اور حروف مقطعات کے اسرار کو جو قرآنی سورتوں کے اول ہیں، بخوبی جانتا ہو۔ متشابہات کی تاویل پوشیدہ اسرار میں سے ہے تو خیال نہ کرے کہ یہ تاویل بھی اسی طرح ہے جس طرح ید کی تاویل قدرت سے اور وجہ کی تاویل ذات سے کرتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق علم ظاہر سے ہے۔ اسرار کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہیں۔ ان اسرار کے مالک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان رموز و اشارات سے انہی بزرگوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے یا وہ لوگ جن کو وراثت و تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

متابعت کا یہ درجہ جو نفس کے اطمینان اور صاحب شریعت کی متابعت حقیقت تک پہنچنے پر موقوف ہے۔ کبھی فنا اور سلوک و جذبہ کے وسیلہ کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات میں سے کچھ بھی درمیان نہیں آتا اور یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے لیکن دوسرے راستہ کی نسبت ولایت کے راستہ سے اس دولت تک پہنچنا آسان اور اقرب ہے اور وہ دوسرا راستہ اس فقیر کے خیال میں سنت سنیہ کی متابعت اور بدعت کے اسم و رسم سے اجتناب کرنا ہے۔ جب تک بدعت حسنہ سے بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت کی بو روح کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیرے میں پھنسا ہوا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے۔

اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے اور سنتوں کو محو کرتے ہیں۔ شائع اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کی بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو

جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں جو تعامل معتبر ہے وہ وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے جیسے کے فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے۔

شیخ السلام شہید رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم بلخ کے مشائخ کے استحسان پر فتویٰ نہیں دیتے بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب کے استحسان کے موافق فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا بلکہ وہ تعامل جواز پر دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے استمرار کے طور پر ہوتا چلا آیا ہے تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر پر دلیل ہو اور لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تمام شہروں میں بہت لوگوں سے بطریق اجماع ثابت ہو تو اس وقت جائز ہوگا کیونکہ اجماع حجت ہے۔ کیا نہیں جانتے کہ اگر وہ شراب کی بیع اور سود پر تعامل کریں تو اس کے حلال ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے گا اور اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تمام مخلوقات کے تعامل اور تمام شہروں اور قصبوں کے عمل کا علم انسان کی طاقت سے خارج ہے۔

باقی رہا تعامل صدر اول کا جو درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر ہے اور سنت سنیہ کی طرف راجع ہے۔ اس میں بدعت کہاں اور بدعت حسنہ کجا۔ اصحاب کرام کے لیے تمام کمالات کے حاصل ہونے میں حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کافی تھی اور علماء سلف میں سے جو لوگ اس رسوخ کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں، بغیر اس بات کے کہ طریقہ صوفیا کو اختیار کریں اور سلوک و جذبہ سے مسافت کو قطع کریں۔ وہ لوگ سنت سنیہ کی متابعت اور بدعت نامرضیہ سے پورے طور پر بچنے کی بدولت اس رسوخ فی العلم کی دولت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰى مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ وَجَنِّبْنَا عَنْ اِرْتِكَابِ الْبِدْعَةِ بِحُرْمَةِ صَاحِبِ السُّنَّةِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (یا اللہ تو صاحب السنت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم کو سنت کی متابعت پر ثابت رکھ اور بدعت کے بجالانے سے بچا۔)

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم وعمل کا دخل نہیں بلکہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم پر موقوف ہے۔ یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے۔ اس درجہ کے مقابلہ میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ کمالات اصل میں اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت و

دراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا، اس چھٹے درجے میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل و احسان سے برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجہ کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقامات عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے۔ تمکین قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور اجزاء قالب کا اعتدال بھی جو طغیان و سرکشی سے باز آگئے ہوتے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزاء ہیں اور یہ درجہ ان اجزاء کا کل ہے۔ اس مقام میں تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے، اصل سے لیتا ہے۔ گویا دونوں ایک چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی طرح ہم آغوش و ہمکنار اور ایک بستر پر ہیں اور شیر و شکر کی طرح ہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون اور تبعیت کس کے لیے ہے۔ نسبت کے اتحاد میں تغائر کی نسبت کچھ گنجائش نہیں۔

عجب معاملہ ہے اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تبعیت کی نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور تابعیت و متبوعیت کی امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتی۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طفیلی اور وارث جانتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی و وارث اور اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے اور طفیلی و وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں۔ تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی ضمنی ہمنشین غرض جو دولت آئی ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے آئی ہے اور یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس

دولت سے حصہ پاتے ہیں اوران کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں۔ بیت

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم این بس کہ رسد زدور بانگ جرسم

ترجمہ بیت

جس قافلہ میں یار ہے جاسکتا نہیں میں بس دور سے آواز جرس سنتا ہوں یہیں میں

کامل تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں۔ درجوں کے اختلاف کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے۔ علماء ظاہر پہلے درجہ پر ہی خوش ہیں۔ کاش یہ لوگ درجہ اول کو ہی سرانجام کرلیں۔ انہوں نے متابعت کو صورت شریعت پر موقوف رکھا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور امر خیال نہیں کرتے اور طریقہ صوفیاء کو جو درجات متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے۔ بیکار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر علماء ہدایہ اور بزدوی کے سوا کسی اور امر کو اپنا پیر و مقتدا نہیں جانتے۔ بیت

چو آں کرمے کہ درسنگے نہان است زمین و آسمان اوہمان است

ترجمہ بیت:

وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے وہیں اس کا زمین و آسمان ہے

حَقَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ بِحَقِیْقَۃِ الْمُتَابَعَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالْبَرَکَۃُ وَالتَّحِیَّۃُ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَتِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ الْکِرَامِ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْعِظَامِ وَجَمِیْعِ اَتْبَاعِہِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ. (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدہ متابعت کی حقیقت سے واقف کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بھائی تمام پیغمبروں اور فرشتوں اور تمام تابعداروں پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ والسلام و برکت و تحفے نازل ہوں۔

مکتوب ۵۵

اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب اور اس بیان میں کہ اس کام کی اصل شریعت ہے اور صوفیاء علیا کی تعریف اور اس امر میں کہ احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں اور اس

کے مناسب بیان میں مخدوم زادوں یعنی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

قرآن مجید تمام احکام شرعیہ بلکہ تمام گزشتہ شریعتوں کا جامع ہے۔ اس شریعت کے بعض احکام شریف اس قسم کے ہیں جو نص کی عبارت اور اشارت اور دلالت اور اقتضا سے مفہوم ہوتے ہیں۔ اس قسم کے احکام کے فہم میں تمام خاص و عام اہل لغت برابر ہیں۔ دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اجتہاد اور استنباط سے مفہوم ہوتے ہیں۔ یہ فہم ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے جن میں سے اول آنحضرت ﷺ کی امت کے تمام مجتہد ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ے زمانہ میں جو وحی کا زمانہ تھا، احکام اجتہادیہ خطاب وصواب کے درمیان متردد نہ تھے بلکہ وحی قطعی کے ساتھ حق باطل سے اور صواب خطا سے الگ اور متمیز ہو جاتا تھا کیونکہ پیغمبر کو خطا پر ثابت و برقرار رکھنا جائز نہیں۔ برخلاف ان احکام کے جو زمانہ وحی کے ختم ہو جانے کے بعد مجتہدوں کے استنباط کے طریق پر حاصل ہوئے ہیں اور جو صواب و خطا میں متردد ہیں، اسی واسطے وہ احکام اجتہادیہ جو وحی کے زمانہ میں مقرر ہوئے ہیں۔ یقین کا فائدہ دیتے ہیں جن سے عمل و اعتقاد کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور زمانہ وحی کے بعد کے احکام ظن کا موجب ہیں جو مفید عمل ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں۔

قرآن مجید کے تیسری قسم کے احکام اس قسم کے ہیں جن کے سمجھنے سے انسان کی طاقت عاجز ہے۔ جب تک احکام کے نازل کرنے والے جل شانہ کی طرف سے اطلاع نہ ملے، ان احکام کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس اعلان و اطلاع کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ پیغمبر کے سوا کسی اور کو یہ اطلاع نہیں دیتے۔ یہ احکام اگرچہ کتاب ہی سے ماخوذ ہیں لیکن چونکہ ان احکام کا مظہر پیغمبر ہے۔ اس لیے یہ احکام سنت کی طرف منسوب ہوئے ہیں کیونکہ ان کا مظہر سنت ہے۔ جس طرح احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ قیاس ان احکام کا مظہر ہے۔ پس سنت و قیاس دونوں احکام کے مظہر ہیں۔

اگر چہ ان دونوں مظہروں کے درمیان بہت فرق ہے۔ ایک آراء کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کی مجال ہے اور دوسرا حق تعالیٰ کے اعلام سے موید ہے جس میں خطا کی گنجائش نہیں۔ قسم اخیر اپنی اصل کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے۔ گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے۔ اگر چہ تمام احکام کو ثابت کرنے والی فقط وہی کتاب عزیز ہے۔

جاننا چاہئے کہ احکام اجتہادیہ میں پیغمبر کے غیر کو پیغمبر کے ساتھ خلاف کی مجال ہے۔ بشرطیکہ وہ غیر شخص مرتبہ اجتہاد تک پہنچ چکا ہو لیکن ان احکام میں جو نص کی عبارت و دلالت و اشارت سے ثابت ہیں اور ایسے ہی ان احکام میں جن کا مظہر سنت ہے۔ کسی کو مخالفت کی مجال نہیں بلکہ تمام امت پر ان احکام کی اتباع لازم ہے۔ پس امت کے مجتہدوں کو لازم نہیں کہ احکام اجتہادیہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کی متابعت کریں بلکہ اس مقام میں ان کی اپنی رائے کی متابعت بہتر اور صواب ہے۔

یہاں ایک دقیقہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے۔ وہ پیغمبر جو اولوالعزم پیغمبروں کی متابعت کرتے تھے، ان پر انہی احکام کا اتباع واجب ہوتا ہے جو ان کتابوں اور صحیفوں میں نص کی عبارت و اشارت و دلالت سے ثابت تھے۔ نہ ان احکام میں جو ان کے اجتہاد اور سنتوں سے ظاہر ہوئے تھے کیونکہ احکام اجتہادیہ میں جب امت کے مجتہد کو متابعت لازم نہیں جیسے کہ گزر چکا تو پیغمبر متابعت کرنے والے کو کس طرح متابعت لازم ہوگی اور وہ احکام جن کا مظہر سنت ہے جس طرح پیغمبر اولوالعزم کو یہ احکام اعلام کے ساتھ حاصل ہیں۔ اسی طرح غیر اولوالعزم پیغمبر کو وہ احکام اللہ تعالیٰ کے اعلان سے حاصل ہیں۔ پھر ان میں متابعت کی کیا گنجائش ہے کیونکہ ہر وقت و ہر گروہ کے مناسب جدا جدا احکام ہیں۔ کبھی حل مناسب ہوتی ہے۔ کبھی حرمت اولوالعزم پیغمبر کو ایک امر کے حلال ہونے کا حکم ہوا تھا اور غیر اولوالعزم پیغمبر کو اسی امر کے حرام ہونے کا اعلام۔ یہ حل و حرمت دونوں صحیفہ منزلہ سے ماخوذ ہیں۔ جس طرح کہ دو مجتہد ایک ماخذ سے دو مختلف حکم اخذ کر لیتے ہیں۔ ایک حل سمجھ لیتا ہے۔ دوسرا اسی سے حرمت نکال لیتا ہے۔

سوال: یہ اختلاف اس اجتہاد میں گنجائش رکھتا ہے جس کا مدار رائے پر ہے جو صواب کا بھی اور خطا کا بھی احتمال رکھتا ہے لیکن یہ معنی حق تعالیٰ کے اعلام میں گنجائش نہیں رکھتے کیونکہ وہاں صواب و خطا میں تردد جائز نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے نزدیک یقیناً ایک ہی حکم ہے یعنی اگر حل ہے اس میں حرمت کی گنجائش نہیں اور اگر حرمت ہے اس میں حل کی مجال نہیں۔

جواب: ہو سکتا ہے کہ ایک قوم کی نسبت حل ہو اور دوسری قوم کی نسبت حرمت۔ پس اللہ تعالیٰ کا حکم ایک واقعہ میں قوم کے متعدد ہونے کا اعتبار سے متعدد ہوگا اور اس میں کچھ ڈر نہیں۔ ہاں حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں یہ بات درست نہیں کیونکہ اس شریعت میں تمام لوگ ایک ہی حکم کے محکوم ہیں۔ یہاں ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو حکم نہیں ہیں۔

سوال: جب کسی اولوالعزم پیغمبر نے ایک امر کے حل ہونے کا حکم کیا ہو اور دوسرے اس کے تابعدار پیغمبر نے اس امر کی حرمت کا حکم دیا ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ دوسرا حکم پہلے حکم کا ناسخ ہو اور یہ جائز نہیں کیونکہ نسخ اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ناسخ نہیں ہو سکتا۔

جواب: نسخ اس وقت لازم آتا ہے جب کہ دوسرا حکم تمام مخلوقات کے لیے عام ہوتا کہ پہلے حکم کو جو ایک گروہ کی نسبت واقع ہوا تھا، رفع کرے لیکن دوسرا حکم عام نہیں ہے بلکہ ایک گروہ کی نسبت حرمت کا حکم کیا ہے۔ اس لئے پہلے حکم کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتا۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ایک واقعہ میں ایک مجتہد حل کا حکم کرتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی واقعہ میں حرمت کا حکم اور اس میں کوئی نسخ نہیں اگرچہ حکم مجتہد اور حکم پیغمبر کے درمیان بڑا فرق ہے کہ ایک میں رائے ہے اور دوسرے میں اعلام۔ رائے میں حکم کا تعدد گنجائش رکھتا ہے اور اعلام میں اس کی کچھ گنجائش نہیں لیکن قوم کا تعدد اس کا علاج کر دیتا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔

پس گزشتہ شریعتوں میں وہ احکام جو اولوالعزم پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں سے لغت کے اعتبار سے مفہوم ہوتے تھے۔ ان کے تابعدار پیغمبروں کو بھی ان میں مخالفت کی مجال نہ تھی کیونکہ وہ احکام تمام مخلوقات کے حق میں وارد ہوتے تھے۔ کوئی پیغمبر جو کسی قوم کو دعوت کر دیتا تھا، ان احکام کے خلاف تبلیغ نہ کرتا تھا۔ اگر حل تھی تو سب کے لیے حل تھی اور اگر حرمت تھی تو سب کے لیے تاوقتیکہ دوسرا اولوالعزم پیغمبر آتا اور اس حکم کو رفع فرماتا۔ اس وقت نسخ متصور ہوتا تھا۔

پس نسخ انہی احکام کے اعتبار سے ہے جو لغت کے موافق صحیفہ منزلہ سے ماخوذ ہیں لیکن وہ احکام جو اجتہاد اور اعلام سے ثابت ہوئے ہیں اور سنت و اجتہاد کی طرف منسوب ہیں، ان میں نسخ متصور نہیں کیونکہ یہ احکام بعض کے لیے ہیں، بعض کے لیے نہیں۔ پس ایک پیغمبر کا

اجتہاد اور سنت دوسرے پیغمبر کے اجتہاد و سنت کو رفع نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ایک قوم کے لیے ہے اور وہ دوسری قوم کے لیے اور اگر یہ اختلاف تمام لوگوں کی نسبت ہو یا فقط ایک ہی گروہ کی نسبت ہو تو پھر البتہ نسخ ہے جس طرح اس شریعت میں کہ سب لوگوں کے لیے یکساں حکم ہے۔ حکم ثانی حکم اول کا ناسخ ہے۔

پس ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پچھلی سنت پہلی سنت کی ناسخ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو نزول کے بعد اس شریعت کی متابعت کریں گے۔ آنحضرت ﷺ کی سنت کی اتباع بھی کریں گے کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں عجب نہیں کہ علماء ظاہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجتہدات سے ان کے ماخذ کے کمال دقیق اور پوشیدہ ہونے کے باعث انکار کر جائیں اور ان کو کتاب وسنت کے مخالف جانیں۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مثال حضرت امام اعظم کوفی رحمتہ اللہ علیہ کی سی مثال ہے۔ جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط میں وہ درجہ بلند حاصل کیا ہے جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے اور ان کے مجتہدات کو دقت معانی کے باعث کتاب وسنت کے مخالف جانتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو رائے رائے خیال کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی حقیقت و روایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست پر اطلاع نہ پانے کا نتیجہ ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کہ جس نے ان کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ (فقہا سب ابوحنیفہ کے عیال ہیں) ان کم ہمتوں کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنا قصور دوسروں کے ذمے لگاتے ہیں۔ بیت

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن وقصور — حاشا للہ کہ برز آرم بزبان ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند — روبہ ازحیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ بیت

گر کوئی قاصر لگائے طعن ان کے حال پر — توبہ توبہ گر زبان پر لاؤں میں اس کا گلہ
شیر ہیں باندھے ہوئے اس سلسلہ میں سب کے سب — لومڑی حیلہ سے توڑے کس طرح یہ سلسلہ

اور یہ جو خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام ابوحنیفہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔ ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے

باعث جو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہے، لکھا ہو یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے برتر ہے کہ علماء امت کی تقلید کریں۔ بلاتکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کے سواد اعظم یعنی بہت سے لوگ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے تابعدار ہیں۔ یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول و فروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے اور استنباط میں اس کا طریق علیحدہ ہے اور یہ معنی اس کی حقیقت یعنی حق ہونے کا پتا بتاتے ہیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمتہ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں۔ حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے اور اپنے طور پر مقدم سمجھتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کے قول کو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جانتے ہیں، دوسروں کا ایسا حال نہیں۔ پھر بھی مخالف ان کو صاحب رائے کہتے ہیں اور بہت بے ادبی کے لفظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کو بیزار نہ کریں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ دیں۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللہِ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں)

وہ لوگ جو دین کے اندر ان بزرگواروں کو صاحب رائے جانتے ہیں، اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار صرف اپنی رائے پر ہی حکم کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سواد اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہ اسلام سے باہر ہے۔ اس قسم کا اعتقاد وہ بے وقوف جاہل کرتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ زندیق جس کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے۔ ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے اور اپنے معلوم کے ماسوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوا، اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ بیت۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است　　زمین و آسمان او ہمان است

ترجمہ بیت

وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے　　　وہی اس کا زمین و آسمان ہے

ان کے بیہودہ تعصبوں اور فاسد نظروں پر ہزار ہا افسوس ہے۔ فقہ کے بانی حضرت ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور فقہ کے تین حصے آپ کو مسلم ہیں اور باقی چوتھے حصہ میں سب شریک ہیں۔ فقہ میں صاحب خانہ آپ ہی ہیں اور دوسرے سب آپ کے عیال ہیں۔ باوجود اس مذہب کے التزام کے مجھے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے محبت ذاتی ہے اور میں اس کو بزرگ جانتا ہوں۔ اسی واسطے بعض اعمال نافلہ میں اس مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے لوگ باوجود کمال علم و تقویٰ کے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمتہ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (پوری حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اوپر گزر چکا ہے کہ احکام اجتہادیہ اگرچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صادر ہو۔ نسخ کو مستلزم نہیں برخلاف کتاب و سنت کے احکام کے اختلاف کے جو نسخ کا موجب ہے۔ جیسے کہ اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب و سنت ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام کے مثبت ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ الہام حل و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور باطن والوں کا کشف فرض و سنت کو ثابت نہیں کرتا ولایت خاصہ والے لوگ اور عام مومنین مجتہدوں کی تقلید میں برابر ہیں۔ ان کے کشف والہام ان کو زیادتی نہیں بخشتے اور تقلید سے باہر نہیں نکالتے۔

حضرت ذوالنونؒ اور حضرت بسطامیؒ اور حضرت جنیدؒ و شبلیؒ زید و بکر و عمر و خالد کے ساتھ جو عوام مومنوں میں سے ہیں، احکام اجتہادیہ میں مجتہدوں کی تقلید کرنے کے مساوی و برابر ہیں۔ ہاں ان بزرگواروں کی زیادتی اور امور میں ہے۔ کشف و مشاہدات کے صاحب اور تجلیات و ظہورات کے مالک یہی لوگ ہیں جنہوں نے محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ کے باعث ماسوی اللہ سے تعلق دور کر لیا ہے اور غیر و غیریت کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر ان کو کچھ حاصل ہے تو وہی حق تعالیٰ حاصل ہے اور اگر واصل ہیں تو اسی حق تعالیٰ کے ساتھ واصل ہیں۔

عالم میں رہ کر بے عالم ہیں اور باخود ہو کر بے خود ہیں۔ اگر جیتے ہیں تو اسی کے لیے اور اگر مرتے ہیں تو اسی کے لیے ان کے مبتدی محبت کے غلبہ کے باعث عالم کے ہر ایک ذرہ کے آئینہ میں محبوب و مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر ذرہ کو اس کے تمام اسمائی اوصفاتی کمالات کا جامع معلوم کرتے ہیں۔ ان کے منتہیوں کا کیا حال بیان کیا جائے جو بے نشان ہیں۔ ان کا پہلا قدم ماسوی کا نسیان ہے۔ ان کے دوسرے قدم کی نسبت کیا کہا جائے کہ انفس و آفاق سے باہر ہے۔ ان کا الہام سچا اور ان کا کلام راست ہے۔ ان کے اکابر علوم و اسرار کو بلا واسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں جس طرح مجتہد اپنی رائے و اجتہاد کا تابع ہوتا ہے۔ یہ لوگ بھی معارف و توحید میں اپنی فراست و الہام کے تابع ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے لکھا ہے کہ علم لدنی کے فیضان میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت درمیانی واسطہ ہے۔ بظاہر یہ بات ابتداء و توسط کے حال کے مناسب ہوگی کیونکہ منتہی کا معاملہ اور ہے۔ جیسے کہ کشف صریح اس پر شاہد ہے اور اسی تحقیق کی تائید کرتی ہے۔ وہ کلام جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک دن منبر پر چڑھ کر علوم و معارف بیان فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گزرنے کا اتفاق ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ''اے اسرائیلی آ اور محمد ﷺ کا کلام سن۔'' شیخ کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام محمدیوں میں سے نہیں ہیں۔ گزشتہ ملتوں میں سے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو محمدیوں کا واسطہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ علوم و معارف احکام شرعیہ کے ماسوا ہیں جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ اگرچہ یہ معارف انہی احکام کے ثمرات و نتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا پھل حاصل ہو تو جب تک درخت قائم رہے تب تک پھل کی امید رہتی ہے۔ جب درخت کی جڑ میں خلل آ جاتا ہے، ثمرات بھی دور ہو جاتے ہیں۔ وہ بہت ہی بے عقل ہے جو درخت کو کاٹ ڈالے اور پھل کی امید رکھے۔ درخت کی جس قدر اچھی تربیت کریں اسی قدر زیادہ پھل دیتا ہے۔ پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن درخت کی فرع اور شاخ ہے۔

شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے جو شخص شریعت کا التزام رکھتا ہے، وہ صاحب معرفت ہے جس قدر یہ التزام زیادہ ہوگا،

اسی قدر معرفت زیادہ ہوگی جو شخص شریعت میں سست ہے معرفت میں بے نصیب ہے اور جو کچھ وہ اپنے خیال فاسد میں رکھتا ہے۔ اگرچہ ہیچ ہے، استدراج کی قسم سے ہے جس میں جوگی اور برہمن اس کے ساتھ شریک ہیں۔ کُلُّ حَقِیقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِیعَةُ فَهُوَ زَنْدِقَةٌ وَالِحَادٌ" جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا وہ زندقہ اور الحاد ہے۔

پس ہوسکتا ہے کہ خواص اہل اللہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال کے معارف میں بعض ایسے اسرار و دقائق کو سمجھ لیں جن سے ظاہر شریعت ساکت ہے اور حرکات وسکنات میں حق تعالیٰ کا اذن یا عدم اذن معلوم کر لیں اور مرضی یعنی پسندیدہ اور غیر مرضی یعنی ناپسندیدہ کو جان لیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض نفلوں کا ادا کرنا ناپسند معلوم کرتے ہیں اور ان کے ترک کرنے کا اذن پا لیتے ہیں۔ کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

احکام شرعیہ اپنے اپنے وقتوں پر موقت اور موقوف ہیں اور احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں۔ جب ان بزرگواروں کے حرکات وسکنات اذن پر موقوف ہیں تو بیشک دوسروں کے نفل بھی ان کے لیے فرض ہوں گے۔ مثلاً ایک فعل شریعت کے حکم سے ایک شخص کی نسبت نفل ہو اور وہی فعل دوسرے شخص کے لیے الہامی حکم سے فرض ہے۔ دوسرے لوگ کبھی نوافل کو ادا کرتے ہیں۔ کبھی امور مباحہ کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن یہ بزرگوار جب کام کو اللہ تعالیٰ کے اذن و امر سے کرتے ہیں، سب کچھ فرائض ادا کرتے ہیں۔ دوسرے کے مستحب و مباح ان کے فرائض ہیں۔ اس مضمون سے ان بزرگواروں کی شان بلند کو معلوم کرنا چاہیے۔ علماء ظاہر دین کے علوم و امور میں غیبی خبروں کو پیغمبر کی خبروں کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور دوسروں کو ان اخبار میں شریک نہیں جانتے۔ یہ بات وراثت کے منافی ہے اور اس میں بہت سے ایسے علوم ومعارف صحیحہ کی نفی ہے جو دین متین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں احکام شرعیہ ادلہ اربعہ یعنی چار دلیلوں پر موقوف ہیں جن میں الہام کی گنجائش نہیں لیکن احکام شرعیہ کے ماسوا بہت سے امور دینی ایسے ہیں جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب وسنت کے بعد تیسرا اصل الہام ہے۔ یہ اصل جہان کے فنا ہونے تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگواروں سے کیا نسبت ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت ناپسند ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض اوقات عبادت کو ترک کر دیتے ہیں اور وہ

ترک پسند ہوتا ہے۔ اس صورت میں ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے لیکن عام لوگ اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں یعنی اس عبادت کرنے والے کو عابد جانتے ہیں اور ترک کرنے والے کو مکار سمجھتے ہیں۔

سوال: جب دین کتاب وسنت سے کامل ہو گیا پھر کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کونسی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے۔

جواب: الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنے والا۔ جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے۔ اسی طرح الہام ان دقائق واسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنے والے جل شانہ کی طرف۔

پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں۔ الہام نبی علیہ السلام کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بہتری اور بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۵۶

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکیوں کا حکم پیدا کر لیتی ہیں۔ مولانا عبدالقادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔) اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کی نیکیاں ہو جاتی ہیں اور دوسروں کی بری صفتیں اس کی اچھی صفتیں بن جاتی ہیں۔ مثلاً ریا وسمعہ جو برائیوں اور بری صفتوں میں سے ہیں، اس کے حق میں حسن وخوبی پیدا کر لیتے ہیں

اور حمد و شکر کا حکم حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ اس درویش نے تمام قسم کی عظمت و کبریائی کو اپنے سے مسلوب کر کے حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کیا ہے اور تمام قسم کے حسن و جمال اور خیر و کمال کو اپنے آپ سے دور کر کے حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اپنے آپ کو شر و نقص کے سوا کچھ نہیں جانتا اور اپنے آپ میں سوائے ذلت و محتاجی اور عجز و انکسار کے کچھ نہیں دیکھتا اور اگر بالفرض عظمت و کبریائی کا کوئی حصہ بظاہر اس کی طرف متوجہ ہو تو اس کو زینہ معلوم کرتا ہے جس کے ذریعہ سے اوپر کی طرف جاتا ہے اور اس جناب پاک تک جو عظمت و کبریائی کے لائق ہے، پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے حسن و جمال اور خیر و کمال کا حال یہ ہے کہ زینہ ہونے سے زیادہ اس کے نصیب نہیں۔ امانتیں امانت والوں کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ پس ریا وسمعہ کی صورت میں اس کا مقصود شہرت و فخر و بلندی و عظمت نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کی اس نعمت کا اظہار اور اس احسان کا اعلام ہے جو اس کی نسبت واقع ہوا ہے۔ پس اس کا ریا وسمعہ حق تعالیٰ کا عین حمد و شکر ہے جو برائی سے نکل کر نیکی کی صورت میں آ گیا ہے۔ اس کی دوسری صفات کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے۔)

مکتوب ۵۷

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کا ذکر حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے سے اولیٰ و افضل ہے لیکن وہ ذکر جو قبولیت کا مرتبہ رکھتا ہو یا وہ ذکر جو شیخ طالب نے مقتدا سے اخذ کیا ہو اور اس کے مناسب بیان میں ملا غازی نائب کی طرف صادر فرمایا ہے۔

کچھ مدت تک میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ میں مشغول رہا اور قسم قسم کے درود و صلوٰۃ بھیجتا رہا اور بہت سے دنیاوی فائدے اور نتیجے پاتا رہا اور ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و دقائق کا مجھ پر فیضان ہوتا رہا۔ کچھ مدت تک اسی طرح کرتا رہا۔ اتفاقاً اس التزام میں فرق آ گیا اور اس اشتغال کی توفیق نہ رہی۔ صرف صلوٰۃ موقتہ پر کفایت کی۔ اس وقت بھی یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ صلوٰۃ کی بجائے تسبیح و تہلیل و

تقدیس میں مشغول رہوں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس میں کوئی حکمت ہوگی۔ دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا صلوٰۃ و درود بھیجنے سے بہتر ہے۔ درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس کی طرف درود بھیجا جاتا ہے اس کے لیے بھی دو وجہ سے۔

وجہ اول: یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِيْنَ جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روک رکھا تو میں اس کو تمام سائلین سے بڑھ کر دیتا ہوں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ذکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے تو اس کا ثواب جس قدر ذاکر کو پہنچتا ہے اسی قدر ثواب آنحضرت ﷺ کو بھی پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ سَنَّ سُنَّةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا جس شخص نے کسی نیک سنت کو جاری کیا، اس کو اس کا اپنا اجر بھی ملے گا اور اس شخص کا بھی جو اس پر عمل کرے گا۔

اسی طرح جو نیک عمل امتوں سے وجود میں آتا ہے، اس عمل کا اجر جس طرح عامل کو پہنچتا ہے، اسی طرح پیغمبر کو بھی جو اس عمل کا واضع ہے، پہنچتا ہے۔ بغیر اس کے کہ عامل کے اجر کو کچھ کم کریں۔ اس بات کی ضرورت نہیں کہ عمل کرنے والا پیغمبر علیہ السلام کی نیت پر عمل کرے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ عامل کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ ہاں اگر عالم سے پیغمبر علیہ السلام کیفیت بھی ظاہر ہو جائے تو عامل کے لیے زیادہ اجر کا باعث ہے اور یہ زیادتی بھی پیغمبر کی طرف عائد ہوگی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے اور اس پر اجر کا طلب کرنا اس کا طفیلی اور تابع ہے اور درود میں اصلی مقصد طلب حاجت ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) پس وہ فیض جو ذکر قلبی کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔ ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہے، وہی اس زیادتی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن جو ذکر ایسا نہیں درود کو اس پر زیادتی اور فضیلت ہے اور درود سے

زیادہ برکتیں حاصل ہونے کی امید ہے۔ ہاں وہ ذکر جو طالب کسی شیخ کامل مکمل سے اخذ کرتا ہے اور طریقت کے آداب و شرائط کو مدنظر رکھ کر اس پر مداومت کرتا ہے، درود پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہ ہو، اس ذکر تک نہیں پہنچ سکتے۔

یہی باعث ہے کہ مشائخ طریقت قدس سرہم مبتدی کے لیے سوائے ذکر کرنے کے اور کچھ جائز نہیں سمجھتے اور اس کے حق میں صرف فرضوں اور سنتوں پر کفایت کرتے ہیں اور امور نافلہ سے منع کرتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ امت میں سے کوئی شخص خواہ وہ کمالات میں کتنا ہی بلند درجہ حاصل کر لے۔ اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ برابری نہیں کرسکتا کیونکہ یہ سب کمالات اس کو اس پیغمبر کی شریعت کی متابعت کے باعث حاصل ہوئے ہیں۔ پس اس پیغمبر کو یہ سب کمالات بھی اور دوسرے تابعداروں کے کمالات بھی اور اپنے مخصوصہ کمالات بھی ثابت و حاصل ہوں گے۔ اسی طرح وہ شخص کامل اپنے پیغمبر کے سوا کسی دوسرے پیغمبر کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ کسی نے اس پیغمبر کی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو کسی نے قبول نہ کیا ہو کیونکہ ہر ایک پیغمبر اصلی اور مستقل طور پر صاحب دعوت و شریعت کی تبلیغ پر مامور ہے۔ امتوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں قصور پیدا نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا۔ فَاِنَّ اَحَبَّ عِبَادِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ حَبَّبَ اللّٰہُ اِلٰی عِبَادِہٖ وَحَبَّبَ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَھُوَ الدَّاعِیْ وَالْمُبَلِّغُ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے نزدیک اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارا اور محبوب بنائے اور وہ شخص دعوت و تبلیغ کرنے والا ہے۔)

آپ نے سنا ہوگا کہ خبر میں آیا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی سیاہی کو فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور اس سیاہی والا پلہ اس خون والے پلے پر راجح اور غالب آجائے گا۔ باقی امت کے لوگوں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی جو کچھ رکھتے ہیں۔ طفیلی اور ضمنی ہے۔ اصل اصل سے ہے اور فرع اصل سے مستنبط ہے۔ اس بیان سے اس امت کے داعیان اور مبلغین کی فضیلت معلوم کرنی چاہیے۔ اگرچہ دعوت و تبلیغ میں بہت سے درجات ہیں اور اعیان و مبلغین اپنے اپنے درجات میں متفاوت ہیں۔ علماء تبلیغ ظاہری کے ساتھ مخصوص ہیں اور صوفیاء باطن کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں اور جو کوئی عالم صوفی ہے، وہ کبریت

احمر یعنی اکسیر ہے اور ظاہری و باطنی دعوت و تبلیغ کے لائق ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب و وارث ہے اور بعض لوگ اس امت کے محدثین کو جو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کرتے ہیں، تمام امت سے افضل جانتے ہیں۔ اگر مطلق اور عام طور پر افضل جانتے ہیں تو محل خدشہ ہے اور اگر ظاہری مبلغین کی نسبت کہا ہے تو ہو سکتا ہے کیونکہ مطلق فضیلت اس جامع مبلغ کے لیے ہے جو ظاہری باطنی تبلیغ کرتا ہے یعنی ظاہر میں بھی دعوت کرتا ہے اور باطن میں بھی۔ لَانَّ فِی الْاِقْتِصَارِ قُصُوْراً یُنَافِیْ اِطْلَاقَ الْفَضْلِ فَافْهَمْ فَلَا تَکُنْ مِنَ الْقَاصِرِیْنَ (کیونکہ اقتصار میں قصور ہے جو فضل کے اطلاق کرنے کے منافی ہے۔ پس سمجھ اور کوتاہ نظروں میں سے نہ ہو) ہاں ظاہر یقیناً عمدہ اور نجات کا مدار اور بڑی برکت والا اور عام نفع والا ہے لیکن اس کا کمال باطن پر موقوف ہے۔ ظاہر بغیر باطن کے ناتمام ہے اور باطن بغیر ظاہر کے نافرجام اور وہ شخص جو باطن کو ظاہر کے ساتھ جمع کرے، کبریت احمر یعنی سرخ گندھک (کیمیا واکسیر) ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" (یا اللہ تو ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش۔ تو تمام چیزوں پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۵۸

ایک استفسار کے جواب میں جو عالم مثال کی بابت کیا گیا تھا اور ان دو گروہوں کے رد میں جن میں سے ایک گروہ تناسخ کا قائل ہے اور دوسرا نقل روح کا قائل ہے اور کمون و بروز اور اس کے مناسب بیان میں خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ.

آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے حسن خلق اور بلندی فطرت کے ارسال فرمایا تھا، پہنچا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ نے لکھا تھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ مِائَةَ اَلْفَ اٰدَمَ (کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ

آدم پیدا کیا ہے) اور عالم مثال کے بعض مشاہدات کے بارہ میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ کعبہ معظمہ کے طواف کے وقت ایسا ظاہر ہوا کہ میرے ہمراہ اس قسم کے لوگوں کی جماعت طواف کر رہی ہے جن کو میں نہیں پہچانتا۔ اثناء طواف میں انہوں نے دو عربی بیت پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے۔ بیت

لَقَدْ طُفْنَا كَمَا طُفْتُمْ سِنِيْنًا بِهٰذَا الْبَيْتِ طُرًّا اَجْمَعِيْنَا

ترجمہ: طواف ہم نے بھی اس کا گھر کا ہے کیا ویسا بہت سے سالوں تلک تم نے ہے کیا جیسا

میں نے جب یہ بیت سنا، دل میں گزرا کہ یہ سب عالم مثال کے بدن ہیں۔ یہ بات میرے دل میں گزرنے نہ پائی تھی کہ ان میں سے ایک نے میری طرف نگاہ کی اور کہا کہ میں تیرے اجداد میں سے ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تجھے فوت ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے۔ میں نے تعجب سے کہا کہ حضرت ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے لے کر آج تک سات ہزار سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ اس نے فرمایا کہ تو کس آدم کا ذکر کرتا ہے۔ کیا تو اس آدم کا ذکر کرتا ہے جو اس سات ہزار سال کے دورہ کے اول میں پیدا ہوا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس وقت وہ حدیث جو اوپر لکھی جا چکی ہے دل میں گزری جو اس قول کی تائید کرتی ہے۔

میرے مخدوم مکرم اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ سب آدم جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں، ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ عالم شہادت میں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہی ہیں جو عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں اور زمین میں خلافت پا کر مسجود ملائک ہوئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ جامعیت کی صفت پر مخلوق ہوئے ہیں۔ اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں۔ ان کے وجود سے بے شمار قرن پہلے ہر وقت ان کی صفات میں سے کوئی صفت یا ان کے لطائف میں سے کوئی لطیفہ حق تعالیٰ کی ایجاد سے عالم مثال میں موجود ہوا ہے اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اسی کے نام کا مسمیٰ ہوا ہے اور منتظر آدم کے کاروبار اس سے وقوع میں آئے ہیں حتیٰ کہ توالد و تناسل بھی جو اس عالم مثال کے مناسب ہے، ظاہر ہوا ہے اور اس عالم کے مناسب ظاہری، باطنی کمالات

بھی حاصل ہوئے ہیں اور ثواب و عذاب کا مستحق ہو کر بلکہ اس کے حق میں قیامت قائم ہو کر بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں گئے ہیں۔

بعد ازاں پھر کسی وقت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے کوئی صفت یا لطیفہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس عالم میں ظاہر ہوا اور وہ کاروبار جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے، ظہور ثانی سے بھی وہی کاروبار ظاہر ہوئے۔ جب یہ دورہ بھی تمام ہو گیا۔ صفات و لطائف کا تیسرا ظہور حاصل ہوا۔ جب اس ظہور نے بھی اپنا دورہ ختم کیا، چوتھا ظہور ثابت ہوا۔ اِلٰی مَاشَا اللّٰہُ جب ان کے مثالیہ ظہورات کے دورے جو ان کے لطائف و صفات کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، تمام ہو گئے۔ آخر کار وہ نسخہ جامعہ عالم شہادت میں حق تعالیٰ کی ایجاد سے وجود میں آیا اور فضل خداوندی سے معزز و مکرم ہوا۔ اگر لاکھ آدم بھی ہوں، سب اسی آدم کے اجزاء اور اسی کے ہاتھ پاؤں اور اسی کے وجود کے مبادی و مقدمات ہیں۔

شیخ بزرگوار کا جد جس کو فوت ہوئے چالیس ہزار سال گزرے ہیں، عالم مثال میں شیخ کے اس جد کے لطائف میں سے ایک لطیفہ تھا جو عالم شہادت میں وجود رکھتا تھا اور یہ بیت اللہ کا طواف جو اس نے کیا ہے، عالم مثال میں طواف کیا ہے کیونکہ کعبہ معظمہ کی بھی عالم مثال میں صورت و شبیہ ہے جو اس عالم والوں کا قبلہ ہے۔

اس فقیر نے اس بارہ میں بہت دور تک نظر دوڑائی ہے اور بڑا غور کیا ہے لیکن عالم شہادت میں دوسرا آدم کوئی نظر نہیں آیا اور عالم مثال کے شعبدوں کے سوا کچھ نہ پایا اور یہ جو بدن مثالی نے کہا ہے کہ میں تیرا جد ہوں اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ گزرے ہیں۔

اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ پہلے آدم اس آدم کے صفات و لطائف کے ظہورات تھے نہ یہ کہ علیحدہ خلقت رکھتے تھے اور اس آدم کے برخلاف اور الگ تھے کیونکہ مخالفت اور مبائن کو اس آدم سے کیا نسبت اور کیونکر جد ہو سکتے حالانکہ اس آدم کی پیدائش کو ابھی سات ہزار سال تمام نہیں ہوئے۔ پھر چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے۔ وہ لوگ جن کے دل بیمار ہیں، ان حکایات سے تناسخ سمجھتے ہیں اور عجب نہیں کہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبریٰ کا انکار کر دیں۔ بعض ملحد لوگ جو باطل کے ساتھ یعنی جھوٹ موٹ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں۔ تناسخ

کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ نفس جب تک حد کمال تک نہ پہنچے بدنوں کے تقلب یعنی بدلنے سے اس کو چارہ نہیں اور کہتے ہیں کہ جب نفس حد کمال تک پہنچ جائے بدنوں کی تبدیلی بلکہ بدنوں کے متعلق سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائش سے مقصود یہی اس کا کمال ہے جو میسر ہو گیا۔ یہ بات صریح کفر ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں کیونکہ آخر کار جب تمام نفوس حد کمال کو پہنچ جائیں، پھر دوزخ کس کے لیے ہوگی او عذاب کس کو ہوگا۔ اس میں دوزخ اور آخرت کے عذاب اور جسموں کے ساتھ اٹھنے کا انکار ہے کیونکہ ان کے خیال میں نفس کو اب جسم کی جو اس کے کمال کا آلہ ہے، کوئی حاجت نہیں رہی تا کہ جسم کے ساتھ اٹھایا جائے۔ ان لوگوں کا اعتقاد بعینہ فلاسفہ کے اعتقاد کے مطابق ہے جو حشر اجساد سے انکار کرتے ہیں اور عذاب وثواب روحانی جانتے ہیں بلکہ ان کا اعتقاد فلاسفہ کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے کیونکہ تناسخ کو رد کرتے ہیں اور روحانی عذاب وثواب ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ تناسخ کو بھی ثابت کرتے ہیں اور عذاب آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں۔ عذاب ان کے نزدیک دنیا ہی کا عذاب ہے جو نفوس کی تہذیب کے لیے ثابت کرتے ہیں۔

سوال: حضرت امیر کرم اللہ وجہہ اور بعض اور اولیاء اللہ سے بھی منقول ہے کہ ان کے وجود خاکی سے بہت زمانہ پہلے ان سے عجیب وغریب اعمال وافعال عالم شہادت میں واقع ہوئے ہیں، تناسخ کے جواز کے بغیر یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے۔

جواب: وہ اعمال وافعال ان بزرگواروں کے ارواح سے صادر ہوئے ہیں جو حق تعالیٰ کے ارادہ سے خود اجساد کے ساتھ متجسد ہو کر عجیب وغریب افعال کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کوئی اور جسد نہیں جس کے ساتھ ان کا تعلق ہو۔ تناسخ کے یہ معنی ہیں کہ روح کا اس جسد کے تعلق سے پہلے کسی اور جسد کے ساتھ جو اس جسد کے مخالف اور مغائر ہے، تعلق ہوا ہو اور جب خود ہی جسد کے ساتھ متجسد ہو جائے پھر تناسخ کہاں ہوگا۔

جن جو مختلف شکلیں بن جاتے ہیں اور مختلف جسدوں میں متجسد ہو جاتے ہیں، اس وقت ان سے اعمال عجیبہ جو ان شکلوں اور جسدوں کے مناسب ہیں، ظہور میں آتے ہیں۔ ان میں کوئی تناسخ اور حلول نہیں۔ جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ

مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عجیب و غریب کام کریں تو اگر کاملین کی ارواح کو یہ طاقت بخش دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کو ان کی کیا حاجت ہے۔ اسی قسم کی ہیں وہ بعض حکایتیں جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اسی عزیز (1) کا حال ہے جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا۔ بعض لوگ عظیم البرکت مکہ معظمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں۔ بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں۔ یہ سب اس عزیز کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور اس عزیز کو ان شکلوں کی نسبت اطلاع نہیں ہوتی۔ اسی واسطے لوگوں کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ سب مجھ پر تہمت ہے۔ میں اپنے گھر سے باہر نہیں گیا نہ میں نے حرم کعبہ دیکھا ہے اور میں روم، بغداد کو نہیں جانتا اور نہیں پہچانتا کہ تم کون ہو۔ اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا ہے اور ان بزرگوں کو اس بلیہ کے دفع کرنے کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

ترجمہ: ہمارا اور تمہارا ہے بہانہ

یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں۔ یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں۔ کبھی عالم مثال میں جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں۔ اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں۔

کمون و بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ تناسخ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا کیونکہ تناسخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لیے تعلق ہوتا ہے تاکہ اس کے لیے حیات و زندگی

ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور اپنے درجات تک واصل ہو جائے جس طرح کہ جن انسان کے ساتھ تعلق پیدا کر لے اور اس کے وجود میں بروز کرے۔ یہ تعلق بھی انسان کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ آدمی اس تعلق سے پہلے حس و حرکت والا ہے۔ وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہو گئی ہے، وہ اس جن کے صفات و حرکات و سکنات کا ظہور ہے لیکن مشائخ مستقیمۃ الاحوال کمون و بروز کا ہرگز بیان نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلاؤ فتنہ میں نہیں ڈالتے۔

فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں۔ کامل اگر کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو بغیر اس بات کے کہ اس میں بروز کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے اپنی صفات کاملہ کو مرید ناقص میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ و التفات کے ساتھ اس انعکاس کو ثابت و برقرار رکھتا ہے تاکہ مرید ناقص نقص سے کمال تک آ جائے اور صفات رذیلہ کو چھوڑ کر صفات حمیدہ کو اختیار کرے اور کچھ کمون و بروز درمیان نہ ہو۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

بعض لوگ نقل ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو کمال کے بعد اس قسم کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے بدن میں داخل ہو سکتا ہے۔

نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ میں یہ کمال اور قدرت تھی کہ اس کے پڑوس میں ایک جوان مر گیا۔ اس بزرگ نے اپنے بدن کو جو بڑھاپے تک پہنچ چکا تھا، چھوڑ دیا اور اس جوان کے بدن میں داخل ہو گیا حتیٰ کہ بدن اول مردہ ہو گیا اور دوسرا بدن زندہ۔ اس بات سے تناسخ لازم آتا ہے کیونکہ بدن ثانی کا تعلق اس بدن کی حیات کے لیے ہے۔ ہاں اس قدر فرق ہے کہ تناسخ کے قائل لوگ نفس کے نقص کا حکم کرتے ہیں اور تناسخ کو نفس کی تکمیل کے لیے ثابت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو نقل روح کے قائل ہیں، روح کو کامل خیال کرتے ہیں اور کمال روح کے بعد نقل کو ثابت کرتے ہیں۔

فقیر کے نزدیک نقل روح کا قول تناسخ کے قول سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ تناسخ کا نفس کی تکمیل کے لیے اعتبار کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور نقل روح کمال کے حاصل

ہونے کے بعد خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ کچھ کمال نہیں۔ جب بدنوں کا تبدل کمالات کے حاصل ہونے کے لیے مقرر کیا ہو تو پھر کمال حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں نقل کرنا کس لیے ہے۔ اہل کمال تماشائی نہیں ہیں۔ ان کا مقصود کمال کے حاصل ہونے کے بعد بدنوں سے الگ ہونا ہے نہ کہ بدنوں کے ساتھ تعلق اختیار کرنا کیونکہ بدنوں کے تعلق سے جو کچھ مقصود تھا، وہ حاصل ہو چکا ہے۔

نیز نقل روح میں بدن اول کا مارنا اور دوسرے بدن کا زندہ کرنا ہے۔ پس بدن اول کو احکام برزخ کے حاصل ہونے سے چارہ نہیں اور قبر کے عذاب وثواب سے خلاصی نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب دوسری حیات ثابت کرتے ہیں۔ اس کے لیے گویا دنیا میں حشر ثابت ہو گیا یا شاید نقل روح کا قائل قبر کے عذاب وثواب کا قائل نہیں اور حشر ونشر کا معتقد نہیں۔ افسوس صد افسوس اس قسم کے مکار اور جھوٹے لوگ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما تو سب کچھ بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ.

تذییل

بعض ان علوم ومعارف کے بیان میں جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں

واضح ہو کہ عالم مثال تمام عالموں سے زیادہ فراخ ہے جو کچھ تمام عالموں میں ہے، اس کی صورت عالم مثال میں ہے۔ معقولات ومعانی سب وہاں صورت رکھتے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے لیے مثل نہیں لیکن مثال ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ تنزیہ محض کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں۔ مثال بھی نہیں۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مثال نہ بیان کرو) عالم صغیر

میں عالم مثال کا نمونہ خیال ہے کیونکہ تمام اشیاء کی صورت خیال میں متصور ہے۔ خیال ہی سالک کے احوال و مقامات کی کیفیات کو مختلف صورتوں میں سالک کے سامنے ظاہر کرتا ہے اور صاحب علم بنا دیتا ہے اور اگر خیال نہ ہو یا جس جگہ خیال پہنچ نہ سکتا ہو وہاں جہل لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل و حیرت ہے کیونکہ خیالی کی دوڑ مراتب ظلال تک ہی ہے جہاں ظل نہیں خیال کی بھی وہاں گنجائش نہیں۔ جب صورت تنزیہی عالم مثال میں نہیں آ سکتی جیسے کہ گزر چکا ہے تو خیال میں جو مثال کا پرتو ہے، صورت تنزیہی کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ فَلاَ جَرَمَ لاَیَکُوْنَ ثَمَّہٗ اِلاَّ الْجَھْلُ وَالْحَیْرَۃُ (پس وہاں جہل و حیرت کے سوا کچھ نہ ہوگا) اور جہاں علم نہیں وہاں گفتگو بھی نہیں۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔) اس کا نشان ہے اور جہاں علم ہے وہاں گفتگو بھی ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ طَالَ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہو گی) اس کا بیان ہے۔ پس زبان کی درازی ظلال ہوتی ہے اور زبان کی گنگی مراتب ظلال سے اوپر ہوتی ہے۔ خواہ فعل ہو یا صفت۔ اسم ہو یا مسمیٰ۔

پس جو کچھ خیالات کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ چونکہ وہ ظلال سے ہے، اس لئے وہ معلول اور جعلی طور سے بنایا ہوا ہے لیکن چونکہ مطلوب کے علامات و آثار سے ہے، اس لیے علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ عین الیقین اور حق الیقین ظلال و خیال سے وراء الوراء ہیں۔ خیال کی لخت یعنی تراش سے تب نجات ملتی ہے جب کہ سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ دیں اور آفاق و انفس سے آگے جولان کریں۔ یہ بات اکثر اولیاء اللہ کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جب تک زندہ رہتے ہیں، خیال ان کا دامن گیر رہتا ہے اور بزرگواران اولیاء میں سے بہت کم لوگوں کو یہ دولت اس جہان میں بھی میسر ہو جاتی ہے اور باوجود دنیاوی حیات کے خیال کے تصرف سے نکل جاتے ہیں اور مطلوب کو خیال کی تراش اور ایجاد کے بغیر پا لیتے ہیں۔ اس وقت تجلی ذاتی برقی ان بزرگواروں کے حق میں دائمی ہو جاتی ہے اور وصل عریانی پرتو ڈالتا ہے۔ شعر

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا

وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی نعمت
مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

سوال: بعض لوگ واقعات و منامات میں اور مثال و خیال میں دیکھتے ہیں کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں اور اپنے نوکروں چاکروں کو دیکھتے ہیں اور نیز یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہم قطب بن گئے ہیں اور تمام جہان ہماری طرف متوجہ ہے اور بیداری اور افاقہ کے وقت میں جو عالم شہادت ہے، ان کمالات کا کچھ ظہور نہیں ہوتا۔ یہ رویت سچی ہے یا جھوٹی؟

جواب: یہ روایت کچھ نہ کچھ صدق رکھتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ بادشاہ اور قطب بننے کے معنی اور استعداد ان لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن ضعیف ہے اس لائق نہیں کہ عالم شہادت میں ظہور پائے۔ بعد ازاں یہ امر دو حال سے خالی نہیں۔ اگر یہ معنی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بادشاہ اور قطب وقت بن جائیں۔ اگر اس معنی نے اس قدر قوت نہ پائی کہ عالم شہادت میں ظاہر ہوں تو وہی مثالی ظہور جو تمام ظہورات میں سے کمزور اور ضعیف ہے، کفایت کرتا ہے اور قوت کے بموجب ظہور پاتا ہے۔

اسی قسم کے ہیں وہ واقعات جو اس راہ کے طالب دیکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مقامات عالیہ میں پاتے ہیں اور اپنے آپ کو ارباب ولایت کے مرتبوں سے سرفراز ہوا پاتے ہیں۔ اگر یہ معنی عالم شہادت میں ظہور پیدا کریں تو بڑی اعلیٰ دولت ہے اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفایت کریں تو لاحاصل ہے اور جائے مصیبت ہے۔ ہر جلاہا اور حجام خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے لیکن کچھ حاصل نہیں اور سوائے خسارہ کے ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں آتا۔ پس واقعات پر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ عالم شہادت میں جو کچھ حاصل ہو جائے، اس کو اپنا سمجھنا چاہئے۔ بیت

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

ترجمہ: بیاں سورج کا کرتا ہوں کہ ہوں میں بس غلام اس کا
نہیں بندہ میں شب کا تا کروں خوابوں کا کچھ چرچا

یہی وجہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم واقعات کا اعتبار نہیں کرتے اور طالبوں کے واقعات کی تعبیر کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ معتبر وہی ہے جو افاقہ اور بیداری میں حاصل ہو۔ اسی واسطے دوام شہود کا اعتبار کرتے ہیں اور دائمی حضور کو اعلیٰ دولت سمجھتے

ہیں۔ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو اور ان بزرگواروں کے نزدیک معتبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نسیان ماسوا ان کے حق میں دائمی ہے اور کسی وقت بھی ان کے دل پر غیر کا گزر نہیں ہوتا۔ ہاں جس شخص کی بدایت میں نہایت مندرج ہو۔ اس سے ان کمالات کا ظہور بعید اور عجیب نہیں ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ یارب ہمارے گناہوں اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتی کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے۔ والسلام

مکتوب ۵۹

اس بیان میں کہ معقول و مشہود و موہوم و مکشوف سب ماسوا میں داخل ہیں۔

پیرزادہ خواجہ عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

صحیفہ شریف جو اس قرۃ العین (آنکھوں کی ٹھنڈک) نے لکھا تھا، پہنچا۔ اس میں لکھا تھا کہ حق تعالیٰ کے کرم سے وہ شعبدے برطرف ہو گئے ہیں اور اس مقولہ سے کچھ نہیں رہا۔ ارادہ اس بات پر لگا ہوا ہے کہ اثبات سے کوئی چیز ہاتھ نہ آئے۔ معقول و موہوم سب لا کے نیچے داخل ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ بھی لکھا تھا کہ یہ بات تکلف سے حاصل ہے۔ امید ہے کہ بے تکلف بھی نصیب ہو گی۔

اے نجابت و شرافت کے نشان والے معقول اور موہوم بلکہ مشہود و مکشوف خواہ آفاقی ہو خواہ انفسی سب دائرہ ماسوا میں داخل ہیں اور محض کھیل کود اور شعبدہ بازی کی گرفتاری ہے۔ اس گرفتاری کا زوال اگر تکلف کے ساتھ ہے تو طریقہ میں داخل ہے اور علم الیقین کی قسم سے ہے اور اگر یہ دولت بے تکلف میسر ہو جائے اور نفی کے تکلف سے ماسوای کے انتفاء تک پہنچ جائے تو طریقت کی تنگی سے آزاد ہو جائے گا اور علم کے کوچہ سے نکل جائے گا اور فنا کے ساتھ مشرف ہو جائے گا۔ یہ بات کہنے میں آسان ہے مگر حاصل کرنے اور وہاں تک پہنچنے میں دشوار ہے۔ اِلَّا مَنْ یَسَّرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسان کرے۔

وہ کاروبار جو حقیقت سے تعلق رکھتا ہے آگے ہے اور نفی بلکہ انتفاء سے گزر کر آگے مقام اثبات ہے اور علم کے آگے عین ہے۔

جاننا چاہیئے کہ حقیقت کے مقابلہ میں طریقت کسی گنتی میں نہیں اور نفی کا اثبات کے مقالہ میں کچھ اعتبار نہیں کیونکہ نفی کا متعلق ممکنات ہیں اور اثبات کا متعلق واجب تعالیٰ۔ نفی اثبات کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے قطرہ دریا کے مقابلہ میں۔ اس نفی و اثبات کے حاصل ہونے سے ولایت خاصہ تک پہنچ جاتے ہیں اور ولایت خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد یا عروج ہے یا نزول۔ اگر چہ اس عروج کے لیے بھی خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد یا عروج ہے یا نزول۔ اگر چہ اس عروج کے لیے بھی نزول لازم ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" یا اللہ تو ہمارے نور کو تمام کر اور ہم کو بخش تو ہر شے پر قادر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ. سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۶۰

اس بیان میں کہ فضولیات سے عنان پھیر کر ضروریات دین میں مشغول ہونا چاہیئے۔ محمد تقی کی طرف اس کے خط کے جواب میں لکھا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

آپ کے صحیفہ شریف کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت میں دو صدر اول یعنی خیر القرون کے معتبر اجماع سے ثابت ہے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے بارہ میں جو ان کی خلافت کی ترتیب پر مترتب ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی لڑائی جھگڑوں میں خاموشی اختیار کرنے کے باب میں جو جو دلائل آپ نے لکھے ہیں، ان کو پڑھ کر بہت ہی خوشی ہوئی۔ بحث امامت میں یہی اعتقاد کافی ہے اور اہل سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کے موافق ہے۔

اے شفقت کے نشان والے مخدوم، امامت کی بحث دین کے فروغ میں سے ہے۔ نہ شریعت کے اصول سے۔ ضروریات دینی اور ہیں جو اعتقاد و عمل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا متکفل علم کلام اور علم فقہ ہے۔ ضروریات کو چھوڑ کر فضولیات میں مشغول ہونا اپنی عمر کو بیہودہ باتوں میں صرف کرنا ہے اور اعراض کی علامت میں آیا ہے کہ عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی مِنَ الْعَبَدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ بندہ کا بیہودہ باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے حق تعالیٰ کے منہ پھیرنے کی علامت ہے۔

اگر امامت کی بحث دین کی ضروریات اور شریعت کے اصول سے ہوتی جیسے کہ شیعہ نے گمان کیا ہے تو چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں استخلاف کا تعین فرما کر خلیفہ کی تشخیص فرماتا اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کسی ایک کی خلافت کا امر فرما جاتے اور تخصیص اور تصریح کے طور پر ایک کو خلیفہ کرتے جب کتاب وسنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ امامت کی بحث دین کے فضول سے ہے نہ کہ دین کے اصول سے۔ وہ شخص فضول ہی ہوگا جو اس قسم کی فضول باتوں میں مشغول ہوگا۔ دین کی ضروریات اس قدر درپیش ہیں کہ فضول تک نوبت ہی نہیں پہنچتی۔

اول اس اعتقاد کا درست کرنا ضروری ہے۔ جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال سے تعلق رکھتا ہے اور پھر اعتقاد کرنا چاہئے کہ جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور ضرورت وتواتر کے طور پر دین سے معلوم ہوا ہے یعنی حشر ونشر و آخرت کا دائمی عذاب وثواب اور سب سنی سنائی باتیں حق ہیں۔ ان میں خلاف کا احتمال نہیں۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہوگا نجات بھی نہ ہوگی۔

دوسرے احکام فقہیہ یعنی فرض وواجب وسنت ومستحب وغیرہ کا بجالانا ضروری ہے۔ شرعی حل وحرمت کو اچھی طرح مدنظر رکھنا چاہئے اور حدود شرعی میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات وفلاح حاصل ہو سکے۔ جب یہ اعتقاد وعمل درست ہو جائیں پھر طریق صوفیاء کی نوبت آتی ہے اور کمالات ولایت کے امیدوار ہو جاتے ہیں۔ امامت کی بحث ضروریات دین کے مقابلہ میں کالمطروح فی الطریق یعنی راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے۔ چونکہ مخالفوں نے اس بارہ میں بڑا غلو ومبالغہ کیا ہوا ہے اور حضرت خیر

البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر زبان طعن دراز کی ہے۔ اس لیے ان کے رد میں طول طویل مقدمات لکھے جاتے ہیں کیونکہ دین متین سے فساد کو رفع کرنا بھی دین کی ضروریات سے ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۱

مولانا احمد برکی مرحوم کی ماتم پرسی میں اور یاروں کو نصیحت کرنے اور مولانا حسن کو ان کا سر حلقہ بنانے کے بیان میں بعض دوستوں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے اور مغفرت پناہ مولانا احمد علیہ الرحمتہ کی ماتم پرسی بجالاتا ہے۔ مولانا کا وجود شریف اس وقت کے مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ (یا اللہ تو اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ کر اور اس کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال)

اس کے بعد دوستوں اور یاروں سے التجا ہے کہ گزشتہ لوگوں کی امداد و اعانت کریں اور مولانا مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت اور دلجوئی محبوں اور مخلصوں پر لازم ہے۔

خاص کر اس امر میں بہت کوشش کریں کہ مولانا مرحوم کے فرزندوں کو پڑھائیں اور علوم شرعیہ سے آراستہ کریں اور مولانا مرحوم کے احسان کا بدلہ ان کے بیٹوں پر احسان کر کے ادا کریں۔ ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔)

مولانا مرحوم کے اوضاع و اطوار اور احوال و مقامات کو مدنظر رکھیں اور طریقہ ذکر اور حلقہ مشغول میں کسی قسم کا قصور واقع نہ ہو اور سب یار جمع ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں فانی ہوں تاکہ صحبت کا اثر ظاہر نہ ہو۔

اس فقیر نے اس سے پہلے اتفاق کے طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا سفر اختیار کریں تو ان کو چاہیئے کہ شیخ حسن کو اپنی جگہ پر مقرر کریں شاید یہی سفر مراد ہوگا۔ اب بھی جو بار بار ملاحظہ کرتا ہوں تو شیخ حسن کو اس امر پر متعین اور مقرر پاتا ہوں۔ یہ بات کسی کو ناگوار معلوم نہ ہو کیونکہ ہمارا اور تمہارا اختیار نہیں۔ بہر صورت انقیاد اور فرمانبرداری لازم ہے۔ شیخ حسن کا طریق مولانا کے طریق کے

ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور مولانا نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی، شیخ حسن سے نسبت میں شریک ہے اور دوسرے یار اس مطلب سے بے بہرہ ہیں۔ اگرچہ کشف و شہود حاصل کرلیں اور توحید و اتحاد سے متحد ہو جائیں لیکن یہ دولت اور ہے اور یہ کاروبار الگ ہے۔ کشوف کو یہاں جو کے برابر بھی نہیں لیتے اور اس توحید و اتحاد سے پناہ مانگتے ہیں۔

غرض یاروں کو لازم ہے کہ شیخ کی تقدیم میں توقف نہ کریں اور اس کو سرحلقہ بنا کر اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔ برادرم خواجہ اویس یہ بات یاروں کو سمجھا کر حلقہ مشغول کی طرف رہنمائی کرے اور برادری کے حقوق بجا لائے اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ چھوڑے۔ احکام شریعت کو پھیلائے اور سنت سنیہ کی متابعت کی ترغیب دے اور بدعت سے ڈرائے اور ہٹائے اور ہمیشہ التجا و تضرع و زاری کرتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ نفس امارہ دوستوں پر پیشوائی اور ریاست حاصل ہونے کے باعث ہلاکت میں ڈال دے اور خراب و ابتر کر دے۔ ہر وقت اپنے آپ کو قاصر و ناقص جان کر کمال کا طالب رہے۔ نفس و شیطان دو بڑے زبردست دشمن گھات میں لگے رہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ راستہ سے بہکا دیں اور محروم و ناامید کر دیں۔ بیت

همه اندرز من بتو این است   که تو طفلی و خانه رنگین است

ترجمہ: نصیحت میری تجھ سے ہے بس یہی   کہ رنگین ہے گھر تو ابھی طفل ہی

ہندوستان تم سے دور ہے دو سال میں ایک قافلہ آتا ہے اور خبر لاتا ہے اور لے جاتا ہے۔ احوال کو لکھتے رہا کرو۔ اگر تم نہیں پہنچ سکتے تو حال لکھنے میں غفلت نہ کرنی چاہئے۔ میاں شیخ یوسف ہمارے نزدیک ہے۔ مدت تک یہاں رہا اور اس نے بہت سے فائدے حاصل کیے اور حقیقت فنا پر اطلاع پالی۔ اب واپس آنے کا وعدہ کر کے گھر کو گیا ہے۔ مستعد اور صادق الاخلاص آدمی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) چونکہ تم دور ہو، اس لیے نصیحت میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور ریاست کو اپنی بلاء جان کر ڈرتے اور کانپتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس ریاست میں لذت پیدا ہو جائے اور ہلاکت ابدی اور دائمی موت تک لے جائے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور فضول کارگزاریوں کو معاف کر اور ہم کو ثابت

قدم رکھ اور کافروں پر ہم کو غلبہ دے۔ تیرا رب پاک ہے۔ اس وصف سے جو لوگ کرتے ہیں۔ برتر ہے اور مرسلوں پر سلام ہو اور اللہ رب العالمین کے لیے حمد ہے)

مکتوب ۶۲

اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور تمدن اور گزارہ میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے اور اسی احتیاط میں انسان کی خوبی ہے۔ خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ظاہری باطنی ترقیاں عطا فرمائے کیونکہ آپ کی خیریت و بہتری میں عام مسلمانوں کی جمعیت اور آرام ہے اور آپ کے لیے دعا کرنا گویا تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا ہے۔ سَلَّمَکُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِجَنَابِکُمْ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ مِنَ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (اللہ تعالیٰ آپ کو ان باتوں سے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں سلامت رکھے۔ بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فقیر کو چونکہ معلوم ہے کہ آپ کی محبت و ارادت و اخلاص کی نسبت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگواروں کے ساتھ کامل اور پورے طور پر ہے، اس لیے تکلیف دیتا ہے۔

میرے مخدوم و مکرم اس سلسلہ عالیہ کے لوگ اس ملک میں بہت غریب ہیں اور ملک کے رہنے والوں کو بدعتوں کے پھیلنے کے باعث ان بزرگواروں کے طریقہ کے ساتھ جس میں سنت کا التزام ہے، بہت کم مناسبت ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس سلسلہ والے لوگوں میں سے بعض نے قصور نظر کے باعث اس طریقہ عالیہ میں بھی بدعتیں جاری کی ہیں اور اس عمل کو اپنے خیال میں اس طریقہ عالیہ کی تکمیل گمان کرتے ہیں۔ حاشا و کلا بلکہ یہ لوگ اس طریقہ کے خراب و برباد کرنے میں کوشش کر رہے ہیں۔ ان کو اس طریقہ کا اصل معاملہ معلوم ہی نہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اِلٰی سَوَاءِ الصِّرَاطِ. اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

چونکہ اس ملک میں اس سلسلہ عالیہ کے لوگ عزیز الوجود اور کم یاب ہیں، اس لیے اس

سلسلہ کے مریدوں اور محبوبوں پر واجب ہے کہ اس سلسلہ کے بزرگوں اور طالبوں کی امداد و اعانت کریں کیونکہ آدمی مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور تمدن اور بود و باش میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (اے نبی ﷺ تجھے اللہ اور تابعدار مومن کافی ہیں) جب حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضروری امور کی کفایت میں مومنوں کو داخل دیا گیا تو پھر اوروں کی ضروریات میں کیا مضائقہ ہے۔ اکثر اس زمانہ کے دولت مند لوگ درویشی اس بات کو جانتے ہیں کہ کوئی حاجت نہ ہو۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے۔ احتیاج انسان کیا تمام ممکنات کا ذاتی خاصا ہے اور اسی احتیاط میں انسان کی خوبی ہے اور ذلت و بندگی اسی احتیاج سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ اگر بالفرض انسان سے احتیاج زائد ہو جائے اور استغنیٰ پیدا ہو جائے تو سوائے طغیان و سرکشی اور عصیان و سرکشی اور عصیان و نافرمانی کے اس سے کچھ صادر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی (انسان جب اپنے آپ میں استغنا پاتا ہے تو نافرمانی کرتا ہے)

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ فقرا جو ماسویٰ کی گرفتاری سے آزاد ہیں، اپنے اسباب کی احتیاج کو مسبب الاسباب کے حوالہ کرتے ہیں اور عام پھیلی ہوئی دولت کو اس کی نعمتوں کے دستر خوانوں سے جانتے ہیں اور معطی (دینے والا) اور مانع (نہ دینے والا) درحقیقت حق تعالیٰ ہی کو تصور کرتے ہیں لیکن چونکہ حکمتوں اور مصلحتوں کے لیے اسباب کو پیدا کیا گیا ہے اور خوبی اور برائی اسباب ہی کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس لیے یہ بزرگوار بھی شکر و شکایت کو اسباب کی طرف راجع کرتے ہیں اور نیک کو بد کو بظاہر انہی سے جانتے ہیں کیونکہ اگر اسباب کو دخل نہ دیں تو کارخانہ عظیم باطل ہو جاتا ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَکَ یارب تو نے یہ سب کچھ باطل نہیں بنایا تو پاک ہے۔

سیادت پناہ حقائق و معارف آگاہ برادر عزیز میر محمد نعمان کا وجود شریف ان اطراف میں غنیمت ہے۔ ان کی دعا و توجہ اکسیر کا کام دیتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی دولت کا قوام و قیام انہی کے فیض اور توجہ کی برکت سے ہے۔ میں حضور و غیبت میں ان کو آپ کا مدد و معاون پاتا ہوں۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے کہ انہوں نے آپ کی خوبیاں غائبانہ اس فقیر کی طرف لکھی تھیں اور آپ کا محبت و اخلاص جو فقراء کے ساتھ ہے، وہ بھی لکھا تھا اور ظاہر کیا تھا

کہ یہاں کی صوبہ داری کسی اور کے حوالہ کی ہے۔ اب توجہ اور دستگیری کا وقت ہے۔

فقیر کو اس خط کے مطالعہ کے وقت توجہ حاصل ہوئی اور آپ کو اس وقت رفیع القدر اور بلند مرتبہ معلوم کیا۔ ظاہراً اسی وقت ایک شخص جانے والا تھا۔ اس کے جواب میں یہ عبارت لکھی تھی کہ خانخاناں رفیع القدر نظر آتا ہے۔ وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللہِ سُبْحَانَہٗ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔ والسلام

مکتوب ۶۳

ایک استفسار کے جواب میں جس میں پوچھا گیا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب دوسرے شخص کے پاس جا کر حق تعالیٰ کی طلب کرے تو جائز ہے یا نہیں۔ نور محمد انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد گزارش ہے کہ آپ کا خط و مراسلہ پہنچا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب دوسرے شیخ کے پاس جائے اور طلب حق کرے تو جائز ہے یا نہیں۔

جاننا چاہئے کہ مقصود حق تعالیٰ ہے اور پیر حق تعالیٰ کی جناب تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب رشید اپنے آپ کو کسی اور شیخ کے پاس لے جائے اور اس کی صحبت میں اپنے دل کو جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں پیر کے اذن کے بغیر طالب اس شیخ کے پاس جائے اور اس سے رشد و ہدایت طلب کرے لیکن چاہئے کہ پیر اول کا انکار نہ کرے اور نیکی کے ساتھ اس کو یاد رکھے۔ خاص کر اس وقت کی پیری مریدی جو محض رسم و عادت کے طور پر ہے جب اس وقت کے پیروں کو اپنی خبر نہیں اور کفر و ایمان کا پتہ نہیں تو پھر خدا تعالیٰ کی کیا خبر بتلائیں گے اور مریدوں کو کون سا راستہ دکھلائیں گے۔ بیت

آں کہ از خویشتن چونیست جنین ۔۔۔ کے خبر دارد از چناں و چنین

ترجمہ بیت:

جنین کو جب کہ خبر اپنی کچھ بھی نہیں ۔۔۔ کیا بتائے گا پھر وہ چناں و چنیں

ایسے مرید پر ہزار افسوس ہے کہ اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور دوسر۔۔۔

کی طرف رجوع نہ کرے اور خدا تعالیٰ کا راستہ تلاش نہ کرے۔ یہ شیطانی خطرات ہیں جو پیر ناقص کی زندگی کے باعث طالب کو حق تعالیٰ سے ہٹا رکھتے ہیں۔ جہاں دل کی جمعیت اور ہدایت ہو بے توقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسہ سے پناہ مانگنی چاہئے۔

مکتوب ۶۴

اس بیان میں کہ احوال کے تغیر و تبدل اور دنیا کمینی کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دل تنگ نہ ہونا چاہئے۔ محمد مومن ولد علی جان مرحوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِجَنَابِکُمْ. (اللہ تعالیٰ آپ کو ان باتوں سے سلامت رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں ہیں۔) اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ (دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور قید خانہ کے مناسب حال درد و اندوہ و مصیبت و رنج ہوتا ہے۔ احوال کے تغیر و تبدل سے دل تنگ اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دلگیر نہ ہونا چاہئے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ط (کیونکہ تنگی کے ساتھ فراخی ہے) ایک تنگی کے ساتھ دو فراخی کو ملا دیا ہے۔ شاید اس سے دنیا اور آخرت کی فراخی مراد ہو۔

با کریماں کار ہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

باقی احوال کو سیادت مآب توفیق آثار میر سید عبدالباقی روبرو بیان کر دیں گے۔ میر صاحب موصوف آپ کی شفقتوں اور حقوق کو مدنظر رکھ کر آپ کی ملاقات گرامی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ والسلام

مکتوب ۶۵

بیہودہ کاموں سے بچنے کے بارہ میں مولانا محمد ہاشم خادم کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حمد و صلوٰۃ اور دعا کے بعد واضح ہو کہ آپ نے اتنی مدت سے اپنے باطنی احوال کی کچھ خبر کوئی نہیں لکھی تا کہ خوشی کا باعث ہوتی۔ دنیا و مافیہا بے فائدہ اور بیہودہ امور ہیں۔ اس لائق

نہیں ہیں کہ انسان آخرت کے احوال کا تذکرہ چھوڑ کر اپنے بیہودہ کاروباروں میں مشغول رہے۔ اگرچہ آپ کی نیت نیک ہو گی۔ مگر آپ نے سنا ہی ہو گا کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (ابرار کی نیکیاں مقربوں کے گناہ ہیں) بہرصورت اپنے احوال کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور طفیلی کو ضروری نہ جاننا چاہئے۔ اَلضَّرُوْرَۃُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِھَا۔ (ضرورت بقدر ضرورت ہونی چاہئے)۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ یہاں کے فقراء اگرچہ رزق فراخ نہیں رکھتے، لیکن سعی و کوشش کے بغیر فراغت و وسعت سے گزارہ کر رہے ہیں۔ قدر کفاف یعنی کفایت سے زیادہ رزق پہنچ رہا ہے۔ ہر روز نئی روزی آ جاتی ہے اس طرف کے باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ پچھلے چند مہینوں میں پھر وبا کا غلبہ ہو گیا تھا۔ جس جس کی اجل آ چکی تھی۔ مر گئے اب وبا دور ہو گئی ہے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر اور احسان ہے۔ والسلام۔

مکتوب ٦٦

توبہ وانابت و ورع وتقویٰ کے بیان میں خانخانان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

چونکہ تمام عمر معصیت اور لغزش اور تقصیر اور بیہودہ کارروائیوں میں گزر گئی ہے اس لیے مناسب ہے کہ توبہ وانابت کی نسبت کلام کی جائے اور ورع وتقویٰ کا بیان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تُوْبُوْا اِلَی اللہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ اے مومنو سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔ تا کہ تم نجات پا جاؤ۔

اور فرماتا ہے۔ یَااَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْ اِلَی اللہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا. عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ وَ یُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برائیوں کو دور کر کے تمہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہیں۔

اور فرماتا ہے۔ وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِ ثْمِ وَبَاطِنَہٗ۔ ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دو۔

گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لیے واجب اور فرض عین ہے۔ کوئی بشر اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام توبہ سے مستغنی نہیں ہیں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔ حضرت سید المرسلین خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اِنَّہٗ لَیُغَانُ (1) عَلٰی قَلْبِیْ وَ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ وَ اللَّیْلَةِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً۔ میرے دل پر پردہ آ جاتا ہے۔ اس لیے رات دن میں ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔

پس اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے جیسے کہ زنا اور شراب کا پینا اور سرود اور ملاہی کا سننا اور غیر محرم کی طرف بنظر شہوت دیکھنا اور بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت و افسوس اور بارگاہ الٰہی میں عذر خواہی کرنے سے ہے اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق یہ ہے کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کیے جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دعا کریں اور اگر مال و اسباب والا شخص مر گیا ہو تو اس کے لیے استغفار کریں اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کو دے دیں اور اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال و جنایت کے برابر صاحب مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو فقرا و مساکین پر صدقہ و خیرات کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو صادق ہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَا مِنْ عَبْدٍ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَامَ فَتَوَضَّأَ وَ صَلّٰی وَ اسْتَغْفَرَ اللّٰہَ مِنْ ذَنْبِہٖ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَغْفِرَ لَہٗ (جب کسی بندہ سے گناہ سرزد ہو تو وضو کرے اور نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے۔ مَنْ اَذْنَبَ ثُمَّ نَدِمَ عَلَیْہِ فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ جو شخص گناہ کر کے نادم ہوا۔ تو یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔

اور حدیث میں ہے۔ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَهَا ثُمَّ عَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ کُتِبَ فِی الرَّابِعَةِ مِنَ الْکَبَائِرِ۔ کہ جب آدمی نے کہا میں بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں پھر اس نے گناہ کیا پھر اسی طرح کہا پھر گناہ کیا تین بار چوتھی بار کبیرہ گناہ لکھا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ هَلَکَ (1) الْمُسَوِّفُوْنَ آج کل کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کے طور پر فرمایا کہ اے بیٹا توبہ میں کل تک تاخیر نہ کر۔ کیونکہ موت ناگاہ آ جاتی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی کا پھیر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو حج قبول سے افضل ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ یا اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہم پر بخشش اور رحمت نہ کی تو ہم زیاں کار ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَبْدِیْ اَدِّمَا افْتَرَضْتُ عَلَیْکَ تَکُنْ مِنْ اَعْبَدِ النَّاسِ وَ انْتَهِ عَمَّا نَهَیْتُکَ عَنْهُ تَکُنْ مِنْ اَوْرَعِ النَّاسِ وَاقْنَعْ بِمَا رَزَقْنَاکَ تَکُنْ اَغْنِی النَّاسِ میرے بندے جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے ادا کر۔ تو سب لوگوں میں سے زیادہ عابد ہو جائے گا اور جن باتوں سے میں نے تجھے منع کیا ہے ہٹ جا تو سب سے پرہیز گار ہو جائے گا اور جو کچھ میں نے تجھے رزق دیا ہے۔ اس پر قناعت کر تو سب سے غنی بن جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کُنْ وَرِعًا تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ تو پرہیز گار بن، تمام لوگوں سے زیادہ عابد بن جائے گا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مثقال ورع ہزار مثقال نماز روزہ سے بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کو پرہیز گار اور زاہد اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لیے جتنا ورع (پرہیز گاری) کام دیتا ہے۔ ویسے کوئی اور شے نہیں۔

بعض علماء ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کر لے تب تک کامل ورع حاصل نہیں ہوتی۔

(1) زبان کو غیبت سے بچائے، (2) بدظنی سے بچے، (3) مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے، (4) حرام سے آنکھ بند رکھے، (5) سچ بولے، (6) ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے، تا کہ اس کا نفس مغرور نہ ہو، (7) اپنا مال راہ حق میں خرچ کرے اور راہ باطل میں خرچ کرنے سے بچے، (8) اپنے نفس کے لیے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے، (9) نماز کی محافظت کرے، (10) سنت و جماعت پر استقامت اختیار کرے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" یا اللہ تو ہمارے لیے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو تمام باتوں پر قادر ہے۔

اے میرے مخدوم ومکرم اور اے شفقت ومکرمت کے نشان والے۔ اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو جائے اور تمام محرمات اور مشتبہات سے ورع وتقویٰ حاصل ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت اور نعمت ہے۔ ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کی برکات وانوار بعض دوسروں میں بھی اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ و ورع کی توفیق نصیب ہو جائے۔ مَالاَ یُدْرَکُ کُلُّهٗ لاَ یُتْرَکُ کُلُّهٗ جو چیز ساری حاصل نہ ہو اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِکَ وَثَبِّتْنَا عَلٰی دِیْنِکَ وَ عَلٰی طَاعَتِکَ بِصَدَقَةِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ وَ قَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ عَلَیْهِ وَ عَلَیْھِمْ وَ عَلٰی اٰلِ کُلٍّ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُھَا وَ مِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا یا اللہ تو ہم کو اپنی رضامندی کی توفیق دے اور اپنے دین اور طاعت پر ثابت رکھ۔ بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب ٦٧

اہل سنت و جماعت کے عقائد اور اسلام کے پانچ ارکان اور اس امر پر ترغیب

دینے کے بیان میں کہ کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچا دیں۔ خان جہاں کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جواز روئے کرم والتفات کے فقراء نامراد کے نام پر لکھا تھا، پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس شبہ واشتباہ سے بھرے ہوئے زمانہ میں سعادتمند غنی اپنے حسن خلق کے باعث باوجود بے مناسبتی کے فقراء دور از کار کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آتے ہیں اور اس طائفہ کے ساتھ ایمان و تصدیق رکھتے ہیں۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ مختلف تعلقات اس دولت کے مانع نہ ہوں اور پراگندہ توجہات ان کی محبت سے ہٹا نہ رکھیں۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہئے اور امیدوار رہنا چاہے کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی) حدیث نبوی ﷺ ہے۔

اے سعادت ونجابت کے نشان والے، آدمی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت جو سواد اعظم اور جم غفیر ہیں یعنی بڑا بھاری گروہ ہیں کے عقائد کے موافق درست کرے تاکہ آخرت کی نجات اور خلاصی متصور ہو سکے۔ خبث اعتقاد یعنی بداعتقادی جو اہل سنت و جماعت کے مخالف ہے۔ زہر قاتل ہے جو دائمی موت اور ہمیشہ کے عذاب وعتاب تک پہنچا دیتی ہے۔ عمل کی سستی اور غفلت پر مغفرت کی امید ہے، لیکن اعتقادی سستی میں مغفرت کی گنجائش نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا اور شرک کے سوا اور سب کچھ بخش دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے)۔

اہل سنت و جماعت کے معتقدات مختصر طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کے موافق اپنے اعتقاد کو درست کرلیں اور بڑی عاجزی اور زاری سے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگنی چاہئے کہ اس دولت پر استقامت عطا فرمائے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے

موجود ہوئی ہیں اور اسی کے پیدا کرنے سے عدم سے وجود میں آئی ہیں۔حق تعالیٰ قدیم وازلی ہے اور تمام اشیاء حادث اور نو پدید ہیں اور جو قدیم وازلی ہے وہ باقی ابدی ہے اور جو حادث اور نو پدید ہے وہ فانی اور نیست و نابود ہے اور زائل ہونے والا ہے۔

حق تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وجوب وجود میں اور نہ عبادت کے استحقاق میں، وجوب وجود اس کے سوا کسی اور کے لیے مناسب نہیں اور اس کے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں۔

حق تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں۔جن میں سے حیات وعلم وقدرت وارادت وسمع وبصر وکلام وتکوین ہیں جو قدم وازلیت کے ساتھ متصف ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔حوادث کا تعلق صفات کے قدم میں خلل نہیں ڈالتا اور متعلق کا حدوث ان کے ازلیت کا مانع نہیں ہوتا فلاسفہ اپنی بیوقوفی کے باعث اور معتزلہ نابینائی کے سبب متعلق کے حدوث سے متعلق کے حدوث کے قائل ہیں اور صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے۔جس سے تغیر لازم آتا ہے۔جو حدوث کا نشان ہے یہ نہیں جانتے کہ صفات ازلی ہیں اور صفات کے وہ تعلقات جو اپنے حادثہ متعلقات کے ساتھ ہیں حادث ہیں۔

تمام ناقص صفتیں حق تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہیں۔حق تعالیٰ جواہر واجسام واعراض کے صفات ولوازم سے منزہ ومبرہ ہے اس کی درگاہ میں مکان وزمان وجہت کی گنجائش نہیں۔ یہ سب اسی کے مخلوق ہیں اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف ثابت کریں۔کیونکہ عرش اور اس کے ماسوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مخلوق وحادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔البتہ اس قدر ہے کہ عرش اس کی تمام مخلوقات سے اشرف ہے اور تمام ممکنات سے بڑھ کر اس میں صفا ونورانیت ہے۔اس لیے آئینہ بننے کا حکم رکھتا ہے۔جس سے حق تعالیٰ کی عظمت وکبریا کا ظہور ہوتا ہے۔ اس ظہور کے علاقہ کے باعث اس کو عرش الٰہی کہتے ہیں ورنہ عرش وغیرہ سب اشیاء اس کی مخلوق ہونے میں برابر ہیں، لیکن عرش میں ظہور کی قابلیت ہے جو دوسروں میں نہیں۔ آئینہ جو شخص کی صورت کو ظاہر کرتا ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص آئینہ میں ہے بلکہ شخص کی نسبت آئینے اور تمام اشیاء متقابلہ کے ساتھ برابر ہے۔تفاوت قابل کی طرف سے ہے آئینہ صورت شخص کو قبول کرتا

ہے اور دوسروں میں قابلیت نہیں۔

حق تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی نہ جوہر نہ عرض نہ محدود نہ متناہی نہ طویل نہ عریض نہ دراز نہ کوتاہ نہ فراخ نہ تنگ ہے۔ بلکہ واسع ہے نہ اس وسعت کے ساتھ جو ہمارے فہم میں آسکے اور محیط ہے نہ اس احاطہ سے جو ہمارے ادراک میں آسکے اور قریب ہے نہ اس قرب سے جو ہماری عقل میں آسکے اور وہ ہمارے ساتھ ہے نہ اس معیت سے جو مشہور و معروف ہے ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ واسع اور محیط اور قریب اور ہمارے ساتھ ہے، لیکن ان صفات کی کیفیت ہم نہیں جانتے کہ کیا ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں، جانتے ہیں کہ مذہب مجسمہ میں قدم رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے نہ وہ کسی شے میں حلول کرتا ہے۔ تبعض و تجزی یعنی بعض بعض اور جز جز ہونا اس کی بارگاہ میں محال ہے اور ترکیب و تحلیل اس کی جناب سے دور ہے۔

حق تعالیٰ کا کوئی مثل اور برابر نہیں، نہ اس کی عورت ہے نہ کوئی بیٹا، حق تعالیٰ کی ذات و صفات بیچوں و بیچگون اور بے شبہ و بے مانند ہیں۔ اس قدر ہم جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہے اور اپنی صفات کاملہ کے ساتھ جن سے اس نے اپنی تعریف کی ہے۔ متصف ہے، لیکن جو کچھ ہمارے فہم و ادراک و عقل و تصور میں آسکے حق تعالیٰ اس سے منزہ اور برتر ہے۔

دور بیناں بار گاہ الست   جز دریں پے نبردہ اند کہ ہست

ترجمہ: بار گاہ الست کے دانا   کچھ نہیں جانتے ہیں ہست سوا

یا: بارگاہ الست کے محرم   ہست سے آگے لے گئے نہ قدم

جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحب شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔ شرع میں حق تعالیٰ کی ذات پر جس اسم کا اطلاق آیا ہے۔ اس اسم کا اطلاق کرنا جائز ہے اور جس اسم کا نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اس اسم میں کمال کے معنی پائے جاتے ہوں۔ مثلاً جواد کا اطلاق کرنا چاہیے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں آیا ہے اور سخی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس اسم کا اطلاق شرع میں نہیں آیا۔

قرآن: حق تعالیٰ کا کلام ہے جس کو حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا حکم کیا ہے جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام و زبان کے ذریعے حرف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے

پوشیدہ مقصدوں اور مطلبوں کو عرصہ ظہور میں لاتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنے نفسی کلام کو کام و زبان کے وسیلہ کے بغیر اپنی قدرت کاملہ سے حرف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ امر و نواہی کو حرف و آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق تعالیٰ کے کلام ہیں اور دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارے کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول حقیقت ہے اور دوسری مجاز۔ کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا کفر ہے۔ اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو گزشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائے۔ سب حق تعالیٰ کے کلام ہیں اور جو کچھ قرآن اور ان کتابوں اور صحیفوں میں درج ہے سب حق تعالیٰ کے احکام ہیں جن کے ساتھ اپنے بندوں کو وقت کے موافق تکلیف فرمائی ہے۔

مومنوں کا حق تعالیٰ کو بہشت میں بے جہت و بے مقابلہ و بے کیفیت و بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ اس آخرت کی رویت اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے اور اس کی کیفیت ہم نہیں جانتے کیونکہ حق تعالیٰ کی رویت بیچون ہے اور اس جہان میں اس کی حقیقت ارباب چون پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اس پر ایمان لانے کے سوا ان کے نصیب اور کچھ نہیں۔ فلاسفہ اور معتزلہ اور تمام بدعتی گروہوں پر افسوس ہے جو حرمان اور کوری سے دیدار آخرت کا انکار کرتے ہیں اور غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کی دولت سے بھی مشرف نہیں ہوتے۔

حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ افعال خیر ہوں یا شر سب اسی کی تقدیر سے ہیں، لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں۔ اگرچہ دونوں اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہیں، لیکن جاننا چاہئے کہ صرف تنہا شر کو ادب کے باعث حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئے اور خالق شر نہ کہنا چاہئے بلکہ خالق خیر و شر کہنا مناسب ہے۔ اسی طرح علماء نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کو خَالِقُ کُلِّ شَیئٍ کہنا چاہئے۔ خَالِقُ الْقَاذُوْرَاتِ وَالْخَنَازِیْر نہ کہنا چاہئے کہ اس میں حق تعالیٰ کی پاک جناب کی بے ادبی ہے۔ معتزلہ ثنویت یعنی دوئی اور بیگانگی کے باعث بندہ کو افعال کا خالق جانتے ہیں اور فعل کے خیر و شر کو بندہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شرع و عقل ان کی تکذیب کرتی ہے۔ ہاں علماء حق نے بندہ کی قدرت کو اس کے فعل میں داخل کیا ہے اور اس کا کسب بندہ میں ثابت کیا ہے۔ کیونکہ

حرکت مرتعش یعنی بے اختیاری حرکت اور حرکت مختار میں فرق واضح ہے۔ حرکت ارتعاش یعنی بے اختیاری حرکت میں بندہ کی قدرت اور کسب کا کچھ دخل نہیں اور حرکت اختیاری میں دخل ہے۔ اسی قدر فرق مواخذہ کا باعث ہو جاتا ہے اور ثواب و عقاب کو ثابت کرتا ہے اکثر لوگ بندہ کی قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندہ کو بیچارہ اور عاجز جانتے ہیں۔ انہوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا۔ بندہ میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا اس معنے کے لحاظ سے نہیں ہے کہ جو بندہ جو کچھ چاہے کر لے اور جو نہ چاہے نہ کرے یہ بات بندگی سے دور ہے۔ بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ بندہ جس بات کے ساتھ مکلف ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ مثلاً نماز پنج وقتی ادا کر سکتا ہے۔ چالیسواں حصہ زکوۃ دے سکتا ہے اور بارہ مہینوں میں ایک مہینہ روزہ رکھ سکتا ہے اور اپنی عمر میں خرچ و سواری کے ہوتے ایک بار حج کر سکتا ہے۔ اسی طرح باقی احکام شرعی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے بندہ کی ضعف و ناطاقتی کو دیکھ کر سہولت و آسانی کو مدنظر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا) اور فرماتا ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) انسان ضعیف شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور سخت تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ تاکہ خلق کو حق تعالیٰ کی طرف بلائیں اور گمراہی سے سیدھے راستہ پر چلائیں جو شخص ان کی دعوت کو قبول کر لے اس کے لیے جنت کی خوشخبری ہے اور جو کوئی انکار کرے اس کے لیے دوزخ کے عذاب کی وعید ہے اور جو کچھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا اور بتایا ہے سب سچ اور برحق ہے اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں۔

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کا دین تمام گزشتہ دینوں کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب تمام گزشتہ کتابوں سے بہتر ہے آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی۔ بلکہ قیامت تک باقی رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرما کر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی ہو کر رہیں گے۔

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کے احوال کی نسبت خبر دی ہے سب حق اور سچ ہے۔ یعنی قبر کا عذاب اور اس کی تنگی۔ منکر نکیر کا سوال، جہان کا فنا ہونا، آسمانوں کا پھٹ

جانا، ستاروں کا پراگندہ ہونا، زمین و پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور مرنے کے بعد جی اٹھنا، روح کا جسم میں واپس ڈالنا، قیامت کا زلزلہ اور خوف، عملوں کے حساب کیے ہوئے اعمال پر اعضا کی شہادت، نیک و بد اعمالنامہ کا دائیں بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا اور برے بھلے اعمال کے تولنے کے لیے میزان کا رکھنا اور اس کے ذریعے برائیوں، بھلائیوں کی کمی بیشی معلوم کرنا، اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہوا تو نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا ہوا تو خسارہ کا نشان ہے۔ اس میزان کا بھاری یا ہلکا ہونا دنیا کی میزان کے بھاری ہلکا ہونے کے برخلاف ہے۔ وہاں جو پلہ اوپر کو جائے گا وہ بھاری ہوگا اور جونسا نیچے ہوگا خفیف اور ہلکا ہوگا سب کچھ سچ اور راست ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و صالحین کی شفاعت حق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن سے اول پیغمبر گناہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے، پھر صالحین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ (میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی)

پل صراط حق ہے۔ اس کو دوزخ کی پشت پر رکھیں گے۔ مومن اس پل کو عبور کر کے بہشت میں جائیں گے اور کافر پھسل پھسل کر دوزخ میں گریں گے۔

بہشت جو مومنوں کے آرام کے لیے ہے اور دوزخ جو کافروں کے عذاب کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ دونوں مخلوق ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گے، فانی نہ ہوں گے، حساب و کتاب کے بعد جب مومن بہشت میں جائیں گے وہاں ہمیشہ کے لیے آرام سے رہیں گے اور کبھی باہر نہ نکالے جائیں گے ایسے ہی جب کافر دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ تک عذاب میں رہیں گے اور ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (نہ ان کا عذاب ہلکا ہوگا، نہ ان کو مہلت ملے گی)۔

جس کے دل میں ذرہ ایمان ہوگا۔ اس کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ یعنی گناہوں کی زیادتی کے باعث اس کو دوزخ میں ڈالیں گے اور گناہوں کے موافق عذاب دے کر دوزخ سے اس کو نکال لیں گے اور اس کے ایمان کی برکت سے کفار کی طرح اس کے منہ کو سیاہ نہ کریں گے اور طوق و زنجیر اس کو نہ ڈالیں گے۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں۔ حق تعالیٰ کے امر کی نافرمانی ان کے حق میں جائز نہیں جس کا ان کو حکم ہے اس کو بجا لاتے ہیں۔ عورت مرد ہونے سے پاک ہیں۔ توالد و تناسل

ان کے حق میں مفقود ہے۔ یعنی ان کو حق تعالیٰ نے رسالت کے لیے برگزیدہ کیا ہے اور وحی کی تبلیغ سے مشرف فرمایا ہے۔ پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں کے پہنچانے والے یہی ہیں۔ جو خطا و خلل سے محفوظ ہیں اور دشمن کے مکروفریب سے معصوم۔ جو کچھ انہوں نے حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچانا ہے۔ سب صدق وصواب ہے۔ اس میں کسی قسم کا احتمال واشتباہ نہیں۔ یہ بزرگوار حق تعالیٰ کی عظمت وجلال سے ڈرتے اور اس کے امر بجالانے کے سوا کچھ کام نہیں کرتے۔

ایمان تصدیق قلبی اور اقرار زبانی ہے۔ ان احکام کے ساتھ جو دین سے تواتر وضرورت کے ساتھ مجمل ومفصل طور پر ہم تک پہنچے ہیں۔ اعضا کے اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں، لیکن ایمان میں کمال کو بڑھاتے اور خوبی کو پیدا کرتے ہیں۔

امام اعظم کوفی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں: کہ ایمان کم وبیش نہیں ہوتا، کیونکہ تصدیق قلبی قلب کے یقین اور مان لینے سے حاصل ہوتی ہے۔ جس میں کمی وزیادتی کی گنجائش نہیں۔ جس چیز میں تفاوت پایا جائے۔ دائرہ ظن ووہم میں داخل ہے۔ ایمان میں کمی بیشی باعتبار طاعات و حسنات کے ہے۔ جس قدر طاعت زیادہ ہوگی اسی قدر ایمان زیادہ کامل ہوگا۔ پس عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایمان جیسا نہ ہوگا، کیونکہ وہ ایمان طاعات کے باعث کمال کے بلند درجہ تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ جہاں تک عام مومنوں کا ایمان نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ یہ دونوں ایمان نفس ایمان میں مشترک ہیں، لیکن اس ایمان نے طاعات کی قوت کے باعث اور ہی حقیقت پیدا کرلی ہے گویا دوسروں کا ایمان اس ایمان کا فرد نہیں اور ان کے درمیان کوئی مماثلت اور مشارکت نہیں۔ عام انسان اگرچہ نفس انسانیت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک ہیں، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اعلیٰ کمالات نے ان کو درجہ بلند تک پہنچایا ہے اور ایک الگ حقیقت ثابت کرلی ہے۔ گویا حقیقت مشترکہ سے عالی وبرتر ہیں۔ بلکہ انسان یہی ہیں اور عوام لوگ نسناس یعنی بن مانس کا حکم رکھتے ہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ اَنَا مُؤمِنٌ حَقًّا میں تحقیق مومن ہوں اور امام شافعی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں: اَنَا مُؤمِنٌ اِنْشَاءُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (میں مومن ہوں انشاء اللہ تعالیٰ) ہر ایک کے لیے الگ الگ وجہ ہے۔ ایمان حال کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ اَنَا مُؤمِنٌ حَقًّا اور باعتبار خاتمہ اور انجام کے اَنَا مُؤمِنٌ اِنْشَاءُ اللّٰہُ تَعَالیٰ لیکن بہرصورت استثناء سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ یعنی اَنَا مُؤمِنٌ اِنْشَاءُ اللّٰہُ نہ کہنا چاہئے۔

مومن گناہ کرنے سے اگرچہ کبیرہ ہوں۔ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دائرہ کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک دن امام اعظم علیہ الرحمتہ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ اس مومن فاسق کے لیے کیا حکم ہے۔ جو اپنے باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر کو تن سے جدا کر کے اس کا کاسہ سر میں شراب ڈال کر پئے اور شراب پی کر اپنی ماں کے ساتھ زنا کر لے۔ آیا مومن ہے یا کافر۔ ہر ایک عالم اس مسئلہ میں غلطی پر رہا اور دور تک معاملہ کو لے گیا۔

امام اعظم علیہ الرحمتہ نے اس اثنا میں فرمایا کہ وہ مومن ہے۔ اس قدر گناہ کبیرہ کرنے کے باوجود سے اس کا ایمان دور نہیں ہوا۔ امام اعظم کی یہ بات علماء کو بہت ناگوار گزری اور ان کے حق میں طعن و تشنیع کی زبان دراز کی۔ آخر جب امام علیہ الرحمتہ کی بات برحق تھی۔ سب نے مان لی۔ اگر مومن عاصی کو غرغرہ یعنی وقت نزع سے پہلے توبہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو نجات کی بڑی امید ہے، کیونکہ اس وقت تک توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر توبہ انابت سے مشرف نہ ہوا۔ تو اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے حوالہ ہے۔ چاہے معاف کرے اور بہشت میں بھیج دے۔ خواہ گناہ کے موافق عذاب کرے اور دوزخ میں ڈالے، لیکن آخر کار اس کے لیے نجات ہے اور اس کا انجام بہشت ہے، کیونکہ آخرت میں رحمت خداوندی سے محروم ہونا کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور جو کوئی ذرہ بھر ایمان رکھتا ہے۔ رحمت کا امیدوار ہے۔ اگر گناہ کے باعث ابتدا میں رحمت نہ پہنچے تو انتہا میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میسر ہو جائے گی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کی ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے)

خلافت و امامت کی بحث اہل سنت و جماعت کے نزدیک اگرچہ دین کے اصول میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اعتقاد کے ساتھ کچھ تعلق رکھتی ہے، لیکن چونکہ شیعہ نے اس بارہ میں بڑی زیادتی اور افراط و تفریط کی ہے اس لیے علماء حق نے اس بحث کو علم کلام سے متعلق کیا ہے اور حقیقت حال کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ۔ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی

فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو ائمہ بزرگواران کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ جن میں سے ایک امام شافعی علیہ الرحمتہ ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کا رئیس ہے۔ فرماتا ہے کہ شیخین کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے۔ سوائے جاہل یا متعصب کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دے، وہ مفتری ہے۔ میں اس کو ایسی طرح کوڑا لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگاتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر گیلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب غنیتہ الطالبین میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے عروج واقع ہوا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میرے بعد میرا خلیفہ علی ہو۔ فرشتوں نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ خدا چاہے وہی ہو گا۔ تیرے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے۔

نیز حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ غنیتہ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ: حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ دنیا سے باہر نہیں گئے۔ جب تک میرے ساتھ یہ عہد نہ کر لیا کہ میرے مرنے کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گا۔ بعدازاں عمر رضی اللہ عنہ بعدازاں عثمان رضی اللہ عنہ اور بعدازاں تو خلیفہ ہو گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

علماء اہل سنت و جماعت حضرت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کتاب غنیتہ الطالبین میں حضرت فاطمہ کو مقدم سمجھتے ہیں، لیکن جو کچھ فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ علم و اجتہاد میں پیش قدم ہیں اور حضرت فاطمہ زہد و انقطاع میں بڑھ کر ہیں۔ اسی واسطے حضرت فاطمہ کو بتول کہتے تھے۔ جو انقطاع میں صیغہ مبالغہ ہے اور حضرت عائشہ اصحاب کے فتاوے کا مرجع تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرام کو جو مشکل علم میں پیش آتی تھی۔ حضرت عائشہ کی خدمت میں اس کا حل طلب کرتے تھے۔

وہ لڑائی جھگڑے جو اصحاب کرام کے درمیان واقع ہوئے ہیں، جیسے کہ جمل اور صفین کی

لڑائی جھگڑا۔ ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا وتعصب سے دور سمجھنا چاہئے، کیونکہ ان بزرگواروں کے نفوس حضرت خیرالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک اور حرص وکینہ سے صاف ہو چکے تھے۔ اگر ان میں صلح تھی تو حق کے لیے تھی اور اگر لڑائی جھگڑا تھا تو حق کے لیے تھا۔ ہر ایک گروہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا ہے اور مخالف کو رنج وتعصب کے بغیر اپنے سے دفع کیا ہے۔ جو اپنے اجتہاد میں مصیب ہے۔ اس کو دو درجہ بلکہ ایک قول کے موافق دس درجہ کا ثواب ہے اور جو مخطی ہے۔ ایک درجہ ثواب کا اس کو بھی حاصل ہے۔ پس مخطی مصیب کی طرح ملامت سے دور ہے بلکہ درجات ثواب میں سے ایک درجہ ثواب کی امید رکھتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ان لڑائیوں میں حق بجانب حضرت امیر رضی اللہ عنہ تھے اور مخالفوں کا اجتہاد صواب سے دور تھا۔ مگر طعن کے لائق نہیں ہیں اور ملامت کی گنجائش نہیں۔ چہ جائے کہ ان کو فسق یا کفر کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی۔ یہ نہ کافر ہیں نہ فاسق، کیونکہ ان کے نزدیک تاویل ہے جو کفر وفسق سے منع کرتی ہے۔

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ (جو اختلاف میرے اصحاب کے درمیان ہوا ہے تم اس سے بچو) پس پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے تمام اصحاب کو بزرگ جاننا چاہئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہئے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی صلح سے بہتر جاننا چاہئے۔ فلاح ونجات کا طریق یہی ہے۔ کیونکہ اصحاب کرام کی دوستی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث ہے۔ کوئی بزرگ فرماتا ہے۔ مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللہِ مَنْ لَمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ (اس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہی نہیں جس نے آپ کے اصحاب کی عزت نہ کی)

قیامت کی علامتیں جن کی نسبت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے سب حق ہیں۔ ان میں کسی قسم کا خلاف نہیں۔ یعنی آفتاب عادت کے برخلاف مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے۔ دجال نکل آئے گا اور یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے۔ دابۃ الارض نکلے گا اور دھواں جو آسمان سے پیدا ہوگا اور تمام لوگوں کو گھیر لے گا اور دردناک عذاب دے گا اور لوگ بیقرار ہو کر کہیں گے اے ہمارے پروردگار۔ اس عذاب سے ہم کو دور کر، ہم ایمان لائے

اور اخیر کی علامت وہ آگ ہے جو عدن سے نکلے گی۔ بعض نادان گمان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اہل ہند میں سے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا وہی مہدی موعود ہوا ہے پس ان کے گمان میں مہدی گزر چکا ہے اور فوت ہو گیا ہے اور اس کی قبر کا پتا دیتے ہیں کہ فرا میں ہے۔ احادیث صحیحہ جو حد شہرت بلکہ حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ ان لوگوں کی تکذیب کرتی ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو علامتیں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے لیے فرمائی ہیں۔ ان لوگوں کے معتقد شخص کے حق میں مفقود ہیں۔ احادیث نبوی میں آیا ہے کہ مہدی موعود آئیں گے ان کے سر پر ابر ہوگا، اس ابر میں ایک فرشتہ ہوگا جو پکار کر کہے گا کہ یہ شخص مہدی ہے اس کی متابعت کرو۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام زمین کے مالک چار شخص ہوئے ہیں۔ جن میں دو مومن ہیں دو کافر۔ ذوالقرنین اور سلیمان مومنوں میں سے ہیں اور نمرود و بخت نصر کافروں میں سے۔ اس زمین کا پانچواں مالک میری اہل بیت سے ایک شخص ہوگا یعنی مہدی علیہ الرضوان۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا فنا نہ ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ میری اہل بیت میں سے ایک شخص کو مبعوث نہ فرمائیں گے۔ اس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا۔ زمین کو جور و ظلم کے بجائے عدل وانصاف پر کر دے گا۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ اصحاب کہف حضرت مہدی کے مددگار ہوں گے اور حضرت عیسیٰ ان کے زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور دجال کے قتل کرنے میں ان کے ساتھ موافقت کریں گے اور ان کی سلطنت کے زمانہ میں زمانہ کی عادت اور نجومیوں کے حساب کے برخلاف ماہ رمضان کی چودھویں تاریخ کو سورج گرہن اور اول ماہ میں چاند گرہن لگے گا۔ نظر انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ یہ علامتیں اس مردہ شخص میں موجود تھیں یا نہیں اور بھی بہت سی علامتیں ہیں جو مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہیں۔ شیخ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے مہدی منتظر کی علامات میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں دو سو تک علامتیں لکھی ہیں۔

بڑی نادانی اور جہالت کی بات ہے کہ مہدی موعود کا حال واضح ہونے کے باوجود لوگ گمراہ ہو رہے ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ (اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے

راستے کی ہدایت دے)۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل اکہتر فرقے ہو گئے تھے ایک کے سوا سب کے سب دوزخ میں ہیں اور عنقریب میری امت کے لوگ تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہے اور باقی سب دوزخ میں۔ پوچھا گیا کہ وہ فرقہ ناجیہ کون سا ہے۔ فرمایا کہ فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو اس بات پر ہیں جس میں ہوں اور میرے اصحاب۔ اور وہ ایک فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت کو لازم پکڑا ہے۔

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی مُعْتَقَدَاتِ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَ اَمِتْنَا فِیْ زُمْرَتِھِمْ وَاحْشُرْنَا مَعَھُمْ (یا اللہ تو ہم کو اہل سنت و جماعت کے اعتقاد پر ثابت قدم رکھ اور ان کے گروہ میں مار اور انہی کے ساتھ اٹھا) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَ ھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنی بارگاہ سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے)۔

عقائد کے درست ہونے کے بعد شرع کے اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا جو عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ نہایت ضروری ہے۔ پنج وقتی نماز کو بلافتور تعدیل ارکان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان فرق نماز ہی کا ہے۔ جب نماز بطریق مسنون ادا ہو جائے اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ آ جاتی ہے کیونکہ نماز اسلام کے پنجگانہ اصول میں سے دوسرا اصل ہے۔ پہلا اصل خدا اور رسول پر ایمان لانا ہے، اصل دوم نماز ہے، اصل سوم زکوٰۃ کا ادا کرنا، چوتھا اصل ماہ رمضان کے روزے، پانچواں اصل بیت اللہ کا حج۔ پہلا اصل ایمان؟ سے تعلق رکھتا ہے باقی چار اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمام عبادتوں کی جامع اور سب سے افضل تر نماز ہے۔ قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ اگر نماز کا محاسبہ درست ہو گیا تو باقی محاسبے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آسانی سے گزر جائیں گے جہاں تک ہو سکے۔ شرعی ممنوعات سے بچنا چاہئے اور حق تعالیٰ کی نامرضیات کو زہر قاتل سمجھنا چاہئے اور اپنے قصوروں کو ہر وقت نظر میں رکھنا چاہئے اور اپنی کارگزاریوں پر نادم اور شرمندہ ہونا چاہئے اور ندامت و حسرت اٹھانی چاہئے۔ بندگی کا طریق یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اور جو شخص بے تحاشا اپنے مولیٰ کی نامرضی اور نافرمانی کا مرتکب ہو

اور اس فعل سے اس کو ذرا بھی ندامت و شرمندگی نہ ہو وہ شخص سخت سرکش ہے۔ عجب نہیں کہ یہ اصرار و سرکشی اس کو اسلام سے باہر نکال دے اور دشمنوں میں داخل کر دے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم کو رحمت بخش اور ہمارے کاموں میں ہمیں بھلائی نصیب کر) وہ دولت جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں اور شاید آپ کو بھی یاد ہو یا نہ ہو۔ یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آتا ہے اور اہل سنت و جماعت میں سے ہے اور حنفی مذہب پر ہے۔ چند سال ہوئے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قرب قیامت اور عہد نبوت کے بعد کا زمانہ ہے۔ بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم بختی سے جو باطن کی پلیدی سے پیدا ہوئی ہے امیروں اور بادشاہوں کے ساتھ تقرب حاصل کیا ہے اور خوشامد کر کے دین متین میں تشکیکات اور اعتراض کیے ہیں اور شبہے نکالے ہیں اور سادہ لوح اور بیوقوفوں کو بہکارہے ہیں۔ جب ایسا عظیم الشان بادشاہ آپ کی باتوں کو اچھی طرح سن سکتا اور قبول کر سکتا ہے تو یہ اس قدر بھاری دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارہ کے طور پر کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو جو اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے موافق ہو۔ اس کے گوش گزار کر دیں اور جہاں تک گنجائش ہو سکے اہل حق کی باتوں کو پیش کریں۔ بلکہ ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے، جس میں مذہب و ملت کی نسبت گفتگو شروع ہو جائے۔ تاکہ اسلام کی حقیقت ظاہر کی جائے اور کفر و کافری کا بطلان کیا جائے۔ کفر خود ظاہر البطلان ہے۔ کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرتا۔ بے تحاشا اس کے بطلان کو ظاہر کرنا چاہیے اور بلا توقف ان کے جھوٹے خداؤں کی نفی کرنی چاہیے اور معبود برحق بلا تردد و شبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کو ثابت کرنا چاہیے۔ کیا کبھی سنا ہے کہ ان کے سب باطل خداؤں نے ایک مچھر کو بھی پیدا کیا ہو۔ اگر مچھر ان کو ڈنگ مارے یا تکلیف دے۔ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے۔ کافر گویا اس امر کی برائی کو ملاحظہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ معبود حق تعالیٰ کے نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے اور ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں گے۔ ان بے عقلوں نے کہاں سے جانا ہے کہ ان جمادات کو شفاعت کی مجال ہوگی اور حق تعالیٰ اپنے شریکوں کی شفاعت کو جو در حقیقت اس کے دشمن ہیں، اپنے دشمن بندوں کے حق میں قبول کر لے گا۔ ان کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کہ باغی بادشاہ پر حملہ کریں اور چند بے وقوف ان باغیوں کی مدد کریں اس خیال فاسد سے کہ تنگ وقت میں یہ باغی بادشاہ کے نزدیک ہماری سفارش

کریں گے اوران کے ذریعے ہم بادشاہ کا تقرب حاصل کریں گے۔ یہ عجب بے وقوف ہیں کہ باغیوں کی خدمت کریں اور باغیوں کی شفاعت سے بادشاہ سے معافی مانگیں اوراس کا قرب حاصل کریں۔ یہ لوگ سلطان برحق کی کیوں نہیں خدمت کرتے اور باغیوں کو کیوں نہیں شکست دیتے تاکہ اہل حق میں سے ہوں۔ یہ بے عقل لوگ پتھر کو لے کر اپنے ہاتھ سے تراشتے ہیں اورکئی سال اس کی پرستش کرتے ہیں اوراس سے بڑی بڑی امیدیں طلب کرتے ہیں۔ غرض کافروں کا دین ظاہر البطلان ہے اور مسلمانوں سے جو شخص راہ حق اور طریق مستقیم سے دور جا پڑا ہے۔ وہ اہل ہوا اور بدعتی ہے اور طریق مستقیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا طریق ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ بدعتیوں کے گروہ جن کے اصول یہ نو گروہ ہیں۔ خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجیہ، مشبہ، جہمیہ، ضراریہ، نجاریہ، کلابیہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین کی خلافت کے زمانہ میں نہ تھے۔ یہ گروہ صحابہ اور تابعین اور فقہائے سبعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے انتقال فرمانے سے کئی سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو دانتوں کے ساتھ مضبوط پکڑے رکھنا اور نئے نئے امور سے اپنے آپ کو بچانا، کیونکہ ہر ایک بدعت ضلالت ہے اور جو کچھ میرے بعد پیدا ہوگا وہ رد ہے اور سنت سے دور ہے۔

پس جو مذہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے۔ اعتبار اور اعتماد کے لائق نہیں۔ اس دولت عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہیئے کہ کمال فضل وکرم سے ہم کو فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت وجماعت میں داخل فرمایا اور بدعتی اور ہوا پرست فرقوں میں سے نہ بنایا اوران کے اعتقاد فاسد میں ہم کو مبتلا نہ کیا اوران لوگوں میں سے نہ بنایا جو بندہ کو مولا کی خاص صفات میں شریک بناتے ہیں اور بندے کو اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں اور آخرت کے دیدار سے جو دنیا وآخرت کی سعادتوں کا سرمایہ ہے۔ انکار کرتے ہیں اور حق تعالیٰ سے صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں اور نیز ان دو گروہوں میں سے نہ بنایا جو حضرت خیرالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کبار کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اوران بزرگان دین پر بدظن ہیں اوران کو ایک دوسرے کا دشمن تصور کرتے ہیں اور باطنی بغض وکینہ کے ساتھ تہمت لگاتے ہیں۔

حق تعالیٰ ان بزرگوں کے حق میں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (ایک دوسرے پر مہربان ہیں) فرماتا ہے اور یہ دونوں گروہ کلام حق کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کے درمیان بغض و کینہ و عداوت ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے تاکہ صراط مستقیم کو دیکھ لیں۔

اور اس گروہ میں سے بھی نہ بنایا جو حق تعالیٰ کے لیے جہت و مکان ثابت کرتے ہیں اور جسم و جسمانی خیال کرتے ہیں اور حدوث و امکان کے نشان واجب قدیم جل شانہ میں ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ روح کی مانند ہے اور تمام انسان جسد یعنی جسم کی طرح۔ اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے اور اگر روح بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی بہتری میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے کہ بلحاظ وقت جس طرح ہو سکے کلمہ اسلام کا اظہار کیا جائے، کلمہ اسلام کے بعد اہل سنت و جماعت کے معتقدات بھی کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینے چاہئیں اور مذہب مخالف کی تردید کرنی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت عظمیٰ ہاتھ آ گئی۔ آپ کو یہ دولت مفت حاصل ہے۔ اس کی قدر جاننی چاہیے۔ زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ حالانکہ جس قدر زیادہ مبالغہ کیا جائے۔ اسی قدر بہتر ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)۔

مکتوب ۶۸

نورانی ستون اور دم دار ستارہ کے بیان میں جو مشرق کی جانب سے طلوع ہوئے تھے اور قیامت کی علامتوں کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَ تْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے اللہ تعالیٰ کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں)۔

صحیفہ شریفہ جو فرزند عزیز نے مولانا ابوالحسن کے ہمراہ روانہ کیا تھا پہنچا پڑھ کر بڑی خوشی

ہوئی۔ تم نے ستون کی نسبت جو مشرق کی طرف سے پیدا ہوا تھا دوبارہ دریافت کیا ہے۔

سو جاننا چاہئے کہ خبر میں آیا ہے کہ جب عباسی بادشاہ جو حضرت مہدی کے ظہور کے مقدمات میں سے ہے۔ خراسان میں پہنچے گا۔ مشرق کی طرف قرن ذوسنین (دو دندانہ والا سینگ) طلوع کرے گا۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ستون مذکور کے دوسر ہوں گے۔ پہلے پہل اس وقت طلوع ہوا تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طلوع ہوا تھا۔ جب کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے وقت بھی طلوع ہوا تھا اور حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے وقت بھی ہوا تھا جب اس کو دیکھیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فتنوں کے شر سے پناہ مانگیں۔ یہ سفیدی جو مشرق کی طرف سے طلوع ہوئی تھی۔ اول ستون منور کی صورت میں تھی۔ بعدازاں ٹیڑھی ہو کر سینگ کی مانند ہو گئی۔ شاید اسی اعتبار سے فرمایا ہو کہ اس سینگ کے دونوں طرف دانتوں کی طرح باریک ہو گئے تھے۔ ان دونوں طرفوں کو دوسرا اعتبار کیا ہے۔ جیسے کہ نیزہ کے دونوں طرف باریک ہوں اور ان کو دوسرا اعتبار کریں۔

برادرم شیخ محمد طاہر بدخشی جونپور سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ اس ستون کے اوپر کی طرف دانتوں کی طرح دوسر تھے۔ جن میں تھوڑا سا فاصلہ تھا جنگل میں اس بات کو تشخیص کیا تھا اور لوگوں نے بھی اسی طرح خبر دی ہے۔

یہ طلوع اس طلوع سے الگ ہے جو حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کے وقت پیدا ہوگا۔ کیونکہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ صدی کے بعد آئیں گے اور ابھی سو میں سے اٹھائیس سال گزرے ہیں۔

نیز حدیث میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی علامتوں میں آیا ہے کہ مشرق کی طرف سے ایک ستارہ طلوع ہوگا جس کا دم نورانی ہوگا۔ یہ ستارہ جو طلوع ہوا ہے شاید وہی ہے یا اس کی مثال ہے اور اس ستارہ کو دمدار اس واسطے کہتے ہیں کہ حکماء نے لکھا ہے کہ ثوابت ستاروں کا سیر مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ پس اس ستارہ کا رخ اپنی سیر میں مشرق کی طرف ہے اور پیٹھ مغرب کی طرف۔ پس وہ لمبی سفیدی جو اس کے پیچھے دم کے مناسب ہے اور مشرق سے مغرب کی طرف ہر روز بلند ہوتا جاتا ہے۔ یہ اس کا سیر قسری ہے جو فلک اعظم کے سیر سے وابستہ

ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو بخوبی جانتا ہے)۔

غرض امام مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کا وقت نزدیک ہے دیکھیں صدی تک جو اس کے ظہور کا وقت ہے کیا کیا مقدمات ومبادی ظہور میں آئیں گے۔ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کے یہ مقدمات و مبادی ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارہاصات کی طرح ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور نبوت کے ظہور سے اول ظاہر ہوئے تھے۔

چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت عبداللہ کے نطفہ نے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت کا مادہ تھا۔ آمنہ کے رحم میں قرار پکڑا تمام روئے زمین کے بت سرنگوں ہو گئے اور تمام شیطان اپنے سے کام بند ہو گئے۔ فرشتوں نے ابلیس کے تخت کو اوندھا کر کے دریا میں ڈال دیا اور چالیس دن تک عذاب کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے اور فارس کی آگ جو ہزار سال سے روشن تھی اور کبھی نہ بجھتی تھی یکدم بجھ گئی۔

جب حضرت مہدی رضی اللہ عنہ بڑے ہو جائیں گے اور ان کے سبب اسلام اور مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہو گی اور ظاہر و باطن میں ان کی ولایت کا تصرف عظیم ہو گا اور کئی طرح کے خوارق وکرامات ان سے ظاہر ہوں گے اور عجیب وغریب نشان ان کے زمانہ میں پیدا ہوں گے تو ممکن ہے کہ ان کے وجود سے پہلے نبی ﷺ کے ارہاصات کی طرح مختلف قسم کے خرق عادات ظاہر ہوں جو ان کے ظہور کے مبادی ہوں جیسا کہ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر نہ ہوں گے جب تک کفر غالب نہ ہو گا یعنی اس وقت کفر وکافری غالب ہو گی اور اسلام ومسلمان زبون ومغلوب۔ اب وہی وقت ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے اہل اسلام کے غربا کو طوبیٰ فرمایا ہے اور بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اَلْعِبَادَۃُ فِی الْھَرَجِ کَھِجْرَۃٍ اِلَیَّ۔ یعنی فتنہ کے وقت عبادت کرنا گویا میری طرف ہجرت کرنا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ سپاہی فتنہ وفساد کے وقت اگر تھوڑی سی بھی دلیری اور بہادری دکھائی تو اس قدر اعتبار اور مقدار رکھتی ہے کہ فتنہ فرو ہونے کے وقت اس قسم کی ہزار ہا بہادری اور دلیری اتنا اعتبار و مقدار نہیں رکھتی۔ پس کام کرنے اور قبول ہونے کا وقت بھی فتنہ وفساد کا وقت ہے۔ ہمہ تن حق تعالیٰ کی مرضیات میں مشغول ہو جاؤ اور سنت

سنیہ کی متابعت کے بغیر کچھ اختیار نہ کرو۔ اگر چاہتے ہو کہ مقبولوں میں اٹھائے جاؤ اصحاب کہف ایک ہی ہجرت سے جو فتنہ کے غلبہ کے وقت ان سے ظہور میں آئی۔ بلند درجہ تک پہنچ گئے۔

تم تو خود محمدی ہو (ﷺ) اور بہترین امت میں داخل ہو اپنے وقت کو کھیل کود میں ضائع نہ کرو اور بچوں کی طرح جوز و مویز پر فریفتہ نہ ہو۔ بیت

دادیم تراز گنج مقصود نشاں ۔۔۔ ما اگر نرسیدیم تو شاید برسی

ترجمہ: تجھے گنج مقصود بتلایا ہم نے
ملا گر نہیں ہم کو شاید تو پالے

نورانی ستون جو اس دمدار ستارہ کے ظہور سے پہلے طلوع ہوا تھا۔ اس میں کوئی ظلمت و کدورت مفہوم نہ ہوتی تھی اور سوائے خیر و برکت کے اس میں کچھ نظر نہ آتا تھا، لیکن ستارہ دم دار میں کدورت کی آمیزش تھی۔ لاَ بَلِ النَّافِعُ وَالضَّارُّ هُوَ اللهُ (نہیں بلکہ نفع دینے والا اور ضرر پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے) کسی ستارہ کے متعلق کسی شخص کی موت یا زندگی نہیں ہے جو کچھ قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے۔ تین غرضیں ستاروں سے متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (یعنی بری اور بحری سفر میں ستاروں کے ذریعے راستہ معلوم کر لیتے ہیں)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنَا هَا رُجُوْمًا لِلشَّيَاطِيْنِ۔ یعنی دنیا کے آسمان کو ہم نے ستاروں سے آراستہ کیا تیسری غرض شیطانوں کا رجم یعنی سنگساری ان پر وابستہ ہے تاکہ باتوں کو نہ چرائیں۔ ان تین غرضوں کے سوا جو کچھ کہتے ہیں اس کا کچھ ثبوت نہیں۔ سب وہم و خیال میں داخل ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لاَ يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ (ظن سے کوئی حق بات ثابت نہیں ہوتی) بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" (بعض ظن گناہ ہوتا ہے)۔

عزیزا۔ بار بار لکھا جاتا ہے کہ اب توجہ و انابت اور تبتل و انقطاع یعنی خلق سے الگ ہونے کا وقت ہے۔ جو فتنوں کے وارد ہونے کا زمانہ ہے اور نزدیک ہے کہ فتنے ابر بہاری کی طرح برسیں اور جہان کو گھیر لیں۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت آنے سے پہلے سیاہ رات کی طرح فتنے برپا ہوں گے۔ اس وقت آدمی اگر صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہوگا اور اگر شام کو مومن ہو

گا تو صبح کو کافر ہوگا۔ اس وقت بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے اچھا ہوگا۔ اس وقت تم اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو اور اپنی تلواروں کو پتھروں سے کند کر دو۔ اگر تم میں سے کوئی کسی کے پاس جائے تو اس کے پاس آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر کی طرح جائے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا کہ ہم کیا کریں۔ فرمایا اس وقت تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو اور دوسری روایت میں ہے کہ اپنے گھروں کے اندروں کو لازم پکڑو۔

تم کو معلوم ہوگا کہ انہی دنوں میں دارالحرب کے کفار نے نگر کوٹ کے گردونواح میں مسلمانوں اور ان کے شہروں پر کیا کیا ظلم وستم کیے ہیں اور کیسی اہانت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے۔ اس قسم کے بدبودار پھول زمانہ کے آخر ہونے کے باعث بہت کھلیں گے۔ ثَبَّتَنَا اللّٰہُ وَ اِیَّاکُم وَ جَمِیعَ الْمُؤْمِنِینَ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَعَلٰی اٰلِ کُلٍّ وَ عَلٰی مَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِینَ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رکھے)

مکتوب ۶۹

نماز کے تعدیلِ ارکان اور طمانینت اور صفوں کی برابری اور اس بیان میں کہ کفار کے جہاد پر جانے کے لیے نیت کو درست کرنا چاہیے اور نماز تہجد کا حکم کرنے اور لقمہ میں احتیاط کرنے کے بیان میں محمد مراد بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

صحیفہ شریف جو آپ نے ارسال کیا تھا پہنچا۔ یاروں کی ثابت قدمی اور استقامت کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ زَادَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ ثَبَاتًا وَاِسْتِقَامَۃً اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ سے زیادہ ثابت قدمی اور استقامت عطا فرمائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ خادم جس امر کے بجالانے کے لیے مامور ہے مع ان یاروں کے جو داخل طریقہ ہیں۔ ہمیشہ بجالاتا ہے اور پنج وقتی نماز کو پچاس ساٹھ آدمیوں کی جماعت کے

ساتھ ادا کرتا ہے اس بات پر اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے۔ یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ باطن ذکر الٰہی سے معمور ہو اور ظاہر احکام شرعیہ سے آراستہ ہو چونکہ اکثر لوگ اس زمانہ میں نماز کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں اور طمانیت اور تعدیل ارکان میں کوشش نہیں کرتے۔ اس لیے اس بارہ میں بڑی تاکید اور مبالغہ سے لکھا جاتا ہے غور سے سنیں۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ چوروں میں سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز سے کس طرح چراتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ رکوع وسجود کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو ثابت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے دیکھا کہ رکوع سجود پورا نہیں کر رہا۔ تو فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو دین محمد پر تیری موت نہ ہوگی یعنی تو دین محمد کے برخلاف مرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نہیں ہوگی جب تک رکوع کے بعد سیدھا نہ کھڑا ہو اور اپنی پیٹھ کو ثابت نہ رکھے اور اس کا ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت اپنی پشت کو درست نہیں کرتا اور ثابت نہیں رکھتا اس کی نماز تمام نہیں ہوتی۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نمازی کے پاس سے گزرے دیکھا کہ احکام وارکان وقومہ وجلسہ بخوبی ادا نہیں کرتا تو فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو قیامت کے دن تو میری امت میں نہ اٹھے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ ایسا وہ شخص ہے جو رکوع وسجود کو بخوبی ادا نہیں کرتا۔

لکھتے ہیں کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع وسجود بخوبی ادا نہیں کرتا اس مرد کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو کب سے اس طرح نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ چالیس سال سے۔ فرمایا کہ اس چالیس سال کے عرصے میں تیری کوئی نماز نہیں ہوئی۔ اگر تو مر گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر نہ مرے گا۔

منقول ہے کہ جب بندہ مومن نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کے رکوع و سجود کو بخوبی بجالاتا ہے اس کی نماز بشاش اور نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ وہ نماز اپنے نمازی کے لیے دعا کرتی ہے اور کہتی ہے حَفِظَکَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ کَمَا حَفِظْتَنِیْ (اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی) اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ وہ نماز سیاہ رہتی ہے۔ فرشتوں کو اس نماز سے کراہت آتی ہے اور اس کو آسمان پر نہیں لے جاتے۔ وہ نماز اس نمازی پر بددعا کرتی ہے اور کہتی ہے۔ ضَیَّعَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَمَا ضَیَّعْتَنِیْ۔ (خدا تعالیٰ تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا)۔

پس نماز کو پوری طرح ادا کرنا چاہئے۔ تعدیل ارکان رکوع وسجود اور قومہ و جلسہ اچھی طرح بجالانا چاہئے۔ دوسروں کو بھی فرمانا چاہئے کہ نماز کو کامل طور پر ادا کریں اور طمانیت اور تعدیل ارکان میں کوشش کریں کیونکہ اکثر لوگ اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک ہورہا ہے۔ اس عمل کا زندہ کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی مردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے وقت صفوں کو برابر کرنا چاہئے۔ نمازیوں میں سے کوئی شخص آگے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ کوشش کرنی چاہئے کہ سب ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ رسول اللہ سب سے پہلے اول صفوں کو درست کرلیا کرتے تھے۔ پھر تحریمہ کہا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ صفوں کو درست کرنا نماز کی اقامت ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (یارب اپنے پاس سے تو ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں سے ہدایت ہمارے نصیب کر)

اے سعادت کے نشان والے۔ عمل نیت کے ساتھ درست ہوتا ہے چونکہ آپ دارالحرب کے کافروں کے ساتھ جہاد کرنے جارہے ہیں اس لیے اول نیت کو درست کریں تاکہ اس پر نتیجہ مترتب ہو۔ اس جنگ وجدال سے مقصود یہ ہونا چاہئے کہ اسلام کا بول بالا ہو اور دین کے دشمن ذلیل ہوں کیونکہ ہم اسی امر پر مامور ہیں اور جہاد سے مقصود یہی ہے۔ غازیوں کی رسد یا وظیفہ جو بیت المال سے مقرر ہے۔ جہاد کے منافی نہیں اور غازیوں کے اجر میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ بری نیتیں عمل کو باطل کردیتی ہیں۔ نیت کو درست کرکے بیت المال سے

وظیفہ کھائیں اور جہاد کریں اور غازیوں اور شہیدوں کے اجروں کے امیدوار رہیں۔ آپ کے حال پر رشک آتا ہے کہ آپ باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہیں اور ظاہر میں نماز جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دارالحرب کے کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کی دولت سے بھی مشرف ہو گئے ہیں۔ جو شخص سلامت بچ کر آ گیا وہ غازی اور مجاہد ہے جو ہلاک ہو گیا۔ وہ شہید پاک ہے، لیکن یہ سب کچھ نیت کے درست کرنے کے بعد متصور ہے۔ اگر نیت کی حقیقت ثابت نہ ہو تو تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس نیت پر لانا چاہیے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی التجا اور زاری کرنی چاہیے تاکہ نیت کی حقیقت حاصل ہو جائے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"۔ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب شے پر قادر ہے۔)

دوسری نصیحت جو بیان کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ نماز تہجد کو لازم پکڑیں کیونکہ طریقت کی ضروریات میں سے ہے پہلے بھی آپ کو تاکید کی گئی تھی کہ اگر یہ بات آپ کو مشکل معلوم ہوتی ہے اور خلاف عادت بیدار نہیں ہو سکتے تو متعلقین میں سے کسی کو اس امر پر مقرر کر دیں تاکہ آپ کو اس وقت جَبْرًا کَرْهًا. جگا دیا کریں اور آپ کو خواب غفلت میں نہ پڑا رہنے دیں جب چند روز تک اس طرح کریں گے امید ہے کہ بلا تکلف یہ دولت میسر ہو جائے گی اور نصیحت یہ ہے کہ لقمہ میں احتیاط رکھیں یہ اچھا نہیں کہ جو کچھ آیا اور جو جس جگہ سے آیا جھٹ کھا لیا اور حلال و حرام شرعی کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ یہ انسان خود مختار نہیں ہے کہ جو کچھ چاہے کرے۔ نہیں بلکہ اس کا ایک مولا ہے جس نے اس کو امر و نہی پر مکلف فرمایا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنی رضامندی اور نارضامندی کو بیان کر دیا ہے وہ بہت ہی بدبخت انسان ہے جو اپنے مالک کی مرضی کے برخلاف کرے اور مالک کی اجازت کے بغیر اس کے ملک و ملک میں تصرف کرے۔

بڑی شرم کی بات ہے کہ مجازی حاکم کی رضامندی میں اس قدر کوشش کرتے ہیں کہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے اور مولائے حقیقی کی رضاجوئی کے لیے جس نے تاکید و مبالغہ کے ساتھ برے کاموں سے منع کیا اور جھڑکا ہے، کچھ التفات نہیں کرتے۔

غور کرنا چاہیئے کہ یہ اسلام ہے یا کفر ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ ابھی گزشتہ کا تدارک ہو سکتا

ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهٗ۔ (گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا، قصور کرنے والوں کے لیے بشارت ہے اور اگر کوئی شخص گناہ پر اصرار کرے اور اس پر خوش رہے تو وہ منافق ہے۔ ظاہری اسلام اس کے عذاب و عقاب کو دور نہیں کر سکے گا۔ اس سے زیادہ کیا تاکید و مبالغہ کیا جائے عاقل کو ایک اشارہ کافی ہے۔

دوسرے واضح ہو کہ دشمن کے غلبہ اور خوف کے وقت امن و امان کے لیے سورت لِاِیْلٰفِ کا پڑھنا خوب ہے۔ ہر دن اور رات کو کم از کم گیارہ گیارہ بار پڑھا کریں۔

حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلاً ثُمَّ قَالَ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ کُلِّهَا مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ لاَ یَضُرُّهٗ شَیْءٌ حَتّٰی اِرْتَحَلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ (جو شخص کسی جگہ اترے اور اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ الخ پڑھے۔ وہاں سے کوچ کرنے تک اس کو کوئی چیز ضرر نہ دے گی)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔

مکتوب ۷۰

کعبہ معظمہ کے اسرار و حقائق کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے کعبہ کا نمونہ بھی ہے۔ مَوْلاَنَا عَبْدُالْوَاحِدْ لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے:

انسان میں جس طرح اس کا دل عرش رحمٰن کا نمونہ ہے اور اس کا ظہور قلبی ظہور عرشی کا نمونہ ہے۔ اسی طرح انسان میں بیت اللہ کا بھی نمونہ اور نشان ہے۔ جو میانہ ہے (یعنی فرشتے اور چارپایہ کے درمیان ہے (یعنی حقیقت انسانی) اور دائیں بائیں (یعنی شیون و اعتبارات و ظلال) سے بیگانہ ہے اور حسن سبقت (یعنی محبت خاص) میں یگانہ ہے۔ اس دولت عظیم یعنی ظہور بیت اللہ کے مالک اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور امتوں میں سے وہ لوگ ہیں جن کو ان بزرگواروں کی تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ صحابہ کرام کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے یہ دولت زیادہ حاصل تھی۔ اصحاب کبار کے زمانہ کے بعد کم ہوگئی۔ بیشمار زمانوں کے بعد اگر کسی کو وراثت و تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ تو غنیمت اور کبریت احمر ہے۔ ایسا شخص زمرہ اصحاب میں داخل ہے اور سابقین میں سے ہے اور اس بلند نسبت والا مرکز مطلوب کی دولت سے متمیز ہے۔ اگرچہ نفس مرکز میں بھی کئی مراتب ہیں، لیکن سبقت کی دولت سے مشرف ہے اس معما کو اس

سے زیادہ کیا ظاہر کرے اور اس رمز کی تفصیل زیادہ کیا کرے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نسبت بلند ظاہر ہوتی ہے تمام نسبتیں دور ہو جاتی ہیں اور ان کا نام ونشان تک نہیں رہتا۔ خواہ وہ نسبت قلبی ہو یا غیر قلبی۔ اِذَا جَاءَ نَهْرُ اللهِ بَطَلَ نَهْرُ عِيسىٰ (جب اللہ تعالیٰ کی نہر آئے گی عیسیٰ کی نہر باطل ہو جائے گی) اس مقام کا نشان ہے۔ اس دولت والے لوگ سیدھے راستہ پر ہیں۔ جو مطلوب تک پہنچنے کے لیے بالمقابل پڑا ہے جو شخص اس راہ سے دائیں بائیں ہے۔ اس کا وصول ظلال میں سے کسی ظل تک ہے۔ اگرچہ ظلال میں بھی مختلف مراتب ہیں، لیکن سب پر ظلیت کا داغ لگا ہوا ہے۔

فراق دوست اگراندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم مواست بسیار است

ترجمہ: فراق دوست تھوڑا بھی بہت ہے حق میں عاشق کے
نظر آتا بہت ہے، ہو اگرچہ نیم مو چبھتا

جو شخص صراط مستقیم سے ایک دانہ رائی کے برابر بھی جدا ہو گیا ہے وہ جوں جوں جائے گا دور ہوتا جائے گا اور مطلوب تک پہنچنے سے زیادہ بعید ہوتا جائے گا۔ شعر

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

ترجمہ بیت: تو اس رستے نہیں جائے گا کعبے
کہ ترکستان کو جاتا ہے یہ راہ

ثَبَّتَنَا اللهُ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ۔ (اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کو اختیار کیا)

مکتوب ۷۱

کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کے اسرار میں علوم عقلی و نقلی کے جامع مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ۔ پہلا کلمہ مرتبہ وجوب کے اثبات پر مشتمل ہے۔ مرتبہ وجوب کا وہ ظہور جو صورت مثالی میں نقطہ کی صورت پر مشہور ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کے اس ظہور کی نسبت جو لمبی چوڑی صورت میں ظاہر ہوتا ہے بہت ہی قریب ہے۔ اگرچہ اس مرتبہ میں نہ نقطہ کی گنجائش ہے نہ دائرہ کی۔ نہ وہاں طول کی مجال ہے نہ عرض و عمق کی۔ اسی واسطے کشفی

صورت میں کلمہ مثبت نقطہ کے رنگ میں دکھائی دیتا ہے اور کلمہ محمد رسول اللہ جو دعوت خلق کی خبر دیتا ہے جو اجسام و جواہر کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور وہاں طول و بسط کا قدم راسخ ہے۔ اس واسطے اس مقام کی صورت مثالی کشفی نظر میں لمبی چوڑی دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام میں سالک بقیہ سکر کے باعث جو اس میں باقی رہتا ہے دوسرے کلمہ کو دریائے محیط کی طرح معلوم کرتا ہے اور پہلے کلمہ کو اس دریا کے مقابلہ میں نقطہ کی طرح خیال کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے بھی بقیہ سکر کے باعث حکم کیا اور لکھا ہے کہ دوسرا کلمہ ایسا دریا ہے کہ پہلا کلمہ اس کے مقابلہ میں نقطہ کی طرح ہے۔ اس مقام میں فتوحات مکیہ والے نے بھی کہا ہے کہ جمع محمد جمع الٰہی جل شانہ سے اجمع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مرتبہ وجوب کی بیچونی کی وسعت پرتو ڈالتی ہے اور اس مرتبہ مقدسہ کا بے کیفی احاطہ ظاہر ہو جاتا ہے تو جہان تمام کا تمام باوجود اس قدر طول وعرض کے جزء لایتجزی کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور وہ چیز جو سالک اول دریائے محیط کے مقابلے میں نقطہ کی طرح معلوم کرتا تھا اس وقت دریائے ناپیدا کنار نظر آتی ہے اور دریائے محیط کو جزء لایتجزی سے بہت چھوٹا دیکھتا ہے۔

اس مضمون سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت کلمہ اول کے مناسب ہے اور نبوت دوسرے کلمہ کے مناسب۔ اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ نبوت دونوں کلموں کا ماحصل ہے۔ نبوت کا عروج کلمہ اول سے اور اس کا نزول کلمہ دوم سے تعلق رکھتا ہے۔ پس دونوں کلموں کا مجموعہ مقام نبوت کا حال ہے نہ کہ صرف کلمہ دوم کا حاصل جیسے بعض نے گمان کیا ہے اور کلمہ اولیٰ کو ولایت کے ساتھ مخصوص کیا ہے حالانکہ ایسا بھی نہیں بلکہ دونوں کلمے عروج ونزول کے اعتبار سے مقام ولایت کا بھی حاصل ہیں اور مقام نبوت کا حاصل بھی۔

حاصل کلام یہ کہ مقام ولایت مقام نبوت کا ظل ہے اور ولایت کے کمالات، کمالات نبوت کے ظلال ہیں۔ مقام سکر میں جو کچھ کہیں معذور ہیں۔ یہ فقیر بھی سکر کی باتوں میں ان کے ساتھ شریک ہے۔ اسی واسطے اپنے بعض مکتوبوں میں اول کلمہ کو مقام ولایت کے مناسب اور کلمہ دوم کو مقام نبوت کے موافق لکھا ہے۔ سکر بھی نعمت ہے۔ بشرطیکہ اس سے پھر صحو میں لے آئیں اور کفر طریقت سے نکال کر اسلام حقیقی میں لے جائیں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَانَا بِصَدَقَةِ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ يَرْحَمُ اللهُ عَبْدًا قَالَ

امینًا۔ (یا اللہ نبی ﷺ کے طفیل تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے آمین کہا)۔

مکتوب ۲۷

اس بیان میں کہ بیت اللہ کا معاملہ تمام تجلیات اور ظہورات اور ظہور عرشی سے برتر ہے اور کعبہ کی حقیقت کے ساتھ ملنے اور صورت کعبہ کی طرف شوق زیارت کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

ظہور عرشی اگرچہ تمام تجلیات وظہورات سے برتر ہے، لیکن وہ معاملہ جو بیت اللہ مقدس کے ساتھ وابستہ ہے۔ تمام ظہورات وتجلیات سے برتر ہے۔ وہاں ظہور وتجلی کا نام لینا ننگ وعار ہے۔ تجلیات وظہورات محیط دائرہ کا حکم رکھتے ہیں اور یہ معاملہ اس دائرہ کے مرکز کا حکم اور شک نہیں کہ محیط دائرہ باوجود وسعت کے مرکز دائرہ کا ظل ہے، کیونکہ اسی نقطہ مرکز نے اپنے ظل کو فراخ کیا ہے اور سو نقطوں کی طرح ہو کر محیط دائرہ بن گیا ہے۔ مذکورہ بالا معاملہ کو نقطہ سے تعبیر کرنا اقرب اشیاء کے ساتھ تعبیر کرنے کی قسم سے ہے ورنہ وہاں نقطہ بھی دائرہ کی طرح مفقود ہے۔ نہ وہاں ظاہر کی مجال ہے نہ مظہر کی نہ اس مقام میں اصل کی گنجائش ہے نہ ظل کی کیونکہ اصل بھی سایہ کی طرح اس دولت سرائے سے پیچھے رہ گیا ہے۔

چہ گویم باتو از مرغے نشانہ که باعنقا بود ہم آشیانہ
زعنقاہست نامے پیش مردم زمرغ من بود آں نام ہم گم

ترجمہ: کہوں کیا مرغ کا تجھ سے نشانہ جو عنقا سے رہے ہم آشیانہ
مگر ہے نام عنقا سب کو معلوم مرے اس مرغ کا ہے نام معدوم

انبیاء بنی اسرائیل کا کعبہ جو بیت المقدس کا پتھر ہے۔ اس کے ظہورات کے کمالات آخر کار اس کعبہ معظمہ کے کمالات کی طرف راجع ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ مل جاتے ہیں، کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ ملنے سے چارہ نہیں۔ راستے جب تک مرکز تک جو صراط مستقیم ہے نہ پہنچیں تب تک مطلب کی طرف نہیں جاسکتے۔ وَاشَوْقَاهُ اِلٰى لِقَاءِ الْكَعْبَةِ الْمُعَظَّمَةِ.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبَارَکًا وَّ هُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ فِیْهِ اٰیَاتٌ بَیِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِیْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا وَ مَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ سب سے اول گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ معظمہ میں ہے۔ جو اہل جہان کے لیے سراسر برکت و ہدایت ہے۔ اس میں روشن نشان ہیں۔ جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے۔ جو اس گھر میں آ گیا وہ امن میں ہو گیا اور لوگوں پر فرض ہے کہ راستہ کے اخراجات ہونے کے وقت اللہ کے لیے اس گھر کا حج کیا کریں اور جو شخص اس سے انکار کرے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل جہان سے غنی ہے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کعبہ کی حقیقت کے ساتھ الحاق یعنی ملنا میسر ہو چکا ہے اور اس کے بعد بیشمار ترقیاں حاصل ہو چکی ہیں۔ مگر صورت کو صورت کعبہ کی ملاقات کا شوق ہے۔ حج فرض اکبر ہو چکا ہے اور راستہ کا امن بھی غلبہ سلامتی کے باعث ثابت ہو چکا ہے اور اس فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کامل ہے، لیکن دیر پر دیر ہوتی چلی آتی ہے۔ سفر کا استخارہ بھی موافقت نہیں کرتا۔ اچھی طرح غور سے توجہ کی ہے۔ پھر بھی چلنے کا راستہ نہیں کھلتا اور کعبہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا۔ کیا کیا جائے۔ ادائے فرض کی تاخیر میں اس قسم کے عذر فائدہ مند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فرض حج کے ادا کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلنا چاہئے اور سر اور آنکھوں کے بل منزلوں کو قطع کرنا چاہئے۔ اگر پہنچ گئے تو نعمت عظمیٰ ہے۔ اگر راہ ہی میں رہ گئے تو بڑی بھاری امیدواری ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش۔ تو سب کچھ کر سکتا ہے۔) وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ ط

مکتوب ۷۳

انسان کامل کے ظاہر و باطن کے بیان میں مخدوم زادہ مجد الدین محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

انسان عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے مراد ہے۔ عالم خلق کو انسان کی صورت اور ظاہر تصور کرتے ہیں اور عالم امر کو اس کا باطن اور حقیقت جانتے ہیں اور اعیان ثابتہ کو جو ممکنات کے حقائق کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہے کہ ممکنات ان اعیان کے ظلال ہیں اور وہ اعیان ان ظلال کے اصول ہیں۔ کیونکہ ممکنات کی حقیقت و ماہیت اعیان کے وہی ظلال ہیں کہ ممکنات جن کے ساتھ ممکنات بنے ہیں اور وجود ظلی پیدا کیا ہے۔ برخلاف اعیان کے کہ وہاں تعینات وجوبی ثابت کرتے ہیں اور ان کو مراتب امکان کے اوپر جانتے ہیں، کیونکہ تعین وحدت اور تعین واحدیت کو کہ اعیان ثابتہ کا مرتبہ ہے۔ تعین وجوبی کہتے ہیں اور باقی تین تعینوں یعنی تعین روحی اور تعین مثالی اور تعین جسدی کو تعین امکانی جانتے ہیں۔ پس تعین وجوبی کو جو تعین امکانی کی حقیقت کہتے ہیں، تجوز کے طور پر ہے۔ کیونکہ حقیقت امکانی عالم امکان سے ہے۔ نہ کہ مرتبہ وجوب سے شے کا اصل گویا شے کی حقیقت ہے۔

پس یہ جو کہتے ہیں کہ صوفی کائن بائن ہوتا ہے۔ یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں خالق کے ساتھ تو ظاہر سے مراد عالم خلق ہے اور باطن سے مراد عالم امر اور اس مقام کو جو دونوں توجہوں کا جامع ہے۔ بڑا عالی کہتے ہیں اور تکمیل و ارشاد کے مقام اور دعوت کا مرتبہ خیال کرتے ہیں۔

اس فقیر کو اس مرتبہ میں معرفت خاص حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص اخص خواص میں سے ہو۔ جس کے نزدیک عالم خلق اور عالم امر دونوں صورت و ظاہر کی طرح ہوں اور اس کی حقیقت و باطن وہ اسم ہے جو اس کا مبدء تعین ہے۔ بمعہ دوسرے اسماء و شیونات کے جو اس اسم کے اصل کی طرح ہیں حتیٰ کہ اس حضرت ذات تک پہنچ جائیں جو شیون و اعتبارات سے مجرد ہے۔ یہ کامل معرفت والا عارف چونکہ تمام مراتب امکانیہ کو طے کر کے اس اسم تک پہنچ جاتا ہے جو اس کا قیوم ہے اور مراتب امکانیہ سے اس کی انانیت دور ہو کر اس اسم کے ساتھ منطبق ہو چکی ہے اور ترتیب وار عروج کے طور پر دمبدم مراتب فوق پر جو اس اسم کے اصل کی طرح ہیں اور وہاں سے احدیت مجردہ تک پہنچ چکتی ہے۔ پس اس کی انانیت کے منطبق ہونے کے یہ مراتب اس کی حقیقت ہے کہ اس کا عالم امر اس کے عالم خلق کی طرح اس حقیقت کی صورت بن گئی ہے۔ یہ صورت اس حقیقت کے لیے ایسی ہے جیسے کپڑا پہننے والے شخص کے لیے کپڑا۔ دوسروں نے چونکہ انا کا اطلاق عالم خلق

اور عالم امر پر موقوف رکھا ہے۔ اس لیے ان کی صورت و حقیقت بھی عالم خلق اور عالم امر ہے اور وہ اسماء جو ان کے تعینات کے مبادی ہیں۔ ان کے قیوم ہیں۔

سوال: عارف خواہ کتنا ہی کمال معرفت حاصل کرے۔ پھر بھی ممکنات ہی سے ہے امکان سے نکل کر وجوب کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔ پس وہ اسم جو اس کا قیوم ہے اور مرتبہ وجوب سے ہے۔ کس طرح اس کی حقیقت اور جز ہو سکتا ہے۔

جواب: یہ حقیقت باعتبار شہود کے ہے۔ نہ باعتبار وجود کے تاکہ محظور لازم آئے جس طرح کہ بقا باللہ کہتے ہیں۔ یہ شہود صرف تخیل ہی نہیں بلکہ بہت سے ثمرات و نتائج اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست　　ہم قصہ غریب و حدیث عجیب است

ترجمہ: نہیں بے فائدہ حافظ کی فریاد　　عجب ہے ماجرا اس کا سراسر

پس ثابت ہوا کہ جو کچھ دوسروں کی صورت و حقیقت کا مجموعہ ہے۔ وہ اس عارف کی صورت ہے۔ اس صورت کو اس کی حقیقت کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو کپڑے کو پہننے والے شخص کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر دوسرے اس کی حقیقت کو کیا پا سکیں اور اپنی صورتوں اور حقیقتوں کی مانند سمجھنے کے سوا اور کیا تصور کریں۔ اس عارف کی معرفت حق تعالیٰ کی معرفت کو مستلزم ہے۔ اِذَا رُؤُ وَاذُ کِرَ اللہُ (جب لوگ ان کو دیکھتے ہیں خدا یاد آتا ہے) ان کا نشان ہے۔

الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پا لیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔

اور یہ جو فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ تام المعرفت عارف رجوع کے بعد کلی طور پر عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا ظاہر خلق کی طرف ہے اور اس کا باطن خالق کی طرف بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ عالم خلق اور عالم امر دونوں سے کلی طور پر عالم کی طرف متوجہ ہے جیسے کہ قوم کے نزدیک متعارف اور مشہور ہے یعنی عالم خلق و عالم امر دونوں کی طرف دعوت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔

اور وہ حقیقت و باطن جو فقیر نے اوپر لکھا ہے اس سے اسم قیوم اور مافوق مراد لیا ہے اس کا

حق کی طرف توجہ کرنا کچھ معنے نہیں رکھتا، کیونکہ وہ عالم وجوب سے ہے جیسے کہ گزر چکا بہر صورت رجوع کے وقت عارف کامل کی توجہ کامل طور پر خلق کی طرف ہوتی ہے اور وہ شخص کہ جس کی ایک توجہ خلق کی طرف ہے اور دوسری توجہ خالق کی طرف وہ سیر کے وسط میں ہے، لیکن یہ شخص اس سالک سے بلند تر ہے جس کی توجہ کامل طور پر حق تعالیٰ کی طرف ہے کیونکہ یہ شخص بندوں کے حقوق ادا کرنے میں ناقص ہے اور وہ شخص حتی المقدور خالق کے حق بھی اور مخلوق کے حق بھی بجالاتا ہے اور خلق کو خالق کی طرف بلاتا ہے، پس اس کی نسبت اکمل ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا بعد اور دوری طلب کرتا ہے اور بعد و دوری اس عارف کے حق میں دوسروں کے نصیب ہو چکی ہے جو توجہ کے محتاج ہیں۔ کیا کسی نے دیکھا ہے کہ کوئی شخص اپنی طرف متوجہ ہو تو پھر اس شخص کی طرف جو اپنے آپ سے بھی زیادہ نزدیک ہے اس کی توجہ کرنے کے کیا معنے۔ یہ عدم توجہ اس عارف کے مخصوصہ کمالات میں سے ہے۔ عجب نہیں کہ دور بین لوگ اس کو نقص خیال کریں اور توجہ کو عدم توجہ کی نسبت زیادہ کمال تصور کریں۔ حق تعالیٰ ان کو انصاف دے تا کہ اپنے جہل مرکب پر حکم نہ کریں اور ہنر کو عیب نہ جانیں۔

مکتوب ۴۷

آیت کریمہ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ کی تاویل اور آیہ کریمہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ کے بیان اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور وہ ظالم لِنَفْسِهٖ ہے اور مقتصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کیا ہے اور سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ کو محب و محبوب کے ساتھ جن کا سرحلقہ محمد رسول ﷺ ہیں۔ خواجہ ہاشم کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی اعتدال پر چلنے والا اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیرات میں سب سے بڑھنے والا ہے)۔

اور فرماتا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ

يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے)

ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لیکن ہم تاویل بیان کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہوگئی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر)

جاننا چاہیے کہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے) اللہ تعالیٰ صورت سے پاک اور برتر ہے۔ پس آدم کا اس کی صورت پر پیدا ہونا اس طرح پر ہوسکتا ہے کہ اگر مرتبہ تنزیہہ کی صورت عالم مثال میں فرض کی جائے تو بیشک یہ صورت جامع ہوگی جس پر یہ انسان جامع موجود ہوا ہے۔ دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہوسکے اور اس کا آئینہ بن سکے یہی باعث ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے کیونکہ خلیفہ جب تک شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اس شے کی خلافت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شے کا خلیفہ اس کا خلف اور قائم مقام ہوتا ہے۔ چونکہ انسان رحمان کا خلیفہ بن گیا اس لیے بار امانت بھی اسی کو اٹھانا پڑا۔ لَا يَحْمِلُ عَطَا يَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں)۔ آسمان اور زمین اور پہاڑ یہ جامعیت کہاں سے لاتے کہ حق تعالیٰ کی صورت پر پیدا ہوتے اور اس کے خلافت کے لائق ہوکر بار امانت کو اٹھا سکتے۔

محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے حوالہ بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا۔ وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسان کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا افاضہ اور بقاء اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ متوسل ہے اور اگر جن وانس ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ وسیلہ پکڑتا ہے۔ غرض حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا یعنی اپنی جان پر یہاں تک

ظلم کرتا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی نام ونشان اور اثر وحکم باقی نہیں چھوڑتا۔ واقعی جب تک اس طرح کا حکم نہ کرے بار امانت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ جَھُوْلاً یعنی اس قدر جاہل ہے کہ اس کو اپنے مطلوب کا علم وادراک نہیں بلکہ ادراک سے عاجز ہونا اور علم سے جاہل ہونا اس کا مقصود ہے۔ یہ عجز وجہل اس مقام میں کمال معرفت ہے کیونکہ سب سے زیادہ جاہل اس مقام میں سب سے زیادہ عارف ہوتا ہے اور جو سب سے زیادہ عارف ہو گا وہی بار امانت کے لائق ہو گا۔ یہ دونوں وصفیں گویا بار امانت کے اٹھا لینے کا باعث ہیں۔ یہ عارف جو اشیاء کی قیومیت کے مرتبہ سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے۔ جس کی طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجع ہیں۔ انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں، لیکن وزیر کے ذریعے سے پہنچتے ہیں۔

اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یہ مرتبہ اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو ان بزرگواروں کی وراثت و تبعیت کے طور پر اس ذولت سے مشرف فرمائیں۔

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

وارثان کتاب میں سے پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے یہی ظالم لنفسہ ہیں جو منصب وزارت اور قیومت سے مشرف ہیں ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے وہ لوگ ہیں جو دولت خلت سے مشرف ہیں اور صاحب سر اور اہل مشورت ہیں۔ اگرچہ بادشاہی کا معاملہ اور کاروبار وزیر کے متعلق ہے، لیکن خلیل یعنی دوست ہمنشین اور غمخوار اور انیس ہوتا ہے۔ یعنی خلیل اپنے آرام کے لیے ہے اور وزیر دوسروں کے کاروبار کے لیے شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے)

اس مقام عالی یعنی خلت کے سر حلقہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یا وہ لوگ جن کو اس مقام عالی سے مشرف فرمائیں۔ مقام خلت کے اوپر مقام محبت ہے۔ جس مقام اعلیٰ کے ساتھ تیسرے گروہ کے لوگ جو سابق بالخیرات ہیں۔ مشرف ہوئے ہیں۔ یار وندیم اور ہوتا ہے اور محبّ ومحبوب اور وہ اسرار ومعاملات جو محبّ ومحبوب کے درمیان

گزرتے ہیں۔ یار وندیم کا وہاں کچھ دخل نہیں۔ اگر چہ کمال الفت وانس کے وقت محبت کے خفیہ اور پوشیدہ اسرار کو جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اوراس کو محبّ ومحبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں۔

محبوں کے سر حلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سرگروہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یا ان بزرگواروں کی وراثت اور تبعیت سے جس کسی کو ان دو مقاموں سے مشرف فرمائیں اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اعلیٰ ہیں۔ اس فقیر کے کسی مکتوب میں مذکور ہو چکے ہیں۔ ان میں بھی صدر نشین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں۔ جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ سلام اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۷۵

اس بیان میں کہ مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کے لیے کفارہ ہیں اور عاجزی اورزاری سے عفو و عافیت طلب کرنی چاہیے۔ مرزا مظفر کی طرف صادر فرمایا ہے:

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِجَنَابِکُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کو ان باتوں سے سلامت رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں)

دنیا کے درد و رنج اور مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کے قصوروں کا کفارہ ہیں۔ عاجزی اور زاری اور التجاؤ انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عفو و عافیت طلب کرنی چاہیے۔ حتیٰ کہ قبولیت کا اثر مفہوم ہو جائے اور فتنہ کا فرد ہونا معلوم ہو جائے۔ اگر چہ دوست اور خیر خواہ سب اس کام میں لگے ہیں۔ مگر صاحب معاملہ اس کام کا زیادہ مستحق ہے۔ دوا کھانا اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے۔ دوسرے لوگ مرض کے دور کرنے میں صرف اس کے مددگار ہیں۔

معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو کچھ آئے۔ کشادہ پیشانی اور فراخ دلی سے احسان کے ساتھ اس کو قبول کر لینا چاہیے بلکہ اس سے لذت حاصل کرنی چاہیے وہ

رسوائی اور بے ناموسی جس میں محبوب کی مراد ہو۔ محب کے نزدیک اس ننگ و ناموس و عزت سے بہتر ہے جس میں محب کے اپنے نفس کی مراد ہو اگر یہ بات محب کو حاصل نہیں تو محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک برفرق قناعت بعدازیں

ترجمہ: مجھ سے اگر چاہے طمع سلطان دیں پھر قناعت کی ہمیں حاجت نہیں

جناب شریعت مآب نے جب خدمت سے واپس آ کر سفر کے احوال اور مسافروں کے احوال کی تنگی بیان کی ان کی خیر و عافیت کا فاتحہ اور دعا کی گئی۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ یا اللہ تو ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں معاف کر اور بخش اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولا ہے ہم کو کافروں پر مدد دے۔ پاک ہے تیرا رب لوگوں کے وصف سے برتر اور مرسلین پر سلام ہو اور اللہ رب العالمین کے لیے ہی حمد ہے۔

مکتوب ۶۷

عرش کی حقیقت کے بیان میں جو عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور زمین و آسمان کی قسم سے نہیں ہے اور کرسی اور اس کی وسعت کے بیان میں مولانا فرخ حسین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

عرش مجید حق تعالیٰ کی عجیب و غریب مصنوعات میں سے ہے اور عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور وہ عالم خلق جو چھ روز میں پیدا ہوا ہے یعنی زمین و آسمان و پہاڑ وغیرہ جو آیت کریمہ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ الخ میں واقع

ہے۔عرش کا وجود ان کی پیدائش سے مقدم ہے۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ (وہ حق تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا) بلکہ اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس عالم خلق سے پانی بھی پہلے پیدا ہوا ہے۔پس عرش مجید جس طرح زمین کی قسم سے نہیں ہے۔آسمان کی قسم سے بھی نہیں ہے کیونکہ عرش عالم امر کا بہت حصہ رکھتا ہے اور یہ نہیں رکھتے چونکہ عرش کو زمین کی نسبت آسمانوں کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس لیے آسمانوں میں گنا جاتا ہے۔ورنہ درحقیقت نہ وہ زمین کی قسم سے ہے نہ آسمان کی قسم سے۔زمین و آسمان کے احکام و آثار جدا ہیں اور عرش کے جدا۔

باقی رہا معاملہ کرسی کا۔آیت کریمہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے مفہوم ہوتا ہے کہ کرسی بھی آسمانوں سے جدا ہے اور ان سب سے زیادہ وسیع ہے اور شک نہیں کہ کرسی عالم امر سے نہیں کیونکہ اس کو عرش کے نیچے بتاتے ہیں۔عالم امر کا معاملہ عرش کے اوپر ہے اور جب عالم خلق سے ہو کر اس کی پیدائش آسمانوں سے جدا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش ان چھ دنوں کے سوا ہو گی اور اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ عالم خلق سب کا سب انہی چھ دنوں میں پیدا نہیں ہوا۔کیونکہ پانی جو عالم خلق سے ہے ان چھ دنوں کے سوا پیدا ہوا ہے اور ان سے اول پیدا ہوا ہے جیسے کہ گزر چکا۔چونکہ کرسی کا معاملہ اچھی طرح ہم پر کشف نہیں ہوا۔اس لیے اس کی تحقیق کو دوسرے وقت پر موقوف رکھا ہے،کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بہت کچھ امید ہے۔رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (یا اللہ تو میرا علم زیادہ کر)۔

اس تحقیق سے دو قوی اعتراض دفع ہو گئے۔ایک یہ کہ جب زمین و آسمان نہ تھے تو چھ دنوں کی تعیین و تشخیص کہاں سے ہوئی اور یک شنبہ کا دن دوشنبہ سے کس طرح الگ ہوا اور سہ شنبہ چار شنبہ سے اور پنج شنبہ سے جمعہ کیونکہ ممتاز ہوا۔جب زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے عرش کی پیدائش معلوم ہو گئی تو زمانہ کا حصول متصور ہو گیا اور دونوں کا ثبوت واضح ہو گیا اور اعتراض دور ہو گیا۔یہ ضروری نہیں کہ دنوں کا امتیاز آفتاب کے طلوع غروب پر ہی مخصوص ہو، کیونکہ بہشت میں یہ طلوع و غروب نہیں، لیکن دنوں کا امتیاز ثابت ہے۔جیسے کہ اخبار میں وارد ہے۔

اور دوسرا اعتراض جو دفع ہوا۔اور اس فقیر کے علم پر مخصوص ہے۔وہ یہ ہے کہ حدیث

قدسی میں آیا ہے۔ لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَآئِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِالْمُؤْمِنِ (میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں، لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کامل ظہور مومن آدمی کے قلب کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے سوا کسی اور کو یہ دولت حاصل نہیں، لیکن مکتوبات میں اس کے برخلاف لکھا ہے کہ ظہور اتم عرش مجید کے لیے ہے اور ظہور قلبی ظہور عرشی کا ایک لمعہ ہے۔

اور پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ عرش کے آثار و احکام زمین و آسمان کے آثار و احکام سے جدا ہیں یعنی زمین و آسمانوں میں حق تعالیٰ کی گنجائش نہیں اور عرش میں ہے۔ ہاں زمین و آسمان اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے۔ یہ وسعت مومن آدمی کے دل کو حاصل ہے جو اس دولت کے لیے مستعد ہے پس وسعت قلبی کا حصہ زمین و آسمانوں کے اعتبار سے ہے نہ ان تمام مصنوعات کے اعتبار سے جو عرش کو بھی شامل ہیں، کہ حدیث قدسی کے مفہوم کے برخلاف متصور ہو۔ پس یہ دوسرا اعتراض بھی رفع ہو گیا۔

جاننا چاہئے کہ جب زمین و آسمان و مافیہا کو عرش مجید کے مقابلہ میں ظہور تام کا محل ہے۔ ڈالتا ہوں تو بے توقف نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ ہاں قلب انسانی جو عرش کے رنگ سے رنگا ہوا ہے باقی رہتا ہے اور محض لاشے نہیں ہو جاتا اسی طرح وہ ظہور جو فوق کی جانب میں ماوراء عرش یعنی صرف عالم امر سے تعلق رکھتا ہے۔ عرش کو اس ظہور اور اس مرتبہ سے وہی نسبت ہے جو زمین و آسمان کو عرش کے ساتھ تھی۔ فوق کو اپنے ماتحت کے ساتھ اسی طرح کی نسبت ہے۔ حتیٰ کہ عالم امر ختم ہو جائے اس دائرہ کے تمام ہونے کے بعد معاملہ حیرت و جہل میں پڑتا ہے اگر معرفت ہے تو مجہول الکیفیت ہے جو حادث کے عقل و فہم سے برتر ہے۔ اب ہم انسان اور قلب انسان کے کچھ کمالات بیان کرتے ہیں۔ ع

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

ترجمہ: عید مے سب ہو چکے کچھ تو ہنر اس کے کہو

عرش مجید اگرچہ زیادہ وسیع اور مظہر اتم ہے، لیکن اپنی اس دولت کے حاصل ہونے کا علم نہیں رکھتا اور ان کمالات کا شعور اس کو حاصل نہیں۔ برخلاف قلب انسانی کے کہ صاحب شعور ہے اور اپنے علم و معرفت سے معمور ہے۔ قلب کے لیے ایک اور بھی زیادتی ہے جس کو ہم بیان

کرتے ہیں۔ غور سے سنیں مجموعہ انسان جس کو عالم صغیر کہتے ہیں اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہے، لیکن اس کو ہیئت وحدانی حقیقی حاصل ہے جس پر آثار و احکام مترتب ہیں اور عالم کبیر کو یہ ہیئت وحدانی حاصل نہیں اور اگر ہے بھی تو اعتباری ہے۔ پس وہ فیوض جو اس ہیئت وحدانی کی راہ سے انسان اور قلب انسان کو پہنچتے ہیں عالم کبیر اور عرش مجید جو اس عالم کبیر کے قلب کی طرح ہے۔ اس فیوض و برکات سے بے نصیب ہے۔ دوسری وجہ زیادتی قلب کی یہ ہے کہ جزو خاکی جو فی الحقیقت خلاصہ مخلوقات ہے اور باوجود دوری کے اقرب ظہورات ہے۔ اس جزو خاکی کے کمالات نے مجموعہ عالم صغیر میں سرایت کی ہے اور عالم کبیر میں چونکہ درحقیقت یہ مجموعہ نہیں اس لیے یہ سرایت مفقود ہے۔ پس قلب انسانی عرش مجید کے برخلاف یہ کمالات بھی رکھتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ فضائل و کمالات جو قلب میں ثابت کیے جاتے ہیں جب اچھی طرح ملاحظہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فضل جزئی میں داخل ہیں اور فضل کلی ظہور عرش کے لیے معلوم ہوتا ہے۔ عرش اور قلب کی مثال اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ گویا ایک وسیع آگ ہے جس نے دشت و صحرا کو منور کر دیا ہے اور اس آگ سے ایک مشعل بنالیں جس میں بعض امور کے لاحق ہونے سے اس قسم کی اور نورانیت پیدا ہو جائے جو اس آگ میں نہیں تو کچھ شک نہیں کہ یہ زیادتی صرف فضل جزئی ہی ثابت کرتی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا تمام امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ.

مکتوب ۷۷

ایک عریضہ کے جواب میں جس میں کلام صوفیاء پر اعتراض کیے ہوئے تھے اور آخر مکتوب میں لکھا تھا کہ احکام شرعیہ میں سے ہر ایک حکم ایک دریچہ ہے۔ جو

شہر مقصود تک پہنچانے والا ہے اور دوسرے استفساروں کے جواب میں مولانا حسن برکی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادرم حسن (کہ خدا اس کے حال کو اچھا کرے) کا صحیفہ شریفہ آیا تشریع واستقامت کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔)

آپ نے لکھا تھا کہ وہ سلوک جو مشہور ہے اور سالکوں کا معتقد جو ہمارا مفہوم ہے یہ ہے کہ مبتدی کو ذکر کرنا چاہیئے تاوقتیکہ دل گویا اور ذاکر ہو جائے۔ پھر یہاں تک کہ ذکر کو چھوڑ کر الہامات وتجلیات کا محل ہو جائے اور سالک مقام فنا تک پہنچ جائے۔ جو ولایت کا قدم اول ہے اور صوفیہ نے کہا ہے کہ فنا یہ ہے کہ سالک کی دید و دانش سے مسمی بالغیر دور ہو جائے اور واجب تعالیٰ کے بغیر سالک کی دید و دانش میں کچھ نہ رہے جس کو شہود و مشاہدہ وغیرہ بھی کہتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ سالک اپنے زعم میں حق تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور مسمی بالغیر کو نہیں دیکھتا۔ اور دو بین کو مشرک طریقت کہتے ہیں۔

اور آپ نے لکھا ہے کہ یہ معارف وغیرہ فقیر کو بیقرار کر دیتے ہیں کیونکہ اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں بصر و بصیرت سے دیکھا جاتا ہے تو پھر اگر اس شہود اور روایت کا شعور رکھتے ہیں۔ تو یہ بھی مشرک طریقت ہیں اور اگر یہ شعور نہیں رکھتے تو پھر خبر کس کی دیتے ہیں اور کس طرح دیتے ہیں۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ جو کچھ دیکھتے ہیں خواہ تجلی صوری ہو یا معنوی خواہ نو۔ی وغیرہ اور اس مرئی کو حق تعالیٰ کی ذات جانتے ہیں اور مسمی بالغیر کو اس کا ظہور جانتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک بے حاصل اور دور از کار ہے اور آیت کریمہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کے برخلاف ہے۔ آیت کریمہ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ اس مطلب پر گواہ ہے۔

پس یہ لوگ کیا دیکھتے ہیں اور کیا جانتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ ہم دیکھتے ہیں نہ جانتے ہیں جس کا نام انہوں نے شہود و مشاہدہ رکھا ہے اور یہ سب فکر و اندیشہ جو اہل وعیال کی تدبیر میں کرتے ہیں غیر ہے یا نہیں۔

آپ کو واضح ہو کہ یہ سب بیہودہ اعتراض اور زبان درازیاں ہیں جو آپ نے مشائخ طریقت قدس سرہم پر کی ہیں۔ ان کا باعث یہ ہے کہ آپ نے ان بزرگواروں کی مراد کو نہیں سمجھا۔ توحید شہودی جس کے معنے ہیں ایک دیکھنا اور جو ماسوٰی کے نسیان پر وابستہ ہے ان بزرگواروں کے نزدیک طریقت کی ضرورت میں سے ہے۔ جب تک یہ حاصل نہ ہو۔ اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ہوتی اور آپ اس دولت اور دولت والوں پر ہنسی اڑاتے ہیں۔ شہود روایت جوان بزرگواروں کی عبارات میں واقع ہے۔ اس سے مراد حضور بیچونی ہے جو مرتبہ تنزیہہ کے مناسب اور عالم چون کے ادراک سے باہر ہے اور یہ دولت حضور دنیا میں باطن کے ساتھ مخصوص ہے۔ ظاہر کو ہر وقت دوبینی سے چارہ نہیں اسی واسطے کہتے ہیں کہ جس طرح عالم کبیر میں مشرک وموحد ہے اسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک وموحد ہے۔ کامل کا باطن ہر وقت موحد ہے اور اس کا ظاہر مشرک۔ یعنی کامل کا باطن ہر وقت خداوند تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے اور اس کا ظاہر اہل وعیال کی تدبیر میں اس میں کوئی ڈر نہیں یہ اعتراض بے سمجھی کے باعث ہے۔

آپ کو اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں اور حق تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مدعی آپ کو اس فتنہ وفساد پر آمادہ کرتے ہیں آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا چاہئے۔ اگر آپ ان مدعیوں کی بنی بنائی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو بجا تھا، لیکن وہ امر جو قوم کے نزدیک مقرر اور طریقت میں ضروری ہے اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے۔ آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہے کہ توحید شہودی کی نسبت کیا کچھ لکھا ہے اور اس کو طریقت کی ضروریات سے مقرر کیا ہے۔

آپ کو چاہئے تھا کہ اس کے معنے دریافت کرتے اور ادب سے سوال کرتے۔ یہ پہلا پھول ہے جو مولانا احمد علیہ الرحمتہ کی جدائی کے بعد کھلا ہے۔ مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ خیر اچھا ہوا کہ آپ نے لکھا اور آپ کو آگاہی ہوئی۔ آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہوتا رہے لکھتے رہا کریں اور صحت وسقم کا ملاحظہ نہ کیا کریں۔ کیونکہ اگر صحیح ہوگا تو خوشی کا باعث ہے اور اگر سقم ہوگا تو تنبیہ کا باعث ہوگا۔ بہرصورت لکھنے میں سستی نہ کیا کریں۔ سال کے بعد آپ کا خط قافلہ کے ہمراہ آتا ہے۔ سال میں ایک بار تو نصیحتوں کا لکھنا ضروری ہے جب تک آپ نہ لکھیں نہ پوچھیں تب تک گفتگو کا راستہ نہیں کھلتا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ قلب ظاہر کی قسم سے ہے یا باطن سے۔ عارف کے ظاہر و باطن کا حال ایک مکتوب میں لکھا ہوا ہے۔ ملا عبدالحیٔ کو لکھوں گا کہ اس کی نقل آپ کو بھیج دے آپ وہاں سے ملاحظہ کر لیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ طریق جو تجلیات و کیفیات کے بغیر ہے اس طریق کے منتہی و متوسط کی شناخت کا طریق کیا ہے۔

آپ کو واضح ہو کہ اگر یہ سالک جس کو اپنے احوال کا علم نہیں۔ شیخ کامل، مکمل، راہ داں، راہ بیں کی خدمت میں ہے تو اس کے حال پر شیخ کا علم ہی اس کے لیے کافی ہے اس کے بتلانے سے انتہاء و توسط کو معلوم کریگا۔ نیز اگر وہ شیخ اس کے خلق کے ارشاد کے لیے ایک قسم کی اجازت دے دے تو مریدوں کے احوال اس کے کمالات کے آئینے ہوں گے۔ جن میں اپنے نقص و کمال کو دیکھ لے گا۔ انتہا کے پہچاننے کے لیے دوسرا نشان یہ ہے کہ سالک کو حق تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق نہیں رہتا اور اس کا سینہ تمام ماسوا کے تعلقات سے خالی و صاف ہو جاتا ہے۔ نہایت کے بہت سے مرتبے ایک دوسرے کے اوپر ہیں مگر نہایت میں پہلا قدم یہی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ.

نیز آپ نے لکھا تھا کہ وہ معارف جو اس بے سروسامان کو تسلی دیتے ہیں، معارف شریعہ ہیں گویا احکام شرعیہ میں سے ہر ایک حکم دریچہ ہے جو شہر مقصود تک پہنچانے والا اور اس شہر بے نشان کا پتہ بتانے والا ہے اور بیت مدنظر ہے۔

مابسفرے رویم عزم تماشا کراست　　　مابراوے رویم کز ہمہ عالم و راست

ترجمہ: ہم ہیں یہاں مسافر دیکھیں کیا تماشا
جاتے ہیں اس طرف جو عالم سے ہے نرالا

آپ کی یہ معرفت اصلی اور بہت اعلیٰ اور بہت امید بخشنے والی ہے۔ اس معرفت کے مطالبہ نے بڑا خوش کیا۔ حتیٰ کہ مکتوب کی پہلی پراگندگی کو بھی دور کر دیا۔ حق تعالیٰ اس راہ سے آپ کو منزل مقصود تک پہنچائے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ بعض مرد اور عورتیں آ آ کر طریقہ سیکھنے کی التماس کرتے ہیں، لیکن اس کھانے پینے سے جو سود سے حاصل ہو۔ پرہیز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم حیلہ شرعی

سے اس کو درست کر لیتے ہیں ان کو طریقت کی تعلیم دینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ آپ ان کو طریقہ سکھائیں اور محرمات سے بچنے کی ترغیب دیں۔ امید ہے کہ طریقہ کی برکت سے اس شبہ سے نکل آئیں گے۔

نیز آپ نے ان دو سفید نشانوں کے بارے میں پوچھا تھا جو مشرق کی طرف ایک دوسرے کے پیچھے ظاہر ہوئے تھے۔ یاروں کے استفسار کے بعد اس بارے میں بھی ایک مکتوب لکھا ہے۔ ملا عبدالحیٔ کو کہا جائے گا۔ اس کی نقل انشاء اللہ آپ کو بھی ارسال کر دے گا۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کلام اللہ ختم کرنا اور نماز نفل کا پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ یا استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے۔ واضح ہو کہ بخشنا بہتر ہے کیونکہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور غیر کا بھی اور عجب نہیں کہ اس عمل کو دوسروں کے طفیل قبول کر لیں اور نہ بخشنے میں اپنا ہی نفع ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۸۷

اس طائفہ عالیہ کی محبت و اخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت و اخلاص فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا زینہ ہے۔ اور اس کے مناسب بیان میں داراب خان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

یہ ایک بڑی خوشگوار دولت ہے جو آپ کے خاندان میں محسوس ہوتی ہے۔ یعنی باوجود اسباب غنا اور استغنا کے پھر بھی آپ کو فقراء کے ساتھ نیاز مندی اور اس طبقہ کی خدمت گزاری کا خیال ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس طائفہ عالیہ کے ساتھ بڑی محبت و اخلاص ہے اور اس فرقہ ناجیہ کے ساتھ بڑی اعلیٰ دوستی ہے اس گروہ کے محبوں کے لیے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کی بشارت کافی ہے اور اس طائفہ کے جبیبوں کے لیے ھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ کی خوشخبری وافی ہے جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ محبت یہاں تک غالب آ جائے کہ دل سے دوسروں کی محبت اور تعلقات کو دور کرے اور لوازم محبت یعنی محبوب کی اطاعت اور اس کی مراد پر قائم رہنا اور اس کے اخلاق و اوصاف سے متخلق ہونا ظاہر ہو جائے تو اس وقت محبوب

میں فنا حاصل ہو جاتی ہے جس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں جو اس راہ میں پہلا زینہ ہے۔ یہی فنافی الشیخ پھر فنافی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ جس پر بقا باللہ مترتب ہے جس سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔ غرض اگر ابتدا میں کسی کے وسیلہ کے بغیر محبوب حقیقی کا جذب و انجذاب میسر ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے اسی سے فنا و بقا حاصل ہوتی ہے ورنہ شیخ کامل مکمل کا وسیلہ ضروری ہے یعنی اپنی مرادوں کو اس کی مراد کے تابع کر دے اور اس میں فانی ہو جائے تاکہ یہ فنا، فنافی اللہ کا وسیلہ بن جائے اور ماسوا کے تعلقات سے بالکل آزاد کر کے درجات ولایت تک پہنچا دے۔

بر شکر غلطید اے صفرائیاں　　　از برائے کورے سودائیاں

ترجمہ: گر پڑو شکر پہ تم صفرائیو

کور سودائی ہیں سارے پل پڑو

اس قسم کی باتیں طالبوں اور ابوالہوسوں کی ترغیب اور شوق دلانے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ.

باقی مطلب یہ ہے کہ اس خط کا لانے والا محمد قاسم بزرگ زادہ ہے اور فقراء کی خدمت میں رہا ہے۔ چونکہ اپنے بڑے بھائی کی خدمت میں بڑی ناز و نعمت سے پرورش یافتہ ہے۔ اس لیے زمانہ کی محنتوں سے ناآشنا ہے۔ اب آپ کی ملازمت کا شوق رکھتا ہے۔ اگر اپنی سرکار کے ملازموں میں داخل کر کے اس کے حال پر توجہ و التفات فرمائیں۔ آپ کے کرم سے بعید نہیں زیادہ لکھنا باعث تکلیف ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۷۹

ایک رسالہ کے جواب میں جو کفر حقیقی سے منہ پھیرنے اور اسلام حقیقی کی طرف آنے کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

رسالہ جو آپ نے لکھا کہ مولانا عبدالحیٔ کے حوالہ کیا تھا تاکہ دکھائے اس نے اتنی مدت نہ دکھایا حتیٰ کہ جس دن مولانا بابو روانہ ہوئے اس دن رسالہ کو لا کر حاضر کیا۔ اس کا مطالعہ کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ کیونکہ کفر کی طرف سے منہ پھیرنے اور اسلام حقیقی کی طرف آنے کا

حال اس میں درج تھا۔ جس طرح اسلام مجازی کفر مجازی سے بہتر ہے اسی طرح اسلام طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔ کفر طریقت میں سب سکر ہی سکر ہے اور اسلام طریقت میں صحو ہی صحو۔ جس طرح صحو مجازی سکر مجازی سے بہتر ہے۔ اسی طرح صحو طریقت بھی سکر طریقت سے بہتر ہے۔ کفر طریقت کا ثمرہ تشبیہ ہے اور اسلام طریقت کا نتیجہ تنزیہہ۔ جس قدر تشبیہ اور تنزیہہ کے درمیان فرق ہے اسی قدر طریقت کے کفر و اسلام کے درمیان فرق ہے۔ بعض لوگ تشبیہ و تنزیہہ کے جمع کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور اس کو کمال جانتے ہیں۔ یہ تنزیہہ بھی تشبیہ کی قسم سے ہے جو ان کی نظر میں تنزیہہ دکھائی دیتی ہے ورنہ تشبیہ کی کیا مجال ہے کہ تنزیہہ حقیقی کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس کے انوار کی شعاعوں میں نیست و نابود نہ ہو جائے۔

بلے ہر جا بود مہر آشکارا سہارا جز نہاں بودن چہ یارا

ترجمہ: بھلا جس جا پہ ہو سورج چمکتا
سہا ہرگز نہیں اس جا دمکتا

حق تعالیٰ نبی ﷺ اور ان کی آل بزرگوار کے طفیل اسلام حقیقی کی حقیقت سے مشرف فرمائے۔ مولانا بابو چونکہ بالکل تیار تھے اس واسطے چند کلموں پر اختصار کیا گیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَيْكُمْ۔

مکتوب ۸۰

اس بیان میں کہ آپ سے پوچھا گیا تھا کہ تمہیدات عین القضات میں لکھا ہے کہ جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جس کو تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہو ہمارے نزدیک خدا ہے۔ شیخ حامد نھاری کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو بڑی محبت و اخلاص اور مودت و اختصاص سے لکھ کر روانہ کیا تھا پہنچا، بڑی خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو اس دولت پر استقامت عطا فرمائے کیونکہ ہر گروہ کا محب اس گروہ کے ساتھ ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس

کی محبت ہوگی) حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

آپ نے تمہیدات عین القضات کی عبارت کے معنے پوچھے تھے کہ اس میں لکھا ہے کہ جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جس کو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہے۔

میرے مخدوم! اس قسم کی عبارتیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں سکر کے غلبوں میں جو مرتبہ جمع ہے اور جس کو کفر طریقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مشائخ قدس سرہم سے بہت صادر ہوتی ہیں۔ اس وقت دوئی اور تمیز ان کی نظر سے دور ہو جاتی ہے اور ممکن کو عین واجب معلوم کرتے ہیں بلکہ ممکن کو پاتے ہی نہیں اور جب واجب کے سوا کچھ ان کا مشہود نہیں ہوتا اس صورت میں اس عبارت کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ امتیاز اور دوئی جو تمہارے نزدیک خدا تعالیٰ اور محمد ﷺ کے درمیان ہے۔ ہمارے نزدیک وہ امتیاز اور مغائرت ثابت نہیں بلکہ وہ ایک جو ایک ہونے سے بھی منزہ ہے۔ دوسرے کا عین ہے جب تمام ممکنات سے مغائرت کی نسبت دور ہو جائے تو پھر محمد رسول اللہ جو حق تعالیٰ کے کمالات کا مظہر اتم ہیں۔ ان کے امتیاز کی نسبت کس طرح ثابت رہے یہ دید مرتبہ جمع کے ساتھ ہی مخصوص ہے جب سالک اس مقام سے بلند چلا جاتا ہے اور سکر کی افراط سے آنکھ کھولتا ہے تو محمد ﷺ کو بندہ پاتا ہے اور اس کا رسول جانتا ہے جیسے کہ ابتدا میں جانتا تھا۔ اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوْعُ اِلَى الْبِدَايَةِ (نہایت ہی بدایت کی طرح رجوع کرنا ہے) آپ نے سنا ہوگا۔

واضح ہو کہ مبتدی اور منتہی دونوں صورت میں مشترک ہیں یہی اشتراک منتہی کے لیے پردہ ہے جس کے باعث لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ ورنہ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جب متوسط کو منتہی کے ساتھ کچھ نسبت نہیں تو مبتدی دور از معاملہ کو اس کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب کچھ کر سکتا ہے) وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی مَنْ لَدَیْکُمْ۔

☆☆☆

مکتوب ۸۱

پند نصیحت اور دنیا کی بیہودہ زیب وزینت سے بچنے کے بیان میں محمد مراد تو بیگی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

ایسا نہ ہو کہ یاران نیک انجام بچوں کی طرح دنیائے کمینی کی بیہودہ زیب وزینت اور نکمی سج دھج جو بظاہر طراوت وحلاوت رکھتی ہے پر فریفتہ ہو جائیں اور دشمن لعین کے ورغلانے سے مباح کو چھوڑ کر مشتبہ میں اور مشتبہ سے حرام میں جا پڑیں اور اپنے مولا جل شانہ سے خجل اور شرمندہ ہوں۔ توبہ و انابت میں قدم راسخ رکھنا چاہیئے اور منہیات شریعہ کو زہر قاتل جاننا چاہیئے۔

ہمہ اندرز من بتو ایں است — کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

ترجمہ: نصیحت ہے تجھ سے یہی سر بسر — کہ لڑکا ہے تو اور رنگین ہے گھر

حق تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے اپنے بندوں پر مباحات کا دائرہ وسیع کیا ہے وہ شخص بہت ہی بد بخت ہے جو اپنی تنگدلی کے باعث اس وسعت کو تنگ خیال کر کے اس دائرہ وسیع کے باہر قدم رکھے اور حدود شریعہ سے نکل کر مشتبہ اور محرم میں جا پڑے حدود شریعہ کو لازم پکڑنا چاہیئے اور ان حدود سے سر مو تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ رسم وعادت کے طور پر نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے بہت ہیں، لیکن پرہیز گار جو حدود شریعہ کی محافظت کریں بہت کم ہیں۔ وہ فارق یعنی فرق کرنے والی شے جو حق کو باطل سے اور جھوٹے کو سچے سے جدا کرے۔ یہی پرہیز گاری ہے۔ کیونکہ نماز و روزہ تو جھوٹا اور سچا دونوں ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَلَاکُ دِینِکُم بِالوَرَعِ (دین کا اصل پرہیز گاری ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ لَا تَعدِلُ بِالرِّعَۃِ شَیئًا (پرہیز گاری کے برابر اور کوئی شے نہیں) یار اگرچہ پر تکلف کھانے کھاتے ہیں اور نفیس لباس پہنتے ہیں، لیکن لذت کا پانا اور نفع حاصل کرنا فقراء کے طعام ولباس میں ہے۔ ع

آنکہ آں داد بشاہاں بگدایان ایں داد

ترجمہ: جو دیا شاہوں کو اس نے ہے گداؤں کو دیا

آں و ایں میں بہت فرق ہے کیونکہ آں رضائے مولیٰ سے دور ہے اور ایں اس کی رضا کے نزدیک نیز آں کا حساب بھاری ہے اور ایں کا حساب ہلکا۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ هِيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں سے ہمارے نصیب ہدایت کر)۔

برخورداری سلطان مراد نے توبہ و انابت کی توفیق پائی ہے اور طریقہ اخذ کیا ہے حق تعالیٰ اس کو ثابت قدمی اور استقامت عطا کرے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ الْاِخْوَانِ (آپ کو اور تمام دوستوں کو السلام علیکم)

مکتوب ۸۲

دنیائے کمینی سے بچنے اور شریعت غرا پر ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَللّٰھُمَّ صَغِّرِ الدُّنْیَا بِاَعْیُنِنَا وَکَبِّرِ الْاٰخِرَۃَ فِیْ قُلُوْبِنَا بِحُرْمَۃِ حَبِیْبِکَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یا اللہ تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل دنیا کو ہماری آنکھوں میں حقیر اور آخرت کو بڑا دکھا۔

اے میرے عزیز اور باتمیز فرزند! دنیا کی بیہودہ زیب و زینت کی طرف راغب نہ ہونا اور اس فانی سج دھج پر فریفتہ نہ ہونا بلکہ کوشش کرنا کہ تمام حرکات و سکنات میں شریعت روشن کے موافق عمل کیا جائے اور ملت نورانی کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ اول اپنے اعتقاد کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق درست کرنا چاہیئے۔ پھر احکام فقہیہ کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ خاص کر اداء فرائض میں بڑی کوشش کرنی چاہیئے اور حل و حرمت میں بڑی احتیاط بجا لانی چاہیئے اور عبادات نافلہ کو عبادات فرائض کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کی طرح بے اعتبار جاننا چاہیئے۔ اکثر اس زمانہ کے لوگ نفلوں کو رواج دیتے ہیں اور فرائض کو خراب کرتے ہیں۔ نوافل کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خوار اور بے اعتبار جانتے ہیں۔

روپیہ سب کا سب بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں، لیکن ایک دھیلہ زکوٰۃ

کے طور پر خرچ نہیں کر سکتے۔ یہ نہیں جانتے کہ ایک دھیلہ زکوٰۃ کے طور پر مصرف شریعہ میں دینا صدہا صدقہ نافلہ سے بہتر ہے۔ کیونکہ اداء زکوٰۃ میں حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے اور صدقہ نافلہ میں اکثر ہواء نفسانی کی تابعداری۔ اسی واسطے فرض میں ریا کی گنجائش نہیں اور نفل میں ریا کا دخل ہے۔ یہی سبب ہے کہ زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا بہتر ہے تاکہ تہمت دور ہو جائے اور صدقہ نافلہ کو چھپا کر دینا بہتر ہے۔ جو قبولیت کے سب مناسب ہے۔

غرض جب تک احکام شرعیہ کو لازم نہ پکڑیں تب تک دنیا کی مضرت سے نہیں بچ سکتے۔ اگر دنیا کا ترک حقیقی میسر نہ ہو تو ترک حکمی میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کا لازم پکڑنا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔

مکتوب ۸۳

اس طائفہ عالیہ کی محبت میں جو سعادتوں کا سرمایہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں میر محمود کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

ان حدود کے فقرا کے اوضاع و احوال حمد کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو سلامتی اور عافیت اور شریعت پر ثابت قدمی اور استقامت عطا فرمائے۔

اس برادر عزیز نے جو اس فقیر سے طریقہ اخذ کیا تھا۔ اگرچہ صحبت (جو ان بزرگواروں کے نزدیک اصل عظیم ہے) کے کم ہونے کے باعث عمدہ ثمرات و برکات اس پر مترتب نہیں ہوئے، لیکن اگر تھوڑا سا حسی ارتباط بھی جو طریقہ کے لوازم سے ہے۔ باقی رہا ہو۔ تو یہ بھی دولت عظیم ہے۔ لِاَنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔

پہلی برکت جو صحبت اول میں اس طریقہ عالیہ کے مبتدی رشید کو حاصل ہوتی ہے۔ مطلوب حقیقی کی طرف قلب کی دائمی توجہ ہے۔ یہ دوام توجہ تھوڑی مدت میں نسیان ماسوا تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر طالب بالفرض ہزار سال تک جئے۔ حق تعالیٰ کا غیر اس نسیان کے باعث جو اس

کے ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے۔ کبھی اس کے دل میں گزرنے نہ پائے اور اگر تکلیف و تعمل سے بھی اس کو یاد دلائیں تو یاد نہ کرے۔ جب یہ نسبت حاصل ہو جائے تو گویا اس راہ میں پہلا قدم حاصل ہو گیا۔ دوسرے، تیسرے، چوتھے قدم کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اَلْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ وَالْقَطْرَۃُ تَنْبِیءُ عَنِ الْبَحْرِ الْغَدِیْرِ (تھوڑا بہت پر دلالت کرتا ہے اور قطرہ دریائے ناپیدا کنار کی خبر دیتا ہے)۔

اس سے مقصود دوستوں کی ترغیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نفع دے۔ میاں عبدالعظیم نے آپ کی محبت و اخلاص کے حالات کو زبانی بیان کیا ہے۔ جو اس گفتگو کا باعث ہوئے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سلام ہو آپ پر اور اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۸۴

بعض نصیحتوں کے بیان میں شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادر عزیز میاں شیخ حمید نے عجب گوشہ نشینی اختیار کی ہے کہ سلام و پیام کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اس سات آٹھ سال کے عرصہ میں آپ کی طرف سے ایک ہی خط آیا ہے اور وہ بھی ناتمام اور ناسرانجام۔ اس طرف سے جو خط جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ آپ کو پہنچتے ہیں یا نہیں۔

برادرم شیخ عبدالحیٔ اپنے وطن کو جانے والے ہیں۔ فقیر نے ان کو کہا ہے کہ ایک بار آپ تک جائیں اور آپ کے احوال پر اطلاع پائیں۔ شیخ عبدالحیٔ پانچ سال تک خدمت میں رہے ہیں۔ اکثر خدمات حضور اس کے متعلق رہے ہیں اور علوم و معارف سے سیراب ہیں اور جذبہ و سلوک کے احوال سے واقف ہیں۔ مشارالیہ کو کہا ہے کہ چند روز آپ کی منزل میں ٹھہریں اور علوم و معارف جو وقت و حال کے مناسب ہوں۔ بیان کریں۔ اپنے احوال گزشتہ اور موجودہ از قسم احوال و مواجید سب مشارالیہ آپ کی خدمت میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى سلام ہو آپ پر اور اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۸۵

شیخ عبدالحیٔ کے بعض کمالات کے بیان میں شیخ نور محمد کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

اس طرف کے فقرا کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی استقامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔

برادرم شیخ میاں عبدالحیٔ آپ کا ہم شہر ہے۔ آپ کے قرب و جوار میں آیا ہے علوم و معارف غریبہ کا نسخہ ہے اور اس کی راہ کی ضروری چیزیں اس کے پاس بہت ہیں۔ اس کی ملاقات دور افتادہ یاروں کے لیے غنیمت ہے، کیونکہ نیا آیا ہے اور نئی چیزیں لایا ہے۔ فنا و بقاء کا اس کے پاس نشان ہے اور جذبہ وسلوک کا اس کے پاس بیان ہے بلکہ فنا و بقاء متعارف کے سوا اور جذبہ وسلوک مقررہ سے آگے بھی واقف ہے۔ بلکہ وہاں اس کا گزر ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارف غریبہ اس نے سنے ہوئے ہیں اور حتی المقدور استفسار کر کے حاصل کیے ہوئے ہیں۔ واللہ سبحانہ الموفق آپ اپنے احوال کو مفصل طور پر مشار الیہ کے پاس بیان کر دیں اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام۔

مکتوب ۸۶

خط کے جواب میں شیخ طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

معزز بھائی کا خط آیا۔ معارف مندرجہ کا احوال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ محبان مخلص سب سے ہاتھ دھو کر حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں اور ماسوا پر پشت پا مار کر بالکل اسی کے ہو رہیں۔

اس طرف کے باقی حالات برادرم شیخ عبدالحئی مفصل بیان کرے گا۔ علوم و معارف زبانی اور خط مشارالیہ کے پاس بہت موجود ہیں۔ اس لیے ان کی نسبت کچھ نہیں لکھا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے آل بزرگوار کے طفیل اللہ تعالیٰ تمام کاموں کا انجام بخیر کرے۔ والسلام۔

مکتوب ۸۷

نصیحتوں کے بارہ میں فتح خاں افغان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو فقرا کی کمال محبت و اخلاص پر مشتمل تھا۔ پہنچا حق تعالیٰ فقرا کی محبت پر آپ کو استقامت بخشے۔

سب سے اعلیٰ نصیحت جو دوستان سعادتمند کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی متابعت کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے بچیں۔ جو شخص سنتوں میں سے کسی سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہو زندہ کرلے تو اس کے لیے سو شہید کا ثواب ہے تو پھر معلوم کرنا چاہئے کہ جب کوئی فرض یا واجب کو زندہ کرے گا تو اس کو کس قدر ثواب ملے گا۔ نماز میں ارکان کا تعدیل کرنا جو اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے بعض علماء حنفیہ کے نزدیک سنت۔ اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کر دیا ہوا ہے اس ایک عمل کا زندہ اور جاری کرنا سو شہید فی سبیل اللہ کے ثواب سے زیادہ ہوگا۔ باقی احکام شرعیہ یعنی حلال و حرام و مکروہ کا بھی یہی حال ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ نیم دانگ اس شخص کو واپس دے دینا جس سے خلاف شرع ظلم سے لیا ہو۔ دو سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کے نیک عمل پیغمبر کے نیک عملوں کی طرح ہوں اور اس پر نیم دانگ جتنا کسی کا حق باقی رہا ہو تو اس شخص کو بہشت میں نہ لے جائیں گے جب تک اس نیم دانگ کو ادا نہ کرے گا۔

غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعی سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء صرف فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں۔ باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو

مستلزم ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پروانہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)۔

مکتوب ۸۸

قضا پر راضی ہونے اور مولیٰ کے فعل سے لذت پانے کے بیان میں ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

بندہ مقبول وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی رضا کا تابع ہے وہ اپنا بندہ ہے۔ اگر مولیٰ بندہ کی گردن پر چھری چلا دے تو بندہ کو چاہئے کہ اس وقت شاداں وخنداں ہو اور اسی میں اپنے مولیٰ کی رضامندی سمجھے۔ بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے اور اگر نعوذ باللہ اس فعل سے اس کو کراہت آئے اور اس کا دل تنگ ہو تو دائرہ بندگی سے دور اور قرب مولیٰ سے مہجور ہے۔ جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے تو چاہئے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش وخرم ہوں اور طاعون کے غلبہ سے بے صبر و دل تنگ نہ ہوں۔ بلکہ اس خیال سے کہ محبوب کا فعل ہے۔ اس سے متلذذ ہونا چاہئے۔ جب ہر ایک شخص کے لیے اجل مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں تو پھر اضطراب و بیقراری کیوں ہو۔ البتہ بلاؤں سے عافی طلب کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضی سے پناہ مانگنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا و سوال سے راضی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو سنوں گا)۔

مولانا عبدالرشید نے آ کر وہاں کا حال بیان کیا۔ اللہ تمام ظاہری باطنی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ والسلام۔

مکتوب ۸۹

نصیحت کے بیان میں سیادت پناہ میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ اِيَّاكُمْ عَلٰى جَادَّةِ اٰبَائِكُمُ الْكِرَامِ بِصَدَقَةِ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِ الْاَنَامِ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے طفیل ہم کو اور آپ کو آپ کے بزرگ باپ دادوں کے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے)۔

اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کا احسان ہے۔ کہ اس جگہ کے فقرا کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی صحت و عافیت اور اثبات و استقامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔

میرے مشفق و مخدوم مکرم۔ وقت گزرتا چلا جا رہا ہے اور جوں جوں گزرتا ہے عمر کم ہوتی جاتی ہے اور موت نزدیک آتی جاتی ہے۔ اگر آپ نے آج فکر نہ کیا تو کل ندامت و حسرت اٹھانی پڑے گی۔ کوشش کرنی چاہئے کہ یہ چند روزہ زندگی شریعت غرا کے موافق بسر ہو جائے تا کہ نجات کی امید ہو۔ اب علم کا وقت ہے عیش و آرام کا وقت ابھی آگے ہے۔ جب اس عمل کا پھل ملے گا۔ عمل کے وقت آرام کرنا گویا اپنی کھیتی کو کچا کھا جانا اور اس کے پھل سے محروم رہنا ہے۔ زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے۔ ظاہری باطنی دولت آپ کے نصیب ہو۔

مکتوب ۹۰

سفارش میں مرزا عرب خاں کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آفاقی اور انفسی دشمنوں پر فتح دے اور ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے بچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ وَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ خلق، اللہ تعالیٰ کی عیال ہے اور مخلوقات میں سب سے زیادہ پیارا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو اس کے عیال کے ساتھ احسان کرے۔ حق تعالیٰ بندوں کے رزق کا متکفل ہے اور مخلوقات اس کے عیال کی طرح ہے جو شخص کسی کے عیال کے ساتھ غمخواری کرے اور اس کے بوجھ کو اٹھائے تو وہ شخص اس عیال والے شخص کے نزدیک بہت محبوب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کو سبکسار کر دیا ہے اور اس کا بار مونت اپنے ذمے لے گیا ہے۔

اسی سبب سے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ حافظ حامد مرد صالح اور قرآن مجید کا قاری ہے۔ کثرت عیالداری کے باعث حیران و پریشان ہے کیونکہ ان کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے کرم اور بخشش سے امید ہے کہ آپ اس کی مدد و اعانت فرمائیں گے۔ کریموں

کو بخشش کے لیے ایک بہانہ کافی ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۹۱

ایک استفسار کے جواب میں جس میں قاب قوسین او ادنیٰ کے اسرار دریافت کیے گئے تھے۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

مقام قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں سر عظیم یہ ہے۔ کہ جب انسان کامل سیر الی اللہ کے تمام ہونے کے بعد سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے۔ تو اخلاق الٰہی سے متخلق ہو جاتا ہے اور جب مجمل طور پر اس سیر کو بھی تمام کر لیتا ہے اور اسماء وصفات کے عکسوں کے ظہور کا دائرہ جو سیر فی اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ تمام کر لیتا ہے۔ تو اس امر کے لائق ہو جاتا ہے کہ محبوب ظلیت کی آمیزش اور حالیت ومحلیت کے وہم کے بغیر اصالت کے طور پر اس میں ظہور فرمائے۔ چونکہ محبوب کی صفات ذاتیہ اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں اس لیے عاشق کی نظروں میں ذات کے ظہور کے ساتھ صفات کا ظہور بھی ہوگا اور دو قوسین یعنی قوس ذات اور قوس صفات حاصل ہو جائیں گی۔ یہ مقام اعلیٰ قاب قوسین ہے۔ جو ظہور اصلی کے متعلق ہے جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے عاشق صادق کا تعلق وگرفتاری معشوق ذات کے ساتھ یہاں تک ہو جائے کہ اسم وصفت سے گزر جائے تو اس وقت اسم وصفت بالکل اسی کی نظر سے دور ہو جاتے ہیں اور ذات کے سوا اس کو کچھ ملحوظ ومشہود نہیں ہوتا۔ اگرچہ صفات موجود ہوں، لیکن اس کو مشہود نہیں ہوتے۔ تب او ادنیٰ کا ستر ظاہر ہوتا ہے اور قوسین کا کچھ اثر نہیں رہتا۔ اس مقام اعلیٰ سے جب ہبوط واقع ہو تو قدم اول عالم خلق میں بلکہ عنصر خاک میں آپڑتا ہے جو باوجود دوری اور مہجوری کے تمام موجودات کی نسبت عالم قدس سے زیادہ قریب ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ اگر عروج وصعود کا اعتبار کریں تو عالم امر کو بلکہ عالم امر کے اخفی کو تمام موجودات کی نسبت عالم قدس سے زیادہ قریب معلوم کرتے ہیں اور جب نزول و ہبوط کی طرف نظر کرتے ہیں تو قرب کی دولت عالم خلق بلکہ عنصر خاک کے نصیب جانتے ہیں۔ ہاں جب عروج کی جانب میں دائرہ کے نقطہ اول کو ملاحظہ کریں تو جانب عروج میں اس نقطہ سے

زیادہ قریب اس دائرہ کا دوسرا نقطہ ہے اور جب ہبوط کی جانب میں ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اس نقطہ اول سے زیادہ قریب دائرہ کا اخیر نقطہ معلوم ہوتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ نقطہ ثانی عروج میں نقطہ اول سے معرض یعنی روگرداں ہے اور یہ نقطہ اخیر نقطہ اول کی طرف مقبل یعنی متوجہ ہے اور معرض اور مقبل میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ نقطہ ثانیہ نقطہ اولیٰ کے ظہورات کی خواہش رکھتا ہے اور نقطہ اخیر ظہورات کی طرف پشت کرکے ظاہر کی ذات کا خواہاں ہے۔ پھر دونوں کس طرح آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَ هَيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدً (اے رب تو ہم پر اپنے پاس سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے ہماری بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۹۲

اس بیان میں کہ ولایت قرب الٰہی سے مراد ہے اور خوارق و کرامات ولایت کی شرط نہیں اور اس بیان میں کہ بادشاہوں کے لیے سجدہ تحیت کا کیا حکم ہے۔ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادرم عزیز سیادت پناہ میر محمد نعمان خوشحال رہیں۔ آپ کو واضح ہو کہ خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء خوارق کے حاصل کرنے کے مکلف نہیں ہیں اسی طرح اولیاء خوارق کے ظہور پر مکلف نہیں ہیں کیونکہ ولایت قرب الٰہی سے مراد ہے جو ماسوائے کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں، لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع نہیں بخشتے اور بعض کو یہ قرب بھی دیتے ہیں اور غائبانہ اشیاء کی اطلاع بھی بخشتے ہیں اور بعض کو قرب کچھ نہیں دیتے، لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع دے دیتے ہیں۔ یہ تیسری قسم کے لوگ اہل استدراج ہیں۔ نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈالا ہے۔ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِکْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ

الشَّیۡطَانِ ھُمُ الۡخَاسِرُوۡنَ (گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں۔ خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار یہ شیطان کا گروہ گھاٹا اٹھانے والا ہے) ان لوگوں کا نشان حال ہے۔ پہلی اور دوسری قسم کے لوگ جو دولت قرب سے مشرف ہیں۔ اولیاء اللہ ہیں۔ نہ غائبانہ امور کا کشف ان کی ولایت کو بڑھاتا ہے نہ عدم کشف ان کی ولایت کو گھٹاتا ہے۔ ان کے درمیان درجات قرب کے اعتبار سے فرق ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عدم کشف والا بباعث زیادہ قرب کے جو اس کو حاصل ہوتا ہے کشف والے شخص سے افضل و پیش قدم ہوتا ہے۔ صاحب عوارف جو شیخ الشیوخ ہے اور تمام گروہوں میں مقبول ہے۔ اپنی کتاب عوارف میں اس امر کی تصریح کرتا ہے۔ اگر کسی کو میری بات کا یقین نہ ہو تو اس کتاب میں دیکھ لے۔ وہاں کرامات و خوارق کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ کرامات و خوارق اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض کو کشف و کرامات کیساتھ مشرف فرماتے ہیں اور یہ دولت عطا فرماتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک شخص زیادہ اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے، لیکن خوارق و کرامات اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتے۔ کیونکہ کرامات یقین کی زیادہ تقویت کے لیے عطا فرماتے ہیں اور جب کسی کو خالص یقین حاصل ہو چکا ہو تو اس کو کرامات کی کیا حاجت ہے۔ یہ سب کرامت ذکر ذات اور اس میں قلب کے فانی ہونے کے ماسوا ہیں۔ جو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ انتہیٰ کلام، شیخ اور اس گروہ کے امام خواجہ عبداللہ انصاری نے جو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہے۔ اپنی کتاب منازل السائرین میں فرمایا ہے کہ فراست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اہل معرفت کی فراست، دوسری اہل جوع و ریاضت کی فراست۔ اہل معرفت کی فراست طالبوں کی استعداد اور ان اولیاء اللہ کو پہچاننے سے تعلق رکھتی ہے۔ جو حضرت جمع کے ساتھ واصل ہو چکے ہیں اور اہل ریاست واہل جوع کی فراست غائبانہ صورتوں اور احوال کے کشف پر مخصوص ہے جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں، چونکہ اکثر لوگ جو حق تعالیٰ کی بارگاہ سے جدا ہوتے ہیں اور دنیا کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں اور جن کے دل صورتوں کے کشف اور مخلوقات کی غائبانہ خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ امر بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے اور گمان کرتے ہیں کہ یہی لوگ اہل اللہ اور حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور اہل حقیقت کے کشف سے انکار کرتے ہیں اور اہل حقیقت کو ان احوال میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں۔ تہمت لگاتے

اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے جیسے کہ لوگوں کا گمان ہے تو یہ لوگ بھی ہمارے اور تمام مخلوق کے غیبی احوال بتلاتے۔ جب ان کو کشف احوال پر قدرت نہیں ہے تو ان امور کے کشف پر جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں کس طرح قدرت رکھیں گے اور اہل معرفت کی فراست کو جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال سے تعلق رکھتی ہے۔ اپنے اس قیاس فاسد سے جھوٹا جانتے ہیں اور ان بزرگوں کے علوم و معارف صحیحہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو خلق کے ملاحظہ سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو اپنی جناب پاک کے ساتھ ہی مخصوص کرلیا ہے اور ان کی حمایت وغیرت کے باعث ان کو مخلوقات کی طرف سے ہٹا رکھا ہے۔ اگر یہ لوگ خلق کے احوال کے درپے ہوتے تو بارگاہ الٰہی کے حضور کی صلاحیت ان میں نہ رہتی۔ انتہیٰ کلام۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں فرمائی ہیں اور میں نے اپنے خواجہ قدس سرہ سے سنا ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ بعض اولیا جن سے خوارق و کرامات ظاہر ہوئے ہیں۔ آخر دم میں ان کرامات کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں اور یہ خواہش کرتے رہے ہیں کہ کاش ہم سے یہ خوارق وکرامات ظاہر نہ ہوتے۔ اگر فضیلت خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث ہوتی تو اس طرح ندامت کیوں کرتے۔

سوال:۔ جب خوارق کا ظاہر ہونا ولایت میں شرط نہیں تو پھر ولی غیر ولی سے کس طرح متمیز ہوسکتا ہے اور سچا جھوٹے سے کس طرح جدا ہوسکتا ہے۔

جواب:۔ گو متمیز نہ ہو اور جھوٹا سچے کے ساتھ ملا رہے، کیونکہ حق کا باطل کے ساتھ ملا رہنا اس جہان کے لوازم میں ہے۔ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ اپنی ولایت کا علم نہیں رکھتے۔ تو پھر دوسروں کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ہوگا۔ ہاں نبی ﷺ کے لیے خوارق کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ نبی اور غیر نبی میں تمیز ہوسکے۔ کیونکہ نبی کے لیے اپنی نبوت کا علم ہونا ضروری ہے اور ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کے موافق دعوت کرتا ہے اس لیے نبی کا معجزہ اس کے لیے کافی ہے اور اگر ولی اپنے پیغمبر کی شریعت کے سوا دعوت کرتا تو اس کے لیے خوارق کا ہونا ضروری تھا، لیکن جب اس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت پر مخصوص ہے تو پھر اس کے لیے خوارق کی حاجت نہیں۔ علماء صرف ظاہر شریعت کے موافق

دعوت کرتے ہیں اور اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن کے موافق دعوت کرتے ہیں اور اول مریدوں اور طالبوں کی توبہ اور انابت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور احکام شرعیہ کے بجا لانے کی ترغیب دیتے ہیں پھر ذکر الٰہی بتلاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ تمام اوقات ذکر میں مشغول رہیں تاکہ ذکر غالب آ جائے اور مذکور کے سوا دل میں کچھ نہ رہے اور مذکور کے ماسوا کا نسیان یہاں تک ہو جائے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئے۔ ظاہر ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لیے جو شریعت کے ظاہر و باطن سے تعلق رکھتی ہے خوارق کی کیا ضرورت ہے۔ پیری و مریدی اس دعوت سے مراد ہے جس کا خوارق و کرامت سے تعلق و واسطہ نہیں۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مرید رشید اور طالب مستعد ہر گھڑی سلوک طریق میں اپنے پیر سے خوارق و کرامات محسوس کرتا ہے اور معاملہ غیبی میں ہر دم اس سے مدد لیتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی نسبت خوارق کا ظاہر ہونا ضروری نہیں، لیکن مریدوں کی نسبت کرامات ہی کرامات اور خوارق ہی خوارق ہیں۔ مرید کس طرح پیر کے خوارق کو محسوس نہ کرے۔ جبکہ پیر نے مردہ دل کو زندہ کر دیا ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک بدنوں کا زندہ کرنا عظیم الشان ہے اور خواص کے نزدیک قلب و روح کا زندہ کرنا اعلیٰ درجہ کی برہان ہے۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں کہ جسد کا زندہ کرنا چونکہ اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اعتبار رکھتا تھا اس لیے اہل اللہ اس طرف سے منہ پھیر کر روح و قلب کے زندہ کرنے میں مشغول ہوئے ہیں۔ واقعی جسدی زندگی قلبی و روحانی زندگی کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے اور اس کی طرف نظر کرنا عبث و بے فائدہ ہے، کیونکہ جسدی زندگی چند روزہ زندگی کا باعث ہے اور روحانی و قلبی زندگی دائمی حیات کا موجب ہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ درحقیقت اہل اللہ کا وجود کرامت ہے اور خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے آیت عظمیٰ ہے۔ یہی لوگ اہل زمین کا امن اور غنیمت روزگار ہیں۔ بِهِمْ يُرْزَقُوْنَ وَبِهِمْ يُمْطَرُوْنَ (انہی کے طفیل لوگوں پر بارش اترتی ہے اور انہی کے طفیل ان کو رزق ملتا ہے) انہیں کی شان میں وارد ہے ان کی کلام دوام ہے اور ان کی نظر شفا یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اور ان کا

دوست رحمت حق سے ناامید نہیں ہوتا۔

وہ علامت جس سے اس گروہ کا جھوٹا اور سچا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے۔ وہ شخص سچا ہے اور درجات کے اختلاف کے بموجب اولیاء کے شمار میں ہے۔ مگر یہ بھی ان لوگوں کے لیے ہے جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں۔ وہ محروم مطلق ہیں۔

ہر کرا روئے بہ بہبود نداشت دیدن روئے نبی سود نداشت

ترجمہ: نہ تھی جس کی قسمت میں کچھ بہتری
تھا بے سود اس کو لقائے نبی ﷺ

مکتوب شریف میں سلطان وقت کی خدا پرستی اور احکام شریعت کے موافق عدل و انتظام کا حال لکھا ہوا تھا۔ اس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور کمال ذوق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بادشاہ وقت کو عدل و عدالت کے نور سے منور کیا ہوا ہے اسی طرح ملت محمدیہ کو بھی بادشاہ کے حسن انتظام سے نصرت و عزت بخشے۔

اے شریعت کے نشان والے۔ اَلشَّرِیْعَۃُ تَحْتَ السَّیْفِ (شریعت تلوار کے نیچے ہے) کے موافق شریعت غرا کی ترقی و رواج شاہان بزرگ کے حسن انتظام پر موقوف ہے۔ جب سے یہ امر ضعیف ہو گیا ہے اسی دن سے اسلام بھی ضعیف ہو گیا ہے۔ کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں حوض کرکھیت کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے۔ نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا لا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس دن نہ روٹی پکائے اور نہ بیچے اور ماہ مبارک رمضان میں برملا نان طعام پکاتے اور بیچتے ہیں مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔ ہائے افسوس۔ بادشاہ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ اور خراب حال ہو۔ بادشاہوں کے اعزاز و اکرام ہی سے اسلام کی رونق تھی اور انہی کی بدولت علماء و صوفیاء معزز و محترم تھے اور

انہی کی تقویت سے شریعت کے احکام کو جاری کرتے تھے۔

میں نے سنا ہے کہ ایک دن صاحب قرآن امیر تیمور علیہ الرحمتہ بخارا کی گلی سے گزر رہا تھا۔ اتفاقاً اس وقت حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش خانقاہ کی دریوں اور بستروں کو جھاڑ دے رہے تھے اور گرد سے پاک کر رہے تھے۔ امیر مذکور مسلمانی کے حسن خلق سے جو اس کو حاصل تھا، اس کوچہ میں ٹھہر گیا۔ تا کہ خانقاہ کی گرد کو اپنا صندل وعبیر بنا کر درویشوں کی برکات فیوض سے مشرف ہو۔ شاید اسی تواضع اور فروتنی کے باعث جو اس کو اہل اللہ کے ساتھ حاصل تھی۔ حسن خاتمہ سے مشرف ہوا۔

منقول ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ امیر کے مرجانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ تیمور مر گیا اور ایمان لے گیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ میں بادشاہوں کے نام جو ایک درجہ نیچے لا کر پڑھتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اسی کی وجہ یہی تواضع ہے جو شاہان بزرگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نسبت ظاہر کی ہے اور جائز نہیں رکھتے کہ ان کے نام دین کے بزرگواروں کے نام کے ساتھ ایک درجہ میں مذکور ہوں۔

تذییل

اے برادر! سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے سے مراد ہے۔ اس میں نہایت ذلت وانکسار اور کمال تواضع وعاجزی ہے۔ اسی واسطے اس قسم کی تواضع حق تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں۔

منقول ہے کہ ایک دن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی راستہ میں جارہے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر معجزہ طلب کیا تا کہ ایمان لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس درخت کو جا کر کہ۔ تجھ کو پیغمبر بلاتا ہے درخت یہ سن کر اپنی جگہ سے ہلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اعرابی یہ حال دیکھ کر اسلام لے آیا۔ پھر عرض کی یارسول اللہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ فرمایا خدا کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں ہے۔ اگر حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو کہتا کہ مردوں کو سجدہ کریں۔

بعض فقہا نے اگرچہ بادشاہوں کے لیے سجدہ تحیت یعنی سجدہ تعظیم جائز رکھا ہے، لیکن

بادشاہوں کے لیے بھی مناسب ہے کہ اس امر میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کریں اور اس قسم کی ذلت وانکسار حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لیے پسند نہ کریں۔ حق تعالیٰ نے تمام جہان کو ان کے تابع اور ان کا محتاج بنایا ہے۔ اس نعمت کا شکر بجالا کر اس قسم کی تواضع کو جس سے کمال عجز وانکسار ظاہر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ہی مسلم رکھیں اور اس امر میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں۔ اگرچہ بعض نے اس امر کو جائز رکھا ہے۔ مگر مناسب ہے کہ ان کا حسن تواضع اس امر کو پسند نہ کرے۔ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) جب بادشاہ وقت اپنے ممالک کی سیر سے دار الخلافہ میں واپس آئے گا تو امید ہے کہ یہ فقیر بھی حق تعالیٰ کے ارادہ سے عنقریب دار الخلافہ میں حاضر ہوگا۔ وَالْبَاقِیْ عِنْدَ التَّلَاقِیْ.

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۹۳

اس بیان میں کہ عالم خلق اور عالم امر کے لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی اور یہ باطن عارف کے اسم قیوم سے ملا ہوا ہے اور اس بیان میں کہ عارف نزول کے وقت کلی طور پر ظاہر و باطن کے ساتھ دعوت وعبادت کی طرف متوجہ ہے۔ خواجہ ہاشم بدخشی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

عارف تام المعرفت کے عالم خلق و عالم امر دونوں اگرچہ اس اسم قیوم کی نسبت جو اس عارف کا وجہ خاص ہے اور در حقیقت عارف کا باطن اور حقیقت یہی ہے۔ ظاہر وصورت میں داخل ہیں۔ جیسے کہ اس کی تحقیق کسی مکتوب میں تحریر ہو چکی ہے، لیکن جب اس ظاہر صورت کو تیز نظر سے جو اللہ تعالیٰ نے محض فضل سے بخشی ہے ملاحظہ کرتا ہوں۔ تو یہاں بھی ظاہر و باطن اور صورت وحقیقت پیدا ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ عالم خلق کو ظاہر پاتا ہوں اور عالم امر کو باطن جیسے کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔ بلکہ عالم خالق اور عالم امر کے لطائف میں ہر ایک لطیفہ کی صورت بھی ہے اور حقیقت بھی یعنی جس طرح عنصر خاک ظاہر رکھتا ہے اور باطن بھی۔ اسی طرح اخفیٰ صورت بھی رکھتا ہے اور حقیقت بھی اور یہ باطن جو عالم خلق اور عالم امر سے تعلق رکھتا ہے۔

دن بدن اعمال صالحہ کے ذریعے بلکہ محض حق تعالیٰ کی بخشش سے تھوڑا تھوڑا اس باطن سے جو اسم قیوم پر وابستہ ہے ملتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس باطن کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا اور سوائے ظاہر محض کے سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اس اسم قیوم کیساتھ اس باطن کے ملنے سے یہ مراد نہیں کہ یہ باطن اس اسم میں حلول کر جاتا ہے۔ یا اس اسم قیوم کے ساتھ اس باطن کے ملنے سے یہ مراد نہیں کہ یہ باطن اس اسم میں حلول کر جاتا ہے۔ یا اس اسم کے ساتھ اتحاد پیدا کر لیتا ہے۔ کیونکہ یہ الحاد ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا یَتَغَیَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَتِهٖ وَلَا فِیْ اَسْمَائِهٖ بِحُدُوْثِ الْاَکْوَانِ (پاک ہے وہ ذات پاک جو موجودات کی حدوث سے اس کی ذات و اسماء وصفات میں تغیر نہیں آتا) بلکہ اس باطن کو اس اسم کے ساتھ ایک مجہول الکیفیت نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے حلول واتحاد کا وہم گزرتا ہے۔ درحقیقت وہاں نہ اتحاد ہے نہ حلول کیونکہ اس سے حقیقت امکان کا حقیقت وجوب کے ساتھ بدلنا لازم آتا ہے۔ جو محال عقلی ہے اور شریعت میں زندقہ ہے اور وہ ظاہر محض جو باقی رہ جاتا ہے۔ اگرچہ عالم شہادت سے ہے اور مشہود مرئی ہے۔ لیکن باطن کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اگرچہ باطن شہود وادراک کے احاطہ سے باہر نکل چکا ہے اور غیب سے ملحق ہو کر بیچونی کا رنگ حاصل کر چکا ہے، کیونکہ چون جب تک بیچون کا رنگ نہ پکڑے اور چون کے احاطہ ادراک سے باہر نہ جائے اور شہادت سے غیب کی طرف اسباب نہ لے جائے۔ بیچون حقیقی سے کچھ حصہ حاصل نہیں کرتا اور غیب الغیب سے مطلع نہیں ہوتا۔

جاننا چاہیے کہ اس ظاہر باقی ماندہ کی توجہ بالکل خلق کی طرف ہے اور طاعات وعبادات شرعیہ اسی کے متعلق ہیں اور دعوت وتکمیل کا معاملہ بھی اسی پر وابستہ ہے اور اس عارف صاحب تکمیل کا باطن بھی خواہ مراتب امکانی کیساتھ تعلق رکھے۔ خواہ مقامات وجوب کے ساتھ ظاہر کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جس چیز کی طرف ظاہر توجہ رکھتا ہے۔ باطن بھی اسی کی طرف توجہ رکھتا ہے تاکہ عبادت کی تکمیل وتربیت کامل طور پر ہو۔ کیونکہ یہ دار دارِ عمل ہے اور یہ مقام مقام دعوت شہود ومشاہدہ کی حقیقت آخرت میں ہے اور کشف ومعائنہ کا معاملہ ابھی عاقبت میں ہے۔ اس مقام میں معبود کی عبادت معبود میں مستغرق ہونے سے بہتر ہے اور اس جگہ مطلوب کا انتظار کرنا جس کا باعث محبت ہو۔ مطلوب میں فانی ہونے سے اچھا ہے ارباب سکر اس بات کا یقین

کریں یا نہ کریں۔ عارف صاحب تکمیل کی یہ ظاہری و باطنی توجہ جو اس کو خلق کی طرف پیدا ہوئی ہوئی ہے۔ موت کے وقت تک ہے جو مقام دعوت کا منتہا ہے جب موت آ جائے گی۔ موت کے پل پر سے گزر کر محبوب کے کوچہ میں قدم رکھ لے گا اور اغیار کی مزاحمت کے بغیر وصل و اتصال کی دولت سے مشرف ہو جائے گا۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا   وَ لِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی نعمت   مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو پورا کر اور ہم کو بخش۔ تو سب کچھ کر سکتا ہے) وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ وَالْبَرَکَۃُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِ اللّٰہِ وَ عَلٰی اِخْوَانِہِ الْکِرَامِ وَ اَصْحَابِہِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ.

مکتوب ۹۴

فنا و بقا کی حقیقت اور عارف کی حقیقت و صورت سے عدم کے جدا ہونے اور مجاورت کی نسبت بہم پہنچانے کے بیان میں مولانا عبدالقادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اللہ رب العلمین کے لیے حمد ہے اور حضرت سید المرسلین پر صلوٰۃ و سلام۔

اس فقیر کے علم میں حقائق ممکنات جیسے کہ بعض مکتوبات میں لکھا جا چکا ہے۔ ان عدمات سے مراد ہیں۔ جو ہر شر و نقص کا موجب ہیں۔ بمع حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی علمیہ صورتوں کے عکوس کے جو ان عدمات میں ظاہر ہوئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ وہ عدمات ہیولیٰ یعنی مادہ کی طرح ہیں اور وہ عکوس صورت کی طرح جو ہیولیٰ میں حلول کیے ہوئے ہیں۔ عدمات کی تشخیص و تمیز ان عکوس ظاہرہ کے ساتھ ہے اور ان عکوس کا قیام ان عدمات متمیزہ کے ساتھ ہے۔ یہ قیام عرض و جوہر کے قیام کی طرح نہیں ہے بلکہ جس طرح صورت کا قیام ہیولیٰ کے ساتھ اور ہیولیٰ کا قیام صورت کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ حکماء نے کہا ہے۔ جب سالک اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر و مراقبہ کے ساتھ حق تعالیٰ کی بارگاہ

کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دم بدم ماسوی سے منہ پھیرتا جاتا ہے تو حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی علمیہ صورتوں کے عکوس ہر آن میں قوت وغلبہ پاتے جاتے ہیں اور اپنے قرین یعنی ساتھی پر جو عدمات ہیں غالب آتے جاتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ (خبردار اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے) معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ عدمات جو ان عکوس کے لیے اصل ومادہ کی طرح ہیں سب پوشیدہ ہونے لگتے ہیں بلکہ سب کے سب سالک کی نظر سے چھپ جاتے ہیں اور اپنے اصول کے عکوس کے بغیر اس کی نظر میں کچھ نہیں رہتا۔ بلکہ وہ عکوس بھی جو اپنے اصول کے آئینے ہیں۔ نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس مقام میں آئینوں کا مخفی ہونا ضروری ہے۔ یہ مقام مقام فنا ہے اور بہت بلند ہے۔ اگر اس سالک فانی کو بقا بخشیں اور عالم کی طرف واپس لائیں تو اپنے عدم کو باریک پوست کی طرح جو بدن کا محافظ ہے۔ معلوم کرے گا اور نزدیک ہے کہ نہایت بے مناسبتی سے جو اس کو عدم کے ساتھ پیدا ہے۔ اس کی تعبیر پیراہن شعر (بالوں کے باریک کرتہ) سے کرے اور اپنے آپ سے الگ معلوم کرے، لیکن درحقیقت اس مقام میں عدم اس سے الگ نہیں ہوا۔ بلکہ اس مقام میں انانیت کا ظن غالب ہے۔ غرض عدم اس مقام میں سالک کی مستور اور مغلوب جزو ہے اور اس اصالت سے جو اس کو حاصل تھی نیچے آ گیا ہے اور ان عکوس کے تابع بلکہ ان کے ساتھ قائم ہوا ہے جو اس کے ساتھ قیام رکھتے تھے۔ یہ فقیر کئی سال تک اس مقام میں رہا ہے اور اپنے عدم کو پیراہن شعر کی طرح اپنے سے جدا معلوم کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت بیغایت اس کے شامل حال ہوئی۔ دیکھا کہ وہ جزو مغلوب اس انحلال یافتہ ترکیب سے جدا ہو گیا ہے اور وہ تشخص جو ان عکوس کے حاصل ہونے سے پیدا کی تھی مفقود کر دی ہے اور گویا عدم مطلق کے ساتھ ملحق ہو گیا ہے۔ جس طرح کسی صورت کو سانچے پر درست کریں اور اس کو اس سانچے پر قائم رکھیں۔ جب صورت درست اور ثابت اور راسخ ہو جائے تو اس سانچے کو توڑ ڈالیں اور اس کے قیام کو سانچے سے دور کر کے اپنے آپ کے ساتھ قائم رکھیں۔ صورت مذکورہ بالا میں بھی فقیر نے معلوم کیا کہ ان عکسوں نے جو اس کے ساتھ قیام رکھتے تھے۔ اپنے ساتھ بلکہ اپنے اصول کے ساتھ قیام پیدا کیا ہے۔ اس وقت انا کا لفظ ان عکوس اور ان عکوس کے اصول کے سوا کسی پر اطلاق نہیں کرتا۔ گویا جزو عدم کو اس کے ساتھ کچھ مس نہ تھا اور معلوم کیا کہ حقیقت فنا اسی صورت کے مقام میں ہے سابقہ فنا گویا

اس فنا کی صورت تھی۔ اس مقام سے جب بقا میں لائے اور عالم کی طرف واپس لائے تو اس عدم کو جو جزئیت کی نسبت رکھتا تھا اور اصالت و غلبہ اس کے لیے تھا۔ واپس لا کر اس کا مجاور اور ساتھی بنا دیا۔ اس کی صورت و حقیقت سے الگ کر کے اس کو لفظ انا کے اطلاق سے باہر کر دیا اور حکمتوں اور مصلحتوں کے لیے اس کو پھر پیراہن شعر کی طرح پہنا دیا۔ اس حالت میں اگرچہ عدم کو واپس لے آئے، لیکن ان عکوس کا قیام اس سے وابستہ نہ کیا۔ بلکہ عدم کو اس عکوس کے ساتھ قیام بخشا۔ جیسے کہ بقائے سابق میں گزر چکا۔ جب اس بقا میں یہ نسبت ہو تو اس جگہ جو بقا کی حقیقت ہے یہ نسبت کامل طور پر ہوگی۔

حاصل کلام یہ کہ کپڑا پہننے والے کو کپڑے کی تاثیر ہوتی ہے۔ یعنی اگر کپڑا گرم ہو تو پہننے والے کو اس کی گرمی پہنچتی ہے۔ اگر سرد ہو تو اس کی سردی سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح کپڑے کی مانند اس عدم کا تاثر اپنے آپ میں پایا اور اس کا اثر تمام بدن میں جاری و ساری دیکھا، لیکن جانتا ہے کہ یہ تاثیر و سرایت بیرونی ہے نہ درونی۔ عارضی ہے نہ ذاتی۔ خارجی ہم نشین کی طرف سے آئی ہے نہ داخل کے ہم جنس کی طرف سے اور شر و نقص بھی جو اس عدم سے پیدا ہوا ہے۔ عرضی اور خارجی ہے نہ ذاتی و اصلی۔ اس مقام والا اگرچہ بشریت میں تمام لوگوں کے ساتھ مشارکت رکھتا ہے اور صفات بشریت کے صادر ہونے میں سب کے ساتھ شریک ہے، لیکن اس سے اور اس کی ابنائے جنس سے صفات بشریت کا صادر ہونا عارضی ہے جو ہم نشین و مجاور کی طرف سے ہے اور دوسروں سے صفات بشریت کا صادر ہونا ذاتی ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان میں بہت فرق ہے) عوام لوگ ظاہری مشارکت کو ملاحظہ کر کے خواص بلکہ اخص خواص کو اپنی طرح تصور کر کے مقام انکار و اعتراض میں آ جاتے ہیں اور محروم رہ جاتے ہیں۔ آیت کریمہ قَالُوْا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (ان لوگوں نے کہا کہ کیا یہ انسان ہم کو ہدایت دے گا پس وہ منکر ہو گئے) اور آیت کریمہ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (انہوں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) ان کے حال کا نشان ہے۔ یہ فقیر صفات بشریت سے جو کچھ اپنے آپ میں دیکھتا ہے۔ معلوم کرتا ہے کہ ان صفات کا حامل وہی عدم مجاور ہے جو کلیت یعنی تمام بدن میں اثر و سرایت کیے ہوئے ہے اور اپنے آپ کو تمام و کمال طور پر ان صفات سے پاک و صاف معلوم

کرتا ہے اور ان کا کچھ حصہ بھی اپنے آپ میں محسوس نہیں کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ یہ صفات جو مجاورت کے سبب سے ظاہر ہوتے ہیں اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے سرخ لباس پہنا ہو اور لباس کی سرخی سے سرخ نظر آتا ہو۔ بیوقوف لوگ چونکہ تمیز نہیں کر سکتے۔ لباسی سرخی کو اس شخص کی سرخی جان کر اس پر خلاف واقع حکم لگاتے ہیں۔ مثنوی

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است — وانکہ نقدش وید خود مردانہ است

آب نیل است و بقبطی خوں نمود — قوم موسیٰ زانہ خوں بود آب بود

ترجمہ مثنوی: جس نے افسانہ کہا افسانہ ہے — جس نے دیکھا نقد وہ مردانہ ہے

خون تھا قبطی کے حق میں آب نیل — موسویوں کو آب تھا بے قال و قیل

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے رحمت نازل فرما تو بڑا بخشنے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۹۵

کفر حقیقی و اسلام حقیقی کے سوال کے جواب میں مقصود علی تبریزی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔ آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ جس میں صوفیاء کی بعض باتوں کی نسبت استفسار درج تھا۔

میرے مخدوم! وقت و مکان اگرچہ گفت و نوشت کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔ اس لیے چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

ان تمام سوالوں کے حق میں مجمل کلام یہ ہے کہ جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے۔ طریقت میں بھی کفر و اسلام ہے۔ جس طرح شریعت میں کفر سراسر شرارت و نقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے۔ طریقت میں بھی کفر سراسر نقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے۔ کفر طریقت مقام

جمع سے مراد ہے۔ جو استتار یعنی پوشیدہ ہونے کا محل ہے۔ اس مقام میں حق و باطل کی تمیز مفقود ہوتی ہے، کیونکہ اس مقام میں سالک کا مشہود اچھے و برے آئینوں میں وحدت محبوب کا جمال ہوتا ہے۔ پس خیر وشر و نقص و کمال کو اس وحدت کے ظلال اور مظاہر کے سوا نہیں پاتا۔ اس لیے انکار کی نظر جو تمیز سے پیدا ہوتی ہے اس کے حق میں معدوم ہے جس کے باعث سب کے ساتھ مقام صلح میں ہے اور سب کو راہ راست پر معلوم کرتا ہے اور اس آیت کے مضمون کے مطابق گیت گاتا ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (کوئی جانور روئے زمین پر چلنے والا نہیں ہے۔ جس کو اس نے پیشانی سے پکڑا ہوا نہیں۔ بیشک میرا رب سیدھے راستہ پر ہے) کبھی مظہر کو عین ظاہر جان کر خلق کو عین حق خیال کرتا ہے اور مربوب کو عین رب جانتا ہے۔ اس قسم کے سب پھول مرتبہ ہی سے کھلتے ہیں۔ منصور اسی مقام میں کہتا ہے۔

كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

ترجمہ: ہوا کافر میں دین حق سے مجھ کو کفر بہتر ہے
اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں وہ کفر بدتر ہے

یہ کفر طریقت کفر شریعت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے، لیکن شریعت کا کافر مردود اور عذاب کا مستحق ہے اور کافر طریقت مقبول اور اعلیٰ درجات کے لائق ہے، کیونکہ یہ کفر و استتار محبوب حقیقی کے غلبہ محبت سے پیدا ہوا ہے۔ جس کے باعث محبوب حقیقی کے سوا سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے۔ اس لیے مقبول ہے اور وہ کفر چونکہ تمرد یعنی سرکشی اور جہل کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے مردود ہے اور اسلام طریقت مقام فرق بعد الجمع سے مراد ہے جو تمیز کا مقام ہے جہاں حق باطل سے اور خیر شر سے متمیز ہے۔ اس اسلام طریقت کو اسلام شریعت کے ساتھ بڑی مناسبت ہے۔ جب اسلام شریعت کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اس اسلام طریقت کے ساتھ اتحاد کی نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہر دو اسلام اسلام شریعت ہیں۔ اس کے درمیان فرق ظاہر شریعت اور باطن شریعت اور صورت شریعت اور حقیقت شریعت کا ہے۔ کفر طریقت کا مرتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بلند تر ہے۔ اگرچہ حقیقت شریعت کے اسلام کی نسبت کمتر ہے۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

ترجمہ: عرش سے نیچے ہے گرچہ آسماں ہے بہت اونچا زمیں سے اے جواں

مشائخ قدس اسرار ہم سے جنہوں نے شطحیات نکالی ہیں اور مخالف شریعت باتیں کہی ہیں سب کفر طریقت کے مقام میں رہے۔ جو سکر و بے تمیزی کا مقام ہے، لیکن وہ بزرگ جو حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے پاک وصاف ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء کرتے ہیں اور انہی کے تابع رہتے ہیں۔ پس جو شخص کلام شطحیات کرتا ہے اور سب کے ساتھ صلح رکھتا ہے اور سب کو راہ راست پر خیال کرتا ہے اور حق و خلق کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا۔ اگر ایسا شخص مقام جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفر طریقت سے متحقق ہو چکا ہے اور ماسویٰ کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو وہ مقبول ہے اور اس کی باتیں جو سکر سے پیدا ہیں، ظاہر کی طرف سے پھری ہوئی ہیں اور اگر وہ شخص اس حال کے حاصل ہونے اور درجہ کمال اول تک پہنچنے کے بغیر اس قسم کی کلام کرتا ہے اور سب کو حق اور صراط مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا۔ تو ایسا شخص زندیق و ملحد ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ شریعت باطل ہو جائے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو رحمت عالمیان ہیں ان کی دعوت رفع ہو جائے پس اس قسم کے خلاف شریعت کلمات سچے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور جھوٹے سے بھی سچے کے لیے آب حیات ہیں اور جھوٹے کے لیے زہر قاتل۔ جس طرح کہ دریائے نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آب خوشگوار تھا اور قبطی کے حق میں خون۔

اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ بہت سے مسلمان ارباب سکر کی باتوں کی تقلید کر کے راہ راست سے ہٹ کر گمراہی اور خسارہ میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتوں کا قبول ہونا چند شرائط پر مشروط ہے۔ جو ارباب سکر میں موجود ہیں اور ان میں مفقود۔ ان شرائط میں سے اعلیٰ شرط ماسویٰ اللہ کا نسیان ہے۔ جو اس قبولیت کی دہلیز ہے۔ سچے اور جھوٹے کے درمیان شریعت کی استقامت اور عدم استقامت سے فرق ظاہر ہو سکتا ہے یعنی جو سچا ہے وہ باوجود سکر و مستی کے اور بے تمیزی کے بال بھر بھی شریعت کے برخلاف نہیں کرتا۔ منصور باوجود قول انا الحق کے قید خانہ میں زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا اور وہ کھانا جو اس کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا۔ اگر چہ وجہ حلال سے ہوتا ہے۔ نہ کھاتا تھا اور جو شخص جھوٹا ہے اس پر احکام شریعہ کا بجالانا کوہ قاف کی طرح بھاری ہوتا ہے۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَاتَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (مشرکوں پر وہ

امر بہت بھاری ہے۔ جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے) ان کے حال کا نشان ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بہتری ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۹۶

اس مضمون کے حل میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا تا کہ کچھ لکھیں اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے مع چند اصحاب کے اس سے منع کیا خواجہ ابوالحسن بدخشی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

سوال: حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا اور فرمایا کہ اِيْتُوْنِيْ بِقِرْطَاسٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ (کاغذ لاؤ کہ میں کچھ لکھوں تا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو) اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور چند اور اصحاب نے منع کیا اور کہا کہ حَسْبُنَا كِتَابَ اللّٰهِ (ہمیں کتاب اللہ کافی ہے) اور کہا اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ (کیا غشی سے ایسی کلام کرتے ہیں اچھی طرح پوچھو) حالانکہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ فرمایا کرتے تھے۔ وحی سے فرمایا کرتے تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰی (وہ خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ جو کچھ بولتے ہیں وحی کے مطابق بولتے ہیں) اور وحی کا رد و منع کرنا کفر ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہجر و ہذیان کی کیفیت جائز کرنے سے تمام احکام شرعیہ کا اعتماد دور ہو جاتا ہے اور یہ کفر و الحاد و زندقہ ہے۔ اس شبہ قویہ کا حل کیا ہے۔

جواب: خدا آپ کو سعادتمند کرے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ آپ کو واضح ہو کہ یہ شبہ اور اس قسم کے اور شبہے جو بعض لوگ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور باقی تمام

اصحاب کرام رضی اللہ عنہم پر وار کرتے ہیں اور اس قسم کی تشکیکات اور شبہات سے ان کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف و رتبہ کو قبول کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے نفس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا اور ہوس سے پاک و صاف ہو چکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت و کینہ نکل چکا تھا تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہی وہ اسلام اور دین کے بزرگوار ہیں جنہوں نے کلمہ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سیدنا ﷺ کی مدد اور دین متین کی تائید کے لیے رات دن اور ظاہر و باطن میں اپنی طاقتوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے اور اپنے خویش و قبیلہ اور اولاد و ازواج اور وطن و گھر بار کھیتی کیاری باغ اور انہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں چھوڑ دیا تھا اور اپنی جان اور مال و اولاد کی محبت پر رسول اللہ کی محبت کو ترجیح دی تھی۔ ان بزرگواروں نے وحی و فرشتہ کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات و خوارق کو دیکھا تھا۔ ان کا غیب شہادت سے اور ان کا علم عین سے بدل چکا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرماتا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ...... ذٰلِکَ مَثَلُہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ مَثَلُہُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ توریت و انجیل میں ان کی یہی مثال ہے) جب تمام صحابہ کرام ان کرامات اور فضائل میں شریک ہیں تو خلفاء راشدین جو تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ ان کی فضیلت و بزرگی کس قدر ہوگی۔ یہی وہ فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جن کی شان میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اے نبی تجھ کو اللہ تعالیٰ اور تیری اتباع کرنے والے مومن کافی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ہے۔ نظر انصاف کے ساتھ دیکھنے اور حضرت خیر البشر کی شرف صحبت قبول کرنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجات کی بلند اور بزرگی معلوم کرنے کے بعد امید ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے اور تشکیکات کی پیروی کرنے والے لوگ ان شبہات کو مغالطوں اور زر سے منڈھی ہوئی خیالی باتوں کی طرح بے اعتبار اور خوار خیال کریں گے اور اگر ان شبہات میں غلطی کو تجویز نہ کریں اور ان کو وہمی اور خیالی باتوں کی طرح نہ سمجھیں تو

کم از کم اتنا تو ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات اور تشکیکات کا ماحصل ہیچ و پوچ ہے۔ بلکہ اسلامی ہدایت اور ضرورت کے برخلاف ہے اور کتاب و سنت کے مقابلہ میں مردود اور مطرود ہے۔ اس کے علاوہ اس سوال کے جواب اور اس شبہ کی غلط فہمی کے بیان کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند مقدموں میں لکھا جاتا ہے۔ غور سے سنیں۔ اس شبہ واشکال کا کامل طور پر حل کرنا چند مقدموں پر مبنی ہے۔ جن میں سے ہر ایک مقدمہ بجائے خود علیحدہ علیحدہ جواب بھی ہے:۔

مقدمہ اول: یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام منطوقات و معقولات یعنی اقوال و گفتار وحی کے مطابق نہ تھے۔ آیت کریمہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى نص قرآنی سے مخصوص ہے جیسے کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اقوال و گفتار وحی کے موافق ہوتے تو حق تعالیٰ کی طرف سے بعض اقوال پر اعتراض وارد نہ ہوتا اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے تو نے ان کو کیوں اذن دیا)

مقدمہ دوم: یہ کہ احکام اجتہادیہ اور امور عقلیہ میں آیت کریمہ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار (اے داناؤ عبرت پکڑو) اور آیت کریمہ وَ شَاوِرْ هُمْ فِی الْاَمْرِ (کام میں ان سے مشورہ کر لیا کرو) کے بموجب اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو کی گنجائش اور ردوبدل کی مجال تھی۔ کیونکہ اعتبار و مشورہ کا امر کرنا ردوبدل کے حاصل ہونے کے بغیر متصور نہیں۔ جنگ بدر کے قیدیوں کے قتل اور فدیہ کے بارے میں جب اختلاف واقع ہوا تھا تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قتل کا مشورہ دیا تھا اور وحی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے موافق آئی اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی الہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَوْنَزَلَ الْعَذَابُ لَمَا نَجٰی بِغَیْرِ عُمَرَ وَ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا (اگر عذاب نازل ہوتا تو عمر و سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے بغیر کوئی نجات نہ پاتا) کیونکہ سعد رضی اللہ عنہ نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔

مقدمہ سوم: یہ کہ سہو و نسیان پیغمبر پر جائز بلکہ واقع ہے۔ حدیث ذوالیدین میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار رکعتی نماز میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ ذوالیدین نے عرض اَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ نَسِیْتَ کیا آپ نے نماز کو قصر کیا ہے یا آپ بھول

گئے۔ ذوالیدین کی صداقت ثابت ہونے کے بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھ کر دو رکعت اور ادا کیں اور سجدہ سہو ادا کیا۔ جب صحت و فراغت کی حالت میں سہو و نسیان بمقتضائے بشریت جائز ہے تو مرض موت میں درد کے غلبہ کے وقت بمقتضائے بشری آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے قصد و بے اختیار کلام کا صادر ہونا کیونکر جائز نہ ہوگا اور احکام شریعہ سے کیوں اعتماد رفع ہوگا۔ جبکہ حق تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی قطعی سے سہو و نسیان پر اطلاع فرمائی ہے اور صواب کو خطا سے الگ کیا ہے۔ کیونکہ نبی کا خطا پر برقرار رہنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس سے احکام شریعت کا اعتماد رفع ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ نفس سہو و نسیان اعتماد کے رفع ہونے کا موجب نہیں ہے بلکہ سہو و نسیان پر برقرار رہنا احکام شرعیہ کے اعتماد کے رفع ہونے کا باعث ہے اور وہ تقریر علماء کے نزدیک مقرر و ثابت ہے کہ جائز نہیں۔

مقدمہ چہارم: یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے لیے کتاب و سنت میں جنت کی خوشخبری ہے اور وہ احادیث جن میں خاص طور پر ان کے لیے جنت کی بشارت ہے ثقہ راویوں کی کثرت سے شہرت بلکہ تواتر معنی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ جن کا انکار کرنا سراسر جہالت ہے یا بغض و عناد۔ ان صحیح و حسن حدیثوں کے راوی اہل سنت ہیں۔ جنہوں نے اپنے استادوں سے جو سب کے سب اصحاب و تابعین ہیں۔ اخذ کی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اگر تمام مخالف فرقوں کے راویوں کو جمع کریں۔ تو اہل سنت کے سویں حصہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ كَمَا لَا يَخفَى عَلَى الْمُتَتَبِّعِ الْمُتَفَحِّصِ الْمُنصِفِ (جیسے کہ منصف تابعدار اور جستجو کرنے والے پر پوشیدہ نہیں) اہل سنت کی تمام کتب احادیث ان بزرگواروں کی بشارات سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر بعض مخالف فرقوں کی کتب احادیث میں بشارات کی روایت نہ بھی ہو تو کچھ غم نہیں کیونکہ بشارات کی روایت کا نہ ہونا بشارات کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ ان بزرگواروں کی بشارت کے لیے قرآن مجید کافی ہے۔ جس کی بہت سی آیات میں ان کے لیے جنت کی خوشخبری آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْ هُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا

الْاَنْھَارُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ مہاجرین اور انصار میں سابقین اولین اور وہ لوگ جنہوں نے احسان سے ان کی تابعداری کی۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ راضی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور ان کے لیے جنات تیار کی گئی ہیں۔ جن میں نہریں بہتی ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور فرماتا ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مَنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَ کُلًّا وَّ عَدَاللّٰہُ الْحُسْنٰی نہیں برابر تم میں سے وہ شخص جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی۔ یہ زیادہ درجہ والے ہیں۔ ان لوگوں سے جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی اور سب کو اللہ تعالیٰ نے حسنٰی یعنی بہشت کا وعدہ دیا ہے۔

جب ان تمام صحابہ کے لیے جنہوں نے فتح سے پہلے اور بعد انفاق و مقاتلہ کیا ہے۔ بہشت کی خوشخبری ہے۔ تو پھر ان بزرگ اصحاب کی نسبت جو انفاق و مقاتلہ و مہاجرت میں سب سے بڑھ کر ہیں کیا کہا جائے اور ان کے درجات کی بلند کو کس طرح معلوم کیا جائے۔

تمام اہل تفسیر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ لا یستوی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو انفاق و مقاتلہ میں سب سابقین سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ بیشک اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔ مومنین سے جب انہوں نے درخت کے نیچے تیری بیعت کی۔

امام محی السنۃ نے معالم تنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔ ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خوش ہوا ہے اور شک نہیں کہ اس شخص کو کافر کہنا جس کو کتاب و سنت میں بہشت کی خوشخبری مل چکی ہو، نہایت ہی برا ہے۔

مقدمہ پنجم: یہ ہے کہ کاغذ کے لانے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا توقف کرنا رد و انکار کے باعث نہ تھا۔ پناہ بخدا۔ ایسے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزیروں اور ہمنشینوں سے جو خلق عظیم کے ساتھ متصف ہے۔ اس قسم کی بے ادبی متصور بھی کس طرح ہو سکتی ہے۔ بلکہ ادنیٰ صحابی سے جو ایک یا دو بار حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرف صحبت سے مشرف ہو چکا

ہو۔ اس قسم کی بے ادبی کی امید نہیں ہوسکتی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے عام لوگوں سے جو دولت اسلام سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اس قسم کے ردوانکار کا گمان نہیں ہو سکتا۔ تو پھران لوگوں سے جو بزرگ اور وزیر اور ندیم اور تمام مہاجرین اور انصار میں سے اعلیٰ درجہ والے ہوں، کس طرح اس امر کا خیال پیدا ہوسکتا ہے۔ حق تعالیٰ ان لوگوں کو انصاف دے تاکہ بزرگان دین پر اس طرح کی بدظنی نہ کریں اور بے سوچے سمجھے ہر کلمہ وکلام پر مواخذہ نہ کریں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مطلب استفہام اور استفسار یعنی اِسْتَفْهِمُوْهُ سے یہ تھا کہ اگر یہ آپ کوشش واہتمام کے ساتھ کاغذ طلب فرمائیں تو لایا جائے۔ اگر آپ اس بارہ میں کوشش نہ فرمائیں تو ایسے نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہ دینی چاہیے، کیونکہ اگر امر وحی سے آپ نے کاغذ طلب فرمایا ہے تو تاکید ومبالغہ سے کاغذ طلب فرمائیں گے اور جو کچھ آپ کو حکم ہوگا لکھیں گے۔ کیونکہ وحی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے۔ اگر یہ مطلب امر وحی سے نہیں ہے بلکہ چاہتے ہیں کہ فکر واجتہاد کی رو سے کچھ لکھیں تو وقت یاوری نہیں کرتا۔ کیونکہ پایہ اجتہاد آپ کے رحلت فرما جانے کے بعد بھی باقی ہے۔ آپ کی امت کے مستنبط اور مجتہد لوگ کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اصول ہے۔ احکام اجتہادیہ کو نکال لیں گے اور جب حضور کی موجودگی میں جو وحی کے نزول کا وقت تھا۔ مستنبطوں اور مجتہدوں کے استنباط واجتہاد کی گنجائش تھی۔ تو آپ کے رحلت فرمانے کے بعد جو وحی کے ختم ہونے کا زمانہ ہے علماء کا اجتہاد واستنباط بطریق اولیٰ مقبول ہوگا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارہ میں جدواہتمام نہ فرمایا بلکہ اس امر سے اعراض فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپ کا فرمانا وحی کی رو سے نہ تھا اور وہ توقف جو مجرد استفسار کے لیے ہو۔ مذموم نہیں ہے۔

ملائکہ کرام نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی وجہ دریافت کرنے کے لیے عرض کیا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَاءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد کرے گا اور خون کرائے گا اور ہم تیری حمد کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری کے وقت کہا اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا میرے

ہاں کس طرح لڑکا ہوگا جبکہ میری عورت بانجھ ہے اور میں از حد بوڑھا ہوں۔

اور حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام نے کہا اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ" وَ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ" وَ لَمْ اَکُ بَغِیًّا میرے ہاں کس طرح لڑکا ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا اور میں نافرمان یعنی بدکار بھی نہیں ہوں۔

اگر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی استفسار اور استفہام کے لیے کاغذ کے لانے میں توقف کیا ہو تو کیا مضائقہ ہے اور کیا شور و شبہ ہے۔

مقدمہ ششم: یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرف صحبت کے حاصل ہونے کے باعث صحابہ کرام کے ساتھ حسن ظن ضروری ہے اور اس امر کا جاننا بھی ضروری ہے کہ تمام زمانوں سے بہتر زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر تھے تاکہ یقین ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد بہترین زمانہ میں وہ لوگ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر ہیں۔ باطل عمل پر اجتماع نہ کریں گے اور کافروں اور فاسقوں کو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین نہ بنائیں گے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اصحاب تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اس لیے کہا ہے کہ یہ امت نص قرآنی کے ساتھ خیر الامم یعنی تمام امتوں میں سے بہتر ثابت ہو چکی ہے اور تمام امت میں سے بہتر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ کیونکہ کوئی ولی صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

پس کچھ انصاف کرنا چاہیئے کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کاغذ لانے سے منع کرنا کفر کا باعث ہوتا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ جو نص قرآن کے ساتھ اس بہترین امت میں سے سب سے زیادہ متقی ثابت ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تنصیص وتصریح نہ کرتے اور مہاجرین و انصار جن کی تعریف حق تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں فرمائی ہے اور ان سے راضی ہوا ہے اور ان کو جنت کا وعدہ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین نہ بناتے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور اصحاب کے ساتھ حسن ظن جو محبت کا مقدمہ ہے حاصل ہو جائے تو اس قسم کے شبہات کی تکلیف سے نجات مل جاتی ہے اور ان تشکیکات کا باطل ہونا صاف طور پر نظر آ جاتا ہے اور اگر نعوذ باللہ منہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت اور اصحاب کے ساتھ حسن ظن پیدا

نہ ہو اور بدظنی تک نوبت آ جائے تو یہ بدظنی اس صحبت کے صاحب یعنی صحابہ کرام اور ان اصحاب کے صاحب یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ جائے گی بلکہ اس صاحب کے صاحب جل شانہ تک چلی جائے گی۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح معلوم کرنا چاہیے۔ ما امن بوسول من لم یوقر اصحابہ (جس نے اصحاب کی عزت نہ کی اس نے گویا رسول کی تصدیق نہ کی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کی شان میں فرمایا ہے۔ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ (جس نے میرے اصحاب سے محبت کی اس نے گویا میری محبت کی بدولت ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) اصحاب کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا باعث اور اصحاب کا بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغض کا موجب ہے۔

جب یہ مقدمات معلوم ہو چکے تو بے تکلف اس شبہ کا اور اس قسم کے اور شبہوں کا جواب حاصل ہو گیا۔ بلکہ متعدد اور کئی قسم کے جوابات حاصل ہو گئے۔ کیونکہ ان مقدمات سے ہر ایک مقدمہ متعدد جوابوں میں سے ایک جواب ہے۔ جیسے کہ گزر چکا ہے اور یہ مقدمات سب کے سب اس شبہ کے مادہ کو توڑ دیتے ہیں اور اس تشکیک کے دفع کرنے میں نظر یعنی دلیل سے حدس یعنی فراست و باریک بینی میں لے آتے ہیں۔ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْفَطِيْنِ الْمُنْصِفِ (جیسے کہ دانا منصف پر پوشیدہ نہیں ہے۔) حدس کا لفظ صرف زبان پر لایا گیا ہے۔ ورنہ اس قسم کی تشکیکات بدیہی البطلان ہیں اور وہ مقدمات جو ان شبہات کے باطل کرنے میں لائے گئے ہیں۔ اس بداہت پر تنبیہات کی قسم سے ہیں۔ بلکہ اس قسم کی تشکیکات و شبہات اس فقیر کے نزدیک اس طرح ہیں۔ جس طرح کوئی پرفن شخص چند بیوقوفوں کے پاس آ کر ایک پتھر کو جو ان کا محسوس ہے ملمع اور جھوٹی دلیلوں اور مقدمات سے ان کے سامنے ثابت کر دے کہ یہ سونا ہے اور چونکہ یہ بیچارے ان وہمی مقدمات کے دفع کرنے میں عاجز ہیں اور ان کے غلط ثابت کرنے میں قاصر ہیں اس لیے شبہ میں پڑ جائیں بلکہ یقین کر لیں کہ یہ سونا ہے اور اپنی حس کو فراموش کر دیں بلکہ متہم جانیں۔ اس مقام پر دانا کی ضرورت ہے۔ جو اس کی ضرورت پر اعتماد کرے اور وہمی مقدمات کو غلط ثابت کرے۔ مذکورہ بالا صورت میں بھی خلفائے ثلثہ بلکہ تمام اصحاب کرام کی بزرگی اور بلندی درجات کتاب وسنت کی رو سے محسوس ومشاہد ہے اور ان بزرگواروں پر طعن کرنے والے جو جھوٹی اور ملمع دلیلوں کے ساتھ ان پر طعن و قدح کرتے ہیں

اس پتھر کے حق میں طعن و ملامت کرنے والوں کی طرح بھٹک رہے ہیں اور گمراہ ہو رہے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اَنْتَ الْوَهَّابُ یا اللہ تو ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے۔

ہائے افسوس ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ اکابر دین کو گالی نکالیں اور اسلام کے بزرگوں پر طعن لگائیں۔ حالانکہ فاسقوں اور فاجروں میں سے کسی کو گالی نکالنا اور طعن لگانا یہ درجہ نہیں رکھتا کہ شرع میں عبادت و کرامت و فضیلت اور نجات کا وسیلہ سمجھا جائے۔ تو پھر دین کے ہادیوں کو گالی نکالنا اور اسلام کے حامیوں کو طعن لگانا کیا کچھ درجہ رکھتا ہوگا۔ شرع میں کہیں نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں یعنی ابو جہل اور ابولہب وغیرہ کو گالی نکالنا اور طعن لگانا عبادت و کرامت میں داخل ہے۔ بلکہ ان سے اور ان کے احوال سے اعراض کرنا اچھا ہے اور اس قسم کے بیہودہ امور میں مشغول ہونے اور وقت کے ضائع کرنے سے بہتر ہے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْ يَعْمَلُوْنَ یہ لوگ گزر گئے۔ ان کے لیے اپنے اعمال اور تمہارے لیے اپنے عمل کام آئیں گے اور تم سے نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کیا کرتے تھے۔

حق تعالیٰ قرآن مجید میں اصحاب پیغمبر کی صف میں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ فرماتا ہے پس ان بزرگواروں کے حق میں ایک دوسرے کے ساتھ عداوت و کینہ کا گمان کرنا نص قرآنی کے برخلاف ہے نیز ان بزرگواروں میں عداوت و کینہ کا ثابت کرنا فریقین میں قدح و ندامت پیدا کرتا ہے اور دونوں گروہوں سے امان کو رفع کرتا ہے۔ جس سے اصحاب کے دونوں گروہوں کا مطعون ہونا لازم آتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد جو لوگ تمام بنی آدم سے بہتر تھے۔ وہ گویا بدترین مردم تھے اور ان کا بہترین زمانہ بدترین زمانہ تھا اور اس قرن و زمانہ کے لوگ عداوت و کینہ سے موصوف تھے۔ کوئی مسلمان اس بات پر دلیری نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس امر کو پسند کر سکتا ہے۔ یہ کتنی بڑی گستاخی اور جرأت ہے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنی ہو اور حضرت امیر ان کے پوشیدہ دشمن رہیں۔ اس امر میں طرفین کی ندامت و ملامت ہے۔

کیوں نہ ہم یوں کہیں کہ آپس میں شیر و شکر اور ایک دوسرے میں فانی تھے۔ خلافت کا معاملہ بھی ان کے نزدیک مرغوب و مطبوع نہ تھا۔ جس کو کینہ و عداوت کا موجب قرار دیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اَقِیۡلُوۡنِیۡ (یعنی مجھ سے بیعت موڑ کر خلافت واپس لے لو) کا ظاہر ہونا مشہور و معروف ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی خریدار مل جائے تو اس خلافت کو ایک دینار کے بدلے بیچ ڈالوں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی خواہش کے لیے معاویہ کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں کیا بلکہ باغیوں کے ساتھ لڑائی کرنا فرض سمجھ کر ان کا مقابلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ تم باغی گروہ سے یہاں تک لڑو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھر آئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے باغی ہیں۔ جو سب کے سب صاحب تاویل اور صاحب رائے واجتہاد تھے۔ اگر اس اجتہاد میں خطا کار بھی ہوں تو بھی طعن و ملامت اور تفسیق و تکفیر سے دور اور پاک ہیں۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ اِخۡوَانُنَا بَغَوۡا عَلَیۡنَا لَیۡسُوۡا فَسَقَةً وَ لَا کَفَرَةً لِمَا لَهُمۡ مِنَ التَّاوِیۡلِ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی نہ فاسق ہیں نہ کافر، کیونکہ ان کے لیے تاویل ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ تِلۡکَ دِمَاءٌ اَطۡهَرَ اللّٰهُ عَنۡهَا اَیۡدِیۡنَا فَنُطَهِّرُ عَنۡهَا اَلۡسِنَتَنَا یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھنا چاہیے۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ یا اللہ ہم اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان لے کر ہم سے پہلے گئے بخش اور ایمانداروں کے لیے ہمارے دلوں میں کوئی غل و غش نہ چھوڑ یا اللہ تو ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنَامِ وَ عَلٰۤی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهِ الۡکِرَامِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامِ۔

مکتوب ۹۷

ایک سوال کے جواب میں جس میں اسی دفتر کے چھٹے مکتوب کا حل طلب کیا گیا تھا۔

خواجہ ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ نے پوچھا تھا کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں جو چھٹے مکتوب میں واقع ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولایت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رنگ میں رنگی جائے اور ولایت محمدی ﷺ کا حسن ملاحت ولایت ابراہیمی کے جمال صباحت کیساتھ مل جائے اور اس انصباغ وامتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ بلندی تک پہنچ جائے۔

آپ کو واضح ہو کہ دلالگی اور مشاطلگی کا منصب کسی طرح ممنوع ومحضور نہیں ہے۔ دلالہ جو اپنی دلالت کی خوبی سے دو صاحب جمال وکمال محبوب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دے اور ایک کے حسن کو دوسرے کے حسن کے ساتھ خلط ملط کردے تو اس کی کمال خدمتگاری ہے اور اس میں اس کی اپنی شرافت وسعادت ہے ان دونوں صاحب جمال کے شان میں کسی قسم کا نقص وقصور لازم نہیں آتا۔ اسی طرح اگر مشاطلگی کر کے ان دونوں صاحب کمال کے حسن و جمال کو بڑھادے اور زیادہ طراوت وزینت پیدا کردے۔ تو اسی کی شرافت وسعادت ہے ان میں کسی قسم کا نقص وقصور لازم نہیں آتا۔

ازاں طرف نپذیرد کمال تو نقصاں   وزیں طرف شرف روزگار من باشد

ترجمہ: تیرے کمال میں سے ایک ذرہ کم نہ ہوگا
لیکن میری سعادت ہوجائیگی دوبالا

غرض وہ انفاع واستفادہ جو صاحب دولتوں کو غلاموں اور خادموں کی جہت سے میسر ہوتا ہے۔ کوئی ممنوع ومحذور نہیں اور نہ ہی اس میں ان کا کسی قسم کا قصور نقصان ہے۔ بلکہ صاحب دولتوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت ہی میں ہے۔ وہ شیخ بہت ہی بے نصیب ہے جو اپنے خادموں سے فائدہ اور نفع حاصل نہ کرے۔ ہاں ہم رتبہ شخصوں سے نفع اور فائدہ طلب کرنا نقصان کا موجب ہے اور ہمسروں سے استمداد واستفادہ کرنا سراسر قصور ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (یا

رسول اللہ تجھے اللہ تعالیٰ اور تابعدار مومن کافی ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔ یہ بات بدیہی اور ظاہر ہے کہ ادنیٰ اور کم درجہ والے لوگوں کی خدمت سے بزرگوں اور اعلےٰ درجہ والے لوگوں کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس ظاہر اور بدیہی امر کو معلوم نہ کر سکے تو عبارت کا کیا قصور ہے۔ بادشاہ اور امیر اپنی شان وشوکت وسلطنت میں خادموں اور نوکروں چاکروں کے محتاج ہیں اور اپنے کمال کو انہی پر موقوف جانتے ہیں اور اس امر سے کوئی قصور ونقصان ان کے مرتبہ میں نہیں آتا۔ چنانچہ ہر ایک ادنیٰ واعلےٰ اس امر کو جانتا ہے۔ اس اشتباہ کا باعث یہ ہے کہ اس انتفاع وتمتع کے (جو ادنیٰ کی طرف سے آتا ہے) اور اس انتفاع تمتع کے (جو اعلےٰ کی طرف حاصل ہوتا ہے۔ درمیان فرق نہیں کر سکتے اور جب ظاہر ہو چکا کہ اول سے کمال بڑھتا ہے اور دوسرے سے نقصان پیدا ہوتا ہے تو اول جائز ہوگا اور دوسرا ممتنع۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْمُلْھِمُ لِلصَّوَابِ اللہ تعالیٰ بہتری کا الہام کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّیْٔ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں سے ہدایت ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۹۸

اس قرب ومعیت کے سر میں جو اللہ تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے اور شرارت عدم اور شرارت اہلیت کے درمیانی فرق کے بیان میں جامع علوم واسرار مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید وخواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

تم نے سوال کیا کہ علماء نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نہ عالم میں داخل ہے۔ نہ اس سے خارج نہ عالم کے ساتھ متصل ہے نہ اس سے منفصل۔ اس بحث کی تحقیق کیا ہے:۔

جواب: اس دخول وخروج اتصال وانفصال کی نسبت کا حاصل ہونا دو وجود کے دیکھنے پر متصور ہے کہ ایک موجود دوسرے موجود کے مقابلہ میں اس نسبت سے خالی نہ ہو اور صورت مذکورہ بالا

میں دو موجود کائن و ثابت نہیں ہیں تا کہ یہ نسبت حاصل ہو سکے۔ کیونکہ حق تعالیٰ موجود ہے اوراس کے ماسوا عالم سب موہوم و متخیل ہے۔ عالم نے اگر چہ حق تعالیٰ کے بنانے سے اس قسم کا استحکام اور مضبوطی حاصل کی ہے۔ کہ وہم و خیال کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا اور دائمی رنج و راحت کا معاملہ اسی پر وابستہ ہے، لیکن اس کا ثبوت حس و وہم کا درجہ ہے اور حس و وہم سے بڑھ کر اس کا کوئی رتبہ نہیں۔ یہ حق تعالیٰ کی ہی کمال قدرت ہے کہ جس نے موہوم و متخیل کو ثبت و استقرار دے کر موجود کا حکم عطا فرمایا ہے اور موجود کے احکام اس پر جاری کیے ہیں، لیکن موجود موجود ہے اور موہوم موہوم گو ظاہر بین موہوم و متخیل کو اس کے ثبات واستقرار پر نظر کر کے اس کو بھی موجود تصور کرتے ہیں اور دو موجود جانتے ہیں۔ اس مضمون کی تحقیق میں نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ اگر حاجت ہو تو وہاں رجوع کریں۔ پس موجود کی موہوم کے ساتھ اس قسم کی کوئی نسبت ثابت نہ ہو گی۔ تو اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ موجود نہ موہوم میں داخل ہے نہ اس سے خارج نہ وہ موہوم کے ساتھ متصل نہ اس سے منفصل کیونکہ جہاں موجود ہے وہاں موہوم کا نام ونشان نہیں تا کہ اس کے ساتھ اس نسبت کا تصور کیا جائے۔

اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ نقطہ جوالہ جو سرعت سیر کے باعث دائرہ کی صورت میں متوہم ہوتا ہے۔ یہاں موجود صرف وہی نقطہ ہے اور دائرہ کی صورت سوائے وہم کے ثابت نہیں اور جہاں نقطہ موجود ہے وہاں دائرہ موہومہ کا نام و نشان تک نہیں۔ اس صورت میں نہیں کہہ سکتے کہ نقطہ دائرہ میں داخل ہے یا دائرہ سے خارج ہے۔ اسی طرح اتصال و انفصال بھی ان کے درمیان متصور نہیں، کیونکہ اس مرتبہ میں کوئی دائرہ نہیں تا کہ نسبت متصور ہو سکے۔ ثَبِّتِ الْجِدَار اَوَّلاً ثُمَّ النَّقشُ اول دیوار ثابت ہو تو پھر اس پر نقش ظاہر ہونگے۔

سوال: حق تعالیٰ نے عالم کے ساتھ اپنے قرب واحاطہ کی نسبت ثابت کی ہے۔ حالانکہ موجود کو موہوم کے ساتھ کسی طرح قرب و احاطہ کی نسبت نہیں۔ کیونکہ جہاں موجود ہے وہاں موہوم کا نام ونشان تک نہیں تا کہ محیط و محاط تصور کیا جائے۔

جواب: یہ قرب و احاطہ اس قسم کا نہیں ہے جیسے کہ ایک جسم دوسرے جسم کے قریب ہوتا ہے یا ایک جسم دوسرے جسم کو محیط ہوتا ہے بلکہ اس قرب و احاطہ کی نسبت مجہول الکیفیت اور معلوم الانیت بھی ہے اس کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس کی کیفیت کو نہیں جانتے کہ کیسی ہے۔

برخلاف پہلی چار نسبتوں کے جن کی پہلے نفی ہو چکی ہے کیونکہ وہ مجہول الکیفیت بھی ہیں اور غیر معلوم الانیت بھی۔ اس لیے کہ شرع میں ان نسبتوں کے ثبوت کے لیے کچھ وارد نہیں ہوا تا کہ ان کو ثابت کریں اور ان کی کیفیت کو مجہول جانیں۔ اگرچہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بے کیفی قرب و احاطہ کی نسبت کی طرح بے کیفی اتصال کی نسبت بھی تجویز کر سکتے ہیں، لیکن چونکہ لفظ اتصال کا اطلاق نہیں آیا اور قرب و احاطہ کا آیا ہے اس لیے متصل نہ کہنا چاہئے اور قریب و محیط کہنا چاہئے اور انفصال و خروج و دخول کا اطلاق بھی اتصال کی طرح جو نہیں آیا۔ مثال مذکور میں اگر نقطہ جوالہ کے لیے دائرہ موہومہ کے ساتھ احاطہ و قرب و معیت کی نسبت ثابت کریں تو وہ بھی مجہول الکیفیت ہوگی، کیونکہ نسبت کے لیے ہر دو منتسب (جس کے درمیان نسبت ہو) کا ہونا ضروری ہے، لیکن وہاں سوائے نقطہ جوالہ کے کچھ موجود نہیں۔ ایسے ہی اتصال و انفصال و دخول و خروج بے کیفی مثال مذکور میں متصور ہے اگرچہ منتسبین ثابت نہیں۔ کیونکہ طرفین کا وجود معلوم الکیفیت نسبت کے لیے ضروری ہے جیسے کہ متعارف و معتاد ہے، لیکن جو مجہول الکیفیت ہے وہ احاطہ عقل سے باہر ہے۔ وہاں وجود طرفین کا حکم کرنا احکام وہمیہ سے ہوگا۔ جو اعتبار سے ساقط ہے۔ گویا غیب کا قیاس حاضر پر ہے۔

تنبیہہ: عالم کو جو موہم و متخیل کہا ہے اس اعتبار سے کہا ہے کہ عالم کی پیدائش مرتبہ وہم و خیال میں واقع ہے اور اس کی صنع حس و ارائت کے درجہ میں حاصل ہوئی ہے جس طرح قادر اپنی کمال قدرت سے دائرہ موہومہ کو جس کا وہم و خیال کے اختراع کے سوا کچھ ثبوت نہیں۔ مرتبہ وہم و خیال میں پیدا فرمائے اور اپنی کامل صفت سے اس کو اس مرتبہ میں اس قسم کا استحکام اور اتفاق بخشے۔ کہ اگر وہم و خیال سب کا سب دور ہو جائے۔ تو اس کے ثبوت میں کوئی خلل نہ آئے اور اس کے بقا میں کوئی قصور پیدا نہ ہو۔ یہ دائرہ مصنوعہ موہومہ اگرچہ خارج میں ثبوت نہیں رکھتا اور خارج میں صرف وہی نقطہ موجود ہے، لیکن وجود خارجی کے ساتھ انتساب و استناد رکھتا ہے کیونکہ اگر نقطہ نہ ہوتا دائرہ کہاں سے پیدا ہوتا۔ بیت

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

ترجمہ: ہے یہی بہتر کہ راز دلبراں دوسروں کی گفتگو میں ہو عیاں

اگر اس دائرہ کو اس نقطہ کا روپوش کہیں تو ہو سکتا ہے اور اگر اس نقطہ کے شہود کا آئینہ

کہیں تو بھی گنجائش رکھتا ہے اور اگر اس نقطہ کی طرف ہادی اور دلیل کہیں تو بھی بجا ہے۔ روپوش کہنا عوام کی نظر کے اعتبار سے ہے اور اس نقطہ کے شہود ظہور کا آئینہ جاننا مقام ولایت کے مناسب اور ایمان شہودی کے ملائم ہے اور دلیل و ہادی کہنا مرتبہ کمالات نبوت کے مناسب اور ایمان بالغیب کے ملائم ہے۔ جو ایمان شہودی سے اتم واکمل ہے، کیونکہ شہود میں ظل کی گرفتاری سے چارہ نہیں۔

اور غیب میں اس گرفتاری سے آزاد ہوتے ہیں۔ غیب میں سالک اگرچہ بالفعل کچھ حاصل نہیں رکھتا، لیکن واصل ہے اور اصل کا گرفتار ہے اور شہود میں اگرچہ کچھ حاصل رکھتا ہے، لیکن غیر واصل ہے۔ کیونکہ غیر یعنی اس اصل کے ظل کے ساتھ گرفتار ہے۔

غرض حصول سراسر نقص ہے اور وصول سراسر کمال یہ بات بے سروسامان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ عجب نہیں کہ حصول کو وصول سے بہتر جانیں۔ سوفسطائی اپنی بیوقوفی کے باعث عالم کو موہوم و متخیل اس اعتبار سے کہتا ہے کہ وہم کے اختراع اور خیال کی تراش کے سوا اس کا کچھ ثبوت و تحقق نہیں۔ اگر وہم و خیال بدل جائے تو وہ ثبوت و تحقق بھی متغیر ہو جائے۔ مثلاً اگر وہم نے کسی چیز کے شیریں ہونے کا حکم کیا تو وہ شیریں ہے اور اگر وہم نے دوسرے وقت اسی شے کے تلخ ہونے کا حکم کیا تو تلخ ہے۔ یہ بدبخت لوگ حق تعالیٰ کی صنعت و خلقت سے غافل نہیں بلکہ منکر ہیں اور اس انتساب و استناد سے جو موجود خارجی کے وجود کے ساتھ رکھتا ہے۔ جاہل ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنی نادانی سے ان احکام خارجیہ کو جو عالم سے وابستہ ہیں رفع کریں اور آخرت کے دائمی عذاب و ثواب کو دفع کریں۔ جس کی نسبت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ نے خبر دی ہے اور اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں ہے۔ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطَانِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے۔

سوال: جب عالم کے لیے ثبات و استقرار ثابت ہوا۔ اگرچہ مرتبہ وہم و خیال ہی میں ہو اور دائمی رنج و راحت کا معاملہ بھی اس کے حق میں ثابت ہو گیا۔ تو پھر وجود کا اطلاق اس پر کیوں تجویز نہیں کرتے اور اس کو موجود کیوں نہیں جانتے۔ حالانکہ ثبوت و وجود ایک دوسرے کے مترادف اور ہم معنی ہیں۔ جیسے کہ متکلمین کے نزدیک مقرر ہے۔

جواب: وجود اس گروہ کے نزدیک تمام اشیاء میں سے اشرف و اکرم اور اعز ہے اور اس کو ہر

خیر وکمال کا مبداء جانتے ہیں۔ اس قسم کے جوہر نفیس کو ماسوائے حق کے لیے جو سراسر نقص و شرارت ہے تجویز نہیں کر سکتے اور اشرف کو اخص کے حوالہ نہیں کر سکتے۔ اس امر میں ان کا مقتدا ان کا اپنا کشف وفراست ہے۔ ان کے ہاں مکشوف ومحسوس ہے کہ وجود حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہی موجود ہے اور اس کے غیر کو جو موجود کہتے ہیں تو اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس غیر کو نسبت وارتباط گو مجہول الکیفیت ہو اس وجود کے ساتھ ثابت ہے اور ظل کی طرح جو اپنی اصل سے قیام رکھتا ہے وہ غیر بھی اس وجود کے ساتھ قائم ہے اور وہ ثبوت بھی جو مرتبہ وہم و خیال میں پیدا ہے۔ اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور چونکہ وہ وجود خارجی ہے اور حق تعالیٰ خارج میں موجود ہے۔ اس لیے اگر مرتبہ وہم کو حق تعالیٰ کی صنعت واستحکام کے بعد اس خارج کے ظلال میں ظل بھی کہیں تو ہوسکتا ہے۔ اگر اس ثبوت وہمی کو ان دو ظلیت کے اعتبار سے وجود خارجی بھی جانیں تو جائز ہے۔ بلکہ عالم کو بھی اگر ظلیت کے اس اعتبار سے موجود خارجی تصور کریں تو بھی بجا ہے۔

غرض ممکن جو کچھ رکھتا ہے۔ سب مرتبہ حضرت وجود تعالیٰ سے رکھتا ہے۔ اپنے باپ کے گھر سے کچھ نہیں ہے۔ ظلیت کے ملاحظہ کے بغیر اس کو موجود خارجی کہنا دشوار ہے۔ گویا خاص خاص اوصاف میں اس کو حق تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتا ہے۔ تَعَالَی اللہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا اللہ تعالیٰ اس قسم کی باتوں سے برتر وبزرگ ہے۔

اس فقیر نے بعض مکتوبات اور رسالوں میں جو عالم کو موجود خارجی کہا ہے۔ اس کو بھی اس بیان کی طرف راجع کرنا چاہئے اور ظلیت کے اعتبار پر حمل کرنا چاہئے اور وجود کو جو متکلمین نے ثبوت وتحقق کا مترادف کہا ہے۔ لغوی معنوں کے اعتبار سے ہوگا۔ ورنہ وجود کجا اور ثبوت کجا۔ ارباب کشف وشہود اور اہل نظر واستدلال میں سے جم غفیر نے وجود کو واجب الوجود کی عین حقیقت کہا ہے اور ثبوت معقولات ثانویہ میں سے ہے۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے)

فائدہ: جس طرح وجود ہر خیر وکمال کا مبداء اور ہر حسن وجمال کا منشا ہے۔ اسی طرح عدم جو اس کے مقابل ہے۔ بیشک ہر شر ونقص کا مبداء اور ہر قبح وفساد کا منشاء ہوگا۔ اگر وبال ہے وہ بھی اس سے پیدا ہے اور اگر گمراہی ہے تو وہ بھی اس سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ کئی قسم کے ہنر بھی

اس میں رکھے گئے ہیں اور کئی قسم کی خوبیاں اس میں پوشیدہ ہیں۔ وجود کے مقابلے میں اپنے آپ کو مطلق نیست و نابود اور لاشے محض کرنا عدم ہی کی خوبی ہے اور اپنے آپ کو وجود کا محافظ بنانا اور تمام شر و نقص کو اپنے ذمے لینا اس کے ہنر کی خوبی ہے اور وجود کا آئینہ بننا اور اس کے کمالات کا اظہار کرنا اور ان کمالات کو خانہ علم کے باہر ایک دوسرے سے ممتاز کرنا اور اجمال سے تفصیل میں لانا اس کی پسندیدہ صفتوں میں سے ہے۔ غرض وجود کی خدمتگاری اور کارگزاری اس سے قائم ہے اور اس کا حسن و جمال اس کے قبح و شر و نقص سے ظاہر ہے۔ وجود کا استغناء عدم ہی کی محتاجی کے باعث ہے اور وجود کی عزت اس کی ذلت کے سبب سے ہے۔ وجود کی عظمت و کبریا اس کے ادنے اور اسفل ہونے کے باعث ہے اور وجود کی شرافت اسی کی خست سے پیدا ہے اور وجود کی خواجگی اس کی بندگی سے ہویدا ہے۔ بیت

منم استاد را استاد کردم غلامم خواجہ را آزاد کرم

ترجمہ: کیا استاد کو میں نے ہی استاد کیا خواجہ کو بندہ بن کے آزاد

ابلیس لعین جو ہر فساد و گمراہی کا مبداء ہے۔ عدم سے بھی زیادہ شریر ہے اور بد بخت ان ہنروں سے بھی جو عدم میں پائے جاتے ہیں۔ بے نصیب ہے۔ اَنَا خَیرٌ مِّنہُ جو اس سے صادر ہوا ہے۔ اس نے تمام خیریت و بہتری کا مادہ اس سے دور کر دیا ہے اور محض شرارت پر دلالت کی ہے۔ عدم نے چونکہ اپنے نیست و لاشے ہونے سے وجود کا مقابلہ کیا اس لیے وجود کے حسن و جمال کا آئینہ بن گیا اور لعین نے چونکہ اپنی ہستی و خیریت کے باعث وجود کا معارضہ کیا۔ اس لیے مردود و مطرود ہو گیا۔ تقابل کی خوبی عدم سے سیکھنی چاہیئے کہ ہستی کے مقابلہ نیستی دکھاتا ہے اور کمال کے مقابلہ نقص ظاہر کرتا ہے اور جب عزت و جلال کے مقابلہ آتا ہے تو ذلت و انکسار ظاہر کرتا ہے۔ گویا لعین مردود و مطرود نے اپنے تکبر و سرکشی کے باعث عدم کی تمام شرارتوں کو اپنے ذمے لے لیا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ اس نے خیریت کے سوا عدم میں کچھ نہیں چھوڑا۔ ہاں جب تک خیر نہ ہو۔ خیر کا آئینہ اور مظہر نہیں بن سکتا۔ لَا یَحمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ پادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔ مثل مشہور ہے اور معلوم ہوا کہ ابلیس کارخانہ عالی میں کام کرتا رہا ہے جس نے کناسی و خاکروبی کر کے سب کا کوڑا کرکٹ اپنے سر پر اٹھا لیا ہے اور اوروں کو پاک و صاف کر دیا ہے، لیکن چونکہ وہ بد بخت تکبر و بڑائی سے پیش

آیا اور اپنی بہتری و خیریت کو نظر میں لایا اس لیے اس نے اپنے عمل کو ضائع کر دیا اور اجر سے محروم ہو گیا۔ درحقیقت خسر الدنیا والآخرہ اسی کے حال کا نشان ہے۔ برخلاف عدم کے جو باوجود ذاتی شرارت و نقص و نیستی کے مقام حرمان و محرومی سے نکل کر حضرت وجود کے مرآتیت یعنی آئینہ بننے سے مشرف ہوا۔ بیت

نے گفت کہ من نیم شکر خورد　　　شاخے کہ بلند شد تبر خورد

ترجمہ:　نے نے کہا نہیں میں پایا شکر کو اس نے
کی شاخ نے بلندی کھایا تبر کو اس نے

سوال: ابلیس لعین میں اتنی شرارت کہاں سے پیدا ہو گئی۔ کیونکہ عدم سے ماوراء وجود ہی ہے۔ جس کی طرف شرارت نے راہ نہیں پائی۔

جواب: جس طرح عدم وجود کا آئینہ اور خیر و کمال کا مظہر ہے اسی طرح وجود بھی عدم کا آئینہ اور شر و نقص کا مظہر ہے۔ ابلیس علیہ اللعنت نے عدم کی جانب میں شرارت کو عدم ہی سے لیا ہے جو شر کا موطن و مقام ہے اور وجود کی جانب میں بھی اس شرارت متوہمہ کو اخذ کیا ہے۔ جو اس کے وجود کے آئینہ میں عدم کے آئینہ اور مظہر بننے کے باعث ظاہر ہوئی تھی۔ گویا دونوں طرفوں کی شرارت یعنی ذاتی و عرضی اور اصلی و ظلی شرارت کا اٹھانے والا۔

پس اس کے شرارت نما وجود کے مالی خولیا نے اس کو نیست و لاشے ہونے سے جو عدم کی نیک صفتوں میں سے ہے۔ محروم رکھا اور وجود کی جانب میں بھی وہ شرارت جو عدم کے آئینہ بننے سے متوہم ہوئی تھی وہ بھی اسی کے نصیب ہوئی اس لیے ابدی خسارہ اور دائمی گھاٹا اس کے ہاتھ آیا۔ رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما تو بڑا بخشنے والا ہے) وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۹۹

مختلف سوالوں کے جواب میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

آپ نے پوچھا تھا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک عروج کے وقت اپنے آپ کو انبیاء کے اصحاب کرام کے مقامات میں پاتا ہے جو انبیاء کے بعد بالاتفاق تمام بنی آدم سے افضل ہیں، بلکہ بسا اوقات اپنے آپ کو انبیاء کے مقامات میں پاتا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس امر سے بعض لوگ وہم کرتے ہیں کہ وہ سالک ان مقامات والوں کے ساتھ برابر اور شریک ہے اور اس وہم وخیال سے سالک کو ردوطعن کرتے ہیں اور اس کے حق میں ملامت وشکایت کی زبان دراز کرتے ہیں۔ اس معما کو بخوبی حل کرنا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ادنیٰ شخص کا اعلیٰ لوگوں کے مقامات میں پہنچنا کبھی اس طرح ہوتا ہے جس طرح فقیر اور محتاج دولتمندوں کے دروازوں اور منعموں کے خاص مکانوں میں جانکلتے ہیں۔ تاکہ ان سے اپنی حاجت طلب کریں اور ان کی دولت ونعمت سے کچھ مانگیں۔ وہ بہت ہی بیوقوف ہے جو اس طرح کے جانے کو برابری اور شرکت خیال کرے۔ کبھی یہ وصول تماشا کے طور پر ہوتا ہے تاکہ کسی واسطہ اور وسیلہ سے امیروں اور بادشاہوں کے خاص مکانوں کی سیر کریں اور اعتبار کی نظر سے تماشا کریں تاکہ بلندی کی رغبت پیدا ہو۔ اس وصول سے برابری کا وہم کس طرح ہوسکتا ہے اور اس سیر تماشا سے شرکت کا خیال کس طرح پیدا ہوسکتا ہے اور خادموں کا اپنے مخدوموں کے اصل مکانوں میں اس غرض کے لیے جانا کہ حق خدمت بجا لائیں۔ ہر ایک ادنیٰ واعلیٰ کو معلوم ہے۔ وہ بیوقوف ہی ہوگا جو اس وصول سے برابری وشرکت کا وہم کرے گا۔ فراش ومگس ران اور شمشیر برادر ہر وقت بادشاہوں کے ہمراہ رہتے ہیں اور ان کے خاص خاص مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ وہ خبطی اور دیوانہ ہے جو اس سے شرکت و مساوات کا وہم کرے۔

بلائے درد منداں از در و دیوار مے آید

ترجمہ: درودیوار سے آتی بلا ہے دردمندوں کی

لوگ بیچارے سالک کی ملامت کے لیے بہانہ طلب کرتے ہیں اور اس کی طعن وتشنیع

کے لیے کوئی نہ کوئی وجہ تلاش کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کو انصاف دے ان کو چاہئے تھا کہ اس بیچارہ کے حق میں کوئی ایسی وجہ ڈھونڈتے جس سے شر و ملامت اس سے دور ہوتی اور مسلمان کی عزت محفوظ رہتی۔ طعن کرنے والوں کا حال دو امر سے خالی نہیں۔ اگر ان کا یہ اعتقاد ہے کہ اس حال والا شخص ان مقامات عالیہ والے لوگوں کے ساتھ شرکت و مساوات کا معتقد ہے۔ واقعی اس کو کافر زندیق خیال کریں اور مسلمانوں کے گروہ سے خارج تصور کریں، کیونکہ نبوت میں شریک ہونا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابری کرنا کفر ہے۔ ایسے ہی شیخین کی افضلیت کا حال ہے۔ جو صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو بہت سے آئمہ بزرگواران نے جن میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ نقل کیا ہے بلکہ تمام صحابہ کرام کو باقی تمام امت پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی فضیلت نہیں۔ وہ تھوڑا سا فعل جو اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی کمی کے وقت دین متین کی تائید اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی مدد کے لیے اصحاب کرام سے صادر ہوا ہے دوسرے لوگ عمر بھر ریاضتوں اور مجاہدوں سے طاعتیں بجا لائیں تو بھی اس فعل یسیر کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کوہ احد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔ تو اصحاب کے ایک آدھ مد جو کے خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اسی واسطے افضل ہیں کہ ایمان میں تمام سابقین میں سے اسبق اور بڑھے ہوئے ہیں اور خدمات لائقہ میں اپنے مال و جان کو بکثرت خرچ کیا ہے اسی واسطے آپ کی شان میں نازل ہوا ہے۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا وَ کُلًّا وَّ عَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (نہیں برابر تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح سے اول خرچ کیا اور لڑائی کی یہ لوگ زیادہ درجہ والے ہیں اور ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑائی کی اور اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ دیا ہے) بعض لوگ دوسروں کے بکثرت مناقب و فضائل پر نظر کر کے حضرت صدیق کی افضلیت میں توقف کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اگر افضلیت کا سبب مناقب و فضائل کا بکثرت ہونا ہوتا۔ تو امت کے بعض لوگ جو بہت سے فضائل رکھتے ہیں اپنے نبی سے افضل ہوتے۔ جس میں یہ فضائل نہیں پس معلوم ہوا کہ افضلیت کا باعث ان فضائل اور مناقب کے سوا کچھ اور امر ہے اور وہ امر اس فقیر کے خیال میں

دین کی سب سے بڑھ کر تائید کرنی اور دین رب العلمین کے احکام کی مدد میں سب سے زیادہ مال و جان کا خرچ کرنا ہے۔ چونکہ پیغمبر علیہ السلام تمام امت سے اسبق ہے۔ تمام مسبوقوں سے افضل ہے۔ اسی طرح جو شخص ان امور میں اسبق ہے تمام مسبوقوں سے افضل ہے سابق یعنی پہلا شخص گویا امر دین میں لاحقوں یعنی پچھلوں کا استاد و معلم ہے۔ لاحقین سابقین کے انوار سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ان کی برکات سے فیض پاتے ہیں۔ اس امر میں چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس دولت اعلیٰ کے مالک حضرت صدیق ہی ہیں جو دین کی تائید اور حضرت سید المرسلین علیہ السلام کی مدد اور فساد کے رفع کرنے کے لیے لڑائی جھگڑے کرنے اور مال و جان کے خرچ کرنے اور اپنی عزت و جاہ کی پروا نہ کرنے میں تمام سابقین میں سے اسبق اور بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لیے دوسروں سے افضلیت انہی پر مسلم ہو گی اور چونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی عزت و غلبہ کے لیے حضرت فاروق کی مدد طلب کی ہے اور حق تعالیٰ نے عالم اسباب میں اپنے حبیب کی مدد کے لیے انہی کو کافی سمجھا ہے۔

اور فرمایا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے نبی علیہ السلام تجھے اللہ تعالیٰ اور تابعدار مومن کافی ہیں)۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا سبب نزول حضرت فاروق کا سلام ہے۔ اس لیے حضرت صدیق کے بعد حضرت فاروق کی افضلیت مقرر ہے۔ اسی واسطے ان دو بزرگواروں کی افضلیت پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہو چکا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر اسلام میں سب سے افضل ہیں۔ جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اتنے تازیانہ لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔ اس بحث کی تحقیق فقیر کی کتابوں و رسالوں میں بارہا مفصل درج ہو چکی ہے۔ اس مقام میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ وہ شخص بہت ہی بیوقوف ہے جو اپنے آپ کو حضرت خیر البشر علیہ السلام کے اصحاب کے برابر سمجھے اور وہ شخص اخبار و آثار سے جاہل ہے جو اپنے آپ کو سابقین میں سے تصور کرے، لیکن اتنا جاننا ضروری ہے کہ یہ سبقت کی دولت جو افضلیت کا باعث ہے۔ قرن اول ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو حضرت خیر البشر علیہ السلام کی شرف صحبت سے مشرف ہے۔ دوسرے قرنوں میں یہ امر مفقود ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض قرنوں کے لاحق دوسرے قرنوں کے سابقین سے افضل ہوں۔ بلکہ ایک قرن میں بھی ہو سکتا

ہے کہ قرن کا لاحق اس قرن کے سابق سے افضل ہو حق تعالیٰ طعن لگانے والوں کو بینائی عطا کرے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ صرف وہم و خیال سے کسی مومن و مسلم کو طعن و ملامت کرنا اور محض تعصب و کجروی سے اس کی تکفیر و تضلیل کا حکم کرنا کیسا برا ہے۔

اور اگر وہ شخص تکفیر و تضلیل کے قابل نہ ہوا تو پھر کیا علاج کریں گے۔ جبکہ وہ کفر و ضلال کہنے والے کی طرف راجع ہو گا اور تہمت زدہ کی طرف سے ہٹ کر تہمت لگانے والے پر جا پڑے گا۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں آ چکا ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور کام میں ہماری زیادتیوں کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے) اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور شق ثانی کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر اس حال والے کے حق میں طعنہ لگانے والوں کا یہ اعتقاد اور اعتماد نہ ہو اور اس کا معاملہ کفر تک نہ پہنچائیں۔ تو پھر بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یعنی اگر اس کے واقعہ کو کذب و بہتان پر حمل کرتے ہیں تو یہ بھی ایک مسلمان کی نسبت بدظنی ہے۔ جو شرع میں منع ہے اور اگر اس کو کاذب بھی نہیں جانتے اور اس کو شرکت مساوات کا معتقد بھی نہیں سمجھتے تو پھر طعن و ملامت کی وجہ کیا ہے۔ پھر اس کی تشنیع و عیب جوئی حرام ہے۔

واقعہ صادقہ کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ صاحب واقعہ کی قباحت و برائی بیان کی جائے اور اگر یہ کہیں کہ اس قسم کے شر انگیز احوال کے اظہار کرنے کی وجہ کیا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے احوال مشائخ طریقت سے بہت ظاہر ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی عادت مستمرہ ہو چکی ہے۔ لَيْسَ هٰذَا اَوَّلَ قَارُوْرَةٍ كُسِرَتْ فِي الْاِسْلَامِ" (یہ پہلا شیشہ نہیں جو اسلام میں توڑا گیا ہے) ان سے اس قسم کے احوال کا ظاہر ہونا ارادۂ صادقہ اور حقانی نیت کے بغیر نہ ہو گا۔ کبھی ان احوال کے لکھنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ شیخ طریقت کے سامنے اپنے احوال موہومہ کا اظہار ہو تاکہ وہ حال کا صحت و سقم بیان فرمائے اور اس کی تاویل و تعبیر پر اطلاع بخشے۔ کبھی ان احوال کے لکھنے سے طالبوں اور شاگردوں کی ترغیب و تحریص مطلوب ہوتی ہے۔ کبھی ان سے مقصود نہ یہ ہوتا ہے نہ وہ بلکہ مجرد سکر اور غلبہ حال اس گفتگو پر لے آتا ہے تاکہ چند باتیں کر کے نفس کو راست کر لے جس شخص کا مقصود ان احوال کے اظہار سے شہرت و قبول خلق

ہو۔ تو وہ جھوٹا مدعی ہے اور یہ احوال اس کے لیے وبال اور استدراج ہیں جس میں اس کی سراسر خرابی ہے۔ رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما تو بڑا بخشنے والا ہے) وَمَا اُبَرِّیءُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَحِيْمٌ (میں اپنے نفس کو پاک بیان نہیں کرتا۔ نفس برائی کی طرف بہت امر کرنے والا ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ بیشک میرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے)۔

آپ نے پوچھا تھا کہ کیا باعث ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء علیہم الرضوان دنیا میں اکثر بلا و مصائب اور رنج و تکلیف میں مبتلا و گرفتار رہے ہیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ اَشَدُّ النَّاسِ بَلاَءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ (لوگوں میں زیادہ بلا و آزمائش میں مبتلا ہونے والے انبیاء ہیں پھر اولیاء پھر ان کے ہم مثل پھر ان کے ہم مثل) اور حق تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے۔ مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے) اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص زیادہ برائیاں کرے اس پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں تو چاہئے کہ پہلے انبیاء اور اولیاء کے سوا اور لوگ بلا و مصیبت میں گرفتار ہوں اور پھر اولیاء و انبیاء اور نیز یہ بزرگوار اصالت و تبعیت کے طور پر حق تعالیٰ کے محبوب اور اس کے خواص مقربین ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے محبوبوں اور خواص مقربوں کو بلیات و رنج کے حوالے کیوں کرتا ہے اور دشمنوں کو ناز نعمت میں اور دوستوں کو رنج و مصیبت میں کیوں رکھتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دے آپ کو واضح ہو کہ دنیا نعمت و لذت کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ آخرت ہی ہے۔ جو نعمت و لذت کے لیے تیار کی گئی ہے۔ چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی سوکن اور ضد اور نقیض ہیں۔ اور ایک کی رضامندی میں دوسرے کی ناراضگی ہے۔ اس لیے ایک میں لذت پانا دوسرے میں رنج والم کا باعث ہوگا۔ پس انسان جس قدر دنیا میں لذت و نعمت کے ساتھ رہے گا اسی قدر زیادہ رنج والم آخرت میں اٹھائے گا۔ ایسے ہی جو شخص دنیا میں زیادہ تر رنج والم میں مبتلا ہوگا آخرت میں اسی

قدر زیادہ ناز ونعمت میں ہوگا۔ کاش دنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے ساتھ وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ ہاں متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ اسی لیے دوستوں کو اپنے فضل وکرم سے اس جگہ کی چند روزہ محنت و مصیبت میں مبتلا کیا تاکہ دائمی ناز ونعمت میں محظوظ ومسرور فرمائے اور دشمنوں کو مکر واستدراج کے بموجب تھوڑی سی لذتوں کے ساتھ محظوظ کردیا تاکہ آخرت میں بیشمار رنج والم میں گرفتار ہیں۔

سوال: کافر فقیر جو دنیا و آخرت میں محروم ہے دنیا میں اس کا دردمند و مصیبت زدہ رہنا آخرت میں لذت ونعمت پانے کا باعث نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: کافر خدا کا دشمن اور دائمی عذاب کا مستحق ہے۔ دنیا میں اس سے عذاب کا دور رکھنا اور اس کو اپنی وضع پر چھوڑ دینا اس کے حق میں عین ناز ونعمت ولذت ہے۔ اسی واسطے کافر کے حق میں دنیا پر جنت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا میں بعض کفار سے عذاب بھی رفع کر دیتے ہیں اور لذت بھی دیتے ہیں اور لذت ونعمت بھی دیتے ہیں اور بعض سے صرف عذاب ہی ہٹا رکھتے ہیں اور لذت ونعمت کچھ نہیں دیتے۔ بلکہ فرصت ومہلت کی لذت اور عذاب کے دور ہونے پر کفایت کرتے ہیں۔ لِكُلٍّ ذَالِكَ حِكَمٌ وَ مَصَالِحُ (ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی حکمت وبہتری ہے)۔

سوال: حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور توانا ہے کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذت ونعمت بخشے اور آخرت میں بھی ناز ونعمت کرامت فرمائے اور ان کے حق میں ایک کا لذت پانا دوسرے میں دردمند ہونے کا باعث نہ ہو۔ اس کے جواب کئی ہیں۔

ایک یہ کہ دنیا میں جب تک چند روزہ محنت و بلیات کو برداشت نہ کرتے تو آخرت کی لذت ونعمت کی قدر نہ جانتے اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کی قدر نہ جانتے اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو کماحقہ معلوم نہ کر سکتے، کیونکہ جب تک بھوک نہ ہو طعام کی لذت نہیں آتی اور جب تک مصیبت میں مبتلا نہ ہوں فراغت وآرام کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ گویا ان کی چند روزہ مصیبتوں سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز ونعمت کامل طور پر حاصل ہو۔ یہ ان لوگوں کے حق میں سراسر جمال ہے۔ جو عوام کی آزمائش کے لیے جلال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا (اکثر کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے)۔

جواب دوم: بلیات ومحن اگر چہ عوام کے نزدیک تکلیف کے اسباب ہیں، لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ جمیل مطلق کی طرف سے آئے۔ ان کی لذت ونعمت کا سبب ہے۔ یہ لوگ بلیتوں سے ویسے ہی لذت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ نعمتوں سے بلکہ بلایا سے زیادہ محظوظ ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں محبوب کی خالص مراد ہے اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے کیونکہ نفس نعمتوں کو چاہتا ہے اور بلاؤ مصیبتوں سے بھاگتا ہے۔ پس بلا ان بزرگواروں کے نزدیک عین نعمت ہے اوراس میں نعمت سے بڑھ کر لذت ہے۔ وہ حظ جوان کو دنیا میں حاصل ہے۔ وہ بلیات ومصائب ہی کے باعث ہے۔ اگر دنیا میں یہ نمک بھی نہ ہوتا تو ان کے نزدیک جو کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی اور اگر اس میں یہ حلاوت نہ ہوتی تو ان کو عبث و بے فائدہ دکھائی دیتی۔ بیت

غرض از عشق توام چاشنئے درد وغم است　　　ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

ترجمہ: عشق سے تیرے غرض ہے چاشنئی درد وغم
ورنہ نیچے آسمان کے کونسی نعمت ہے کم

حق تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی متلذذ ہیں اور آخرت میں بھی محظوظ ومسرور ہیں۔ ان کی یہ دنیاوی لذت ان کی آخرت کی لذت کے مخالف نہیں وہ حظ جو آخرت کے حظ کے مخالف ہے اس سے مختلف ہے جو عوام کو حاصل ہے۔ الٰہی یہ کیا ہے۔ جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے کہ جو کچھ دوسرے کے رنج والم کا سبب ہے وہ ان کی لذت کا باعث ہے اور جو کچھ دوسروں کے لیے زحمت ہے ان کے واسطے رحمت ہے۔ دوسروں کی نقمت ان کی نعمت ہے لوگ شادی میں خوش ہیں اور غمی میں غمناک۔ یہ لوگ شادی میں بھی اور غم میں بھی خوش وخرم ہیں کیونکہ ان کی نظر افعال جمیلہ ورذیلہ کی خصوصیتوں سے اٹھ کر ان افعال کے فاعل یعنی جمیل مطلق کے جمال پر جا لگی ہے اور فاعل کی محبت کے باعث اس کے افعال بھی ان کی نظروں میں محبوب اور لذت بخش ہو گئے ہیں۔ جو کچھ جہان میں فاعل جمیل کی مراد کے موافق صادر ہو۔ خواہ رنج و ضرر کی قسم سے ہو۔ وہ ان کے محبوب کی عین مراد ہے اوران کی لذت کا موجب ہے خداوندا یہ کیسی فضل وکرامت ہے کہ ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت اغیار کی نظر بد سے چھپا کر اپنے دوستوں کو تو نے عطا فرمائی ہے اور ہمیشہ ان کو اپنی مراد پر قائم رکھ کر محظوظ ومتلذذ کیا ہے اور کراہت وتالم جو دوسروں کا نصیب ہے۔ ان بزرگواروں سے دور کر دیا ہے۔ اور ننگ و

رسوائی کو جو دوسروں کا عیب ہے اس گروہ کا جمال وکمال بنایا ہے۔ یہ نامرادی ان کی عین مراد ہے اور ان کا یہ دنیاوی التذاذ و سرور دوسروں کے برعکس آخرت کے حظوظ کی ترقیوں کا باعث ہے۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

جواب سوم: یہ ہے کہ یہ دار دار ابتلاء و آزمائش ہے۔ جس میں حق باطل کے ساتھ اور جھوٹا سچے کے ساتھ ملا جلا ہے۔ اگر دوستوں کو بلاؤ محنت نہ دیتے اور صرف دشمنوں کو دیتے تو دوست دشمن کی تمیز نہ ہوتی اور اختیار و آزمائش کی حکمت باطل ہوتی۔ یہ امر ایمان غیب کے منافی ہے۔ جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ آیت کریمہ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ (غیب پر ایمان لاتے ہیں) اور آیت کریمہ

وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالۡغَیۡبِ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ (اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو شخص اس کی اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور اور غالب ہے) اسی مضمون کی رمز ہے۔ پس دشمنوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر دوستوں کو بھی محنت و بلا میں مبتلا کیا ہے تا کہ ابتلا و آزمائش کی حکمت تمام ہو اور دوست عین بلا میں لذت پائیں اور دشمن دل کے اندھے خسارہ اور گھاٹا کھائیں یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا (اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے) انبیاء علیہم السلام کا معاملہ کفار کے ساتھ اسی طرح ہوا ہے کہ کبھی اس طرف کا غلبہ ہوا ہے اور کبھی اس طرف کا جنگ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی اور جنگ احد میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ وَ تِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ یَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُہَدَآءَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ وَ لِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ یَمۡحَقَ الۡکٰفِرِیۡنَ (اگر تم کو زخم لگا ہے تو پہلے بھی لوگوں کو ایسے ہی زخم لگے ہیں اور ان دنوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں میں بدلاتے رہتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو جدا کر لے اور تم میں سے گواہ بنا لے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہیں دوست رکھتا اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خالص کرے اور کافروں کو مٹا دے)۔

جواب چہارم: یہ ہے کہ حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور طاقت رکھتا ہے کہ دوستوں کو یہاں بھی ناز و نعمت عطا فرمائے اور وہاں بھی۔ لیکن یہ بات حق تعالیٰ کی حکمت و عادت کے

برخلاف ہے۔ حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنی حکمت وعادت کے نیچے پوشیدہ رکھے اور اسباب وعلل کو اپنے جناب پاک کا روپوش بنائے پس دنیا وآخرت کے باہم نقیض ہونے کے باعث دوستوں کے لیے دنیا کی محنت وبلا ہونا ضروری ہے تا کہ آخرت کی نعمتیں ان کے حق میں خوشگوار ہوں یہی مضمون اصل سوال کے جواب میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور اصل سوال کا جواب دیتے اور کہتے ہیں کہ درد و بلاؤ مصیبت کا سبب اگرچہ گناہوں اور برائیوں کا کرنا ہے، لیکی درحقیقت بلا ومصیبت ان برائیوں کا کفارہ اور ان گناہوں کے ظلمات کو دور کرنے والی ہیں۔ پس کرم یہی ہے کہ دوستوں کو زیادہ زیادہ بلا ومحنت دیں تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ اور ازالہ ہو۔ دوستوں کے گناہوں اور برائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور برائیوں کی طرح نہ خیال کریں۔

آپ نے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ سنا ہوگا اور اگر ان سے گناہ وعصیان بھی صادر ہو تو اور لوگوں کے گناہ عصیان کی طرح نہ ہوگا بلکہ وہ سہو ونسیان کی قسم سے ہوگا اور عزم وجد سے پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد کیا تھا، لیکن اس نے بھلا دیا اور ہم نے اس کا کوئی عزم وقصد نہ پایا) پس درد ومصائب کا زیادہ ہونا برائیوں کے زیادہ کفارہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ نہ کہ برائیوں کے زیادہ کمانے پر۔ دوستوں کو زیادہ بلا دیتے ہیں تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ کر کے ان کو پاکیزہ لے جائیں اور آخرت کی محنت سے ان کو محفوظ رکھیں۔

منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سکرات موت کے وقت جب حضرت فاطمہ نے ان کی بیقراری و بے آرامی دیکھی تو حضرت فاطمہ زہرا بھی جن کو آنحضرت ﷺ نے اَلْفَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّیْ (فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے) فرمایا تھا۔ کمال شفقت ومہربانی سے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ رکھتی تھیں۔ نہایت بے قرار و بے آرام ہوگئیں۔ جب آنحضرت نے ان کی اس بیقراری و بے آرامی کو دیکھا تو حضرت زہرا کی تسلی کے لیے فرمایا کہ تیرے باپ کے لیے یہی ایک محنت وتکلیف ہے اس سے آگے کوئی تکلیف ومصیبت نہیں۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ چند روزہ محنت کے عوض دائمی سخت عذاب دور ہو جائے۔ ایسا معاملہ دوستوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اس طرح نہیں کرتے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہ اس

جگہ نہیں فرماتے بلکہ ان کی جزا آخرت پر ڈال دیتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ دوست ہی دنیاوی رنج و بلا کے زیادہ مستحق ہیں اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں کیونکہ ان کے گناہ کبیرہ ہیں اور التجا و تضرع و استغفار و انکسار سے بے بہرہ ہیں اور گناہوں کے کرنے پر دلیر ہیں اور ارادہ وقصد سے گناہ کرتے ہیں جو تمرد وسرکشی سے خالی نہیں اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ہنسی اڑائیں اور انکار کریں اور جزا گناہ کے اندازہ کے موافق ہے۔ اگر گناہ دنیاوی خفیف ہے اور گناہ کرنے والا بھی التجا وزاری کرنے والا ہے تو اس گناہ کا کفارہ دنیاوی بلا ورنج سے ہو جائے گا اور اگر گناہ غلیظ و شدید وثقیل ہے اور گناہ کرنے والا سرکش ومتکبر بھی ہے تو وہ جرم آخرت کی جزا کے لائق ہے جو گناہ کی طرح شدید اور دائمی ہے وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

آپ نے لکھا تھا کہ لوگ ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو بلا ومحنت کیوں دیتا ہے اور ہمیشہ ناز ونعمت میں کیوں نہیں رکھتا اور اس گفتگو سے اس گروہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ کفار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس قسم کی باتیں کہا کرتے تھے کہ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (یہ رسول کیسا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں نہیں اس پر فرشتہ اترتا تاکہ اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو ڈراتا۔ یا اس کو خزانہ دیا جاتا۔ یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس سے کھایا کرتا) ایسی باتیں وہی شخص کرتا ہے جس کو آخرت اور اس کے دائمی عذاب وثواب کا انکار ہو اور دنیا کی چند روزہ فانی لذتیں ان کی نظر میں بڑی عزیز اور شاندار دکھائی دیتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے ثواب و عذاب کو دائمی جانتا ہے۔ دنیاوی چند روزہ فانی بلا ومحنت اس کو ہیچ نظر آتی ہیں۔ بلکہ اس چند روزہ محنت کو جس سے ہمیشہ کی راحت حاصل ہو، عین راحت تصور کرتا ہے اور لوگوں کی گفتگو پر نہیں جاتا۔ درد و بلا ومحنت کا نازل ہونا محبت کا گواہ عادل ہے کور باطن اور بیوقوف لوگ اگر اس کو محبت کے منافی جانیں تو جانیں۔ جاہلوں اور ان کی گفتگو سے روگردانی کے سوا اور کوئی علاج نہیں۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا (پس اچھا صبر کر) اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلا تازیانہ محبوب ہے جس کے ذریعے محبت

اپنے محبوب کے ماسواء کی التفات سے ہٹ کر کلی طور پر محبوب کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ پس درد و بلا کے لائق دوست ہی ہیں اور یہ بلا اس برائی کا کفارہ ہے کہ ان کا التفات ماسوا کی طرف ہے اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں ان کو زور سے محبوب کی طرف کیوں لائیں جس کو چاہتے ہیں مار لوٹ کر بھی محبوب کی طرف لے آتے ہیں اور اس کو محبوبیت سے سرفراز فرماتے ہیں اور جس کو محبوب کی طرف لانا نہیں چاہتے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر سعادت ابدی اس کے شامل حال ہوگئی تو توبہ و انابت کی راہ سے ہاتھ پاؤں مار کر فضل و عنایت کی امداد سے مقصد تک پہنچ جائے گا ورنہ وہ جانے اور اس کا کام اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ (یا اللہ تو مجھے ایک لحظہ بھی اپنے حال پر نہ چھوڑ) پس معلوم ہوا کہ مریدوں کی نسبت مرادوں پر زیادہ بلا آتی ہے۔ اسی واسطے آنحضرت نے جو مرادوں اور محبوبوں کے رئیس ہیں۔ فرمایا ہے کہ مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی ہے۔ گویا بلا دلالہ اور رہنما ہے۔ جو اپنی حسن دلالت سے ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچا دیتی ہے اور دوست کو ماسوی کے التفات سے پاک کر دیتی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ دوست کروڑ ہا دیکر بلا کو خریدتے ہیں اور دوسرے لوگ کروڑ ہا دیکر بلا کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درد و بلا کے وقت دوستوں سے بھی اضطراب و کراہت مفہوم ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: یہ اضطراب و کراہت بتقاضائے بشری ضروری ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کئی طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نفس کے ساتھ جہاد و مقابلہ نہیں ہوسکتا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سکرات موت کے وقت کس قسم کی بیقراری و بے آرامی ظاہر ہوئی تھی۔ وہ گویا نفس کے جہاد کا بقیہ تھا تاکہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ خدا کے دشمنوں کے جہاد پر ہو۔ شدت مجاہدہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صفات بشریت کے تمام مادے دور ہو جائیں اور نفس کو کمال فرمانبردار بنا کر اطمینان کی حقیقت تک پہنچائیں اور پاک و پاکیزہ رکھیں۔ گویا بلا بازار محبت کی دلالہ ہے اور جو کوئی محبت نہیں رکھتا اس کو دلالہ سے کیا کام ہے اور دلالگی اس کے کس کام آئے گی اور اس کے نزدیک کیا قدر و قیمت رکھے گی درد و بلا کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محب صادق اور مدعی کاذب

کے درمیان تمیز ہو جائے اگر صادق ہے۔ تو بلا کے آنے سے متلذذ و محظوظ ہوگا اور اگر مدعی کاذب ہے تو بلا سے کراہت ورنج اس کو نصیب ہوگا۔ سوائے صادق کے اس تمیز کو کوئی نہیں معلوم کر سکتا۔ صادق ہی کراہت والم کی حقیقت کو کراہت والم کی صورت سے جدا کر سکتا ہے اور صفات بشریت کی حقیقت کو صفات بشریت کی صورت سے الگ کر سکتا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی طرف ہدایت کرنے والا ہے)۔

نیز آپ نے پوچھا ہے۔ کو عدم کو لاشے محض کہتے ہیں پس اس کا وجود نہ ہوگا اور جب اس کا وجود نہ ہوا تو پھر اس وجود کیساتھ جو ذہن میں پیدا ہو۔ اس کے آثار و ترقیاں کس طرح ہوں گی اور اگر ہوں گی بھی تو ذہنی ہوں گی۔ دائرہ خیال سے کس طرح نکل سکتی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عدم اگرچہ لاشے ہے، لیکن اشیاء کا یہ سب کارخانہ اسی عدم کے ساتھ قائم ہے اور اشیاء کی تفصیل وکثرت کا منشاء اسی کا آئینہ ہے۔ اسماء الٰہی کی علمیہ صورتوں نے جو عدم کے آئینہ میں منعکس ہوئی ہیں اس کو متمیز کر دیا ہے اور ثبوت علمی بخشا ہے اور اس کو محض لاشے ہونے سے نکال کر آثار واحکام کا مبدء بنا دیا ہے۔ یہ آثار واحکام خانہ علم کے باہر بھی موجود ہیں اور مرتبہ حس و وہم میں بھی ثابت ہیں۔ چونکہ انہوں نے حق تعالیٰ کی مضبوط صنعت ہونے کے باعث اس مرتبہ میں ایسا ثبات واستقرار پیدا کر لیا ہے کہ حس و وہم کے زوال سے بھی زائل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ یہ آثار و احام خارجی ہیں۔ آپ عدم کی ترقیوں سے کیوں تعجب کرتے ہیں۔ موجودات کا یہ سب کروفر زیب و زینت عدم پر مبنی ہے۔ آپ کو حق تعالیٰ کی کمال قدرت کا مشاہدہ کرنا چاہیئے۔ جس نے عدم سے اس قسم کا لمبا چوڑا کارخانہ بنا دیا ہے اور وجود کے کمالات کو اس کی نقیضوں اور ضدوں سے ظاہر فرمایا ہے۔ عدم کی ترقی کا راستہ کامل طور پر واضح ہے کہ اسماء الٰہی کی علمیہ صورتیں اس کی حجر میں متمکن اور اس کے ساتھ ہم بستر اور ہم بغل ہیں۔ صورت سے حقیقت کی طرف اور ظلال سے اصل کی طرف سیدھی شاہراہ جاتی ہے کوئی اندھا ہی ہوگا جس کو نظر نہ آتا ہوگا۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْکِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا (یہ بڑی نصیحت ہے۔ اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ نکال لے) ذہن وخیال کا لفظ آپ کو شبہ میں نہ ڈال دے اور آثار و ترقیات کو آپ کی نظر میں مشکل نہ کر دے کیونکہ کوئی معاملہ علم وخیال سے باہر نہیں ہے۔ ہاں خیال خیال میں فرق

ہے مرتبہ وہم وخیال میں خلق ہونا اور امر ہے اور وہم وخیال کا اختراع اور امر صورت اول نفس الامری اور حقیقی ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ موجود خارجی بھی ہے اور صورت دوم اس دولت اور اس ثبات واستقرار سے بے بہرہ ہے۔ عدم کے بعض ہنر معرفت کے بیان میں علیحدہ لکھے ہیں۔ جن کی نقل محب اللہ لے گیا ہے۔ اگر زیادہ ذوق ہو تو وہاں سے ملاحظہ کرلیں۔

نیز آپ نے فنا و بقا کی نسبت پوچھا تھا۔ اس فقیر نے ان کلمات کے معنی اپنی کتابوں اور رسالوں میں جا بجا لکھے ہیں۔ ان کو دیکھنے کے بعد بھی اگر کچھ پوشیدگی رہ گئی ہو تو اس کا علاج حضور و شفاہ ہے (خدمت میں حاضر ہونا اور سامنے گفتگو کرنا) پوری پوری حقیقت لکھی نہیں جا سکتی کیونکہ اس کا اظہار صلاح و بہتری سے دور نظر آتا ہے اور اگر پوری پوری حقیقت لکھی جائے اور ظاہر کی جائے تو کوئی اس کو کیا جانے گا اور کیا سمجھے گا۔ فنا و بقا شہودی ہے وجودی نہیں، کیونکہ بندہ ناچیز نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہوتا "اَلْعَبْدُ عَبْدٌ دَائِمًا وَالرَّبُّ رَبٌّ سَرْمَدًا" (بندہ بندہ اور خدا خدا ہے) وہ زندیق ہیں جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بندہ اپنے وجودی تعینات کو رفع کر کے اپنے اصل کے ساتھ جو تعینات و قیود سے منزہ ہے متحد ہو جاتا ہے اور اپنے آپ سے فانی ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے جیسے قطرہ اپنے آپ سے فانی ہو کر دریا سے مل جاتا ہے اور اپنی قید کو رفع کر کے مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ مُعْتَقَدِ اتِہِمُ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے ایسے برے عقیدے سے بچائے) فنا کی حقیقت یہ ہے کہ ماسوی اللہ بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا غیر کی گرفتاری اور تعلق دور ہو جائے اور سینہ اور دل کا میدان اپنی تمام مرادوں اور خواہشوں سے پاک و صاف ہو جائے یہی مقام بندگی کے مناسب ہے اور بقا یہ ہے کہ انفسی آیات کے مشاہدہ کے بعد بندہ اپنے مولا جل شانہ کی مرادوں پر قائم رہے اور حق تعالیٰ کی مرادوں کو عین اپنی مرادیں معلوم کرے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ سیر جو نفس کے باہر ہے وہ کونسا ہے۔ کیونکہ عالم خلق اور عالم امر کے دسوں مرتبوں کا سیر اور ہیئت وحدانی کا سیر جب انفس میں داخل ہے پھر انفس کے ماوراء کونسا سیر ہے۔

جواب: واضح ہو کہ انفس بھی آفاق کی طرح اسماء الٰہی کے ظلال ہیں۔ جب ظل فضل خداوندی

سے اپنے آپ کو فراموش کر کے اپنے اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے اصل کی محبت پیدا کر لیتا ہے تو اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس کے ساتھ اس کو محبت ہو گی) کے موافق اپنے آپ کو بعینہ وہی اصل معلوم کریگا اور اپنے انا کو اسی اپنے اصل پر ڈالے گا۔ اسی طرح چونکہ اس اصل کا اور اصل ہے۔ پس اصل سے اس اصل تک پہنچ جائے گا۔ بلکہ اپنے آپ کو اس اصل کا عین معلوم کرے گا۔ وَ هَلُمَّ جَرًّا اِلٰى اَنْ يَّبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ (یہاں تک کہ کتاب اپنی اجل تک پہنچ جائے) یہ سیر انفس و آفاق کے ماوراء ہے۔

واضح ہو کہ بعض لوگ سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہتے ہیں، لیکن وہ سیر جس کا ابھی بیان ہو چکا ہے۔ یہ سیر فی اللہ اور سیر انفسی کے ماوراء ہے، کیونکہ یہ سیر حصولی ہے اور وہ سیر وصولی اور حصول و وصول کے درمیان جو فرق ہے وہ متعدد مکتوبات میں لکھا جا چکا ہے۔ وہاں سے معلوم کر لیں۔

نیز آپ نے حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے اقرب ہونے کی نسبت دریافت کیا تھا۔ اس کا بیان بھی حضور کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کا لکھنا اچھا نہیں اور اگر لکھا بھی جائے تو پھر بھی اس کا سمجھنا مشکل ہے اور اگر حضور میں یعنی سامنے بیان کرنے سے بھی سمجھ میں آ جائے تو غنیمت ہے۔

نیز آپ نے مرتبہ نبوت کے کمالات کی نسبت پوچھا تھا کہ فنا و بقاء تجلی اور تعین کا مبداء ہونا سب کمالات و لایات ثلثہ کے مراتب میں ہیں۔ کمالات نبوت کے مراتب میں سیر کس طرح ہے۔

جواب: واضح ہو کہ مراتب عروج میں جب تک کہ مراتب ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور ان میں ایک اصل سے دوسرے اصل کی طرف جانا پڑتا ہے۔ یہ سب کمالات دائرہ ولایات میں داخل ہیں جب یہ تمیز برطرف ہو جاتی ہے اور یہ تفصیل کم ہو جاتی ہے اور معاملہ محض اجمال و بساطت محض سے جا پڑتا ہے تو پھر مرتبہ نبوت کے کمالات شروع ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ میں بھی اگرچہ وسعت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (اللہ تعالیٰ گھیرنے والا اور جاننے والا ہے) لیکن وہ وسعت اور ہی وسعت ہے اور وہ تمیز اور ہی تمیز ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہیں اور کیا سمجھائیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے ہدایت و بھلائی ہمارے نصیب کر)

نماز کے بعض اسرار جو آپ نے دریافت کیے تھے۔ اس کا جواب کسی دوسرے وقت پر موقوف رکھا ہے۔ کیونکہ اب وقت بہت تنگ ہے۔ زمانہ اور اہل زمانہ سے سرقہ کر کے یعنی چوری چوری اور پوشیدہ کچھ نہ کچھ لکھا جاتا ہے۔ آپ فقیر کے حال پر رحم کریں اور استفسار پر دلیر نہ ہوتے جائیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ یا اللہ ہمارے گناہوں اور ہمارے کام کی زیادتیوں کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَوَّلاً وَ اٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ دَائِمًا وَّ سَرْمَدًا وَّ عَلٰۤی اٰلِهِ الْكِرَامِ وَ صَحْبِهِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ اول و آخر اللہ رب العلمین کا حمد اور اس کا احسان ہے اور اس کے رسول اور ان کی آل بزرگوار اور اصحاب کرام پر قیامت تک ہمیشہ صلوٰۃ والسلام وتحیت ہو۔

الحمد للہ والمنتہ کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب مستطاب ہادی شیخ وشاب منبع فیوض و برکات یعنی مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت خواجہ خواجگان شاہ باز لامکان مقبول بارگاہ صمد حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ دفتر دوم بوقت سعید باتمام رسید۔

مکتوبات امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ
کے اسرار شریعت اور معارف طریقت سے بھرپور گرانقدر مجددانہ مکاتیب

مع رسالہ
مبدأ و معاد

جلد سوم

مترجم

حضرت مولانا قاضی عالم الدین صاحب نقشبندی مجددی رحمتہ اللہ علیہ

اسلامی کتب خانہ اردو بازار، لاہور

ترجمہ مکتوبات

امام ربانی قدس سرہ

مسمٰی بہ

معرفۃ الحقائق

دفتر سوم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ یہ پاکیزہ کلمات اور بلند حروف (جن کا ہر ایک نقطہ بیقرار دلوں کی پرکار کا مرکز ہے اور محبت ذاتیہ کی آگ پر بیگانوں کی بدنظری کے لیے سپند دانہ ہے اور حقائق کی دلہنوں کے رخسار کا زینت بخشنے والا خال ہے اور دقائق کے دوربینوں کی آنکھوں کی پتلی ہے) ان میں سے ہر ایک احدیت کے لہرانے والے دریا کا درۃ التاج ہے جس کو ایک غواص یعنی غوطہ زن کے پاک باطن کے زبردست ہاتھ سے کنارہ پر نکالا ہے اور ہویت کے جنگلی ہرن کی ناف کا جان بخشنے والا نافہ ہے جس کو ایک سیاح یعنی سیر کرنے والے کے بیان کی انگلیاں محفل میں لائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فقراء کو اس درِ یتیم سے مالا مال کرے اور ان کی جان کے دماغ کو اس خوشبودار نافہ سے معطر کرے۔

زہر یک نقطہ اش چوں نافۂ تر — شمیم وصل جاناں میزند سر

دے آں کز برودت ورز کام است — چہ داند نافہ اش گر در مشام است

سرایم مدح آں سیاح و غواص — کنم خورشید را چوں ذرہ رقاص

مہیں فرزند فاروق است چوں اب — کنوں نطق از زبان او کند رب

سراپا نسخہ اخلاق فاروق — بزہر منفعت تریاق فاروق

چراغ نقشبند ہفت محفل — نگاہش نقشبند غیر از دل

ترجمہ ابیات

ہر ایک نقطہ ہے اس کا نافہ ٔ تر — مہکتی جس سے بوئے وصل دلبر

مگر جو شخص ہو نزلہ سے بیمار وہ کیا جانے کہ کیا ہے مشک تاتار
کہوں اب مدح آں سیاح وغواص کروں سورج کو مثل ذرہ رقاص
عمر کا بیٹا گویا باپ جیسا کلام اس کی کلام رب سراپا
سراسر چشمہ ٔ اخلاق فاروق کہ ہے ہر نقص کا تریاق فاروق
چراغ ہفت محفل ہے وہ پرنور نگہ اس کی کرے دل سے دوئی دور

مخلوقات کی فریاد کو پہنچنے والے۔ حقائق کے دریا میں تیرنے والے۔ وصول الی اللہ کی سیڑھی۔ قبولیت کے راستہ۔ رحمت کے خزانہ حکمت کے دفینہ۔ ہر دلعزیز۔ غیب کے مشرق۔ عمل کے دریا۔ کاملوں کی حجت۔ نیکوں کی آنکھ۔ احبار یعنی علماء کی گلزار۔ طریقت کے نور۔ حقیقت کے شگوفہ۔ اہل جان کی زینت۔ علماء کے سردار۔ امیدوں کی بلند۔ رجا کی مضبوط رسی، واردات کے آئینہ۔ محبت کے زینہ۔ رموز واشارات کے مطلع خزانوں اور بشارت کے چشمہ۔ ملاحت کے دریا کے ملاح۔ صباحت کے گھر کے چراغ۔ دونوں بحروں کے ملانے والے۔ دونوں گروہوں میں اصلاح کرنے والے۔ متکلمین کے استشہاد کے محل۔ متوحدین کے جائے تمسک۔ سلف کی برہان۔ خلف کے سلطان۔ اس گروہ کے وثیقہ۔ مہدی موعود کے طلیعہ یعنی آگے آنے والے اصل اور فرع کی روشنی۔ دین وشرع کی رونق۔ سید البشر کے وارث۔ گیارہویں صدی کے روشن کرنے والے۔ حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی" ۔

کجا گردوز وصفش خامہ آگاہ چہ نم دریا ید از دریا پر کاہ
ہماں بہتر کزیں پس گوش باشم سرائمہ نغمہ وخاموش باشم

ترجمہ

قلم اس کی صفت سے کب ہو آگاہ بھلا دریا کو پائے کیا پر کاہ
یہی بہتر ہمہ تن میں بنوں گوش بجا نغمے کو پھر ہو جاؤں خاموش

حضرت مصطفیٰ ﷺ کے اس اسم کے ہم نام جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی۔ یعنی شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد فاروقی نسب والے، حنفی مذہب والے، نقشبندی مشرب والے، خدائے تعالیٰ ان کو تمام جہان والوں کے سروں پر ہمیشہ زندہ رکھے اور ان کی برکات کے دریا سے قیامت تک ان کو سیراب کرے۔

ان سلیم القلب ناظرین کا وقت وحال کیا ہی اچھا ہے۔ جو اپنی نظر کی سیاہی کو اسی سیاہی پر جو اسرار اور حکمتوں کا سواد اعظم ہے۔ ڈالتے ہیں اور اعلام ربانی کے ساتھ اس سیاہی سے سراسر حضور کی مدد حاصل کرتے اور اپنے دل کے نقطے کو پرنور بناتے ہیں اور ان مستقیم الاحوال قاریوں کا انجام و مال کیا ہی عمدہ ہے۔ جن کی زبان اس دریائے عجیب میں تیرتی ہے اور الہام ربانی سے ان کی جان شکر کی شکر اور سکر کی قند سے شیریں ہوتی ہے اور ان نیک نہاد ہم جنسوں اور نیک اعتقاد سعادت مندوں پر مرحبا ہے۔ جن پر ان نکات و رموز کا جمال جو طور عقل کے ماوراء ہیں جب پردہ نہیں کھولتا۔ تو اپنے قصور فہم اور عدم دریافت کا اقرار کر کے صدقنا کے راستہ پر چلتے ہیں۔ اور

کسے را از ایشاں جز ایشاں نداند

ترجمہ: سوا ان کے نہ کوئی ان کو جانے

کہتے ہوئے سب کو تسلیم کرتے ہیں اور ہمیشہ کی سعادتوں کا ثمرہ حاصل کرتے ہیں۔ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ (یہ اس شخص کے واسطے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے) اور ان کج بین پڑھنے والوں اور سخن چین سننے والوں پر افسوس ہے کہ جو کچھ ان ملہمات غیبیہ میں سے ان کی فہم و طبع کے موافق آ جاتا ہے اس کو اس گفتگو کرنے والے کی کلامی مہارت اور خیال بحث کی طرف محمول کرتے ہیں اور جو کچھ اس بیان سے ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کوتاہ نظری سے عیب جوئی کی زبان دراز کرتے ہیں۔ اور اَلْمَرْءُ لَا یَزَالُ عَدُوًّا لِمَا جَاهَلَ (آدمی اس چیز کا دشمن ہے جو اس سے پوشیدہ ہے) کے موافق لڑائی کی سارنگی بجاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس طائفہ عالیہ کے لوگ ان خفیہ اسرار کے اظہار میں خود درمیان نہیں ہوتے۔ ع

ایشاں نیند ایں ہمہ الحان زمطرب است

ترجمہ: ع یہ نہیں ہیں درمیاں مطرب کے ہیں آواز یہ

حق تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو اپنے پوشیدہ عیبوں اور صفا کیش پاک دلوں کے پوشیدہ بھیدوں پر واقف کرے اور عالم السر کے مخلصوں کے کینہ کی زنجیر اور کمر کی قید سے جو اپنے دل کے پاؤں اور قلب کی گردن پر ڈالے ہوئے ہیں، آزاد کرے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ اسرار کے اظہار میں درمیان نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت بھی اپنے اسرار کے صاحب سے سن لیں۔ ع

برحال تو ہم حال تو برہان و دلیل

ترجمہ: ع گواہ تیرے حال پر تیرا ہی اپنا حال

جب مکتوبات معدن الفتوحات کی جلد اول میں جس کا نام درالمعرفت ہے ختم ہو چکی تو مقال یعنی گفتگو کے میٹھے پانی کے بعض پیاسوں نے خدمت اقدس میں عرض کی کہ اگر حضور کا اشارہ عالیہ ہو جائے تو ان اسرار کی نہریں جو اس کے بعد گوہر بار قلم کے چشمے سے نکلی ہیں جمع کر کے جلد دوم کا دریا بنایا جائے۔ بندگان حضرت نے بڑے انکسار و خوف سے فرمایا کہ میں اس فکر و حیرت میں ہوں کہ یہ سب علوم جو بیان وتحریر میں آ چکے ہیں۔ آیا حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ بھی ہیں یا نہیں؟ یہ بات فرما کر خاموش ہو رہے اور بشارت و اشارت کے منتظر رہے دوسرے روز فرمایا کہ رات کو ندا دی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ سب علوم جو لکھے گئے ہیں بلکہ جو کچھ تیری گفتگو میں آیا یہ سب مقبول و پسندیدہ ہے اور میری تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہم نے ہی کہا ہے اور ہمارا ہی بیان ہے۔ اس وقت یہ سب علوم نظر کے سامنے تھے اور میں ہر ایک پر مجمل و مفصل طور پر نظر کرتا تھا۔ خاص کر ان علوم کو بھی جن میں مجھے تردد تھا۔ اس حکم میں داخل پایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی الْاِحْسَانِ (اس احسان پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے) پس قلم بزرگ کو اسرار قدم کے لکھنے کے لیے جاری کیا۔ جب وہ جلد ننانوے مکتوب تک پہنچی۔ جو اسماء حسنیٰ کے مطابق ہے تو اسی پر ختم کی گئی۔ اسی سال میں جس کی تاریخ نورالخلائق سے ظاہر ہے بعض ان مکتوبات کے لیے جو بعدازاں گزارش ونگارش میں آئے۔ بزرگ نسب والے امیر اور بڑے شرافت والے سید قطب زمانہ دریگانہ

در تفرید را بحر وکانے ‏ تن تجرید را روحے و جانے

دم او صیقل آئینہ دل ‏ دم از آئینہ سازد نورزائل

ترجمہ

در تفرید کا وہ بحر وکان ہے ‏ تن تجرید کا وہ روح وجاں ہے

دم آئینے سے کر دے نورزائل ‏ مگر دم اس کا کردے نور کامل

ایقان وفرقان کی کان محمد نعمان بن شمس الدین یحییٰ المعروف بمیر بزرگ بدخشانی سلمہ اللہ نے جو حضرت ایشاں کے کامل اور بزرگ خلفاء میں سے ہیں اور آنحضرت کے امر عالی سے

صوبہ دکن میں اس طریقہ عالیہ کو جاری کرتے اور لوگوں کو اس کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔ التماس کی کہ ان پراگندہ موتیوں کو جمع کر کے جلد سوم کا خزانہ مہیا ہو جائے۔ ان کی یہ التماس قبول ہوگئی۔ جب تیس سے کچھ زیادہ مکتوب جمع ہو گئے تو حضرت سیادت پناہ اور خادمان درگاہ کے درمیان ظاہری جدائی حائل ہوگئی اور حضرت اقدس کو بھی مدت تک معارف کے لکھنے اور مکاشفہ کے بیان کرنے کا موقع نہ ملا تا آنکہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کی تائید سے چند سال کے بعد اس ضعیف کی کہ جس کا نام اس جلد کے اول مکتوب کے آخیر میں لکھا ہے۔ آرزو بر آئی۔ یعنی سنہ ۱۰۳۱ ہجری میں جو لفظ خاک نشین سے ظاہر ہے۔ اس ضعیف نے بلند دہلیز کی خاک نشینی کی سعادت پائی۔ اسی وقت حضرت ایشاں کی لسان الغیب کا دریا اور انگلیوں کا چشمہ تقریر کے موج اور تحریر کے جوش میں آیا اور اس غریب نواز نے بڑی رحمت و عنایت سے اس کمترین کو ان مسودوں کے جمع کرنے اور بیاض میں نقل کرنے سے ممتاز فرمایا اور اسی سال میں جو لفظ ثالث سے ظاہر ہے، تیسری جلد کے اتمام سے سرفراز ہوا۔ جب مکتوبات کا شمار ایک سو تیرہ تک پہنچا جو حروف باقی کی تعداد کے موافق ہیں اور تین اعتبار سے اس پر مقرر کرنا نہایت مناسب اور زیبا ہے تو اسی عدد پر ختم کی گئی۔ اس سال میں کہ کاس الراسخین اس کی تاریخ ہے۔ بعد ازاں اس مکتوب کے لیے جس میں از سرنو علوم جدیدہ اور اسرار غریبہ ظاہر ہوئے تھے۔ فرمایا کہ اس کو بھی مسکۃ الختام بنایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس کے ملانے سے قرآنی سورتوں کے عدد کی مطابقت عیاں ہوگئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَ اٰخِرًا وَ ظَاهِرًا وَ بَاطِنًا (اول و آخر و ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی حمد ہے) طالبوں کو اس پر فائدہ دسترخوان سے جان کی قوت اور ایمان کی قوت نصیب ہو۔ اِلٰی یَوْمِ التَّنَادِ بِحَقِّ الْحَقِّ الْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرِّشَادِ (قیامت تک حق تعالیٰ کی مدد سے جو راہ راست کی طرف ہدایت دینے والا ہے)۔

مکتوب ۱

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف اس کے اس سوال کے جواب میں جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے اقرب ہونے کے بارہ میں کیا تھا صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا صحیفہ شریف پہنچا۔ آپ نے

بڑی تکلیف اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش کو قبول فرمائے۔ چونکہ آپ نے حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے قریب ہونے کی نسبت کئی دفعہ استفسار کیا ہے اور آپ اس مضمون کے بڑے شائق ہیں۔ اس لیے اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے کہ ہر شے اپنی ماہیت میں شے ہے اور اس شے کی ماہیت کے ثبوت کے لیے جاعل کی جعل یعنی بنانے والے کی بناوٹ درکار نہیں کیونکہ شے کا ثبوت اپنے نفس کے لیے ضروری ہے۔ اسی واسطے اہل معقول نے کہا ہے کہ نفس ماہیات میں جعل (بناوٹ) ثابت نہیں اور ماہیات مجعول یعنی بناوٹی نہیں ہیں۔ وجود کے ساتھ ماہیات کے متصف ہونے کے لیے جاعل کا جعل درکار ہے۔ رنگنے والے کا فعل کپڑے کو رنگ کے ساتھ متصف کرنے میں ہے نہ یہ کہ کپڑے کو کپڑا بنا دیتا ہے اور رنگ کو رنگ کر دیتا ہے کہ یہ محال اور تحصیل حاصل ہے۔ پس نفس شے میں جعل نہ ہوا بلکہ شے کے وجود کے ساتھ منصف ہونے میں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شے اپنی ماہیت میں شے ہے اور یہ امر نظر کشفی کی رو سے ظل شے اور عکس شے میں مفقود ہے، کیونکہ شے کا عکس وظل اپنی ظلی وعکسی ماہیت سے ظل وعکس نہیں بلکہ اپنی اصل کی ماہیت سے ظل وعکس ہوا ہے، کیونکہ ظل ماہیت نہیں رکھتا بلکہ اسی اصل کی ماہیت ہے جس نے ظل میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ پس اصل ظل کے لیے نفس ظل سے زیادہ اقرب ہوگا، کیونکہ ظل اپنی اصل سے ظل ہے نہ اپنے نفس سے۔ چونکہ عالم حق تعالیٰ کے افعال کا ظلال اور عکوس ہے اس لیے افعال جو اس کے اصول ہیں عالم کی نسبت عالم سے زیادہ قریب ہوں گے۔ ایسے ہی افعال چونکہ حق تعالیٰ کی صفات کے ظلال ہیں۔ اس لیے صفات عالم اور عالم کے اصول کی نسبت جو افعال ہیں عالم سے زیادہ اقرب ہوں گے کہ اصل الاصل ہیں۔ چونکہ صفات بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ظلال ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات تمام اصول کا اصل ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ کی ذات اور عالم افعال اور صفات کی نسبت عالم سے زیادہ اقرب ہوگی۔ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اقربیت کا بیان جو تحریر و بیان میں آیا ہے عقلمند اگر انصاف کریں گے تو امید ہے کہ ان معنوں کو قبول کر لیں گے اور اگر قبول نہ بھی کریں گے تو غم نہیں، کیونکہ بحث سے خارج ہیں چونکہ اس بیان میں معقول مقدمات بھی درج ہیں۔ اس لیے اگر سیادت پناہ میر شمس الدین علی کو بھی اس مکتوب کے مطالعہ میں شریک کر لیں تو بہت ہی مناسب ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات جلد سوم کو شروع کیا جائے۔ آپ ایسا ہی کریں کیونکہ اہل اللہ جس

امر میں بہتری دیکھیں مبارک ہوتا ہے۔ جب یہ کام میر مشار الیہ کے حوالہ کریں تو فرمائیں کہ نسخے متعدد نقل کریں اور اس کی ایک نقل سرہند میں بھیج دیں اور مسودوں کو بحفاظت رکھیں شاید ضرورت آ پڑے۔ دوسرے یہ کہ فقیر آپ کے رہنے اور جانے میں حیران ہے چونکہ آپ کی ملاقات کا حریص ہے۔ اس لیے آپ کے جانے کے لیے کچھ نہیں کہہ سکتا اور رہنے کے لیے بھی دلالت نہیں کر سکتا کہ مبادا لوگوں کی بہت سی مصلحتیں فوت ہو جائیں۔ البتہ اس قدر ضروری ہے کہ اگر جائیں تو خواجہ محمد ہاشم کو بھیج دیں تا کہ چند روز صحبت میں رہے اور علوم و معارف اخذ کرے کیونکہ جوان قابل نظر آتا ہے اور آپ کا تربیت یافتہ بھی ہے اور آپ کے مذاق کو بھی جانتا ہے۔ آپ استفسار اور سوال کو بھی اسی کے حوالہ کر دیں تا کہ جواب لے کر آپ کی خدمت میں لے جائے۔ والسلام۔

مکتوب ۲

نصیحتوں اور خلق سے قطع تعلق کرنے اور حق تعالیٰ کی جناب پاک کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کے بیان میں۔

علوم و اسرار کے جامع مخدوم زادہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ فِي الْيُسْرِ وَ فِي الْعُسْرِ وَالنِّعْمَةِ وَالنِّقْمَةِ وَ فِي الرَّحْمَةِ وَ فِي الْهِدَةِ وَالرَّخَاءِ وَ فِي الْعَطِيَّةِ وَالْبَلَاءِ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ مَا اُوْذِىَ نَبِيٌّ مِثْلَ اَيْذَائِهٖ وَمَا ابْتُلِىَ رَسُوْلٌ مِثْلَ اِبْتِلَائِهٖ وَلِهٰذَا صَارَ رَحْمَةً لِلْعٰلَمِيْنَ وَ سَيِّدَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ (خوشی و رنج اور تنگی و فراخی اور نعمت و عذاب اور رحمت و زحمت اور دکھ و سکھ اور عطا و بلا میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور صلوٰۃ والسلام ہو اس رسول پر جس کے برابر کسی اور رسول کو ایذا نہیں دی گئی اور نہ اس جیسا کوئی نبی بلا میں مبتلا ہوا ہے اسی واسطے تمام اہل جہان کے لیے رحمت اور اولین و آخرین کے سردار بن گئے۔ اے فرزندان عزیز! ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے، لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے تم کو اب فرصت مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لا کر اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم بھی فراغت و آرام اپنے لیے پسند نہ کرو اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو۔ قرآن مجید کی تلاوت کرو یا لمبی قرأت کے ساتھ نماز کو ادا کرو یا کلمہ طیب لا الہ الا

اللہ کا تکرار کرتے رہو۔ کلمہ لا الہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا تمام جھوٹے خداؤں اور اپنے نفس کی نفی کرنی چاہئے اور اپنی تمام مرادوں اور مقصدوں کو دفع کرنا چاہئے کیونکہ اپنی مراد کو پیش نظر رکھنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے بلکہ سینہ میں کسی مراد کی گنجائش نہ رہے اور متخلیہ میں کوئی ہوس باقی نہ رہے تا کہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو۔ اپنی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولا کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اس امر میں اپنے مولیٰ کی نفی اور اپنے مولا بننے کا اثبات ہے۔ اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کر کے اپنی الوہیت کے دعویٰ کی نفی کرو۔ تا کہ تمام ہوا و ہوس سے کامل طور پر پاک ہو جاؤ اور طلب مولیٰ کے سوا تمہاری کوئی مراد نہ رہے۔ یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلا و ابتلا کے زمانہ میں بڑی آسانی سے میسر ہو جاتا ہے اور اس زمانہ کے سوا ہوا ہوس سد سکندری ہے۔ گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت غنیمت ہے۔ فتنہ کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنہ کے زمانہ کے سوا سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں۔ اطلاع دینا ضروری ہے۔ شاید ملاقات ہو یا نہ ہو۔ یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دے دو اور اسے اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دو۔ باقی احوال چونکہ یہ جہان فانی اور گزرنے والا ہے کیا لکھے جائیں۔ چھوٹوں پر شفقت رکھو اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دو اور جہاں تک ہو سکے تمام اہل حقوق کو ہماری طرف سے راضی کرو اور ایمان کی سلامتی کی دعا سے مدد و معاون رہو۔ بار بار یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بیہودہ امور میں ضائع نہ کرو اور ذکر الٰہی کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ اب کتابوں کے مطالعہ اور طلباء کے تکرار کا وقت نہیں ہے۔ اب ذکر کا وقت ہے۔ تمام نفسانی خواہشوں کو جو جھوٹے خدا ہیں۔ لا کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دو اور کوئی مراد و مقصود سینے میں نہ رہنے دو۔ حتیٰ کہ میری خلاصی بھی جو کہ تمہارے لیے نہایت ضروری ہے۔ تمہاری مراد و مطلوب نہ ہو اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی رہو اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب سے غیب ہویت کے سوا جو تمام معلومات و متخیلات کے وراء الوراء ہے کچھ نہ رہے۔ حویلی و سرائے و چاہ و باغ اور کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے۔ ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد اور مرضی نہ رہے۔ ہم اگر مر جاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں

تا کہ کوئی فکر نہ رہے۔ اولیاء نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجا لائیں۔ امید ہے کہ مخلصین (بفتح لام) میں سے ہو جائیں گے جہاں تم بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن خیال کرو چند روزہ زندگی جہاں گزرے یادِ حق میں گزر جائے۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے اس کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ رہو اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دو۔ باقی رہے ایک دوسرے کی ملاقات اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہو رہے گی ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دارالسلام میں سب جمع ہوں اور دنیاوی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)۔

مکتوب ۳

کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنے کے بیان میں سیادت مآب میر محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) لا الہ الا اللہ یعنی اس خدائے بے مانند کے سوا جو واجب الوجود ہے اور نقص و حدوث کے تمام نشانات سے منزہ و مبرا ہے اور کوئی معبودیت اور الوہیت کا استحقاق نہیں رکھتا کیونکہ عبادت جو کمال ذلت و خضوع اور انکسار سے مراد ہے اس کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جس کے لیے تمام کمالات ثابت ہوں اور تمام نقص اس سے مسلوب ہوں اور تمام اشیاء وجود اور توابع وجود میں اس کی محتاج ہوں اور وہ کسی امر میں کسی کا محتاج نہ ہو وہی نفع دینے والا اور وہی ضرر پہنچانے والا ہے اور کوئی شخص اس کے حکم کے بغیر کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ ایسی کامل صفتوں والا حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور ہونا بھی نہ چاہئے کیونکہ اگر کوئی غیر کم و بیش ان صفات کاملہ کے ساتھ متحقق ہو جائے تو وہ غیر نہ ہوگا۔ لِاَنَّ الْغَیْرَیْنِ مُتَمَایِزَانِ وَلَا تَمَایُزَ ثَمَّةَ (کیونکہ دو غیر ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتے ہیں اور اس جگہ کوئی تمائیز وجدائی نہیں) اور اگر تمائیز کے اثبات سے غیریت کو ثابت کریں تو اس کا نقص لازم آتا ہے جو الوہیت و معبودیت کے منافی ہے کیونکہ اگر تمام کمالات اس کے لیے ثابت نہ کریں اور تمائیز پیدا ہو تو اس سے بھی نقص لازم آتا ہے ایسے ہی اگر تمام نقائص کو اس سے مسلوب نہ کریں تو بھی نقص لازم آتا ہے اور اگر اشیاء اس کی محتاج نہ ہوں تو ان کی عبادت کا مستحق کس

لیے ہوگا اور اگر وہ کسی امر میں کسی شے کا محتاج ہو تو ناقص ہوگا اور اگر نافع وضار نہ ہوگا تو اشیاء کو اس کی احتیاج نہ ہوگی اور نہ ہی ان کی عبادت کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی اس کی اجازت لیے بغیر اشیاء کو نفع وضرر پہنچا سکے گا تو وہ بیکار رہے گا اور عبادت کا مستحق نہ بنے گا۔ فَلَا یَکُوْنُ الْجَامِعُ بِھٰذِہِ الصِّفَاتِ الْکَامِلَۃِ اِلَّا وَاحِدٌ ٥ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَلَا یَسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَۃِ اِلَّا ھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (پس ان صفات کا جامع سوائے واحد تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی اس واحد قہار کے سوا عبادت کا مستحق ہے)۔

سوال: ان صفات کا تمائیز جیسے کہ ظاہر ہو چکا اگرچہ نقص کا مستلزم ہے جو الوہیت اور معبودیت کے منافی ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ غیر اس قسم کی اور صفات رکھتا ہو جو امتیاز کا باعث ہوں اور کوئی نقص لازم نہ آئے۔ اگرچہ ہم ان صفات کو نہ جانیں کہ کیا ہیں۔

جواب: وہ صفات بھی دو حال سے خالی نہ ہوں گی یا صفات کاملہ میں سے ہوں گی یا صفات ناقصہ میں سے۔ بہرصورت محذور مذکور لازم ہے اگرچہ ہم ان صفات کو خاص طور پر نہ جانیں کہ کیا کیا ہیں۔ مگر اتنا تو معلوم ہے کہ دائرہ کمال ونقصان سے خارج نہیں ہیں اس صورت میں بھی نقص دامن گیر ہوگا جیسے کہ گزر چکا۔

دوسری دلیل حق تعالیٰ کے غیر کی معبودیت کے عدم استحکام پر یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اشیاء کی وجودی ضروریات اور توابع وجودی میں کافی ہے اور اشیاء کا نفع وضرر حق تعالیٰ سے وابستہ ہے تو دوسرا محض بیکار اور لاحاصل ہوگا اور اشیاء کو اس کی طرف کوئی حاجت نہ ہوگی۔ پھر عبادت کا استحقاق اس کے لیے کہاں سے پیدا ہوگا اور اشیاء ذلت وانکسار وخضوع سے کیوں اس سے پیش آئیں گی۔ کفار بدکردار حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بناتے ہیں۔ اس خیال فاسد سے کہ یہ بت حق تعالیٰ کے نزدیک ان کے شفیع ہوں گے اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جناب میں قرب پائیں گے۔ ان بیوقوفوں نے کہاں سے معلوم کیا ہے کہ ان کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہوگا اور حق تعالیٰ ان کو شفاعت کا اذن دے گا۔ صرف وہم ہی سے کسی کو عبادت میں حق تعالیٰ کا شریک بنانا نہایت ہی خواری اور رسوائی کا موجب ہے۔ عبادت آسان امر نہیں کہ ہر سنگ وجماد کے لیے کی جائے اور اپنے آپ سے عاجز اور کمتر کو عبادت کا مستحق تصور کیا جائے۔ الوہیت کے معنی کے بغیر

عبادت کا استحقاق متصور نہیں جو الوہیت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہی عبادت کا مستحق ہے
اور جس میں یہ صلاحیت نہیں یہ استحقاق بھی نہیں اور الوہیت کی صلاحیت وجوب وجود پر وابستہ
ہے جو وجوب وجود نہیں رکھتا ہے۔ الوہیت کے لائق اور عبادت کا مستحق نہیں۔ عجب بیوقوف
ہیں کہ وجوب وجود میں تو کسی کو حق تعالیٰ کا شریک نہیں جانتے، لیکن عبادت میں بہت سے
شریک ثابت کرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ وجوب وجود عبادت کے استحقاق کی شرط ہے جب
وجوب وجود میں شریک نہیں تو عبادت کے استحقاق میں شریک نہ ہوگا۔ عبادت کے استحقاق
میں شریک بنانا گویا وجوب وجود میں بھی شریک بنانا ہے۔ پس اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے
وجوب وجود کے شریک کی نفی کرنی چاہئے اور استحقاق عبادت کے شریک کی بھی بلکہ اس راہ میں
زیادہ ضروری استحقاق عبادت کے شریک کی نفی ہے۔ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے
ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مخالف لوگ بھی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب پر نہیں ہیں۔
دلائل عقلیہ سے وجوب وجود کے شریک کی نفی کرتے ہیں اور واحد جل شانہ کے سوا کسی کو واجب
الوجود نہیں جانتے، لیکن استحقاق عبادت کے معاملہ سے غافل ہیں اور استحقاق عبادت کے
شریک کی نفی سے فارغ ہیں۔ غیر کی عبادت سے پرہیز کرتے نہیں اور دیر و بت خانہ کی عمارت
میں سستی نہیں کرتے۔ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں جو بت خانہ کو گراتے اور غیر کی
عبادت کے استحقاق کو رفع کرتے ہیں۔ مشرک ان بزرگواروں کی زبان پر وہ شخص ہے جو حق
تعالیٰ کے غیر کی عبادت میں گرفتار ہے۔ اگرچہ وجوب وجود کے شریک کی نفی کا قائل ہو، کیونکہ
ان کا اہتمام ماسوائے حق کی عبادت کی نفی میں ہے۔ پس جب تک ان بزرگواروں کے شرائع
کے ساتھ جن میں ماسوا اللہ کے استحقاق عبادت کی نفی ہے۔ متحقق نہ ہوں شرک سے نہیں بچ سکتے
اور آفاقی وانفسی خداؤں کی عبادت کے شرک سے نجات نہیں ملتی کیونکہ انبیاء کی شرائع اسی
مطلب کے متکفل ہیں بلکہ ان کی بعثت سے مقصود ہی اس دولت کا حاصل ہونا ہے۔ ان
بزرگواروں کی شرائع کے بغیر توحید حاصل نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ
یُّشْرَکَ بِہٖ (اللہ تعالیٰ شرک نہیں بخشتا) آیت کریمہ سے مراد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔
ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہو کہ شرائع کے عدم التزام کو نہیں بخشے گا۔ کیونکہ شرائع کا عدم
التزام شرک کے لیے لازم ہے۔ پس اس آیت میں ملزوم کو ذکر کر کے لازم مراد لیا ہے۔ اس

بیان سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ جس طرح شرک نہیں بخشا جاتا۔ باقی تمام شرعیات کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا تو پھر شرک کی تخصیص کی کیا وجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ کے معنی اَنْ یُّکْفَرَ بِهٖ (یہ کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے) کے ہوں۔ کیونکہ شرائع کا انکار اللہ تعالیٰ کا کفر و انکار ہے۔ پس نہ بخشا جائے گا اور شرک اور کفر کے درمیان خصوصی و عموم کا علاقہ ہے۔ یعنی شرک مطلق کفر میں سے خاص کفر ہے۔ پس خاص ذکر کر کے عام مراد لیا ہے۔ اس صورت میں بھی یہ وہم رفع ہو جاتا ہے کہ جس طرح شرک نہیں بخشا جائے گا باقی تمام شرعیات کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا۔ پھر کفر کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے غیر کے لیے عبادت کا عدم استحقاق بدیہی ہے ورنہ کم از کم حدسی تو ضرور ہے۔ کیونکہ جو شخص عبادت کے معنی کو اچھی طرح سمجھے اور حق تعالیٰ کے غیر میں بھی اچھی طرح غور کرے وہ بے توقف غیر کے لیے عبادت کے عدم استحقاق کا حکم کر دیتا ہے۔ وہ مقدمات جو اس معنی کے بیان میں لائے جاتے ہیں سب کے سب تنبیہات کی قسم سے ہیں جو بدیہیات پر دلالت کرتے ہیں۔ ان مقدمات پر نقض و مناقصہ اور معارضہ کا وارد کرنا مناسب نہیں۔ نور ایمان ہونا چاہئے تا کہ فراست کے ساتھ ان مقدمات کو سمجھیں۔ بہت سے بدیہی امر اس قسم کے ہیں جو نادانوں اور بے سمجھوں پر پوشیدہ رہے ہیں اسی طرح ان لوگوں پر بھی جو باطنی امراض میں گرفتار ہیں جلی اور خفی بدیہیات یعنی ظاہری اور باطنی بدیہی امر پوشیدہ ہیں۔

سوال: مشائخ طریقت کی عبارات میں واقع ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے اس عبارت کے معنی کیا ہیں اور وہ وجہ جو صداقت رکھتی ہے کون سی ہے۔

جواب: شخص کا مقصود وہی ہوتا ہے جس کی طرف سے اس کی توجہ ہوتی ہے اور وہ شخص جب تک زندہ ہے اس مقصود کے حاصل کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا اور ہر طرح کی ذلت و خواری اور انکسار جو اس کے حاصل ہونے میں پیش آتی ہے۔ برداشت کرتا ہے اور کسی طرح سستی نہیں کرتا یہی معنی عبادت میں مقصود ہے۔ جس میں کمال ذلت و انکسار پائی جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ شے کا مقصود اس شے کا معبود ہوتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے غیر کے معبود ہونے کی نفی اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کا غیر مقصود نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا کوئی اس کی مراد نہ ہو۔ اس دولت کے حاصل ہونے کے لیے سالک کے حال کے مناسب کلمہ طیبہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ**

کے معنی لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ کے ہیں۔ اس کلمہ کا اس قدر تکرار کرنا چاہئے کہ غیر کی مقصودیت کا نام ونشان تک نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا اس کی کچھ مراد نہ ہو۔ تا کہ غیر کی معبودیت کی نفی میں صادق ہو اور بیشمار خداؤں کے رفع کرنے میں سچا ہو۔ بیشمار خداؤں اور غیر کی مقصودیت اور معبودیت کی اس قسم کی نفی کرنا کمال ایمان کی شرط ہے جو ولایت سے وابستہ ہے اور ہوائی خداؤں کی نفی کے متعلق ہے۔ جب تک نفس مطمنہ نہ ہو جائے تب تک یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا اور نفس کا مطمن ہونا کمال فناء و بقا کے بعد متصور ہے۔ ظاہر شریعت غرا میں جو آسانی اور سہولت اور بندوں کے (جو ضعیف پیدا کیے گئے ہیں) حرج ونقصان کے رفع کرنے کی خبر دیتی ہے۔ یہ ہے کہ اگر مقصود کے حاصل کرنے میں نعوذ باللہ شریعت کی متابعت کو چھوڑ دے اور اس کے حاصل کرنے میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرے تو وہ مقصود اس کا معبود اور خدا ہوگا اور اگر وہ مقصود ایسا نہ ہو اور اس کی تحصیل وحصول میں منکرات شرعیہ کا ارتکاب نہ کرے۔ وہ مقصود شرعی طور پر ممنوع نہ ہوگا گویا وہ مقصود اس کے مقاصد سے نہیں اور وہ مطلوب اس کے مطالب سے نہیں بلکہ اس کا مقصود درحقیقت حق تعالیٰ ہے اور اس کا مطلوب حق تعالیٰ کے اوامر ونواہی۔ اس نے اس شے مقصود کے ساتھ میلان طبعی سے زیادہ تعلق پیدا نہیں کیا اور وہ بھی احکام شرعیہ کا مغلوب ہے اور حقیقت شریعت میں جو کمال ایمان پر دلالت کرتی ہے غیر کی مقصودیت کے مادہ کی بیخ کنی مطلوب ہے کیونکہ غیر کی مقصودیت کی تجویز میں حق تعالیٰ کی مقصودیت کا معارضہ ہے۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفسانی ہوا وہوس کے غلبہ کی امداد واعانت سے غیر کی مقصودیت حق تعالیٰ کی مقصودیت کا معارضہ پیدا کر لیتی ہے بلکہ حق تعالیٰ کی مرضیات کے حاصل ہونے پر اس کے حاصل ہونے کو اختیار کر لیتا ہے اور ہمیشہ کا خسارہ پا لیتا ہے۔ پس غیر کی مقصودیت کی نفی مطلق طور پر ایمان کے کامل ہونے میں ضروری تا کہ زوال ورجوع سے ماموں ومحفوظ ہو۔ ہاں بعض صاحب دولتوں کو ارادہ کی نفی اور اختیار کے رفع کرنے کے بعد صاحب ارادہ اور صاحب اختیار بنا دیتے ہیں اور ارادہ جزئیہ کو اس سے مسلوب کر کے کلی ارادہ اور اختیار کا صاحب بنا دیتے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق کسی اور مکتوب میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہمیں بخش۔ تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ

مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفیٰ عَلَیْہِ وَ عَلیٰ جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالْبَرَکَاتِ اَتَمُّهَا وَ اَکْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا)۔

مکتوب ۴

آیۂ کریمہ لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کی تاویل میں سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (بیشک یہ قرآن کریم ہے پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کو ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاک لوگ آیت کریمہ کی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہ رمز جو اس مقام میں فقیر کے فہم قاصر میں ہے، آئی ہے۔ یہ ہے کہ قرآنی پوشیدہ اسرار کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ مگر وہ لوگ جو تعلقات بشریت کی آلودگی سے پاک ہو گئے ہوں۔ جب قرآنی اسرار کا مس کرنا پاک لوگوں کے نصیب ہو تو پھر اوروں کا کیا حال ہے۔ دوسری رمز یہ کہ قرآن کو نہ پڑھیں مگر وہ لوگ جن کے نس ہوا و ہوس سے پاک ہو گئے ہوں اور شرک جلی، خفی اور نفسی، آفاقی خداؤں سے صاف ہو گئے ہوں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ مبتدی سلوک کے حال کے مناسب ذکر اور ماسوائے مذکور کی نفی ہے۔ یہاں تک کہ ماسوی کچھ نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا اس کی کچھ مراد نہ ہو اور اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو اشیاء یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئیں جب ایسا حال ہو جاتا ہے تو شرک سے پاک اور نفسی اور آفاقی خداؤں سے آزاد ہو جاتا ہے اس وقت لائق ہے کہ ذکر کے بجائے قرآن کی تلاوت کرے اور تلاوت کی بدولت مدارج حاصل کرے۔ اس مذکورہ حالت کے حاصل ہونے سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت ابرار کے اعمال میں داخل ہے اور اس حالت کے حاصل ہونے کے بعد تلاوت قرآن مجید مقربین کے اعمال میں شمار ہوتی ہے۔ جیسے کہ ذکر کرنا اس نسبت کے حاصل ہونے سے پہلے مقربین کے اعمال میں گنا جاتا تھا۔ ابرار کے اعمال عبادات کی قسم سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات کی قسم سے آپ نے تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ اَوْ سَبْعِیْنَ سَنَةً (ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے) سنا ہو گا۔ تفکر کے معنی باطل سے حق کی طرف جانے کے ہیں۔ جس قدر فرق ابرار و مقربین کے درمیان ہے اسی قدر فرق عبادات و تفکر کے درمیان ہے۔ جاننا چاہیے کہ مبتدی کا وہ ذکر جو

مقربین کے اعمال میں شمار ہوتا ہے۔ وہ ہے جو اس نے شیخ کامل مکمل سے حاصل کیا ہو اور اس کا مقصود سلوک طریقت ہو۔ ورنہ ذکر بھی ابرار کے اعمال میں گنا جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَهٗ اَلْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ۔ (اللہ تعالیٰ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)۔

مکتوب ۵

حضرت ایشاں مدظلہ کے ان بعض خاص خاص احوال و ذوق کے بیان میں جو بعض درد و الم کے ذریعے ظاہر ہوئے۔ سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس عنایت نے حق تعالیٰ کے جلال و غضب کی صورت میں تجلی نہ فرمائی اور قید خانہ کے قفس میں قید نہ ہوا۔ تب تک ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے کلی طور پر نہ نکلا اور ظلال و خیال و مثال کے کوچوں سے پورے طور پر نہ نکلا۔ ایمان بالغیب کے شاہراہ میں مطلق العنان ہو کر نہ دوڑا اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا اور ذوق کامل اور وجدان بالغ کے ساتھ دوسروں کے ہنر کو عیب اور ان کے عیب کو ہنر نہ معلوم کیا۔ بے ننگی و بے ناموسی کے خوشگوار شربت اور رسوائی اور خواری کے مزہ دار مربے نہ چکھے اور خلق کے طعن و ملامت کے جمال سے حظ نہ پایا اور لوگوں کے بلا و جفاء کے حسن سے محظوظ نہ ہوا اور کَالْمَیِّتِ بَیْنَ یَدَیِ الْغَسَّالِ کی طرح ہو کر کلی طور پر اپنے ارادہ و اختیار کو ترک نہ کیا اور آفاقی و انفسی تعلقات کے رشتہ کو کامل طور پر نہ توڑا اور تضرع و التجا انابت و استغفار اور ذلت و انکسار کی حقیقت حاصل نہ ہوئی اور حق تعالیٰ کے استغنا کی رفیع الشان بارگاہ کو جس کے گرد عظمت و کبریا کے پردے تنے ہوئے ہیں۔ مشاہدہ نہ کیا اور اپنے آپ کو بندہ خوار دراز و ذلیل و بے اعتبار بے ہنر و بے طاقت اور کامل محتاج اور فقیر معلوم نہ کیا۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (میں اپنے نفس کو پاک نہیں کرتا۔ نفس

برائی کی طرف امر کرنے والا ہے۔ مگر جس پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی۔ بیشک میرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے) اگر محض فضل سے حق تعالیٰ کے فیوض و ارادات اور اس کے لاانتہا عطیات و انعامات پے در پے اس محنت کدہ میں اس شکستہ دل کے شامل حال نہ ہوتے تو نزدیک تھا کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے اس فقیر کو عین بلا میں عافیت دی اور نفس جفا میں کرم فرمایا اور سختی کی حالت میں احسان کیا اور رنج و خوشی میں شکر کی توفیق دی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابعداروں اور اولیائے کرام علیہم الرحمتہ و الرضوان کے قدم بقدم چلنے والوں اور علماء و صلحا کے محبوں میں سے بنایا۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَ تَسْلِیْمَاتُہٗ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ اَوَّلًا وَ عَلٰی مُصَدِّقِیْھِمْ ثَانِیًا (اول انبیاء پر اور پھر ان کی تصدیق کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام ہو)۔

مکتوب ۶

اس بیان میں کہ محبوب کا رنج اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ معارف آگاہی شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا صحیفہ شریفہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمدست ارسال کیا ہے تھا پہنچا۔ آپ نے خلق کی جفا و ملامت کے بارہ میں جو لکھا تھا۔ یہ خود اس گروہ کا جمال اور ان کے زنگار کا صیقل ہے۔ پھر قبض و کدورت کا باعث کیوں ہو۔ ابتداء حال میں جب فقیر اس قطعے میں پہنچا تو محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کے انوار شہروں اور گاؤں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے برس رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ سالوں تک جمالی تربیت کے ساتھ مراحل قطع کرتے رہے۔ اب جو جلالی تربیت کے ساتھ قطع مسافت کرنے لگے ہیں تو صبر بلکہ رضا کے مقام میں رہیں اور جمال و جلال کو برابر جانیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ فتنہ کے ظاہر ہونے کے وقت نہ ذوق رہا ہے نہ حال چاہئے تھا کہ ذوق و حال دگنا ہوتا۔ کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت دیتی ہے۔ آپ کو کیا ہو رہا ہے کہ عام لوگوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں اور محبت ذاتیہ سے دور نکل گئے ہیں۔ برخلاف گزشتہ کے آپ جلال کو جمال سے زیادہ خیال کریں اور رد و الم کو انعام سے زیادہ تصور کریں۔ کیونکہ جمال اور انعام میں محبوب کی مراد کے برخلاف ہے۔ وقت و حال سے مراد اس جگہ سابقہ وقت و حال کے ماسواہ ہے۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا

(ان دونوں میں بہت فرق ہے) آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کے بارہ میں لکھا تھا۔ کیا مانع ہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ (کافی ہے ہم کو اللہ تعالیٰ اور وہی اچھا وکیل ہے)۔

مکتوب ۷

خلق کی ایذا برداشت کرنے کے بیان میں سیادت پناہ میر محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ سیادت پناہ برادرم میر محب اللہ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ بڑی ہی خوشی ہوئی۔ خلق کی ایذا کی برداشت کرنے اور نزدیکی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے سے چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو امر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ (صبر کر جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے اور ان کے واسطے جلدی نہ کر) اس مقام کی سکونت میں نمک یہی ایذا و جفا ہے، لیکن آپ اس نمک سے بھاگتے ہیں۔ ہاں شکر کا پلا ہوا نمک کی تاب نہیں لا سکتا۔ آپ یاد رکھیں ۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است نازکی کے راست آید نازمی باید کشید

ترجمہ: جو ہوا عاشق نزاکت اس کو پھر پھبتی نہیں
گرچہ عاشق حسن میں ہو خود جہاں کا نازنیں

آپ نے لکھا تھا کہ اگر اجازت ہو جائے تو الہ آباد میں منزل اختیار کروں۔ بیشک آپ وہاں منزل مقرر کر لیں تا کہ وہاں کی وفا کی افراط سے چھوٹ کر کوئی دم آرام سے بسر کریں، لیکن یہ رخصت کا طریق ہے اور عزیمت کا طریق یہی ہے کہ آپ ایذا پر صبر و تحمل فرمائیں۔ اس موسم میں فقیر پر ضعف غالب ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے اس لیے چند کلموں پر کفایت کی گئی۔ والسلام

مکتوب ۸

غیب کی اصلی ہونے اور شہود کے ظلی ہونے کے بیان میں حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق کی طرف تحریر فرمایا ہے۔ اے محبت کے نشان والے۔ غیب شہود کے مقابل ہے۔ جو ظلیت کی آمیزش رکھتا ہے اور غیب اس آمیزش سے پاک ہے۔ اس لیے شہود سے اکمل ہوگا، لیکن جب

حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج میں رویت سے مشرف ہوئے ہیں۔ جو ظلال کے پردوں سے وراء الوراء ہے اور ظلیت کی آمیزش سے پاک و صاف ہے تو پھر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں غیب رویت سے اکمل کیوں ہو۔ کیونکہ ظلیت کے رفع ہونے کے لیے غیب کی کیا ضرورت ہے۔ یہ دولت (یعنی شہود) وہ ہے جو حضرت سید الکونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس مقام سے حصہ حاصل ہے۔ جس طرح رویت نہیں شہود و مشاہدہ بھی نہیں اور اس مقام کی تعبیر غیب کے ساتھ کرنی بہتر ہے۔ اس مقام کی تفصیل کی نہیں جاسکتی۔ ہر ایک اپنی اپنی سمجھ و دریافت کے مطابق دریافت کر لے گا، لیکن وہ اس سے بھی وراء الوراء ہے اور سوائے اقل قلیل کے کسی کو اس مقام سے حصہ حاصل نہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۹

آیت کریمہ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ الخ کے بیان میں سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُو اللّٰهَ (جو کچھ رسول تمہارے پاس لے آئے اس کو پکڑ لو اور جس سے تم کو منع کرے اس سے ہٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اوامر کے بجالانے اور منہیات سے ہٹ جانے کے بعد تقویٰ کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ منہیات سے ہٹ رہنا زیادہ ضروری ہے، کیونکہ یہی تقویٰ کی حقیقت ہے۔ جو دین کا اصل مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ (تمہارے دین کا اصل مقصود ورع ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری جگہ فرمایا ہے لَا تَعْدِلُ بِالْوَرَعِ شَيْئًا (رتہ یعنی ورع کے برابر کوئی شے نہیں) اور اس کے زیادہ ضروری اور مہتم بالشان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منہیات سے ہٹ جانا وجود میں اعلیٰ اور نفع میں زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ اوامر کے بجالانے کے ضمن میں بھی پایا جاتا ہے اس لیے کہ کسی امر کا بجالانا گویا اس کی ضرر سے ہٹ جانا ہے اور یہ ظاہر ہے، لیکن انتہا یعنی منہیات سے ہٹ جانے کا عموم کی جہت کے سوا کثیر النفع ہونا اس لیے ہے کہ اس میں محض نفس کی مخالفت ہے اور اس میں نفس کی کوئی لذت نہیں۔ برخلاف امتثال اوامر کی صورت کے کہ اس میں اکثر نفس کی ذلت بھی ہوتی

ہے اور جس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہو۔ کچھ شک نہیں کہ اس کا نفع بھی زیادہ ہوگا اور نجات کے لیے سب سے زیادہ اقرب راستہ ہوگا۔ کیونکہ تکلیفات شرعیہ کا اصلی مقصود نفس کا مغلوب کرنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت و عداوت میں قائم رہتا ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّھَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِی (اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری عداوت پر قائم ہے) پس مشائخ کے طریقوں میں سے جس طریقہ میں احکام شریعہ کی زیادہ رعایت ہوگی وہ تمام وصول الی اللہ طریقوں میں سے زیادہ اقرب ہوگا۔ کیونکہ اس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہے اور وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے۔ اسی واسطے ہمارے سردار اور قبلہ شیخ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک ایسا طریقہ وضع کیا ہے جو نفس کے زیادہ مخالف ہونے کے باعث تمام وصول الی اللہ طریقوں سے اقرب ہے۔ اس طریقہ میں شریعت کی زیادہ رعایت دانا منصف اور دوسرے مشائخ کی طریقوں میں غور کرنے والے آدمی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ فقیر نے اس مضمون کو اپنے مکتوبات و رسائل میں مفصل اور واضح طور پر بیان کیا ہے۔ جس کا دل چاہے وہاں سے دیکھ لے۔ وَاللہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ وَ ھُوَ سُبْحَانَہٗ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔ وہی مجھے کافی ہے اور وہی اچھا کارساز اور وکیل ہے) وَصَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَسَلَّمَ وَ بَارَکَ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدیٰ (اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۱۰

آیت کریمہ وَاِذَا سَئَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ" کی تفسیر میں سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ" عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفیٰ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِذَا سَئَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ" (جس وقت میرے بندے میری نسبت تجھ سے سوال کریں تو میں قریب ہوں) حق تعالیٰ کا قرب اگرچہ بیچوں و بیچگوں ہے۔ لیکن وہم کی وہاں تک گنجائش ہے۔ وہ حق تعالیٰ کی اقربیت ہی ہے جو وہم کے احاطہ سے خارج اور خیال کے دائرہ سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرب دان بہت ہیں اور اقربیت دان کم۔ قرب کی نہایت اتحاد کے حاصل ہونے تک ہے۔ اگرچہ اتحاد بھی وہاں صرف وہم ہی وہم میں ہے، لیکن اقربیت

اتحاد سے آگے ہے۔ قرب کی جانب میں اگرچہ عقل اپنے آپ سے زیادہ نزدیک کو بعید تصور کرتی ہے، لیکن یہ عقل کی کوتاہ نظری ہے جس نے دور بینی کی عادت کر لی ہے اور اپنے آپ سے زیادہ نزدیک کو پا نہیں سکتی۔ والسلام۔

مکتوب ۱۱

انسان کی جامعیت کے بیان میں جو عالم امر اور عالم خلق کے دس اجزا سے مرکب ہے اور عرش مجید پر قلب انسان کی ترجیح کے بیان میں سیادت پناہ میر شمس الدین خلخالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آدمی ایک ایسا نسخہ جامع ہے جو اجزاء عشرہ یعنی اربعہ عناصر اور نفس ناطقہ اور قلب و روح و سروخفی و اخفی سے مرکب ہے اور دوسرے قویٰ و جوارح و اعضاء جو انسان میں ہیں انہی اجزاء میں شامل ہیں۔ یہ اجزا ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف ہیں اربعہ عناصر کا ایک دوسرے کی ضد ہونا تو ظاہر ہے۔ اسی طرح عالم خلق اور عالم امر کی ضدیت بھی معلوم ہے اور عالم امر کے پنجگانہ لطائف میں سے ہر ایک الگ الگ امر کے ساتھ مخصوص ہے اور علیحدہ علیحدہ کمال کی طرف منسوب ہے اور نفس ناطقہ خود اپنی خواہش و ہوا کا طالب ہے غرض ان میں کوئی بھی دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا۔ حق تعالیٰ کی عنایت نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ہر ایک کی سرعت یعنی تیزی اور غلبہ کو توڑ کر جمع فرمایا ہے اور ایک کو خاص مزاج اور ہیئت وحدانی عطا فرمائی ہے۔ مزاج خاص اور ہیئت وحدانی عطا فرما کر اپنی حکمت بالغہ سے اس کو ایسی صورت بخشی ہے جو اجزا متضادہ مفرقہ کی حفاظت کر سکے۔ اس مجموعہ کو انسان کے ساتھ مسمی کر کے جامعیت اور ہیئت وحدانی کے حاصل ہونے کے اعتبار سے خلافت کے شرف استعداد سے مشرف فرمایا ہے۔ یہ خلافت کی دولت انسان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ عالم کبیر اگرچہ بڑا ہے، لیکن جامعیت سے خالی اور ہیئت وحدانی سے بے نصیب ہے یہ ماجرا تمام افراد انسانی میں ثابت ہے اور تمام خاص و عام انسان اس میں شریک ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عالم کبیر کے اجزا میں سے زیادہ اشرف جزو عرش مجید ہے اور تجلی جو اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے تمام اجزا کی تجلیات سے برتر ہے کیونکہ وہ تجلی جامع ہے اور وہ ظہور وجوبی اسماء وصفات کا جمع کرنے والا ہے۔ نیز وہ تجلی دائمی ہے۔ پوشیدگی کی گنجائش نہیں

رکھتی اور انسان کامل کا قلب جو عرش کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس کو عرش اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس تجلی عرشی سے نصیب وافر اور حظ کامل رکھتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ تجلی عرشی کلی ہے اور تجلی قلبی جزئی، لیکن قلب میں ایک اور زیادتی ہے جو عرش میں نہیں اور وہ متجلی یعنی جلوہ گر ہونے والے کا شعور ہے اور نیز قلب ایک ایسا مظہر ہے جو اپنے ظاہر کے ساتھ گرفتاری رکھتا ہے۔ برخلاف عرش کے جو اس گرفتاری سے خالی ہے۔ اسی شعور اور گرفتاری کے باعث قلب کی ترقی ممکن بلکہ واقع ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کے موافق قلب اسی کے ساتھ ہے جس کے ساتھ وہ گرفتاری رکھتا ہے اور جس کی محبت پر فریفتہ ہے۔ اگر اسماء وصفات کا محب ہے تو اسماء وصفات کے ساتھ ہے اور اگر ذات تعالیٰ و تقدس کا محب ہے تو وہاں کی معیت اس کو حاصل ہے اور اسماء وصفات کی گرفتاری سے آزاد ہے۔ برخلاف عرش مجید کے کہ اسماء وصفات سے خالی تجلی اس کے حق میں غیر واقع ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۲

تضرع و نیاز اور ذکر اور قرآن کی تلاوت اور نماز میں طول قنوت یعنی قیام کے فائدہ میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادرم سیادت پناہ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے لکھا تھا کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور تضرع اور زاری اور دوام التجا بہتر ہے۔ یا ذکر کرنا یا یہ سب کچھ ذکر کے ساتھ ملا ہوا بہتر ہے۔ میرے عزیز ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے دولت و نعم ہے۔ وصول کا مدار ذکر پر موقوف ہے دوسری چیزیں ذکر کر کے ثمرات و نتائج ہیں۔ نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر نفی اثبات اور تلاوت قرآن اور طول قنوت کے ساتھ نماز ادا کرنا ان تینوں میں سے کونسا بہتر ہے۔ سو نفی اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے جو نماز کی شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو، نماز کا شروع کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے۔ تب تک فرائض و واجبات اور سنتوں کے سوا عبادات نافلہ جس قدر کریں سب وبال میں داخل ہے۔ پہلے مرض کو دور کرنا چاہئے جو نفی اثبات کے ذکر پر وابستہ ہے بعد ازاں دوسری عبادات و حسنات میں جو بدن کے لیے اچھی غذا کی طرح ہیں

مشغول ہونا چاہئے۔ مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا کھائیں فاسد و مفسد ہے۔ ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

ترجمہ: جو کچھ مریض کھائے اس کی مرض بڑھائے

اس حالت کے انجام کا تعین کرنا لازم نہیں کیونکہ وہ حالت خود اپنے تمام و کمال ہونے کی خبر دیتی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ تیسری جلد کسی کے نام پر مستجل کریں اس سے پہلے یعنی فقیر نے لکھا تھا کہ آپ کے نام پر مستجل کیا جائے۔ اب بھی آپ کے خط کے جواب میں وہی بات ہے۔ آپ سے بہتر کون ہے۔ ہمیشہ دل کی توجہ اور نگرانی آپ ہی کی طرف رہتی ہے۔ آگرہ میں آپ کے بیٹھنے کے لیے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اگرچہ قرب و جوار میں ہے، لیکن جب ملاقات سے خالی ہے تو بے اعتبار ہے۔ فقیر کی تقریب پر وہاں نہ رہیں۔ فقیر کو خدائے ارحم الراحمین کے سپرد کر کے وطن کی طرف چلے جائیں اور وہاں کے مشتاقوں کو خوش کریں اور اگر آپ نے وہاں رہنے کے لیے کوئی وجہ دل میں تصور کی ہو تو وہ امر دیگر ہے والدہ محمد امین کو خدا توفیق دے اور عصمت و آبرو کے ساتھ رکھے۔ اس کے دور دراز واقعات جو آپ نے لکھے تھے۔ سب کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ سب میں کچھ کچھ وحشت و کدورت کا سامنا نظر آتا ہے۔ مگر امید ہے کہ ہر ایک کا انجام بخیر ہوگا۔ آپ اس کو فرمائیں کہ اس قسم کے واقعات سے آگاہ رہے اور توبہ و استغفار کے ساتھ ان کا تدارک کرے۔ دنیاوی مال و متاع اور فانی زیب و زینت لاشے محض ہے عقلمند اس پر مفتون اور مبتلا نہیں ہوتا۔ آخرت کے احوال کو مدنظر رکھ کر ذکر میں مشغول رہنا چاہئے۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ ذکر میں لذت تمام پیدا ہو اور چیزیں دکھائی دیں۔ یہ سب کچھ لہو و لعب اور کھیل کود میں داخل ہے۔ ذکر میں جس قدر مشقت ہو۔ بہتر ہے۔ نماز پنج وقتی کو ادا کر کے اوقات کو ذکر الٰہی کے ساتھ آباد رکھے اور ذکر کی التذاذ سے بیکار نہ رہے۔ آپ کی صحبت کو غنیمت جان کر آپ کی رضا جوئی میں رہے۔ آپ کو بھی لازم ہے کہ آپ اس کے پاس اکثر جایا کریں اور بڑی نرمی اور محبت سے اس کو اپنی طرف کھینچیں اور نیکیوں کی طرف رہنمائی کریں۔ والسلام

مکتوب ۱۴۳

صاحب شریعت غرا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پیر طریقت کی متابعت کی تحریض و

ترغیب میں سیادت پناہ میر محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

سیادت مآب برادرم میر محب اللہ کا مکتوب شریف پہنچا۔ یاس و ناامیدی کے مقدمات و حالات جو ازروئے اضطرار و اضطراب کے درج تھے۔ سب واضح ہوئے۔ ناامیدی کفر ہے۔ امیدوار رہنا چاہئے۔ اگر ان دو امور میں رسوخ ہو تو کچھ غم نہیں۔ ایک صاحب شریعت غرا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت دوسرے شیخ طریقت کا اعتقاد و محبت۔ آپ اس امر سے واقف رہیں اور تضرع و التجا کرتے رہیں کہ ان دونوں دولتوں میں فتور نہ آئے۔ ان کے سوا اور جو کچھ ہو۔ آسان و سہل ہے اور اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ جب آپ مانکپور کی سکونت سے بیزار ہیں تو الہ آباد میں وطن اختیار کر لیں۔ امید ہے کہ مبارک ہوگا مگر آپ نے اس کے برعکس سمجھ لیا۔ کیا لفظ مبارک نے بھی آپ کو دلالت نہ کی۔ اب بھی وہی بات ہے۔ آج رات کو نظر آیا۔ کہ آپ کے اسباب کو مانکپور سے الہ آباد کی طرف لے گئے ہیں۔ آپ وہیں اپنا ویرانہ اختیار کر لیں اور اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ سے آباد رکھیں اور کسی سے کچھ تعلق نہ رکھیں۔ نفی اثبات کے ذکر کو لازم پکڑیں اور اس کلمہ کے تکرار سے تمام مرادوں کو سینہ کے میدان سے نکال دیں۔ تاکہ اس کے سوا کچھ مقصود و مطلوب و محبوب نہ ہو۔ اگر دل ذکر کرنے سے تھک جائے تو زبان کے ساتھ پوشیدہ طور پر شروع کریں، کیونکہ ذکر جہر اس طریق میں ممنوع ہے۔ باقی طریق کی وضع و روش آپ کو معلوم ہی ہے۔ جہاں تک ہو سکے تقلید کا راستہ نہ چھوڑیں۔ کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید سے بہت فائدے اور بڑے ثمر حاصل ہوتے ہیں اور شیخ کے طریق کے خلاف میں سراسر خطرات ہیں۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام

مکتوب ۱۴

ایک سوال کے جواب میں جو واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت کیا گیا تھا۔ میر شمس الدین علی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا صحیفہ شریفہ جو آپ نے ازروئے کرم و شفقت کے ارسال کیا تھا۔ پہنچا اس کے مطالعہ سے بہت محظوظ اور متلذذ ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے۔ آپ نے

لکھا تھا کہ جب حق تعالیٰ کی ذات اپنی ماہیت میں موجود ہے۔ نہ کہ وجود میں خواہ عین ہو یا زائد پس واجب الوجود (جو وجوب اور وجود کے اعتبار کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) اور ممتنع الوجود کے درمیان تقابل کس طرح متحقق ہوگا اور واجب الوجود کا اطلاق وجوب وجود سے معراذات پر کس طرح ہو سکے گا اور عبادت کا استحقاق جو وجوب وجود پر وابستہ ہے کس طرح ثابت ہوگا اور واجب الوجود کا اطلاق عدیم الوجوب والوجود ذات پر کس اعتبار سے ہوگا۔

میرے مخدوم! ان سوالوں کا جواب دفتر ثانی کے مکتوبات میں سے کسی مکتوب میں جو غالباً فقیر زادوں میں سے کسی فقیر زادہ کے نام لکھا ہے۔ مفصل طور پر درج ہو چکا ہے۔ اگر آپ اس کا مطالعہ فرمائیں گے تو بہت محظوظ ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ واجب جل شانہ کی ماہیت اپنی خودی سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود کے ساتھ اور وجود کا اثبات اور وجوب کا اطلاق اس بارگاہ میں عقل کی مخترعات (اپنے پاس سے بنائی چیز) کی قسم سے ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) اور جس طرح وجوب وجود مخترعات کی قسم سے ہے۔ امتناع عدم بھی اس بارگاہ میں مخترعات میں سے ہے، لیکن جہاں ذات بحت ہے وہاں جس طرح وجوب وجود کی نسبت نہیں۔ امتناع عدم کی نسبت بھی نہیں جو اس کے مقابل ہے۔ جب وجوب وجود کی نسبت پیدا ہوئی تو امتناع عدم کی نسبت بھی جو اس کے مقابل ہے۔ ظاہر ہو گئی اور عبادت کے استحقاق کی نسبت بھی جو وجوب وجود پر متفرع و مشتمل ہے۔ ظہور میں آ گئی۔ کَانَ اللّٰهُ وَ لَمْ یَکُنْ مَعَهٗ شَیْئًا وَ اِنْ کَانَ مِنَ النِّسْبَةِ وَالْاِعْتِبَارَاتِ فَاِذَا ظَهَرَتِ النِّسْبَةِ ظَهَرَ التَّقَابُلُ (اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور نہ ہی کوئی نسبت واعتبار تھا، پس جب نسبتیں ظاہر ہو گئیں تو تقابل بھی ظاہر ہو گیا) وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا.

مکتوب ۱۵

اس بیان میں کہ محبوب کے رنج والم کی لذت محبت کی نظر میں محبوب کے انعام سے زیادہ زیبا ہوتی ہے۔ سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) سیادت پناہ برادرم میر محمد نعمان کو معلوم ہوگا کہ یاران خیر اندیش نے ہر چند خلاصی کے بارہ میں کوشش کی۔ مگر کارگر اور فائدہ مند نہ ہوئی۔ اَلْخَیْرُ فِیْ مَاصَنَعَ اللّٰهُ

سُبْحَانَہٗ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) اس امر سے بشریت کے باعث کچھ غم وحزن لاحق ہوا اور سینہ میں تنگی ظاہر ہوئی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب حزن اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر (سینہ کی فراخی) سے بدل گئی اور خاص یقین سے معلوم ہوا کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے درپے ہیں حق تعالیٰ کی مراد سے موافق ہے تو پھر سینہ کی تنگی اور کدورت بیفائدہ اور دعویٰ محبت کے برخلاف ہے، کیونکہ محبوب کا ایلام اس کے انعام کی طرح محبّ کے نزدیک محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔ محبّ جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی متلذذ ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ایلام میں زیادہ تر لذت پاتا ہے۔ کیونکہ یہ محبّ کی اپنی مراد اور حظ نفس سے پاک ہے۔ جب حق تعالیٰ جو جمیل مطلق ہے اس شخص کا آزار چاہتا ہے تو حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی حق تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نظر میں جمیل بلکہ لذت کا سبب ہے اور جب ان لوگوں کی مراد حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد کا دریچہ ہے تو ان لوگوں کی مراد بھی نظر میں پسندیدہ اور کذب کا موجب ہے کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے۔ محبوب کے فعل کی طرح محبوب دکھائی دیتا ہے اور وہ شخص فاعل بھی اس نظر کے علاقہ سے محبّ کی نظر میں محبوب ظاہر ہوتا ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ جوں جوں اس شخص سے جفا زیادہ متصور ہوتی ہے توں توں محبّ کی نظر میں زیادہ زیبا دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ محبوب کے غضب کی صورت زیادہ تر نمائش رکھتی ہے۔ اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا اور برعکس ہے۔ پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ بگڑنا محبوب کی محبت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ لوگ جو آزار کے درپے ہیں باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظر میں محبوب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ یاروں کو کہہ دیں کہ سینہ کی تنگیوں کو دور کریں اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے درپے ہیں۔ دشمنی اور بگاڑ نہ کریں بلکہ انہیں چاہئے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔ ہاں چونکہ ہم کو دعا کا امر ہے اور حق تعالیٰ دعا و التجا تضرع وزاری کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے بلیہ و مصیبت کے دفع ہونے کے لیے دعا اور عفو و عافیت کا سوال کریں اور یہ جو غضب کی صورت کی گئی ہے وہ اس لیے ہے کہ غضب کی حقیقت دشمنوں کے نصیب ہے۔ دوستوں کے ساتھ صورت میں غضب ہے اور حقیقت میں عین رحمت۔ غضب کی اس صورت میں محبّ کے اس

قدر فائدے اور منافع رکھے ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ نیز غضب کی صورت میں جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں منکر لوگوں کی خرابی ہے اور ان کی ابتلاء و آزمائش کا باعث ہے۔ شیخ محی الدین عربی قدس اللہ سرہ کی عبارات کے معنی آپ کو معلوم ہوں گے۔ کہ اس نے کہا ہے کہ عارف کے لیے ہمت نہیں۔ یعنی وہ ہمت جو بلیہ کے دفع کرنے کے لیے ہو۔ عارف سے مسلوب ہے۔ کیونکہ عارف جب بلیہ کو محبوب کی طرف سے جانتا ہے اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو اس کے دفع کرنے کے لیے کس طرح ہمت کرے اور اس کو کیوں دفع کرے۔ اگرچہ بظاہر اس بلیہ کے دفع کرنے کی دعا زبان پر لاتا ہے، لیکن وہ صرف دعا کا امر بجالانے کے لیے ہے۔ درحقیقت کچھ نہیں چاہتا اور جو کچھ آتا ہے اس سے لذت پاتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۱۶

سالک کے اپنے احوال پر اطلاع نہ پانے کے بھید میں اور اس کو مسترشدوں اور مریدوں کے آئینوں میں مشاہدہ کرنے کے بیان میں مولانا احمد ذہبی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے لکھا تھا کہ میں اپنے آپ میں اس گروہ کے احوال و مواجید اور علوم و معارف کچھ نہیں پاتا۔ باوجود اس بات کے دو طالبان راہ کو طریقہ بتلایا۔ وہ بہت متاثر ہوئے اور ان سے عجیب و غریب احوال ظاہر ہوئے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ واضح ہو کہ جو احوال ان دونوں شخصوں میں ظاہر ہوئے ہیں آپ کے احوال کے عکس ہیں۔ جو ان کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ دونوں شخص صاحب علم تھے انہوں نے اپنے احوال کو معلوم کر لیا اور آپ کو بھی اس حال مستور کے حاصل ہونے کے علم کی طرف رہنمائی کی جس طرح کہ آئینہ شخص کے خفیہ کمالات کے حاصل ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کر دیا ہے۔ مقصود احوال کا حاصل ہونا ہے اور ان احوال کا جاننا ایک علیحدہ دولت ہے۔ بعض کو یہ علم دیتے ہیں اور بعض کو نہیں دیتے، لیکن دونوں صاحب ولایت اور قرب میں برابر ہوتے ہیں۔ مِنَّا مَنْ عَلِمَ وَمِنَّا مَنْ جَهِلَ (ہم میں

سے ہے جو جانتا ہے اور ہم میں سے ہے جو نہیں جانتا) اس گروہ کے نزدیک مقرر اور مانی ہوئی بات ہے اپنے احوال کا علم نہ ہونے سے آزردہ نہ ہوں۔ کوشش کریں کہ احوال حاصل ہوں۔ بلکہ احوال سے گزر کر احوال کے پھیرنے والے (حق تعالیٰ) کے ساتھ واصل ہوں۔ احوال کا علم اگر مریدوں کے واسطہ کے بغیر میسر نہ ہو تو اسی پر قناعت کریں کہ ان کے آئینوں میں مطالعہ کریں اور مظہروں کے ذریعے حظ حاصل کریں۔ احوال حاصل ہونے چاہئیں اور ان احوال کا علم اگر بالواسطہ میسر نہ ہو تو امید ہے کہ وسیلہ سے حاصل ہو جائے گا۔ نیز آپ نے لکھا تھا کہ دوام آگاہی سے کیا مراد ہے۔ اکثر اوقات بعض کاروبار میں اس آگاہی سے دل کی غفلت محسوس ہوتی ہے۔ آگاہی اور دوام آگاہی کی تشخیص کرنی چاہیے۔

واضح ہو کہ آگاہی حق تعالیٰ کی جناب پاک میں حضور باطن سے مراد ہے۔ جس طرح کہ علم حضوری جس کو دوام لازم ہے۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنے نفس سے غافل ہوا ہے یا اپنی نسبت اس کو غفلت و نسیان پیدا ہوا ہے۔ غفلت و ذہول علم حصولی میں متصور ہے۔ جس میں مغائرت پائی جاتی ہے۔ علم حضوری میں سب حضور در حضور ہے۔ اگرچہ نادان اور بیوقوف آدمی اس حضور سے دور اور نفور ہے اور اس کے حاصل ہونے سے مغرور ہے۔ آگاہی کے لیے دوام لازم ہے اور جس میں دوام نہیں وہ مطلوب کی نگرانی ہے۔ جو اس آگاہی مذکور کے مشابہ ہے۔ اس کا دوام مشکل ہے۔ کیونکہ علم حصولی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ جو دوام سے بے نصیب ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی نسبت علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق کرنا تشبیہ اور تنظیر کے طور پر ہے، کیونکہ وہ ذات پاک جو اپنے آپ سے زیادہ نزدیک ہے۔ علم حصولی اور علم حضوری کے احاطہ سے باہر ہے۔ ارباب معقول اگرچہ اس کو تصور نہیں کر سکتے اور اپنے سے زیادہ نزدیک کو نہیں پا سکتے، لیکن علوم لدنی والوں کے نزدیک یہ بات واضح ہے اور حق تعالیٰ کی عنایت سے آسانی کے ساتھ حاصل ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) دوسرے یہ کہ سیادت پناہ برادرم میر محمد نعمان آپ پر بہت حقوق رکھتے ہیں۔ آپ کے بے اجازت آنے سے دل آزردہ ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ بلا توقف ان کی خدمات میں حاضر ہو جائیں اور ان کی

آزار کی تلافی کریں۔ اگر آپ ان سے رخصت لے کر آتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ آپ کو مناسب ہے کہ ان کی مرضی کے موافق عمل کیا کریں اور رخصت سے آیا جایا کریں۔ اس سے کیا زیادہ لکھا جائے۔ والسلام

مکتوب ۱۷

دینی عقاید اور شرعی عبادت کی ترغیب میں اہل ارادت میں سے ایک صالحہ عورت کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ هَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَ جَعَلَنَا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَنَامِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی ہدایت دی اور حضرت سید الانام کی امت میں سے بنایا)

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ منعم علی الاطلاق ہے۔ اگر وجود ہے تو اس کا بخشا ہوا ہے اور اگر بقا ہے تو اسی کی عطا اور اگر صفات کاملہ ہیں تو اسی کی رحمت شاملہ سے حاصل ہیں۔ زندگی اور توانائی اور دیکھنے اور سننے اور کہنے کی طاقت سب اسی کی طرف سے ملی ہیں اور ہر طرح کے انعام و اکرام جو حد و شمار سے باہر ہیں سب اسی کی طرف سے پہنچے ہیں۔ وہی سختی اور تنگی کو دور کرتا ہے اور وہی دعا کو قبول اور بلاء کو دفع کرتا ہے۔ وہ ایسا رزاق ہے کہ اپنی کمال مہربانی سے گناہوں کے باعث بندوں کی روزی کو بند نہیں کرتا۔ وہ ایسا ستار ہے کہ اپنی زیادہ عفو اور درگزر سے برائیوں کے ارتکاب کے باعث بندوں کی پردہ دری نہیں کرتا۔ وہ ایسا حلیم ہے کہ ان کے عذاب و مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اپنی عام بخشش کو دوست و دشمن سے ہٹا نہیں رکھتا۔ ان نعمتوں میں سے اعظم اور اجل اور اعز و اکرم نعمت اسلام کی طرف دعوت کرنا اور دار السلام کی طرف ہدایت کرنا اور حضرت سید الانام علیہ الصلوۃ والسلام کی متابعت کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ جس پر دائمی زندگی اور ہمیشہ کی لذت و نعمت اور لقا و رضائے مولیٰ جل شانہ موقوف ہے۔ غرض حق تعالیٰ کے انعام و اکرام و احسان سورج سے زیادہ ظاہر اور چاند سے زیادہ روشن ہیں۔ دوسروں کے انعام اسی کی اقدار و تمکین اور قدرت و بخشش سے ہیں اور ان کا احسان اِسْتِعَارَةٌ مِنَ الْمُسْتَعِیْرِ وَ سَوَالٌ مِنَ الْفَقِیْرِ (ادھار اور عاریۃً کسی چیز کے رکھنے والے سے مانگنا اور فقیر سے سوال کرنا) کی قسم سے ہے۔ اس بات کو دانا اور نادان سب جانتے

ہیں اور غبی وذکی (کند فہم اور تیز فہم یعنی جاہل اور عالم سب اس امر کا اقرار کرتے ہیں ۔

گر برتن من زبان شود ہر موئے　　　　یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ: اگر ہر بال میں میرے زبان ہو
نہ پھر بھی شکر کچھ مجھ سے عیاں ہو

شک نہیں کہ عقل کی بداہت منعم کے شکر کے واجب ہونے کا حکم کرتی ہے اور اس کی تعظیم وتکریم کو لازم جانتی ہے۔ پس حق تعالیٰ کا شکر جو منعم حقیقی ہے۔ عقل کی بداہت سے واجب ہوا اور اس کی تعظیم وتکریم ضروری ہوئی۔ چونکہ حق تعالیٰ کمال تقدس وتنزہ میں ہے اور بندے نہایت گندگی اور آلودگی میں ہیں۔ کمال بے مناسبتی سے کیا معلوم کر سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کس کا امر ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندے بعض امور کا اطلاق اس پاک جناب پر مستحسن اور پسندیدہ جانتے ہیں، لیکن درحقیقت حق تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہوتا ہے اور جس کو تعظیم خیال کرتے ہیں وہ توہین ہوتی ہے اور جس کو تکریم تصور کرتے ہیں وہ تحقیر ہوتی ہے۔ پس جب تک حق تعالیٰ کی تعظیم وتکریم اسی کی جناب پاک سے مستفاد نہ ہو تب تک اس کے شکر کے لائق اور اس کی عبادت کے قابل نہیں ہوتی کیونکہ وہ حمد جو بندوں کی اپنی طرف سے ہے وہ سراسر ہجو ہے اور ان کی مدح نری قدح ہے۔ حق تعالیٰ کی تعظیم وتوقیر وتکریم جو اسی بارگاہ سے ہمیں پہنچی ہے اور اگر زبانی ثنا ہے تو وہ بھی ظاہر ہے۔ اعضا کے اعمال وافعال کو بھی صاحب شریعت نے مفصل طور پر بیان فرما دیا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے شکر کا ادا کرنا شریعت کے بجالانے میں منحصر ہے خواہ وہ شکر قلبی ہو۔ بدنی اعتقادی ہو یا عملی۔ حق تعالیٰ کی وہ تعظیم وعبادت جو شریعت کے برخلاف ادا کی جائے وہ اعتماد کے لائق نہیں بلکہ بسا اوقات ایسی عبادت سے ضد حاصل ہوتی ہے اور وہمیہ نیکی درحقیقت برائی ہوتی ہے۔ پس بیان مذکور کے ملاحظہ سے عقل کے نزدیک بھی شریعت کے موافق عمل کرنا واجب ہے اور اس کے اتباع کے بغیر منعم تعالیٰ کے شکر کا ادا کرنا مشکل ہے۔ شریعت کے دو جزو ہیں۔ ایک اعتقادی دوسرا عملی۔ اعتقاد دین کا اصل ہے اور عمل اس کی فروع۔ جو شخص اعتقاد کا منکر ہو وہ اہل نجات میں سے نہیں ہے۔ اس کے حق میں عذاب آخرت سے خلاصی متصور نہیں اور جس شخص میں عمل مفقود ہو اس کے لیے نجات کی امید ہے۔ اس کا معاملہ حق تعالیٰ کی مرضی کے سپرد ہے۔ خواہ معاف

کرے، خواہ گناہوں کے موافق عذاب دے، دوزخ میں ہمیشہ رہنا اعتقاد اور ضروریات دین کے منکر پر مخصوص ہے اور عمل کا نہ کرنے والا اگرچہ عذاب میں داخل کیا جائے گا، لیکن دوزخ کا دائمی عذاب اس کے حق میں مفقود ہے۔ اعتقادیات چونکہ دین کے اصول اور اسلام کی ضروریات میں سے ہیں۔ اس لیے ان کو بیان کیا جاتا ہے اور عملیات چونکہ فرع ہیں اور ان کی تفصیل بھی دراز ہے۔ اس لیے ان کی تفصیل کو کتب فقہ کے حوالہ کر کے بعض ضروری عملیات بھی بیان کیے جائیں گے تاکہ طالبوں کو ترغیب ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اعتقادیات

(1) اللہ تعالیٰ اپنی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کی ہستی اپنی خودی سے ہے۔ حق تعالیٰ جیسا کہ تھا اب بھی ویسا ہی ہے اور ہمیشہ ویسا ہی رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کو اس کی پاک بارگاہ کی طرف راستہ نہیں۔ کیونکہ وجوب وجود اس مقدس درگاہ کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس بارگاہ بزرگ کا کمینہ خاکروب ہے اور حق تعالیٰ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وجوب وجود میں نہ الوہیت میں اور نہ عبادت کے استحقاق میں کیونکہ شریک کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جبکہ وہ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص کی علامت ہے۔ جو وجود الوہیت کے منافی ہے اور جب وہ کافی اور مستقل ہے تو شریک بیکار اور عبث ہوگا۔ یہ بھی نقص کی علامت ہے۔ جو وجوب الوہیت کے منافی ہے۔ پس شریک کے ثابت کرنے میں دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کا نقص لازم آتا ہے۔ جو شرکت کے منافی ہے۔ پس شرکت کا ثابت کرنا شرکت کی نفی کو مستلزم ہے اور یہ محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کا شریک محال ہے۔

(2) حیات، علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، کلام، تکوین، حق تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں۔ ان آٹھ صفتوں کو صفات حقیقیہ کہتے ہیں۔ یہ صفات قدیم ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ جیسے کہ علماء اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک مقرر ہے۔ اہل سنت و جماعت کے سوا مخالف گروہوں میں سے کوئی گروہ بھی صفات زائدہ کے وجود کا قائل نہیں۔ حتیٰ کہ اس فقہ ناجیہ میں سے صوفیہ متاخرین نے بھی صفات کو ذات کا عین کہا ہے اور مخالفوں کے ساتھ موافق ہو گئے ہیں۔ اگرچہ صفات کی نفی سے کنارہ کرتے ہیں، لیکن ان کے اصول اور ظاہر عبارت سے صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ مخالفوں نے صفات کاملہ کی نفی کو

کمال سمجھا ہے اور اپنی عقل کے پیچھے لگ کر نصوص قرآنی سے جدا جا پڑے ہیں، لیکن ان کے اصول اور ظاہر عبارات سے صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے اور دوسری صفات یا اعتبار یہ ہیں یا سلبیہ جیسے قِدَمِ اَزَلِیَّتْ وَ وُجُوْبُ وَ اَلُوْهِیَّتْ چنانچہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جسم و جسمانی نہیں۔ عرض و جوہر نہیں۔ مکانی اور زمانی بھی نہیں، حال محل بھی نہیں، محدود و متناہی بھی نہیں، جہت سے بے جہت ہے اور نسبت سے بے نسبت ہے۔ کفایت اور مثلیت یعنی ہمسر اور ہم مثل ہونا اس کی جناب پاک سے مسلوب ہے اور ضدیت ندیت اس بارگاہ بلند سے مفقود ہے۔ ماں و باپ و عورت و بیٹے سے پاک و مبرا ہے۔ کیونکہ یہ سب حدوث کے نشان ہیں اور اس سے نقص لازم آتا ہے اور تمام قسم کے کمالات حق تعالیٰ کی جناب کے لیے ثابت ہیں اور تمام قسم کے نقائص اس درگاہ سے مسلوب ہیں۔ غرض امکان و حدوث کی صفات جو سراسر نقص و شرارت ہیں سب اس کی جناب پاک سے مسلوب سمجھنے چاہئیں۔

(3) حق تعالیٰ کلیات و جزئیات کا عالم ہے اور اسرار و خفیہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ حقیر بھی اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے۔ ہاں جب تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا وہی ہے تو ان اشیاء کا عالم بھی ضرور ہوگا، کیونکہ خالق کو خلق کے علم سے چارہ نہیں۔ بعض بدبخت لوگ حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے اور اس امر کو اپنی عقل ناقص میں کمال سمجھتے ہیں اور اپنی کمال بے وقوفی سے کہتے ہیں کہ واجب الوجود جل شانہ سے صرف ایک ہی چیز صادر ہوسکتی ہے اور وہ بھی اضطرار یعنی مجبوری سے نہ کہ اختیار سے اور اس کو بھی کمال خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی جاہل ہیں جو جہل کو کمال تصور کرتے ہیں اور اضطرار کو اختیار سے بہتر جانتے ہیں اور اضطرار و اختیار میں تمیز نہیں کر سکتے اور اپنی جہالت سے دوسری اشیاء کو حق تعالیٰ کے غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عقل فعال کو اپنے پاس سے بنا کر محدثات کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کے خالق کو معطل و بیکار سمجھتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک اس گروہ سے زیادہ کمینہ اور بیوقوف گروہ کوئی جہان میں پیدا نہیں ہوا۔ سبحان اللہ بعض اہل اسلام لوگ ان پلیدوں کو ارباب معقول تصور کرتے ہیں اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کے جھوٹے احکام کو نفس الامر کے مطابق خیال

کرتے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے)

(4) حق تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے۔ اگر امر ہے۔ تو اسی ایک کلام سے ہے اور اگر نہی ہے تو بھی اسی سے ہے۔ ایسے یہ اخبار و استخبار اسی ایک کلام سے پیدا ہیں اور اگر توریت و انجیل ہے تو اسی ایک کلام کی دلیل ہے اور اگر زبور و فرقان ہے تو اسی کلام کا نشان ہے۔ اسی طرح تمام کتابیں اور صحیفے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے ہیں سب اسی کلام کی تفصیل ہیں۔ جب ازل و ابد باوجود اس قدر وسعت اور درازی کے وہاں آن واحد ہے بلکہ وہاں آن کی گنجائش ہی نہیں، کیونکہ آن کا اطلاق اس جگہ عبارت کی تنگی کے باعث ہے۔ تو پھر وہ کلام جو اس آن میں صادر ہوگی وہ ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہوگی۔ نقطہ کا اطلاق بھی عبارت کی تنگی کے باعث کیا گیا ہے۔ ورنہ وہاں نقطہ بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی وسعت بیچونی اور بیچگونی کی قسم سے ہے اور اس وسعت و تنگی سے جو امکان کی صفات ہیں۔ پاک و منزہ ہیں۔

(5) مومن حق تعالیٰ کو بیچونی اور بیچگونی کے طور پر دیکھیں گے، کیونکہ وہ رویت جو بیچون کے متعلق ہے وہ بھی بیچون ہوگی۔ بلکہ دیکھنے والا بھی بیچونی سے حظ وافر پائے گا۔ تا کہ بیچون کو دیکھ سکے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں) آج اس معما کو اپنے اخص خواص اولیاء پر حل و منکشف کیا ہے۔ یہ مسئلہ پوشیدہ بھی ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے نزدیک تقلیدی۔ اہل سنت و جماعت کے سوا تمام مخالف گروہ کیا مومن کیا کافر اس مسئلہ کے قائل نہیں ہیں اور سب کے سب اہل سنت و جماعت کے سوا حق تعالیٰ کے دیدار کو محال جانتے ہیں۔ مخالفوں کا متشبہد یعنی دلیل حاضر پر غائب کا قیاس ہے۔ جس کا فساد ظاہر ہے۔ سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے بغیر اس قسم کے پوشیدہ مسئلہ پر ایمان کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ بیت

لائق دولت نبود ہر سرے ‏ ‏ ‏ ‏ بار مسیحا نکشد ہر خرے

ترجمہ بیت: لائق دولت نہیں ہر ایک سر ‏ ‏ ‏ ‏ مرکب عیسیٰ نہیں ہر ایک خر

تعجب آتا ہے کہ جو لوگ دولت رویت کا ایمان نہیں رکھتے۔ وہ اس سعادت کو کس طرح حاصل کریں گے کیونکہ منکر کے نصیب مایوسی اور ناامیدی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بہشت میں رہیں اور پھر نہ دیکھیں کیونکہ شرع سے جو کچھ بظاہر مفہوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تمام اہل بہشت کو دیدار کی دولت حاصل ہو گی اور یہ کہیں نہیں آیا کہ بعض اہل بہشت دیکھیں گے اور بعض نہ دیکھیں گے۔ ان لوگوں کے حق میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہی جواب کافی ہے جو انہوں نے فرعون کے سوال میں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرعون کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ٥ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتَابٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی ٥ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَ سَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ٥ (کہا کہ پہلی قرنوں کا کیا حال ہے۔ کہا کہ ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا وہ رب جو نہیں بھولتا جس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا ہے اور تمہارے واسطے راستے بنائے اور آسمانوں سے پانی اتارا) جاننا چاہئے کہ بہشت اور ماسوائے بہشت سب حق تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں، کیونکہ سب اسی کی مخلوق ہیں اور ان میں سے کسی میں حق تعالیٰ کے لیے حلول وتمکین نہیں، لیکن بعض مخلوق کو حق تعالیٰ کے انوار کے ظہور کی لیاقت ہے اور بعض کو نہیں جس طرح کہ آئینہ صورتوں کے ظہور کی لیاقت رکھتا ہے اور پتھر و مٹی یہ قابلیت نہیں رکھتے۔ پس اس بارگاہ جل شانہ کی طرف سے مساوات کی نسبت کے باوجود فرق اسی طرف سے ہے۔ بیت

ایں قاعدہ یاد دار آنجا کہ خداست | نہ جزو کل نہ ظرف نہ مظروف است

ترجمہ بیت: یاد رکھو جس جا وہ خداوند برین ہے
ظرف ومظروف وجزو کل نہیں ہے

دنیا میں رویت واقع نہیں۔ کیونکہ یہ مقام اس دولت کے ظہور کی لیاقت نہیں رکھتا۔ جو شخص دنیا میں رویت کے واقع ہونے کا قائل ہے وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔ اس نے حق تعالیٰ کے غیر کو حق جانا ہے۔ یہ دولت اگر اس جہان میں میسر ہوتی تو دوسروں کی نسبت حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام زیادہ حقدار تھے اور ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ تو اس کا وقوع دنیا میں نہیں ہوا ہے بلکہ بہشت میں گئے ہیں

اور دیکھا ہے جو عالم آخرت میں سے ہے۔ دنیا میں نہیں دیکھا بلکہ دنیا میں دنیا سے نکل کر آخرت کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں اور پھر دیکھا ہے۔

(6) حق تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں اور پہاڑوں اور دریاؤں اور درختوں اور میووں اور کانوں اور نباتات کا پیدا کرنے والا ہے۔ آسمان کو ستاروں کے ساتھ اور زمین کو انسان کے ساتھ آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اگر بسیط ہے تو اسی کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور اگر مرکب ہے تو وہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ غرض اسی نے تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لا کر حادث کیا ہے۔

حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے قدم یعنی ہمیشگی نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی چیز قدیم ہو سکتی ہے۔ تمام اہل ملت ماسوی اللہ کے حدوث پر اجماع رکھتے ہیں اور بالاتفاق حق تعالیٰ کے غیر کو قدیم نہیں جانتے اور جو شخص ان کے قدم کا قائل ہے اس کو گمراہ اور کافر جانتے ہیں۔ امام حجۃ الاسلام نے رسالہ منقذ عن الضلال میں اس بات کی تصریح کی ہے اور ان لوگوں کے لیے جو حق تعالیٰ کے غیر کو بھی قدیم جانتے ہیں کفر کا حکم کیا ہے اور وہ لوگ جو آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدم کے قائل ہیں ان کی تکذیب قرآن مجید میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا ہے پھر عرش پر متمکن ہوا) قرآن مجید میں اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ وہ بہت ہی بیوقوف اور نادان ہے جو اپنی ناقص عقل سے قرآنی نصوص کے برخلاف کرے۔ فَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا۔ اس کے لیے کوئی نور نہیں)

(7) جس طرح بندے حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اسی طرح بندوں کے افعال بھی اس کی مخلوق ہیں کیونکہ اس کے غیر کے لیے خلق و پیدا کرنا لائق نہیں اور ممکن سے ممکن کا وجود ہونا ناممکن ہے، کیونکہ ممکن ناطاقتی اور بے علمی کے ساتھ متصف ہے جو ایجاد و خلق کے لائق نہیں اور جو کچھ بندہ اپنے اختیاری افعال میں دخل رکھتا ہے وہ اس کا کسب ہے جو بندے کی قدرت و ارادہ سے واقع ہوا ہے۔ فعل کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا کسب بندہ کی طرف سے۔ پس بندہ کا فعل اختیار بمعہ بندہ کے کسب کے حق تعالیٰ کی پیدائش ہے اور اگر بندہ

کے فعل میں اس کے کسب و اختیار کا ہرگز دخل نہ ہو۔ تو مرتعش (رعشہ دار و بلا اختیار) کا حکم پیدا کرے گا۔ جو محسوس و مشاہدہ کے برخلاف ہے۔ ہم بداہتہ یعنی صاف طور پر جانتے ہیں کہ مرتعش (بے اختیار) کا فعل اور ہے اور مختار کا فعل اور بندہ کے فعل میں اس کے کسب کو دخل دینے کے لیے اسی قدر فرق کافی ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندہ کے فعل میں بندہ کے قصد کے تابع بنایا ہے۔ بندہ کے قصد کے بعد بندہ میں فعل کا ایجاد فرماتا ہے۔ اسی لیے بندہ مدح و ملامت اور ثواب و عذاب کے لائق ہوتا ہے اور قصد و اختیار جو حق تعالیٰ نے بندہ کو دیا ہے۔ فعل و ترک کی دونوں جہتیں رکھتا ہے اور فعل و ترک کی خوبی و برائی کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر مفصل بیان فرمایا ہے۔ اب اگر بندہ ایک جہت کو اختیار کرے تو وہ ضرور ملامت کے لائق ہوگا یا مدح و تعریف کے قابل اور شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو اسی قدر قدرت و اختیار دیا ہے۔ جس سے اوامر و نواہی کو بجا لا سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کو قدرت کاملہ عطا کی جاتی اور پورا پورا اختیار دیا جاتا۔ جو کچھ اور جس قدر چاہیے تھا دے دیا ہوتا ہے۔ اس کا منکر بداہت و صراحت کا مخالف ہے اور اس کا دل بیمار ہے کہ شریعت کے بجا لانے میں عاجز اور درماندہ ہے کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِكِیْنَ مَاتَدْعُوهُمْ اِلَیْهِ (مشرکوں پر وہ امر جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے بہت بھاری ہے) یہ مسئلہ علم کلام کے پوشیدہ مسائل میں سے ہے۔ اس مسئلہ کا نہایت شرح و بیان یہی ہے۔ جو ان اوراق میں لکھا جا چکا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) جو کچھ اہل حق نے فرمایا ہے اس پر ایمان لانا چاہیے اور بحث و تکرار کو چھوڑ دینا چاہیے۔ بیت

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ؎ کہ جاہا سپر باید انداختن

ترجمہ بیت: ہر ایک جا مناسب نہیں حملہ کرنا

کہ اکثر جگہوں سے مناسب ہے ڈرنا

(8) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام اہل جہان کے لیے سراسر رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور ان بزرگواروں کے ذریعے بندوں کو اپنی جناب پاک کی طرف بلایا ہے اور دارالسلام کی طرف جو اس کی رضا کا مقام ہے، دعوت فرمائی ہے۔ وہ بہت ہی بدبخت ہے جو کریم کی دعوت کو قبول نہ کرے اور اس کی دولت کے دسترخوان

سے فائدہ حاصل نہ کرے۔ ان بزرگواروں نے حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پہنچایا ہے سب سچ اور حق ہے۔ اس کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے۔ عقل اگرچہ حجت ہے، لیکن حجیت میں ناقص حجت کاملہ و بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے جس نے بندوں کے لیے عذر کا کوئی موقع نہیں چھوڑا۔ پیغمبروں میں سے اول حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان میں سے اخیر و خاتم النبوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان لانا چاہئے اور سب کو معصوم یعنی گناہ سے پاک اور راست گو جاننا چاہئے۔ ان بزرگواروں میں سے کسی ایک پر ایمان نہ لانا گویا ان تمام پر ایمان نہ لانا ہے، کیونکہ ان کا کلمہ متفق ہے اور ان کے دین کے اصول واحد ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ تو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہما کے کامل خلفاء میں سے ہیں اور بڑے عالم اور محدث بھی ہیں اپنی کتاب فصول ستہ میں معتبر نقل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام جانیں گے۔

(9) فرشتے حق تعالیٰ کے بزرگ بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی رسالت و تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں اور جس چیز کا ان کو امر ہے بجا لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی سرکشی اور نافرمانی ان کے حق میں مفقود ہے۔ کھانے، پینے، پہننے اور زن و مرد و توالد و تناسل سے پاک ہیں۔ حق تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعے نازل ہوئے ہیں اور انہی کی امانت پر محفوظ و مامون رہے ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا دین کی ضروریات میں سے ہے اور ان کو سچا جاننا اسلام کے واجبات میں سے ہے۔ جمہور اہل حق کے نزدیک خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔ کیونکہ ان کا وصول باوجود عوائق اور موانع کے ہے اور فرشتوں کا قرب بغیر مزاحمت اور ممانعت کے ہے۔ تسبیح و تقدیس اگرچہ قدسیوں کا کام ہے، لیکن جہاد کو اس دولت کے ساتھ جمع کرنا کامل انسانوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى (اللہ تعالیٰ نے مالوں اور جانوں

کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر کئی درجہ فضیلت دی ہے اور ہر ایک کو حسنیٰ یعنی اعلیٰ جزا کا وعدہ دیا ہے)۔

(10) مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر و قیامت اور حشر و نشر اور دوزخ و بہشت کے احوال کی نسبت جو کچھ خبر دی ہے سب سچ ہے۔ آخرت پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے ایمان کی طرح اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔ آخرت کا منکر صانع کا منکر ہے اور قطعی کافر ہے۔

قبر کا عذاب اور اس کی تنگی وغیرہ حق ہے۔ اس کا منکر اگرچہ کافر نہیں، لیکن بدعتی ضرور ہے کیونکہ احادیث مشہورہ کا منکر ہے۔ قبر چونکہ دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس لیے اس کا عذاب بھی ایک لحاظ سے دنیا کے عذاب کے مشابہ ہے۔ جو انقطاع پذیر یعنی ختم ہونے والا ہے اور ایک اعتبار سے عذاب آخرت کی مانند ہے جو عذاب آخرت کی جنس سے ہے۔ اس عذاب کے زیادہ تر مستحق وہ لوگ ہیں جو بول سے پرہیز نہیں کرتے اور نیز وہ لوگ جو لوگوں کی چغلی اور سخن چینی کرتے ہیں۔

(11) قبر میں منکر و نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر میں یہ بڑا بھاری فتنہ اور آزمائش ہے۔ حق تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔ آمین

قیامت کا دن حق ہے اور ضرور آنیوالا ہے۔ اس دن آسمان پارہ پارہ ہو جائیں گے، ستارے گر جائیں گے، زمین و پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیست و نابود و معدوم ہو جائیں گے جیسے کہ نصوص قرآنی ظاہر کرتی ہیں اور تمام اسلامی گروہوں کا اجتماع اس پر منعقد ہے اس کا منکر کافر ہے۔ اگرچہ مقدمات موہومہ سے اپنے کفر کی تشویل کرے اور نادانوں کو راستہ سے بہکائے۔ اس دن قبروں سے اٹھانا اور بوسیدہ ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے اور اعمال کا حساب ہونا اور میزان کا رکھا جانا اور اعمال ناموں کا اڑ کر آنا اور نیکوں کو دائیں ہاتھ میں اور بروں کو بائیں ہاتھ میں اعمال ناموں کا ملنا سب حق ہے اور پل صراط جو پشت دوزخ پر رکھی جائے گی اور وہاں سے گزر کر بہشتی بہشت میں جائیں گے اور دوزخی اس سے پھسل کر دوزخ میں گر جائیں گے۔ حق ہے۔ یہ سب امور ہونے والے ہیں۔ مخبر صادق نے ان کے واقع ہونے کی نسبت خبر دی ہے ان کو بے توقف قبول کر لینا چاہیے اور وہمی باتوں سے شک و تردید نہ کرنی چاہیے اور مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ (جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو) نص قطعی ہے۔ قیامت کے

دن نیکوں کی شفاعت بروں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حق ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ شِفَاعَتِیْ لِاَ هْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ یعنی میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ دوزخ کا عذاب اور جنت کا عیش و آرام حق ہے۔ حساب کے بعد کافر ہمیشہ کے لیے دوزخ کے عذاب میں رہیں گے اور مومن ہمیشہ کے لیے جنت کے عیش و آرام میں رہیں گے۔

مومن فاسق اگرچہ اپنے گناہوں کی شامت سے کچھ مدت کے لیے دوزخ میں جائے گا۔ اور گناہوں کے موافق عذاب پائے گا، لیکن دوزخ میں ہمیشہ رہنا اس کے حق میں مفقود ہے جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو گا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ اس کے کام کا انجام رحمت پر اور اس کا مقام جنت میں ہو گا۔

ایمان و کفر کا مدار خاتمہ پر ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام عمر ان دونوں صفتوں میں سے ایک کے ساتھ متصف رہتا ہے اور آخر کار اس کی ضد سے بدل جاتا ہے۔ اِنَّمَا الْعِبْرَةُ لِلْخَوَاتِیْمِ (اعتبار خاتمہ پر ہے) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے)۔

(12) ایمان سے مراد ہے تصدیق قلبی ان امور کے متعلق جو دین کی ضرورت اور تواتر کے طور پر ثابت ہو چکے ہیں اور زبانی اقرار بھی ان امور کے ساتھ ضروری ہے جیسے کہ صانع کے وجود اور اس کی توحید پر ایمان لانا اور ایمان لانا کہ آسمانی کتابیں اور صحیفے حق ہیں اور انبیاء کرام اور ملائکہ عظام پر ایمان لانا اور آخرت پر ایمان لانا جس میں اجساد کا حشر ہو گا۔ دوزخ و بہشت کا دائمی عذاب و آرام ہو گا۔ آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے گر جائیں گے، زمین و پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ایسے ہی ایمان لانا کہ پنج وقتی نماز اور ان میں رکعتوں کی تعداد اور مال کی زکوٰۃ اور رمضان کے روزے اور راستہ کی توفیق حاصل ہونے پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے اور ایمان لانا کہ شراب کا پینا ناحق قتل کرنا، ماں باپ کی نافرمانی، چوری، زنا، یتیم کا مال کھانا، سود کا مال کھانا وغیرہ حرام ہیں۔ جو دین کی ضروریات میں سے ہیں، اور تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

(13) مومن گناہ کبیرہ کے کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کافر نہیں ہوتا۔ کبیرہ کو حلال جاننا کفر ہے اور اس کا کرنا فسق ہے۔

اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہیے یعنی اپنے ایمان کے ثبوت و تحقیق کا اقرار کرنا چاہیے اور کلمہ استثناء یعنی انشاء اللہ اس کے ساتھ نہ ملانا چاہیے۔ کیونکہ اس میں بھی شک پایا جاتا ہے اور ایمان کے ثبوت کے ساتھ منافات رکھتا ہے۔ اگر چہ استثناء کو خاتمہ کی طرف راجع کرتے ہیں جو مبہم ہے، لیکن ثبوت حالی کے شبہ سے بھی خالی نہیں پس احتیاط شک و شبہ کے ترک میں ہے۔

(14) حضرت خلفاء اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے کیونکہ تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں سے افضل حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ افضلیت کی وجہ جو کچھ اس فقیر نے سمجھی ہے وہ فضائل و مناقب کی کثرت نہیں ہے بلکہ ایمان میں سب سے سابق ہونا اور دین کی تائید اور مذہب کی ترقی کے لیے سب سے زیادہ مال و جان کو خرچ کرنا ہے۔ کیونکہ سابق گویا دین کے امر میں لاحق کا استاد ہے اور لاحق جو کچھ پاتا ہے سابق کی دولت سے پاتا ہے۔ یہ تینوں کامل صفتیں حضرت صدیق ہی میں منحصر ہیں اور یہ دولت اس امت میں ان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض موت میں فرمایا کہ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَىَّ فِىْ نَفْسِهٖ وَ مَا لِهٖ مِنْ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ اَبِىْ قُحَافَةَ وَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ خُلَّةُ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ سُدُّوْا عَنِّىْ كُلَّ خَوْخَةٍ فِىْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ اَبِىْ بَكْرٍ (لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس نے مجھ پر ابوبکر بن ابو قحافہ سے بڑھ کر مال و جان میں احسان کیا ہو۔ اگر میں کسی کو دوست بنانا چاہتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلامی دوستی افضل ہے۔ اس مسجد میں ابوبکر کے دریچہ کے سوا اور جتنے دریچے ہیں سب کو میری طرف سے بند کر دو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِىْ اِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ صَدَقْتَ وَ اٰسَانِىْ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِكُوْنَ لِىْ صَحَابِىْ (اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری ہمدردی اور غمخواری کی۔ کیا تم میرے لیے میرا دوست نہیں چھوڑتے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ہے۔ لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ابن خطاب ہوتا) حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر اس امت میں سب سے افضل ہیں۔ جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔

حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و ہوس اور حب جاہ و ریاست اور طلب رفعت و منزلت سے دور سمجھنا چاہئے، کیونکہ یہ نفس امارہ کی رذیلہ اور کمینہ خصلتیں ہیں اور ان کے نفس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں پاک وصاف ہو چکے تھے۔ البتہ اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ ان لڑائی جھگڑوں میں جو حضرت امیر کی خلافت میں واقع ہوئے تھے۔ حق حضرت امیر کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے، لیکن یہ خطا خطاء اجتہادی کی طرح طعن و ملامت سے دور ہے۔ پھر فسق کی طرف منسوب کرنے کی کیا مجال ہے کیونکہ صحابہ سب کے سب عدول ہیں اور سب کی روایات مقبول ہیں۔ حضرت امیر کے موافقوں اور مخالفوں کی روایات صدق وثوق میں برابر ہیں اور لڑائی جھگڑے کے باعث کسی پر جرح نہیں ہوئی۔ پس سب کو دوست جاننا چاہئے، کیونکہ ان کی دوستی حضرت پیغمبر علیہ السلام کی دوستی کا نتیجہ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ (جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا) اور ان کی بغض و دشمنی سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا بغض آنحضرت ﷺ کا بغض ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ (جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا اس نے گویا میرے بغض کے باعث ان کے ساتھ بغض رکھا) ان بزرگواروں کی تعظیم و توقیر میں حضرت خیر البشر کی تعظیم و توقیر ہے اور ان کی بیقدری میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بے قدری ہے غرض حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم کے باعث سب کی تعظیم و توقیر بجالانی چاہئے۔ شیخ شبلی نے فرمایا ہے مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلٍ مَنْ لَمْ يُوَقِّرْ اَصْحَابَهٗ (جس نے اصحاب کی عزت نہ کی وہ رسول کے ساتھ ایمان نہیں لایا)۔

اعتقاد کے درست کرنے کے بعد اعمال کا بجالانا بھی ضروری ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ

میں فنا حاصل ہو جاتی ہے جس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں جو اس راہ میں پہلا زینہ ہے۔ یہی فنا فی الشیخ پھر فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ جس پر بقا باللہ مترتب ہے جس سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔ غرض اگر ابتدا میں کسی کے وسیلہ کے بغیر محبوب حقیقی کا جذب وانجذاب میسر ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے اسی سے فنا و بقا حاصل ہوتی ہے ورنہ شیخ کامل مکمل کا وسیلہ ضروری ہے یعنی اپنی مرادوں کو اس کی مراد کے تابع کر دے اور اس میں فانی ہو جائے تا کہ یہ فنا، فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جائے اور ماسوا کے تعلقات سے بالکل آزاد کر کے درجات ولایت تک پہنچا دے۔

بر شکر غلطید اے صفرائیاں — از برائے کورئے سودائیاں

ترجمہ: گر پڑو شکر پہ تم صفرائیو
کور سودائی ہیں سارے پل پڑو

اس قسم کی باتیں طالبوں اور ابوالہوسوں کی ترغیب اور شوق دلانے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ.

باقی مطلب یہ ہے کہ اس خط کا لانے والا محمد قاسم بزرگ زادہ ہے اور فقراء کی خدمت میں رہا ہے۔ چونکہ اپنے بڑے بھائی کی خدمت میں بڑی ناز و نعمت سے پرورش یافتہ ہے۔ اس لیے زمانہ کی محنتوں سے ناآشنا ہے۔ اب آپ کی ملازمت کا شوق رکھتا ہے۔ اگر اپنی سرکار کے ملازموں میں داخل کر کے اس کے حال پر توجہ و التفات فرمائیں۔ آپ کے کرم سے بعید نہیں زیادہ لکھنا باعث تکلیف ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۷۹

ایک رسالہ کے جواب میں جو کفر حقیقی سے منہ پھیرنے اور اسلام حقیقی کی طرف آنے کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

رسالہ جو آپ نے لکھا کہ مولانا عبدالحیٔ کے حوالہ کیا تھا تا کہ دکھائے اس نے اتنی مدت نہ دکھایا حتیٰ کہ جس دن مولانا بابو روانہ ہوئے اس دن رسالہ کو لا کر حاضر کیا۔ اس کا مطالعہ کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ کیونکہ کفر کی طرف سے منہ پھیرنے اور اسلام حقیقی کی طرف آنے کا

اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے عفو و مغفرت طلب کریں۔ سو بار کلمہ استغفار دلی توجہ کے ساتھ زبان پر لائیں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ دیگر یعنی عصر کے ادا کرنے کے بعد بھی کلمہ استغفار سو بار پڑھا کریں اور خواہ وضو ہو یا نہ ہو اس کلمہ استغفار کے ورد کو ترک نہ کریں۔ حدیث میں آیا ہے طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِیْ صَحِيْفَةِ اسْتِغْفَارٌ كَثِيْرٌ (مبارک ہے وہ شخص جس کے عمل نامہ میں بہت استغفار ہو) نماز چاشت بھی اگر ادا کی جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت نماز چاشت ہمیشہ کے لیے ادا ہو سکیں۔ نماز چاشت کی اکثر رکعتیں تہجد کی طرح بارہ رکعتیں ہیں اور وقت و حال کے موافق جتنی ادا ہو سکیں غنیمت ہے۔ کوشش کریں کہ ہر فرضی نماز کے ادا کرنے کے بعد آیت الکرسی پڑھی جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی ہر فرضی نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اس کو موت کے سوا بہشت میں داخل ہونے سے کوئی چیز نہیں روکتی۔ نیز پنجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ کلمہ تنزیہ سبحان اللہ اور تینتیس بار کلمہ تحمید الحمد للہ اور تینتیس بار کلمہ تکبیر اللہ اکبر کہیں اور ایک بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ کہیں تاکہ سو کی تعداد پوری ہو جائے نیز ہر دن اور ہر رات کو سو بار سبحان اللہ و بحمدہ کہیں کہ اس کا بہت ثواب ہے۔ نیز صبح کے وقت ایک دفعہ یہ پڑھیں۔ اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ لِیْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ (یا اللہ آج صبح کو جو نعمت مجھے یا تیری خلقت میں سے کسی کو پہنچی ہے۔ وہ تیری ہی طرف سے ہے تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں پس تیرے ہی لیے حمد ہے اور تیرے ہی لیے شکر ہے) اور شام کے وقت اَللّٰهُمَّ اَصْبَحَ کے بجائے اَللّٰهُمَّ اَمْسٰی کہیں اور تمام کریں۔ حدیث نبوی میں آیا ہے ہے جو کوئی اس دعا کو دن میں پڑھے گا اس دن کا شکر ادا ہو جائے گا اور جو کوئی رات کو پڑھے گا اس رات کا شکر ادا ہو جائے گا اور ورد کے لیے ضروری نہیں کہ طہارت و وضو کے ساتھ پڑھیں بلکہ رات اور دن کے اس ورد کو جس وقت چاہیں بجالائیں۔

مال کی زکوۃ دینا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے۔ رغبت و سنت سے زکوۃ کے مصارف میں پہنچانی چاہیے۔ جب منعم حقیقی جل شانہ نے فرمایا ہے کہ میرے عطیہ اور انعام

کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ فقرا و مساکین کو دیں اور میں تم کو اس کے عوض بڑا اجر اور اچھی جزا دوں گا تو پھر وہ شخص بہت ہی بے انصاف اور سرکش ہوگا جو اس تھوڑے سے حصہ کے ادا کرنے میں توقف کرے اور اس کے دینے میں بخل اختیار کرے اس قسم کے توقف جو شرعی احکام کے بجالانے میں ظاہر ہوتے ہیں ان کا باعث دلی بیماری ہے یا آسمانی منزلہ احکام کے ساتھ یقین نہ کرنا صرف کلمہ شہادت کا کہنا ہی کافی نہیں۔ منافق بھی اس کلمہ کو کہتے تھے۔ دلی یقین کی علامت رضا و رغبت سے احکام شرعی کا بجالانا ہے۔ ایک جیتل جو زکوٰۃ کے ادا کرنے کی نیت پر کسی فقیر کو دیں ان لاکھ جیتل کے خرچ کرنے سے بہتر ہے جو اس نیت کے بغیر دیں، کیونکہ اس کا دینا فرض ہے اور اس کا دینا نفل۔ فرض کے مقابلہ میں نفل کسی گنتی میں نہیں ہے۔ کاش کہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے مگر نہیں یہ شیطان لعین کے مکروفریب ہیں کہ لوگوں کو فرائض سے ہٹا کر نوافل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور زکوٰۃ سے روک رکھتا ہے۔ ماہ مبارک رمضان کے روزے بھی اسلام کے واجبات اور دین کی ضروریات میں سے ہیں۔ ان کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرنی چاہئے اور بیہودہ عذروں سے روزہ ترک نہ کرنا چاہئے۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے اور اگر بیماری یا کسی اور ضروری مانع کے باعث روزہ قضا ہو جائے تو بلاتوقف اس کی قضا ادا کرنی چاہئے اور سستی اور غفلت سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ انسان اپنے مولیٰ کا بندہ اور غلام ہے۔ خود مختار نہیں ہے۔ اس کو اپنے مولیٰ کے اوامر و نواہی کے بموجب زندگانی بسر کرنی چاہئے تا کہ نجات کی امید ہو سکے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو بندہ سرکش ہوگا۔ جس کی سزا طرح طرح کے عذاب ہیں اسلام کا پانچواں رکن بیت اللہ کا حج ہے۔ اس کی بہت سی شرطیں ہیں۔ جو کتب فقہ میں مفصل طور پر درج ہیں۔ شرطوں کے موجود ہونے پر اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ حج پہلے تمام گناہوں کو گرا دیتا ہے۔ غرض شرعی حل و حرمت میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے اور جس چیز سے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روکا ہے اس سے اپنے آپ کو روکنا چاہئے اور شرعی حدود کی محافظت کرنی چاہئے۔ اگر سلامتی اور نجات مطلوب ہے۔ یہ خواب خرگوش کب تک ہوگی اور غفلت کی روئی کب تک کانوں میں پڑی رہے گی۔ آخر ایک دن اس نیند سے جگا دیں گے اور غفلت کی روئی کانوں

سے نکال ڈالیں گے۔ اس وقت ندامت وحسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور خجالت وخسارت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ موت نزدیک ہے اور آخرت کے طرح طرح کے عذاب تیار اور آمادہ ہیں۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَ قِيَامَةُ (جو مر گیا اس کی قیامت آ گئی) پیشتر اس کے کہ آپ کو بیدار کریں (اور اس وقت کا جاگنا کچھ فائدہ نہ دے گا) بیدار ہو جائیے اور شروع کے اوامر ونواہی کے موافق عمل کریں اور آخرت کے طرح طرح کے عذابوں سے اپنے آپ کو بچائیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (یعنی اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) عقائد کے درست کرنے اور شریعت حقہ کے مطابق اعمال صالحہ کے بجا لانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ سے آباد رکھنا چاہیئے اور اس کی یاد سے فارغ وغافل نہ ہونا چاہیئے۔ ظاہر کو اگر خلق کے ساتھ مشغول رکھیں تو چاہیئے کہ باطن حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو اور اس کی یاد سے لذت پانی چاہیئے۔ ہمارے حضرات خواجگان قدس سرہم کے طریقہ میں مبتدی کو یہ دولت شیخ کامل مکمل کی صحبت میں پہلے ہی قدم میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حاصل ہو جاتی ہے۔ امید ہے کہ آپ کو بھی اس بات کا یقین حاصل ہوا ہوگا۔ بلکہ کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہوگا۔ غرض جو کچھ آپ کو حاصل ہے اس کو حفاظت سے رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں اور زیادتی کے امیدوار رہیں۔ چونکہ حضرات نقشبندیہ قدس سرہم کے طریقہ میں اندراج نہایت در بدایت (ابتدا میں انتہا درج) ہے۔ اس لیے اس طریق میں تھوڑا بھی بہت ہے کیونکہ ابتدا میں انتہا کی خبر مل جاتی ہے، لیکن مبتدی کے لیے ضروری ہے کہ خواہ اس کو بہت کچھ حاصل ہو اس کی نظر میں تھوڑا ہی دکھائی دے، لیکن اس کے شکر سے غافل نہ رہے۔ اس کا بھی شکر ادا کرے اور زیادتی کا بھی طالب رہے۔ ذکر قلبی سے اصلی مقصود یہ ہے کہ ماسوائے حق کی گرفتاری اور تعلق جو دلی بیماری ہے۔ دل سے دور ہو جائے جب تک یہ گرفتاری دور نہ ہو ایمان کی حقیقت کا پتہ نہیں لگتا اور شریعت کے اوامر ونواہی کے ادا کرنے میں سہولت وآسانی حاصل نہیں ہوتی۔ بیت

ذکر گو ذکر تا ترا جان است   پاکیے دل ز ذکر رحمان است

ترجمہ بیت   ذکر کر ذکر جب تلک جان ہے

دل کی پاکی یہی ذکر رحمان ہے

کھانا کھانے میں چاہئے کہ نفس کی لذت مطلوب نہ ہو۔ بلکہ عبادت کی قوت و طاقت کی نیت سے کھانا کھائیں۔ اگر ابتدا میں یہ نیت حاصل نہ ہو تو تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں اور التجا و تضرع کریں کہ یہ نیت حاصل ہو جائے۔ اسی طرح کپڑا پہننے میں بھی عبادت و نماز کے ادا کرنے کے لیے زینت و زیبائش کی نیت ہونی چاہئے۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (ہر نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرو) قیمتی اور عمدہ کپڑوں کے پہننے سے مقصود خلق کا نمود اور ریا نہ ہونا چاہئے کہ یہ منع ہے۔ اسی طرح کوشش کرنی چاہئے کہ تمام افعال و حرکات و سکنات میں اپنے مولا جل شانہ کی رضامندی منظور ہو اور شریعت کے موافق عمل کیا جائے۔ اس وقت ظاہر و باطن دونوں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ اور اس کی یاد میں ہونگے۔ مثلاً خواب یعنی نیند جو سراسر غفلت ہے۔ جب اس نیت سے کی جائے کہ طاعت و عبادت کے ادا کرنے میں سستی دور ہو تو اس نیت پر سونا بھی عبادت ہے اور جب تک سوتے رہیں طاعت و عبادت ہی میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ یہ سونا بھی طاعت کے ادا کرنے کی نیت پر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ (علماء کا سونا بھی عبادت ہے) اگرچہ فقیر جانتا ہے کہ آج آپ کو اس بات کا حاصل ہونا مشکل ہے کیونکہ موانع کا ہجوم ہے اور رسوم و عادات غالب ہیں۔ جو ننگ و ناموس کے لیے ضروری ہیں۔ یہ سب امور شریعت کے مخالف ہیں کیونکہ شریعت رسوم و عادات کے رفع کرنے اور اس ننگ و ناموس کے رفع کرنے کے لیے جو نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتے ہیں۔ وارد ہوئی ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر قلبی پر ہمیشگی کریں گے اور پنج وقتی نماز کو پوری شرائط کے ساتھ ادا کریں گے اور شرعی حل و حرمت میں حتی المقدور احتیاط کریں گے تو امید ہے کہ اس امر کا جمال ظاہر ہو جائے گا اور آپ خود بخود اس طرف راغب ہو جائیں گے۔ دوسری وجہ اس قسم کی نصیحتوں کے لکھنے سے یہ ہے کہ اگر ان نصیحتوں کے موافق عمل نہ ہو سکے تو اپنے قصور و نقص کا اقرار ہی حاصل ہوگا اور یہ بھی بڑی دولت ہے۔ بیت

ہر کس کی بیافت دولتے یافت عظیم　　وآنکس نیافت درد نایافت بس است

ترجمہ بیت　　جس نے پایا اس کو گویا مل گئی دولت عظیم
اور جس نے کچھ نہ پایا پالیا درد الیم

اس شخص سے اللہ کی پناہ جو نہ پائے اور اپنے نہ پانے سے رنجیدہ نہ ہو اور کچھ نہ کرے اور اپنے نہ کرنے سے پشیمان نہ ہو۔ ایسا شخص جاہل سرکش ہی ہے۔ جس نے بندگی کی رسی سے اپنے سر کو اور غلامی کی قید سے اپنے پاؤں کو نکال لیا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) اگرچہ وقت و حال اور زمان و مکان اس امر کا تقاضا نہیں کرتا تھا کہ کچھ لکھا جائے، لیکن جب آپ کا کمال رغبت و شوق دیکھا اس لیے تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس امر پر لا کر چند سطریں لکھ کر کمال الدین حسین کے حوالہ کی ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو اس کے مطابق عمل عطا فرمائے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۱۸

ماسوا سے بے تعلق ہونے اور طالبان حق کی صحبت پر ترغیب دینے کے بیان میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ دَائِمًا عَلٰی کُلِّ حَالٍ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (رنج و خوشی میں ہر حال میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے) آپ کا صحیفہ شریفہ معہ ہدیہ کے جو سلیمان کے ہمراہ ارسال کیا تھا۔ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے آپ نے لکھا تھا کہ اس سفر سے مقصود بعض ان مقاصد کا حاصل ہونا تھا۔ جن کا حاصل ہونا مشکل تھا۔ آپ امیدوار ہیں۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ط (کیونکہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے بیشک تنگی کے ساتھ آسانی ہے) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ لَنْ یَّغْلِبَ عُسْرٌ یُسْرَیْنِ (دو آسانیوں پر ایک تنگی کبھی غالب نہیں آ سکتی)۔ فقیر اپنے احوال پر ملال کو کیا لکھے اور کیا دوستوں کو بے مزہ کرے تاہم اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ عین بلا میں عافیت حاصل ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الضِّدَّیْنِ وَ قَرَنَ بَیْنَ الْمُتَنَافِیَیْنِ (پاک ہے وہ ذات جس نے دو ضدوں کو جمع کر دیا اور دو مخالف چیزوں کو ملا دیا) ایک دن فقیر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ یہ آیت آئی۔ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَ مَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط

وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، کنبہ اور وہ مال جو تم نے جمع کیے ہیں اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی نسبت تم کو عزیز ہیں۔ تو پھر منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا) اس آیت کریمہ کے پڑھنے سے بہت گریہ اور خوف غالب آیا۔ اسی اثناء میں اپنے حال کا مطالعہ کیا۔ دیکھا کہ ان تعلقات میں سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگر سب کے سب تلف و ناچیز ہو جائیں تو کوئی ایسا امر پسند نہ کرے گا جس کا کرنا شریعت میں برا معلوم ہو اور ان امور کو اس امر پر اختیار نہ کرے گا باقی التماس یہ ہے کہ جب یار ہمارے ساتھ خدا کے لیے صحبت رکھتے ہیں تو ہمیں بھی چاہئے کہ ان کو آزردہ نہ کریں بلکہ ناز کے ساتھ رکھیں اور ان کے ظاہری باطنی احوال کی خبر رکھیں۔ حدیث قدسی مشہور ہے یَا دَاوٗدُ اِذَا رَئَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا (اے داؤد جب تو کوئی میرا طالب دیکھے تو اس کی خدمت کر) ان کے حال پر پہلے کی نسبت زیادہ توجہ رکھیں اور لاپروائی اور تغافل کو دور کریں اور لکھیں کہ اقربیت والا مکتوب آپ کی سمجھ میں آیا ہے یا نہیں۔ اگر سمجھ میں آ گیا ہو تو بہتر ورنہ شک و تردد کے مقامات کو تشخیص کر کے لکھیں۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و عافیت اور ثبات و استقامت عطا کرے اور زیادہ زیادہ توفیق بخشے اور آپ کا خاتمہ نیک کرے۔ والسلام

مکتوب ۱۹

حق تعالیٰ کی قضا پر صبر و رضا کے بیان میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ فِی الْعَافِیَةِ وَالْبَلَاءِ (رنج و خوشی اور عافیت و بلا میں اللہ رب العالمین کی حمد) اس حکیم جل شانہ کا کوئی کام حکمت و بہتری سے خالی نہیں ہوتا جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس میں سراسر صلاح و بہتری ہوتی ہے۔ عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (قریب ہے کہ تم کسی شے کو برا جانو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو اور کسی شے کو تم اچھا جانو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ یہ بات اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے) پس

آپ اس کی بلا پر صبر کریں۔ اس کی قضا پر راضی رہیں۔ اس کی طاعت پر ثابت قدم رہیں اوراس کی نافرمانی سے بچیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ (جو مصیبت تم کو پہنچی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اور بہت کو معاف کرتا ہے) پس اپنے افعال سے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ واستغفار کریں اوراس سے عفو وعافیت طلب کریں۔ فَاِنَّہٗ تَعَالٰی عَفُوٌّ یُحِبُّ الْعُفُوَّ (کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا ہے اور عفور کو دوست رکھتا ہے اور جہاں تک ہو سکے بلا سے بچیں کیونکہ اس مصیبت سے جو طاقت سے بڑھ کر ہو بھاگنا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور ہم عین بلا میں عافیت کے ساتھ ہیں۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اوراس کا احسان ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سائر مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی (آپ پر اوران تمام لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا سلام ہو)۔

مکتوب ۲۰

ہمت کی بلندی اور تمام نعمتوں کے وصول کو اپنے پیر کی طرف راجع کرنے کے بیان میں مولانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اوراس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادرم شیخ امان اللہ کا مکتوب پہنچا۔ آپ نے اپنے احوال ومواجید کی نسبت جو کچھ لکھا تھا سب واضح ہوا۔ آپ سے ان امور کی زیادہ امید ہے جو کچھ عطا فرمائیں۔ منت وادب سے قبول کرنا چاہئے اور تضرع وزاری والتجا وانکسار سے ھل من مزید کہتے ہوئے زیادتی اور مقام فوق کا سوال کرنا چاہئے اور احکام شرعیہ کے بجالانے میں بڑی رعایت وکوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ احوال کے صادق ہونے کی علامت شریعت کی استقامت ہے۔ اس واقعہ کی تعبیر جو آپ نے عالم مثال سے لکھا تھا معاملہ کے نزدیک ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) چونکہ آپ صحبت میں بہت رہے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کی نظر بلند ہے۔ بچوں کی طرح جوز ومویز پر فریفتہ نہیں ہوتے۔ اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ (اللہ تعالیٰ بلند ہمتوں کو دوست رکھتا ہے) برادر حافظ

مہدی علی کی نسبت حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا واقعہ جو آپ نے لکھا تھا۔ ہاں حافظ ہمارے طریق کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے، لیکن اس قدر جاننا ضروری ہے کہ دولت اگرچہ بظاہر کسی جگہ سے پہنچے۔ درحقیقت اس کو اپنے شیخ کی طرف منسوب کرنا چاہئے تاکہ توجہ کا قبلہ پراگندہ نہ ہو اور کارخانہ میں خلل نہ پڑے اور جس جگہ سے کوئی فیض پہنچے۔ اس کو اپنے پیر ہی سے جاننا چاہئے کیونکہ وہ ہر صورت میں جامع ہے اور جو تربیت ظاہر ہوتی ہے درحقیقت اسی کی طرف سے ہے۔ اس مقام پر اکثر طالبوں کے قدم پھسل جاتے ہیں اس مقام سے بخوبی واقف ہونا چاہئے تاکہ دشمن لعین موقع پاکر پراگندہ نہ کرے۔ آپ نے سنا ہی ہوگا ہر کہ یک جاست ہمہ جاست و ہر کہ ہمہ جاست ہیچ جانیست۔ یعنی جو ایک جگہ ہے وہ سب جگہ ہے اور جو سب جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں۔ حافظ کو دعا پہنچائیں۔ والسلام

مکتوب ۲۱

بعض ان سوالوں کے جواب میں جو ضمیروں کے ساتھ حق تعالیٰ کے مشار الیہ ہونے اور زاہدوں کی فضیلت اور حق تعالیٰ کی اپنی ذات کے علم کی کیفیت میں کیے گئے تھے۔ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ نے پوچھا تھا کہ جب ظلی اشیاء اپنی ماہیت سے اشیاء نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے اصل کی ماہیت سے قائم ہیں تو چاہئے کہ اشیاء کا مشار' الیہ لفظ ھُوَ اَنْتَ وَ اَنَا سے وہی اصل ہو۔ اس وقت بعض ان صفات کا جو اس اصل کے نامناسب ہیں۔ ضمیروں پر حمل کرنا کس طرح صادق آتا ہے۔ جیسے کہ اَنَا اٰکِلٌ وَاَنَا نَائِمٌ۔ جاننا چاہئے کہ ظل درحقیقت اگرچہ اپنی اصل سے قائم ہے، لیکن اس ظلیت کا ثبوت خواہ مرتبہ حس وخیال ہی میں ہو۔ ہمیشہ قائم ہے اور اس کی ظلیت کے احکام کے لیے دوام دبقا ثابت ہے وَ خُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ اس امر پر گواہ ہے۔ ظلیت کے اعتبار سے ان صفات کا ضمیروں پر حمل کرنا جائز ہے کیونکہ وجود کے ہر مرتبہ کا حکم جدا ہے اور جو کچھ خدا میں گم ہے خدا نہیں ہے۔ دوسرے آپ نے اس حدیث قدسی کے معنے پوچھے تھے۔ جو زاہدوں کی فضیلت میں وارد ہوئی ہے۔ اس حدیث کے لفظی معنے ظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کچھ دور نہیں کہ بعض لوگوں کو اس قسم کے فضائل اور خصائص و

کرامات کے ساتھ مخصوص کرے اور ایسے ایسے درجات و مراتب عطا فرمائے کہ دوسرے لوگ رشک کریں اور ان کی گنتی میں جو آپ کا تردد تھا کوئی تردد کا مقام نہیں۔ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں سے بہت سارے لوگ بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بے حساب جنت میں جائیں گے۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اَلَّذِیْنَ لَا یَکْتَوُوْنَ وَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ وَ عَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (وہ لوگ ہیں جو نہ داغ دیتے ہیں اور نہ افسون پڑھتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں) اس مقام میں سر عظیم ہے جس کا ظاہر کرنا مصلحت سے دور ہے، کیونکہ اکثر لوگوں کے فہم سے بعید ہے۔ اگر ملاقات کا موقع ملا تو یاد دلانا روبرو کچھ اس کا بیان کیا جائے گا۔ اس سر کا تھوڑا سا حال دفتر دوم کے مکتوبات میں سے کسی مکتوب میں درج ہو چکا ہے۔ اگر مل سکے تو وہاں سے دیکھ لیں آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ حق تعالیٰ کا علم اپنی ذات کی کنہ کو محیط ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو حق تعالیٰ کا متناہی اور محدود ہونا لازم آئے گا۔ جاننا چاہئے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک حصولی، دوسری حضوری، محال ہے کہ علم حصولی حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ کے متعلق ہو کیونکہ اس سے احاطہ اور تناہی لازم آتی ہے، لیکن جائز ہے کہ حق تعالیٰ کا علم حضوری حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ کے متعلق ہو اور کوئی تناہی لازم نہ آئے۔ والسلام

مکتوب ۲۲

اس بیان میں کہ مشرکوں کی نجات سے مراد ان کا باطنی خبث اور ان کی بد اعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا۔ ملا مقصود علی تبریزی کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) میرے مشفق مخدوم، نہیں معلوم، تفسیر حسینی کے بھیجنے سے آپ کا مقصود کیا تھا۔ تفسیر والا آیت کریمہ ائمہ حنفیہ کے موافق بیان کرتا ہے اور نجاست سے شرک اور خبث باطن اور بد اعتقادی مراد رکھتا ہے اور یہ جو بعد ازاں اس نے کہا ہے کہ یہ لوگ نجاسات سے پرہیز نہیں کرتے۔ یہ بات آج کل اکثر اہل اسلام میں بھی موجود ہے اور اس باعث سے عام اہل ایمانوں اور کافروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ اگر نجاست سے پرہیز نہ کرنا ہی

آدمی کی نجاست کا سبب ہے تو پھر معاملہ تنگ ہے۔

وَلاَ حَرَجَ فِي الْاِسْلاَمِ (اسلام میں کوئی تنگی نہیں) اور یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ مشرک کتوں کی طرح نجس العین ہیں۔ اس قسم کی شاذ و نادر نقلیں دین کے بزرگواروں سے بہت آئی ہیں، لیکن یہ سب تاویل اور توجیہ پر محمول ہیں۔ یہ لوگ کس طرح نجس العین ہو سکتے ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ نے یہودی کے گھر سے کھانا کھایا ہے اور مشرک کے برتن سے وضو کیا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کیا ہے اور اگر کہیں کہ ہوسکتا ہے کہ آیت کریمہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" (مشرک نجس ہیں) ان روایتوں سے متاخر ہو اور ان کی ناسخ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ صرف تواند بود (ہوسکتا ہے) کافی نہیں اس کے متاخر ہونے کو ثابت کرنا چاہیئے تا کہ نسخ کا دعویٰ صحیح ہو۔ فَاِنَّ النَّهَمَ مِنْ وَرَاءِ الْمَنْعِ (کیونکہ خصم یعنی مناظر بے دلیل نہیں مانتا) اور اگر اس آیت کا متاخر ہونا تسلیم بھی کر لیں تو بھی حرمت کی مثبت نہیں جب کہ مراد نجاست سے خبث باطن ہے، کیونکہ منقول ہے کہ کوئی پیغمبر کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا جس کا انجام اس کی شریعت میں یا کسی دوسرے نبی کی شریعت میں حرمت تک پہنچا ہو اور اخیر میں حرام ہو گیا ہو اگر چہ وہ امر ارتکاب کے وقت مباح ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً شراب جو پہلے مباح تھا اور پھر حرام ہوا۔ اس کو کسی پیغمبر نے نہیں پیا۔ اگر مشرکوں کا انجام کار ظاہری نجاست پر قرار پاتا اور کتوں کی طرح نجس عین ہوتے تو آنحضرت ﷺ جو محبوب رب العالمین ہیں ہرگز ان کے برتنوں کو ہاتھ نہ لگاتے چہ جائیکہ ان کا آب و طعام پیتے کھاتے۔

نیز نجس العین ہر وقت نجس عین ہے۔ پہلی اور پچھلی اباحت کی اس میں گنجائش نہیں۔ اگر مشرک نجس عین ہوتے تو چاہیئے تھا کہ ابتدا ہی سے ایسے ہوتے اور آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ اول ہی سے ان کے اندازہ کے موافق معاملہ فرماتے۔ وَاِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ (جب ایسا نہیں تو ویسا بھی نہیں) نیز حرج و تنگی دین میں دور ہو چکی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان کی نجاست کے حکم کرنے اور ان کو نجس عین جاننے میں مسلمانوں پر کس قدر تنگی آئے گی اور کس قدر رنج و تکلیف میں پڑیں گے۔ آئمہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ممنون احسان ہونا چاہیئے۔ جنہوں نے مسلمانوں کے لیے مخلصی پیدا کر دی ہے اور حرام کے ارتکاب سے بچا دیا ہے۔ نہ یہ کہ ان پر

طعن لگائیں اوران کے ہنر کو عیب خیال کریں۔ مجتہد پر اعتراض کی مجال ہی کیا ہے۔ جب کہ اس کو خطا پر بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے اوراس کی تقلید اگرچہ خطا پر ہو۔ پھر بھی نجات کا سبب ہے۔ وہ لوگ جو کفار کے کھانے پینے کی حرمت کے قائل ہیں۔ از روئے عادت کے محال ہے کہ اپنے آپ کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں۔ خاص کر ملک ہندوستان میں جہاں یہ ابتلا زیادہ تر ہے۔ اپنے آپ کو محفوظ رکھنا مشکل ہے۔ اس مسئلہ میں کہ جس میں عام لوگ مبتلا ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ سب سے آسان اور سہل امر پر فتویٰ دیں۔ اگر اپنے مذہب کے موافق نہ ہو سکے تو جس مجتہد کے قول کے مطابق زیادہ آسانی اور سہولت ہو اس پر فتویٰ دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا) ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) خلق پر تنگی کرنا اوران کو رنج میں ڈالنا حرام اور خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ علماء شافعیہ بعض ان مسائل میں جن میں امام شافعی نے تنگی کی ہے مذہب حنفی پر فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں پر آسانی کرتے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کے مصارف میں امام شافعی کے نزدیک صدقہ کو زکوٰۃ کے تمام اقسام مصارف پر تقسیم کرنا چاہئے۔ جن میں سے ایک مؤلفتہ القلوب ہے۔ جو اس وقت مفقود ہے۔ علماء شافعیہ نے مذہب حنفی کے موافق فتویٰ دیا ہے اور ان اقسام میں سے کسی ایک میں دے دینے پر کفایت کی ہے۔ نیز اگر مشرک نجس عین ہوتے تو چاہئے تھا کہ ایمان لانے سے بھی پاک نہ ہوتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کی نجات خبث باطن اور بداعتقادی کے باعث ہے جو دور ہو سکتی ہے اور صرف باطن پر ہی وقوف ہے جو اعتقاد کا محل ہے اور اندرونی نجاست بیرونی طہارت کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی۔ چنانچہ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کو معلوم ہے۔ نیز کلام حسن انتظام اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ" میں مشرکوں کے حال کی خبر دی گئی ہے۔ جس کو ناسخ ومنسوخ ہونے سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ نسخ حکم شرعی کے انشاء میں ہے۔ نہ کسی شے کی اخبار میں۔ پس چاہئے کہ مشرک ہر وقت نجس ہوں اور مراد نجاست سے خبث اعتقاد ہو تا کہ دلیلیں باہم متعارض اور مخالف نہ ہوں اور ان کا ہاتھ لگانا یا چھونا کسی وقت محذور وممنوع نہ ہو۔ جس دن اس فقیر نے اس بحث میں آیت کریمہ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ (اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے

حلال ہے) پڑھی تھی تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ مراد اس جگہ گیہوں اور چنے اور مسور سے ہے۔ اگر اس توجیہ کو اہل عرف مان لیں تو کچھ مضائقہ نہیں، لیکن انصاف درکار ہے۔ اس تصدیق اور طول کلامی سے اصلی مقصود یہ ہے کہ آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث کہ جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں اور اس کو احتیاط خیال نہ کریں، بلکہ احتیاط اس احتیاط کے ترک کرنے میں ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ بیت

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم　　　که دل آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

ترجمہ: غم دل اس لیے تھوڑا کہا ہے تجھ سے اے جاناں
که آزرده نہ ہو جائے بہت سن سن کے دل تیرا

والسلام

مکتوب ۲۳

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ذریعے اپنی ذات و صفات اور بندوں کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کی نسبت خبر دی ہے جن میں عقل کا کچھ دخل نہیں۔ خواجہ ابراہیم قبادیانی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ ھَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَ جَعَلَنَا مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی ہدایت دی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت میں سے بنایا) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اہل جہان کے لیے سراسر رحمت ہیں جن کی بعثت کے ذریعے حق تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات سے ہم ناقص عقلوں اور کم فہموں کو خبر دی ہے اور ہمارے کوتاہ فہم کے موافق اپنے ذاتی و صفاتی کمالات پر اطلاع بخشی ہے اور اپنی رضامندی کو اپنی ناراضگی سے جدا کیا ہے اور ہمارے دنیا اور آخرت کے نفعوں کو ہمارے فردوں سے ممتاز فرمایا ہے۔ اگر ان کے وجود شریف کا وسیلہ نہ ہوتا تو انسانی عقلیں حق تعالیٰ کے اثبات میں عاجز رہتیں اور اس کے کمالات کے ادراک میں ناقص اور قاصر ہوتیں۔ متقدمین اہل فلسفہ جو اپنے آپ کو ارباب عقول فرض

کرتے ہیں صانع جل شانہ کے منکر تھے اور اپنی کم عقلی کے باعث اشیاء کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ نمرود جو روئے زمین کا بادشاہ ہو گزرا ہے زمینوں اور آسمانوں کے خالق کے اثبات میں حضرت خلیل کے ساتھ اس کا جھگڑنا مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکورہ ہے۔ فرعون بدبخت کہا کرتا تھا۔ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ (میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا) نیز فرعون نے حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَ جْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (اگر تو میرے سوا اور کوئی معبود پکڑے گا تو تجھے قید کر دوں گا) نیز اس بدبخت نے ہامان کو کہا یَا هَامَانُ ابْنِ لِىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوَاتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَ ظُنُّهٗ كَاذِبًا (اے ہامان ایک بڑا اونچا مکان بنوا تا کہ میں آسمانوں پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کی خبر لوں۔ میرا گمان ہے کہ وہ جھوٹا ہے) غرض عقل اس اعلیٰ دولت کے اثبات میں کوتاہ ہے اور ان بزرگواروں کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا سے گمراہ ہے جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے متواتر طور پر مخلوقات کو خدا کی طرف جو زمین و آسمان کا خالق ہے دعوت فرمائی اور ان بزرگواروں کا بول بالا ہوا۔ تو ہر زمانہ کے جاہل و بیوقوف لوگ جو صانع کے ثبوت میں متردد تھے اپنی برائی پر مطلع ہو کر بے اختیار صانع کے وجود کے قائل ہو گئے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ یہ وہ نور ہے (یعنی وجود صانع کا قائل ہونا) جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار سے حاصل ہوا ہے اور یہ وہ دولت ہے جو انبیاء کے دستر خوان سے ملی ہے۔ اسی طرح تمام سمعیات یعنی سنی ہوئی باتیں جو انبیاء کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ کی صفات کمال کا وجود۔ انبیاء کی بعثت، فرشتوں کی عصمت، حشر و نشر، بہشت و دوزخ اور ان کا دائمی رنج و راحت وغیرہ وغیرہ جو شریعت نے بیان کی ہیں۔ عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اور ان بزرگواروں سے سنے بغیر ان کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے جس طرح طور عقل طور حس سے ماوراء ہے کہ جو چیز حس سے مدرک نہ ہو سکے۔ عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ اسی طرح طور نبوت بھی طور عقل کے ماوراء ہے۔ جو چیز عقل سے مدرک نہ ہو سکے۔ نبوت کے ذریعے ادراک میں آ جاتی ہے۔ جو شخص طور عقل کے ماسوا اور کوئی طریقہ صانع کی معرفت کے لیے ثابت نہیں کرتا وہ درحقیقت طور نبوت کا منکر اور بداہت و صراحت کا مخالف ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود ضروری تھا تا کہ منعم جل شانہ کے شکر پر جو عقل کی رو سے واجب ہے۔ دلالت کریں اور نعمتوں کے دینے والے

مولا جل وعلا کی تعظیم جو علم وعمل سے تعلق رکھتی ہے اسی کی طرف سے معلوم کر کے ظاہر کریں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی وہ تعظیم جو اس کی طرف سے حاصل نہ ہو وہ اس کے شکر کے لائق نہیں۔ اس لیے کہ قوت انسانی اس کے ادراک میں عاجز ہے۔ بسا اوقات اس کی بے تعظیمی کو تعظیم سمجھتا ہے اور شکر سے ہجو میں آ جاتا ہے۔ حق تعالیٰ سے اس کی تعظیم کے استفادہ کا طریق نبوت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ پر موقوف ہے۔ اولیاء اکرام کا الہام بھی انوار نبوت سے مقتبس ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے۔ اگر اس امر میں عقل کافی ہوتی۔ تو یونان کے فلاسفر جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدا بنایا ہے گمراہ نہ رہتے اور حق تعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچان لیتے۔ حالانکہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارہ میں تمام لوگوں سے بڑھ کر جاہل یہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے حق تعالیٰ کو بیکار و معطل جانا ہے اور ایک چیز کے سوا (اور وہ بھی ایجاب و اضطرار کے ساتھ نہ اختیار کے ساتھ) کچھ بھی حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ عقل فعال اپنے پاس سے بنا کر حوادث کو زمین و آسمان کے خالق کی طرف سے ہٹا کر اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اثر کو مؤثر حقیقی جل شانہ سے ہٹا کر اس کو اپنا بنایا ہوا اثر جانتے ہیں، کیونکہ معلول ان کے نزدیک علت قریبہ کا اثر ہے اور معلول کے حاصل ہونے میں علت بعیدہ کی کچھ تاثیر نہیں جانتے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنے کی جہالت کو حق تعالیٰ کا کمال جانتے ہیں اور اس کے معطل رہنے کو بزرگی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے اپنی تعریف کرتا ہے اور اپنی مدح میں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فرماتا ہے۔ ان کو چاہئے کہ اضطرار و احتیاج کے وقت بھی اپنی عقل فعال کی طرف رجوع کریں اور اپنی حاجتیں اس سے طلب کریں، کیونکہ اپنا سب کاروبار اسی کے حوالہ کرتے ہیں۔ بلکہ عقل فعال بھی ان کے خیال میں موجب ہے نہ مختار۔ اس سے بھی قضائے حاجت طلب کرنا پسندیدہ نہیں۔ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ (کافروں کا کوئی مددگار نہیں) عقل فعال کیا ہے۔ جو اشیاء کو سرانجام دے سکے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہو سکیں۔ اس کے نفس وجود اور ثبوت میں ہزاروں اعتراض ہیں، کیونکہ اس کا تحقق اور حصول فلسفہ کے چند ملمع مقدمات پر مبنی ہے۔ جو اسلام کے اصول حق کے مقابلہ میں ناتمام اور ادھورے ہیں وہ بہت ہی بیوقوف ہے۔ جو اشیاء کو قادر مختار جل شانہ کی طرف سے ہٹا کر ایسے موہوم امر کی طرف منسوب کرے۔ بلکہ اشیاء کے لیے ہزار ہا ننگ و عار کا موجب ہے کہ فلسفہ کے تراشیدہ

اور وضع کردہ امر کی طرف منسوب ہوں۔ اشیاء کا اپنے عدم پر راضی وخوش رہنا اور ہرگز وجود کی خواہش نہ کرنا ان کے حق میں اس امر سے بہتر ہے کہ ان کے وجود کو فلسفی اور مجہول یعنی بنائے ہوئے اور موضوع امر کی طرف منسوب کریں اور قادر مختار جل شانہ کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم رہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور جو بولتے ہیں سب جھوٹ ہی بولتے ہیں) دار الحرب کے کفار باوجود بت پرستی کے ان لوگوں سے اچھے ہیں جو تنگی کے وقت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں اور بتوں کو حق تعالیٰ کے آگے سفارش کا وسیلہ بناتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان بیوقوفوں کو حکماء اور دانا کہتے ہیں اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے اکثر احکام خاص کر الٰہیات میں جو ان کا اعلیٰ مقصد ہے۔ سراسر جھوٹے اور کتاب وسنت کے مخالف ہیں۔ یہ لوگ جو سراسر جہل مرکب ہیں۔ ان پر حکماء کا اطلاق کس طرح کیا جائے۔ ہاں اگر تہکم واستہزاء کے طور پر کہا جائے یا نابینا پر بینا کے اطلاق کرنے کی قسم سے شمار کیا جائے تو زیبا ہے۔ ان بیوقوفوں میں سے بعض نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریق کو چھوڑ کر ان صوفیاء الٰہیہ کی تقلید پر جو ہر زمانہ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابعدار رہے۔ ریاضیات ومجاہدات کا طریق اختیار کیا اور اپنی صفائے وقت پر مغرور ہو کر اپنے خواب وخیال پر اعتماد کیا ہے اور اپنے خالی کشفوں کو مقتدا بنا کر خود بھی گمراہ ہو گئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا ہے۔ ان نادانوں نے نہ جانا کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے۔ جو گمراہی کو زیادہ کرتی ہے نہ کہ قلب کی صفائی جو ہدایت کا دروازہ ہے، کیونکہ قلب کی صفائی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر وابستہ ہے اور نفس کا تزکیہ قلب کی صفائی اور اس کی سیاحت پر موقوف ہے۔ وہ صفائی جو قلب کی سیاہی کے ہوتے ہوئے جو انوار وقدم کے ظہور کا محل ہے۔ نفس کو حاصل ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ چراغ روشن کر دیں تا کہ پوشیدہ دشمن یعنی ابلیس لعین اس کی روشنی میں بخوبی لوٹ مار کر لے۔ غرض ریاضت ومجاہدہ کا طریق نظر و استدلال کے طریق کی طرح اس وقت اعتبار واعتماد کے لائق ہوتا ہے۔ جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کے ساتھ مل جائے۔ جو حق تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تائید سے موید ہیں۔ ان بزرگوں کا کارخانہ پاک فرشتوں کے نزول کے باعث دشمن لعین کے مکروفریب سے محفوظ ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ" (میرے بندوں پر

تیرا کوئی غلبہ نہیں) ان کا نقد وقت ہے۔ دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی اور شیطان لعین کے مکروفریب سے نہیں بچ سکے۔ جب تک کہ ان بزرگواروں کی متابعت کو لازم نہ پکڑا اور ان کے قدم بقدم نہیں چلے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز در پے مصطفیٰ

ترجمہ بیت: سمجھ لو بخوبی کہ راہ صفاء   نہیں ملتا ہر گز نبی کے سوا

سبحان اللہ افلاطون جو فلاسفہ کا رئیس ہے۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت کی دولت کو پائے اور اپنے آپ کو نادانی کے باعث مستغنی جا کر ان پر ایمان نہ لائے اور نبوت کے برکات سے حصہ حاصل نہ کرے۔ اس کی بڑی بدبختی اور نادانی ہے۔ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا اس کے لیے کوئی نور نہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (ہمارے اپنے مرسل بندوں کے ساتھ ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یہی فتح مند رہیں گے اور بیشک ہمارا لشکر غالب رہے گا) عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں مبدء میں بھی اور معاد میں بھی طور نبوت کی نقیض ہیں اور ان کے احکام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے مخالف ہیں۔ نہ ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے نہ آخرت کے ساتھ۔ قدم عالم کے قائل ہیں۔ حالانکہ بڑا مضبوط اجماع ہے۔ اس بات پر کہ عالم بمع اپنے تمام اجزاء کے حادث ہے۔ ایسے ہی آسمانوں کے پھٹ جانے اور ستاروں کے اڑ جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور دریاؤں کے پھوٹنے کے جن کا قیامت کے دن وعدہ ہے قائل نہیں ہیں اور حشر اجساد کے منکر ہیں اور نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں سے متاخرین جو اہل اسلام میں داخل ہیں اسی طرح اپنے فلسفی اصول پر راسخ ہیں اور آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدم اور ان کے فناء اور ہلاک نہ ہونے کے قائل ہیں۔ نصوص قرآنی کی تکذیب ان کی خوراک اور دین کی ضروریات کا انکار ان کا رزق ہے۔ یہ عجب قسم کے مومن ہیں کہ خدا اور رسول پر تو ایمان لاتے ہیں، لیکن جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر سفاہت اور بیوقوفی کیا ہوگی۔ بیت

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آن   ہم سفہ باشد کہ حکم کل اکثر است

ترجمہ بیت

فلسفہ کا جبکہ اکثر ہے سفہ پھر اس کا کل　　　بھی سفہ ہوگا کہ حکم کل ہے اکثر کا حکم

ان لوگوں نے اپنی عمر کو ایک آلہ جو ان کے نزدیک خطا فکری سے محفوظ ہے۔ یعنی علم منطق کی تعلیم و تعلم میں برباد کر دیا اور اس بارہ میں بڑے باریک اور دقیق مسائل نکالے اور بڑی بڑی موشگافیاں کیں، لیکن جب حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے اعلیٰ مقصد تک پہنچے۔ تو ان کے ہوش و حواس جاتے رہے اور ان کا وہ آلہ عاصمہ بھی کام نہ آیا اور خبط میں پھنس کر گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے رہے۔ جس طرح کوئی شخص سالوں تک لڑائی کے آلات تیار کرتا ہے مگر لڑائی کے وقت اس کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں اور آلات کو کام میں نہ لا سکیں۔ لوگ فلسفہ کے علوم کو بڑے نظم و نسق والا جانتے ہیں اور غلط و خطا سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ اگر اس بات کو مان بھی لیں تو یہ حکم ان علوم میں صادق آتا ہے۔ جن میں عقل کا استقلال اور استحکام ہے جو اس بحث سے خارج اور دائرہ مالا یعنی میں داخل ہیں اور آخرت کے ساتھ جس کا معاملہ دائمی ہے کچھ تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی آخرت کی نجات ان پر وابستہ ہے۔ گفتگو ان علوم میں ہے۔ جن کے ادراک میں عقل عاجز اور قاصر ہے اور طور نبوت پر موقوف ہیں اور جن پر آخرت کی نجات منحصر ہے۔ حجتہ الاسلام امام غزالی رسالہ المنقذ عن الضلال میں فرماتے ہیں کہ اہل فلسفہ نے علم طب اور علم نجوم گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں سے چرا لیے ہیں اور دواؤں کی خاصیتیں جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔ انبیاء کی آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے اقتباس کی ہیں اور علم تہذیب اخلاق کو صوفیاء الٰہیہ کی کتابوں سے جو ہر زمانہ میں کسی نہ کسی پیغمبر کی امت رہے ہیں۔ اپنی بیہودہ باتوں کے رواج دینے کے لیے چرا لیا ہے۔ غرض ان کے یہ تینوں علم اوروں کے علوم سے چرائے ہوئے ہیں۔ علم الٰہی میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال اور ایمان باللہ و ایمان بآخرت کے بارہ میں جو خبط انہوں نے ظاہر کیے ہیں۔ وہ سب کے سب نصوص قرآنی کے مخالف ہیں۔ جن کا تھوڑا سا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ باقی رہا علم ہندسہ جو خاص طور پر ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر متسق اور منتظم (یعنی کامل و تمام) بھی ہوگا تو کس کام آئے گا اور آخرت کے کون سے عذاب و وبال کو دور کرے گا۔ عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا یَعْنِیْهِ (بندہ سے حق تعالیٰ کی روگردانی کا نشان بندہ کا بیہودہ کاموں میں مشغول ہونا ہے) جو کچھ آخرت میں کام نہ آئے وہ لایعنی اور بیہودہ ہے۔ ان کا علم منطق علم آلی یعنی غلط اور صحیح فکر میں تمیز کرنے کا آلہ ہے اور جس کو

خطا سے محفوظ بتلاتے ہیں۔ جب ان کے اپنے کام نہ آیا اور مقصد اعلیٰ کے حاصل کرنے میں ان کو غلطی اور خطا سے نہ بچا سکا۔ تو پھر اوروں کے کام کس طرح آئے گا اور دوسروں کو خطا سے کس طرح بچا سکے گا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما تو بڑا بخشنے والا ہے) بعض لوگ جو علوم فلسفی سے تعلق رکھتے ہیں اور فلسفی تسویلات پر فریفتہ ہیں۔ ان لوگوں کو حکماء جان کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء کی شرائع پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنِ الْاِعْتِقَادِ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس برے اعتقاد سے بچائے) ہاں جب ان کو حکماء جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں تو پھر کیونکر اس بلا میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ حکمت سے مراد کسی شے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو، لیکن وہ علوم جو ان کے مخالف ہوں وہ نفس امر کے غیر مطابق ہوں گے۔ غرض ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیاء اور ان کے علوم کی تکذیب لازم آتی ہے، کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور ایک کی تصدیق میں دوسرے کی تکذیب ہے۔ اب جو چاہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کو لازم پکڑ لے اور حق تعالیٰ کے گروہ سے ہو جائے اور نجات پا جائے اور جو چاہے فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں داخل ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے زیاں کار اور ناامید بن جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا (جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔ ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کی ہے جس کے خیمے ان کو گھیر لیں گے اور اگر فریاد کریں گے تو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم پانی دیا جائے گا۔ جو چہروں کو جلا دے گا۔ یہ بہت ہی برا پانی اور بہت ہی بری جگہ ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْعِظَامِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا) والسلام۔

☆☆☆

مکتوب ۴۴

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرام کی بزرگی اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ ان کی مہربانی کے بیان میں ملا محمد مراد کشمی کی طرف جو میر محمد نعمان کے خادموں میں سے ہے۔ صادر فرمایا ہے:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۝ (حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں نہایت ہی مہربان ہیں۔ رکوع وسجود کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے فضل ورضامندی چاہتے ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہیں۔ تورات اور انجیل میں ان کی یہی تعریف ہے۔ ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو بہت پھلے پھولے اور اس کی شاخیں مضبوط اور اس کے تنے اچھے موٹے ہو جائیں جن کو دیکھ کر کسان خوش ہوں اور کفار غصہ میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایمانداروں اور نیکوکاروں کو بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ دیا ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی کمال مہربانی ومحبت کے ساتھ جو ایک دوسرے کے ساتھ رکھتے تھے مدح فرمائی ہے کیونکہ رحیم جو رحماء کا واحد ہے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی کمال مہربانی کے ہیں۔ چونکہ صفت مشبہ استمرار پر بھی دلالت کرتی ہے۔ اس واسطے چاہیئے کہ ان کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت ومہربانی آنحضرت کے حضور میں بھی اور ان کے رحلت فرما جانے کے بعد بھی ہمیشہ کے لیے دوامی اور استمراری طور پر ہو اور جو کچھ ایک دوسرے کے حق میں مہربانی کے منافی ہو ان بزرگواروں سے ہمیشہ کے لیے مسلوب ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ بغض و کینہ وحسد وعداوت کا احتمال بھی دائمی طور پر ان اکابر دین سے دور ہو جب تمام صحابہ کرام اس پسندیدہ صفت سے متصف ہوں۔ جیسے کہ کلمہ والذین سے جو عموم اور استغراق کے صیغوں میں ہے ظاہر ہوتا ہے۔ تو ان اصحاب بزرگ کی نسبت کیا کہا جائے۔

جن میں یہ صفت اتم و اکمل طور پر ہو گی۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ (میری امت میں سے زیادہ رحم کرنے والا میری امت پر ابوبکر ہے) اور حضرت فاروق کی شان میں فرمایا ہے۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا) یعنی کمالات ولوازم جو نبوت میں درکار ہیں سب حضرت عمر میں موجود ہیں، لیکن چونکہ منصب نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے اس لیے منصب نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوئے۔ نبوت کے لوازم میں سے ایک خلق پر کمال مہربانی اور شفقت کرنا ہے۔ نیز وہ رزائل یعنی کمینہ صفتیں جو شفقت ومہربانی کے منافی ہیں اور نہایت ہی برے اخلاق میں سے ہیں۔ یعنی حسد، بغض، کینہ اور عداوت ان لوگوں کے حق میں جو حضرت خیرالبشر کی شرف صحبت سے مشرف ہوئے ہیں۔ حسد اور بغض اور کینہ و عداوت کس طرح متصور ہو سکتی ہیں۔ جو تمام امتوں میں سے بہتر امت کے بہترین ہیں اور تمام مذہبوں کو منسوخ کرنے والے مذہب کے سابق ترین ہیں۔ جن کا زمانہ تمام زمانوں سے بہتر تھا اور ان کا صاحب تمام نبیوں اور رسولوں سے فضیلت والا تھا۔ اگر یہ لوگ ردی صفتوں سے موصوف ہوں جن سے اس امت مرحومہ کے کمینہ آدمی کو عار آتی ہے تو پھر یہ لوگ کس طرح امت میں سے بہتر ہوں گے اور یہ امت کس وجہ سے خیرالامم ہو گی اور ایمان میں سب سے اول اور بڑھ کر ہونا اور مال و جان کو سب سے بڑھ کر زیادہ خرچ کرنا کیوں زیادتی اور فضیلت کا باعث ہوگا اور خیرالقرون کی کیا تاثیر ہو گی اور حضرت خیرالبشر کی فضل صحبت کا کیا اثر ہوگا۔ وہ لوگ جو اس امت کے اولیاء کی صحبت میں کچھ مدت رہتے ہیں وہ ان رزیلہ صفتوں سے نجات پا جاتے ہیں۔ تو وہ لوگ جنہوں نے حضرت افضل الرسل کی صحبت میں اپنی عمریں صرف کی ہیں اور دین کی تائید اور مدد کے لیے اپنے مالوں اور جانوں کو خرچ کیا ہے کیا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے حق میں اس قسم کی بری خصلتوں کا وہم کیا جائے؟ سوائے اس کے حضرت خیرالبشر کی عظمت و بزرگی نظر سے گر جائے اور ان کی صحبت ایک ولی امت کی صحبت سے بھی ناقص سمجھی جائے۔ نعوذ باللہ منہا حالانکہ مقرر ہے کہ امت کا کوئی ولی اس امت کے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تو پھر اس امت کے نبی کے درجہ کو کس طرح پا سکے گا۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ (جس نے اصحاب کی تعظیم نہ کی، وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں لایا) بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب دو

فریق تھے۔ ایک وہ گروہ تھا جو حضرت امیر کا مخالف تھا اور دوسرے گروہ کے وہ لوگ تھے جو حضرت امیر کے موافق تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ عداوت اور بغض، کینہ رکھتے تھے اور ان میں سے بعض صحابہ، بعض مصلحتوں کے لیے اپنی صفات کو پوشیدہ رکھتے تھے اور تقیہ کرتے تھے اور وہ لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ یہ بری صفتیں ان میں ایک زمانہ تک رہی ہیں۔ بلکہ جب تک زندہ رہے ہیں ان میں یہ صفات موجود رہی ہیں اور اس وہم سے حضرت امیر کے مخالفوں کو برا کہتے ہیں اور نامناسب باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہئے کہ اس صورت میں دونوں فریق طعن کے لائق اور ان رزیلہ صفتوں کے ساتھ متصف ہو جاتے ہیں اور امت کے بہترین لوگ تمام امتوں میں سے بدترین بن جاتے ہیں او راس زمانہ کا خیر شر سے بدل جاتا ہے۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ حضرات شیخین کو اس وہم سے برا کہیں اور دین کے ان بزرگواروں کی طرف نامناسب امور منسوب کریں۔ حالانکہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نص قرآنی کے بموجب اس امت میں سب سے بڑھ کر متقی اور اتقی ہیں، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے مفسرین کا اجماع ہے اس امر پر کہ آیت کریمہ وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے شان میں نازل ہوئی اور اتقی سے مراد حضرت صدیق ہیں۔ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس خیر الامم کا اتقی فرماتا ہے تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ اس کی تکفیر اور تفسیق اور تضلیل یعنی اس کو کافر اور فاسق اور گمراہ کہنا کس قدر برا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اسی آیت سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے، کیونکہ آیت کریمہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے) کے مطابق اس امت میں سب سے زیادہ بزرگ جس کی طرف خطاب کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ کے نزدیک اس امت کا اتقی ہے۔ جب حضرت صدیق سابقہ نص قرآنی کے بموجب اس امت کے اتقی ہیں تو چاہئے کہ نص لاحق کے موافق اس امت کے بزرگ تر بھی وہی ہوں اور اکابر ائمہ سلف نے جن میں سے ایک امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت شیخین کی افضلیت پر صحابہ و تابعین کا اجماع ثابت کیا ہے اور حضرت امیر نے بھی حضرت شیخین کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔ امام ذہبی نے جو بزرگ محدثین میں سے ہیں فرمایا ہے کہ اس نقل کو حضرت امیر سے اسی آدمیوں سے زیادہ نے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق نے بھی جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ اس نقل کے بموجب حضرات شیخین کی

افضلیت کا حکم دیا ہے اور اس عبارت میں بیان کیا اُفَضِّلُ الشَّیْخَیْنَ لِتَفْضِیْلِ عَلِیٍّ اِیَّاهُمَا عَلٰی نَفْسِهٖ وَاِلَّا لَمَا فَضَّلْتُهُمَا كَفٰى لِیْ وِزْرًا اَنْ اُحِبَّهٗ ثُمَّ اُخَالِفَهٗ (میں شیخین کو اس لیے افضل جانتا ہوں کہ حضرت علی نے خود اپنے آپ پر ان کو فضیلت دی ہے۔ ورنہ میں کبھی ان کو فضیلت نہ دیتا مجھے اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ میں حضرت علی سے محبت رکھوں اور ان کی مخالفت کروں) پس وہ لوگ جو کتاب وسنت واجماع اور حضرت امیر کے اعتراف اور اقرار کے موافق اس خیر الامم میں سے افضل ہوں۔ ان کی اہانت اور حقارت کرنا کون سا انصاف و دیانت ہے اور اس میں کون سی بہتری اور خیریت ہے۔ اگر کسی شخص کو گالی نکالنا خیریت اور عبادت ہوتی تو ابوجہل اور ابولہب کو گالی نکالنا جو قرآنی نصوص کی رو سے لعنت وطرد کے لائق ہیں اس امت کا ورد ہوتا اور اس میں بہت سی نیکیاں حاصل ہوتیں۔ گالی نکالنے میں کونسی خیریت ہے جو فحش و فضیحت یعنی برائی کو متضمن ہے۔ خاص کر اس شخص کے حق میں جو اس کے مستحق اور لائق نہ ہو۔ کسی شے کا نامناسب جگہ میں رکھنا ظلم ہے اور ایک شے سے دوسری شے تک اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بہت تفاوت ہے۔ اسی طرح ایک ظلم سے دوسرے ظلم تک بہت فرق ہے اور حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے اور اس قرن خیر القرون کے تمام چھوٹے بڑے اور مردوں عورتوں کے اتفاق سے حاصل ہو چکی ہے اور اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ جس قدر اتفاق و اجماع حضرت ذی النورین کی خلافت پر حاصل ہوا ہے۔ حضرات خلفاء ثلثہ میں سے کسی کی خلافت پر اتنا حاصل نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خلافت کی ابتدا ہی میں چونکہ ایک قسم کا تردد تھا۔ اس لیے اس زمانہ کے لوگوں نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے توجہ کی ہے۔ جاننا چاہئے کہ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب وسنت کے پہچاننے والے ہیں اور اجماع بھی ان کے زمانہ کے متعلق ہوا ہے۔ اگر سب کے سب یا ان میں سے بعض پر طعن لگائیں اور گمراہی اور فسق سے موصوف کریں تو تمام کے تمام دین یا بعض امور سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور حضرت خاتم الانبیاء اور افضل الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا فائدہ کم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کے جامع حضرت عثمان بلکہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں۔ اگر یہ مطعون اور ناانصاف ہوں تو پھر قرآن پر کیا اعتبار رہے گا اور دین کس چیز پر قائم رہے گا۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح جاننا چاہئے۔ اصحاب پیغمبر سب کے سب عدول ہیں اور کتاب وسنت وغیرہ جو کچھ ان کی تبلیغ سے ہم کو پہنچا

ہے۔ سب سچ و برحق ہے اور وہ لڑائی جھگڑے جو حضرت امیر کی خلافت کے وقت ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ وہ ہوا و ہوس اور حب جاہ و ریاست کے باعث نہ تھے بلکہ اجتہاد و استنباط کے سبب سے تھے۔ خواہ کسی کے اجتہاد میں خطا ہو اور اس کا استنباط صواب سے دور ہو۔ علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک ثابت ہے کہ ان لڑائی جھگڑوں میں حضرت امیر حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطا جس کا منشاء اجتہاد ہے۔ طعن و ملامت سے دور ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حق حضرت امیر کی طرف تھا اور خطا حضرت امیر کے مخالفوں کی طرف۔ جس کو اہل سنت و جماعت بھی مانتے ہیں، لیکن مخالفوں کو لعن وطعن کرنا بیجا زیادتی ہے۔ جس کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ اس سے ضرر کا احتمال ہے۔ کیونکہ سب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب ہیں۔ جن میں سے بعض کو جنت کی خوشخبری ہے اور بعض بدری یعنی جنگ بدر والے ہیں جو بخشے ہوئے ہیں اور آخرت کا عذاب ان سے دور ہو چکا ہے جیسے کہ صحیح حدیثوں میں آ چکا ہے۔ اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے حال پر واقف ہو کر فرمایا کہ جو کچھ چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے) اور کچھ بیعت رضوان سے مشرف ہوئے ہیں۔ جن کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوزخی نہیں ہو گا بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ بہشتی ہیں۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ط (وہ لوگ جنہوں نے فتح سے پہلے مال خرچ کیا اور لڑائی کی ان لوگوں سے زیادہ درجہ والے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور لڑائی کی اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے حسنٰے یعنی جنت کا وعدہ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے خبردار ہے) اس آیت میں حسنٰے سے مراد جنت ہے اور سب صحابہ کے لیے جنہوں نے فتح سے پہلے یا بعد مال خرچ کیا ہے اور لڑائی کی ہے۔ جنت کا وعدہ ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ انفاق اور قتال کی صفت تقید کے واسطے نہیں بلکہ مدح کے لیے ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ ان دو صفتوں سے موصوف تھے۔ جن کے باعث سب کے لیے بہشت کا وعدہ ہے۔ ملاحظہ کرنا چاہئے کہ اس قسم کے بزرگواروں کو برائی سے یاد کرنا اور ان پر بدظن ہونا کس قدر انصاف و دیانت سے دور ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد

بعض اصحابہ کرام اس طریق پر نہ رہے اور حضرت امیر کے منصب خلافت کو زبردستی چھین لیا اور خلافت کی محبت وجاہ وریاست کی طلب کے باعث طریق حق سے پھر گئے بلکہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا انحراف کفر وگمراہی تک پہنچ چکا ہے۔ پس ان کے خیال میں وہ صحابی ان وعدوں سے جو اصحاب کرام کے حق میں آئے ہیں محروم ہوں گے، کیونکہ صحبت کی فضیلت اسلام کی فرع ہے اور جب ان کے اسلام میں کلام ہے تو صحبت کی کیا تاثیر رہے گی۔

جواب: جب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں صحیح حدیثوں کی رو سے جو تواتر معنی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ جنت کی بشارت آ چکی ہے تو پھر کفر وگمراہی کا احتمال ان سے دور ہو چکا ہے۔ نیز حضرات شیخین اہل بدر سے بھی ہیں۔ جو صحیح حدیثوں کی رو سے مطلق طور پر بخشے ہوئے ہیں اور بیعت رضوان سے بھی مشرف ہیں جو سب کے سب صحیح حدیثوں سے بہشتی ثابت ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو جنگ بدر میں حاضر نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی اہلیہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی بیمار تھیں۔ ان کی بیمار پرسی کے لیے آنحضرت ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑ آئے تھے اور فرمایا تھا کہ جو اہل بدر کو فضیلت حاصل ہوگی۔ تم کو بھی وہی حاصل ہوگی اور بیعت رضوان میں حضرت عثمان کے حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا اور ان کی طرف سے خود بیعت فرمائی تھی جیسا کہ مشہور ہے۔ نیز قرآن مجید بھی ان حضرات کی بندگی کی شہادت دیتا ہے اور ان کے بلند درجوں کی خبر دیتا ہے۔ جو شخص کتاب وسنت سے آنکھیں بند کر کے ضد وتعصب کرے وہ مبحث سے خارج ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ بیت

آنکس کہ بقرآن و خبر رو ندہی   آن است جوابش کہ جوابش ندہی

ترجمہ بیت: جو مانتا ہی نہیں ہے حدیث اور کتاب

جواب اس کا یہی ہے کہ دو نہ اس کو جواب

ہائے افسوس اگر حضرت صدیق میں کفر وگمراہی کا احتمال متصور ہوتا تو اصحاب پیغمبر باوجود اس قدر عادل اور زیادہ ہونے کے ان کو پیغمبر کا جانشین نہ بناتے۔ حضرت صدیق کی تکذیب میں اس خیر القرون زمانہ کے تینتیس ہزار اصحاب کی تکذیب ہے۔ اس بات کو ادنیٰ آدمی بھی پسند نہیں کرتا۔ جب اس زمانہ کے تینتیس ہزار آدمی باطل پر جمع ہوں اور گمراہ اور گمراہ کنندہ کو پیغمبر کا جانشین بنا دیں تو اس زمانہ میں کونسی خیریت رہی ہوگی۔ حق تعالیٰ ان لوگوں کو انصاف

دے کہ دین کے بزرگواروں کے طعن سے زبان کو بند رکھیں اور حضرت پیغمبر کی صحبت کے حقوق کو مدنظر رکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ (میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت رکھی۔ اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ہی بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) اس سے زیادہ کیا لکھا جائے اور بدیہی سے زیادہ روشن امر کو کیا روشن کیا جائے، کیونکہ حضرت صدیق جن کی مدح میں قرآن مجید بھرا ہوا ہے اور سورۃ واللیل کی تین آئتیں خاص انہی کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں اور بیشمار و بے حساب صحیح حدیثیں ان کے فضائل و کمالات میں مروی ہیں اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں ان کی بلکہ تمام صحابہ کے اوصاف و شمائل کا ذکر آیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ (ان کی تعریف توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی) اور تمام امتوں میں سے اس بہتر امت کے سردار اور رئیس بھی وہی ہیں۔ جب ان کو کافر اور گمراہ جانیں تو پھر اوروں کا کیا حال ہے۔ ان کی نسبت کس طرح کلام کی جائے۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (اے زمین و آسمانوں کے پیدا کرنے والے اور غیب و شہادت کے جاننے والے خدا تو ہی اپنے بندوں کے درمیان جس امر میں وہ اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ کرے گا) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۲۵

ان نتائج اور ترقی مراتب کے بیان میں جو ذکر اور تلاوت قرآن اور نماز سے حاصل ہوتے ہیں۔ ملا طاہر کی طرف صادر فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اس راہ کے مبتدی طالب کے لیے ذکر کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس

کی ترقی ذکر کے تکرار پر وابستہ ہے۔ بشرطیکہ شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو اور اگر اس شرط کے ساتھ نہ ہو۔ تو وہ ابرار کے اوراد کی قسم سے ہے۔ جس کا نتیجہ صرف ثواب ہے۔ اس سے قرب کا وہ درجہ جو مقربین کو حاصل ہوتا ہے حاصل نہیں ہوتا اور یہ جو کہا کہ ابرار کے اوراد کی قسم سے ہے اس لیے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فضل شیخ کے وسیلہ کے بغیر کسی طالب کی تربیت کرے اور ذکر کا تکرار اس کو مقربوں میں سے بنادے بلکہ جائز ہے کہ ذکر کے تکرار کے بغیر اس کو قرب کے مراتب سے مشرف کردے اور اپنے اولیاء میں سے بنالے اور یہ شرط اکثر کے اعتبار سے ہے اور حکمت و عادت کے موافق ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ معاملہ جو ذکر سے وابستہ ہے پورا ہو جاتا ہے اور نفسانی خواہشات کے معبودوں کی گرفتاری سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور نفس امارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت ترقی ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس مقام میں ذکر ابرار کے اوراد کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ اس مقام میں قرب کے مراتب قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کو طول قرأت کے ساتھ ادا کرنے پر وابستہ ہیں اور اول اول جو کچھ ذکر کرنے سے میسر ہوتا تھا اس وقت قرآن مجید کی تلاوت اور خاص کر نماز کی قرأت میں حاصل ہو جاتا ہے۔ غرض اس وقت ذکر تلاوت کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ جو اول اول ابرار کے اوراد کی قسم سے تھا اور تلاوت ذکر کا حکم پیدا کر لیتی ہے جو ابتدا و وسط میں قربات (یعنی اسباب قرب میں سے تھی۔ عجب معاملہ ہے۔ اس وقت اگر ذکر کو قرأت قرآن کے طور پر تکرار کیا جاتا ہے جو آیات قرآنی کے پاک کلمات میں سے ہے اور اعوذ سے شروع کیا جاتا ہے۔ تو وہی فائدہ دیتا ہے جو قرآن مجید کی تلاوت سے حاصل ہوتا ہے اور اگر قرأت کے طور پر تکرار نہ کیا جائے تو ابرار کے عمل کی طرح ہے۔ ہر عمل کے لیے مقام و موسم ہے کہ اگر وہ عمل اس موسم میں بجالائیں تو حسن و ملاحت پیدا کرتا ہے اور اگر موسم میں ادا نہ کیا جائے تو اکثر اوقات وہ عمل سراسر خطا ہوتا ہے۔ اگرچہ حسنہ اور نیک ہو۔ جیسے کہ تشہد کے وقت فاتحہ کا پڑھنا اگرچہ ام الکتاب ہے۔ سراسر خطاء ہے۔ پس اس راہ میں پیر اور اس کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ وَ بِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے) کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ بیت

زاں روئے کہ چشم تست احول   معبود تو پیر تست اول

ترجمہ: بیت: آنکھ احول تری ہے جب دانا   پیر تیرا ہے ترا پہلا خدا

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۲۶

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ اسی طرح اپنی ذات کے ساتھ حی و عالم اور صفات ثمانیہ اور صفات زائدہ کے ساتھ موصوف ہے۔ سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) حق تعالیٰ نفس وجود اور وجود کے تمام توابع کمالات یعنی حیات و علم و قدرت و سمع و بصر و ارادہ کلام و تکوین میں اپنی ذات پاک کے ساتھ کافی ہے اور ان کمالات کے حاصل ہونے میں ان صفات زائدہ کا محتاج نہیں۔ اگرچہ صفات زائدہ کاملہ بھی اسی کے لیے ثابت ہیں۔ پس حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات اقدس کے ساتھ موجود ہے نہ وجود کے ساتھ اسی طرح اپنی ذات کے ساتھ زندہ ہے نہ حیات کے ساتھ جو اس کی صفت ہے اور اپنی ذات کے ساتھ دانا ہے نہ صفت علم کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ بینا ہے۔ نہ صفت بصر کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ سننے والا ہے نہ صفت سمع کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ توانا ہے نہ صفت قدرت کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ مرید یعنی ارادہ کرنے والا ہے نہ صفت ارادہ کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ کلام کرنے والا ہے۔ نہ صفت کلام کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ کائنات کی ایجاد کا مبدء ہے نہ کہ تکوین کی صفت کے ساتھ۔ اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی تمام صفات کے ذریعہ سے ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ یہ تکوین قدرت سے الگ ہے، کیونکہ قدرت میں فعل کی صحبت اور ترک ہے اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے۔ نیز قدرت ارادہ سے پہلے ہے اور تکوین ارادہ کے بعد یہ تکوین بندہ کو اس استطاعت کے مشابہ ہے۔ جس کو علماء اہل حق نے بندہ کے فعل کے ساتھ مقرر کیا ہے اور اس کو صفت قدرت و ارادت سے الگ سمجھا ہے، کیونکہ قدرت ہر دو طرف یعنی فعل و ترک کو درست کرتی ہے اور ارادت ایک طرف کو ترجیح دیتی ہے اور ایجاد ارادہ کی ترجیح کے بعد تکوین سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر قدرت کو ثابت نہ کیا جائے جو دونوں طرفوں کی صحبت کرنے والی ہے تو ایجاب لازم آتا ہے اور اگر تکوین کو ثابت نہ کریں تو ایجاد بغیر مستند کے رہ

جاتا ہے، کیونکہ قدرت ایجاد کی صحت کرنے والی ہے اور تکوین ایجاد کو اختیار کرنے والی۔ پس تکوین کے ثابت کرنے سے چارہ نہیں۔ جس کی طرف علماء ماتریدیہ نے ہدایت پائی ہے اور اشعریوں نے چونکہ اشیاء کے ساتھ کا تعلق واضافت زیادہ تر معلوم کیا ہے۔ اس واسطے اس کو صفات اضافیہ سے خیال کیا ہے۔ وَاللهُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَ هُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ (اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے حق کو اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے) پیدا کرنا اور رزق دینا اور زندہ کرنا اور مارنا تکوین کی طرف راجع کرنا بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ہر ایک کو مستقل طور پر صفت قدیمہ کہا جائے اور بے ضرورت بیشمار صفات قدیمہ ثابت کی جائیں۔ پس ظاہر ہوا کہ جو کچھ دوسروں کو حق تعالیٰ کی ایجاد سے صفات کے سبب حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کو صفات کے وسیلہ کے بغیر بذات خود حاصل ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات بلا لحاظ کسی امر اور اعتبار کے تمام کمالات کی جامع بلکہ ہر کمال کا عین ہے، کیونکہ تبعض اور تجزی یعنی بعض بعض اور جزو جزو ہونا اس بارگاہ میں مفقود ہے۔ ہمہ تن دانائی ہے اور سر بسر شنوائی ہے اور تمام کی تمام بینائی ہے۔ اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے اس کے علاوہ حق تعالیٰ کے لیے صفات سبعہ بلکہ صفات ثمانیہ بھی کہ علماء اہل حق جن کے وجود کے قائل ہیں ثابت ہیں اور یہ صفات کاملہ جو قدیم ہیں ان کمالات ذاتیہ کے ظلال اور مظہر ہیں بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کمالات کے روپوش اور ان پوشیدہ انوار کے حجاب ہیں۔

سوال: جب حق تعالیٰ کی ذات تمام کمالات کے حصول میں کافی ہے تو پھر صفات کس لیے ثابت کی جاتی ہیں اور قدیموں کے بے شمار وجود ہونے کا قول کیوں کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے فلاسفہ اور معتزلہ نے ذات پر اکتفا کی ہے اور قدیموں کے بکثرت ہونے سے بھاگ کر صفات کی نفی کے قائل ہوئے ہیں۔

جواب: حق تعالیٰ کی ذات اگرچہ حصول کمالات میں کافی ہے، لیکن اشیاء کی تکوین و تخلیق کے لیے صفات زائدہ کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات نہایت تنزہ اور تقدس اور عظمت وجلال و کبریا میں ہے اور کمال غنا اس کے لیے ثابت ہے اور اشیاء کے ساتھ اس کو کمال بے مناسبتی ہے۔ اِنَّ اللهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی اور بے پروا ہے) اور حکمت و عادت کے موافق افادہ اور افاضہ کے لیے مستفید اور مستفیض کے ساتھ

مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور وہ صفات ہیں جنہوں نے ایک درجہ تنزل کر کے ظلیت پیدا کی ہے اور اشیاء کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت حاصل کی ہے۔ اگر صفات کا واسطہ نہ ہوتا تو اشیاء سے کسی شے کا حاصل ہونا متصور نہ ہوتا، کیونکہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ذاتی انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں ہلاک اور فانی اور نیست و نابود ہونے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔ یہ بڑے بے سمجھ لوگ ہیں جو صفات کو ثابت نہیں کرتے اور اشیاء کے ایجاد کو حق تعالیٰ کی ذات بحت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صادر اول ہے ہی کیا جو صفات کے پردہ کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات کے انوار میں فانی اور ناچیز نہ ہو۔

سوال: فلاسفہ اور معتزلہ صفات کو اگرچہ خارج میں ثابت نہیں کرتے، لیکن علمیہ اعتبارات کی رو سے ان کے قائل ہیں اور مرتبہ علم میں کمالات ذاتیہ کو ایک دوسرے سے الگ جانتے ہیں۔ پس اشیاء کا موجود ہونا ذات بحت کی طرف منسوب نہ ہوا، کیونکہ درمیان میں اعتبارات کا واسطہ پیدا ہو گیا۔

جواب: عالم کا ایجاد خارج میں ہے اور عالم خارج میں موجود ہے۔ پس خارجی حجابوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ اشیاء کے خارجی وجود کا وسیلہ ہو کر خارج میں ان کو فانی اور نیست و نابود ہونے سے بچا سکیں۔ علمی اعتبارات وجودات خارجیہ کے کام نہیں آ سکتے اور علمی حجاب موجودات خارجی کی حفاظت میں کفایت نہیں کر سکتے۔ ہاں بعض صوفیاء جو عالم کو مرتبہ علم کے سوا موجود نہیں جانتے ان کو اگر اعتبارات علمی نفع دے سکیں اور وجودات علمیہ کا وسیلہ ہو سکیں تو بجا ہے، لیکن عالم خارج میں موجود ہے۔ اگرچہ یہ خارج اس خارج کا ظل ہے اور یہ وجود اس وجود کا ظل ہے۔ پس خارجی حجابوں کا ہونا ضرورت ہے تاکہ عالم کے وجود خارجی کا وسیلہ ہو سکیں۔ اس لیے صفات حقیقیہ کا خارج میں موجود ہونا ضروری ہے، تاکہ اشیاء کی ترتیب کریں اور اپنے وسیلہ سے کمالات ذاتیہ کو عالم کے آئینوں میں جلوہ گر اور ظاہر کریں۔ صفات اگرچہ ذات کے حجاب ہیں، لیکن کمالات ذاتیہ کا ظہور انہی کے وجود پر وابستہ ہے۔ ان کا حجاب عینک کے حجاب کی طرح ہے جو زیادہ نمائش کا سبب ہے اور یہ ظہور اور یہ نمائش اگرچہ ظلی ہے مگر کیا کریں کہ ہمارے وجود کو ظل کے ساتھ ملا دیا ہوا ہے اور ہماری ہستی کو حجاب کے حوالہ کر دیا ہے۔ مَا بِالذَّاتِ لَا یَنْفَکُّ عَنِ الذَّاتِ (جو چیز ذاتی ہے وہ ذات سے الگ نہیں ہوتی)۔ مصرعہ

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است

ترجمہ: سیاہی دور حبشی کی نہیں ہوتی کہ ہے ذاتی

بیت

وَمَنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ وَ مَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

ترجمہ بیت

بعد ازاں وہ چیز ہے جس کا نہیں لگتا پتا اس کا پوشیدہ ہی رکھنا اور چھپانا ہے بھلا

بندہ حق نہیں ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے حق سے جدا بھی نہیں ہوتا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) حق تعالیٰ کو اگرچہ اشیاء کے ساتھ معیت کی نسبت حاصل ہے، لیکن یہ معیت جس کا منشاء محبت ہے اور ہے جب تک محبت پیدا نہ کریں۔ اس معیت کو نہیں جان سکتے، چونکہ محبت میں بھی مختلف درجات ہیں۔ اس لیے اس کے اندازہ کے موافق معیت میں بھی تفاوت حاصل ہے یہی معیت ہے جو ظلیت سے خلاصی کا سبب ہے اور یہی معیت ہے جو کہ نیست ونابود ہونے کا واسطہ ہے اور یہی معیت ہے جو بندگی و غلامی کو دور کرنے والی ہے اور عین عبدیت یعنی غلامی میں حریت و آزادی کو ثابت کرنے والی ہے۔ یہی معیت ہے جو انانیت اور خودی کو گرانے والی ہے اور یہی معیت ہے جو انانیت کو کمالیت کے درجات تک بلند کرنے والی ہے۔ جاننا چاہئے کہ ان کے ساتھ اپنی معیت عامہ کے بارہ میں فرمایا ہے وَ هُوَ مَعَكُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے) اور معیت خاصہ میں اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کے بموجب محبت کے لحاظ سے بندے اس کے ساتھ ہیں ان دونوں معیتوں میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ معیت خاصہ میں دونوں طرف کی معیت ثابت ہے اور معیت عامہ میں معیت اسی طرف سے ہے۔ پس اس کے لیے عین وجدان میں حرمان و ناامیدی لازم ہے۔ يَا حَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ (ہائے افسوس! اللہ تعالیٰ کے حضور میں نے کیوں کوتاہی کی) عالم اگرچہ صفات کے ظلال ہیں اور اس نے صفات کے ذریعہ سے وجود و بقا حاصل کیا ہے لیکن حضرت ذات کا محب محبت ذاتیہ کے باعث جو اس کو حضرت ذات کے ساتھ ہے اور صفات سے جو اس کے اصول ہیں۔ بے کیفی عروج کے ساتھ اوپر گیا ہے اور اصول کو چھوڑ کر اصل اصول سے مل گیا ہے، لیکن یہ ملنا بھی بے کیف ہے اور اگر اصل سے

اوپر نہ جائے تو پھر آنے کا کیا فائدہ اور محبت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کو اصل کے ساتھ اتصال ہر وقت حاصل تھا اور وصل ظلی اس کو ہمیشہ میسر تھا۔ اصل مقصود یہ ہے کہ اپنے اصل کو ظل کی طرح زینہ بنانا چاہئے اور محبت کے پروں سے اوپر اڑنا چاہئے۔ یہ عروج ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتا اور اپنے آپ کو چھوڑ کر اپنے آپ سے اوپر جانا ارباب نظر وفکر (یعنی فلسفی اور منطقی) کو پسند نہیں آتا۔ بلکہ صوفیاء میں بھی ہزاروں میں سے کوئی ایک اس دولت سے مشرف ہوتا ہے اور اس معما کا بھید اس پر کھلتا ہے۔ بیت

ہزار نکتہ باریک ترزمو ایں جاست　　　نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

ترجمہ بیت: ہزاروں نکتے ہیں بالوں سے بھی باریک تر اس جا
منڈائے سر اگر کوئی قلندر بن نہیں جاتا

سوال: یہ سیر آفاقی ہے یا انفسی؟

جواب: نہ آفاقی ہے نہ انفسی۔ کیونکہ آفاق وانفس باہر اور اندر کو چاہتے ہیں اور یہ معاملہ دخول وخروج اور اندر و باہر سے وراء الوراء ہے۔ گو ارباب نظر یعنی اہل فلسفہ کے نزدیک نازیبا ہے، لیکن جب مطلوب دخول وخروج سے اقدس اور برتر ہے تو وہ نسبت بھی جو اس کے ساتھ پیدا ہو۔ ضرور ہی دخول وخروج سے منزہ ہوگی۔ یہ سیر باوجود اس قدر مشکل اور سخت ہونے کے اس سیر کے کرنے والوں کے نزدیک جو صاحبان علم ہیں دہلی اور آگرہ کے سیر کی طرح ہے۔ جو ہر ایک کو معلوم ہے اور ہر ایک کے نزدیک متمیز ہے اور اس کی ہر ایک منزل دوسری منزل سے جدا ہے۔

تنبیہ: عالم اگرچہ صفات کے ظلال ہیں اور صفات حق تعالیٰ کی ذات کے ظلال، لیکن اس ظلیت کے بہت سے درجے اور مرتبے ہیں جن میں سے ہر ایک مطلوب کا حجاب ہے۔ آپ نے سنا ہی ہوگا کہ اِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَ ظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے لیے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں) جب تک حجاب سب کے سب دور نہ ہو جائیں۔ ظلیت سے نہیں نکل سکتے۔ اس جگہ خرق حجاب یعنی پردہ کے دور ہونے سے مراد شہودی پردوں کا دور ہونا ہے اور یہ جو اس حدیث کے اخیر میں تمام پردوں کا دور نہ ہونا آیا ہے۔ مراد اس سے وجودی پردے ہیں۔ جن کا دور ہونا ممتنع ہے، کیونکہ اس سے صفات قدیمہ کا رفع ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے، لیکن چونکہ معیت غیر متکیفہ حاصل ہے اس لیے خرق وجودی کا حکم رکھتا ہے

اور باوجود حجابوں کے بے حجاب ہے، کیونکہ معیت نقد وقت ہے جو حائل و حجاب کی طاقت نہیں رکھتی۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش۔ تو سب شے پر قادر ہے) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَ عَلَیْهِمْ وَ عَلٰی اٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ٥ (اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور ان کی آل پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو)

مکتوب ۲۷

اس بیان میں کہ بندہ کو چاہئے۔ کہ اپنی تمام مرادوں سے نکل کر حق تعالیٰ کی مرادوں کے موافق ہو جائے اور ذاتی اور عارضی بیماری کے بیان میں ملا علی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بندہ کو چاہئے کہ اپنے مولا جل شانہ کے سوال اس کا کچھ مراد و مطلب نہ ہو اور مولیٰ کی مراد کے سوا بندہ کی کوئی مراد نہ رہے۔ ورنہ اس کا سر بندگی کی رسی سے اور اس کا پاؤں غلامی کی قید سے نکلا ہوا ہوگا۔ وہ بندہ جو اپنی مرادوں میں گرفتار ہے اور اپنی ہواؤ ہوس پر فریفتہ ہے۔ وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور شیطان لعین کی اطاعت کر رہا ہے۔ یہ دولت (یعنی اپنی مرادوں کو حق تعالیٰ کی مرادوں میں فانی کرنا) دلالت کے خاصہ کے حاصل ہونے پر وابستہ ہے۔ جو فناء و بقائے اتم و اکمل پر موقوف ہے۔

سوال: کبھی کبھی خواہشیں اور ضروریات کاملوں سے سے بھی ظاہر ہوتی ہیں اور مختلف مطالب کے حاصل ہونے کی خواہش ان بزرگواروں سے بھی محسوس ہوتی ہے۔ امام انبیاء و سلطان اولیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سرد و شیریں چیز کو دوست رکھتے تھے اور وہ حرص جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کی ہدایت پر تھا۔ قرآن مجید میں ظاہر ہے۔ ان بزرگواروں میں اس قسم کی خواہشات کے باقی رہنے کا باعث کیا ہے؟

جواب: بعض خواہشیں جن کا منشاء طبیعت ہے تا کہ طبعی مزاج قائم رہے۔ ضروری ہیں گرمی کے وقت طبیعت بے اختیار سردی کی طرف مائل ہے اور سردی کے وقت گرمی کی طرف راغب ہے۔ اس قسم کے خواہشیں عبودیت کے منافی اور نفسانی خواہشات کے ساتھ گرفتاری کا سبب نہیں، کیونکہ طبعی ضروریات دائرہ تکلیف سے خارج اور نفس امارہ کی خواہش سے باہر ہیں،

کیونکہ نفس کی خواہشات یا فضول مباح ہیں یا مشتبہ وحرام اور جو کچھ ضروری ہے نفس کو اس کے ساتھ مس و تعلق نہیں۔ پس گرفتاری اور بدکرداری کا موجب فضول افعال ہیں۔ اگرچہ مباح کی قسم سے ہوں، کیونکہ فضول مباح محرم کے قرب و جوار میں ہے کہ اگر دشمن لعین کے بہکانے سے وہاں سے قدم اٹھائیں تو بے اختیار حرام میں جا پڑیں۔ پس مباح ضروری پر کفایت کرنا ضروری ہے کہ اگر وہاں سے قدم پھسلے گا تو فضول مباح ہی میں پڑے گا اور اگر فضول مباحات میں قیام کیا جائے تو اس سے پہلے قدم پھسلتے ہی جھٹ محرم میں جا پڑیگا۔ بعض خواہشیں اس قسم کی ہیں جن کا حاصل ہونا خارج اور باہر کی طرف سے ہے۔ باوجودیکہ شخص فی نفسہ مرادوں سے خالی ہو اور خارج میں یا حضرت رحمٰن واعظ ہے۔ جو خیرات کا القاء کرتا ہے۔ فَاِنَّ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ اعِظًا فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ (کیونکہ ہر ایک مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ ہے) یا شیطان ہے جو شر وعداوت کا القاء کرتا ہے۔ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا (شیطان ان کو وعدہ اور امیدیں دلاتا ہے۔ مگر شیطان کا وعدہ سراسر دھوکا اور فریب ہے) قلعہ کی سکونت کے ایام میں یہ فقیر ایک دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس طریقہ عالیہ کی طرز وطرح پر خاموش بیٹھا ہوا تھا کہ بیہودہ آرزوؤں کے ہجوم نے بے مزہ کر دیا اور جمعیت کو کھو دیا۔ ایک لحہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے پھر جمعیت حاصل ہوئی تو دیکھا کہ وہ آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی طرح القاء کرنے والے کے ہمراہ باہر نکل گئی ہیں اور خانہ دل کو خالی چھوڑ گئی ہیں۔ اس وقت معلوم ہوا کہ یہ خواہشیں باہر کی طرف سے آئی تھیں اندر سے نہ اٹھی تھیں جو بندگی کے منافی ہیں۔ غرض جس فساد کا منشاء نفس امارہ ہے وہ مرض ذاتی اور زہر قاتل اور مقام بندگی کے منافی ہے اور جو فساد کہ باہر کی طرف سے آئے۔ اگرچہ القاء شیطانی ہو۔ وہ عارضی مرض ہے جو بہت آسان علاج سے دور ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا (بیشک شیطان کا مکر ضعیف ہے) ہماری بلا ہمارا اپنا ہی نفس ہے اور ہمارا جانی دشمن ہمارا اپنا ہی برا ہمنشین ہے۔ اسی کی مدد سے بیرونی دشمن ہم پر غلبہ پاتے ہیں اور ہم کو اسی کی مدد سے مغلوب کرتے ہیں۔ تمام اشیاء میں سے زیادہ جاہل نفس امارہ ہے جو اپنا ہی دشمن اور بدخواہ ہے اور اس کا ارادہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کی خواہش و آرزو ہمہ تن حضرت رحمٰن جل شانہ (جو اس کا اور اس کی نعمتوں کا مولیٰ ہے) کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت ہے جو اس کا جانی دشمن ہے۔

جاننا چاہیے کہ ذاتی اور عارضی مرض اور داخلی اور خارجی فساد کے درمیان فرق و تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ مبادا کوئی ناقص اس خیال سے اپنے آپ کو کامل فرض کرے اور اپنی مرض ذاتی کو مرض عارضی خیال کرے اور خسارہ کھائے فقیر اسی ڈر کے مارے اس سر کے لکھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور اس مطلب کا ظاہر کرنا مناسب نہیں جانتا تھا۔ میں سترہ سال تک اسی اشتباہ میں رہا اور فساد ذاتی کو فساد عارضی کے ساتھ ملا ہوا پاتا رہا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کر دیا اور مرض ذاتی کو مرض عارضی سے الگ کر دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِکَ وَ عَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ (اس نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا احسان ہے) اس قسم کے اسرار کے ظاہر کرنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ کوئی کوتاہ نظر کسی کامل کو اس قسم کی بیرونی آرزوؤں کے باوجود ناقص نہ سمجھے اور اس کی برکات سے محروم نہ رہے کفار اسی قسم کی صفات کے باعث انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی دولت سے محروم رہے اور اس طرح کہتے رہے۔ ابشر یھدوننا فکفروا (کیا ہم جیسا انسان ہم کو ہدایت دیتا ہے۔ پس کافر ہو گئے) اور یہ جو فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ عارف کو اس کی مرادوں اور خواہشوں کے دور ہو جانے کے بعد صاحب ارادہ بنا دیتا ہے اور اس کے ہاتھ میں اختیار دے دیتا ہے۔ اس مضمون کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ کسی اور جگہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کی جائے گی کیونکہ اب وقت یاوری نہیں کرتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَ اَکْمَلُھَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۲۸

اس بیان کو مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے۔ ملا صالح ترک کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لیے صدقہ کیا جائے۔ اسی اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش و خرم نظر آئی۔ جب یہ صدقہ کے دینے کا وقت آیا پہلے حضرت

رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کے لیے اس صدقہ کی نیت کی جیسا کہ عادت تھی۔ بعدازاں اس میت کی روحانیت کے واسطے نیت کر کے دے دیا۔ اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہوئی۔ اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی حالانکہ معلوم ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں، لیکن خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہیں ہوا۔ اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام کو بھی داخل کیا اور ان کو آنحضرت کا طفیلی بنایا۔ اس امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی و رضامندی معلوم نہ ہوئی۔ اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا اگر اسی مرتبہ میں تمام انبیاء پر بھی درود بھیجتا۔ تو اس میں آنحضرت کی مرضی ظاہر نہ ہوتی۔ حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لیے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کر لیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت پر دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا۔ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ (بیشک رب تیرا بڑی بخشش والا ہے) اس صورت میں ناخوشی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے۔ مدت تک یہ مشکل بات دل میں کھٹکتی رہی۔ آخرکار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ بغیر شرکت کے مردہ کے نام پر دیا جائے تو وہ مردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلے سے برکات و فیوض حاصل کرے گا، لیکن اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت کی نیت کرے گا تو میت کو کیا نفع ہو گا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے، اس صدقہ کا ثواب ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا۔ اسی طرح ہر شخص کے لیے کہ جس کو شریک کریں یہی نسبت موجود ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کہ اس کو مردہ اپنی طرف سے اس کے حضور پیش کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ تحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے بغیر کسی کی شراکت کے اگرچہ طفیلی ہو تو اس تحفہ کا خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ۔ کچھ شک نہیں کہ بغیر شرکت کے بہتر ہے اور وہ

بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دے دے تو اس بات سے بہتر ہے۔ کہ یہ شخص بفائدہ دوسروں کو داخل کر لے اور آل واصحاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عیال کی طرح ہیں۔ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت ﷺ کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے۔ پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے۔ ہاں متعارف ہے کہ ہدایات مرسولہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو اس کے ادب و رضامندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے، کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر مردوں کی رضامندی صدقہ کے افراد میں ہے نہ صدقہ کے اشتراک میں، لیکن چاہیے کہ جب میت کے لیے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نیت پر ہدیہ جدا کر لیں۔ بعدازاں اس میت کے لیے صدقہ کریں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں۔ اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے کے لیے اپنے آپ کو عاجز معلوم کرتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت پر مقرر کرے اور اس میت کو ان کا طفیلی بنائے۔ امید ہے کہ ان کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود اگر ریا وسمعہ سے بھی ادا کیا جائے تو مقبول ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے، کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت ﷺ کے قبول کے لیے جو مقبول ومحبوب ہیں۔ بہانہ ہی کافی ہے۔

آیت کریمہ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے) آنحضرت ﷺ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَعَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهِ الْكِرَامِ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ الْعِظَامِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامِ۔

مکتوب ۲۹

قرآن مجید کے بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے میں سیادت پناہ میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

چونکہ فقیر پہلے اپنے قصور فہم کے باعث قرآن مجید کے بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے میں تردد رکھتا تھا اور ان کی تطبیق و مطابقت میں عاجز ہو جاتا تھا۔ تو وسوسوں کے دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سے بہتر علاج کوئی نہ پاتا تھا کہ اپنے آپ کو کہتا تھا کہ تو اس نظم قرآنی کو حق تعالیٰ کی کلام مانتا ہے اور اس کے ساتھ ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر ایمان نہیں رکھتا ہے تو پھر بھی تیری اپنی سمجھ کا قصور ہے نہ کہ نظم قرآنی میں جو زمین و آسمان کے خالق اور عقل و ادراک کے پیدا کرنے والے کا کلام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کلام ربانی کے حق ہونے کا ایمان حاصل تھا۔ تو اس تردید سے وہ وسوسہ نیست و نابود دور ہو جاتا اور اس تردد سے نجات مل جاتی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ نظم قرآنی میں جہاں کہیں قصور ادراک کے باعث تردد اور خدشہ کی گنجائش ہے۔ وہی مقام قرآن مجید کے ساتھ ایمان کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اور وہی خدشہ فرقان حمید کے اعجاز کے ظاہر ہونے کا واسطہ ہے اور وہ اغلاق یعنی مشکل مقامات اعجاز کی قسموں سے متصور ہوتے ہیں اور وہ اشکال کمال بلاغت اور براعت پر محمول نظر آتے ہیں۔ جن کے سمجھے میں انسان عاجز ہے۔ جس قدر ایمان قرآن مجید کے نہ سمجھنے میں حاصل ہے۔ اتنا سمجھنے میں نہیں ہے کیونکہ نہ سمجھنے میں اعجاز کا وہ راستہ کھلا ہوا ہے جو سمجھنے میں نہیں۔ سبحان اللہ یہی نہ سمجھنا بعض کو گمراہ کر دیتا ہے اور کلام حق کا منکر بنا دیتا ہے اور بعض کے لیے یہی نہ سمجھنا قرآن کے ساتھ کمال ایمان کا باعث ہو جاتا ہے اور ہدایت کی طرف لے آتا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ط (اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے) رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی و ہدایت ہمارے نصیب کر)۔ والسلام

مکتوب ۳۰

مراتب اصول اور مراتب عبادت پر عروج کے بیان میں سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ط

(اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور مرسلین کے سردار پر صلوٰۃ و سلام ہو)۔

ابیات

پایہ آخر آدم است و آدمی | گشت محروم از مقام محرمی
گر نگردد باز مسکیں زیں سفر | نیست از وے ہیچکس محروم تر

ترجمہ ابیات

آدمی کا پایا ہے سب سے اخیر | ہو گیا محروم حق سے یہ فقیر
اس سفر سے گر نہ یہ مسکیں پھرے | پھر نہ ہرگز قرب حاصل کر سکے

جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے سالک آدمی کو اپنے وصول پر کہ وہ خود آپ جن کا ظل ہے عروج واقع ہو۔ تو ان اصول میں سے ہر ایک اصل میں اول اس کو فنا اور پھر اس فنا کے بعد اسی اصل کے ساتھ بقاء حاصل ہو گی اور اس فناء و بقا سے ان کی انانیت کا اطلاق اس ظل سے دور ہو کر اس اصل پر جس میں اس ظل کو فناء و بقا حاصل ہوا ہے اطلاق پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل جانے لگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کرم سے جب اصل سے عروج واقع ہو جائے تو اس اصل میں جو اس پہلے اصل کے اوپر ہے اور وہ پہلا اصل اس دوسرے اصل کا ظل ہے۔ اس پہلی اصل کا فناء و بقاء حاصل کر لے گا اور اصل سے انا کا اطلاق زائل ہو کر دوسرے اصل سے جا ملے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل ثانی معلوم کرے گا۔ اگر اصل ثانی سے عروج واقع ہو جائے تو اصل ثانی کو تیسرے اصل کے ساتھ وہی نسبت ہو گی۔ جو اول کو دوسرے کے ساتھ ہے یعنی عروج واقع ہونے کے بعد انا کا اطلاق اس تیسرے اصل پر قرار پائے گا۔ جس کا ظل دوسرا اصل ہے۔ اسی طرح اگر محض فضل خداوندی سے عروج واقع ہوتا جائے تو ہر ایک نیچے والے اصل میں جو اوپر کے اصل کے لیے ظل کی طرح ہے یہی نسبت موجود ہو گی۔ یعنی جوں جوں ظل سے اصل تک پہنچتا جائے گا ہر ظل سے انا کا اطلاق دور ہو کر اس کے اصل کے ساتھ ساتھ قرار پاتا جائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل معلوم کرتا جائے گا۔ اِلٰی مَا شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی تَفَاوُتِ مَرَاتِبِ الْاِسْتِعْدَادِ (جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ استعداد کے مرتبوں کے تفاوت کے بموجب) اور یہ اصول باوجود اس کثرت اور رفعت کے ظل اول یعنی سالک آدمی کے اجزاء ہوں گے۔ جس طرح قطرہ سے دریا بہا دیں اور تنکے کا پہاڑ بنا دیں۔ جب یہ اصول اس کے اجزاء ہوں گے تو ان کے کمالات و برکات سے بھی اس کو کامل حصہ حاصل ہو گا اور اس کا

کمال ان اجزا کے تمام کمالات کا جامع ہو گا۔ اس بیان سے انسان کامل اور باقی انسانی افراد کے درمیان فرق معلوم کر سکتے ہیں کہ انسان کامل دریائے محیط کی طرح ہے اور باقی تمام افراد انسان ناچیز قطروں کی طرح۔ پھر یہ اس کو کس طرح پہچان سکتے ہیں اور اس کے کمال کو کیا پا سکتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا۔ اس نے تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔ جس طرح انسان کامل اور انسان ناقص کے درمیان اجزا کی کمی وبیشی کی رو سے تفاوت ہے اسی طرح ان کے طاعات وحسنات میں بھی اس کمی بیشی کے موافق فرق ہے۔ اس شخص کے ساتھ جس کو سوزبانیں دیں اور وہ ہر ایک زبان کے ساتھ خدا کو یاد کرے اس شخص کی کیا نسبت ہو گی۔ جس کو صرف ایک ہی زبان دی اور وہ صرف ایک ہی زبان سے خدا کو یاد کرے۔ ایمان اور معرفت اور تمام کمالات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو پورا کر اور ہم کو بخش تو ہر چیز پر قادر ہے) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّاٰخِرًا وَّالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ دَائِمًا وَ سَرْمَدًا وَ عَلٰی اٰلِهِ الْكِرَامِ وَ صَحْبِهِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔

مکتوب ۳۱

عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجساد کی تحقیق میں ملا بدرالدین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ نے لکھا تھا کہ روح بدنی تعلق سے پہلے عالم مثال میں رہا ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثال میں چلا جائے گا۔ پس قبر کا عذاب عالم مثال میں اس درد کی طرح ہو گا جس کو خواب کی حالت میں عالم مثل میں محسوس کریں اور یہ بھی آپ نے لکھا تھا کہ اس کلام کی بہت شاخیں اور فروع ہیں۔ اگر قبول کریں تو بندہ اس بات پر بہت سے فروع نکالے گا۔ واضح ہو کہ اس قسم کے خیالات صدق سے بالکل خالی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو غیر متعارف یعنی غیر مشہور راہ کی طرف رہنمائی کریں۔ اس لیے چند کلمے باوجود موانع کے اس مبحث کی تحقیق میں لکھے جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اللہ تعالیٰ

سیدھے راستہ کی ہدایت دینے والا ہے) اے برادر (صوفیاء نے) عالم ممکنات کی تین قسمیں مقرر کی ہیں۔ عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان برزخ کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم مثال ان دونوں عالموں کے معانی اور حقائق کے لیے آئینہ کی طرح ہے۔ کہ اجساد اور ارواح کے معنی اور حقائق عالم مثال میں لطیف صورتوں کی طرح ظہور پاتے ہیں، کیونکہ عالم مثال اور حقیقت کے مناسبت دوسری صورت اور ہیئت ہے۔ عالم مثال میں فی ذاتہ صورتیں اور ہیئتیں اور شکلیں نہیں ہیں بلکہ صورتیں اور شکلیں اس میں دوسرے عالموں سے منعکس ہو کر ظاہر ہوئی ہیں۔ جس طرح آئینہ جس میں فی نفسہ کوئی صورت و شکل نہیں۔ اگر اس میں کوئی صورت موجود ہے تو خارج سے آئی ہے۔ جب یہ بات آپ کو معلوم ہو چکی تو پھر جاننا چاہئے کہ روح بدنی تعلق سے پہلے اپنے عالم یعنی عالم ارواح میں رہا ہے جو عالم مثال کے اوپر ہے۔

اب اگر اس نے بدنی تعلق کے بعد تنزل کیا ہے اور محبت کے علاقہ کے باعث اجساد میں اتر آیا ہے تو عالم مثال کے ساتھ کچھ کام نہیں رکھتا یعنی نہ اس کو بدنی تعلق سے پہلے عالم مثال کے ساتھ کچھ اور واسطہ تھا اور نہ اب تعلق بدنی کے بعد ہے۔ صرف اسی قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بعض اوقات روح اپنے بعض احوال کو عالم مثال کے آئینہ میں مطالعہ کرتا ہے اور اپنے احوال کی خوبی اور برائی کو وہاں سے معلوم کرتا ہے۔ جیسے کہ واقعات اور خوابوں میں یہ بات واضح اور روشن ہے۔ بسا اوقات سالک بغیر اس امر کے کہ حس سے غائب ہو۔ اس بات کو معلوم کر لیتا ہے اور بدن کی مفارقت کے بعد اگر روح علوی ہے تو فوق کی طرف متوجہ ہے اور اگر سفلی ہے تو سفل کا گرفتار ہے۔ عالم مثال سے اس کا کچھ کام نہیں۔ عالم مثال صرف دیکھنے کے لیے ہے نہ کہ رہنے کے لیے۔ رہنے کی جگہ عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔ عالم مثال ان دونوں عالموں کے لیے آئینہ کی طرح ہے جیسے کہ گزر چکا اور وہ درد جو عالم خواب میں عالم مثال میں محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس عذاب کی صورت اور شبح (1) ہے۔ جس عذاب کا مستحق وہ خواب دیکھنے والا ہوا ہے اور اس کی تنبیہ کے لیے اس امر کو اس پر ظاہر کیا ہے، لیکن قبر کا عذاب اس قسم کا نہیں ہے۔ وہ عذاب کی حقیقت ہے۔ نہ کہ عذاب کی صورت و شبح۔ نیز وہ درد جو خواب میں محسوس ہوتا ہے بالفرض اگر حقیقت بھی رکھتا ہو تو دنیاوی دردوں کی قسم ہی سے ہوگا

اور قبر کا عذاب آخرت کے عذاب کی قسم سے ہے۔ فَشَتَّانَ مَابَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلہ میں کچھ اعتبار و مقدار نہیں رکھتا۔ اگر دوزخ کے آگ کی ایک چنگاری دنیا میں آ پڑے تو سب کچھ جلا دے اور نیست و نابود کر دے۔ عذاب قبر کو عذاب خواب کی طرح جاننا عذاب کی صورت اور حقیقت پر اطلاع نہ پانے کے باعث ہے۔ اس اشتباہ کا باعث یہ بھی ہے کہ دنیا کے عذاب اور آخرت کو ایک جیسا سمجھیں، لیکن یہ بھی صاف طور پر باطل ہے۔

سوال: آیت کریمہ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے روحوں کو ان کی موت کے وقت اور ان کو جو نہیں مرتے اپنی خوابوں میں) سے مفہوم ہوتا ہے کہ توفی انفس یعنی جانوں کا قبض کرنا جس طرح موت میں ہے۔ اس طرح خواب میں بھی ہے۔ پھر ایک کے عذاب کو دنیا کے عذابوں سے جاننا اور دوسرے کے عذاب کو آخرت کے عذابوں سے کہنا کس وجہ سے ہے۔

جواب: توفی نوم یعنی خواب کا قبض اس قسم کا ہے۔ کہ جیسے کوئی شخص سیر و تماشا کے لیے شوق و رغبت کے ساتھ اپنے وطن مالوف سے باہر نکلے۔ تاکہ فرح و سرور حاصل کرے اور خوش و خرم اپنے وطن کو لوٹ آئے۔ اس کی سیر گاہ عالم مثال ہے۔ جس میں ملک و ملکوت کے عجائبات بھرے ہیں، لیکن موت کا قبض ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس وقت وطن مالوف اجاڑ ہو جاتا ہے اور آباد گھر ویران ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب کے قبض میں کوئی رنج و تکلیف نہیں ہوتی بلکہ فرح و سرور حاصل ہوتا ہے اور موت کے قبض میں بہت سختی اور تکلیف ہوتی ہے۔ پس خواب کے متوفی کا وطن دنیا ہے اور وہ معاملہ جو اس کے ساتھ کرتے ہیں دنیاوی معاملات میں سے ہے اور موت کا متوفی اپنے وطن مالوف کے اجڑ جانے کے بعد آخرت کی طرف انتقال کر چکا ہے۔ اس لیے اس کا معاملہ آخرت کے معاملات میں سے ہے۔ آپ نے سنا ہی ہوگا۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَةُ (جو شخص مر گیا اس کی قیامت آ گئی) آپ خیالی کشفوں اور مثالی صورتوں کے ظہور سے اہل سنت و جماعت کے مقررہ اعتقادوں کو نہ چھوڑیں اور اپنے خواب و خیال پر مغرور نہ ہوں، کیونکہ اس فرقہ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں۔ اگر آپ کو نجات کی خواہش ہے تو خوش طبعی کو چھوڑ کر جان و دل سے ان بزرگواروں کی اتباع میں کوشش

کریں۔ اطلاع دینا ضروری ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے) آپ کی طرز تحریر سے مجھے وہم گزرا تھا کہ ایسا نہ ہو یہ تخیلات آپ کو ان بزرگواروں کی تقلید سے نکال کر اپنے کشفوں کے تابع بنا دیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا وَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مَنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا (ہم اس بات سے اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں) شیطان بڑا قوی دشمن ہے۔ اس کے مکر سے بخوبی واقف رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو سیدھے راستہ سے بہکا کر گمراہی کے کوچہ میں ڈال دے۔ آپ کو جدا ہوئے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے۔ آپ کو کیا ہو گیا کہ وہ احتیاطیں اور کوششیں جو فقیر سنت اور اہل سنت کی متابعت کے بارہ میں کیا کرتا تھا اور انہی بزرگواروں کی تقلید میں نجات کو موقوف کہا کرتا تھا۔ شاید سب آپ کو بھول گئیں کہ اپنے مخیلات کو اپنا مقتدا اور رہنما بنا کر اس پر طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ ظاہری حالات کی رو سے ہماری ملاقات بہت بعید معلوم ہوتی ہے۔ آپ اس طرح زندگی بسر کریں جس سے نجات کی امید کا رشتہ نہ ٹوٹ جائے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَ هَیِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۴۲

اس بیان میں کہ وہ خطرات جن کو وصل کے اسباب کہتے ہیں۔ تجلی صوری کے اندازہ کے موافق ہیں اور کثرت وہمیہ کی حقیقت کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں مقصود علی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ نے لکھا تھا کہ ایک سالک نے کسی کامل سے پوچھا کہ میں خطرات کے ہجوم سے پریشان ہوں۔ تو اس کامل نے وَ هُوَ عَلٰى کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ (اور وہ ہر شے پر محیط ہے) کے موافق جواب دیا کہ جب مطلوب کا احاطہ و شمول معلوم ہے۔ تو خطرہ کو وصل کے اسباب جاننا چاہئے۔ نہ فصل کے موجبات سے ہمیشہ مشاہدہ کے دروازہ کو کھلا رکھنا چاہئے اور غفلت کی کھڑکی کو بند کرنا چاہئے۔ یہ بات تجلی صوری کے اندازہ کے موافق درست

ہے۔ جو اس راہ کے مقدمات میں سے پہلا مقدمہ ہے۔ اس مقام میں اگر وصل ہے۔ اگرچہ درحقیقت فصل ہے۔ صورت کے اعتبار سے ہے اور اگر مشاہدہ ہے۔ اگرچہ حقیقت میں مباعدہ ہے۔ وہ بھی صورت کے ملاحظہ سے موجود ہے۔ یہ تجلی اس راہ کے بزرگواروں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے، کیونکہ سالک کے وجود کو فنا کرنے والی نہیں۔ نیز اس تجلی میں محق و مبطل یعنی جھوٹے اور سچے شریک ہیں۔ ہندو جوگی اور یونان کے فلسفی بھی اس تجلی سے واقف ہیں اور اس مقام کے علوم و معارف سے محظوظ اور متلذذ ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ یہ دولت سچے کو صفاء قلب کے باعث حاصل ہوتی ہے اور جھوٹے کو صفاء نفس کے سبب سے۔ اسی واسطے وہ ہدایت کی طرف لے جاتی ہے اور یہ گمراہی کی طرف، لیکن دونوں صورت میں گرفتار اور معنی سے بے خبر ہیں۔ بیت

صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر کو باجمال جاناں پنہاں چکار دارد

ترجمہ بیت

صورت کا جو ہے شیدا معنی کو جانے وہ کیا دلبر کے حسن سے پھر کیا ہے تعلق اس کا

لیکن سچے کو صورت کے تعلق سے نجات پانے کی امید ہے اور جھوٹا صورت ہی میں ہلاک و فانی رہتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کو اختیار کرنے کے بغیر صورت کی گرفتاری سے نجات کا ملنا محال ہے۔ نیز صورت کے تجلیے دائرہ علم میں داخل ہے، لیکن جب اس میں حال و ذوق پرتو ڈالتا ہے تو وہ علم سب حال ہو جاتا ہے۔ نیز اس تجلیے میں مشہود کثرت ہے، لیکن وحدت کے مظہر ہونے کے طور پر اور کثرت کا شہود خواہ کسی طور پر ہو۔ وبال در وبال ہے۔ چاہیئے کہ باطنی نظر میں کثرت اور شہود کثرت کا نام و نشان تک نہ رہے اور واحد حقیقی کے سوا کچھ مشہود نہ ہوتا کہ فنا جو اس راہ میں پہلا قدم ہے۔ حاصل ہو جائے۔ کیونکہ فناء سے مراد یہ ہے کہ باطن سے ماسوی اللہ کا نسیان ہو جائے۔ پھر کثرت کی اس جگہ کیا مجال ہو گی اور کثرت کا شہود وہاں کیا ہو گا اور خطرات کو جو وصل کے اسباب اور مشاہدہ کے دروازے کہا ہے اس وصل و مشاہدہ سے مراد صوری وصل و مشاہدہ ہے جو عین مفارقت اور دوری ہے، کیونکہ وہ وصل جو اس طائفہ عالیہ کے بزرگواروں کے نزدیک معتبر ہے۔ وہ مقام بقاء باللہ میں حاصل ہوتا ہے جو فناء اور تمام ماسوئی کے نسیان کے بعد میسر ہوتا ہے۔ خطرہ کا ہونا اس دولت کے منافی ہے اور وسوسہ

کا حاصل ہونا اس مرتبہ کا مانع ہے۔ مقام فناء میں جو اس وصل کی دہلیز ہے خطرہ اس طرح دور ہو جاتا ہے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو یاد دلائیں تو اس نسیان کے باعث جو اس کو ماسوی سے حاصل ہو چکا ہے۔ ہرگز اشیاء اس کو یاد نہ آئیں۔ آپ نے لکھا تھا وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطٌ" (وہ تمام اشیاء پر محیط ہے) احاطہ کا بیان اس عبارت میں نہیں آیا۔ مانا کہ مولدین کی کلام سے ہے، کیونکہ کلام عجم میں احاطہ کا تعدیہ کلمہ علی کے ساتھ بہت آتا ہے اور عرب کی فصیح عبارتوں میں احاطہ کا تعدیہ کلمہ کے ساتھ مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطًا اور جگہ فرماتا ہے۔ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطٌ" (اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے) آپ ظاہراً اس عبارت کو قرآن مجید سے خیال کر کے استشہاد کے طور پر لائے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس مطلب کا بیان قرآن مجید میں دوسری عبارتوں کے طور پر ہے۔ جیسے کہ گزر چکا نیز آپ نے لکھا تھا کہ کثرت وہمی اور تعدد اعتباری نے اس طرح انبوہ کیا ہے کہ اکثر علماء نے تعدد وجود سے غلطی میں پڑ کر مغز سے پوست پر اور لب سے قشر پر قناعت کی ہے۔ کثرت و تعدد اگرچہ وہمی اور اعتباری ہے، لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی صنع و ایجاد سے پیدا ہوا ہے اس لیے مضبوط اور مستحکم ہے اور دنیا و آخرت کا معاملہ اسی پر وابستہ ہے اور آثار خارجیہ اسی پر مترتب ہیں۔ وہم و اعتبار ہر چند اٹھ جائے، لیکن اس کثرت و تعدد کا اٹھ جانا ممنوع اور ناممکن ہے، کیونکہ آخرت کا دائمی عذاب و ثواب جس کی نسبت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے۔ اسی کثرت و تعدد پر موقوف ہے۔ اس کثرت و تعدد کے اٹھ جانے کا حکم کرنا الحاد و زندقہ میں داخل ہے۔ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ پس صوفیاء عالیہ اور علماء کرام دونوں اس کثرت و تعدد کے ثبوت اور استمرار کے قائل ہیں اور آخرت کا دائمی معاملہ اسی پر منحصر جانتے ہیں، لیکن عروج کے وقت یہ کثرت چونکہ صوفیاء کے شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے اس لیے اس کو وہمی اور اعتباری معلوم کرتے ہیں اور چونکہ نفس امر میں مرتفع نہیں ہوتی۔ اگرچہ شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ اس لیے علماء اس کو موجود جانتے ہیں۔ پس دونوں گروہوں کا معنی میں اتفاق ہے اور نزاع لفظ کی طرف راجع ہے۔ ہر ایک گروہ نے اپنی اپنی دریافت کے اندازہ کے موافق حکم کیا ہے۔ صوفیاء نے شہود کا اعتبار کیا ہے اور شہودی ارتفاع کا لحاظ کر کے اس کے وہمی اور اعتباری ہونے کا حکم کیا ہے اور علماء نے اس کے نفس امری ثبوت و استقرار کا لحاظ کر کے اس کے وجود کا حکم فرمایا ہے۔

وَلِکُلٍّ وِجۡھَۃٌ (ہر ایک کے لیے ایک جہت ہے) اس مضمون کو اس فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں مفصل طور پر بیان کیا ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے۔ اگر کوئی امر پوشیدہ رہ جائے تو وہاں سے دیکھ لیں۔ علماء کی نظر صواب کے نزدیک اور نفس امر کے مطابق ہے اور صوفیاء کی نظر شکر اور غلبہ حال کے اعتبار سے ہے۔ ستارے دن میں پوشیدہ ہیں اور نفس امر میں ثابت ہیں اور شہود سے چھپے ہوئے ہیں۔ ستاروں کے ثبوت کا حکم کرنا بہت ہی بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ان کے عدم شہود کو ملاحظہ کر کے ستاروں کے نہ ہونے کا حکم کریں۔ علماء جو وجود کثرت کے قائل ہیں ان کا مقصود شریعت کا باقی رکھنا ہے۔ جس کی بنا تعدد پر ہے اور صاحب شریعت کے وعدہ وعید کا جاری کرنا کثرت کے بغیر متصور نہیں۔ صوفیاء بھی اس بات کو مانتے ہیں۔ اگرچہ تکلف کے ساتھ اس کو شریعت کے مطابق کرتے ہیں، لیکن جو کچھ علماء نے فرمایا ہے بے تکلف صادق اور بغیر حیلہ کے مطابق ہے اس میں کسی قسم کا غبار اور کدورت نہیں اور علماء مستقل اور دائمی وجود ثابت نہیں کرتے جس میں اعتراض کی گنجائش ہو اور واجب کے ساتھ شریک ہو۔ بلکہ ایک وجود ضعیف ثابت کرتے ہیں۔ جو دوسرے سے عاریت کے طور پر ملا ہوا ہے۔ اس بات سے علماء کو جو دین کے بزرگوار ہیں۔ خطا کی طرف منسوب کرنا اور غلطی کی نسبت دینا سراسر غلطی اور محض خطا ہے۔ ہم پیچھے رہنے والوں نے دین و شریعت کو علماء ہی سے حاصل کیا ہے اور مذہب و ملت کو انہی کے برکات سے اخذ کیا ہے۔ اگر ان میں طعن کی گنجائش ہو تو شریعت اور ملت سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اسی واسطے علماء نے سلف کے بزرگواروں پر طعن لگانے والے کو گمراہ اور بدعتی کہا ہے اور اس کے طعن کو دین میں گمراہ اور شک کے اسباب سے جان کر اس کے باطل ہونے کا حکم کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ علماء نے مغز سے پوست پر قناعت کی ہے۔ بیشک آپ نے صورتوں کو مغز خیال کیا ہے اور تنزیہ کو پوست۔ کیونکہ علماء کی دعوت اور گرفتاری تنزیہ کے ساتھ ہے اور تجلی صوری والوں کا مطلوب اور مشہود صورتیں اور شکلیں ہیں۔ پھر انصاف کرنا چاہئے کہ مغز کا گرفتار کون ہے اور پوست کا مبتلا کون۔ اِنَّا اَوۡ اِیَّاکُمۡ لَعَلٰی ھُدًی اَوۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ (ہم ہدایت پر ہیں یا تم اور ہم گمراہ ہیں یا تم) رَبَّنَا اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّ ھَیِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا۔

مکتوب ۴۳

شیخ شرف الدین منیری قدس سرہ کے اس کلام کی تحقیق میں جو انہوں نے کہی ہے
کہ جب تک کافر نہ ہو اور بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو
تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ ملا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

ملا شمس الدین! آپ استقامت سے رہیں۔ آپ نے پوچھا تھا کہ شیخ المشائخ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ نے رسالہ ارشاد السالکین میں لکھا ہے کہ سالک جب تک کافر نہ ہو، مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک سالک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ ان کلمات سے کیا مراد ہے؟

واضح ہو کہ کفر سے مراد کفر طریقت ہے۔ جو مرتبہ جمع سے مراد ہے کہ استتار یعنی پوشیدگی کا مقام ہے۔ اس مقام میں سالک اسلام کی خوبی اور کفر کی برائی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جس طرح اسلام کو پسندیدہ جانتا ہے۔ کفر کو بھی ویسا ہی اچھا جانتا ہے اور دونوں کو اسم ہادی اور اسم مضل کے مظہر جان کر دونوں سے حظ حاصل کرتا اور لذت پاتا ہے۔ یہ وہی کفر ہے جس کی خبر منصور نے دی ہے اور اسی میں رہا ہے اور اسی پر مرا ہے۔ اس نے کہا ہے۔ بیت

كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ لَدَىَّ وَ عِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

ترجمہ بیت: ہوا کافر میں دین حق سے مجھ کو کفر واجب ہے
اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں وہ کفر بدتر ہے

قول اَنَا الْحَقُّ اور قول سُبْحَانِیْ اور قول لَيْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللهِ وغیرہ شطحیات سب اسی مرتبہ جمع کے درخت کے پھل ہیں۔ اس قسم کی باتوں کا باعث محبوب حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے۔ یعنی سالک کی نظر سے محبوب کے سوا سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور محبوب کے سوا اس کو کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اس مقام کو مقام جہل اور مقام حیرت بھی کہتے ہیں، لیکن یہ وہ جہل ہے جو محمود ہے اور یہ وہ حیرت ہے جو ممدوح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مرتبہ جمع سے بلند تر سیر واقع ہو جائے اور علم اس جہل کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس حیرت کے ساتھ معرفت مل جائے اور فرق و تمیز حاصل ہو جائے اور سکر سے صحو میں آ جائے تو اس وقت اسلام حقیقی کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر ہوتی ہے۔ یہ اسلام و ایمان زوال سے

محفوظ ہے اور کفر کے عارض ہونے سے بچا ہوا ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں جو آیا ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ" (یا اللہ میں وہ ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہیں) یہ وہی ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے۔ آیت کریمہ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے) اسی ایمان والوں کے حال کا نشان ہے کیونکہ ولایت اس ایمان کے بغیر متصور نہیں۔ اگرچہ مرتبۂ جمع میں بھی اسم ولایت کا اطلاق کر سکتے ہیں، لیکن نقص وقصور ہر وقت اس مرتبہ کا دامن گیر ہے۔ کیونکہ کمال ایمان معرفت میں ہے نہ کہ کفر اور جہل میں۔ خواہ کوئی کفر و جہل ہو۔ پس جو کچھ شیخ نے کہا ہے درست ہے کہ جب تک کفر طریقت سے متحقق نہ ہوں۔ اسلام حقیقی سے مشرف نہیں ہوتے اور یہ جو شیخ نے فرمایا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مارے تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ مراد بھائی سے ہمزاد شیطان ہے جو انسان کا ساتھی ہے اور ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی بنی آدم نہیں جس کا ساتھی ایک جن نہ ہو۔ یاروں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کا ساتھی بھی جن ہے۔ فرمایا ہاں، لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی ہے کہ میں اس کے شر سے سالم اور بچا ہوا ہوں۔ یہ معنی اس صورت میں ہے کہ لفظ فاسلم جو حدیث میں واقع ہے۔ اس کو صیغہ متکلم سے روایت کیا جائے اور اگر صیغہ ماضی سے روایت کیا جائے تو اس کے معنی اس طرح ہوں گے کہ میرا ساتھی مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ اخیر کے معنی مشہور ہیں اور اس کے مسلمان ہونے یا مرنے سے مراد اس کی تابعداری نہ کرنا اور اس کو ذلیل و خوار رکھنا ہے۔

سوال: آدمی باوجود عقل و فراست کے اس شیطان کا مغلوب کیوں ہو جاتا ہے اور اس کی بری رہنمائی کی طرف کیوں جلدی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی نامرضیات کا مرتکب کیوں ہوتا ہے؟

جواب: شیطان سراسر فتنہ و بلا ہے۔ جو حق تعالیٰ نے بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے مسلط کیا ہے اور اس کو ان کی نظر سے چھپا دیا ہے اور اس کے احوال پر ان کو اطلاع نہیں دی اور اس کو ان کے احوال سے واقف کر دیا اور ان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح جاری کیا ہے۔ وہ بڑا ہی سعادتمند ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے ایسی بلا کے مکر و فریب سے محفوظ رہے۔ باوجود اس تسلط کے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے مکر اور کید کو ضعیف فرمایا ہے اور سعادتمندوں کو دلیر کر دیا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی مدد سے شیطان باوجود اس تسلط کے لومڑی کا

حکم رکھتا ہے اور اس کے فضل کی امداد کے بغیر پھاڑنے والا شیر ہے۔ بیت

تو مرا دل دہ و دلیری بہ بیں　　　روبہ خویش خواں و شیری بہ

ترجمہ بیت

دے کے دل تو مجھے دلیری دیکھ　　　اپنی روبہ بنا کے شیری دیکھ

دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اس کو مشتبہات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نفس امارہ کی مدد سے جو گھر کا دشمن ہے آدمی پر غلبہ پاتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبردار بنالیتا ہے۔ شیطان کا مکر فی حد ذاتہ ضعیف ہے، لیکن خانگی دشمن کی مدد سے اپنا کام کر جاتا ہے۔ درحقیقت ہماری بلا ہمارا نفس امارہ ہی ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ اس کمینہ کے سوا کوئی بھی اپنے آپ کا دشمن نہیں۔ باہر کا دشمن اسی کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ پس اول اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہیۓ اور اس کی تابعداری کو چھوڑنا چاہیۓ اور اس کو ذلیل و خوار کرنا چاہیۓ۔ اسی جہاد کے ضمن میں بھائی کا سر بھی کٹ جائے گا اور وہ بھی ذلیل وخوار ہو جائے گا۔ اس راستہ کے چلنے والے انسان کا حجاب اس کا اپنا ہی نفس ہے اور بھائی مبحث سے خارج ہے جو دور سے شرارتوں کی طرف دعوت کرتا ہے اور سیدھے راستہ سے ٹیڑھے راستہ کی طرف بلاتا ہے۔ جب نفس تابع ہو جائے تو پھر وہ بیرونی دشمن اللہ تعالیٰ کی مدد سے بآسانی دفع ہو جاتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِی لَیسَ لَکَ عَلَیهِم سُلطَانٌ" (میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں) ان بندوں کے لیے بشارت ہے۔ جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر معبود حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں۔ وَاللہُ سُبحَانَ المُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اور یہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو۔ مسلمان نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ ماں سے مراد عین ثابتہ ہو۔ جو خارج میں وجود کے ظہور کا سبب ہے۔ اس طائفہ کی اصطلاح میں عین ثابتہ کو مادر سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ بیت

وَلَدتُ اُمِّی اَبَا هَا　　　اِنَّ ذَا مِنْ اَعْجَبَا

ترجمہ

نرالا کام یہ کیا ہی ہوا ہے　　　مری ماں نے پدر اپنا جنا ہے

مادر سے مراد عین ثابتہ ہے اور اس مادر کا پدر اس اسم الٰہی سے مراد ہے جس اسم کا ظل

اور عکس اور پر تو عین ثابتہ ہے۔ چونکہ خارج میں اس اسم کا ظہور عین ثابتہ کے ذریعے ہوا ہے اس لیے اس ظہور سے ولادت کی تعبیر کر کے مادر کہتے ہیں اور عین ثابتہ مراد رکھتے ہیں۔ اس عین ثابتہ کو تعین وجوبی بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس طائفہ کے نزدیک تعینات پانچ ہیں۔ جن کو تنزلات خمسہ اور حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے دو تعین مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبہ امکان میں کہتے ہیں۔ وہ دو تعین جو مرتبہ وجوب میں ہیں۔ ایک تعین وحدت ہے، دوسرے تعین واحدیت۔ جو دونوں مرتبہ علم میں ہیں۔ ان میں فرق صرف علمی اجمال و تفصیل کا ہے اور تین تعین جو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں وہ تعین روحی اور تعین مثالی اور تعین جسدی ہے۔ چونکہ عین ثابتہ مرتبہ واحدیت میں ہے۔ اس لیے اس کا تعین وجوبی ہوگا اور جب اس شخص ممکن کی حقیقت بھی عین ثابتہ ہے جو تعین وجوبی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے ظل کی طرح ہے۔ پس اس شخص کی ماں عالم وجوب سے ہوگی۔ جس نے اس کو عالم امکان میں ظاہر کیا ہے اور ماں کے ساتھ جفت ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس شخص کا یہ تعین امکانی اس تعین وجوبی کے ساتھ جو اس کی حقیقت ہے۔ متحد ہو جاتا ہے۔

بیت

چو ممکن گرد امکاں برفشاند بجز واجب درو چیزے نماند

ترجمہ بیت: دور جب ممکن سے ہو جاتی ہے گرد امکاں کی

کچھ نہیں رہتا سوا واجب کے اس میں اے اخی

یعنی اس کا تعین امکانی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اپنی انا کو تعین وجوبی پر اطلاق دیتا ہے۔ نہ اس طرح پر کہ تعین امکانی واقعی تعین وجوبی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ محال ہے اور اس سے الحاد و زندقہ لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ اس جگہ کا معاملہ شہود پر ہے۔ اگر تعین کا زوال ہے تو شہود سے تعلق رکھتا ہے اور اگر اتحاد ہے تو وہ بھی شہود سے متعلق ہے۔ بیت

نہ آں ایں گردد نے ایں شود آں همہ اشکال گردد بر تو آساں

ترجمہ

نہ وہ یہ اور نہ یہ وہ ہو مری جان تمامی مشکلیں ہوں تجھ پر آسان

جب اس شخص نے اپنے اس تعین کو اس تعین کے ساتھ متحد پایا تو اس بات کا امیدوار ہو

گیا کہ امکان کی آلودگیوں سے صاف ہو جائے گا اور مرتبہ وجوب کے اسلام اور انقیاد کی دولت سے مشرف ہو جائے گا۔ جاننا چاہئے کہ تنزلات خمسہ جو صوفیاء نے بیان کیے ہیں۔ وجود میں صرف اعتبارات ہی ہیں اور کشف شہود سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ یہ کہ درحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے۔ فَسُبْحَانَ اللہِ مَنْ لاَ یَتَغَیَّرُ بِذَاتِہٖ وَلاَ بِصِفَاتِہٖ وَلاَ فِیْ اَسْمَائِہٖ بِحُدُوْثِ الْاَکْوَانِ (پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات و صفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا) صوفیاء اپنی دید کے اندازہ کے موافق سکر اور غلبہ حال کے وقت اس قسم کی بہت سی باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ ان کو ظاہر پر محمول نہ جاننا چاہئے، بلکہ ان کی توجیہ میں مشغول ہونا چاہئے کیونکہ مستوں کی کلام ظاہر سے پھیر کر توجیہ سے معلوم کی جاتی ہے۔ وَاللہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (تمام امور کی حقیقتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) چونکہ آپ نے یہ بیقرار کرنے والی باتیں ایک بزرگ سے نقل کی تھیں۔ اس لیے ان کے حل میں کچھ لکھا گیا۔ ورنہ یہ فقیر اس قسم کی مخالف باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان کے ردوبدل میں زبان نہیں کھولتا۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور کاموں میں زیادتی بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَ آخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَ سَرْمَدًا وَ عَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ وَ صَحْبِہِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ (اول و آخر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے رسول اور ان کی آل بزرگ اور اصحاب کبار پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو)

مکتوب ۳۴

نصیحت اور ذکر الٰہی کی ترغیب اور دنیا کی محبت سے بچنے کے بارہ میں میر محمد امین کی والدہ کی طرف لکھا ہے وہ نصیحتیں جو ضروری ہیں یہ ہیں:۔

(1) اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ یعنی علماء اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق درست کریں۔

(2) عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہیہ کے مطابق عمل بجالائیں، کیونکہ جس چیز کا امر ہو چکا ہے اس کا بجالانا ضروری ہے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے ہٹ جانا لازم ہے۔

(3) پنج وقتی نماز کو سستی اور کاہلی کے بغیر شرائط اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں۔

(4) نصاب کے حاصل ہونے پر زکوٰۃ ادا کریں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ کا ادا کرنا فرمایا ہے۔

(5) اپنے اوقات کو کھیل کود میں صرف نہ کریں اور قیمتی عمر کو بیہودہ امور میں ضائع نہ کریں پھر امور منہیہ اور محظورات شرعیہ کے بارے میں کیا تاکید کی جائے۔

(6) سرود و نغمہ یعنی گانے بجانے کی خواہش نہ کریں اور اس کی لذت پر فریفتہ نہ ہوں۔ یہ ایک قسم کا زہر ہے جو شہد میں ملا ہوا ہے اور سم قاتل ہے۔ جو شکر سے آلودہ ہے۔

(7) لوگوں کی غیبت اور نکتہ چینی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ شریعت میں ان دونوں بری خصلتوں کے بارے میں بڑی وعید آئی ہے۔

(8) جہاں تک ہو سکے جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے سے پرہیز کریں، کیونکہ یہ دونوں بری عادتیں تمام مذہبوں میں حرام ہیں اور ان کے کرنے والے پر بڑی وعید آئی ہے۔

(9) خلقت کے عیبوں اور گناہوں کو ڈھانپنا اور ان کے قصوروں سے درگزر اور معاف کرنا بڑے عالی حوصلہ والے لوگوں کا کام ہے۔

(10) غلاموں اور ماتحتوں پر مشفق و مہربان رہنا چاہیئے اور ان کے قصوروں پر مواخذہ نہ کرنا چاہیئے اور موقع اور بے موقع ان نامرادوں کو مارنا، پیٹنا، گالی دینا اور ایذا پہنچانا نامناسب ہے۔

(11) اپنی تقصیروں کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیئے۔ جو ہر ساعت حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی نسبت وقوع میں آرہی ہیں اور حق تعالیٰ ان کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور روزی کو نہیں روکتا۔

(12) عقائد کے درست کرنے اور احکام فقہیہ کے بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں بسر کریں اور جس طرح ذکر طریق سیکھا ہوا ہے۔ اسی طرح عمل میں لائیں اور جو کچھ اس کے منافی ہو اس کو اپنا دشمن جان کر اس سے اجتناب کریں۔

بیت

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است　　گر شکر خوردن بود جا نکندن است

ترجمہ بیت: عشق حق کے ماسوا جو کچھ کہ ہے ہر چند احسن ہے

شکر کھانا بھی گر ہوگا عذاب جان کندن ہے

آپ کو روبرو بھی کئی دفعہ یہی کہا گیا ہے کہ امور شرعیہ میں جس قدر احتیاط کی جائے اسی قدر مشغولی اور مراقبہ میں زیادتی ہوتی ہے اور اگر احکام شرعیہ میں سستی کی جائے تو مشغولی اور مراقبہ کی لذت وحلاوت برباد ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ۔

مکتوب ۴۵

ماتم پرسی اور نصیحت اور جوانی کو غنیمت سمجھنے کے بارہ میں مرزا منوچہر کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

حق تعالیٰ برخوردار سعادت اطوار کو خوش وقت اور جمعیت کے ساتھ رکھے اور اس کے گزشتہ غم واندوہ کی اچھی طرح تلافی فرمائے۔ اے فرزند! جوانی کے زمانہ کا آغاز جس طرح ہوا و ہوس کا وقت ہے۔ اسی طرح علم و عمل کے حاصل کرنے کا بھی یہی وقت ہے۔ وہ عمل جو اس وقت میں نفس کی غضبی اور شہوانی رکاوٹوں کے غالب ہونے کے باوجود شریعت غرا کے موافق کیا جائے اس عمل سے جو جوانی کے سوا اور وقت میں ادا کیا جائے۔ کئی گنا زیادتی اور اعتبار اور اعتماد رکھتا ہے، کیونکہ مانع کا ہونا جو رنج ومحنت کا باعث ہے۔ عمل کی شان کو آسمان تک بلند کر دیتا ہے اور مانع کا نہ ہونا جس میں کسی قسم کی کوشش وتکلیف نہیں۔ عمل کے معاملہ کو زمین پر ڈال دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواص انسان خواص فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ انسان کی طاعت باوجود موانع کے ہے اور فرشتہ کی طاعت موانع کے بغیر ہے۔ سپاہیوں کا زیادہ اعتماد اور اعتبار دشمنوں کے غلبہ کے وقت ہے جو دولت کے مانع ہیں۔ ایسے وقت میں سپاہیوں کا تھوڑا سا تردد بھی اور وقتوں کے بہت سے تردد کی نسبت کئی گنا زیادہ اعتبار اور زیادتی رکھتا ہے اور معلوم ہے کہ ہوا و ہوس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کے نزدیک پسندیدہ ہے اور شریعت روشن کے موافق علم و عمل کا بجالانا حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ پھر عقل ودانش سے دور ہے کہ اپنے مولیٰ کے دشمنوں کو راضی رکھیں اور نعمتیں بخشنے والے مولیٰ کو ناراض کریں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)

مکتوب ۳۶

عذاب قبر کے منکروں کے شبہات دور کرنے میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) بعض لوگ عذاب قبر میں جو مشہور صحیح حدیثوں بلکہ آیات قرآنی کے ساتھ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ تردد اور شک رکھتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ اس کے محال ہونے اور اس کے انکار پر یقین کریں۔ ان کے اس اشتباہ کا مقتدا ایک طرح پر غیر مدفون مردوں کے احوال کا محسوس کرنا ہے اور دوسرے استدامت اور استقامت کے طور پر جو تعذیب و ایلام کے منافی ہے اور تذبذب و اضطراب اس کے لوازم سے ہے۔

جواب: اس اشکال کا حل یہ ہے کہ عالم برزخ یعنی مقام قبر کی زندگی دنیاوی زندگی کی قسم سے نہیں ہے جس کے لیے حرکت ارادی اور احساس دونوں لازم ہیں کیونکہ اس جہان کا انتظام انہی دو امروں پر موقوف ہے۔ عالم برزخ کی زندگی میں حرکت کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ حرکت عالم برزخ کے منافی ہے وہاں صرف احساس ہی کافی ہے تاکہ رنج و عذاب کو پالے گویا عالم برزخ کی زندگی دنیاوی زندگی کا نصف حصہ ہے اور وہاں جو روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے روح و بدن کے اس تعلق سے نصف ہے جو دنیاوی زندگی میں ہوتا ہے۔ جس کے سبب غیر مدفون مردے عالم برزخ کی زندگی میں درد و عذاب محسوس کرتے ہیں اور برزخ کی زندگی میں کوئی حرکت و اضطراب ان سے ظاہر نہیں ہوتی۔ جو کچھ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ سب سچ ہے۔ یا اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم اس اشکال اور اس جیسے اور اشکال کو اس طرح حل کرتے ہیں کہ طور نبوت عقل و فکر کے طور سے برتر ہے اور وہ امور جن کے ادراک میں عقل قاصر ہے ان کو طور نبوت سے ثابت کیا جاتا ہے۔ اگر صرف عقل ہی کافی ہوتی تو پیغمبر کیوں مبعوث ہوتے اور آخرت کے عذاب کو ان کی بعثت پر کیوں موقوف کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (ہم جب تک رسول نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیتے) عقل بیشک حجت ہے، لیکن حجت بالغہ اور کاملہ نہیں۔ حجت کاملہ و بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ثابت ہوئی ہے۔ جس نے مکلف کے عذر کی زبان بند کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رُسُلًا

مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ط (ہم نے رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بھیجا ہے تاکہ ان کے بعد لوگ اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے) جب عقل کا ادراک بعض امور میں قاصر ثابت ہو چکا تو پھر تمام احکام شرعیہ کو عقل کی میزان پر وزن کرنا اچھا نہیں۔ تمام احکام شرعیہ کو عقلی میزان کے مطابق کرنا درحقیقت عقل کو مستقل ماننا اور طور نبوت کا انکار کرنا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ (اللہ تعالیٰ اس سے ہم کو بچائے) اول رسول پر ایمان لانے کا فکر کرنا چاہئے اور اس کی رسالت کی تصدیق کرنی چاہئے تاکہ تمام احکام میں اس کو صادق جانیں اور اس کے وسیلہ سے تمام شکوک وشبہات کے اندھیروں سے خلاصی میسر ہو۔ اصل کے متعلق سوچنا چاہئے تاکہ فروع بے تکلف معقول ومعلوم ہو جائیں۔ اصل کے ثبوت کے بغیر فرع کا معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ اس تصدیق اور دل کے اطمینان کے حاصل ہونے کے لیے سب سے آسان طریقہ ذکر الٰہی جلشانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ (خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ ان کے لیے خوشخبری اور اچھی جگہ ہے) نظر واستدلال کے ذریعے اس اعلیٰ مطلب تک پہنچنا بہت دور ہے۔ بیت

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

ترجمہ بیت

چوب کے پاؤں ہیں استدلال کے پائے چوبیں سے نہ کوئی چل سکے

جاننا چاہئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقلد ان کی نبوت کے اثبات اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد صاحب استدلال ہے اور ان بزرگواروں کے احکام کی تقلید اس وقت اس کے حق میں عین استدلال ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اصل کو استدلال سے ثابت کیا۔ اس وقت وہ فروع جو اس اصل سے پیدا ہوتے ہیں سب اسی استدلال کی طرف منسوب ہوں گے اور وہ شخص اصل کے استدلال سے تمام فروع کے اثبات میں صاحب استدلال ہوگا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

(اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۳۷

اس بیان میں کہ جمیل مطلق کی طرف سے جو کچھ آئے وہ بھی جمیل ہی ہے۔ مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ دَائِمًا وَ عَلٰی كُلِّ حَالٍ (ہر حال میں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو سب کا پالنے والا ہے) پراگندہ چیزوں سے پریشاں اور دل تنگ نہ ہونا چاہیے کیونکہ جمیل مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آئے۔ زیبا اور اچھا ہے۔ اس کی بلا اگرچہ جلال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، لیکن درحقیقت جمال ہوتا ہے۔ یہ بات صرف کہنے پر ہی محمول نہیں اور صرف منہ سے بولنے پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ حقیقت رکھتی ہے اور سراسر مغز ہے۔ کہنے اور لکھنے میں نہیں آ سکتی۔ اگر دنیا میں ملاقات میسر ہو جائے تو بہتر ورنہ آخرت کا معاملہ نزدیک ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کی بشارت ہجر کے ماروں کو تسلی بخشنے والی ہے۔ صحیفہ شریفہ جو آپ نے درویش محمد علی کشمیری کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور جو کچھ اس میں لکھا تھا اس پر اطلاع پائی۔ اس کے جواب میں وقت کے موافق جو کچھ ہو سکا لکھا گیا ہے۔ تمام فرزند و دوست جمعیت کے ساتھ رہیں اور اپنے مکان میں ثابت اور حق تعالیٰ کی قضا پر راضی رہیں۔

مکتوب ۳۸

ایک سوال کے جواب میں جو حدیث سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ الخ کے معنی کے بارہ میں کیا گیا تھا اور ارباب فقر کے درجہ کے بیان میں ملا ابراہیم کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

جاننا چاہیئے کہ آنحضرت کے قول كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً سے جو اس حدیث میں آیا ہے جو اس امت کے بہتر (72) فرقے ہو جانے میں وارد ہوئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے اور عذاب پائیں گے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ تک رہیں

گے اور ہمیشہ کے لیے عذاب اٹھائیں گے کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے اور کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ حاصل کلام یہ کہ چونکہ دوزخ میں ان کے داخل ہونے کا باعث ان کے برے معتقدات ہیں۔ اس لیے سب کے سب دوزخ میں داخل ہوں گے اور اپنے خبث اعتقاد کے اندازہ پر عذاب پائیں گے۔ برخلاف اس ایک گروہ کے جن کے عقائد عذاب دوزخ سے نجات بخشنے والے ہیں اور ان کی فلاح وخلاصی کا سبب ہیں۔ اس قدر ہے کہ اگر اس گروہ میں سے بعض نے برے اعمال کیے ہوں اور وہ اعمال توبہ اور شفاعت سے معاف نہ ہوئے ہوں تو جائز ہے کہ گناہ کے اندازہ کے مواقف دوزخ کے عذاب میں داخل ہوں اور دوزخ میں ان کا داخل ہونا انکے حق میں بھی ثابت ہو۔ پس دوسرے گروہوں کے تمام افراد کے حق میں دوزخ کا عذاب ثابت ہے۔ اگرچہ دائمی نہیں اور اس فرقہ ناجیہ کے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ جنہوں نے برے اعمال کیے ہیں۔ کلمہ کلھم میں اسی بیان کی رمز ہے۔ جیسے کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ چونکہ یہ بدعتی فرقے سب اہل قبلہ ہیں۔ اس لیے ان کی تکفیر میں جرأت نہ کرنی چاہیئے۔ جب تک کہ دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعیہ کے متواترات کو رد نہ کریں اور ان احکام کے جو دین سے ضروری طور پر ثابت ہو چکے ہیں منکر نہ ہوں علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ننادوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ اسلام کی تصحیح کرنی چاہیئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیئے۔ وَاللهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ وَ كَلِمَتُهٗ اَحْكَمُ (اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اور اس کی کلام مضبوط ہے) نیز جاننا چاہیئے کہ اس نصف یوم سے کہ اس امت کے فقراء دولتمندوں سے اتنی مدت پہلے بہشت میں جائیں گے۔ مراد دنیا کا پانچ سو سال ہے۔ کیونکہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار سال کے برابر ہے۔ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (ایک دن تیرے رب کے نزدیک ہزار سال کے برابر ہے جس کو تم گنتے ہو) اس مطلب پر گواہ ہے اس مدت کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد ہے بغیر اس امر کے کہ روز و شب اور سال و ماہ متعارف و ثابت ہوں اور فقیر سے مراد فقیر صابر ہے جو احکام شریعہ کو ہمیشہ بجالاتا ہے اور شرعی ممنوعات سے اجتناب کرتا ہے۔ فقر کے بہت سے درجے ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ ان مراتب میں اعلےٰ مرتبہ وہ ہے جو مقام فنا میں متصور ہوتا ہے۔ جہاں حق تعالیٰ کے سوا سب کچھ ناچیز اور فراموش ہو جاتا ہے اور جو شخص فقر کے تمام مراتب کا جامع ہے۔ اس شخص سے

افضل ہے جو بعض مراتب کا جامع ہو اور بعض کا نہ ہو۔ پس جو شخص باوجود فنا کے فقر ظاہری بھی رکھتا ہے وہ اس شخص سے افضل ہے جو فنا کے ساتھ فقر ظاہری نہیں رکھتا۔ فافہم

مکتوب ۳۹

اس بیان میں صوفیاء کے علم الیقین اور معقول والوں کے علم الیقین میں کیا فرق ہے مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) صوفیاء کے نزدیک علم الیقین سے مراد وہ یقین ہے جو اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ معنی اہل نظر و استدلال یعنی فلسفہ والوں کو بھی حاصل ہیں اس لیے صوفیاء کے علم الیقین اور معقول والوں کے علم الیقین کے درمیان کیا فرق ہے اور صوفیاء کا علم الیقین کشف و شہود میں کیوں داخل ہے اور علماء کا علم الیقین نظر و فکر کی تنگی سے کیوں نہیں نکل سکتا۔ واضح ہو کہ دونوں گرہوں کے علم الیقین میں اثر کا شہود لازم ہے۔ تا کہ اس سے مؤثر کا پتہ چل سکے۔ جو کہ غیر مشہود ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ ارتباط جو اثر و مؤثر کے درمیان حاصل ہے اور اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود کی طرف منتقل ہونے کا سبب ہے۔ صوفیاء کے علم الیقین میں وہ ارتباط بھی مکشوف اور مشہود ہے اور اہل استدلال کے علم الیقین میں وہ ارتباط نظری ہے جو فکر و دلیل کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجود اثر سے وجود مؤثر کی طرف انتقال کرنا پہلے گروہ یعنی صوفیاء کے لیے حدسی بلکہ بدیہی ہے اور دوسرے گروہ یعنی استدلال والوں اور علماء کے لیے یہ انتقال نظری اور فکری ہے۔ پس ثابت ہوا کہ گروہ اول کا یقین کشف و شہود میں داخل ہے اور دوسرے گروہ کا یقین استدلال کی تنگی سے نہیں نکل سکتا۔ صوفیاء کے علم الیقین پر استدلال کا اطلاق کرنا ظاہر و صورت پر مبنی ہے جو اثر سے مؤثر کی طرف انتقال کرنے پر مشتمل ہے۔ جو در حقیقت کشف و مشہود ہے۔ برخلاف علماء کے علم الیقین کے جو حقیقت میں استدلال ہی ہے۔ چونکہ یہ فرق باریک اکثر لوگوں پر پوشیدہ رہا ہے۔ اس لیے مرتبہ حیرت میں رہے ہیں اور ان میں سے بعض نے اپنی نارسائی اور کم فہمی کے باعث ان بزرگواروں پر جنہوں نے صوفیاء کے علم الیقین کی تفسیر اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے کی ہے۔ زبان اعتراض دراز کی ہے کُلُّ ذٰلِکَ لِعَدَمِ الْاِطِّلَاعِ عَلٰی حَقِیْقَۃِ الْاَمْرِ (اس کی وجہ یہی ہے

کہ اصل معاملہ پر ان کو اطلاع نہیں ہے) وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۴۰

خواجہ حسام الدین کی طرف اس کے خط کے جواب میں جس میں اس نے مع توابع کے سفر حج کے مشورہ طلب کیا تھا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی سلامتی اور عافیت اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے شفقت و مہربانی کے اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس امر کا اشتیاق ظاہر فرمایا تھا کہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں مع متعلقوں کے وطن اختیار کر لیں اور وہیں دفن ہوں۔ میرے مخدوم و مکرم متعلقین کا جانا نظر نہیں آتا۔ بلکہ نزدیک ہے کہ منع مفہوم ہو۔ اگر آپ تنہا چلے جائیں تو پسندیدہ نظر آتا ہے اور امید ہے کہ سلامت پہنچ جائیں گے۔ وَالْاَمْرُ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (آگے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے) دوسرے جو آپ نے سیادت مآب کے بارہ میں لکھا تھا کہ طبیب ان کے ضرر کا حکم دیتے ہیں۔ اے میری شفقت کے نشان والے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے کوئی ضرر نہیں آتا۔ البتہ ایک ظلمت محسوس ہوتی ہے۔ جو اس ضرر کے ماسوا ہے۔ دیکھئے اس کی وجہ کیا ہوتی ہے۔ غرض طبیبوں کا ضرر مفقود ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ (اللہ تعالیٰ جانتا ہے) والسلام

مکتوب ۴۱

عورتوں کے لیے ان ضروری نصیحتوں کے بیان میں جو آیۃ کریمہ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ کی تاویل میں مندرج ہیں۔ ایک صالحہ عورت کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا

يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مومنہ عورتیں تیرے پاس آ کر اس شرط پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گی اور نہ کسی شرعی امر میں تیری نافرمانی کریں گی۔ تو ان کو بیعت میں لے لو اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے) یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے روز نازل ہوئی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو پھر عورتوں کی بیعت شروع فرمائی۔ آنحضرت نے عورتوں کو صرف قول ہی سے بیعت کیا ہے۔ آنحضرت کا ہاتھ ہرگز بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ تک نہیں پہنچا۔ چونکہ مردوں کی نسبت عورتوں میں ردی اور بیہودہ اخلاق زیادہ پائے جاتے ہیں اس لیے مردوں کی بیعت کی نسبت عورتوں کی بیعت میں زیادہ شرائط کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے امر کو بجالانے کے لیے عورتوں کو اس وقت ان بری عادتوں سے منع فرمایا ہے۔ شرط اول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا چاہئے نہ ہی وجوب وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں جس شخص کے اعمال ریا و سمعہ سے پاک نہ ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے فتنہ سے صاف نہ ہوں۔ اگرچہ وہ طلب قول اور ذکر جمیل سے ہو۔ وہ شخص دائرہ شرک سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی وہ موحد و مخلص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلشِّرْكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ الَّتِيْ تَدِبُّ فِيْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ عَلٰى صَخْرَةٍ سَوْدَاءَ (شرک میری امت میں اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے اور جو سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے)

لاف بے شرکی مزن کان از نشان پائے مور   در شب تاریک بر سنگ سیاہ پنہاں تر است

ترجمہ: شرک ایک چیونٹی کی بھی ہے چال سے پوشیدہ تر
جو شب تاریک میں چلتی ہے کالے سنگ پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شرک اصغر سے بچو۔ یاروں نے عرض کیا کہ شرک اصغر کیا ہے فرمایا کہ ریا۔ شرک و کفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے

اور دو دینوں یعنی کفر اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہل شرک میں سے ہے اور اسلام وکفر کے مجموعی احکام پر عمل کرنے والا مشرک ہے۔ کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان ہے۔ دکھ، درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لیے اصنام اور طاغوت یعنی بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے۔ عین شرک و گمراہی ہے اور تراشیدہ اور ناتراشیدہ پتھروں سے حاجتوں کا طلب کرنا واجب الوجود جل شانہ کا محض کفر وانکار ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں کے حال کی شکایت بیان فرماتا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ط وَ یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں حالانکہ ان کو حکم ہے کہ اس کا انکار کریں، لیکن شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کرے) اکثر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس قسم کی ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمی اسموں سے بلیہ ومصیبت کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں اور شرک اور اہل شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خاص کر مرض جدری کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیلا اور چیچک کہتے ہیں نیک و بد عورتوں سے یہ بات مشہود ومحسوس ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہو گی جو اس شرک سے خالی ہے اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو۔ اِلَّا مَنْ عَصِمَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں ان کی مشہور رسموں کو بجالانا سراسر کفر وشرک ہے۔ جیسے کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خاص کر ان کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجالاتی اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو بھیجتی ہیں اور اس موسم میں کافروں کی طرح اپنے برتنوں کو رنگ کر کے ان کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بناتی ہیں۔ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ (ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے بلکہ شرک کرتے ہیں) اور حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ذبح کرتے ہیں۔ روایات فقہیہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جن (طاغوت) کے ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے۔ جو ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کہ اس میں بھی شرک کی بو پائی جاتی ہے۔ نذر اور منت کے وجوہ

اور بہت ہیں۔ کیا حاجت ہے کہ حیوان کے ذبح کرنے کی منت و نذر مانیں اور اس کو ذبح کر کے جن کے ذبیحوں سے ملائیں اور جن کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں اسی طرح وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں اور اکثر ان کے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے افطار کے لیے کھانے کا خاص اہتمام کرتی ہیں اور خاص طور پر افطار کرتی ہیں اور روزوں کے لیے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطلبوں اور مقصدوں کو ان روزوں پر موقوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان پیروں اور بیبیوں سے حاجتیں طلب کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتی ہیں۔ یہ سب عبادت میں شرک ہے اور غیر کی عبادت کے ذریعے اس غیر سے اپنی حاجتوں کا طلب کرنا ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح معلوم کرنا چاہیے حالانکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی روزہ خاص میرے ہی لیے ہے اور روزہ کی عبادت میں میرے سوا اور کوئی شریک نہیں۔ اگرچہ کسی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا جائز نہیں، لیکن روزہ کی تخصیص اس عبادت کے بلند شان ہونے کے باعث ہے۔ جس میں تاکید کے ساتھ شریک کی نفی کی گئی ہے اور یہ جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی ظاہر کرنے کے وقت کہتی ہیں کہ ہم ان روزوں کو خدا تعالیٰ کے لیے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ یہ ان کا حیلہ اور بہانہ ہے۔ اگر یہ اس امر میں سچی ہیں تو روزوں کے لیے دنوں کو معین کیوں کرتی ہیں اور افطار کے وقت طعام کی تخصیص اور طرح طرح کی بری وضعوں کا تعین کیوں کرتی ہیں۔ اکثر اوقات افطار کے وقت محرمات کی مرتکب ہوتی ہیں اور حرام چیز سے افطار کرتی ہیں اور بے حاجت سوال و گدائی کر کے اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اس فعل محرم کے کرنے پر اپنی حاجتوں کا پورا کرنا جانتی ہیں۔ یہ سب گمراہی اور شیطان لعین کا مکروفریب ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْعَاصِمُ (اللہ تعالیٰ بچانے والا ہے)۔

شرط دوم جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان لائے ہیں یہ کہ ان کو چوری سے منع کیا گیا ہے۔ جو کبیرہ گناہوں میں سے ہے، چونکہ یہ بری خصلت بھی اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس بری عادت سے خالی ہوگی۔ اس لیے اس بری خصلت سے منع کرنا ان کی بیعت میں شرط قرار پایا۔ وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں کے مالوں میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی اور نڈر ہو کر ان کو خرچ اور تلف کرتی ہیں چوروں میں داخل ہیں

اور چوری کے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہیں۔ یہ بات عام عورتوں میں ثابت ہے اور یہ خیانت عام طور پر تمام عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اِلَّا مَنْ عَصِمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) کاش عورتیں اس بات کی برائی جانیں اور اس کو گناہ اور بد تصور کریں۔ بلکہ اکثر اس برائی کو حلال جانتی ہیں حالانکہ اس کو حلال اور جائز جاننے میں ان کے کفر کا خوف ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے عورتوں کو شرک سے روکنے کے بعد چوری سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ یہ بری خصلت عام طور پر ان کے حلال و جائز سمجھنے کے باعث ان کو کفر تک لے جاتی ہے اور ان کے حق میں تمام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر بری ہے۔ جب عورتوں میں خاوندوں کے مالوں کو بارہا دفعہ چرانے کے باعث خیانت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور غیروں کے مال میں تصرف کرنے کی برائی ان کی نظروں سے دور ہو جاتی ہے تو خاوندوں کے سوا اور لوگوں کے مالوں میں بھی تعدی سے تصرف کرتی ہیں اور بے تحاشا دوسروں کے اموال میں خیانت کرتی اور چراتی ہیں۔ یہ بات تھوڑے سے تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور شرک کے بعد چوری کی برائی ان کے حق میں زیادہ ثابت ہے۔

تذییل: ایک دن حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحاب سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ چوروں میں سے بڑا اور برا چور کون ہے۔ عرض کی کہ ہم نہیں جانتے۔ آپ ہی فرمائیں۔ فرمایا کہ چوروں میں سے زیادہ چور وہ شخص ہے جو نماز میں چوری کرے اور نماز کے ارکان کو کامل طور پر ادا نہ کرے۔ اس چوری سے بھی بچنا ضروری ہے تاکہ بدتر چوروں میں سے نہ ہوں۔ حضور دل سے نماز کی نیت کرنی چاہئے۔ کیونکہ نیت کے بغیر کوئی عمل درست نہیں ہوتا قرأت کو درست پڑھنا چاہئے اور رکوع و سجود اور قومہ جلسہ کو اطمینان سے ادا کرنا چاہئے۔ یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو کر ایک تسبیح کی مقدار دیر کرنی چاہئے اور دو سجدوں کے درمیان ایک تسبیح کی مقدار بیٹھنا چاہئے تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان حاصل ہو۔ جو شخص ایسا نہ کرے وہ چوروں میں داخل ہے اور وعید کا مستحق ہے۔

تیسری شرط جو عورتوں کی بیعت میں منصوص ہے۔ یہ ہے کہ ان کو زنا سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی بیعت میں اس شرط کی خصوصیت اس لیے ہے کہ زنا اکثر عورتوں کی رضامندی سے وقوع میں آتا ہے۔ یہ خود اپنے آپ کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور اس عمل میں

پہل عورتوں کی طرف سے ہوتی ہے اور اس عمل کے حصول میں ان کی رضامندی معتبر ہے۔ اسی لیے مردوں کی نسبت عورتوں کو اس فعل سے بڑی تاکید کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں زانیہ عورت کو زانی مرد پر مقدم فرمایا ہے۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (زانیہ عورت اور زانی مرد کو سو سو کوڑے لگاؤ) یہ بدخصلت دنیا اور آخرت کا خسارہ ہے اور تمام دینوں میں قبیح اور منکر ہے۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے آدمیوں کے گروہ زنا سے پرہیز کرو کہ اس میں چھ بری خصلتیں ہیں۔ جن میں سے تین دنیا میں ہیں اور تین آخرت میں۔ وہ تین جو دنیا میں ہیں ایک یہ کہ زنا کرنے والے سے خوبی اور نورانیت اور صفا دور ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے فقر اور محتاجی پیدا ہوتی ہے۔ تیسری یہ کہ عمر کم ہوتی ہے اور وہ تین خصلتیں جو زانیوں کے لیے آخرت میں ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کا غصہ اور غضب۔ دوسرے بری طرح سے حساب ہونا۔ تیسرے دوزخ کا عذاب جاننا چاہئے کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا محرمات کی طرف نظر کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا محرمات کو پکڑنا اور پاؤں کا زنا محرمات کی طرف جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ط قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (یعنی اے محمد مومنوں کو کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے ڈھانپیں اور اپنی شرم گاہوں پر نگاہ رکھیں۔ یہ ان کے واسطے بہت ہی اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو دیکھتا ہے اور مومنات کو کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے ڈھانپیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں) جاننا چاہئے کہ دل، آنکھ کے تابع ہے۔ جب تک آنکھ کو محرمات سے بند نہ کریں دل کی محافظت مشکل ہے۔ جب آنکھ گرفتار ہو جائے تو دل کی حفاظت مشکل ہے اور جب دل گرفتار ہو جائے تو شرم گاہ کی محافظت دشوار ہے۔ پس محرمات سے آنکھ کا ڈھانپنا ضروری ہے تا کہ شرمگاہ کی محافظت حاصل ہو سکے اور دینی اور دنیاوی خسارہ میں نہ ڈالے۔ قرآن مجید میں اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عورتیں بیگانہ مردوں کے ساتھ بدکار عورتوں کی طرح ایسی نرم و ملائم کلام نہ کریں جن سے بدکار مردوں کو بدکاری کا وہم پیدا ہو اور ان دلوں میں برائی کا طمع ظاہر ہو۔ ہاں نیک اور اچھا کلام جو اس وہم اور طمع سے خالی

ہو عورتیں، مردوں کے ساتھ کر سکتی ہیں اور اس امر سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عورتیں اپنی زینت و خوبی اور بناؤ سنگار بیگانہ مردوں کے سامنے ظاہر کریں اور مردوں کو خواہش میں ڈالیں اور اس امر سے بھی نہی آئی ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں تا کہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو یعنی پازیب وغیرہ حرکت میں آئے اور اس سے آواز نکلے۔ جس سے مردوں کو عورتوں کی طرف بری خواہش پیدا ہو۔ غرض جو بات فسق اور بدکاری کی طرف لے جانے والی ہے بری ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ بڑی احتیاط کرنی چاہیئے کہ محرمات کے مبادی اور مقدمات کا ارتکاب نہ کیا جائے تا کہ محرمات سے خلاصی حاصل ہو۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْعَاصِمُ (اللہ تعالیٰ بچانے والا ہے) وَ مَا تَوْفِيقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ (سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے میری کوئی توفیق نہیں۔ کہ گناہوں سے بچوں۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) پوشیدہ نہ رہے کہ بیگانی عورت کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں عورت بھی بیگانہ مرد کی طرح ہے۔ عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو اپنے خاوند کے سوا کسی اور کے لیے خواہ عورت ہو یا مرد آراستہ کرے اور ان کو اپنی زیب و زینت دکھائے۔ جس طرح مردوں کو امردوں یعنی بے ریش یا نابالغ لڑکوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنا اور مس کرنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کو بھی عورتوں کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا اور ہاتھ لگانا منع ہے۔ اس امر کو بخوبی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ دین و دنیا کے خسارہ کا موجب ہے۔ مرد کا عورت تک پہنچنا دونوں کی جنس کے مختلف ہونے کے باعث مشکل ہے، کیونکہ کئی رکاوٹیں درمیان ہیں۔ برخلاف ایک عورت کے دوسری عورت تک پہنچنے کے کہ دونوں کے ہم جنس اور متحد ہونے کے باعث نہایت آسان ہے۔ یہاں زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے اور مرد کو عورت کی طرف اور عورت کو مرد کی طرف بنظر شہوت دیکھنے اور مس کرنے کی نسبت عورت کو عورت کی طرف بنظر شہوت دیکھنے اور مس کرنے سے اچھی طرح منع کرنا اور ڈرانا چاہیئے۔

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے۔ ان کو اولاد کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی عورتیں محتاجی اور فقر کے سبب سے اپنی چھوٹی لڑکیوں کو مار دیا کرتی تھیں یہ برا فعل کسی کو ناحق قتل کرنے کے علاوہ قطع رحم کو بھی شامل ہے۔ جو کبیرہ گناہ ہے۔

پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے۔ اس میں بہتان اور افترا سے منع کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ بری صفت عورتوں میں زیادہ تر پائی جاتی ہے۔ اس لیے خاص طور پر اس سے

ان کو منع فرمایا ہے۔ یہ صفت تمام بری صفتوں سے بری ہے اور یہ عادت تمام ردی عادتوں میں سے ردی ہے جس میں جھوٹ بھی شامل ہے۔ جو تمام مذہبوں میں حرام ہے نیز اس میں مومن کی ایذا ہے۔ جس کی نسبت بہتان اور افترا کیا جاتا ہے اور مومن کو ایذا دینا حرام ہے۔ نیز بہتان و افترا روئے زمین میں فساد برپا کرنے کا موجب ہے۔ جو نص قرآنی سے مکروہ اور ممنوع اور محرم اور مستنکر ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ فرمائیں۔ اس کی نافرمانی اور معصیت سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے۔ یہ شرط تمام اوامر شرعی یعنی نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ کے بجالانے اور تمام شرعی منہیات سے ہٹ جانے پر مشتمل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کیے ہوئے ضروری احکام پر ایمان لانے کے بعد اسلام کی بنیاد انہی چار رکنوں پر ہے۔ پنجگانہ نماز کو سستی اور قصور کے بغیر بڑی کوشش واہتمام سے ادا کرنا چاہئے۔ مال کی زکوٰۃ بڑی رغبت و احسان کے ساتھ زکوٰۃ کے مستحقوں کو دینی چاہئے۔ رمضان مبارک کے روزے جو سالانہ گناہوں کے دور کرنے والے ہیں۔ بڑی اچھی طرح رکھنے چاہئیں۔ بیت اللہ کا حج بھی جس کی شان میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اَلْحَجُّ یَهْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَهُ (حج گزشتہ تمام گناہوں کو گرادیتا ہے) ادا کرنا چاہئے تاکہ اسلام قائم ہو جائے۔ اسی طرح ورع و تقویٰ بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرْعُ یعنی تمہارے دین کا اصل اصول اور اس کو قائم رکھنے والا ورع ہے اور اس سے مراد شرعی منہیات کا ترک کرنا ہے۔ مسکرات یعنی نشہ والی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ان کو شراب کی طرح حرام اور برا سمجھنا چاہئے۔ غنا یعنی سرود اور گانے بجانے سے بھی بچنا ضروری ہے، کیونکہ لہو ولعب اور کھیل کود میں داخل ہے جو حرام ہے۔ اس کے بارہ میں آیا ہے کہ اَلْغِنَاءُ رُقْیَةُ الزِّنَا یعنی سرود زنا کا افسون اور منتر ہے اور غیبت اور سخن چینی سے بھی اجتناب کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے بھی شرع نے منع فرمایا ہے اور مسخرہ پن اور مومن کو ناحق ایذا دینے سے بچنا چاہئے۔ شگون بد کا اعتبار نہ کریں اور اس کی کچھ تاثیر نہ جانیں اور ایک شخص سے دوسرے شخص کو مرض کے لگ جانے یعنی مریض سے کسی تندرست شخص کو لاحق ہونے کا اعتبار نہ کریں، کیونکہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں سے منع فرمایا ہے۔ لا طیرۃ ولا عدوی یعنی شگون بد کی کوئی اصل نہیں اور ایک کے مرض کا دوسرے کو لگ جانا ثابت نہیں۔ کاہن اور نجومی کی باتوں

کا اعتبار نہ کریں اوران کی غیبی باتوں کو کچھ نہ جانیں اوران سے کچھ نہ پوچھیں اوران کو امور غیبی کا عالم نہ جانیں، کیونکہ شریعت نے بڑے مبالغہ کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ نہ خود جادو کریں نہ جادوگر کے پاس اس نیت سے جائیں، کیونکہ حرام قطعی ہے اور کفر میں قدم راسخ رکھنا ہے۔ سحر و ساحری سے بڑھ کر زیادہ کفر کے نزدیک اور کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔ بڑی احتیاط کرنی چاہئے کہ اس کا کوئی چھوٹا سا امر بھی نہ ہونے پائے، کیونکہ شرع میں آیا ہے کہ مسلم جب تک اسلام رکھتا ہے اس سے سحر ظاہر نہیں ہوتا۔ جب ایمان اس سے جدا ہو جاتا ہے اس وقت سحر بھی اس سے صادر ہوتا ہے۔ گویا سحر اور ایمان ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔ اگر جادو ہے تو ایمان نہیں۔ اس بات پر خوب غور کرنا چاہئے تاکہ ایمان کے کارخانہ میں خلل نہ آئے۔اور اس عمل کی شامت سے اسلام کی دولت ہاتھ سے نہ چلی جائے۔ غرض جو کچھ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور علماء نے کتب شرعیہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ جان و دل سے اس کو بجا لانا چاہئے اور اس کے خلاف کو زہر قاتل خیال کرنا چاہئے ۔ جو دائمی موت تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان سب شرطوں کو قبول کر لیا تو آنحضرت ﷺ نے صرف قول ہی سے ان کو بیعت فرمایا اور حق تعالیٰ کے امر کے بموجب ان کے لیے بخشش طلب کی۔ وہ استغفار جو آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ کے امر سے کسی جماعت کے لیے طلب کریں کامل امید ہے کہ قبول ہوگا اور وہ جماعت بخشی جائے گی اور ابو سفیان کی زوجہ ہندہ بھی اس بیعت میں داخل تھی۔ بلکہ تمام عورتوں کی سرگروہ تھی اور ان کی طرف سے کلام کرتی تھی۔ اس بیعت اور استغفار سے اس کے لیے بڑی بھاری بخشش کی امید ہے پس جو عورتیں ان شرطوں کو قبول کر لیں اور ان کے موافق عمل کریں حکماً اس بیعت میں داخل ہو جاتی ہیں اور اس استغفار کی برکات کی امیدوار بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا) شکر بجا لانے سے مراد یہ ہے کہ شرعی احکام کو قبول کریں اور ان کے مطابق عمل کریں۔ نجات کا طریق اور خلاصی کا راستہ اعتقادی اور عملی طور پر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ پیر و استاد اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ شریعت کی طرف ہدایت و رہنمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد اور عمل میں آسانی و سہولت حاصل ہو۔ نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں اور پیران کے لیے

ڈھال بن جائیں اور عذاب سے بچالیں کہ یہ ایک نکمی اور بیہودہ آرزو ہے۔ وہاں اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہ کر سکے گا اور جب تک عمل پسندیدہ نہ ہوں گے کوئی اس کی شفاعت نہ کرے گا۔ اگر بشریت کے بموجب کوئی لغزش اور قصور اس سے سرزد ہوگا تو اس کا تدارک شفاعت سے ہو سکے گا۔

سوال: گناہگار کو کس اعتبار سے پسندیدہ کہا جا سکتا ہے؟

جواب: جب حق تعالیٰ گناہگار کو بخشنا چاہتا ہے اور اس کے معاف کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی وسیلہ درمیان لے آتا ہے تو وہ شخص درحقیقت مرتضیٰ اور پسندیدہ ہے۔ اگرچہ بظاہر گناہگار ہے۔ وَاللہُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) والسلام

مکتوب ۴۲

خواجہ محمد ہاشم کشمی کی طرف اس کی بشارت کے بیان میں صادر فرمایا ہے:۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو ملا فتح اللہ کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا۔ محبت واخلاص اور حرارت واشتیاق کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کے خط کے مطالعہ کے وقت آپ کی نورانیت گردونواح میں بہت پھیلی ہوئی نظر آئی اور بڑی امید پیدا ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ اے محبت کے نشان والے۔ معلوم نہیں کہ سعادت مآب میر محمد نعمان کی خط وکتابت کے ترک کرنے کا کیا باعث ہے۔ اگر اس طرف سے کسی قسم کی کدورت یا دل آزاری کا کچھ وہم رکھتے ہیں تو بے خطر رہیں۔ اس طرف سے کوئی بات واقع نہیں ہوئی۔ کمال صفائی تصور کریں فقیر مرغ کی طرح جو اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے۔ میر صاحب کی محافظت میں بڑی کوشش کرتا ہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طلب کے کارخانہ میں فتور پیدا ہو کر سالکوں کی راہ کا مانع ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ عرض ہے کہ قریباً دو ماہ سے فقیر پر ضعف طاری ہے۔ اس لیے بعض ان سوالوں کے جواب نہیں لکھ سکا۔ جو مکتوب سابق میں درج تھے۔ اگر صحت ہوگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ لکھے جائیں گے۔ ورنہ دوستوں سے دعا و فاتحہ کی التماس ہے۔ حَسْبُنَا اللہُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ (ہم کو

اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے) آپ کو اور تمام اہل اللہ کو السلام علیکم

مکتوب ۴۴

اس گفتگو کے بیان میں جو سلطان وقت مدظلہ کی مجلس میں ہوئی تھی بزرگ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ معصوم سلمہا اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں۔ عجیب وغریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ میں سرمو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے۔ خاص کر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمن اور اس کے عذاب وثواب اور رویت اور دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا اور تراویح کے سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب وثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا اور بڑی خوشی سے سنتے رہے۔ اس اثنا میں بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا اور اقطاب اور اوتاد اور ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے۔ اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا۔ ان واقعات و ملاقات میں شاید کوئی اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمت اور خفیہ راز ہو گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) دوسرے یہ ہے کہ قرآن مجید کو سورۂ عنکبوت تک ختم کیا ہے جب رات کو اس مجلس سے اٹھ کر آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہوتا ہوں۔ حفظ قرآن مجید کی یہ اعلیٰ دولت اس فطرت یعنی پراگندہ حالی میں جو عین جمعیت ہے۔ حاصل ہوئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا (اول اور آخر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)

مکتوب ۴۴

دیدار اور آخرت کے منکروں کے شبہوں کو دور کرنے کے بیان میں میر عبدالرحمٰن ولد میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ دیدار آخرت کے منکر لوگ وہ اعتراض جو رویت کے مسئلہ میں پیش کرتے ہیں اور وہ دلیل جو رویت کی نفی پر لاتے ہیں۔ یہ ہے کہ رویت بصری یعنی آنکھوں سے دیکھنا یہ چاہتا ہے کہ رائی (یعنی دیکھنے والا شخص) مرئی (یعنی جس کو دیکھیں) کے مقابل اور برابر ہو اور دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں اور یہ بات حق تعالیٰ میں مفقود ہے۔ کیونکہ جہت لازم آتی ہے جو احاطہ اور تحدید و نہایت کو چاہتی ہے۔ یہ سراسر نقص اور الوہیت کے منافی ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے) جواب اس کا یہ ہے کہ جب قادر پر کمال جل شانہ نے اس ضعیف اور فانی دنیا میں دنیاوی آنکھ کو جو دو بے حس و حرکت اور اندر سے خالی عصبوں یعنی پٹھوں سے بنی ہے۔ اس قدر قوت بخشی ہے کہ مقابلہ اور محاذات کی شرط پر اشیاء کو دیکھ سکتی ہے تو عالم آخرت میں جو قوی اور باقی ہے اگر انہی دونوں عصبوں کو اس قدر قوت بخش دے کہ مقابلہ و محاذات کے بغیر مرئی کو دیکھ سکیں۔ خواہ وہ مرئی تمام جہتوں میں ہو یا ایک جہت میں۔ تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے اور کیا محال ہے۔ کیونکہ فاعل جل شانہ اقتدار کے اعلیٰ مرتبہ میں ہے اور قابل یعنی فاعل کی طرف سے اثر قبول کرنے والی آنکھ ابصار و احساس کے لیے مستعد ہے۔ حاصل کلام یہ کہ بعض مکان و زمان میں کسی خاص مصلحت کے لیے محاذات اور جہت کے تعین کی شرط کو احساس اور ابصار میں مدنظر رکھا ہے اور بعض دوسرے مکان و زمان میں اس شرط کا اعتبار نہیں کیا اور اس شرط کے بغیر رویت و ابصار مقرر کر دیا ہے۔ ایک جگہ کو دوسری جگہ پر اعتبار کرنا ان کے مقتضیات کے کمال اختلاف کے باوجود انصاف سے دور ہے۔ گویا عالم ملک و شہادت کے مکشوفات پر ہی نظر کا بند رکھنا اور خالق زمین و آسمان کے عالم ملکوت کے عجائبات سے انکار کرنا ہے۔

سوال: اگر حق تعالیٰ کو دیکھا جائے تو چاہیئے کہ بصر کے احاطہ اور ادراک میں بھی آئے اور اس امر سے حد و نہایت لازم آتی ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

جواب: جائز ہے کہ دیکھا بھی جائے اور بصر کے احاطہ اور ادراک میں بھی نہ آئے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، لیکن وہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ لطیف اور خبیر ہے) مومن آخرت میں حق تعالیٰ کو دیکھیں گے اور یقین وجدانی سے معلوم کر لیں گے کہ حق تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ لذت جو رویت پر مترتب ہوتی ہے۔ کامل طور پر اپنے آپ میں پا لیں گے، لیکن مرئی کچھ بھی ان کے ادراک میں نہ آئے گا اور مرئی سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور رویت کے وجدان اور دیدار کی لذت کے بغیر مرئی کی کوئی چیز نہ پاسکیں گے۔ بیت

عنقا شکار کس نشود دام بازچیں کانجا ہمیشہ بادبدست است دام را

ترجمہ بیت

اٹھا لے جال عنقا کب کسی کے ہاتھ آتا ہے لگاتا ہے یہاں جو جال خالی ہاتھ جاتا ہے

وہ نقصان جو رویت میں پایا جاتا ہے۔ مرئی کا احاطہ اور ادراک ہی ہے جو اس مقام میں مفقود ہے۔ وہاں صرف بے جہت رویت ثابت ہے اور وہ لذت جو دیکھنے والے کو اس سے حاصل ہوتی ہے۔ نقص وقصور نہیں ہے۔ بلکہ مرئی کا کمال انعام واحسان ہے کہ اپنے جمال پر کمال کو محبت کی آگ کے جلے ہوؤں پر جلوہ گر کرتا ہے اور وصال رویت کے میٹھے پانی سے ان کو متلذذ اور سیراب کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف کوئی نقص وقصور عائد نہیں ہوتا اور وہاں کوئی جہت اور احاطہ پیدا نہیں ہوتا۔ بیت

ازاں طرف نپذیرد کمال تو نقصان وزیں طرف شرف روزگار من باشد

ترجمہ بیت

ذرہ بھی کم نہ ہوگا ہرگز کمال تیرا لیکن بڑھے گا دگنا جاہ وجلال میرا

اس امر کا دوسرا جواب یوں بھی ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اگر رویت کے حاصل ہونے میں مقابلہ اور محاذات کی شرط ہو۔ تو چاہیے کہ جس طرح مرئی کی جانب میں شرط ہے۔ اسی طرح رائی کی جانب میں بھی شرط ہو۔ کیونکہ مقابلہ ایک نسبت ہے۔ جو ہر دو باہم مقابل ہونے والوں یعنی رائی اور مرئی میں قائم ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ بھی اشیاء کو نہ دیکھے اور اشیاء کو دیکھنے کی صفت اس کے لیے ثابت نہ ہو اور یہ بات نصوص قرآنی کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" (جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ دیکھتا

ہے) وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ط (اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے) وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھے گا) نیز اس بات سے حق تعالیٰ کا نقص اور اس سے صفت کاملہ کا سلب لازم آتا ہے۔

سوال: اگر کہیں کہ حق تعالیٰ کی رویت اشیاء سے مراد ان کا علم ہے۔ علم کے سوا کوئی اور امر جو جہت کو مستلزم لازم ہو۔ نہیں ہے۔

جواب: اس میں کچھ شک نہیں کہ رویت صفات کاملہ سے ہے اور مستقل طور پر حق تعالیٰ کے لیے نصوص قرآنی کے ساتھ ثابت ہے۔ علم کی طرف اس کا رجوع کرنا ظاہر کے برخلاف ہے اور اگر اس کو علم کی اقسام سے تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی محاذات اور مقابلہ کی شرط لازم آئے گی، کیونکہ علم دو قسم پر ہے۔ ایک یہ ہے کہ اس میں معلوم کا محاذی اور مقابل ہونا شرط نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں محاذات و مقابلہ شرط ہے۔ جس کو رویت کہتے ہیں۔ یہ قسم ممکنات میں علم کی قسموں میں سے اعلیٰ ہے جو اطمینان قلب کے مرتبہ میں ہے۔ معقولات میں وہم کے معارضہ سے امن حاصل نہیں ہے۔ وہ محسوس ہی ہے جو اس معارضہ اور خلل سے باہر ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں کے زندہ ہونے پر ایمان و یقین کے باوجود مردوں کے زندہ ہونے کی رویت کا سوال کیا۔ تا کہ اس سے اطمینان قلب حاصل کریں۔ جاننا چاہیئے۔ کہ رویت جو صفات کاملہ میں سے ہے۔ جب واجب تعالیٰ میں ثابت نہ ہو۔ ممکن میں کہاں سے آئے گی۔ کیونکہ جو کمال کہ ممکن میں ظاہر ہوتا ہے اس کمال کا عکس ہے۔ جو حضرت ذات تعالیٰ میں موجود و ثابت ہے۔ خدا نہ کرے کہ کوئی کمال اور صفت ممکن میں ہو اور واجب میں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن فی حد ذاتہ شر و نقص ہے۔ اگر اس میں کوئی کمال ہے تو واجب تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سراسر خیر و کمال ہے۔ عاریت کے طور پر اس کو حاصل ہوا ہے۔ بیت

نیاوردم از خانہ چیزے نخست ‏ ‏ ‏ تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ بیت

نہیں لایا میں بھی اپنے گھر سے ‏ ‏ ‏ ملا سب کچھ مجھے یہ تیرے در سے

اصل سوال کا ایک اور جواب اس طرح بھی ہے کہ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ اعتراض حق تعالیٰ کے وجود میں بھی ہو سکتا ہے اور رویت کی نفی کی طرح حق تعالیٰ کے وجود کی بھی نفی کرتا ہے۔ پس

یہ اعتراض صادق نہیں کیونکہ اس سے محال عقلی لازم آتا ہے۔ اس کا یہ بیان ہے۔ کہ اگر حق تعالیٰ موجود ہو۔ تو اس عالم کی جہات میں سے کسی جہت میں ہوگا اوپر ہوگا یا نیچے، دائیں ہوگا یا بائیں، آگے ہوگا یا پیچھے اور اس سے احاطہ اور تحدید لازم آتا ہے۔ جو سراسر نقص اور الوہیت کے منافی ہے۔

سوال: ہوسکتا ہے کہ عالم کی تمام اطراف میں ہو اور کوئی احاطہ اور تحدید لازم نہ آئے۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ عالم کی تمام جہات میں ہونا احاطہ اور تحدید کی نفی نہیں کر سکتا کیونکہ اس صورت میں بھی عالم کے ماوراء ضرور ہوگا اور ماوراء ہونا غیر ہونے کے لازم ہے اور معقول والوں کے نزدیک قضیہ مقررہ ہے کہ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَائِرَانِ دو چیزیں ایک دوسرے کے غیر ہوتی ہیں۔ اس بات سے بھی تحدید لازم آتی ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ اس قسم کے بیہودہ اور جھوٹے شبہات سے خلاصی ونجات نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم احکام غیبت اور احکام شہادت میں فرق نہیں کرتے اور شاہد پر غائب کا قیاس کرتے ہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ بعض احکام شاہد میں صادق ہوں اور غائب میں کاذب اور شاہد میں کمال ہوں اور غائب میں نقص۔ اس لیے کہ مقامات کے اختلافات کے بموجب دونوں کے احکام جدا جدا ہیں۔ خاص کر جبکہ مقاموں کے درمیان بہت ہی فرق واختلاف ہو۔ مَا لِلتُّرَابِ وَ رَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) حق تعالیٰ ان کو انصاف دے کہ اس قسم کی مشتبہ وہمی اور خیالی باتوں سے نصوص قرآنی کا انکار نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیثوں کی تکذیب نہ کریں۔ اس قسم کے منزلہ احکام پر ایمان لے آنا چاہئے اور ان کی کیفیت کے معلوم نہ ہونے کا قصور اپنے ذمے لگانا چاہئے۔ نہ یہ کہ اپنے ادراک کو اپنا مقتدا بنا کر ان احکام کی نفی کر دیں کیونکہ یہ بات صواب وسلامتی سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سی چیزیں نفس امر میں صادق ہوں، لیکن ہمارے ناقص عقلوں کے ادراک سے دور اور بعید ہوں۔ اگر صرف عقل کافی ہوتی تو ابوعلی سینا جیسا شخص جو تمام معقول والوں کا پیشوا اور مقتدا ہے تمام احکام عقلیہ میں حق پر ہوتا اور غلطی نہ کرتا۔ حالانکہ اَلْوَاحِدُ لَا يَصْدُرُ عَنْهُ اِلَّا الْوَاحِدُ (واحد سے ایک ہی کام صادر ہوتا ہے) کے ایک ہی مسئلہ میں اس قدر غلطیاں کی ہیں جو منصف ناظرین پر تھوڑے سے تامل سے واضح ہو جاتی ہیں۔ اس مقام میں امام فخر الدین رازی اس پر طعن کرتا ہے اور اس عبارت سے اس پر اعتراض لاتا ہے۔

وَالْعَجَبُ مِمَّنْ یُفْنِیْ عُمْرَہٗ فِیْ تَعْلِیْمِ الآلہ الْعَاصِمَۃِ عَنِ الْخَطَاءِ فِی الْفِکْرِ وَ تَعَلُّمِھَا ثُمَّ اِذَا جَاءَ اِلٰی ھٰذَا الْمَطْلَبِ الْاَشْرَفِ وَ قَعَ مِنْہُ اَشْیَاءٌ یَضْحَکُ مِنْہُ الصِّبْیَانُ (اس شخص سے تعجب آتا ہے جو اپنی تمام عمر اس الہ (یعنی منطق) کے تعلیم و تعلیم میں جو فکر میں خطا سے بچا لانے والا ہے صرف کر دے پھر اس اعلیٰ مطلب پر پہنچ کر اس سے ایسی باتیں صادر ہوں جس پر بچے ہنسی اڑاتے ہیں) علماء اہل سنت و جماعت تمام احکام شرعیہ کو ثابت رکھتے ہیں۔ خواہ ان احکام کی کیفیت معلوم ہو یا نہ ہو۔ ان کی کیفیت معلوم نہ ہونے کے باعث ان احکام کی نفی نہیں کرتے۔ مثلاً عذاب قبر اور سوال منکر و نکیر اور پل صراط اور اعمال کے ترازو وغیرہ کے بارہ میں جن کے ادراک سے ہماری ناقص عقلیں عاجز ہیں۔ ان بزرگواروں نے کتاب و سنت کو اپنا مقتدا و پیشوا بنایا ہے اور اپنی عقلوں کو ان کے تابع بنایا ہے۔ اگر ادراک کر لیا تو بہتر ورنہ احکام شرعیہ کو قبول کر لیتے ہیں اور عدم ادراک کو اپنے قصور فہم پر محمول کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ دوسروں کی طرح جو کچھ ان کی عقلیں قبول کریں اور اس کو پا سکیں قبول کر لیں اور جو کچھ ان کے عقول کے ادراک میں نہ آئے، قبول نہ کریں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اسی لیے ہوئی ہے کہ عقلیں بعض ان مطالب کے سمجھنے سے جن میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے بالکل قاصر ہیں۔ عقل بیشک حجت ہے، لیکن حجت کاملہ نہیں۔ حجت کاملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے تمام ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلاً (جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیتے) اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ شاہد کی رویت میں اگرچہ مقابلہ اور محاذات کی شرط ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ غائب میں یہ شرط نہ ہو۔ جس طرح غائب موجود ہے اور موجودات کی جہات میں سے کوئی جہت اس میں نہیں یعنی جس طرح مرئی دیکھنے والے کی رویت کے بغیر جہات سے منزہ ہے۔ اسی طرح رویت کے بعد بھی اس کے لیے کوئی جہت ثابت نہ ہو اور وہاں مقابلہ اور محاذات مفقود ہو۔ اس بیان میں کونسی بعید اور محال بات ہے۔ بیچون کی رویت بھی بیچون ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راستہ نہیں لاَ یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلاَّ مَطَایَاہُ (پادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں) بیچون کی اس رویت کو چون کی رویت پر جو چون کی مرئیات سے تعلق رکھتی ہے۔ قیاس کرنا نامناسب اور انصاف سے دور ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کی توفیق دینے والا ہے)

مکتوب ۴۵

قلب مومن کی شان کی بلندی اور اس کی ایذا سے منع کرنے کے بیان میں مولانا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ دل اللہ تعالیٰ کا ہمسایہ ہے۔ جس قدر دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قریب ہے اس قدر کوئی اور شے قریب نہیں۔ دل خواہ مومن ہو یا گناہ گار اس کی ایذا سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، کیونکہ ہمسایہ خواہ عاصی اور نافرمان ہو پھر بھی اس کی حمایت اور مدد کی جاتی ہے۔ پس اس کی اذیت سے ڈرنا چاہئے، کیونکہ کفر کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی ایذا کا باعث ہے، دل کی ایذا جیسا بڑا گناہ اور کوئی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے والی چیزوں سے زیادہ اقرب دل ہی ہے نیز خلق سب کی سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے غلام ہیں اور کسی شخص کے غلام کو مارنا یا اس کی اہانت کرنا اس کے مولا و مالک کی ایذا کا موجب ہے تو پھر اس مولیٰ کا کیا حال ہو گا جو مالک اور خود مختار ہے اس کے خلق میں جتنا کہ اس نے حکم دیا ہے اس سے بڑھ کر تصرف نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایذا میں داخل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے مثلاً بکر زانی کی حد سو کوڑے ہے اگر کوئی سو سے زیادہ کوڑے لگائے تو ظلم ہے اور ایذا میں داخل ہے۔

جاننا چاہئے کہ قلب تمام مخلوقات میں افضل و اشرف ہے جس طرح انسان تمام مخلوقات میں سے افضل اور اشرف ہے اور اس کا افضل و شرف عالم کبیر کی تمام اشیاء کے جامع اور مجمل ہونے کے باعث ہے۔ اسی طرح دل بھی انسان کی تمام چیزوں کے جامع اور کمال بسیط اور مجمل ہونے کے باعث افضل و اشرف ہے اور جس چیز میں اجمال و جمعیت زیادہ ہو وہی چیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے زیادہ قریب ہوتی ہے نیز جو کچھ انسان میں ہے یا عالم خلق سے ہے یا عالم امر سے اور دونوں کے درمیان برزخ ہے انسان مراتب عروج میں پہلے اپنے اصول کی طرف پھر آگ کی طرف اس کے بعد لطائف کے اصول کی طرف بعد ازاں اس جزئی اسم کی طرف جو اس کا رب ہے پھر کلی اسم کی طرف جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عروج کرتا ہے برخلاف قلب کے کہ اس کا کوئی اصل نہیں جس کی طرف وہ عروج کرے بلکہ اس کا عروج

پہلے ہی ذات کی طرف ہوتا ہے نیز قلب غیب ہویت کا دروازہ ہے، لیکن اس تفصیل کے تمام ہونے کے بغیر صرف قلب کے طریق سے وہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ ہاں اس تفصیل مذکورہ بالا کے تمام ہونے کے بعد وہاں تک پہنچنا آسان ہے، کیونکہ قلب میں جامعیت اور وسعت ان مراتب تفصیلیہ کے طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور اس جگہ قلب سے مراد وہ قلب ہے جو جامع و بسیط و واسط ہے نہ مضغہ لحمیہ یعنی گوشت کا ٹکڑا۔ والسلام۔

مکتوب ۴۶

عروج اور نزول کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِيْنُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی سَيِّدِنَا وَ مَوْلَا نَا وَ شَفِيْعِ ذُنُوْبِنَا مُحَمَّدٍ وَ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ نُسَلِّمُ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اپنے سید اور مولا اور گناہوں کے بخشوانے والے حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں) واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ موجودات میں ایک نقطہ ہے جو اس عالم ظلی کا مرکز ہے اور یہ نقطہ تمام عالم کا اجمال ہے اور تمام عالم اس اجمال یعنی نقطہ کی تفصیل ہے۔ یہ نقطہ آسمان کے سورج کی طرح ہے جس سے تمام آفاق روشن ہوتا ہے اور جو فیض اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو پہنچتا ہے اسی نقطہ کے ذریعے پہنچتا ہے۔ یہ نقطہ غیب ہویت کے نقطہ کے برابر اور مقابل ہے اور یہ نقطہ مرتبہ نزول میں ثابت ہے جب تک ہبوط اور اسفلیت کے اس مرتبہ میں نزول نہ ہو اس مرتبہ کی طرف جس کو غیب ہویت کہتے ہیں عروج نہیں ہوتا اور یہی نزول دعوت و تکمیل میں ہے اس نزول میں جو اس نقطہ کے مرتبہ میں ہوتا ہے ایسا خیال میں آتا ہے کہ گویا منہ عالم کی طرف ہے اور پیٹھ حق تعالیٰ کی طرف اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ عالم کی طرف متوجہ ہوتا اور حق تعالیٰ کی طرف سے منقطع رہنا موت تک رہتا ہے۔ جب وصال کا وقت آ جاتا ہے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ گویا اس جہان میں فراق اور شوق دونوں طرف سے ہوتا ہے اور ملاقات موت کے بعد ہوتی ہے۔ اس وقت اس حدیث قدسی کے معنی بھی ظاہر ہو گئے اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَيْھِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا (خبردار ابرار کا شوق میرے لقا کے لئے حد سے بڑھ گیا اور میں ان سے بھی بڑھ کر ان کا شائق ہوں) جاننا چاہئے کہ اس مرتبہ میں

نزول کے ساتھ متحقق ہونے کے باوجود سالک اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ حجاب سب کے سب مفقود ہوتے ہیں بلکہ توجہ الی اللہ بھی نہیں ہوتی اس وقت بالکل خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے یہی مقام دعوت ہے۔ کبھی اس نقطہ سے جو دائرہ عالم ظلی کا مرکز ہے اس نقطہ کی طرف نزول واقع ہوتا ہے جو دائرہ عدم کا مرکز ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے انبیاء سے کفر و انکار کا مقام ہے اور اس نقطہ سے دائرہ اصل یعنی دائرہ مقامات انبیاء کے مرکز کی طرف عروج واقع ہوتا ہے اور یہ نقطہ جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے نہایت ہی ظلمانی ہے اس مقام میں اس کو نورانی اور روشن کرنے کے لیے نزول کرنا بڑا عظیم الشان امر ہے۔ اس نقطہ کے مقابل نقطہ اسلام ہے جس کی طرف اس نزول ظلمانی کے بعد عروج واقع ہوتا ہے۔ اس ظلمانی نقطہ کا چراغ روشن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ والسلام.

مکتوب ۴۷

دعا کے اسرار اور علماء و صلحاء کی تعریف میں سلطان وقت مدظلہ العالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

کمترین دعا گویان احمد معلیٰ بارگاہ کے نوکروں اور بلند درگاہ کے خادموں کی خدمت اقدس میں بڑی عاجزی اور نیاز مندی ظاہر کرتا ہے اور اس امن و آرام کی نعمت کا شکر جو جناب کے غلاموں کی دولت و اقبال سے عوام و خواص کے شامل حال ہے بجا لاتا ہے اور دعا کی قبولیت اور فقراء کی جمعیت کے وقتوں میں فتح مند لشکر کے لیے فتح و نصرت کی دعا مانگتا ہے۔ کیونکہ ع

ہر کسے را بہر کار ساختند

ترجمہ ع ہر کسی کو دے دیا ہے ایک کام

کے موافق کارخانہ خداوندی میں کوئی چیز عبث نہیں ہے وہ کام جو غزا اور جہاد کرنے والے لشکر پر موقوف ہے وہ دولت و سلطنت کی تائید اور تقویت ہے جس پر شریعت روشن کی ترقی منحصر ہے، کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّيْفِ (شرع تلوار کے نیچے ہے) دعا کے لشکر پر بھی جو ارباب فقراء اور اخباب بلا ہے یہی بڑا معتبر کام وابستہ ہے، کیونکہ فتح و نصرت دو قسم کی ہے۔ ایک وہ قسم ہے جس کو اسباب کے حوالہ کیا ہے اور وہ اس فتح و نصرت کی صورت ہے جو غزا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو فتح و نصرت کی حقیقت ہے

اور مسبب الاسباب کی طرف سے ہے۔ آیت کریمہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) میں اسی نصرت کی طرف اشارہ ہے جو لشکر دعا سے تعلق رکھتی ہے پس لشکر دعا نے اپنی ذلت وانکسار کے باعث لشکر غزا سے سبقت کی اور سبب سے مسبب کی طرف دلالت فرمائی۔ ع

برو ند شکستگاں ازیں میدان گوے

ترجمہ ع لے گئے کمزور اس میدان سے گیند

نیز دعا قضا کو دور کر دیتی ہے۔ جیسے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (سوائے دعا کے کوئی چیز قضاء کو نہیں ٹالتی) تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں کہ قضا کو دور کر سکے پس لشکر دعا باوجود ضعف وعاجزی کے لشکر غزا سے زیادہ قوی ہے نیز لشکر دعا روح کی طرح ہے اور لشکر غزا جسم کی طرح پس لشکر غزا سے زیادہ قوی ہے پس لشکر غزا کے لیے لشکر دعا کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ جسم بغیر روح کے تائید ونصرت کے لائق نہیں ہوتا اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْکِ الْمُهَاجِرِیْنَ رسول اللہ ﷺ باوجود لشکر غزا اور لڑائی کرنے والوں کے غلبہ کے فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے فتح ونصرت طلب کیا کرتے تھے۔ پس فقراء جو دعا کا لشکر ہیں باوجود خواری اور زاری اور بے اعتباری کے اعتبار حاصل کرتے ہیں اور سب سے آگے قدم لے جاتے ہیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی کے ساتھ تولیں گے اور سیاہی والا پلہ غالب آئے گا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ یہی روسیاہی ان کی عزت وسرخ روئی کا باعث ہوگئی اور ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیا۔ ع

بتاریکی دروں آب حیات است

ترجمہ ع باظلمت میں آب زندگی ہے

کوئی شاعر کہتا ہے۔ بیت

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے

ترجمہ بیت: میرے حبیب نے مجھ کو بنایا اپنا غلام سیاہ روئی نے میرا بنا دیا کیا کام۔

یہ کمترین اگرچہ اس لائق نہیں کہ اپنے آپ کو لشکر دعا کے شمار میں داخل کرے، لیکن تاہم صرف فقیر کے نام اور دعا کی قبولیت کے احتمال پر اپنے آپ کو دولت قاہرہ کی دعا سے خالی نہیں رکھتا اور حال و قال کی زبان سے سلامتی کی دعا و فاتحہ سے تر زبان رہتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (یا اللہ تو قبول کر تو سننے اور جاننے والا ہے)

مکتوب ۴۸

حق تعالیٰ کے اقربیت کے بھید اور اس بیان میں کہ کنہ ذات کا انکشاف علم حضوری سے ہے۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) حق تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ علم حضوری پر وابستہ ہے جو معلوم کے اصل سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ معلوم کے ظلال میں سے کسی ظل اور اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ کہ یہ علم حضوری کا نصیب ہے۔ پس علم حصولی درحقیقت نفس شے کا علم نہیں ہوتا بلکہ اس شے کی صورتوں میں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے اور اس میں نفس شے کی نسبت جہل ثابت ہوتا ہے۔ سبحان اللہ۔ شے کی نسبت جہل اور عدم علم یا شے کے ظل وصورت کے علم کو اس شے کا علم کہتے ہیں۔ اگر شے کی صورت اور ظل کو اس شے کا عین تصور کر کے شے کی صورت کے علم کو اس شے کا علم جانتے ہیں تو یہ ممنوع ہے اور عینیت کا دعوے سننے کے لائق نہیں، کیونکہ شے اور صورت شے ایک دوسرے کے ساتھ دوئی کی نسبت رکھتی ہیں اور جہاں دوئی کی نسبت ثابت ہے وہاں تغائر یعنی ایک دوسرے کا غیر ہونا لازم آتا ہے۔ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَائِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں) معقول والوں کا مقررہ قضیہ ہے۔ نیز صورت شے کے علم سے اس شے کا کماحقہ علم کس طرح لازم آتا ہے جبکہ صورت شے ایک ظاہری تصویر اور تمثال ہے۔ جو آئینہ کے احکام سے ملتبس ہو کر ظاہر ہوئی ہے اور اس شے کے بہت سے دقائق اور اسرار ہیں۔ جن کا اس صورت میں نام ونشان نہیں۔ بیت

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید　　حیرتے دارم کہ نازش راچساں خواہد کشید

ترجمہ: بیت

میرے دلدار کی صورت مصور گرا تاریگا　　تو حیراں ہوں کہ اس کے ناز کو کیونکر اتاریگا

کاش کہ شے کا ظاہر اپنی صرافت یعنی ہو بہو اور بعینہ شے کی صورت میں ظاہر ہوتا اور باطن موقوف رہتا جب شے کا ظاہر محل اور آئینہ کے رنگ سے متلبس ہو کر شے کی صورت میں ظہور پاتا ہے تو یقین ہے کہ شے کا ظاہر اپنی صرافت پر نہیں رہتا بلکہ دوسری ہیئت پیدا کر لیتا ہے۔ پس صورت جس طرح شے کے باطن سے محروم ہے اسی طرح شے کے ظاہر سے بھی محروم ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس صورت کا علم نفس شے کے علم کو مستلزم نہیں، حاصل کلام یہ کہ معلوم درحقیقت وہ ہے جو ذہن میں موجود ہو اور جب ذہن میں صورت موجود ہے تو معلوم بھی وہی صورت ہوگی۔ جب صورت کو شے کے ساتھ تغائر کی نسبت پیدا ہوگئی تو صورت کا علم نفس شے کے علم کو مستلزم نہ ہوگا وہ علم حضوری ہی ہے جہاں نفس شے مدرکہ میں حاضر ہے اور کوئی ظل وصورت درمیان میں خلل انداز نہیں۔ پس اس علم میں معلوم نفس شے ہوگا نہ اس شے کی صورتوں میں سے کوئی صورت پس علم حضوری اشرف ہے بلکہ علم ہی یہی ہے۔ علم حضوری کے سوا جو علم حصولی ہے وہ سراسر جہل ہے جو علم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ جہل مرکب ہے کہ اپنے جہل کو علم جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کچھ نہیں جانتے پس علم حصولی کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف کوئی راہ نہیں اور اس علم کے ساتھ حق تعالیٰ کی ذات وصفات معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ یہ علم درحقیقت معلوم کی صورت کا علم ہے نہ کہ نفس معلوم کا جیسے کہ گزر چکا ہے۔ صورت کو اس بارگاہ جل شانہ کی طرف کوئی راستہ نہیں تا کہ صورت کے علم کو صورت کے اصل کا علم کہا جائے۔ اگرچہ بعض نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے لیے مثل نہیں، لیکن مثال ہے، لیکن یہ صورت مثالی اگر ثابت بھی ہو جائے تو ذہنی صورت کے سوا ہے جو علم سے تعلق رکھتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ عالم مثال جو مخلوقات میں سے بہت وسیع ہے صورت موجود ہو اور ذہن میں ثابت نہ ہو۔ حدیث قدسی لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَ لٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُومِنِ (میں اپنے زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں) اس بندہ مومن کے قلب کیساتھ مخصوص ہے۔ جس کا معاملہ تمام لوگوں سے جدا ہے، کیونکہ وہ فناء و بقاء سے مشرف ہوا ہے اور حصول سے آزاد ہو کر حضور سے ملا ہوا ہے۔ وہاں یعنی قلب مومن میں اگر گنجائش ہے تو حضور کے اعتبار سے ہے نہ کہ حصول کے اعتبار سے۔ ع

درکدام آئینہ در آید او

ترجمہ ع کسی آئینہ میں آتا نہیں وہ

جاننا چاہئے کہ علم حضوری میں عالم ومعلوم کا اتحاد ہے اس علم کا عالم سے دور ہونا جائز نہیں، کیونکہ معلوم اس کا اپنا نفس ہے جو اس سے الگ نہیں ہے بلکہ وہاں علم بھی عین عالم اور عین معلوم ہے پھر کس طرح جدا ہو سکتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جب علم حضوری میں معلوم نقش شے ہے نہ اس کی صورت تو معلوم وہاں جیسا کہ ہے منکشف ہوتا ہے اور کما حقہ علم میں آ جاتا ہے اور اس کی کنہ وحقیقت معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ کنہ شے نفس شے سے مراد ہے جب تمام قسم کے اعتبارات ساقط ہو گئے اور نفس ذات رہ گئی جو مدرکہ میں حاضر ہے تو اس کی کنہ معلوم ہو گئی۔ برخلاف علم حصولی کے کہ وہاں معلوم شے کے کئی وجوہ اور اعتبارات ہیں جو صورتیں اور شبح ہیں نہ کہ نفس شے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ پس معلوم اس علم میں شے کی کنہ نہ ہو گی اور شے کی کنہ معلوم نہ ہو گی۔ حاصل کلام یہ کہ علم حصولی میں شے کا انکشاف بھی ہے اور ادراک بھی اور علم حضوری میں صرف شے کا انکشاف ہے ادراک نہیں۔ یعنی معلوم کہ کنہ معلوم ومنکشف ہو جاتی ہے، لیکن ادراک میں نہیں آ سکتی۔ پوشیدہ نہ رہے کہ جب حق تعالیٰ کی ذات کی نسبت علم حضوری ثابت ہو گیا۔ جیسے کہ گزر چکا تو اس سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ منکشف ہو جائے اور واجب تعالیٰ کی ذات کما حقہ معلوم ہو جائے اور یہ بات علماء کے مقررہ اصول کے برخلاف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ علم حضوری جس کا تعلق واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ اس رویت کی طرح ہے جو واجب تعالیٰ کی نسبت ثابت کرتے ہیں۔ جہاں صرف انکشاف ہے اور ادراک مفقود۔ یہاں بھی یعنی اس علم حضوری میں انکشاف ہے اور ادراک مفقود ہے۔ جب رویت حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق حاصل کرتی ہے تو علم کیوں تعلق پیدا نہ کرے۔ جو رویت سے زیادہ لطیف ہے محذور اور اعتراض ادراک میں ہے۔ جس سے احاطہ لازم آتا ہے۔ نہ کہ انکشاف میں۔ حق تعالیٰ نے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ فرمایا ہے۔ لَا تَرَاهُ الْاَبْصَارُ نہیں فرمایا۔

سوال: جب ادراک حاصل نہ ہو۔ تو انکشاف کس کام آئے گا؟

جواب: انکشاف سے مقصود یہ ہے کہ دیکھنے والے کو لذت حاصل ہو، جو اس کو حاصل ہے۔ ادراک ہو یا نہ ہو۔

سوال: ادراک کے بغیر انکشاف سے کس طرح لذت حاصل ہو سکتی ہے۔

جواب: لذت کے پانے میں انکشاف کا علم کافی ہے ادراک ہو یا نہ ہو یا یوں سمجھنا چاہئے کہ ادراک بھی اس مقام میں حاصل ہے، لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ ادراک جو اس کے منافی ہے وہ وہی ہے جس کی کیفیت علم میں آ جائے اور معلوم کا احاطہ کر لے۔ وَ لَا یُحِیطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (نہیں احاطہ کر سکتے اس کا از روئے علم کے) نص قاطع ہے جو علم حصولی کے مناسب ہے۔ اگر ادراک علم حضوری میں نہ ہوتا تو علم حصولی میں کہاں سے آتا؟ کیونکہ جو کچھ ظل میں ہے سب کچھ مرتبہ اصل سے حاصل ہوا ہے، لیکن ادراک اصل میں مجہول الکیفیت ہے اور ظل میں معلوم الکیفیت۔

مکتوب ۴۹

اس بیان میں کہ وہ علم حضوری جو عارف کو اپنے آپ سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پکڑتا ہے۔ جناب حضرت میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) جب حق تعالیٰ کی قربت کا معاملہ عارف تام المعرفت پر ظاہر ہوتا ہے اور اس بلند مقام پر ترقی کرتا ہے تو نفس اس کے حق میں آفاق کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس کا علم حضوری علمِ حصولی سے بدل جاتا ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی اقربیت انفس کا حکم پیدا کر لیتی ہے اور وہ علم حضوری جو پہلے انفس سے تعلق رکھتا تھا اسی اقربیت سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ نہ اس طرح پر کہ اپنے آپ کو عین واجب تعالیٰ جانتا ہے اور وہ علم جو اس کے اپنے نفس کے متعلق ہے۔ بعینہ واجب تعالیٰ کے متعلق خیال کرتا ہے کیونکہ یہ معاملہ توحید شہودی کا ہے اور مقامات قرب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کی نہایت اتحاد تک ہی ہے اقربیت اور چیز ہے اور اس کا معاملہ بھی اور ہی ہے۔ اس اتحاد سے گزر کر اثنینیت یعنی دوئی میں آنا پڑتا ہے۔ پھر اقربیت متصور ہوتی ہے۔ کوئی بے سمجھ شخص دوئی کے لفظ سے شک و شبہ میں نہ پڑ جائے اور اتحاد کو اس سے بڑھ کر نہ جانے، کیونکہ وہ دوئی جو اتحاد سے کمتر ہے۔ وہ عوام کالانعام کا مقام ہے اور یہ دوئی جو اتحاد پر ہزار ہا درجہ زیادتی رکھتی ہے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقام ہے۔ جس طرح کہ وہ صحو جو سکر سے پہلے ہے۔ عوام کا حال ہے اور وہ صحو جو سکر کے بعد ہے۔ خواص بلکہ اخص خواص کا مقام ہے یا جس طرح کہ وہ اسلام جو کفر طریقت سے پہلے ہے عام مسلمانوں کا اسلام ہے اور وہ اسلام جو کفر طریقت کے بعد ہے اخص الخواص کا اسلام ہے۔ عجب معاملہ ہے اگرچہ

عارف اپنے آپ کو واجب تعالیٰ نہیں جانتا، لیکن وہ علم حضوری جو عارف کے اپنے نفس سے تعلق رکھتا تھا۔ واجب تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے اور عارف کے اپنے نفس کا علم جو حضوری تھا، علم حصول ہو جاتا ہے۔ ع

در عشق چنیں بو العجبیہا باشند

ترجمہ ع عشق میں ہوتی ہیں ایسی ہی بہت باتیں عجب

عقل عقیل اس دقیقہ کو نہیں پا سکتی۔ بلکہ جمع ضدین کی طرف راجع کرتی ہے۔ ایک عارف کہتا ہے عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ (میں نے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا) رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر۔) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔)

مکتوب ۴۷

علماء راسخین اور علماء ظاہر کے اس استدلال کے فرق میں جو اثر سے مؤثر پر کرتے ہیں۔ قاضی نصر اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اثر سے مؤثر پر اور مخلوق سے خالق پر استدلال کرنا علماء ظاہر کا بھی کام ہے اور علماء راسخین کا بھی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل وارث ہیں۔ علماء ظاہر وجود مخلوق کے علم سے وجود خالق کا علم پیدا کرتے ہیں اور اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود پر دلیل بنا کر مؤثر کے وجود کا ایمان و یقین حاصل کرتے ہیں اور علماء راسخین بھی جو کمالات ولایت کے درجات کو قطع کر کے مقام دعوت میں جو دراصل انبیاء کا خاصہ ہے پہنچ جاتے ہیں۔ تجلیات و مشاہدات کے حاصل ہونے کے بعد اثر سے مؤثر پر استدلال کرتے ہیں اور اس طریق سے بھی مؤثر حقیقی کا ایمان حاصل کرتے ہیں، کیونکہ وہ آخر کار جان لیتے ہیں کہ پہلے جو کچھ اور جلوہ گر ہوا تھا وہ مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل تھا جو نفی کے لائق ہے اور عدم ایمان کا مستحق ہے اور یقین کر لیتے ہیں کہ اس مقام استدلال کے بغیر بیچون کا ایمان میسر نہیں ہوتا۔ اس لیے استدلال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مطلوب کو ظلال کے پردوں کے بغیر طلب کرتے ہیں۔ یہ بزرگوار چونکہ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ محبت کا رشتہ قوی رکھتے ہیں اور ماسوی کو محبوب حقیقی کی

محبت پر فدا کر چکے ہیں۔ اس لیے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کے بموجب استدلال کے رستہ سے محبوب حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں اور تجلیات وظہورات کے تنگ کوچہ سے جو ظلال سے ملے ہوتے ہیں آزاد ہو کر اصل الاصل کے ساتھ جا ملتے ہیں اور اس مقام میں کہ جہاں علماء ظاہر کا علم پہنچتا ہے یہ بزرگوار محبت کی کشش سے کشاں کشاں خود پہنچ جاتے ہیں اور بیچونی اتصال پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ فرق محبت و عدم محبت کے باعث ہے، کیونکہ محب اپنے محبوب کے غیر سے تعلق توڑ کر اپنے محبوب سے ملا ہوا ہوتا ہے اور جس میں یہ محبت نہیں ہوتی وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو غنیمت جانتا ہے بلکہ جس جگہ یہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں وہاں علماء ظاہر کا علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ علم بشرط صحت مطلوب کی دہلیز تک ہی ہوتا ہے اور وہ جو مطلوب سے واصل ہے مطلوب کے ساتھ ہوتا ہے اور معیت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا۔ جو اس کو نصیب نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ ع

بندہ با حق ہمچو شیر و شکر است

ترجمہ: شیر و شکر کی طرح بندہ ملا ہے حق کے ساتھ

وَ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے) بندہ بننا چاہیے ماسوائے کی بندگی سے آزاد ہونا چاہیے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَافِقُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

مکتوب ۵۱

تصدیق قلبی اور یقین قلبی کے درمیان فرق کے بیان میں ملا شیر محمد لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

سوال: بعض محققین متکلمین نے مُؤْمَنٌ بِہٖ (یعنی جس کے ساتھ ایمان لایا جاوے) بہ کے ساتھ دل کے گرویدہ ہونے کو ایمان کی حقیقت کہا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اور گرویدن سے مراد مُؤْمَنٌ بِہٖ دل کی نفس تصدیق و یقین ہے یا مصدق بہ کے ساتھ دل کی نفس تصدیق و یقین کے سوا کوئی اور زائد امر بھی ہے؟

جواب: دل کا گرویدہ ہونا دل کے یقین کے ماسوا ہے۔ اگرچہ تصدیق کے ماوراء نہیں، لیکن اسی یقین پر متفرع ہے یقین حاصل ہونے کے بعد دل دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔ یا مُؤمَنٌ بِهٖ مومن بہ کی تسلیم اوراس کی فرمانبرداری ہوگی۔ یا اس کا انکار وجحود ہوگا۔ تسلیم وانقیاد کی علامت یہ ہے کہ مُؤمَنٌ بِهٖ کے ساتھ دل راضی ہوجاتا ہے اور سینہ کھل جاتا ہے اور جحود وانکار کی علامت مصدق بہ کے ساتھ دل کی کراہت اور سینہ کی تنگی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے سینے کو اسلام کیلئے تنگ کردیتا ہے۔ گویا کہ وہ آسمان میں چڑھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر پلیدی ڈالتا ہے جو ایمان نہیں لاتے) مُؤمَنٌ بِهٖ کے ساتھ تصدیق ویقین کے حاصل ہونے کے بعد دل کو مُؤمَنٌ بِهٖ کے ساتھ تسلیم وانقیاد کا حاصل ہونا محض حق تعالیٰ کی بخشش اور اس کے لامتناہی کرم پر موقوف ہے۔ اسی واسطے ایمان کو اللہ تعالیٰ کی بخشش کہتے ہیں اور مصدق بہ کے ساتھ تصدیق ویقین کے حاصل ہونے کے بعد جحود وانکار کا باعث نفس امارہ کی ردی صفتوں کا راسخ اور مضبوط ہونا ہے۔ جو حب جاہ اور بلندی اور ریاست پر پیدا ہوا ہے اور دوسرے کی متابعت اور تقلید کو قبول نہ کرنے پر مخلوق ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کی تصدیق اور اس کی تابعداری کریں اور وہ خود کسی کی تقلید ومتابعت اور تسلیم وانقیاد نہ کرے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) اللہ تعالیٰ نے بعض کو محض اپنے فضل وکرم سے اس پیدائشی مرض سے نکال کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی (جو سیدھے راستہ کی ہدایت کرنے والے ہیں) تسلیم وانقیاد سے مشرف فرمایا اور ہمیشہ کے لیے جنت کا وعدہ دیا جو اس کی رضا کا گھر ہے اور بعض کو اپنے طور پر چھوڑ دیا اور جبراً وقہراً یعنی زبردستی ان کو ان طبعی رزائل سے نہ نکالا اور اس دولت کی طرف ہدایت نہ دی، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیج کر اور کتابوں کو نازل کر کے صراط مستقیم کو بیان کردیا ہے اور مصدق ومکذب اور عاصی ومطیع کو بڑے مبالغہ کے ساتھ خوشخبری اور خوف دلایا ہے اور فریقین پر حجت کو درست کردیا ہے۔

مکتوب ۵۲

قلب ونفس کے فناء اور علم حصولی اور حضوری کے زوال میں فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

فناء ماسوائے حق کے نسیان سے مراد ہے اور ماسوی دوقسم پر ہے۔ ایک آفاق دوسرے انفس۔ آفاق کا نسیان یہ ہے کہ آفاق کا علم حصولی نہ رہے اور انفس کا نسیان یہ ہے کہ انفس کا علم حضوری زائل ہو جائے، کیونکہ علم حصولی آفاق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور علم حضوری انفس کے ساتھ اشیاء کے علم حصولی کا مطلق طور پر زائل ہونا بھی اگر چہ مشکل ہے، کیونکہ اولیاء کا نصیب ہے، لیکن علم حضوری کا مطلق طور پر دور ہونا بہت ہی مشکل ہے اور اولیاء میں سے کاملین کا حصہ ہے عجب نہیں کہ اکثر عقلمند اس کی تجویز بلکہ تصور کو محال جانیں اور مدرک یعنی عالم پر مدرک یعنی معلوم کے حاضر نہ ہونے کو سفسط یعنی خواب وخیال سمجھیں، کیونکہ ان کے نزدیک نفس شے پر شے کا حضور ضروری ہے۔ پس جب ان کے نزدیک علم حضوری کا ایک لمحہ کے لیے بھی زائل ہونا جائز نہیں تو پھر اس علم کا مطلق طور پر اس طرح زائل ہونا کہ پھر کبھی اعادہ نہ کرے۔ کس طرح جائز ہوگا۔ پہلا نسیان جو علم حصولی کی نسبت ہے فناء قلب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا نسیان جو علم حضوری کی نسبت ہے فناء نفس کا مستلزم ہے۔ جو اتم واکمل ہے۔ فناء کی حقیقت اسی مقام میں ہے اور پہلی فناء اس فناء کی صورت کی طرح ہے اور اس کے ظل کی مانند ہے، کیونکہ علم حصولی درحقیقت علم حضوری کا ظل ہے۔ اس لیے علم حضوری کی فناء کلی ظل ہوگی۔ اس فناء کے حاصل ہونے سے نفس مقام اطمینان میں آ جاتا ہے اور حق تعالیٰ سے راضی ومرضی ہو جاتا ہے اور بقاء ورجوع کے بعد تکمیل وارشاد کا معاملہ اس کے متعلق ہوتا ہے اور عناصر اربعہ جو بدن کے ارکان ہیں اور ان سے کوئی کسی امر کا تقاضا کرتا ہے اور کسی شے کو چاہتا ہے ان کی مختلف طبیعتوں کیساتھ اس کو جہاد غزا حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دولت بدن کے لطائف میں سے نفس کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں۔ یہی ہے جو ابلیس کی انانیت کو جو عنصر آتش سے پیدا ہے سیاست وحکومت سے درست کرتا ہے اور قوت شہویہ اور غضبیہ اور تمام برے اوصاف کو جن میں تمام چار پائے اور حیوانات شریک ہیں۔ حسن تربیت کے ساتھ اعتدال پر لاتا ہے۔ سبحان اللہ وہی لطیفہ جو تمام لطائف میں بدتر ہوتا ہے۔ سب سے بہتر ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خِیَارُکُمْ فِی الْجَاھِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا (جو جاہلیت میں تم سے بہتر تھے وہ اسلام میں بھی تم میں سے بہتر ہیں جب سمجھ لیں)

تنبیہ: قلب سے ماسوی کے نسیان کی علامت یہ ہے۔ کہ قلب میں ماسوا کا گزر نہ رہے۔ یہاں تک کہ اگر قلب کو تکلف کے ساتھ بھی ماسوا یاد دلائیں تو بھی اس کو یاد نہ آئے بلکہ اس کو قبول نہ کرے اور نفس عالم کے علم حضوری کے زائل ہونے کی علامت یہ ہے کہ عالم بالکل منفی معلوم ہو جائے اور اس کا کوئی عین واثر نہ رہے تا کہ اس سے علم ومعلوم کا زائل ہونا مقصود ہو کیونکہ علم ومعلوم اس مقام میں نفس عالم ہی ہے۔ جب تک نفس عالم زائل نہ ہو۔ علم ومعلوم منفی نہیں ہوتے۔ پہلی فناء فناء آفاق ہے اور دوسری فناء فناء انفس جو فناء کی حقیقت ہے۔

مکتوب ۵۴

وجودی اور شہودی طور پر عین اور اثر کے زائل ہونے کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا (کیا انسان پر وہ وقت نہیں آیا کہ جب کچھ بھی مذکور نہ تھا) ہاں اے میرے رب! بیشک انسان پر ایک ایسا وقت تھا کہ یہ کچھ بھی نہ تھا۔ نہ اس کا عین تھا نہ اثر، نہ اس کا شہود تھا نہ وجود۔ پھر جب تو نے چاہا اس کو تو نے اپنی زندگی سے زندہ اور اپنی بقا سے باقی اور اپنے اخلاق سے متخلق کیا بلکہ تیرے ہی فضل سے عین فنا میں تیرے ساتھ باقی اور عین بقا میں تجھ میں فانی ہوا، کیونکہ ایک دوسرے وجود کے سبب اس کے لیے یہ فنا و بقا لازم ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے کمال کا حاصل کرنا واجب ہے۔ اس کی مثال اس انسان کی سی ہے جس کو نمک کی کان میں ڈال دیں اور وہ آہستہ آہستہ نمک کا رنگ پکڑتے پکڑتے سب نمک ہی بن جائے اور اس کا کچھ عین یا اثر باقی نہ رہے۔ تب اس کا قتل کرنا اور توڑنا مباح ہے اور اس کا کھانا اور اس کی خرید وفروخت کرنا حلال ہے اور اگر اس کا کچھ عین یا اثر باقی رہتا تو یہ باتیں جائز نہ ہوتیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ بیت

سگے کاندر نمک زار او فتد گم گردد اندر وے　　　　من ایں دریائے پر شور او نمک کمتر نمید انم

ترجمہ بیت

پڑے کتا نمک میں گر نمک بن جائے وہ یکسر مرے نزدیک یہ دریا نمک سے کچھ نہیں کمتر

اگر کوئی سوال کرے تو اپنے مکتوبوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ عین واثر کا زائل ہونا صرف شہودی طور پر ہے نہ کہ وجودی طور پر۔ کیونکہ اس سے الحاد و زندقہ اور عبودیت اور ربوبیت کے درمیان دوئی کا دور ہونا لازم آتا ہے تو پھر یہاں وجودی طور پر عین واثر کے زائل ہونے کے کیا معنی ہیں تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کا اس طرح پر رنگا جانا کہ ان میں سے ایک چیز اپنے احکام سے خالی ہو کر دوسری چیز کے احکام میں رنگی جائے۔ ان دونوں چیزوں سے دوئی کے دور ہونے کا موجب نہیں تا کہ الحاد و زندقہ ہو، کیونکہ انسان جو نمک کی کان میں ڈالا جائے۔ وہ نمک کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ اس کی دوئی دور ہوتی ہے بلکہ اس کو نمک کے قرب اور غلبہ کے باعث اپنے نفس و صفات سے فنا حاصل ہو جاتی ہے اور نمک اور اس کے احکام کے ساتھ بقا پا لیتا ہے اور دوئی بھی درمیان میں باقی رہتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دوئی اس دوئی کی مانند ہے۔ جو ظل کی اصل کے ساتھ ہوتی ہے۔ جس کو کچھ استقلال نہیں، لیکن عوام کی نظر میں اس زائل ہو جانے والی دوئی کے لیے ایک قسم کا استقلال نظر آتا ہے جس کے سبب دوئی باقی رہتی ہے اور اس میں کوئی الحاد و زندقہ نہیں اور میں نے جو کتابوں اور رسالوں میں وجودی زوال سے منع کیا ہے۔ وہ عوام کے قصورِ فہم پر محمول ہے، کیونکہ عوام اس سے دوئی کا دور ہونا سمجھ لیتے ہیں اور الحاد و زندقہ میں پڑ جاتے ہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو ظالم کہتے ہیں) باقی رہا وہ شبح جو حکمی طور پر نمک ہو جانے کے بعد اس انسان سے باقی رہا ہے۔ وہ درحقیقت نمک کی صورت ہے جس نے اپنے سنگ سے اس انسان کو رنگ دیا ہے، نہ کہ انسان کی صورت ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس نمک حکمی کو اس انسان کی شبح پر قیاس کریں اور اس کی صورت پر تصور کریں نہ یہ کہ انسان کا شبح باقی ہے جس کے سبب اس کا اثر ابھی باقی ہے۔

تنبیہ: یہ نمکی شبح یعنی نمک کے رنگ میں رنگی ہوئی صورت کو صورت انسان کے مقیاس پر قیاس کیا گیا ہے۔ اس کا زائل ہونا ممکن بلکہ واقع ہے، لیکن جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ایسا نہیں ہے۔ فَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) حق تعالیٰ کسی شے کے ساتھ

متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی شے اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے نہ وہ اشیاء کے ساتھ متصل ہے۔ نہ منفصل اور نہ اشیاء اس کے ساتھ متصل ہیں نہ اس سے منفصل **فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا بِاَسْمَآئِهٖ بِحُدُوْثِ الْاَكْوَانِ** (پاک ہے وہ مالک جو موجودات کے حدوث سے اپنی ذات وصفات وافعال واسماء میں متغیر نہیں ہوتا) اللہ تعالیٰ اب بھی اسی طرح اپنی خالص تنزیہ وتقدیس پر ہے جس طرح کہ پہلے تھا حق تعالیٰ عالم کے قریب اور اس کے ساتھ ہے۔ اس قرب ومعیت کے ساتھ جن کی کیفیت معلوم نہیں۔ یہ قرب ایسا نہیں جیسے جسم کو جسم کے ساتھ یا جسم کو عرض کے ساتھ ہوتا ہے۔ غرض امکان کی تمام صفتیں اور حدوث کے تمام نشان حق تعالیٰ کی پاک جناب سے مسلوب ہیں۔ اولیاء کے عروج سے بندوں کے ساتھ اس کا قرب زیادہ نہیں ہوتا اور اصفیاء کے وصول سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال حاصل نہیں ہوتا۔ فناء وبقاء عادتوں کے احوال ہیں۔ جو معقولیوں کی سمجھ سے برتر ہیں اور عین واثر کے زائل ہونے کا مطلب سوائے اس شخص کے کہ جس کو یہ فنا وبقا وزوال حاصل ہو۔ دوسرا نہیں سمجھ سکتا جیسے کہ ابھی اس کی تحقیق کی جائے گی ان بزرگواروں کے کلام کو حسن ظن اور قبولت سے سننا چاہیے اور اس کا مدلول ظاہری اور معنی مطابقی نہ سمجھنا چاہئیں کیونکہ اس میں اکثر اوقات اس قسم کی فاحش غلطی واقع ہوتی ہے۔ جس سے انسان خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ **وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ** (اللہ تعالیٰ بہتری کی توفیق دینے والا ہے)

سوال: اگر انسان کے عین اور اثر کا زائل ہونا جائز ہے تو پھر قرآن مجید میں اور حدیث میں جو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں وارد ہے۔ اس کا کیا جواب ہے قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔ **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ** (میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں میری طرف وحی آتی ہے) یہ امر انسانیت کے اثر باقی رہنے کا نتیجہ ہے۔

جواب: ایسا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی بقاء اثر پر دلالت پائی جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان کامل فناء وبقاء کے بعد حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے لیے عالم کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ صفات بشریت اور خصائص انسانی جو پہلے اس سے دور ہوئی ہوتی ہیں مغلوب اور کمزور ہو کر پھر اس کی طرف رجوع کر آتی ہیں۔ تاکہ انسان کامل اور عالم کے درمیان وہ مناسبت جو پہلے زائل تھی، حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اسی مناسبت کے ذریعے انسان کامل اور عالم کے درمیان افادہ اور استفادہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ ان صفات بشری

کے رجوع کرنے اور زوال کے بعد ان کے ملحق ہونے اور ملنے میں دوسری حکمت مکلفین کا ابتلاء و امتحان اور دعوت کرنے والوں کا برگزیدہ کرنا ہے تاکہ پاک اور ناپاک اور سچے اور جھوٹے کے درمیان تمیز ہو اور ان صفات کے رجوع کرنے سے ایمان بالغیب جو پہلے مشتبہ اور پوشیدہ تھا حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلاً وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُوْنَ (اگر ہم اپنے رسول ﷺ کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو انسانی صورت میں ہی بھیجتے۔ پھر بھی یہ لوگ وہی شبہ کرتے جواب کرتے ہیں)

سوال: انسان کامل کے عین اور اثر کے زائل ہونے کے کیا معنی ہیں۔ حالانکہ اس کا ظاہر ہمیشہ صفات بشریت پر رہتا ہے۔ یعنی وہ کھاتا، پیتا، سوتا اور آرام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے وَ مَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَدًا لَّا يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ (ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنائے جو کھانا نہ کھائیں)

جواب: فناء اور بقاء صفات باطنی میں سے ہیں۔ ظاہر کو ان سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ ظاہر ہمیشہ اپنے احکام پر رہتا ہے اور باطن کبھی ان احکام سے خالی ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے ساتھ متلبس ہو جاتا ہے اور اگر کوئی کہے کہ باطن یا لطائف بہت سے ہیں، سب کے سب فناؤ بقا سے متحقق ہوتے ہیں یا صرف ایک ہی اور وہ کون سا لطیفہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لطیفہ جو اس فناو بقا کے ساتھ متحقق ہوتا ہے لطیفہ نفس ہے۔ جو اصل میں انسان کی حقیقت ہے اور جس کی طرف قول انا کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہی پہلے نفس امارہ ہوتا ہے پھر مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ یہی پہلے خدا تعالیٰ کی دشمنی پر قائم ہوتا ہے اور یہی آخر کار راضیہ و مرضیہ بن جاتا ہے۔ یہی تمام بروں میں سے برا ہے اور یہی تمام نیکوں میں سے نیک ہے۔ اس کا شر ابلیس کے شر سے بڑھ کر ہے اور اس کا خیر تمام تسبیح و تقدیس کرنے والوں یعنی فرشتوں کے خیر سے برتر ہے۔

تنبیہ: فنا و زوال وجودی اور بقا کے یہ معنی نہیں۔ کہ ممکن سے امکان بالکل زائل ہو جائے اور اس کو وجوب حاصل ہو جائے، کیونکہ یہ محال عقلی ہے اور اس کے قائل ہونے سے کفر لازم آتا ہے بلکہ اس کے معنی امکانیت کے باقی رہنے کے باوجود خلع و لبس کے ہیں۔ (یعنی صفات بشریت سے نکلنا اور صفات الٰہی سے موصوف ہونا) جس طرح کہ معقول والوں نے بھی عناصر میں کون و فساد کے طریق پر اس کو ثابت کیا ہے۔ مگر انہوں نے نوعیہ صورت کے تغیر و تبدل کے باوجود دونوں حال یعنی کون و فساد میں عناصر کے ہیولیٰ یعنی مادہ کا ثابت رہنا بحال رکھا ہے،

لیکن ہم ہیولیٰ اور اس کے ثبوت کے قائل نہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فنا و بقا قادر مختار جل شانہ کی طرف سے اعدام اور ایجاد ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ لَنْ يَّلِجَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوَاتِ مَنْ لَّمْ يُوْلَدْ مَرَّتَيْنِ (جو دو دفعہ پیدا نہ ہو وہ آسمانوں کے ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتا) اس میں ولادت ثانیہ سے ایجاد ثانی کی طرف اشارہ ہے جسے یہ بزرگوار صفات رذیلہ کے زائل ہونے اور اخلاق حمیدہ کے حاصل ہونے کے باعث مجاز اور تشبیہ کے طور پر بقا باللہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ گویا مرتبہ وجوب کے صفات کے مشابہ ہے۔ میں نے کئی جگہ اس امر کی تحقیق کی ہے کہ ممکن کی ذات عدم محض ہے۔ پھر اس کے زوال کے کیا معنی ہیں کیونکہ ممکن تمام احوال میں خواہ فناء کا حال ہو یا بقا کا حال اسی طرح ممکن ہے جس طرح کہ ان دونوں کے نہ ہونے کی حالت میں تھا اور واجب تعالیٰ استمراری اور دائمی طور پر واجب ہے۔ اس کی پاک بارگاہ کے ساتھ کوئی چیز نہیں مل سکتی اور نہ کوئی شے اس سے جدا ہو سکتی ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ بیت

سیاہ روئی ز ممکن در دو عالم جدا ہر گز نشد واللہ اعلم

ترجمہ بیت: سیاں روئی نہ ممکن کی ہوئی دور وہ عالم میں رہا ویسا ہی بے نور

پوشیدہ نہ رہے کہ ممکن میں امکان کے باقی رہنے سے یہ مراد نہیں کہ ممکن کا اثر اور اس کا ثبوت مراتب ثبوت کے کسی مرتبہ میں باقی رہتا ہے کیونکہ یہ امر فناء اتم کے منافی ہے اور اس فنا کا فانی امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کر کے اور وجود اور اس کی توابع یعنی صفات کاملہ اور نعوت فاضلہ کے ظلال کو (جو اس میں منعکس ہوتے ہیں) ان کے اصل کی طرف واپس دے کر محض عدم کے ساتھ جو اپنی عدمیت میں کامل ہے۔ اس طرح مل جاتا ہے کہ اس میں کسی شے کی طرف اضافت و نسبت نہیں پائی جاتی۔ نہ ہی اس کا کوئی نام و نشان باقی رہتا ہے، کیونکہ عدم میں اضافت کا وجود کچھ نہ کچھ ثبوت کی خبر دیتا ہے۔

مکتوب ۵۴

شرع روشن کی تابعداری کرنے اور دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑائی کرنے کے بارہ میں خان جہاں کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل بزرگ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرما کر سلامت و عزت و احترام کے ساتھ رکھے۔ بیت

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان درنمے آید سواراں راچہ شد

ترجمہ بیت: گیند توفیق وسعادت کا ہے میداں میں پڑا
کوئی میدان میں نہیں آتا سوار اب کیا ہوا

دنیائے فانی کی لذتیں اور نعمتیں اس وقت گوارا اور حلال و تحلیل ہوتی ہیں جبکہ ان کے ضمن میں شریعت روشن کے موافق عمل کیا جائے اور آخرت کے لیے ذخیرہ جمع کیا جائے۔ ورنہ اس زہر قاتل کی طرح ہیں جن کو شکر میں لپیٹا ہوا ہو جس پر بے وقوف اور نادان ہی فریب و دھوکا کھاتے ہیں اگر حکیم مطلق جل شانہ کی تریاق سے اس کا علاج نہ کیا جائے اور شرعی اوامر و نواہی کی تلخی سے اس شیرینی کا تدارک نہ کیا جائے تو سراسر ہلاکت کا موجب ہے۔ شریعت کے موافق عمل کرنے سے جس میں سراسر سہولت و آسانی ہے۔ تھوڑے سے تردد و کوشش کے ساتھ بڑی آسانی سے دائمی ملک ہاتھ آ جاتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور سستی سے یہ جاودانی اور ہمیشہ کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ عقل دوراندیش سے کام لینا چاہئے اور بچوں کی طرح جوزر و مویز پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے۔ یہی خدمت جو آپ اب کر رہے ہیں اگر اس کو شریعت کی بجا آوری کے ساتھ جمع کر لیں تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سا کام کریں گے۔ جس سے دین منور و معمور ہو جائے گا۔ ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں تو بھی آپ جیسے بہادروں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔ بیت

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند کس بمیدان درنمے آید سواراں راچہ شد

ترجمہ بیت

گیند توفیق وسعادت کا ہے میداں میں پڑا کوئی میدان میں نہیں آتا سوار اب کیا ہوا

اَللّٰهُمَّ وَ فِقْنَا بِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى (یا اللہ تو ہم کو اس کام کی توفیق دے۔ جس کو تو چاہتا اور پسند کرتا ہے) باقی مطلب یہ ہے کہ رقیمہ ہذا کے لانے والے فضائل پناہ خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد شرف خاص یاروں میں سے ہیں۔ ان کے حال پر جس قدر مہربانی فرمائیں گے فقیر کی احسان مندی کا باعث ہوگا۔ اَمْرُکُمْ اَعْلٰى وَ شَانُکُمْ اَرْفَعُ (آپ کا امر اعلیٰ اور آپ کی شان بلند ہے)

مکتوب ۵۵

فکر سے غنا کی طرف رجوع کرنے کی برائی میں مریز خاں افغان کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادرم میاں مریز خاں فقر کے تنگ کوچہ سے بھاگ کر دولت مندوں کی طرف التجا لے گئے ہیں اور ان کی لذتوں اور نعمتوں پر راضی ہو گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اگر آپ دولت مندوں کی صحبت میں دنیا کی بہت ترقی کریں گے تو ہزاری ہو جائیں گے اور مان سنگھ پنج ہزاری یافت ہزاری تھا۔ اس سے زیادہ ترقی نہ کریں گے اور اگر بالفرض مان سنگھی مرتبہ پر بھی پہنچ جائیں تو سوچنا چاہئے کہ آپ کو کیا مل گیا اور کون سی بزرگی آپ نے حاصل کی۔ لقمہ نان فقر میں بھی مل جاتا تھا۔ اب اس سے زیادہ چرب لقمہ کھاتے ہوں گے اس طرح بھی گزر رہی تھی۔ اس طرح بھی گزر جائے گی، لیکن آپ کو خیال کرنا چاہئے کہ آپ کے ہاتھ سے کیا کچھ نکل گیا اور جب تک ہیں نکل رہا ہے اور دن بدن مفلس ہو رہے ہیں۔ اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ الشَّفَقَةُ یعنی جو شخص اپنے ضرر پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہے جب آپ اس امر میں مبتلا ہو گئے ہیں تو اتنی کوشش ضرور کریں کہ استقامت کے طریق اور شریعت کے التزام کو نہ چھوڑیں اور باطنی شغل میں بھی فتور نہ پڑے اگرچہ دنیا کے ساتھ اس کا جمع کرنا مشکل ہے، کیونکہ دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے مگر اس قدر تو ضرور ہونا چاہئے کہ اس وضع میں جو آپ نے اختیار کی ہے اور اس خدمت میں جو آپ کر رہے ہیں اگر نیت درست کی جائے تو عزیمت اور غزا و جہاد میں داخل ہے اور نیک عمل ہے مگر نیت کا درست ہونا مشکل ہے کیونکہ آج جو خدمت ہے شاید وہ نیک ہو، مگر کل ایسی خدمت فرمائیں جو عین وبال ہو۔ غرض بڑا مشکل کام ہے اس میں بہت ہوشیار رہیں۔ اطلاع دینا ضروری تھا۔ والسلام

مکتوب ۵۶

گزشتہ صحبت پر افسوس کرنے اور نئے اسرار کی طرف اشارہ کرنے میں جناب

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ولد خواجہ حسام الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) قرۃ العینین و مسرۃ الاذنین یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور کانوں کی خوشی خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ظاہری باطنی جمعیت کے ساتھ آراستہ ہیں آپ نے عجیب تغافل اور نامہربانی فرمائی کہ نزدیک پہنچ کر سرہند میں نہ آئے اور اس غریب کا حال نہ پوچھا اور آشنائی کے حقوق بجا نہ لائے۔ فقیر خواجہ محمد افضل کا کیا گلہ کرے کہ وہ پہلے ہی فقیر کی دوستی سے کوسوں بھاگتے اور ڈرتے ہیں اور میر منصور کی نسبت کیا کہے کہ وہ ہمیشہ صحبت کی آرزو ہی کرتے رہتے ہیں، لیکن قوۃ سے فعل میں نہیں آتی اور صحبت کا موقع نہیں ملتا۔ فقہا بزرگ کا قول ہے۔ اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (ضرر کا راضی شفقت کا مستحق نہیں) لشکر اگرچہ ظلمات کا دریا ہے، لیکن آب حیات اسی میں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے گو۔ نادر طور پر ہی ہو۔ وہ گوہر ہاتھ آتا ہے کہ دوسری جگہ میں اگر اس گوہر کا شبہ ہی میسر ہو جائے تو غنیمت ہے۔ جس بہادر نے کچھ قیمت و قدر حاصل کی ہے۔ دشمنوں کے غلبہ کے وقت حاصل کی ہے۔ اگرچہ سلامتی گوشہ میں ہے، لیکن غزا و شہادت کی اعلیٰ دولت معرکہ اور لڑائی میں ہے۔ گوشہ نشینی ضعیفوں اور اہل ستر یعنی عورتوں کے لیے مناسب ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ (طاقتور مومن ضعیف مومن سے اچھا ہے) میدان جنگ میں نکلنا اور بڑے گھمسان کی لڑائی کرنا بڑی ہمت والے مردوں کا کام ہے۔ قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا (کہ ہر ایک اپنی اپنی طرز پر عمل کرتا ہے۔ تمہارا رب جانتا ہے کہ تم میں سے زیادہ ہدایت والا کون ہے) رخصت کی مدت گزرنے کے بعد جب لشکر کی طرف آنے لگا۔ تو فرزندی محمد سعید کو گھر میں چھوڑ آیا جب ان فیوض و برکات اور علوم و معارف کو جو فرزند کی جدائی کے بعد ظاہر ہوئے تھے ملاحظہ کیا تو اس کی جدائی سے پشیمان ہوا اور موقع کو غنیمت جان کر اس کو بلا لیا۔ چھوٹے بڑے سب اس امید پر آئے ہیں کہ ان برکات سے فائدہ حاصل کریں۔ عجب معاملہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم ملامتی گروہ اور قلندریہ زمرے میں ہیں۔ حالانکہ ہم ان دونوں گروہوں سے جدا ہیں اور ہمارا کاروبار بھی ان سے الگ ہے۔ نئے نئے علوم کا کچھ بیان اس مکتوب سے سن

لیس جس کا عنوان یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا لَا عَیْنًا وَّلَا اَثَرًا شُهُوْدًا وَّلَا وُجُوْدًا (انسان پر ایک ایسا زمانہ تھا کہ اس کا کچھ نام ونشان نہ تھا۔ نہ اس کا عین تھا نہ اثر اور نہ شہود نہ وجود) آپ نے مکتوب میں دیکھا ہے کہ فقیر نے زوال وجودی کو الحاد و زندقہ کہا ہے۔ مگر یہاں اس کو لکھ کر اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس کا علاج کر دیا ہے۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ترجمہ ع مری بہار کا کر لے قیاس بستان سے

یہ سب دولتیں انہی واقعات کی برکات سے ہیں۔ لَوْ لَا هَا لَمَا وَجَدْتُ تِلْكَ (اگر یہ واقعات نہ ہوتے تو یہ برکات بھی حاصل نہ ہوتیں) رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہمیں بخش تو سب شے پر قادر ہے) مولانا محمد مراد چونکہ ان حدود کی طرف جانے والے تھے۔ اس لیے یہ دو کلمہ لکھے گئے ہیں۔ انجام بخیر ہو۔

مکتوب ۵۷

عالم کے حادث ہونے اور عقل فعال کے رد کرنے میں مولانا حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ (اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور مرسلین کے سردار پر صلوٰۃ و سلام ہو) حق تعالیٰ اپنی ذات اقدس کے ساتھ موجود ہے اور اس کی ہستی خود بخود قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح ابدؔ ہے پہلے بھی ایسا ہی تھا اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کو اس کی طرف راہ نہیں، کیونکہ وجوب وجود اس درگاہ مقدس کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس بارگاہ بزرگ کا ادنیٰ خاکروب ہے اور حق تعالیٰ کے ماسوا جس کو عالم کہتے ہیں یعنی عناصر و افلاک و عقول و نفوس اور بسائط و مرکبات سب حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ قدم ذاتی و زمانی اسی کی جناب پاک کے لیے ثابت ہے اور حدوث ذاتی و زمانی حق تعالیٰ کے ماسوا کے لیے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ نے جس طرح زمین کو دو روز میں پیدا فرمایا ہے اسی طرح آسمانوں اور ستاروں کو زمین کے پیدا کرنے کے بعد دو روز میں عدم سے وجود میں لایا ہے۔ آیت کریمہ خَلَقَ

الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (زمین کو دو دن میں پیدا کیا) اور آیت کریمہ وَ قَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (سات آسمانوں کو دو دن میں پورا کیا) اسی بات کی مصداق ہیں۔ وہ شخص بہت ہی بے وقوف ہے جو نص قرآنی کا منکر ہو کر ماسوا میں سے بعض کا قائل ہے اور آسمانوں اور ستاروں کے قدم کا حکم کرتا ہے اور عناصر بسیط کو قدیم جانتا ہے اور عقول و نفوس کو ازلی و قدیم تصور کرتا ہے۔ تمام اہل ملت کا اجماع ماسوائے اللہ کے حدوث پر قائم ہے اور بالاتفاق سب سے عدم سابق کے بعد ماسوی کے وجود کا حکم کیا ہے جیسے کہ امام حجتہ الاسلام غزالیؒ نے رسالہ المنقذعن الضلال میں اس مضمون کو واضح کیا ہے اور لوگ جو عالم کے بعض اجزاء کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ اس سبب سے ان کی تکفیر فرمائی ہے۔ پس ممکن کی اشیاء میں سے کسی شے کے قدم کا حکم کرنا ملت سے نکلنا اور فلسفہ میں داخل ہونا ہے اور جس طرح ماسوائے حق تعالیٰ کے لیے عدم سابق ثابت ہے۔ اسی طرح عدم لاحق بھی اس کو دامن گیر ہے۔ آسمانوں کے ستارے گر جائیں گے۔ آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور زمین و پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر عدم سے مل جائیں گے۔ جیسے کہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَه (پس جب پہلی دفعہ کرنا پھونکی جائے گی اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پس اس دن واقع ہونے والی یعنی قیامت واقع ہو گی اور اس دن آسمان پھٹ کر نابود ہو جائیں گے) اور فرماتا ہے۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (جب سورج لپیٹا جائے گا اور ستارے سیاہ ہو جائیں گے اور پہاڑ اڑائے جائیں گے) اور فرماتا ہے اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے پراگندہ ہو جائیں گے اور فرماتا ہے اذاالسماء انشقت ٥ آسمان پھٹ جائے گا) كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (سوائے اس کی ذات کے سب کچھ ہلاک ہونے والا ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم سب کا رجوع ہے) اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ وہ بہت ہی جاہل ہے۔ جو ان کے فانی ہونے کا انکار کرتا ہے اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتا اور فلسفہ کی ملمع باتوں پر مفتون ہے۔ غرض ممکنات میں عدم سابق کی طرح عدم لاحق کا ثابت کرنا بھی دین کی

ضروریات میں سے ہے اوراس پر ایمان لانا لازم ہے اور یہ جو بعض علماء نے کہا ہے کہ سات چیزیں یعنی عرش وکرسی ولوح قلم وبہشت ودوزخ وروح فانی نہ ہوں گے تو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ یہ فنا قبول نہیں کرتے اور زوال کی قابلیت نہیں رکھتے حَاشَا وَ کَلاَّ بلکہ قادر مختار جل شانہ کا اختیار ہے، جس کو چاہے وجود کے بعد فانی کرے اور جس کو چاہے خاص مصلحتوں اور حکمتوں کے لیے باقی رکھے وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فرماتا ہے) اس بیان سے واضح ہوا کہ عالم بمعہ اپنے تمام اجزا کے اپنے وجود وبقاء میں واجب تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اس کا محتاج ہے کیونکہ بقا سے مراد دوسرے اور تیسرے زمانہ میں جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اسی وجود کے نفس کا استقرار ہے اور کوئی امر زائد اس وجود پر نہیں جو بقاء سے مسمی ہو پس نفس وجود اور استقرار وجود دونوں حق تعالیٰ کے ارادہ پر موقوف ہیں۔ عقل فعال کیا ہے جو اشیاء کا سرانجام کر سکے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہوسکیں۔ عقل فعال کے اپنے نفس وجود اور ثبوت میں ہزاروں اعتراض ہیں کیونکہ اس کا ثبوت اور حصول فلسفہ کے چند طمع اور جھوٹے مقدمات پر مبنی ہے جو سب کے سب اسلام حقہ کے مقابلہ میں ناتمام ونافرجام ہیں۔ وہ بڑا ہی بے وقوف ہے جو اشیاء کو قادر مختار کی طرف سے ہٹا کر ایسے امر موہوم کی طرف منسوب کرے بلکہ اشیاء کے لیے ننگ وعار ہے کہ فلسفہ کے تراشیدہ اور خود ساختہ امر کی طرف منسوب ہوں بلکہ اشیاء کے لیے بہتر ہے کہ اپنے عدم پر راضی اور خوش رہیں اور ہرگز وجود کی خواہش نہ کریں بہ نسبت اس کے کہ ان کے وجود کو سفسطہ کے اپنے بنائے ہوئے وہمی امر کی طرف منسوب کیا جائے اور قادر مختار جل شانہ کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم رہیں۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے وہ نہیں کہتے مگر جھوٹ)

مکتوب ۵۸

اس بیان میں کہ ممکنات کا خلق اور نمود اور وجود مرتبہ وہم میں ہے، جس نے اتقان اور استحکام حاصل کرلیا ہے۔ خواجہ صلاح الدین احراری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْئٌ (اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی) جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے تو حق تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر ایک اسم

نے ایک ایک مظہر طلب فرمایا تا کہ اپنے کمالات کو اس مظہر میں جلوہ گر کرے۔ عدم کے سوا اور کوئی شے وجود اور توابع وجود کے مظہر بننے کے قابل نہیں کیونکہ شے کا آئینہ اور مظہر اس شے کے مبائن اور مقابل ہوتا ہے اور وجود کے مبائن اور مقابل اعدم ہی ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عالم عدم میں سے ہر ایک اسم کا مظہر تعین فرمایا اور اس کو مرتبہ حس و وہم میں جب چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا خَلَقَ الْاَشْيَاءَ مَتٰى شَآءَ وَكَمَا شَاءَ (اشیاء کو جب چاہا اور جیسے چاہا پیدا کیا) اور دائمی معاملہ اس پر وابستہ کیا۔ جاننا چاہئے کہ عدم خارجی کے منافی ثبوت خارجی ہے نہ وہ ثبوت جو مرتبہ حس و وہم میں پیدا ہو کیونکہ س میں منافات کی بو بھی نہیں اور عالم کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہے نہ مرتبہ خارج میں تا کہ اس کے منافی ہو۔ بس جائز ہے کہ عدم مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کرلے اور حق تعالیٰ کی صنعت سے وہاں اس کو اتقان و رسوخ حاصل ہو جائے اور اس مرتبہ میں ظلیت وانعکاس کے طور پر حی و عالم وقد و مرید بینا و گویا و شنوا یعنی زندہ اور جاننے والا ہو جائے اور مرتبہ خارج میں اس کا کوئی نام ونشان نہ ہو اور خارج میں حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز ثابت و موجود نہ ہو اور اس لحاظ سے اس کو اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ کہہ سکیں۔ اس کی مثال نقطہ جوالہ اور دائرہ موہوم کی سی ہے کہ موجود صرف وہی نقطہ ہے اور دائرہ کا خارج میں نام ونشان نہیں۔ ہاں اس دائرہ نے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کیا ہے اور اس مرتبہ میں ظلیت کے طور پر اس کو نور اور روشنی حاصل ہے۔ اس تحقیق کے ساتھ ان مقدمات مبسوط سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے جو حضرت شیخ محی الدینؒ اور اس کے تابعین نے عالم کی تکوین میں فرمائے ہیں اور تنزلات کا بیان کیا ہے اور تعینات کو علمی و خارجی بنائے ہیں اور حقائق واعیان ثابتہ کو حق تعالیٰ کے مرتبہ علم میں ثابت کیا ہے اور ان کے عکسوں کو خارج میں کہ ظاہر وجود ہے۔ مقرر رکھا ہے اور ان کے آثار کو خارجی کہا ہے جیسے کہ ان کے کلام کو دیکھنے والے اور ان کی اصطلاح پر اطلاع پانے والے منصف پر پوشیدہ نہیں ہے اور اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز کیا اعیان اور کیا اعیان کے آثار موجود نہیں بلکہ ان کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہے اور اس سے محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ایسا موہوم نہیں جو وہم کے اختراع سے ثابت ہوا ہے تا کہ وہم کے اٹھ جانے سے یہ بھی اٹھ جائے بلکہ اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں حق تعالیٰ کی صنعت سے ہے اور اس مرتبہ میں صفات وقرار اور اتقان واستحکام رکھتا ہے۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (اس اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے جس نے

تمام اشیاء کو مضبوط کر دیا ہے) اس بیان سے واضح ہوا کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کے مرتبہ علم میں تمیز و تعین پیدا کیا ہے اور حق تعالیٰ کی صنعت سے دوبارہ مرتبہ حس و وہم میں ثابت ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض اسماء الٰہی جل شانہ کے آئینے اور مظہر ہیں اور مرتبہ میں ظلیت اور انعکاس کے طور پر حی و عالم وقادر مرید و بینا و شنوا و گویا ہو گئے ہیں اور شیخ اور اس کے تابعداروں کی تحقیق میں ممکنات کے حقائق اسماء الٰہی کی علمیہ صورتیں ہیں جو حضرت وجود کے تنزلات خمسہ میں سے ایک تنزل ہے۔ حاصل یہ کہ اس فقیر کی سمجھ میں ممکنات کی نمائش کو خارج میں ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ صور علمیہ متکثرہ (جو ممکنات کی حقائق ہیں اور جن کو اس نے اعیان ثابتہ سے تعبیر کیا ہے) حق تعالیٰ کے ظاہر وجود کے آئینہ میں (کہ جس کے سوا خارج میں کوئی موجود نہیں) منعکس ہو کر خارج میں نمودار ہوئی ہیں اور خارج میں دکھائی دیتی ہیں لیکن در حقیقت ایک ذات تعالیٰ کے سوا خارج میں کوئی موجود نہیں اور فرماتا ہے کہ علمیہ صورتوں میں سے ہر ایک صورت کو کسی وقت ظاہر وجود کے ساتھ جو ان صورتوں کے لیے آئینہ کی طرح ہے ایک مجہول الکیفیت نسبت پیدا ہو جاتی ہے جو خارج میں ان کے نمودار ہونے کا سبب ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ یہ نسبت مجہول الکیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس بھید سے اطلاع نہیں دی اور خارج میں ان صورتوں کے اس اظہار کو جو اس مجہول الکیفیت نسبت کے حاصل ہونے کے بعد ہے خلق کہا ہے اور اشیاء کی ایجاد سمجھا ہے اور اس پہلی تحقیق کی رو سے جس کی طرف اس فقیر نے ہدایت پائی ہے جس طرح اشیاء کا خارج میں وجود نہیں، اسی طرح اسمیں ان کا نمود بھی نہیں۔ اگر نمود ہے تو مرتبہ وہم میں ہے اور اگر ثبوت ہے تو وہ بھی حق تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ وہم ہی میں ہے۔ غرض اس کا نمود و ثبوت ایک ہی مرتبہ میں ہے نہ یہ کہ اس کا نمود ایک جگہ ہے اور اس کا ثبوت دوسری جگہ مثلاً دائرہ موہومہ جو نقطہ جوالہ سے پیدا ہے، جس طرح اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں ہے نہ کہ خارج میں اسی طرح اس کا نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے اس لیے کہ اس دائرہ موہومہ کا نشان صرف وہم ہی میں ہے۔ خارج میں کچھ بھی ثابت نہیں نمود بھی اسی مرتبہ وہم میں ہے کیونکہ خارج میں اس کا کوئی نشان نہیں تاکہ نمودار ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نمود وہمی کو نمود خارجی سمجھتے ہیں جس طرح مثالی صورتوں کو عالم مثال میں بیداری کے وقت حس باطنی کے ساتھ دیکھیں اور خیال کریں کہ ان صورتوں کو عالم شہادت میں حس ظاہر کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع

ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو دوسرے کے ساتھ مشتبہ پاتے ہیں اور ایک کا حکم دوسرے پر کر دیتے ہیں پس صورت مذکورہ بالا میں وہ دائرہ موہومہ جو خیال میں جما ہوا ہے خیال کی آنکھ سے اسی مرتبہ میں کہ جس میں منتقش ہے دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کو خارج میں سر کی آنکھ سے دیکھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ خارج میں جو نقطہ جوالہ کا محل ہے اس دائرہ کا کوئی نام ونشان نہیں تاکہ دیکھا جائے اسی طرح شخص کی صورت ہے جو کہ آئینہ میں منعکس ہوئی ہے کہ خارج میں صورت کا نہ ثبوت ہے نہ نمود بلکہ اس کا ثبوت ونمود دونوں مرتبہ خیال میں ہیں وَاللهُ سُبحَانَهُ اَعْلَمُ۔ پس جس چیز کو شیخ قدس سرہ نے خارج جانا ہے اور اس میں انعکاس کے طور پر اشیاء کا نمود ثابت کیا ہے وہ خارج نہیں بلکہ مرتبہ وہم ہے' جس نے حق تعالیٰ کی صنعت سے ثبات وقرار پیدا کیا ہے اور خارج کا وہم گزرتا ہے جو کچھ ہمارا مشہود اور محسوس اور معقول اور متخیل ہے سب دائرہ وہم میں داخل ہے۔ موجود خارجی جل شانہ ہمارے افہام سے برتر ہے ۔ وہاں مراتیت یعنی آئینہ ومظہر ہونا کیا گنجائش رکھتا ہے اور وہ کون سی صورت ہے جس میں حق تعالیٰ منعکس ہوسکتا ہے کیونکہ آئینے اور صورتیں سب مراتب ظلال میں ہیں جو دائرہ وہم وحس سے تعلق رکھتے ہیں (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر)

مکتوب ۵۹

روزمرہ کے حوادث کو حق تعالیٰ کے ارادہ کی طرف راجع کرنے اور ان سے لذت پانے کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

حق تعالیٰ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سیدھے راستہ پر استقامت عطا فرما کر بالکل اپنی جناب پاک کا گرفتار بنالے میرے عزیز باتمیز فرزند حوادث یومیہ جب واجب الوجود جل شانہ کے ارادہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کے فعل سے آتے ہیں تو اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ کے ارادہ کے تابع بنا کر ان حوادث کو اپنی مرادیں سمجھنا چاہئے اور ان سے لذت حاصل کرنی چاہئے اگر بندگی ہے تو یہ نسبت ضرور پیدا کرنی چاہئے ورنہ بندگی سے پاؤں نکالنا اور اپنے مولا جل شانہ سے مقابلہ کرنا ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَائِي وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِي وَلْیَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِیْ (جو

میری قضاء پر راضی نہیں ہوتا اور میر بلا پر صبر نہیں کرتا اس کو چاہئے کہ میرے سوا کوئی اور خدا بنالے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے) ہاں فقراء اور مساکین اور عاجز لوگ تمہاری رعایت وحمایت سے بہت آسودہ اور خوش حال تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی صاحب و مالک ہے۔ وہ ان کے لیے کافی ہے تمہاری نیک نامی باقی رہے گی۔ حق تعالیٰ تم کو دنیا و آخرت کی جزا عطا فرمائے۔ والسلام.

مکتوب ۶۰

ذات انسان کی عدمیت اور اس میں حق تعالیٰ کے اسماء صفات کے ظلال کے منعکس ہونے اور اس بیان میں کہ انسان کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے اور نفس و قلب کے فناء اور علم حصولی اور حضوری کے زوال کے بیان میں پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ سُبْحَانَ مَنْ لاَ يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلاَ بِصِفَاتِهٖ وَلاَ فِيْ اَسْمَائِهٖ بِحُدُوْثِ الْاَكْوَانِ (حق تعالیٰ حق اور ظاہر اور پاک ہے جو موجودات کے حادث ہونے سے اپنی ذات وصفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا) کیونکہ موجودات کے حدوث میں جو تغیر وتلوین ہوا ہے وہ سب مراتب عدم میں ہے اور حضرت وجود تعالیٰ میں کسی تغیر و تبدل کو نہ خارج میں نہ علم میں کوئی دخل نہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنی ذاتی وصفاتی و اسمائی کمالات کو ظاہر کرے اور اشیاء کے مظہروں اور آئینوں میں ان کو جلوہ دے تو مراتب عدم میں ہر ایک کمال کے مقابل اس کی پاک نقیض جو اضافت و نسبت میں باقی تمام اعدام سے متمیز ہے۔ اس کمال کے مظہر ہونے کے لیے تعین فرمائی کیونکہ شے کا آئینہ شے کے مقابل اور اس شے کے ظہور کا باعث ہوتا ہے۔ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ (اشیاء ضد سے ظاہر ہوتی ہیں) اور ان اعدام کو جو ان آلات کے آئینہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں جب چاہا مرتبہ حس و وہم میں ایجاد فرمایا اور استقرار و استحکام بخشا اور ان سب کمالات کو ان میں منعکس کیا اور اس کے باعث ان اعدام کو اس مرتبہ میں حی و عالم وقادر مرید و سمیع و بصیر و متکلم بنایا لیکن محسوس ہوا کہ اول عدم میں تصرف فرماتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ اس میں کوئی اور چیز ملائیں اور اس تصرف سے ملائم و نرم کر دیتے ہیں اور بعد ازاں وہاں کمال کا ظہور دکھاتے ہیں' جس طرح پہلے نرم و ملائم کرلیں اور پھر

اس سے صورتیں اور شکلیں پیدا کریں۔ جاننا چاہیئے کہ مراد عدم سے اس جگہ عدم خارجی ہے۔ جو وجود خارجی کے مقابل ہے پس اسی کے اس ایجاد کے جو مرتبہ وہم میں واقع ہوتا ہے، منافی نہیں اور ثبوت وہمی اس کے مخالف نہیں یا ہم یہ کہتے ہیں کہ عدم کے منافی وجود ہے جو اس کی نقیض ہے اور عدم موجود نہیں ہوتا ہاں اگر عدم موجود ہو جائے تو اس سے کوئی محذور لازم نہیں آتا جس طرح وجود کے بارہ میں حکماء نے کہا کہ معقولات ثانیہ سے ہے جو خارج میں معدوم ہے اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی حقائق اعدام ہیں جن میں مرتبہ وجود کے کمالات منعکس ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ کی ایجاد سے انہوں نے وہمی تحقق وثبوت وہاں پیدا کیا ہے اور مرتبہ وہم وحس میں استقرار و استمرار حاصل کیا ہے گویا اشیاء کے ذوات یعنی اصول و اعدام ہیں اور ان میں کمالات کا انعکاس اعدام کے ہاتھ پاؤں اور قویٰ اور اعضاء کی طرح ہیں۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد اصلی مقصد کی نسبت چند باتیں جو ولایت خاصہ سے تعلق رکھتی ہیں بیان کی جاتی ہیں۔ گوش ہوش سے سننی چاہئیں خدا آپ کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ جاننا چاہیئے کہ انسان کی حقیقت اور اس کی ذات عدم ہے جو نفس ناطقہ کی حقیقت ہے' جس کو ابتداء میں نفس امارہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر فرد انسان لفظ انا سے اس کی طرح اشارہ کرتا ہے۔ پس انسانی کی ذات نفس امارہ ہے اور انسان کے باقی لطائف اس کے قوے اور اعضاء کی طرح ہیں' جس طرح عدم فی حد ذاتہ محض شر ہے اور خیریت کی بو نہیں رکھتا اسی طرح نفس امارہ بھی شر محض ہے اور اس میں خیریت کی بو نہیں یہی اس کی شرارت و جہالت ہے کہ کمالات منعکسہ کو جو ظلیت کے طور پر اس میں ظاہر ہوئے ہیں اپنی طرف سے جانتا ہے اور ان کے قیام کو جو ان کے اپنے اصل کے ساتھ ثابت ہے اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور ان کمالات کے باعث اپنے آپ کو کامل اور بہتر جانتا ہے اور سرداری کا دعوے کرتا ہے اور کمالات میں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا شریک بناتا ہے اور حول وقوت کو اپنے آپ سے تصور کرتا ہے اور متصرف و قابض اپنے آپ کو ہی خیال کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کے تابع ہوں اور خود کسی کے تابع نہ ہو اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے لیے دوست رکھتا ہے نہ ان کے لیے اور اپنے بے ہیودہ تخیلات سے اپنے مولیٰ جل شانہٗ کے ساتھ عداوت ذاتی پیدا کر لیتا ہے اور حق تعالیٰ کے منزلہ احکام پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہشات کی

متابعت و پرستش کرتا ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے عَادِ نَفسَکَ فَاِنَّھَا اِنتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ (اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری دشمنی میں قائم ہے) حق تعالیٰ نے کمال رحمت و رافت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو سراسر رحمت عالم ہیں مبعوث فرمایا تا کہ حق کی طرف دعوت فرمائیں اور اس دشمن کے گھر کو ویران کر کے اس کو اس کے مولیٰ و خالق کی طرف بلائیں اور اس جہل و خبث سے اس کو نکالیں اور اس کو اپنے نقص اور شرارت پر اطلاع دیں' جس کے نصیب میں سعادت ازلی تھی اس نے ان بزرگواروں کی دعوت کو قبول کرلیا اور اپنی جہل و خبث کو چھوڑ کر احکام منزلہ کا فرمانبردار ہوگیا۔ جاننا چاہئے کہ تزکیہ نفس کا طریق دو طرح پر ہے ایک وہ طریق ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریق ہے جو مریدوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرا طریق جذب و محبت کا طریق ہے جو اجتبا یعنی برگزیدہ کرنے کا راستہ ہے اور مرادوں سے تعلق رکھتا ہے ان دونوں طریقوں میں بہت فرق ہے۔ پہلا طریق مطلوب کی طرف چل کر جانے کا ہے اور دوسرا طریق مقصود کی طرف لے جانے کا ہے اور رفتن یعنی جانے اور بردن یعنی لے جانے میں بہت فرق ہے جب سابقہ کرم و عنایت سے کسی صاحب نصیب کو اجتبا کے راستہ پر لے جاتے ہیں تو کوئی ایسا بھی سعادت مند ہوتا ہے جس کو حد فناء تک پہنچاتے ہیں اور ماسوی کی تردید و دانش سے چھڑا دیتے ہیں اور آفاق و انفس سے آگے لے جاتے ہیں۔ آفاق کا نسیان فنائے قلب پر وابستہ ہے اور انفس کا فنا نفس امارہ کے فنا پر موقوف ہے پہلے فناء میں علم حصولی کا زوال ہے۔ دوسرے فناء میں علم حضوری کا زوال جب تک نفس و ذات حاضر کا زوال ثابت نہ ہو علم حضوری کا زوال متصور نہیں ہوتا جب تک حاضر قائم ہے علم حضوری بھی قائم ہوتا ہے کیونکہ علم حضوری نفس و ذات حاضر سے مراد ہے نہ کوئی اوامر زائد پس زوال شہودی کے جو فناء نفس میں اس کے زوال وجودی سے مراد ہے۔ برخلاف اس زوال شہودی کے جو فناء قلب میں اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ قلب کے زوال وجودی کو مستلزم نہیں کیونکہ اس جگہ کا شہود شاہد و حاضر پر زائد ہے ایک کا فناء دوسرے کے فناء کو مستلزم نہیں۔

تنبیہ: کوئی بیوقوف یہ خیال نہ کرے کہ نفس حاضر کا زوال مقام بقاء باللہ میں بھی جو توحید وجودی والوں کو میسر ہوتا ہے حاصل ہے کیونکہ حاضر اس مقام میں حق تعالیٰ ہے نہ کہ سالک کا نفس جو فنا پا چکا ہے تو میں کہتا ہوں کہ حاضر اس مقام میں سالک کا نفس ہے جس کو حق کے طور

پر جانا ہے نہ کہ حق تعالیٰ جو اس تعین و حضور سے منزہ و مبرا ہے یہ بات اس مصرعہ کی مصداق ہے جو کسی نے کہا ہے۔ ع

بخواب اندر مگر موشے شتر شد

ترجمہ ع خواب میں موش بن گیا اشتر

اس جگہ نفس حاضر کے علم کا زوال ہے جو علم حصولی کی قسم سے ہے نہ نفس حاضر کا زوال جو علم حضوری کے زوال کو مستلزم ہے اور نفس حاضر کا زوال اس کے عین واثر کے زوال سے مراد ہے نہ کہ نفس حاضر کے علم کے زوال سے شَتَّانَ مَابَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے)

مکتوب ۶۱

اس بیان میں کہ کبھی عارف کے لیے کسی مظہر کا دیکھنا عروج کا زینہ بن جاتا ہے۔ مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد سعید مدظلہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

جب عارف کا معاملہ حق تعالیٰ کی صرف ذات سے آپڑتا ہے اور تمام نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہو جاتے ہیں تو اس مقام میں عروج مشکل ہو جاتا ہے اور بغیر تعلق و علاقہ کے دشوار دکھائی دیتا ہے اس وقت کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اَلنَّظْرَۃُ الْاُوْلٰی لَکَ (پہلی بار کا دیکھنا تیرے لیے ہے) کے موافق پہلی نگاہ جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہے اس مقام میں مدد کرتی ہے اور جلدی اوپر لے جاتی ہے اور مجاز سے جو حقیقت کا پل ہے حقیقت تک پہنچا دیتی ہے۔ اس وقت دوسری نظر سے جس کے بارہ میں اَلنَّظْرَۃُ الثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ (دوسری نظر تیرے لیے وبال ہے) آیا ہے بچنا لازم ہے کیونکہ مضر و زہر قاتل ہے پھر امداد و اعانت کیا متصور ہو گی مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً (حرام میں اللہ تعالیٰ نے کوئی شفا نہیں رکھی) محسوس ہوا ہے کہ اگر طمع خام سے نظر ثانی واقع ہوئی ہے تو سنگ و کلوخ کی طرح خالی معلوم ہوئی ہے جن لوگوں نے دوسری اور تیسری اور چوتھی نظروں کو جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہیں مفید جانا ہے اور حقیقت کی طرف عروج کرنے کے اسباب میں سے خیال کیا ہے سب استدراج کی قسم سے ہیں اور وہ حقیقت کہ جس کی طرف عروج کرتے ہیں عالم مجاز سے ہے آیت کریمہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ (مومنوں کو کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو ڈھانپیں اور اپنی شرمگاہوں کو نگاہ رکھیں) ان لوگوں کے رد میں کافی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس

مقام میں قرب و جوار کی ظلمتیں نفع دیتی ہیں اور ہمسائیوں کا کفر و فسق امداد کرتا ہے جس قدر یہ ظلمت زیادہ ہو اسی قدر امداد زیادہ کرتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں جو کہتے ہیں کہ فیوض واردہ ان لوگوں پر جو غفلت کی ظلمت میں غرق ہیں ان کی ناقابلی کی وجہ سے نہیں پہنچتے بلکہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ان کے قرب و جوار میں حضور ہو اور وہ شخص دوسروں کے فیوض سے ترقیاں کرتا ہے ایسا نہیں کیونکہ اس عارف کے بلند درجہ کے باعث کہ سکتے ہیں کہ وہ فیوض و اردہ اس کے گرد نہیں پہنچ سکتے چہ جائیکہ اس کے عروج میں امداد کرسکیں ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہے وہاں ہر عمل و فیض نافع نہیں بلکہ وہاں ایک ایسا پوشیدہ ستر ہے جو انہیں حال والوں پر منکشف ہوتا ہے صرف اسی قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ نور کے کمال ظہور کے لیے ظلمت بھی درکار ہے۔ آپ نے سنا ہی ہوگا بِضِدِّ هَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ (کہ اشیاء ضد سے پہچانی جاتی ہیں) چونکہ ظلمت کا ارتکاب ممنوع ہے اس لیے کمال کرم سے جوار کی ظلمت کو بھی بااعتبار اور معتبر جانا ہے اور نور کے ظہور میں جو نور الانوار ہے نافع ثابت کیا ہے اگر کہیں کہ اطاعات و عبادات خصوصاً ادائے فرائض اس میں کیوں نافع نہیں اور عروج کی امداد کیوں نہیں کرتیں تو میں کہتا ہوں کہ کیوں نافع نہیں اور کیوں عروج کی امداد نہیں کرتیں لیکن وہ معتد بہ نفع و امداد جو پہلے متحقق ہوتا تھا اس وقت حاصل نہیں ہوتا اور اسباب خارجی وغیرہ کی طرح جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں نافع نہیں ہیں وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں مگر جس قدر تو نے ہم کو دیا تو جاننے والا اور حکمت والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۶۲

انسان کے عدم ذاتی ہونے کے باعث اس کے فناء وجودی کی نفی میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

انسان کی ذات و حقیقت نفس ناطقہ ہے جو لفظ انا کے ساتھ انسان کا مشار اِلَیْہِ ہے اور نفس ناطقہ کی حقیقت عدم ہے' جس نے وجود اور صفات وجودیہ کے انعکاس کے باعث اپنے آپ کو موجود متصور کیا ہے اور اپنے آپ کو مستقل طور پر حی و عالم و قادر جانا ہے اور حیات و علم

وغیرہ صفات کمال کو اپنی طرف سے تصور کیا ہے اور ان کو اپنے ساتھ قائم خیال کیا ہے اور اس توہم سے اپنے آپ کو کامل اور بہتر یقین کیا ہے اور اپنے ذاتی نقص و شرارت کو جو عدم سے کہ شر محض ہے پیدا ہوا ہے فراموش کر دیا ہے جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل حال ہو جائے اور جہل مرکب اور اس جھوٹی تصدیق سے ان کو نجات دیدے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کمالات کسی اور جگہ سے ہیں اور یہ صفات کاملہ اس کی اپنی نہیں ہیں اور نہ اس کے ساتھ قائم ہیں اور جان لیتا ہے کہ اس کی حقیقت و ذات عدم ہے جو محض شر اور خالص نقص ہے جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ دید اس پر غالب آجاتی ہے اور ان تمام کمالات کو صاحب کمالات کی طرف سے جانتا ہے اور یہ امانت بالکل امانت والے کے حوالے کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو محض عدم معلوم کرتا ہے اور خیریت کی بو اپنے آپ میں نہیں دیکھتا ہے تو اس وقت نہ اس کا نشان رہتا ہے نہ نام اور نہ عین نہ اثر کیونکہ عدم لاشے محض ہے اور کسی مرتبہ میں ثبوت نہیں رکھتا اگر بالفرض کسی مرتبہ میں اس کا ثبوت ہوتا تو تمام کمالات اس سے مسلوب نہ ہوتے کیونکہ ثبوت عین کمال بلکہ ام الکمالات ہے۔ اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اس فنا کے حاصل ہونے میں جو اتم و اکمل ہے فانی شخص کا وجودی فنا و زوال کچھ درکار نہیں کیونکہ اس کا وجود ہرگز نہ تھا تاکہ اس کا زوال متصور ہو سکے بلکہ وہ عدم تھا جو صرف توہم میں اپنے وجود کو قائم رکھتا تھا جب یہ توہم زائل ہو گیا اور زوال شہودی سے متحقق ہوا تو عدم محض رہ گیا جو ہالک و لاشے ہے۔ پس زوال شہودی سے چارہ نہیں اور زوال وجودی درکار نہیں۔ وَاللہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے)

مکتوب ۶۳

حق تعالیٰ کے قرب و معیت و احاطہ کے سر کے کشف میں اور اس سر عظیم کو کتاب کریم کے مجمل مشکل کی طرف رجوع کرنے میں میر منصور کی طرف صادر فرمایا ہے:

قرب و معیت و احاطہ و سریان وصل و اتصال و توحید اتحاد وغیرہ اس بارگاہ جل شانہ میں متشابہات و شطحیات کی قسم سے ہیں۔ وہ قرب و معیت اور وہ وصل و اتصال جو ہماری عقل و فہم میں آ سکے حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ اس سے منزہ اور مبرا ہے لیکن آخر کار اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ قرب و اتصال وغیرہ اس قرب و اتصال کی مانند ہے جو آئینہ اور اس صورت کے درمیان

جو آئینہ میں متوہم ہوتی ہے حاصل ہے جو موجود کے موہوم کے ساتھ قرب و اتصال کی قسم سے ہے چونکہ حق تعالیٰ موجود حقیقی ہے اور عالم مرتبہ حس و وہم میں مخلوق ہوا ہے اس لیے واجب و ممکن کا درمیانی قرب و اتصال موجود اور موہوم کے درمیانی قرب و اتصال کی قسم سے ہوگا۔ اس قرب و معیت سے اس پاک بارگاہ میں کوئی خلل و محذور عائد نہیں ہوتا اشیاء حسیہ جو آئینہ میں منعکس ہوتی ہیں اور آئینہ کو ان سے قرب و احاطہ حاصل ہوتا ہے اس سے کوئی نقص راستہ نہیں پاتا اور کوئی خست اس میں اثر نہیں کرتی کیونکہ جس مرتبہ میں کہ آئینہ ہے اس مرتبہ میں ان اشیاء حسیہ متوہمہ کا نام و نشان بھی نہیں تا کہ ان کی صفات اس میں تاثیر کریں حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ نے عالم کو مرتبہ حس و وہم میں پیدا فرمایا ہے اور چاہتا ہے کہ اس مرتبہ کو ثبات و استقامت دے تو ان احکام و آثار کو جو وجود پر مترتب ہیں اس موہوم پر جاری کیے اور موجود کے آثار کو موہوم پر مترتب کیا اسی واسطے قرب و احاطہ موہومہ کو قرب و احاطہ موجودہ کی طرح ثابت فرمایا اور احکام صادقہ میں سے بنایا کیا نہیں دیکھتے کہ جس طرح صورت جمیلہ کا خارج میں دیکھنا التذاذ و گرفتاری کا باعث ہے اسی طرح اس صورت کا دیکھنا بھی جو آئینہ میں منعکس ہو کر ثبوت وہمی پیدا کر لیتی ہے۔ التذاذ و گرفتاری کا موجب ہے حالانکہ صورت اول موجود ہے اور صورت دوم موہوم لیکن اثر کے حصول میں دونوں شریک ہیں جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے احکام کے مترتب ہونے میں موہوم کو موجود کے ساتھ شرکت حاصل ہوگئی اور موجود کی طرح موہوم پر بھی آثار مترتب ہوئے تو موہوم نامراد کو موجود سے بہت امیدیں پیدا ہوئیں اور موجود کے قرب و اتصال کی دولت کی بہت سی بشارتیں اس کو حاصل ہوئیں۔ بیت

هَنِيئاً لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا ۔۔۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ بیت

مبارک منعموں کو اپنی نعمت ۔۔۔ مبارک عاشقوں کو دردو کلفت

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) جاننا چاہیے کہ قرب و اتصال کو جس طرح کہ ذکر ہو چکا ہے اس کے بغیر اور جس طرح تصور و تعقل کریں تشبیہ و تجسیم کی آمیزش سے خالی نہ ہوگا ہاں یہ بہتر ہے کہ اس پر ایمان لے آئیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہ ہوں اور

اس کو حق تعالیٰ کے علم کے حوالے کریں جب ان الفاظ کے ساتھ ایک قسم کا بیان لاحق ہو گیا تو ان کو اگر متشابہات سے نکال کر مجمل یا مشکل میں داخل کیا جائے تو ہو سکتا ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اللہ تعالیٰ ہی حال کو جاننے والا ہے)

مکتوب ۶۴

اس فنائے اتم کے بیان میں جو عینِ واثر کے زوال پر وابستہ ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے ثبوت کے بقاء اور عروجات کے بیان میں علوم واسرار کے جامع بزرگ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

فنائے اتم اس وقت متحقق ہوتی ہے جب فانی کے عین واثر کا زوال حاصل ہو اور اس کا کوئی نام ونشان نہ رہے۔

سوال: ممکنات کی حقیقت جب اعدام ہیں جو اضافت سے امتیاز پا کر واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے جلوہ گاہ بنے ہیں جیسے کہ کئی مکتوبوں میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس فناء کے حصول کی صورت میں عدم سے جو اس کی حقیقت ہے کوئی نام ونشان ممکن میں باقی نہ رہے اور وجود محض کے سوا اس میں کچھ نہ رہے کیونکہ وہ نقیضوں میں سے ایک کا زوال دوسری نقیض کے حصول کا باعث ہے تا کہ نقیضین کا ارتفاع لازم نہ آئے اور وجود صوفیہ کے نزدیک عین واجب تعالیٰ ہے یا حق تعالیٰ کی اخص صفات میں سے ہے اس صورت میں قلب حقیقت لازم آتا ہے جو الحاد وزندقہ کو مستلزم ہے۔

جواب: عدم کی نقیض وہ وجود نہیں جو عین واجب تعالیٰ ہے یا حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے اخص ہے بلکہ عدم کی نقیض اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل اور اس کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے غرض وہ وجود جس کے مقابلہ میں عدم ہے وہ دائرہ امکان میں سے ہے اور عدم (جو اس کی نقیض ہے) کے رفع کرنے کی احتیاج رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ امکان سے خارج ہیں لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل میں اعدام ثابت ہیں اس لیے امکان کی آمیزش سے خالی نہیں ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کی احتیاج ہمیشہ ان کی دامنگیر ہے اگرچہ قدیم ہیں اور

حق تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں لیکن نفس احتیاج امکان کی دلیل ہے اگر غیر کی طرف احتیاج ہے تو کامل نقص ہے اور دائرہ امکان میں داخل ہے اور اگر غیر کی احتیاج نہیں تو بھی امکان کی بو پائی جاتی ہے اگر چہ دائرہ امکان میں داخل نہ ہو' جس طرح کہ حق تعالیٰ کی صفات جن کا کمال ذات کے کمال سے کمتر ہے پس وجوب مطلق صرف حق تعالیٰ کی ذات کے لیے ثابت ہے۔ جو ہر طرح کے نقص وقصور کی آمیزش سے منزہ ومبرا ہے حق تعالیٰ کی صفات اگر چہ دائرہ وجوب میں قدم رکھتی ہیں لیکن چونکہ ذات کی احتیاج رکھتی ہیں اس لیے ان کا وجوب ذات کے وجوب سے کمتر ہے کیونکہ ان کا وجود عدم کی نقیض رکھتا ہے۔ جیسے کہ عدم علم اور عدم قدرت وغیرہ لیکن حق تعالیٰ کے وجود ذات کے مقابل کوئی عدم نہیں اور کوئی نقیض متصور نہیں اگر واجب تعالیٰ کے وجود کے لیے اعدام میں کوئی عدم نقیض ہو تو اس نقیض کے رفع کرنے کا محتاج ہوگا اور احتیاج نقص کی صفات میں سے ہے جو امکان کے حال کے مناسب ہے۔ تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر اور بلند ہے) واضح ہو کہ حق تعالیٰ کی صفات میں لفظ امکان کے اطلاق سے پرہیز کرنی چاہئے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم گزرتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اگر چہ صفات واجبی فی ذات واجب نہیں ہیں لیکن واجب جل شانہ کی ذات کے اعتبار سے واجب ہیں جو ذات سے جدا نہیں ہیں۔ اس معنی کا حاصل اگر چہ امکان کی طرف لے جاتا ہے لیکن حدوث کے وہم سے خالی ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود کے لیے نقیض یعنی عدم کا حاصل نہ ہونا کشفی اور شہودی ہے۔ اگر چہ استدلال کی صورت میں تنبیہ لائیں اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ممکن سے عدم کے زوال کے بعد فناء کی صورت میں وجود کے سوا اس میں کوئی چیز نہیں رہتی اور ثبوت وتحقق کے سوا کچھ اس کے نصیب نہیں ہوتا کیونکہ عدم بمع عین واثر کے دور ہو چکا ہوتا ہے لیکن یہ وہ وجود ثبوت ہے جو ممکن کے مرتبہ حس ووہم میں ثابت ہوا ہے اور آثار کو اس پر مرتب کیا ہے اور عدم کے زوال کے بعد حضرت وجوب تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بنا ہے اور عدم زائل کی طرح ممکن کی ذات وحقیقت ثابت ہوا ہے۔ یہ ثبوت زوال عدم سے پہلے کی صفات سے تھا جس کو مرتبہ حس ووہم میں ثابت کیا ہے اور اب بھی زوال عدم کے بعد وہی ثبوت اس کے قائم مقام ہو کر ممکن کی ذات بن گیا ہے اور صفات کو اپنی طرف منسوب رکھا ہے اور عدم کا کارخانہ اس پر قائم کیا گیا ہے یہ کارخانہ جو عدم کی نیابت سے قائم ہوا ہے اس حد تک برپا ہے جب تک ثبوت کی

نقیض قائم ہے اور امکان کے لیے بقاء ہے۔ جب معاملہ ثبوت کی نقیض سے بالا ہو جاتا ہے اور وجود کا تقابل نہیں رہتا بلکہ عدم کو اس کے مقابلہ کی مجال نہیں ہوتی اور امکان کی ہرگز گنجائش نہیں رہتی اس وقت اور ہی کاروبار ہوتا ہے اور وہی دمساز اور غمگسار ہوتا ہے اَوْ اَدْنٰی کا سر اس جگہ طلب کرنا چاہیے کیونکہ جہاں تک کہ امکان کی آمیزش اور عدم کی مجال ہے اگرچہ نقاضت سے ہو۔ قاب قوسین میں داخل ہے اور جب امکان اور عدم بالکل اپنا اسباب باندھ لیں اور کوچ کا نقارہ بجائیں تو پھر اَوْ اَدْنٰی کے کمالات پیش آتے ہیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ ممکن واجب تعالیٰ کی ذات ہو جاتا ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات بحث کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور وہ قیام جو ذات کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ تھا زائل ہو جاتا ہے۔ ع

کسے کو درخدا گم شد خدا نیست

ترجمہ ع جو گم ہوا خدا میں ہرگز خدا نہیں ہے

اس عارف کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایسا ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کی صفات کا قیام اس کی ذات کے ساتھ ہے بلکہ اس کا قیام اس مرتبہ میں ہے جہاں صفات میں سے کچھ ملحوظ نہیں اگرچہ صفات حق تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں لیکن صفات کا قیام ازلی و ابدی ہے اور قدم رکھتا ہے اور اس کا قیام ازلی نہیں ہے۔ حدوث کے داغ سے موسوم ہے لیکن صفات کے لیے نقیضین ہے جو اعدام ہیں مثلاً عدم علم اور عدم قدرت اور اس عارف کا معاملہ اعدام کے نقیض ہونے سے بلند ہے جیسے کہ تحقیق ہو چکا ہے پوشیدہ نہ رہے کہ جب معاملہ اعدام کے نقیض ہونے سے برتر ہو جائے تو وجود متحقق ہو جاتا ہے اور ممکن واجب ہو جاتا ہے اور یہ محال ہے میں کہتا ہوں کہ ممکن اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وجود خارجی پیدا کرے لیکن جب مرتبہ حس و وہم کے سوا ممکن کا کوئی ثبوت نہیں تو پھر وجوب وجود کس طرح متصور ہوگا۔ اس بیان سے صفات کے قیام اور عارف کے قیام کے درمیان ایک اور فرق ظاہر ہو گیا کہ صفات کا قیام وجود خارجی کے اعتبار سے ہے اور عارف کا قیام وجود وہمی کے اعتبار شے سے اگرچہ ثبات و قرار رکھتا ہے اور ان کا مبدء ہے جاننا چاہیے کہ عارف کے انا کی بقا عدم کی بقا تک ہے جو اس کی حقیقت ہے جب عدم زائل ہو جائے تو انا کے لیے کوئی محل و مورد نہیں رہتا' جس پر اس کا اطلاق کیا جائے۔ ثبوت سے نفرت رکھتی ہے ہاں ممکن میں جزو اعظم عدم ہی ہے اور ممکن عدم ہی سے ممکن ہوا ہے اور ممکن کا یہ کارخانہ عدم ہی

سے لمبا چوڑا ہوا ہے اور وہ احتیاج جو ممکن میں ہے عدم ہی کی طرف سے آئی ہے اور وہ حدوث جو امکان کا دامنگیر ہے وہ بھی عدم ہی سے ظاہر ہوا ہے اور اگر ممکن میں کثرت ہے تو عدم ہی کی طرف سے ہے اور اگر امتیاز ہے تو عدم ہی کے باعث ہے وجود ممکن کے حق میں مستعار ہے اور وہ بھی تخیل و توہم میں ہے۔ اگرچہ ثبات و استقرار رکھتا ہے جاننا چاہیئے کہ وہ صفات جو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہے حق تعالیٰ کی ذات ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے رنگ میں کامل طور پر ظہور فرماتی ہے۔ یہ نہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات میں سے کچھ حصہ کسی صفت سے متصف ہو اور کچھ حصہ کسی صفت سے کیونکہ اس بارگاہ میں تبعض و تجزی نہیں ہے بلکہ بسیط حقیقی ہے وہاں جو حکم ثابت کریں کلیت کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات کلہ ارادہ ہے اور کلہ علم ہے اور کلہ قدرت ہے اور وہ قیام جو عارف کو اسماء صفات کے ملاحظہ کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حاصل ہوتا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے کہ حق تعالیٰ کلی طور پر اس کے رنگ میں ظہور فرماتا ہے اور دوسرے مظاہر کے برعکس اس کے تشخص و تعین میں اپنے مراتیت یعنی آئینہ بننے کو ظاہر کرتا ہے۔ فَهِمَ مَنْ فَهِمَ (سمجھا جس نے سمجھا) بیت۔

قیامت میکنی سعدی بدیں شریں سخن گفتن مسلم نیست طوطی را بد و رانت شکر خائی

ترجمہ: بیت

غضب کرتا ہے اے سعدی تو یہ شیریں سخن کہہ کر
نہیں طوطی کو لائق اب کرے ظاہر شکر خائی

اس طرح کا ظہور کہ آئینہ کلی طور پر صورت کے رنگ میں آجائے اگر عارف کو فناء اتم کے بعد اس ظہور کے ساتھ بقا پیدا ہو جائے تو اس کے تعینات میں سے اکمل ہوگا کیونکہ یہ وجود موہوب حقانی یعنی حق کا بخشا ہوا ہے جو ولادت ثانیہ سے اس کو میسر ہوا ہے اور یہ تعین باوجود حدوث اور امکان کے چونکہ مرتبہ جمع سے پیدا ہوا ہے۔ اس لیے دوسرے تعینات پر جو اس مرتبہ سے پیدا نہیں ہیں۔ فضل و زیادتی رکھتا ہے' جس طرح کہ قرآن کے حروف و کلمات دوسرے حروف و کلمات پر فضل و زیادتی رکھتے ہیں۔ اگرچہ دونوں حدوث و امکان سے موسوم ہیں وہ بہت ہی بیوقوف ہے جو ظاہر بینی کے باعث اس تعین کو ان دوسرے تعینات کے برابر دیکھے اور قرآن کے حروف و کلمات کو دوسرے حروف و کلمات کے مساوی جانے۔ اس بیان

سے ثابت ہوتا ہے کہ عارف کو دوسرے لوگوں پر وہی فضل و زیادتی حاصل ہے جو کلام خداوندی کو دوسروں کی کلام پر فضل وزیادتی ہے۔ بیت

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

ترجمہ بیت

جس نے افسانہ پڑھا افسانہ ہے جس نے دیکھا نقد وہ مردانہ ہے

جن محجوبوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا وہ منکر ہو گئے اور جن سعادتمندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیان کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور نجات پا گئے۔

تنبیہ: بعض ان پوشیدہ مطالب کے ادا کرنے میں جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے تعلق رکھتے ہیں۔ میدان عبارت کی تنگی کے باعث ایسے ایسے الفاظ لائے گئے ہیں جن سے ممکن کی صفات کا وہم گزرتا ہے اور جن سے نقص و قصور لازم آتا ہے۔ ان الفاظ کو ظاہر کی طرف سے پھیر لینا چاہئے اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کو نقص کے تمام صفات اور قصور کے تمام نشانات سے منزہ و مبرا جاننا چاہئے اور بعض الفاظ جو شرع میں حق تعالیٰ کی بارگاہ کی نسبت وارد نہیں ہوئے۔ مثلاً مراتیت وغیرہ کہ حق تعالیٰ کی ذات پر ان کا اطلاق مشائخ عظام کی تقلید پر مجازاً کیا جاتا ہے۔ ورنہ فقیر ان کے اطلاق سے بھی ڈرتا اور کانپتا ہے۔ رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر) اگر کہیں کہ لفظ تجلی اور ظہور ظلی وغیرہ سے جو تیری عبارت میں واقع ہوتے ہیں مراتب ظہورات میں وجود کا تنزل لازم آتا ہے جیسے کہ دوسرے مشائخ نے کہا ہے حالانکہ تو وجود کے تنزل کا انکار کرتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ تنزل اس صورت میں لازم آتا ہے جبکہ مظہر کو عین ظاہر کہیں جیسے کہ دوسرے نے کہا ہے اور اگر عین نہ کہیں تو پھر تنزل کیونکر ہوگا۔ اس فقیر کے نزدیک مختار یہی ہے کہ مظہر عین ظاہر نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)

مکتوب ۶۵

اس بیان میں کہ بقاء ذات کے بعد عارف کی صفات میں سے ہر ایک صفت اور

لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ ذات کی کلیت میں ظہور کرتا ہے۔ مولانا ظفر احمد رومی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

عارف کامل تام المعرفت کو بقاء ذات کے بعد جب صفات و اخلاق کاملہ عطا فرماتے ہیں تو ان صفات میں سے ہر ایک صفت اس کی ذات کی کلیت کے طور پر متصف ہو کر ظہور کرتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی ذات کا کچھ حصہ کسی صفت سے متصف ہو اور کچھ حصہ کسی صفت سے یعنی اس کی ذات بتمامہ علم اور بتمامہ سمع اور بتمامہ بصر ہوتی ہے۔ جیسے کہ محققین صوفیہ نے حق تعالیٰ کی صفات کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کلہ علم ہے اور کلہ قدرت اور کلہ سمع اور کلہ بصر ہے یہی وجہ ہے کہ مومن لوگ بہشت میں اللہ تعالیٰ کو بے جہت دیکھیں گے کیونکہ بالکل بصر ہی بصر ہو جائیں گے اور جب ہمہ تن بصر ہوں گے تو پھر جہت کی کیا گنجائش ہوگی۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ جو کچھ عام مومنوں کو چنیں وچناں کے بعد آخرت میں میسر ہوگا وہ خاص مومنوں یعنی اولیاء کو دنیا ہی میں میسر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا ادھار ان کا نقد ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہئے کہ ان کا ادھار کیا کچھ ہوگا۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ترجمہ ع مری بہار کو کر لے قیاس گلشن سے

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اسی طرح اس عارف کے لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ اس وقت اس کی کلیت کے رنگ میں ظہور کرتا ہے یعنی عارف بتمامہ لطیفہ روح اور بتمامہ لطیفہ قلب ہو جاتا ہے۔ باقی انسانی لطائف یعنی نفس ناطقہ اور سر اور خفی اور اخفیٰ بھی اسی قیاس پر ہیں۔ اسی طرح اس کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو اور اس کے عناصر میں سے ہر ایک عنصر کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ یعنی عارف اپنے آپ کو ہمہ تن عنصر خاک معلوم کرتا ہے اور ہمہ تن عنصر آب تصور کرتا ہے۔ جب لطیفہ قلب جو حقیقت جامع ہے کل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے تو وہ تعلق جو اس کی مضغہ قلبیہ سے ہوتا ہے دور ہو جاتا ہے اور یہ مضغہ اس وقت خالی رہ جاتا ہے اور جسد بے روح کی طرح دکھائی دیتا ہے اور ایسا متخیل ہوتا ہے کہ اس آمد و رفت میں اس کو اس راستہ کی گرد بھی نہیں لگی اور وہ اپنی اصلی صرافت پر ہے، جس طرح دیگ

پختہ میں کوئی دانہ کچا اصلی صرافت پر رہ جائے نہ آگ کی گرمی اس میں تاثیر کرے اور نہ پانی کی رطوبت اس کو پہنچے۔ حاصل کلام یہ کہ قلب اس تعلق کے رفع ہونے اور خالی ہو جانے کے بعد تمام اجزاء کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور دوسرے اجزاء کی طرح کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔

مکتوب ٦٦

اس سوال کے جواب میں کہ اَلْمَجَازُ قَنطَرَةُ الْحَقِیْقَةِ کے کیا معنی ہیں۔ محمد مقیم قصوری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

برادرم محمد مقیم نے پوچھا کہ اَلْمَجَازُ قَنطَرَةُ الْحَقِیْقَةِ یعنی مجاز کو حقیقت کا پل کس معنی سے کہتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ مجاز حقیقت کا ظل ہے جو ظل سے اصل کی طرف سیدھا شاہراہ ہے۔ شاید اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کیونکہ ظل کی معرفت اصل کی معرفت کو مستلزم ہے اس لیے کہ ظل اپنے اصل کی صورت پر موجود ہے۔ پس اصل کے انکشاف کا سبب ہوگا۔ لِاَنَّ صُوْرَةَ الشَّیْءِ مَا یَنْکَشِفُ بِهٖ ذٰلِکَ الشَّیْءُ (کیونکہ شے کی صورت وہ ہے جس سے اس شے کا انکشاف ہوتا ہے) لیکن جاننا چاہئے کہ مجاز حقیقت کا پل اس صورت میں ہے کہ مجاز کی گرفتاری درمیان نہ آئے اور نظر ثانیہ تک نہ پہنچے وہ نظر اولیٰ ہی ہے جو حقیقت کا پل ہے' جس کی نسبت مخبر صادق نے اَلنَّظْرَةُ الْاُوْلٰی لَکَ (پہلا دیکھنا تیرے لیے ہے) فرمایا گویا لفظ لَکَ سے اس دولت کے حاصل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اگر نعوذ باللہ مجاز کی گرفتاری درمیان آجائے اور نظرہ ثانیہ تک نوبت پہنچ جائے تو وہی مجاز حقیت تک پہنچنے کا مانع ہے۔ وہ قنطرہ یعنی پل کیا ہوگا بلکہ بت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور دیو ہے جو حقیقت کی طرف سے روگردان کرتا ہے۔ اسی واسطے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرۂ ثانیہ کو مضر جان کر اَلنَّظْرَةُ الثَّانِیَةُ عَلَیْکَ (دوسری بار کی نظر تجھ پر وبال ہے) فرمایا ہے اس سے بڑھ کر زیادہ مضر چیز کون ہو گی جو حق سے ہٹا رکھی ہے اور باطل کے ساتھ گرفتار کرتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ نظرہ اولیٰ اس وقت نافع ہے جب کہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اختیار سے ہو تو نظرہ ثانیہ کا حکم رکھتی ہے اس مطلب کے ثابت کرنے کے لیے آیت کریمہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کافی ہے۔ بیوقوف کچے صوفی اس عبارت کے معنی غلط سمجھ

کر صورت جمیلہ کے ساتھ گرفتاری پیدا کرتے ہیں اور اس کی ناز و ادا پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ اس طمع پر کہ اس کو حقیقت تک پہنچنے کا وسیلہ اور مطلوب کے حاصل ہونے کا زینہ بنائیں۔ حاشا وکلا یہ امر سراسر مطلوب کا سدراہ ہے اور مقصود کے حاصل ہونے کا حجاب ہے۔ یہ ایک باطل ہے جو ان میں سے بعض صوفیہ صورتوں کے حسن و جمال کو حق تعالیٰ کا حسن و جمال سمجھ کر ان کے تعلق کو عین حق تعالیٰ کا تعلق جانتے ہیں اور ان کے مشاہدہ کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں۔ بیت

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است — در حیرتم کہ وعدہ فرد ابرائے چیست

ترجمہ بیت

ظاہر ہے جب جمال ترا بے حجاب آج — حیرت ہے پھر کہ وعدہ فردا کیوں ہوا

تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو کہتے ہیں بہت ہی برتر ہے) معلوم نہیں ان بیوقوفوں نے حق تعالیٰ کو کیا گمان کیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو کیا تصور کیا۔ شاید انہوں نے نہیں سنا کہ اگر بالفرض اس کی مخلوق میں سے جو بہشت کا ایک بال بھی دنیا میں آپڑے تو اس بال کی چمک اور روشنی کے باعث دنیا میں کبھی رات نہ آئے اور اندھیرا نہ چھائے اور حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلی سے کوہ طور کا جل کر ریزہ ریزہ ہونا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا باوجود اس قرب و منزلت کے بے ہوش ہو کر گر پڑنا نص قرآنی سے ثابت ہو چکا ہے لیکن یہ بیوقوف ہر وقت خدا تعالیٰ کو بے پردہ دیکھتے ہیں اور آخرت کے رویت کے وعدہ پر تعجب کرتے ہیں لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا (انہوں نے اپنے نفسوں میں تکبر کیا اور سخت سرکش ہو گئے) علماء اہل سنت و جماعت نے بڑی کوششیں کی ہیں اور نقلی دلیلوں کے ساتھ مخالفوں کے سامنے آخرت کی رویت کو ثابت کیا ہے کیونکہ اہل سنت و جماعت کے سوا باقی تمام مخالف گروہ کیا اہل ملت کیا غیر اہل ملت آخرت کی رویت کے قائل نہیں بلکہ اس کو محال عقلی سمجھتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت نے بھی اس کو بے کیف کہا ہے اور عالم آخرت پر مخصوص رکھا ہے لیکن ان بوالہوسوں نے اس اعلیٰ دولت کو اسی عالم فانی میں تصور کیا ہے اور اپنے خواب و خیال پر خوش ہو رہے ہیں۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے

کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ التَّسْلِیْمَاتُ وَالصَّلٰوةُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۶۷

کائنات کی حقیقت اور حضرت ایشان قدس سرہ اور صاحب فتوحات کے مکشوف کے درمیان فرق کے بیان میں میر منصور کی طرف صادر فرمایا ہے:

یہ عرصہ کائنات جو معائن و مشاہد و منبسط و مسطح وطویل و عریض خیال میں آتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین بن عربی اور اس کے تابعداروں کے نزدیک حضرت وجود ہے' جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں اور وہ حق تعالیٰ کی ذات کا وجود ہے' جس کو ظاہر وجود کہتے ہیں۔ یعنی وہ وجود جو اپنی وحدت اور بساطت پر ہے۔ صور علمیہ متکثرہ (جن کو باطن وجود کہتے ہیں اور اعیان ثابتہ سے تعبیر کرتے ہیں) کے انعکاس اور تلبس کے باعث متکثرہ اور منبسط اور طویل و عریض متخیل ہوتا ہے او فرماتے ہیں کہ اس صفحہ میں اور کسی لباس میں اور مختلف صورتوں' شکلوں میں عام و خاص کا مشاہدہ محسوس حق تعالیٰ ہی ہے جو عوام کو عالم محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ عالم ہر گز خانہ علم سے باہر نہیں آیا اور وجود خارجی کی بو نہیں پائی بلکہ ان علمیہ صورتوں کے عکس ہیں جنہوں نے حصرت وجود کے آئینہ میں ظاہر ہو کر خارج میں نمود پیدا کیا ہے اور عام کو وجود کے وہم میں ڈالا ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے ابیات

مجموعہ کون رابقا نون سبق　　کر دیم تصفح ورقا بعدورق
حق کہ ندیدیم ونخواندیم درد　　جز ذات حق وشیون ذاتیہ حق

ترجمہ ابیات

سارے عالم کا سبق پڑھ کر دیکھا　　اس کے ہر ایک ورق کو الٹا کر دیکھا
ہر برگ میں ہر ذرہ میں ہر صورت میں　　حقا کہ خدائے بزرگ و برتر دیکھا

اور جو کچھ اس فقیر کا مکشوف اور معتقد ہے وہ یہ ہے کہ یہ عرض عرصہ وہم ہے اور یہ صورتیں اور شکلیں جو اس عرصہ میں ہیں ممکنات کی صورتیں اور شکلیں ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کی صفت سے مرتبہ حس وو ہم میں ثبوت و استحکام حاصل کیا ہے اور اس صفحہ میں جو کچھ مشہود و محسوس ہے

سب ممکنات کی قسم سے ہے۔ اگرچہ بعض سالکوں کو وہ مشہود واجب کے ساتھ متوہم ہوتا ہے اور حقیقت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے لیکن درحقیقت عالم کے افراد واقسام سے ہے حق تعالیٰ وراء الوراء ہ اور ہماری دید ودانش سے جدا اور ہمارے کشف وشہود سے مبرا ہے۔ بیت

خلق راوجہ کے نمایداو | درکدام آئینہ درآیداو

ترجمہ بیت: کب وہ خلقت کو منہ دکھاتا ہے | کونسے آئینے میں آتا ہے

حاصل کلام یہ کہ یہ عرصہ متوہم اس عرصہ خارجیہ کا ظل ہے جو مرتبہ وجود تعالیٰ کے لائق ہے جس طرح کہ اس مرتبہ کا وجود اس مرتبہ کے وجود کا ظل ہے۔ اس مرتبہ وہم کو اگر اس اعتبار سے کہ مرتبہ خارج کا ظل ہے۔ خارج بھی کہیں تو ہوسکتا ہے' جس طرح کہ وجود ظلی کے اعتبار سے اس کو موجود بھی کہتے ہیں۔ یہ عرصہ وہم عرصہ خارجی کی طرح واقعی اور نفس الامری ہے اور احکام صادقہ رکھتا ہے اور دائمی معاملہ اسی پر وابستہ ہے جیسے کہ حضرت مخبر صادق نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔ اب ملاحظہ کرنا چاہئے کہ ان دونوں مکشوفوں میں سے کون سا حق تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس کے زیادہ قریب اور لائق ہے اور اس پاک بارگاہ کے لیے بہتر اور مناسب ہے اور ان دونوں میں سے کون سا بدایت وتوسط حال کے ساتھ مناسب رکھتا ہے اور کون سا انتہا کے حال کے مناسب ہے۔ کئی سالوں تک اس فقیر کا مکشوف ومعتقد اول رہا ہے اور اس مقام میں بہت احوال عجیبہ اور مشاہدات غریبہ گزرے ہیں اور اس مقام سے بہت حظ حاصل کیے۔ آخر کار محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوا کہ جو کچھ دیکھا اور جانا گیا ہے سب حق تعالیٰ کا غیر ہے' جس کی نفی لازم ہے کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ کے کرم سے معاملہ نفی سے انتفا تک پہنچ گیا اور وہ باطل جو اپنے آپ کو حق ظاہر کرتا تھا۔ دید و دانش سے گر گیا اور غیب الغیب کے ساتھ تعلق حاصل ہو گیا اور موہوم موجود سے اور حادث قدیم سے متمیز وجدا ہو گیا جو مکشوف ثانی کا حاصل ہے۔

رباعی للمولف

در عرصہ کائنات بادقت فہم | بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہم چشم وندیدیم درو | جز ظل صفات آمد ثابت در وہم

ترجمہ رباعی

عرصہ عالم میں بہت غور کیے تیر کی مانند دنیا میں پھرے
آنکھ نے پھر بھی بجز ظل صفات اور نشان کچھ نہ ہمیں اس کے ملے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پائے بے شک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) والسلام۔

مکتوب ۶۸

اس مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ جسم میں عالم وجود ونمود رکھتا ہے۔ فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:

عالم کو موہوم کہتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ عالم وہم کا تراشا ہوا اور بنایا ہوا ہے عالم وہم کا بنایا ہوا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ وہم بھی عالم کی قسم سے ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ نے عالم کو مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے۔ اگر چہ ہم اس وقت وجود میں نہ آیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور مرتبہ وہم نمود بے بود سے مراد ہے' جس طرح کہ وہ دائرہ جو نقطہ جوالہ سے وہم میں پیدا ہوا ہے۔ نمود بے بود رکھتا ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا فرما کر محض نمود کو ثبوت وثبات بخشا اور غلط سے صحت میں لایا اور کذب سے صدق میں لا کر نفس الامر بنایا۔ فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے) مرتبہ موہوم ایک عجب مرتبہ ہے' جس کو موجود کے ساتھ کچھ مزاحمت نہیں اور کوئی مقابلہ اور مدافعہ نہیں اور نہ جہات میں سے کوئی جہت ثابت کرتا ہے نہ اس کے لیے کوئی حدود نہایت پیدا کرتا ہے۔ دائرہ موہومہ کو نقطہ جوالہ موجودہ کے ساتھ کوئی مخالفت نہیں نہ اس کیلئے جہات میں سے کوئی جہت ثابت ہے نہ اس دائرہ کے حدوث سے اس نقطہ کی حدونہایت پیدا ہوگئی ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ نقطہ دائرہ کے دائیں ہے یا بائیں یا آگے ہے یا پیچھے یا اوپر ہے یا نیچے۔ یہ دائرہ ان جہات کو ان اشیاء کے لیے ثابت کر سکتا ہے جو اس کے مرتبہ میں ثبوت رکھتی ہیں لیکن وہ چیز جو دوسرے مرتبہ میں ثابت ہے۔ دائرہ کو اس کے ساتھ کوئی جہت ثابت نہیں۔ نیز اس دائرہ کے پیدا ہونے سے نقطہ کی کوئی نہایت پیدا نہیں ہوئی۔ وہ اپنی پہلی

ہی صرف حالت پر ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) اس بیان و تمثیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ عالم کو صانع عالم کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اس عالم کے ایجاد سے حق تعالیٰ کو کوئی حد و نہایت حاصل نہیں ہوئی اور حیات میں سے کوئی جہت ثابت نہیں ہوئی۔ وہاں یہ نسبت کس طرح متصور ہو سکے جبکہ اس مرتبہ عالیہ میں ان کا نام و نشان بھی نہیں' جس سے نسبت کا تصور کیا جائے۔ بعض بدبختوں نے بیوقوفی کے باعث عالم اور صانع عالم کے درمیان اس نسبت کا حاصل ہونا اور ان جہات کا ثابت ہونا تصور کر کے حق تعالیٰ کی رویت کی نفی کی ہے اور ان کو محال سمجھا ہے اور اپنی جہل مرکب اور تصدیق کاذب کو کتاب و سنت پر مقدم کیا ہے۔ ان لوگوں نے گمان کیا ہے کہ اگر حق تعالیٰ دیکھا جائے تو جہات میں سے کسی جہت میں ہوگا نہ کہ ان کے ماسوا اور اس سے حد و نہایت لازم آتی ہے اور تحقیق سابق سے معلوم ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ اس قسم کی کچھ نسبت بھی ثابت نہیں۔ خواہ رویت کو ثابت کریں یا نہ کریں کیونکہ رویت موجود ہے اور کوئی جہت ثابت نہیں۔ چنانچہ اس کی تحقیق ابھی کی جائے گی۔ شاید یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ محظور و اعتراض وجود عالم کے وقت بھی ثابت ہے کیونکہ اس وقت صانع عالم کی جہات میں سے کسی جہت میں ہوگا اور عالم کے ماوراء بھی ہوگا۔ اس سے بھی حد و نہایت لازم آتی ہے اور اگر عالم کے تمام جہات میں کہیں تو پھر حد و نہایت کی نسبت کیا کہیں گے جو ولائیت کو لازم ہے نیز جہت کا فساد نہایت کے استلزام کے باعث ہے اور وہ خود لازم ہے۔ اس تنگی سے خلاصی تب ہوتی ہے جب صوفیہ کے قول کو اختیار کریں جو عالم کو موہوم کہتے ہیں اور جہت و نہایت کے اشکال سے چھوٹ جاتے ہیں۔ موہوم کہنے میں کوئی محظور محال لازم نہیں آتا کیونکہ وہ موجود کی طرح احکام صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ اور دائمی رنج و راحت اس پر وابستہ کیا ہے۔ وہ موہوم اور بے جس کے سوفسطائی بجز قائل ہیں جو وہم کا اختراع اور خیال کا تراش و خراش ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ دائرہ موہومہ کو جو نقطہ جوالہ سے پیدا ہوا ہے اس نقطہ کے ساتھ کوئی جہت ثابت نہیں وہ نقطہ اس دائرہ کی جہات سے باہر ہے۔ اگر بالفرض وہ دائرہ بتمامہ بصر ہو جائے تو اس نقطہ کو بے جہت دیکھے گا کیونکہ جہت ان کے درمیان مفقود ہے۔ صورت مذکورہ بالا میں بھی اگر دیکھنے والا ہمہ تن بصر ہو جائے اور حق تعالیٰ کو بے جہت دیکھے تو اس سے کیا محظور رد

محال لازم آتا ہے مومن بہشت میں ہمہ تن بصر ہو کر حق تعالیٰ کو دیکھیں گے اور کوئی جہت ثابت نہ ہوگی۔ اولیاء کو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو) کے بموجب یہ دولت دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے اور ہمہ تن بصر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ رویت نہیں ہوتی جو آخرت پر مخصوص ہے لیکن رویت کا حکم رکھتی ہے اور یہ جو کہا کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے موافق وہ اس لیے کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کے بارے میں صوفیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ذات کلہ بصر اور کلہ سمع اور کلہ علم ہے اور متخلقین باخلاق اللہ کو ان صفات سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام میں ان کی ہر ایک صفت بھی ان کی کلیت کے رنگ میں ظہور کرتی ہے۔ مثلاً ہمہ تن بصر ہو جاتے ہیں۔ آخرت میں تمام مومنوں کو یہ نسبت عطا فرما کر رویت کی دولت سے مشرف فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس صورت میں کوئی محظور و اشتباہ لازم نہیں آتا۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)

مکتوب ۶۹

شریعت کے التزام اور ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں قاضی موسیٰ شوحین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ آپ کا صحیفہ شریفہ جو درویش رحم علی کے ہمراہ بھیجا تھا پہنچا۔ بہت خوش ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو سلامت و استقامت عطا فرمائے۔ آپ نے نصیحتیں طلب فرمائی تھیں۔ میرے مخدوم سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین اور متابعت کو لازم پکڑیں۔ متابعت کی کئی قسمیں ہیں ان میں ایک احکام شرعیہ کا بجالانا ہے۔ باقی اقسام کو فقیر نے ایک مکتوب میں جو بعض دوستوں کے نام لکھا ہے مفصل ذکر کیا ہے۔ فقیر ان کو کہے گا کہ اس کی نقل انشاء اللہ آپ کو بھیج دیں۔ غرض اس طریق کے افادہ استفادہ کا مدار صحبت پر ہے۔ صرف کہنا اور لکھنا ہی کافی نہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے۔ اصحاب کرام حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہی کی بدولت تمام اولیاء امت میں سے افضل ہیں اور کوئی ولی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ اگرچہ اویس قرنی ہو۔ دوستوں سے التماس ہے کہ سلامتی ایمان کی دعا کیا کریں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ

لَمرِنَا رَشَدًا (یااللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) رحم علی نے اب اپنی کایا پلٹ لی ہے اور اصلاح کی طرف آ رہا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو استقامت بخشے۔ والسلام

مکتوب ۷۰

ارباب جمعیت کی صحبت کی تحریص و ترغیب میں مولانا اسحاق ولد قاضی موسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا مکتوب شریف جو رحم علی درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ آپ کے ذوق و شوق کا حال پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ علیحدہ کاغذ میں جو ظاہر شدہ ہوا واقعہ لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ سے نہایت ہی خوشی ہوئی۔ اس قسم کے واقعات مبشر ہیں۔ کوشش کرنی چاہئے کہ قوت سے فعل میں آئیں اور گوش سے آغوش تک پہنچ جائیں۔ آج تقصیروں کا تدارک ممکن ہے۔ فرصت کو غنیمت جاننا چاہئے اور تسویف و تاخیر پر نہ ڈالنا چاہئے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم چند درویش ایک جگہ جمع ہوئے اس ساعت کی نسبت جو جمعہ کے روز میں دعا کی قبولیت کے لیے مقرر ہے۔ گفتگو شروع ہوئی کہ اگر میسر ہو جائے تو اس وقت حق تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہئے۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ ارباب جمعیت کی صحبت طلب کرنی چاہئے کیونکہ اس میں تمام سعادتیں حاصل ہوتی ہیں بعض مکتوبوں کی نقل کر کے حامل رقیمہ ہذا کے ہمراہ بھیجی گئی ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو اس سے نفع دے۔ دوسرے یہ کہ برادرم شیخ کریم الدین مدت سے آیا ہوا ہے۔ شاید اپنے احوال آپ کی طرف لکھے گا۔ دوستوں سے دعا کی امید ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یااللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش' تو تمام چیزوں پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۷۱

حقائق و دقائق موہوم یعنی عالم اور موجود حقیقی یعنی صانع عالم کے درمیان تمیز کرنے کے بیان میں جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبید اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) نقطہ جوالہ جس سے دائرہ وہم میں پیدا ہوا ہے' جس طرح خارج میں موجود ہے وہم میں بھی موجود ہے لیکن وہاں یعنی خارج میں دائرہ کے روپوش کے بغیر ہے اور یہاں یعنی وہم میں دائرہ کے روپوش کے ساتھ ہے اور خارج و وہم میں موجود اس طرح نہیں کہ ہر مرتبہ میں وجود علیحدہ رکھتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ خارج میں بھی اور وہم میں صرف ایک ہی موجود ہے جو وہاں یعنی خارج میں دائرہ کے پردہ کے بغیر ہے اور یہاں یعنی وہم میں دائرہ کے پردہ کے ساتھ اور یہ دائرہ موہومہ جو وہم میں نمود بے بود رکھتا ہے اور حس کی غلطی سے پیدا ہوا ہے اگر اس کو اس مرتبہ میں موجود کریں اور اثبات و تقرر دیں اور اس کو نمود بابود بنائیں تو اس وقت حس کی غلطی سے نکل کر نفس الامر ہو جائے گا اور احکام صادقہ پیدا کرلے گا۔ پس اس دائرہ کے لیے وہم میں حقیقت بھی ہے اور صورت بھی۔ اس کی حقیقت تو وہی نقطہ جوالہ ہے' جس کے ساتھ دائرہ قائم ہے اور اس کی صورت یہی دائرہ ہے' جس نے ثبوت و ثبات پیدا کیا ہے۔ یہ صورت اگرچہ اس حقیقت کا عین نہیں۔ کیونکہ الگ صفات و احکام رکھتی ہے لیکن حقیقت سے دور اور جدا بھی نہیں۔ یہ حقیقت ہی ہے' جس نے اپنے آپ کو اس نمود میں متخیل کیا ہے۔ بیت

خوشتر آں باشد کہ سردلبراں ... گفتہ آید در حدیث دیگراں

ترجمہ بیت: بھلے لگتے ہیں وہ دلبر کے اسرار ... کریں جو دوسرے لوگ ان کو اظہار

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اس مقام میں کہتا ہے۔ اِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهٗ حَقٌّ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهٗ خَلْقٌ' وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهٗ حَقٌّ' مِنْ وَجْهٍ وَخَلْقٌ' مِنْ وَجْهٍ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِالْحَيْرَةِ لِعَدَمِ التَّمَيُّزِ بَيْنَهُمَا (اگر تو عالم کو حق کہہ دے تو درست ہے اور اگر تو خلق کہہ دے تو بھی اچھا ہے اور اگر تو اس کو ایک جہت سے حق کہہ دے اور ایک جہت سے خلق تو بھی بجا ہے اور اگر دونوں میں تمیز نہ ہونے کے باعث حیرت کا قائل ہو تو بھی ٹھیک ہے) لیکن جاننا چاہیے یہ تمیز حقیقت و صورت کے درمیان اگرچہ وہم میں ہے لیکن چونکہ

صورت اس مرتبہ وہم میں حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہے اور اثبات و تقرر اس کو حاصل ہوا ہے۔ اس لیے نفس الامری ہوگئی ہے بلکہ نفس الامری کی تمیز حاصل کر کے ظلیت کے طور پر موجود خارجی ہوگئی ہے کیونکہ صورت کا وجود جس طرح حقیقت کے وجود کا ظل ہے۔ اسی طرح مرتبہ نمود بھی بود کے حاصل ہونے کے بعد خارج کا ظل ہے۔ پس جب صورت اور حقیقت کے درمیان تمیز نفس الامری بلکہ خارجی ہوگئی تو پھر ایک کو دوسرے پر حمل کرنا ممتنع ہے اور ایک دوسرے کا عین نہیں ہوگا' جس نے عین کہا ہے اس نے تمیز وہمی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا اور امتیاز علمی کے سوا کچھ نہیں جانا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ مرتبہ وہم حق تعالیٰ کی ایجاد سے جو اس مرتبہ میں واقع ہوئی ہے خارج اور نفس الامر بن گیا ہے اور اس علم و خارج سے جو متعارف ہیں الگ ہوگیا چونکہ یہ مرتبہ خارج ہوگیا ہے اس لیے اس میں مرتبہ وہم کو جدا کر دیا ہے اور نقطہ جوالہ موجود خارجی ہوگیا ہے اور دائرہ جو اس سے پیدا ہے موہوم بن گیا۔ عجب معاملہ ہے۔ صورت جو حقیقت سے پیدا ہے اور جو کچھ رکھتی ہے حقیقت ہی سے رکھتی ہے اور حقیقت سے اس کو کچھ جدائی نہیں۔ اس کو زبردستی حقیقت سے جدا کیا اور توہم سے تحقیق میں لا کر متمیز وہمی کو خارجی بنا دیا۔ آیت کریمہ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (اس اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے' جس نے ہر شے کو مضبوط کیا) کو ملاحظہ کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے لاشے محض کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ شے کر دیا اور دانا و بینا و مرید بنا دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ بیت

چونکہ او شد گوش و چشم و دست و پاء　　　خیرہ ام بر چشم بندی خدا

ترجمہ بیت جب ہوا وہ گوش و چشم و دست و پاء　　　چشم بندی دیکھ کر حیراں رہا

چشم بندی یہاں کیا گنجائش رکھتی ہے۔ چشم بندی وہاں ثابت ہوتی ہے جہاں پر واقع کو واقع ظاہر کیا جائے۔ یہاں قدرت خداوندی نے غیر واقع کو واقع کر دیا ہے اور احکام کاذبہ کو جو اس مرتبہ میں ثابت تھے صادقہ بنا دیا ہے۔ حضرت شیخ لِعَدَمِ التَّمَیُّزِ بَیْنَهُمَا (دونوں کے درمیان تمیز کا نہ ہونا) فرماتا ہے۔ حالانکہ عبد اور رب کے درمیان پچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔ آیت کریمہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے) میرا اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ شیخ بھی راستہ کی اس قدر دوری کا اقرار کرتا ہے یہی وجہ

ہے کہ حیرت کا قائل ہوا ہے۔ کوئی بیوقوف راستہ کی اس دوری سے حق تعالیٰ کو بعید نہ خیال کرے اور اپنے سے دور نہ جانے کیونکہ حق تعالیٰ بندہ سے اس کے اپنے نفس سے بھی قریب بلکہ اقرب ہے بلکہ بعد ادراک و معرفت کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ مکان و مسافت کے اعتبار سے دائرہ کا اخیر نقطہ تمام نقطوں کی نسبت مبدء دائرہ کے زیادہ نزدیک ہے لیکن چونکہ اس کی پشت کو مبدء دائرہ کی طرف کیا ہے اور اس کے رخ کو دوسری طرف پھیر دیا ہے۔ اس لیے اس کی یافت مبدء سے قریب ہونے کے باوجود دور جا پڑی ہے اور تمام نقطوں کے طے کرنے کے بعد وابستہ ہوئی ہے۔ ابیات

اے کمان و تیر ہا پر ساختہ　　　صید نزدیک تو دور انداختہ

ہر کہ دور انداز تر او دور تر　　　از چنیں سید است او مہجور تر

ترجمہ ابیات

اے کمان و تیر کو بالکل بنایا تو نے پر　　　صید تھا نزدیک لیکن تو نے ڈالا دور تر

جس قدر کوئی ہے دور اندازہ اتنا دور ہے　　　اس طرح کے صید سے اتنا ہی وہ مہجور ہے

ہاں جب تک بعد کی تکلیفیں نہ اٹھائیں دولت قرب کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ مَا صَنَعَ اللہ سُبْحَانَہٗ فَھُوَ خَیْرٌ" (جو کچھ اللہ تعالیٰ کرے وہی اچھا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۲۷

اس بیان میں کہ لشکر کی تلوینات ارباب جمعیت کے لیے تمکین ہے اور اس استفسار کے جواب میں جو مولود خوانی کے بارہ میں کیا گیا تھا۔ خواجہ حسام الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلہِ وَسَلَامٌ" عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) صحیفہ شریفہ جو از روئے کرم و شفقت کے اس فقیر کے نام لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ دوستوں کے حالات سے غافل نہیں ہیں۔ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں کہ عین بلا میں عافیت اور عین تفرقہ میں جمعیت حاصل ہے وہ فرزند

دوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت سے گزر رہے ہیں اور ان کے احوال میں ترقی ہو رہی ہے۔ غرض لشکر ان کے حق میں خانقاہ شخص ہے کہ لشکریوں کی عین تلوینات میں ان کو تمکین حاصل ہے اور عین مختلف گرفتاریوں میں جو اس مقام کو لازم ہیں ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں۔ نہ ان کے ساتھ کسی کا تعلق ہے نہ ان کو کسی سے واسطہ اس کے علاوہ بے اعتبار و حبس و قید میں گرفتار ہیں۔ یہ ایک قید ہے' جس کے عوض خلاصی کو کوڑی کے برابر نہیں لیتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَ الْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعْمَائِہٖ (اس نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کی حمد اور احسان ہے) میرے مخدوم قُرَّۃَ الْعَیْنَیْنِ (یعنی دونوں فرزندوں) کی طرف خط بھیجنے سے مقصود ان بعض نعمتوں کے فوت ہو جانے پر اظہار افسوس تھا کہ وطن میں جن کے حاصل ہونے کی امید تھی اور لشکر میں آنا اور صحبت رکھنا آپ کی صلاح پر وابستہ ہے کیونکہ آپ لشکر اور لشکریوں کے اوضاع و احوال کو بہتر جانتے ہیں اور اس مقام کا نفع ضرر اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ اگر تم لکھو کہ آفات سے محفوظ ہوں گے تو آ جائیں۔ الغیب عند اللہ (غیب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ باوجود یہ کہ ارباب تفرقہ سے بہت میل جول ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمراہیوں میں سے کسی کو بھی اب تک تفرقہ کی آفت نہیں پہنچی اور مطلب سے نہیں روکا۔ نیز آپ نے مولود خوانی کے بارہ میں لکھا تھا کہ قرآن مجید کو خوش آواز سے پڑھنے اور نعت و منقبت کے قصائد کو خوش آوازی سے پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔ ہاں قرآن مجید کے حروف کی تحریف اور ان کا تغیر تبدل اور مقامات نغمہ کی رعایت اور اس طرز پر آواز کا پھیرنا اور سر نکالنا اور تالی بجانا وغیرہ وغیرہ جو شعر میں بھی ناجائز ہیں سب ممنوع ہیں۔ اگر اس طرح پر پڑھیں کہ کلمات قرآنی میں تحریف واقع نہ ہو اور قصیدوں کے پڑھنے میں بھی شرائط مذکورہ بالا ثابت نہ ہوں اور وہ بھی کسی غرض صحیح کے لیے تجویز کریں تو کوئی ممانعت نہیں۔ میرے مخدوم فقیر کے دل میں آتا ہے کہ جب تک آپ اس دروازہ کو بالکل بند نہ کریں گے بوالہوس نہیں رکیں گے اگر آپ تھوڑا بھی جائز رکھیں گے تو بہت تک پہنچ جائے گا۔ قَلِیْلُہٗ یُفْضِیْ اِلٰی کَثِیْرِہٖ (تھوڑا بہت کی طرف لے جاتا ہے) مشہور قول ہے والسلام

☆☆☆

مکتوب ۳۷

صفت حیات کے اسرار میں جو علم سے برتر ہے اور اس بیان میں کہ علم جس طرح صفات زائدہ سے ہے اسی طرح شیون غیر زائدہ سے بھی ہے۔ اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ اور اس کے تابعین نے جو تنزلات خمسہ لکھے ہیں تعین اول سے ان کی مراد حضرت علم کا اجمال ہے اور اسی کو حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں اور اس یقین کے کشف کو تجلی ذات جانتے ہیں اور تعین کے اوپر لاتعین سمجھتے ہیں جو ذات بحت اور تمام نسبتوں اور اعتباروں سے مجرد احدیت کا مرتبہ ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ شان العلم کے اوپر شان الحیوٰۃ ہے جس کے تابع علم ہے اور وہ تمام صفات کا اثر ہے خواہ علم ہو خواہ غیر علم حصولی ہو یا حضوری یہ شان الحیوۃ بڑی عظیم الشان شان ہے۔ دوسری صفات وشیون اس کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے نہریں دریا کے مقابلہ میں تعجب ہے کہ شیخ بزرگوار نے اس وسیع مملکت کی سیر نہیں کی ہے اور ان علوم و معارف کے باغوں سے پھول نہیں چنے۔ یہ شان اگرچہ حق تعالیٰ کی ذات کے بہت ہی قریب ہے اور جہالت اور عدم ادراک کے بہت ہی مناسب ہے لیکن چونکہ تنزل و ظلیت کی آمیزش رکھتا ہے اس لیے کم و بیش معرفت و علم کے مقام سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس شان عظیم الشان میں اس فقیر کا سیر واقع ہوا تھا تو اس مقام کے نیچے بہت دور فاصلے پر شہود ہوا تھا کہ شیخ وہاں مقام رکھتا ہے، جس میں اس نے اقامت اختیار کی ہے شاید اخیر میں اس مقام کا حظ حاصل کیا ہوگا۔ اس طرں کے بیچون بعدوں کے دو اعتبار سے بعد مسافت کہہ سکتے ہیں یا میدان عبارک کی تنگی کے باعث یا اس بعد بیچون کی مثال صورت کے باعث جو عالم مثال میں بعد مسافت کے طور پر مشہود ہوئی ہے۔ سُبۡحَانَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ" (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں مگر جس قدر تو نے ہم کو سکھایا تو جاننے والا اور حکمت والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی) فضل بالخیر۔

اس بیان سے لازم آیا کہ علم مرتبہ حیات میں جو اس کے اوپر ہے ثابت نہیں خواہ علم حصولی ہو۔ خواہ علم حضوری جب مرتبہ حیات میں علم ثابت نہ ہوا تو مرتبہ ذات عزشانہ میں کس طرح

ثابت ہوگا جو فوق الفوق ہے اور جب علم ثابت نہ ہوا تو اس کی نقیض ثابت ہوگی۔ تَعَالٰی اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ذٰلِکَ عَلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے) اس اشکال کا حل ایک دقیقہ کے پہچاننے پر مبنی ہے، جس کو آج تک اولیاء اللہ میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا علم مثلاً جس طرح صفات ثمانیہ حقیقیہ زائدہ میں سے ہے جیسے کہ اہل حق نے فرمایا ہے اسی طرح شیون و اعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ میں سے بھی ہے۔ قسم اول چونکہ ذات پر صفات زائدہ سے ہے تو اس کا متعلق بھی ذات کے ماسوا ہے۔ خواہ عالم ہو یا صفات زائدہ واجبی کیونکہ جو چیز ظلیت کے داغ سے آلودہ ہے اور جس نے اسم زیادتی پیدا کیا ہے۔ حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ کے لائق نہیں اور اس جناب پاک کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ خواہ وہ علم حصولی ہو یا حضوری۔ اگر حضوری ہے تو وہ بھی حضرت ذات کے ظلال میں سے کسی ظل کے متعلق ہے۔ اگرچہ اس نے علم و عالم و معلوم کے درمیان اتحاد پیدا کیا ہے کیونکہ یہ مرتبہ اتحاد بھی مرتبہ مقدسہ ذات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے نہ کہ اس کا عین اگرچہ بعض نے اس کی عینیت یعنی عین ہونے کا گمان کیا ہے۔ دوسری قسم جو شیون ذاتیہ غیر زائدہ سے ہے اس کا متعلق صرف حضرت ذات ہے اور ماسوائے ذات کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے برتر ہے حاصل کلام یہ کہ وہ علم جو زائدہ ہے اس کا تعلق ماسوائے ذات تعالیٰ تک محدود ہے اور وہ علم جو زائدہ نہیں اور مجرد اعتباری ہے اس کا تعلق صرف حضرت ذات پر موقوف ہے اور وہ علم جو حضرت ذات تعالیٰ میں منتفی ہے وہی علم زائدہ ہے جو اس مرتبہ مقدسہ کے لائق نہیں کیونکہ وہ شان علم غیر زائدہ کا ظل ہے۔ اس علم زائدہ کے انتفا سے اس کی نقیض یعنی جہل کا ثبوت لازم نہیں آتا کیونکہ جب علم جو صفات کاملہ سے ہے وہاں گنجائش نہیں رکھتا۔ تو اس کی نقیض جو سراسر نقص ہے کیا گنجائش رکھتی ہے کہ اس بارگاہ میں دخل پائے غرض یہ دونوں نقیضیں اس بارگاہ سے مسلوب ہیں اور اس میں کوئی محذور و محال نہیں۔ ایک عارف کہتا ہے۔ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ (میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا) گویا اس مقام اقدس کے بلند مرتبہ ہونے کے باعث ان دونوں نقیضوں میں سے ایک بھی وہاں تک نہیں پہنچتی جب تمام نسبتیں اور اعتبارات اس بارگاہ میں مسلوب ہیں تو علم اور عدم علم بھی جو نسبتوں کی قسم سے ہیں مسلوب ہوں گے۔ وہ ممکن ہی ہے، جس کو نسبتوں اور اعتباروں سے چارہ نہیں اور اس میں نقیض کا جمع و رفع نہیں نسبتوں اور اعتباروں کا پیدا کرنے والا تمام نسبتوں اور اعتباروں سے

منزہ ہے۔ اس مقام میں حاضر پر غائب یعنی ممکن پر حق کا قیاس کرنا ممتنع ہے۔ یا یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ علم خاص کے انتفاء سے علم مطلق کا عدم لازم نہیں آتا بلکہ علم خاص کا عدم لازم آتا ہے' جس میں ظلیت کی آمیزش ہے اس صورت میں بھی کوئی محذور لازم نہیں آتا اور نقیضین کا ارتفاع نہیں ہوتا۔ فَافْهَمْ جاننا چاہیے کہ وہ علم جو ذات تعالیٰ کے شیون سے ہے اس علم کے ساتھ جو صفات زائدہ سے ہے کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس علم کا اصل وہی علم ہے کیونکہ صفت زائدہ شان ذاتی کا ظل ہے وہاں انکشاف ہی انکشاف ہے اور عین حضور میں حصول ہے اس علم کے درجہ کی بلندی کے باعث جہل اس کے مقابل نہیں آسکتا اور اس کی نقیض نہیں بن سکتا۔ برخلاف صفت علم کے کہ جس کی نقیض میں جہل قائم ہے اگرچہ اس کا وقوع غیر جائز اور خطا ہے نقیض کا یہی احتمال اس کے انحطاط اور پستی کا باعث ہوا ہے اور اسی نے جناب پاک کے تعلق سے اس کو روک رکھا ہے کیونکہ اس بارگاہ مقدس میں کسی کمال کی نقیض کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ خواہ کوئی کمال ہو وہ قدرت جو اس مرتبہ مقدسہ میں ثابت ہے وہ وہی ہے جس کے مقابلہ میں عجز نہیں برخلاف صفت قدرت کے جو نقیض کا احتمال رکھتی ہے۔ اگرچہ واقع نہیں ہے تمام شیون اور صفات واجبہ اسی قیاس پر ہیں جب شان العلم کو صفت العلم سے کچھ مناسبت نہیں تو مخلوقات کے علم کو اس شان عظیم الشان کے ساتھ کیا نسبت ہوگی اور اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ کیا مناسبت و تعلق متصور ہوگا۔ ہاں اگر بندہ نوازی فرمائیں اور مخلوق کے ناقص انکشاف کو اپنے اپنے انکشاف سے روشن کریں اور فناء اتم کے بعد اپنے پاس سے بقاء اکمل بخشیں تو پھر ہوسکتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ تعلق بیچون حاصل ہو اور وہاں تک پہنچ جائیں جہاں اصل بھی کوتاہی کرے اور اصل کے زینہ سے اصل الاصل کے ساتھ واصل ہو جائیں۔ یہ خصوصیت بنی آدم ہی کو مرحمت ہوئی ہے اور انہی کے لیے ترقی کا راستہ کھلا ہے اصل سے بھی گزر جاتے ہیں بلکہ اصل الاصل سے گزر کر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں کہ اصل بھی ظل کی طرح راستہ میں رہ جاتا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

مکتوب ۴۷

صاحب فصوص کی اس کلام کی شرح میں جو تجلی ذات کے بارہ میں فرمائی ہے اور

اس بارہ میں حضرت ایشاں قدس سرہ کی خاص تحقیق ورائے کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم (قدس سرہ) کی طرف لکھا ہے لیکن حوادث ایام کے باعث یہ مکتوب شریف ناتمام رہا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ تجلی ذات متجلی لہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ کیونکہ متجلی لہ حق کے آئینہ میں اپنی ہی صورت کو دیکھتا ہے نہ کہ حق کو اور نہی حق کو دیکھ سکتا ہے۔ حق کے آئینہ سے مراد وہ شان ذاتی ہے جس کا ظل وہ اسم زائد ہے جو متجلی لہ کا مبدء تعین ہے کیونکہ ہر ایک اسم زائد کے لیے جو مخلوقات کے تعینات میں سے ہر ایک تعین کا مبدء ہے۔ مرتبہ ذاتیہ میں اس کا اصل ثابت ہے اور یہ شان وہ ہے جو ذات میں مجرد اعتبار ہے جیسے کہ کئی جگہ اس کی تحقیق ہو چکی ہے اور اس سے مراد مطلق ذات نہیں کیونکہ مطلق مقید کا آئینہ نہیں ہو سکتا چونکہ آئینہ بھی اس صورت کی طرح جو اس میں ثابت ہے مقید ہے اور اس صورت کا اصل الاصل ہے۔ اس لیے آئینہ متجلی لہ کی نظر میں اس کی اپنی ہی صورت کے موافق جو آئینہ میں موجود ہے۔ تجلی کرتا ہے نہ صورت سے کم ہوتا ہے نہ زیادہ کیونکہ اس مرتبہ میں کہ جس میں تجلی واقع ہوئی ہے۔ اس شان کی تجلی اور اس کا ظہور سوائے اس صورت کے کہ جس پر متجلی لہ ہے نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں اس شان کا ظہور اس کی غنا اور عالم کے ساتھ عدم تعلق کے باعث اس اسم ظلی کے وسیلہ پر وابستہ ہے جو صورت متجلی لَهٗ کا مبدء تعین ہے یہ آئینہ مقدسہ تمام آئینوں سے الگ ہے کیونکہ ان آئینوں میں صورت کا ظہور ان کے گوشوں میں سے کسی گوشہ میں ہوتا ہے اور آئینے ان صورتوں میں جو ان میں حلول کرتی ہیں بعینہ اور پورے طور پر ظہور نہیں کرتے اس لیے کہ دونوں میں مخالفت ہوتی ہے۔ برخلاف اس آئینہ مقدسہ کے کہ نہ اس میں صورت حلول کرتی ہے اور نہ اس کے کونوں میں سے کسی کونے میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس بارگاہ میں کوئی حالیت و محلیت نہیں اگرچہ حسی ہو اور اس مرتبہ مقدسہ میں کوئی تبعض و تجزی نہیں اگرچہ وہمی ہو بلکہ یہ آئینہ مقدسہ کلی طور پر متجلی لَهٗ کی صورت پر ظہور کرتا ہے اسی واسطے یہ آئینہ اس وقت آئینہ بھی ہوتا ہے اور صورت بھی پس متجلی لَهٗ نے حق کے آئینہ میں جس سے مراد وہ شان ذات ہے، جس نے متجلی لہ کی صورت میں ظہور کیا ہے۔ اپنی صورت کے

سوا کچھ نہیں دیکھا اور اس نے حق مطلق اور شان خاص کو تنزیہی اور تقدیسی طور پر نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ ہے شیخ کی رائے اور تحقیق جس میں اس نے تنزیہی رویت کے امکان کی نفی کی ہے اور ان ظہورات میں جو جامہ لطیفہ کی مانند ہیں تمثل و مثال کے طور پر رویت کو ثابت کیا ہے حالانکہ یہ تحقیق اس تحقیق کے مخالف ہے جس پر علماء اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کی رویت دنیا میں جائز ہے لیکن غیر واقع ہے اور آخرت میں بلا کیف حق اور واقع ہے کسی تمثل و مثال میں نہ ہوگی۔ بیت

یَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ وَ اِدْرَاکٍ وَ ضَرْبٍ مِنْ مِثَالٍ

ترجمہ بیت

مومن خدا کو دیکھیں گے جنت میں خوش خصال بے کیف و بے شباہت و بے شبہ و بے مثال

کیونکہ تمثل کی رویت کیف کی رویت ہے حق تعالیٰ کی نہیں بلکہ مخلوق کی رویت ہے، جس کو حق تعالیٰ نے تمثل و مثال کے طور پر ایجاد اور ظاہر کیا ہے کیونکہ تمثل و مثال اور توہم و خیال سب اس کی مخلوق ہیں۔ حق تعالیٰ ان سے وراء الوراء ہے۔ ان بڑے بڑے عارفوں پر تعجب آتا ہے جو تنزیہ کو چھوڑ کر تشبیہ پر اور قدیم کی طرف سے ہٹ کر حادث پر تسلی کیے بیٹھے ہیں اور مثال و تمثل پر کفایت کی ہے۔ میرے خیال میں یہ سب کچھ اس مرض کا نتیجہ ہے جو ان کو توحید و اتحاد کے قائل ہونے اور عالم کو حق تعالیٰ کا عین کہنے سے پیدا ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افراد عالم میں سے ہر ایک فرد کی رویت کو اسی اتحاد کے باعث حق تعالیٰ کی رویت جانتے ہیں۔ ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں۔ بیت

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

ترجمہ بیت

ظاہر ہے جب جمال ترا بے حجاب آج حیرت ہے پھر کہ وعدہ فردا ہے کس لیے

لیکن شیخ نے ان افراد عالم میں سے خاص جامع فرد کو خاص کیا ہے جو تمثل کے طور پر حاصل ہوا ہے مگر یہ بھی بے سود ہے۔ گویا شیخ قدس سرہ کتاب و سنت اور علماء کے اقوال سے واقف ہونے کے باعث رویت کے اطلاق کرنے اور ان کی رویت کو مطلق طور پر حق تعالیٰ کی رویت جاننے کی برائی سے آگاہ ہو کر اس طرف گیا ہے لیکن پھر بھی سکر اور توحید کے غلبہ حال

کے باعث تشبیہ کی تنگی سے مطلق طور پر نہیں نکلا اور مفرد طور پر تنزیہ کے کمالات کو حاصل نہیں کر سکا۔ بلکہ شیخ نے خیال کیا ہے کہ مشبہ یعنی تشبیہ والے کی طرح منزہ صرت یعنی تنزیہہ والا بھی قاصر اور ناقص اور حق تعالیٰ کو محدود کرنے والا ہے۔ اس لیے تنزیہہ محض کی طرف سے ہٹ کر اس امر کا یقین کیا کہ کمال تشبیہ و تنزیہ کے جمع کرنے اور ایک کو دوسرے کا عین کہنے میں ہے تا کہ تحدید اور تقیید مطلق طور پر رفع ہو جائے لیکن ظاہر ہے کہ شیخ کے نزدیک تشبیہ خارج میں معدوم ہے اس کے نزدیک صرف تنزیہ ہی خارج میں موجود ہے۔ پس وجود خارجی عدم خارجی کے قیاس پر ایک دوسرے کا محدود مقید نہ ہوگا کیونکہ عدم وجود کا محدد یعنی محدود کرنے والا نہیں اور نہ ہی وجود عدم کو محدود کرنے والا ہے کیونکہ وجود مع العدم اسی طرح اپنے اطلاق پر ہے اور عدم مع الوجود بھی اپنے اطلاق پر ہے اور کوئی ایک دوسرے کا مقید نہیں۔ اگر عدم وجود کا محدد ہوتا تو چاہئے تھا کہ اس طرح حکم کرتا کہ کمال وجود و عدم کے جمع ہونے اور ایک دوسرے کے عین ہونے میں ہے اور یہ سفسطہ ظاہرہ یعنی نکما اور باطل خیال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تنزیہ صرف قائل ہونا حق تعالیٰ کے لیے محدد نہیں اور نہ ہی تنزیہ و تشبیہ کے کے جمع کرنے میں کچھ کمال ہے بلکہ اس میں سراسر نقص ہے اور ناقص کو کامل کے ساتھ ملانا ہے اور معلوم ہے کہ ناقص و کامل سے مرکب بھی ناقص ہوتا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ وہ معلومہ صورتیں جن کو شیخ اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں۔ اس سے بھی موجود خارجی کی تحدید لازم نہیں آتی تا کہ دونوں کے درمیان (یعنی حق تعالیٰ اور معلومہ صورتوں کے درمیان) اتحاد عینیت کا حکم کیا جائے کیونکہ موجود خارجی کی تحدید ویسا ہی موجود خارجی کر سکتا ہے لیکن موجود علمی موجود خارجی کی تحدید اور اس کی مزاحمت نہیں کر سکتا کیونکہ ہر دو مراتب مختلف ہیں کیا نہیں جانتے کہ علم میں شریک باری تعالیٰ کا تصور اور ثبوت ہونا تا کہ اس پر محال ہونے کا حکم کیا جائے۔ باری تعالیٰ کا جو خارج میں موجود ہے ہرگز مزاحم و محدود مقید نہیں' جس کے دفع کرنے میں نامناسب حیلے بہانے کیے جائیں اور کہا جائے کہ ایک دوسرے کا عین ہے۔ اب ہم شیخ کی کلام کی طرف جو اس نے تجلیے ذاتی میں کہی ہے رجوع کرتے اور کہتے ہیں کہ شیخ نے اس تجلی کے ذکر کے بعد جو کچھ بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تجلی تمام تجلیات کی نہایت اور تمام عروجات کی غایت ہے۔ اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں۔ اس سے اوپر عروج حاصل کرنے اور

اس سے آگے پہنچنے کا طمع نہ کر اور ناحق اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈال کیونکہ تجلی ذاتی کے درجہ سے بڑھ کر اعلیٰ اور کوئی مقام نہیں۔

مکتوب ۵۷

تجلی افعال و تجلی صفات و تجلی ذات کے بیان میں فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

برادرم محمد ہاشم کشمی کو واضح ہو کر تجلی افعال سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ کے فعل کا اس طرح ظہور ہو کہ سالک بندوں کے افعاں کو اس فعل کے ظلال دیکھے اور اس فعل کو ان افعال کا اصل معلوم کرے اور ان افعال کا قیام اس فعل واحد کے ساتھ پہچانے اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے بالکل پوشیدہ ہو کر اپنے اصل کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور ان افعال کے فاعل کو جماد کی طرح بے حس و حرکت معلوم کرے اور جو کچھ توحید وجودی والوں نے جو اشیاء کے عین ہونے کے قائل ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہیں اس مقام میں کہا ہے اور بندوں کے بے شمار افعال کو ایک ہی فاعل جل شانہ کا فعل جانا ہے وہاں افعال کا اپنے فاعلوں کی طرف منتسب ہونے کا اختفا ہے اور ان افعال کا فاعل واحد کی طرف منتسب ہونے کا حدوث ہے نہ کہ نفس افعال کا اختفا اور ان کا اپنے اصل کے ساتھ ملحق ہونا۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا وَاَنْ يَكَادَ اَنْ يَخْفٰى عَلَى الْبَعْضِ (ان دونوں میں بہت فرق ہے اور قریب ہے کہ بعض پر پوشیدہ رہے) تجلی صفات سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ کی صفات کا ظہور اس طرح پر ہو کہ بندوں کی صفات کو حق تعالیٰ کی صفات جانے اور ان کا قیام ان کے اصول کے ساتھ معلوم کرے علم ممکن کو علم واجب کا ظل اور اس کے ساتھ قائم جانے اسی طرح اس کی قدرت کو حق تعالیٰ کی قدرت جانے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے۔ اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ ظلال صفات سب کے سب سالک کی نظر سے مختفی ہو کر اپنے اصول سے مل جائیں اور اپنے آپ کو کہ ان صفات سے موصوف تھا جماد کی طرح بے حیات و بے علم جانے اور اپنے آپ میں وجود اور وجود کے توابع کمالات کا کوئی اثر نہ پائے نہ وہاں اس کا ذکر رہے نہ توجہ نہ حضور نہ شہود۔ اصل سے لاحق ہونے کے بعد اگر توجہ ہے تو خود بخود متوجہ ہے اور اگر حضور ہے تو خود بخود حاضر ہے۔ اس مقام سے سالک کا نصیب یہ ہے کہ اس کو حقیقت فنا اور نیستی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کمالات کا انتساب جن کو اپنے خیال میں

اپنی طرف منسوب کرتا تھا منتفی ہو جاتا ہے اور اس امانت کو کہ جس کو تہمت و کذب سے اپنی طرف سے خیال کرتا تھا۔ امانت والوں کے حوالہ کر دیتا ہے اور کلمہ انا کا مورد و محل یہاں تک زائل ہو جاتا ہے کہ اگر اس کو بقاء باللہ بھی مشرف کر دیں تو پھر بھی انا کا مورد نہیں ہو سکتا اور اپنے آپ کو انا کے ساتھ تعبیر نہیں کر سکتا اور اگرچہ اپنے آپ کو وہی اصل معلوم کرتا ہے لیکن پھر بھی اس اصل پر کلمہ انا کا اطلاق میسر نہیں ہو سکتا اور اپنے آپ کو اپنے اصل کا عین نہیں کہہ سکتا کیونکہ خودی اس سے برطرف اور انانیت زائل ہو چکی ہوتی ہے۔ انا الحق کہنا اس نسبت کے حاصل نہ ہونے کا باعث ہے اور سبحانی زبان پر لانا اس دولت تک نہ پہنچنے کا سبب ہے لیکن اس قسم کے الفاظ کو جو ان بزرگواروں سے صادر ہوئے ہیں ان کے توسط احوال پر حمل کرنا چاہئے اور ان کے کمال کو اس گفتگو کے ماوراء اعتبار کرنا چاہئے۔ یہ دولت فناء جو نیستی کی حقیقت ہے اگرچہ تجلی صفات کا منتہا ہے لیکن اس کا حاصل ہونا تجلی ذات کے پرتو سے ہے۔ جب تک ذات متجلی نہ ہو فنا کی یہ دولت میسر نہیں ہوتی بلکہ تجلیے صفات بھی انجام تک نہیں پہنچتی۔ تا نیابی نہ رہی (جب تک تو اس کو نہ پائے گا آزاد نہ ہوگا) تجلی ذات ہی کے سبب سے عارف کا وہ بقیہ بھی جو اس کی نظر میں جمادمیت یعنی جماد بے حس و بے جان کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ زائل ہو جاتا ہے اور وہ عدم ہی تھا جو ہر ممکن کا اصل ہے' جس نے حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کے انعکاس کے باعث امتیاز و تشخیص پیدا کی تھی اور اس آئینہ داری کے باعث دوسرے عدموں سے جدا ہو گیا تھا جب یہ ظلال منعکسہ اپنے اصول سے مل گئے تو ان اعدام میں بھی کوئی امتیاز کی صورت نہ رہی اور یہ عدم خاص بھی عدم مطلق کے ساتھ مل گیا۔ اس وقت عارف کا نام و نشان اور اسم و رسم کچھ نہیں رہتا لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرْ (نہ باقی رہنے دیتا ہے اور نہ چھوڑتا ہے) جس طرح وجود اور توابع وجود اس سے وداع ہو گئے تھے اسی طرح عدم بھی اس سے جدا ہو کر اپنے اصل سے جا ملتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ وہ امتیاز جو اس عدم کو دوسرے اعدام سے ظلال صفات کے حاصل ہونے کے سبب حاصل ہوا تھا تو ہم کے اعتبار پر تھا۔ درحقیقت اس میں کوئی ظل ثابت نہ تھا' جس طرح کہ دوسرے آئینوں میں صورتوں کا حاصل ہونا تو ہم کے اعتبار سے ہے جب اس میں ظلال کا حاصل ہونا باعتبار تو ہم کے ہوگا اور اس کا امتیاز بھی وہمی ہوگا پس جس طرح ممکن کا وجود تو ہم کے اعتبار سے ہے اس کا عدم بھی تو ہم کے اعتبار سے ہوگا۔ دائرہ وہم کے باہر کہیں اس کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں ملی کیونکہ درحقیقت وجود بھی اپنی صرافت و اطلاق پر ہے اور عدم بھی اپنی صرافت و اطلاق پر نہ وجود کو تنزل ہوا ہے نہ عدم کی

ترقی ہوئی ہے یہ صانع تعالیٰ شانہ کی کمال قدرت ہے جس نے مرتبہ وہمہ میں وجود عدم سے عالم کو پیدا فرمایا ہے اور کمال استحکام بخشا ہے اور ابدی معاملہ اور دائمی ثواب و عذاب اس پر وابستہ کیا ہے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کوئی مشکل کام نہیں) اور یہ جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ اس دولت فناء کا حاصل ہونا تجلی ذات کے پرتو سے ہے یعنی نفس تجلے ذات کا حاصل ہونا اس دولت فنا کے حاصل ہونے کے بعد ہے کہ تا نہ رہی نیابی (جب تک تو آزاد نہ ہوگا اس کو نہ پائے گا) پرتو تجلی اور نفس تجلی کے درمیان وہی فرق ہے جو صبح کی سفیدی اور آفتاب کے طلوع میں ہے۔ صبح کی سفیدی کا وقت تجلی آفتاب کا پرتو ہے اور طلوع کے بعد آفتاب کی نفس تجلی ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تجلی کے پرتو ڈالنے کے بعد بعض کو نفس تجلے سے مشرف نہیں فرماتے اور بعض عوارض کے لاحق ہونے سے اس اعلےٰ دولت تک نہیں پہنچاتے جس طرح ممکن ہے کہ صبح کی سفیدی کو معلوم کریں اور زمینی یا آسمانی علت کے باعث طلوع آفتاب کو نہ پاسکیں اور نیز اسفار یعنی سفیدی صبح کے شہود میں قوت باصرہ کی چنداں ضرورت نہیں لیکن شہود آفتاب میں کمال قوت باصرہ اور بڑی تیز نظر درکار ہے۔ بیچارہ چمگاڈر اسفار کا ادراک کرسکتا ہے لیکن آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں اور ہی آنکھ چاہئے جو آفتاب کو دیکھ سکے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تجلی ذات کے پرتو کی استعداد ہوتی ہے اور نفس تجلی ذات کی استعداد نہیں ہوتی، جس طرح چمگاڈر کو تجلی آفتاب کے پرتو کی استعداد لیکن نفس تجلی آفتاب کی استعداد نہیں میں سربستہ سخن کہتا ہوں۔ شاید نفع دے تجلی صفات کے سرانجام ہونے اور صفات و ذات کے فناء حاصل ہونے کے بعد عارف پر ایک ایسی تجلی ظاہر ہوتی ہے جو تجلی ذات کی دہلیز ہے۔ گویا یہ تجلی تجلی صفات اور تجلی ذات کے درمیان برزخ ہے اگر کسی صاحب دولت کو اس تجلی سے اوپر لے جائیں تو اپنی استعداد کے موافق تجلے ذات سے حصہ حاصل کرلیتا ہے۔ فقیر کے خیال میں یہ تجلی برزخی اس تجلی ذاتی کا اصل ہے جس کو شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ نے اس عبارت سے تعبیر فرمایا ہے۔ وَالتَّجَلِّیْ مِنَ الذَّاتِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِصُوْرَةِ الْمُتَجَلّٰی لَهٗ فَا لْمُتَجَلّٰی لَهٗ مَارءِ ی سِوٰی صُوْرَتِهٖ فِیْ مِرْءَ اةِ الْحَقِّ وَمَارَئَ الْحَقَّ وَلَا یُمْکِنُ اَنْ یَرَاهُ (تجلی ذات متجلی لہ کی صورت کے سوا نہیں ہوتی کیونکہ متجلی لہ نے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے آئینہ میں دیکھا ہے نہ کہ حق تعالیٰ کو اور نہ ہی اس کو دیکھ سکتا ہے) اور شیخ اس تجلی کو تمام تجلیات کا منتہا کہتا ہے اور اس سے اوپر کوئی مقام نہیں جانتا اور اس طرح کہتا ہے۔ وَمَا بَعْدَ هٰذَا التَّجَلِّیْ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ فَلَا تَطْمَعْ وَلَا تَتْعَبْ

فِیْ اَنْ تَرَقّٰی مِنْ ھٰذِہِ الدَّرَجَۃِ اِلَی التَّجَلِّی الذَّاتِیْ (اس تجلی کے بعد محض عدم ہے تجلی ذات سے آگے ترقی کرنے کا طمع نہ کر اور ناحق اپنے آپ کو تکلف میں نہ ڈال) عجب معاملہ ہے کہ مطلوبِ حقیقی تک پہنچنا اسی تجلی سے آگے ہے اور شیخ وہاں سے ڈراتا ہے اور آیت کریمہ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ (اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے) کے موافق خوف ودھمکی دیتا ہے۔ ہم آوارہ اگر اس میں طمع نہ کریں اور اس کے حاصل ہونے میں رنج وتعب برداشت نہ کریں اور جوہر نفیس کو چھوڑ کر نکمی ٹھیکریوں پر تسلی کر بیٹھیں تو پھر ہم کس کام کے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جیسا مرتبہ ہو ویسا ہی اس سے حصہ ملتا ہے۔ وہ حصہ جو بیچون سے ملتا ہے وہ بھی بیچون ہوتا ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف راستہ نہیں۔ پس وہ معرفت بھی جو اس مرتبہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس معرفت کی طرح نہ ہوگی جو چون سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اس معرفت کی وہاں گنجائش نہیں۔ اسی واسطے کہتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ جَھْلٌ" اللہ تعالیٰ کی ذات میں علم سراسر جہل ہے یعنی اس علم کی قسم سے نہیں ہے جو ممکن سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ یہ مقولہ کیف میں سے ہے اور اس بارگاہ میں کوئی کیف نہیں اور حق تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنے سے اس واسطے منع کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ فکر وتخیل سے ماوراء ہے۔ حق تعالیٰ کو حق تعالیٰ ہی سے پاسکتے ہیں نہ کہ فکر وخیال سے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّیءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) شیخ قدس سرہ کو چاہتے تھا کہ یوں کہتا۔ وَمَا بَعْدَ ھٰذَا التَّجَلّٰی اِلَّا الْوُجُوْدُ الصِّرْفُ وَالنُّوْرُ الْمَحْضُ (کہ اس تجلی کے بعد وجود صرف اور نور محض ہے) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تجلی کے بعد جو عدم کہا ہے اس اعتبار سے کہا ہے کہ عالم صفات کا ظل ہے۔ صفات سے اوپر گزرنا اپنے عدم میں کوشش کرنا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ عارف جو صفات سے کہ اس کا اصل ہے اوپر نہ جائے اور شیون واعتبارات ذاتیہ سے آگے نہ گزرے تو اس نے کیا کام کیا اور کس لیے آیا۔ اس فناء وبقاء نے جو اس کو ہر مرتبہ میں میسر ہوا ہے۔ اس کو اصل سے اوپر جانے کے لیے دلیر کیا ہے اور راصل کے بقا سے اصل سے گزر کر اصل الاصل تک جا پہنچتا ہے۔ بیت

یُحْرَقُ بِالنَّارِ مَنْ یَمَسُّ بِھَا ‏ ‏ ‏ ‏ وَمَنْ ھُوَالنَّارُ کَیْفَ یَحْتَرِقُ

ترجمہ بیت

جلاتی آگ ہے اس کو جو ہاتھ اس کو لگاتا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ جو خود ہو آگ پھر شعلہ اسے کیونکر جلاتا ہے

شیخ قدس سرہ اگر اس ظل کے اصل تک پہنچتا تو فوق کی ترقی سے نہ خود ڈرتا نہ اوروں کو ڈراتا لیکن حسن ظن اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اس بزرگوار نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے ترقی کر لی ہوگی اور اصل معاملہ کو معلوم کر لیا ہوگا۔ کسی بزرگ کے حال کو اس کے قال کی ترازو پر نہ تولنا چاہیئے۔ شاید اس نے اس کلام کو توسط و ابتدا میں کہا ہو اور پھر وہاں سے اوپر کئی منزلیں ترقی کر گیا ہو۔ مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ" (جس کے دونوں دن برابر ہیں وہ خسارہ والا ہے) وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) تجلی ذات کی نسبت کیا لکھا جائے اور کیا لکھا جا سکے کیونکہ وہ ذوقی ہے جو وہاں پہنچے گا۔ اس کو پالے گا۔ وَمَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (اور جس نے اس کا مزہ نہیں چکھا کچھ نہیں جانتا)۔ ع

قلم اینجا رسید و سر بشکست

ترجمہ ع قلم کا سر یہاں آ کر گیا ٹوٹ

اتنا ظاہر کیا جاتا ہے کہ تجلی ذات اس عارف کے حق میں جس کے فناء کا ذکر اوپر ہو چکا ہے دائمی ہے اور جو کچھ دوسروں کے لیے برق کی طرح ہے اس کے لیے دائمی ہے۔ تجلی برقی درحقیقت تجلی ذاتی نہیں۔ اگرچہ بعض نے اس کو تجلّے ذات کہا ہے بلکہ شیون ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو سریع الاستتار یعنی جلدی پوشیدہ ہو جانے والی ہے اور جہاں تجلی ذات ہے۔ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ہے' جس کے لیے دوام لازم ہے۔ وہاں استتار اور پوشیدگی متصور نہیں۔ تجلیات کی تکونیات شیون وصفات کا نشان دیتی ہیں وہ حضرت ذات تعالیٰ ہی ہے جو تکونیات سے منزہ اور مبرا ہے او استتار یعنی پوشیدگی کی وہاں گنجائش نہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

مکتوب ۷۶

شان العلم اور اس سے اوپر کے اس مرتبہ مقدسہ کی بلندی میں جس کو نور صرف سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:

شان العلم اگرچہ شان الحیوۃ کے تابع ہے لیکن صفات و شیون کے اعتبارات کے زوال اور گر جانے کے بعد مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ میں علم کا ایک الگ ہی شان اور گنجائش ہے جو

حیات کے لیے نہیں ہے پھر اور صفات وشیون کا کیا ذکر ہے۔ یہ ایک ایسا بلند مرتبہ ہے جو تمام نسبتوں سے مجرد ہے اور نور کے اطلاق کے سوا کچھ اپنے اوپر تجویز نہیں کرتا۔ میرے خیال میں علم ہی کی وہاں گنجائش ہے۔ مگر یہ علم وہ نہیں جس کو حضوری یا حصولی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ علم بمع دونوں قسموں کے حیوۃ کے تابع ہے بلکہ وہ علم حضرت ذات کی طرح بے چون وبیچگون اور سراسر شعور بیچون ہے' جس میں عالم ومعلوم کا اعتبار نہیں۔ اس مرتبہ کے اوپر ایک اور ایسا مرتبہ ہے جس میں دوسرے شیون کی طرح علم کی بھی گنجائش نہیں۔ وہاں صرف نور ہی نور ہے جو اس بیچون وبیچگوں شعور کا اصل ہے جب اس حضرت نور کا ظل بیچوں اور بیچگوں ہے تو پھر اصل کی بیچونی کی نسبت جو عین نور ہے کیا کہا جائے تمام وجوبی وامکانی کمالات اسی نور کے ظلال ہیں اور اسی نور کے ساتھ قائم ہیں۔ وجود اسی نور سے وجود ہوا ہے اور آثار کا مبدء بنا ہے۔ مرتبہ اول چونکہ حضرت نور صرف سے انحطاط کی بو رکھتا ہے اور نور وشعور کا جامع ہے۔ اس لیے حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو مخلوق کہا ہے اور اس کی تعبیر کبھی عقل سے کی ہے اور فرمایا ہے اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اول پیدا کیا ہے وہ عقل ہے) اور کبھی اس کو نور سے یاد فرمایا ہے اور اس طرح کہا ہے۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (جو چیز خدا تعالیٰ نے اول پیدا کی وہ میرا نور ہے) دونوں کا ایک ہی مطلب ہے یعنی نور بھی ہے اور عقل وشعور بھی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ نور کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور نوری فرمایا ہے۔ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مرتبہ حقیقت محمدی ہے اور تعین اول ہے یہ حقیقت وتعین اول وہ نہیں جو صوفیہ کے درمیان متعارف ہے کیونکہ وہ تعین متعارف اگر اس تعین کا ظل بھی ہو جائے تو غنیمت ہے۔ اسی طرح عقل سے بھی وہ عقل مراد نہیں جس کو فلاسفہ نے ایجاب کے طور پر حق تعالیٰ سے صادر اول یعنی عقل فعال کہا ہے اور اسکو کثرت کے صادر ہونے کا مصدر بنایا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جہاں عین ہے وہاں امکان کی بو اور عدم کی آمیزش پائی جاتی ہے جو وجود تعالیٰ کے تعین وتمیز کا باعث ہے۔ وَبِضِدِّھَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ (اشیاء ضد سے پہچانی جاتی ہیں) حق تعالیٰ کی صفات جنہوں نے تمیز وتعین پیدا کیا ہے باوجود قدم کے واجب لذاتہا نہیں ہیں بلکہ واجب لذات واجب تعالیٰ ہیں جس کا حاصل واجب بالغیر ہے جو امکان کی اقسام سے ہے اگرچہ صفات قدیمہ میں لفظ امکان کے اطلاق سے کنارہ کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم گزرتا ہے۔ ان کے مناسب وجوب کا اطلاق ہے جو حضرت واجب تعالیٰ کی طرف سے آیا

ہے لیکن درحقیقت امکان کی وہاں گنجائش ہے کیونکہ ان کا وجوب لذاتہا نہیں بلکہ غیر کی طرف سے آیا ہے اگرچہ اس کو غیر نہیں کہتے اور غیر سے غیر مصطلح مراد لیتے ہیں لیکن اثنینیت یعنی دوئی غیریت کا تقاضا کرتی ہے۔ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَائِرَان (دو چیزیں ایک دوسرے کی مغائر ہوتی ہیں) معقول والوں کا مقررہ قضیہ ہے تعجب ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے دو تعین کو وجوبی کہا ہے اور تین تعین کو امکانی۔ حالانکہ درحقیقت تمام تعینات ظلیت کا داغ اور امکان کی بو رکھتے ہیں اگرچہ ممکن ممکن میں بہت فرق ہے کہ ایک قدیم ہے دوسرا حادث لیکن دائرہ امکان سے خارج نہیں اور عدم کی بو رکھتے ہیں۔ مرتبہ دوم جو نور صرف ہے اور لاتعین سے متعین ہے۔ اس کو بھی تو دوسروں کی طرح ذات بحت اور احدیت مجردہ خیال نہ کرے کیونکہ وہ بھی نورانیت صرف کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے کہ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَ ظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں) اگرچہ تعین نہیں لیکن مطلوب حقیقی کا حاجب ضروری ہے اگرچہ تمام حجابوں میں سے اخیر ہے حق تعالیٰ وراء الوراء ہے یہ نور صرف چونکہ دائرہ تعین میں داخل نہیں اس لیے عدم کی ظلیت سے منزہ و مبرا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) اس کی مثال نور آفتاب کی چمک کی طرح ہے جو اس کی قرص کی حاجب ہے اور اس کے عین قرص سے پراگندہ ہو کر اس کا حجاب بن گئی ہے۔ حدیث میں حجاب النور آیا ہے کہ حِجَابُہُ النُّوْرُ (یعنی حجاب اللہ تعالیٰ کا نور ہے) یہ مرتبہ عالیہ تمام تجلیات ذاتیہ سے برتر ہے۔ پھر تجلیات فعل و صفت کا ذکر کیا ہے کیونکہ تجلی تعین کی آمیزش کے بغیر متصور نہیں اور یہ مقام تمام تعینات سے برتر ہے لیکن ان تجلیات ذاتیہ کا منشا وہی نور صرف ہے اور تجلی اسی کے تصور سے متصور ہوتی ہے لَوْلَاہُ لَمَا حَصَلَ التَّجَلِّیْ (اگر یہ نہ ہوتا تو تجلی بھی حاصل نہ ہوتی) میرے خیال میں کعبہ ربانی کی حقیقت یہی نور ہے جو تمام مسجود اور تعینات کا اصل ہے جب تمام تجلیات ذاتیہ کا ملجا و ماویٰ یہی نور ہے تو پھر اوروں کے مسجود ہونے سے اس کی کیا تعریف کی جائے جب حق تعالیٰ اپنے کمال فضل و عنایت سے ہزاروں میں سے کسی ایک عارف کو اس دولت کے وصل سے مشرف فرمائے اور اس مقام میں فناء و بقاء سے سرفراز کرے تو ہوسکتا ہے کہ اس نور سے بقا حاصل کر کے فوق اور فوق الفوق سے حصہ حاصل کر لے اور اس نور کے ذریعے نور سے گزر کر اصل نور تک پہنچ جائے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے، بخشا

ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) پس معارف جس طرح نظر وفکر کے طور سے ماوراء ہیں اسی طرح کشف وشہود کے طور سے بھی ماوراء ہیں نیز ارباب کشف وشہود ان علوم کے سمجھنے میں ارباب علم وعقل کی طرح ہیں نبوت کا نور فراست ہونا چاہیئے تاکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث ان حقائق کے شیخ کی ہدایت فرمائے اور ان علوم ومعارف کے حاصل کرنے کی رہنمائی کرے جاننا چاہیئے کہ یہ نور دوسرے انوار کی طرح ہرگز ہرگز امکان کی آمیزش نہیں رکھتا نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی جوہر وعرض کی قسم سے ہے بلکہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جس پر نور کے سوا کچھ اطلاق نہیں کر سکتے اگرچہ وجوب وجود یہی ہو کیونکہ وجوب بھی اس سے کمتر ہے۔

تنبیہ: اس بیان سے کوئی یہ وہم نہ کرے کہ عارف کے حق میں حق تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابوں کا دور ہو جانا ثابت ہوتا ہے کیونکہ تمام حجابوں کے اخیر اسی نور کو کہتے ہیں اور یہ ازروئے اس حدیث کے ممتنع اور محال ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَظُلْمَۃٍ کُشِفَتْ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ مَا انْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ (اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار پردے نور اور ظلمت کے ہیں اگر کھولے جائیں تو اس کی ذات کے انوار تمام مخلوقات کو جہاں تک پڑیں جلا دیں) کیونکہ اس جگہ حجابوں کے ساتھ تحقیق وبقا ہے جو ایک دوسرے کے معدات واسباب ہیں نہ کہ حجابوں کا دور ہونا وَشَتَّانَ مَابَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو ہم پر اپنے پاس سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۷۷

حقیقت کعبہ ربانی کے اسرار اور عجز ومعرفت کے دقائق اور صلوات وکلمہ طیبہ کی نفی و اثبات کی حقیقت کے بیان میں مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے' بے شک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) مرتبہ عالیہ نور صرف کے

بعد جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبہ ربانی معلوم کیا اور لکھا ہے ایک نہایت ہی اعلیٰ مرتبہ ہے جس کو قرآن مجید کی حقیقت کہتے ہیں۔ کعبہ معظمہ قرآن مجید کے حکم سے آفاق کا قبلہ بنا ہے اور سب کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا ہے۔ امام قرآن ہے اور ماموم یعنی مقتدی پیش قدم کعبہ معظمہ یہ مرتبہ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بیچون وسعت کا مبدء ہے اور اس بارگاہ کی بیچوں و بیچگوں امتیاز کا مبدء بھی یہی درجہ بلند ہے۔ اس درجہ مقدسہ کی وسعت طول و عرض کی رو سے نہیں ہے کیونکہ یہ نقص و امکان کے نشان ہیں بلکہ ایک ایسا امر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہوں معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس مرتبہ مقدسہ کی امتیاز مزایلت و مباینت (ایک دوسرے کا زائل کرنا اور باہم فرق ہونا) کی رو سے نہیں۔ کیونکہ اس سے تبعض و تجزی یعنی بعض بعض اور جزو جزو ہونا لازم آتا ہے جو جسم و جسمانی کے لوازم سے ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِکَ (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے) اس مقام میں شے کا غیر شے فرض کرنا متصور نہیں کیونکہ غیریت اثنینیت اور مغایرت کی خبر دیتی ہے بلکہ فرض کی بھی مجال نہیں کیونکہ فرض محال کی قسم سے ہے۔ مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے مزہ نہیں چکھا اس نے اس کو نہیں پایا) بیت

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ	کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامے پیش مردم	زمرغ من بود آں نام ہم گم

ترجمہ بیت

کہوں کیا مرغ کا تجھ سے نشانہ	کہ جو عنقا سے ہے ہم آشیانہ
مگر ہے نام عنقا سب کو معلوم	مرے ہے مرغ کا بھی نام معدوم

اس مقام میں جو شے فرض کی جائے اگرچہ فرض محال ہو اور اس شے میں جس قدر دور دور جائیں اگرچہ کچھ بھی نہ چلتے ہوں ہرگز کوئی ایسا امر وہاں پیدا نہیں ہوتا' جس کو اس شے کے ساتھ ایسا اختصاص و خصوصیت حاصل ہو جو دوسری شے مفروض میں پائی نہ جائے اس کے علاوہ ان دو شے مفروض میں امتیاز ثابت ہوتا ہے اور باوجود ان احکام کے ایک دوسرے سے متمیز ہوتی ہیں۔ سُبْحَانَ مَنْ لَمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْهِ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ (پاک ہے وہ ذات جس نے معرفت سے عاجز ہونے کے سوا خلوق کے لیے اپنی طرف کوئی راستہ نہیں

بنایا) معرفت سے عاجز ہونا اولیاء بزرگ کا حصہ ہے۔ عدم معرفت اور ہے اور عجز از معرفت اور مثلاً اس مقام مقدس میں عدم امتیاز کا حکم کرنا اور ہر کمال ذاتی کو ایک دوسرے کا عین معلوم کرنا جس طرح صوفیہ کہتے ہیں کہ علم قدرت کا عین ہے اور قدرت ارادہ کا عین۔ یہاں اس مقام کے امتیاز کی عدم معرفت ہے اور اس مقام کے امتیاز کا حکم کرنا اور اس امتیاز کی کنہ کو نہ پانے کا اقرار کرنا اس مقام کے امتیاز کی معرفت سے عجز ظاہر کرتا ہے۔ عدم معرفت جہل ہے اور عجز از معرفت علم بلکہ عجز دو علموں کو متضمن ہے۔ ایک شے کا علم دوسرے اس شے کی کمال عظمت و کبریا کے باعث اس شے کی کنہ وحقیقت کو نہ پانے کا علم اور اگر اس میں تیسرے علم کو بھی داخل کرلیں تو ہوسکتا ہے اور وہ اپنے عجز وقصور کا علم ہے جو مقام عبدیت وعبودیت کی تائید کرتا ہے۔ عدم معرفت میں جو کہ سراسر جہل ہے بسا اوقات جہل مرکب کا مرض پیدا ہو جاتا ہے یعنی اپنے جہل کو جہل نہیں جانتا بلکہ علم خیال کرتا ہے لیکن عجز از معرفت میں اس مرض سے پوری پوری نجات حاصل ہوتی ہے بلکہ اس مرض کی وہاں گنجائش ہی نہیں رہتی کیونکہ اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے اگر عدم معرفت اور عجز از معرفت دونوں یکساں ہوتے تو تمام نادان عارف ہوتے اور ان کا جہل ان کے کمال کا باعث ہوتا بلکہ جو کوئی وہاں زیادہ جاہل ہوتا زیادہ عارف ہوتا کیونکہ معرفت وہاں معرفت کا نہ پانا ہے اور عجز از معرفت میں یہ معاملہ صادق اور سچا ہے کیونکہ جو کوئی معرفت سے زیادہ عاجز ہوگا معارف میں اتنا ہی وہ زیادہ عارف ہوگا۔ عجز از معرفت ایک مدح ہے جو ذم سے مشابہ ہے اور عدم معرفت محض مذمت ہے جس میں مدح کی بو بھی نہیں۔ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا بِکَمَالِ الْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِکَ سُبْحَانَکَ (یااللہ تو پاک ہے مجھے اپنی معرفت سے کمال عجز کا علم زیادہ تر عطا فرما) شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اگر اس فرق کو ملاحظہ کرتا جس کی طرف اس فقیر نے ہدایت پائی ہے تو ہرگز عجز از معرفت کو جہل نہ کہتا اور اس کو عدم علم نہ جانتا جیسے کہ اس نے کہا ہے فَمِنَّا مَنْ عَلِمَ وَمِنَّا مَنْ جَهِلَ فَقَالَ الْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ" (ہم میں سے بعض نے جان لیا اور بعض جاہل رہے' پھر کہا کہ ادراک سے عاجز ہونا بھی ادراک ہے) اس کے بعد شق اول کے علوم کو بیان کیا ہے اور ان پر بڑا فخر کیا ہے اور ان علوم کو اپنے ساتھ ہی مخصوص جان کر کہا ہے کہ خاتم الانبیاء ان علوم کو خاتم اولیاء سے اخذ کرتا ہے اور اس نے خاتم ولایت محمد یہ اپنے آپ کو کہا ہے اور اس سبب سے

خلائق کے طعن و تشنیع کا محل ہوا ہے اور فصوص کے شارحین نے ان کی توجیہات میں بڑی ہمتیں اور کوششیں صرف کی ہیں لیکن فقیر کے نزدیک یہ علوم جو شیخ نے کہے ہیں اس عجز سے کئی مرتبے نیچے ہیں بلکہ اس عجز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتے کیونکہ یہ علوم ظلال پر وابستہ ہیں اور عجز مقام اصل سے تعلق رکھتا ہے۔ سبحان اللہ اس قول کے قائل حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور وہی اس عجز کے ظہور کے مصدر ہیں جو تمام عارفوں کے سردار اور تمام صدیقوں کے رئیس ہیں۔ علم کیا ہے جو اس عجز سے سبقت لے جاسکے اور وہ کون سا قادر اور زور آور ہے جو اس عاجز یعنی حضرت صدیق سے آگے ہو سکے۔ ہاں جب حضرت صدیق ؓ کے خواجہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں اس طرح کہتا ہے تو پھر اگر حضرت صدیق کے حق میں اس طرح کہہ دے تو کیا عجب ہے اور اس کا کیا علاج کیا جائے۔ عجب معاملہ ہے کہ شیخ باوجود اس گفتگو اور ان خلاف جواز اور مخالف شطحیات کے مقبولوں میں سے نظر آتا ہے اولیاء کے زمرہ میں گنا جاتا ہے۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

ہاں کبھی دعا سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالیوں پر ہنستے ہیں۔ شیخ کا رد کرنے والا بھی خطرہ میں ہے اور اس کو اور اس کی باتوں کو قبول کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ شیخ کو قبول کرنا چاہئے اور اس کی مخالف باتوں کو قبول نہ کرنا چاہئے۔ شیخ کے قبول اور عدم قبول کے بارہ میں اوسط طریق فقیر کے نزدیک یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ میں جس کو ہم نے حقیقت قرآن مجید کہا ہے نور کا اطلاق بھی گنجائش نہیں رکھتا اور تمام کمالات ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ ہی میں رہ جاتا ہے۔ وہاں وسعت بیچوں اور امتیاز بیچگوں کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں اور آیت کریمہ قَدْ جَآءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ" (اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا) میں اگر نور سے مراد نور قرآن ہو تو ممکن ہے کہ تنزل و انزال کے اعتبار سے ہو جیسے کہ کلمہ قَدْ جَآءَکُمْ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ اس مرتبہ مقدسہ کے اوپر ایک اور نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے، جس کو حقیقت صلوٰات کہتے ہیں جس کی صورت عالم شہادت

میں منتہی نمازیوں کے ساتھ قائم ہے اور یہ جو قصہ معراج میں آیا ہے کہ قِفْ یَا مُحَمَّدُ فِاِنَّ اللّٰہَ یُصَلِّیْ (اے محمد ٹھہر جا کہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھ رہا ہے) ممکن ہے کہ اس حقیقت صلوٰۃ کی طرف اشارہ ہو، ہاں وہ عبادت جو مرتبہ تجرد و تنزہ کے لائق ہے مراتب وجوب ہی سے صادر ہوتی ہے اور قدم کے اطوار سے ہی ظہور میں آتی ہے۔ فَالْعِبَادَۃُ اللاَّ ئِقَۃُ بِجَنَابِ قُدْسِہٖ تَعَالٰی ھِیَ الصَّادِرَۃُ مِنْ مَرَاتِبِ الْوُجُوْبِ لاَ غَیْرُ فَھُوَ الْعَابِدُ وَالْمَعْبُوْدُ (وہ عبادت جو اس کی پاک بارگاہ کے لائق ہے وہ مراتب وجوب ہی سے صادر ہو سکتی ہے پس وہی عابد ہے اور وہی معبود ہے) اس مرتبہ مقدسہ میں کمال وسعت و امتیاز بیچون ہے کیونکہ حقیقت کعبہ بھی اس کا جزو ہے اور حقیقت قرآن بھی اسی کا حصہ ہے کیونکہ صلوٰت مراتب عبادات کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت ثابت ہیں کیونکہ معبودیت صرف اسی کے لیے ثابت ہے اور حقیقت صلوٰات جو تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ مقدسہ کی عبادت ہے جو اس کے اوپر ہے جس کے لیے معبودیت صرف کا استحقاق ثابت ہے اور جو کل کا اصل اور سب کا جائے پناہ ہے۔ اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ بیچون و بیچگون ہو۔ کامل انبیاء اور اولیائے بزرگ کے اقدام کا منتہا مقام حقیقت صلوٰات کے نہایت تک ہی ہے جو عابدوں کے مرتبہ عبادت کا نہایت ہے۔ اس مقام کے اوپر معبودیت صرف کا مقام ہے جہاں کسی شخص کو کسی طرح بھی اس دولت میں شرکت نہیں کہ قدم اوپر رکھ سکے اور جہاں تک کہ عابد و عابدیت کی آمیزش ہے وہاں تک نظر کی طرح قدم کے لیے بھی گنجائش ہے لیکن جب معاملہ معبودیت صرف تک جا پہنچتا ہے تو قدم کوتاہی کرتا ہے اور سیر ختم ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ نظر کو وہاں سے منع نہیں فرمایا اور اس کو استعداد کے موافق گنجائش بخشی ہے۔ ع

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے

ترجمہ ع مصیبت تھی اگر یہ بھی نہ ہوتا

ممکن ہے کہ امر قف یا محمد میں اسی کوتاہی قدم کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی اے محمد ٹھہر جاؤ اور قدم آگے نہ رکھو۔ کیونکہ اس مرتبہ صلوٰۃ کے اوپر جو مرتبہ مقدسہ وجوب سے صادر ہے حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے تجرد و تنزہ کا مرتبہ ہے جہاں قدم کے لیے کوئی جگہ اور گنجائش

نہیں ۔کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی حقیقت اسی مقام میں متحقق ہوتی ہے اور غیر مستحق خداؤں کی عبادت کی نفی اسی جگہ متصور ہوتی ہے اور معبود حقیقی کا اثبات کہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے اور عابدیت و معبودیت کے درمیان کمال امتیاز اسی جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کما حقہ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی منتہیوں کے حال کے مناسب لا معبود الا اللہ ہیں جیسے کہ شرع میں اس کلمہ کے معنی قرار پائے ہیں اور لاَ مَوْجُوْدَ وَلاَ وَجُوْدَ وَلاَ مَقْصُوْدَ کہنا ابتداء و وسط کے مناسب ہے لیکن لاَ مَقْصُوْدَ لاَ مَوْجُوْدَ وَلاَ وَجُوْدَ کے اوپر ہے جو لاَ مَعْبُوْدَ الا اللہ کا دریچہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس مقام میں نظر کی ترقی اور بینائی کی تیزی عبادت صلوٰۃ پر وابستہ ہے جو منتہیوں کا کام ہے دوسری عبادتیں صلوٰۃ کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں اور اس کے نقص کی تلافی کرتی ہیں۔ شاید اسی واسطے نماز کو بھی ایمان کی طرح حَسَنٌ لِذَاتِهٖ یعنی اصل اور ذات میں خوب اور بہتر کہتے ہیں جبکہ دوسری عبادتوں کی خوبی ذاتی نہیں۔

مکتوب ۸۷

اشتیاق و اشفاق کے اظہار اور لشکر کے ثمرات کے بیان میں عالی مرتبہ مخدوم زادوں خواجو محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام اور درود ہو) فرزندان گرامی اگرچہ ہماری دوام صحبت کے مشتاق اور خواہاں ہیں اور ہم بھی ان کے حضور ملاقات کے آرزومند ہیں لیکن کیا کریں تمام امیدیں میسر نہیں۔ع

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِی السُّفُنُ

ترجمہ ع ہوا چلتی ہے کشتی کے مخالف

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت ہے اور اس جگہ کی ایک ساعت دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر دکھائی دیتی ہے اس جگہ وہ کچھ میسر ہے کہ دوسری جگہوں میں اس کے مثل بھی میسر نہیں ہوتا۔اس مقام کے علوم و معارف جدا ہیں اور اس مجمع کے احوال و مقامات علیحدہ ہیں۔ وہ تکلیف جو بادشاہ کی طرف سے ہے اس کو اپنے مولیٰ

جل شانہ کی کمال مہربانی اور رضا مندی کا دروازہ جانتا ہے اور اپنی سعادت اس قید میں خیال کرتا ہے۔ خاص کر آج کل لڑائی اور مخالفت کے دنوں میں عجیب ہی معاملہ ہے اور ان پراگندہ وقتوں میں عجیب و غریب ناز و کرشمے ظاہر ہوتے ہیں۔ غرض ہر روز تازہ اور عجیب دولت جو پہنچتی ہے اس کے لیے فرزندوں کی جدائی میں دل تڑپتا ہے اور ان کی دوری اور نایافت سے جگر جلتا ہے۔ خیال کرتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب ہے اور مقرر ہے کہ جس قدر باپ کو بیٹے کی محبت ہوتی ہے اس قدر بیٹے کو باپ کی محبت نہیں ہوتی۔ اگرچہ فرعیت اور اصالت کا قضیہ اس امر کے برعکس حکم کرتا ہے کیونکہ اصل کو احتیاج نہیں ہوتی اور فرع سراسر اصل کی محتاج ہوتی ہے لیکن بارگاہ الٰہی سے ایسا ہی ہوا ہے کہ زیادہ شوق اصل کے لیے ثابت ہوا ہے۔ ع

در خانہ بکدخدا ماند ہمہ چیز

ترجمہ ع گھر میں سب چیز ہے گھر والے کی

اگر دہلی ہے وہ بھی تمہارا ہمسایہ ہے اور اگر آگرہ ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کرم سے قریب ہے۔ والسلام

مکتوب ۷۹

عارف کی ذات موہوب حقانی کے بیچونی اسرار اور تجلی ذات اور آخرت کی رویت کے ثبوت میں خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:

جب عارف کا معاملہ شیون و صفات سے گزر جاتا ہے اور ذات تعالیٰ و تقدس کے وجوہ و اعتبارات سے برتر پہنچ جاتا ہے اور اس مقام سے کہ جس کو ہم نے حقیقت صلوٰۃ سے تعبیر کیا ہے برتری و بلندی حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت توجہ' متوجہ الیہ کی طرح بیچون ہوتی ہیں کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راستہ نہیں اور متوجہ سے مراد عارف کی ذات ہے' جس سے تمام وجوہ و اعتبارات دور دور ہو چکے ہوتے ہیں اور کنہ سے مراد وہی ذات مجردہ ہے جو بذات خود بلا کسی وجہ و اعتبار کے اپنی مطلوب و معروف ذات و کنہ کی طرف متوجہ ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ کنہ سے مراد ذات مجردہ ہے اس لیے کہ شے کی کنہ وہ ہے جو شے کے تمام وجہ و اعتبارات کے ماوراء ہے اور شے کی ذات بھی وہی ہے جو تمام وجوہ و اعتبارات کے ماسوا ہے کیونکہ شے کے وجوہ و اعتبارات سے جو کچھ بھی اعتبار کیا جائے شے کی ذات ان سب سے ماوراء ہے۔ مرتبہ ذات

میں کسی امر کے اثبات کی گنجائش نہیں۔اس مرتبہ میں جو کچھ ثابت کیا جائے وجوہ واعتبارات میں داخل ہے۔ذات ان سب سے ماوراء ہے۔اس مقام میں نفی اور سلب کے سوا کوئی اور امر متصور نہیں۔اگر علم بامتیاز ہے تو وہ بھی سلب ہے اور اگر تعبیر وتفسیر ہے تو وہ بھی مسلوب ہے اور وہ چیز جس میں اثبات کی گنجائش نہیں اور سلب کے بغیر تعبیر میں نہیں آتی بیچونی کا حصہ رکھتی ہے اور مجہول الکیفیت ہے اور وہ توجہ جو مرتبہ ذات میں ثابت کی جاتی ہے وہ متوجہ کی عین ذات ہے اور ایک ذات کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔اس لیے وہ توجہ بھی جو عین ذات ہے بیچونی کا حصہ پالیتی ہے۔پس ثابت ہوا کہ توجہ ومتوجہ متوجہ الیہ کی طرح بیچون ہوں گے۔اگرچہ ایک بیچون اور دوسرے بیچوں میں بہت فرق ہے۔ مَالِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) توجہ اور متوجہ میں ذات کی بیچونی کا حصہ اسی لیے ثابت کیا گیا ہے کہ متوجہ الیہ صرف بیچون حقیقی ہے جب ممکن کی ذات وکنہ مجہول الکیفیت و بیچون ہو اور کچھ بھی ثابت نہ ہو تو پھر واجب تعالیٰ کی ذات جو کمال لطافت وتقدس وتنزہ میں ہے کس طرح ادراک میں آسکتی ہے اور اس سے کیا حاصل ہوسکتا ہے۔بیت

آگاہ از خویشتن چونیست جنیں   چہ خبر دار از چناں وچنیں

ترجمہ بیت

جنیں کو خبر جبکہ اپنی نہیں   وہ کیا جانتا ہے چناں وچنیں

اس ارحم الرحمین نے کمال رافت ومہربانی کو جو سراسر چون ہے بیچونی کا حصہ عطا فرمایا ہے تاکہ بیچون حقیقی سے آگاہی پیدا کرے اور اس کے ساتھ گرفتاری حاصل کرے۔ وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ۔ترجمہ ع

سخی کے کاسہ سے حصہ زمیں کو ملتا ہے

اور جنہوں نے کنہ ذات کی معرفت کو محال کیا ہے وہ معرفت متعارف ہے جو کیف وچون کی قسم سے ہے اس کا تعلق بیچون سے محال ہے لیکن وہ امر جو عالم بیچون سے ہو اور بیچون کے اتصال سے بیچون کے ساتھ واصل ہو جائے اور اس دولت عظمیٰ سے حظ حاصل کرلے وہ کیوں محال ہوگا۔ مَعْرِفَةٌ غَرِيْبَةٌ وَ مَسْئَلَةٌ عَجِيْبَةٌ قَلَّمَا ظَهَرَتْ اِلَى الْاٰنَ مِنْ اَهْلِ الْكَشْفِ وَالْعِرْفَانِ (اس معرفت غریب اور مسئلہ عجیب کو آج تک کسی اہل کشف وعرفان نے ظاہر نہیں

کیا۔ یہ ذات مجرد جو بیچونی کا حصہ رکھتی ہے اور مفصل بیان ہو چکی ہے۔ اس تام المعرفت عارف کے ساتھ مخصوص ہے جو حضرت ذات مجرد سے واصل ہوتا ہے اور اس درجہ بلند میں فناء و بقاء حاصل کر لیتا ہے اور یہ دولت اس بقاء و ذات کا اثر ہے۔ سوائے اس عارف کے باقی تمام ممکنات کو ذات کا کچھ حصہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان کی ذات ہرگز نہیں ہوتی تاکہ ان کی صفات اس ذات کے ساتھ قائم ہوں جو اپنے اصول یعنی اسماء وصفات کے ظلال اور شیون و اعتبارات کے عکوس ہوتے ہیں جو اپنے اصول یعنی اسماء وصفات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں نہ کہ کسی ایسے امر کے ساتھ کہ جس کو ذات سے تعبیر کیا جائے۔ انسان کے ساتوں لطائف جو تمام ممکنات میں سے زیادہ تر جامع ہیں کیا خفی اور کیا اخفی سب صفات ہی کا اثر ہوتے ہیں اور اس کے جسمانی وروحانی قویٰ ذات حق کے اسماء و اعتبارات کے پرتو ہوتے ہیں۔ نفس ذات کا کچھ حصہ بھی عطاء نہیں فرمایا ہوتا اور ان کو ذات کے ساتھ قیام نہیں بخشا ہوتا۔

سوال: جب اسماء وصفات کا اپنا قیام خود بخود نہیں بلکہ ان کا قیام ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ ہے تو پھر اور چیز کا قیام ان کے ساتھ کس طرح ہوگا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ دوسری چیز ان کے ساتھ اس وقت قائم نہیں ہوسکتی جبکہ وہ موجود ہو اور اگر اس نے مرتبہ وہم میں ثبوت و استقرار پیدا کیا ہو تو پھر ان کے ساتھ کیوں نہ قائم ہوگی جبکہ نہایت ہی ضعیف ہے اور یہ جو ہم نے لکھا اور کہا ہے کہ ممکن کی ذات عدم ہے یہ بعینہ ایسا ہے جیسے کہہ دیں کہ ممکن کی ذات ہے ہی نہیں۔ ذَاتُهٗ عَدَمٌ" (اس کی ذات عدم ہے اور لَا ذَاتَ لَهٗ (کوئی اس کی ذات نہیں) دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ اگرچہ فلسفی تحقیق ان دونوں مفہوموں کے درمیان تغایر ثابت کرتی ہے لیکن وہ لاحاصل ہے۔ درحقیقت ان کا مرجع ایک ہی ہے۔ عدم جب اپنے لیے نہیں ہے تو پھر دوسروں کے کام کیا آسکے اور جب اپنے آپ کو نہیں اٹھا سکتا تو دوسروں کو کس طرح اٹھا سکے۔ اس مبحث کی تحقیق یہ ہے کہ چونکہ اسماء وصفات کے عکس عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں اس لیے ان کا قیام بظاہر اس آئینے کے ساتھ دکھائی دیتا ہے اور وہ آئینہ ان کے قیام کے اعتبار سے ان کی ذات کی طرح متخیل ہوتا ہے ورنہ درحقیقت ان کا قیام اپنی اصل کے ساتھ ہے اور آئینے کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتے اور وہم کے سوا عدم کے آئینہ کے ساتھ ان کا کچھ کام نہیں۔ اس آئینہ کا جوہر یا ذات ہونا یہاں کیا گنجائش

رکھتا ہے۔ جب عدم حاضر ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا تو پھر جو ہر کس طرح ہو سکے۔ ایسا تام المعرفت عارف جو مرتبہ ذات تعالیٰ و تقدس سے واصل ہے اور جس نے ذات کے ساتھ بقاء حاصل کیا ہے ہمیشہ عنقائے مغرب کا حکم رکھتا ہے جو عزیز الوجود اور غریب الوقوع یعنی کمیاب ہے۔ اس فناء و بقاء کے بعد اس کو ایسی ذات کرامت فرماتے ہیں جس کے ساتھ اسماء و صفات کے ان ظلال و عکوس کا قیام ہوتا ہے جو اس کی حقیقت ہیں' جس طرح کہ ان کے اصول یعنی اسماء کا قیام حضرت ذات کے ساتھ ہے ان اسماء کے ظلال کا قیام اس ذات کے پرتو کے ساتھ ہوتا ہے جو اس عارف کو عطا فرماتے ہیں۔ پس یہ عارف جوہر و عرض سے مرکب ہوتا ہے اور ممکن کے باقی افراد سب اعراض ہی ہوتے ہیں جن میں جوہریت کی کچھ بو نہیں ہوتی۔ فتوحات مکی والے نے کیا اچھا کہا ہے کہ عالم اعراض مجتمعہ ہے جو ذات واحد کے ساتھ قیام رکھتے ہیں لیکن شیخ قدس سرہ دو دقیقے اس جگہ چھوڑ گیا ہے ایک یہ کہ عارف اکمل کو اس حکم سے الگ نہیں کیا دوسرے یہ کہ اس کا قیام ذات واحد کے ساتھ مقرر کیا ہے حالانکہ اس کا قیام اپنے اصل کے ساتھ ہے جو اسماء و صفات ہیں نہ کہ ذات تعالیٰ کے ساتھ اگرچہ اسماء و صفات کا قیام ذات کے ساتھ ہی ہے کیونکہ حضرت ذات کو عالم سے ذاتی استغنا ہے اس درجہ بلند کے ساتھ عالم کا قیام کیسے ہوسکتا ہے اور عالم کیا ہے جو اس مرتبہ اعلیٰ کے ساتھ قیام کی ہوش رکھے۔ بیت

ما تما شا کنان کو تاہ دست   تو درخت بلند بالائی

ترجمہ: بیت

ہم تماشا کناں ہی کوتاہ دست   تو نہایت بلند بالا درخت

اس عارف کا معاملہ عالم سے جدا ہے اور اس کا حکم عالم کے احکام سے الگ ہے۔ محبت ذاتی کے ذریعے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کے موافق اپنے اصل سے گزر کر اپنے اصل الاصل کے ساتھ معیت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو اس اصل الاصول میں فانی کر دیتا ہے اور

اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ آیت کریمہ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے) کے موافق فنا کے عوض اس کو بقاء عطا فرماتا ہے اور جس چین میں وہ فانی ہوتا تھا اسی کے ساتھ اس کو بقا بخش کر اپنی ذات و صفات و اسماء کا مظہر اور جامع آئینہ بنا دیتا

ہے۔ پس تمام افراد عالم اس عارف کی مجامعیت کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے قطرہ دریائے محیط کے مقابلہ میں کیونکہ حضرت ذات تعالیٰ کے مقابلہ میں اسماء وصفات کا کچھ قدر ومقدار نہیں۔قطرہ کا بھی دریا کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ قدر ومقدار ہے لیکن ان کا اس کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں۔اس بیان سے اس عارف کے علم ومعرفت و درک وادراک کو دوسروں کی نسبت قیاس کرنا چاہئے اور اس کی عظمت و بلندی کو سمجھنا چاہئے ۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اس صاحب دولت کو جب بقاء ذاتی سے مشرف کرتے ہیں تو ایک ایسی ذات عطا کرتے ہیں جس کے ساتھ اس کی صفات مثل علم وقدرت وغیرہ کا قیام ہوتا ہے جن کا قیام پہلے باقی تمام افراد عالم کی طرح ان کے اصول کے ساتھ تھا۔اس بقاء اکمل کے حاصل ہونے کے باوجود کلمہ انا کا اطلاق جو اس سے زائل ہوا ہوتا ہے پھر عود نہیں کرتا اور مراتب بقاء میں سے کسی مرتبہ میں اپنے اوپر کلمہ انا کا اطلاق نہیں کرسکتا کیونکہ بقاء اکمل فناء اتم پر مترتب ہے جو کلمہ انا کا نام ونشان مٹا دیتا ہے اور عود ورجوع کی بھی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ اَلزَّائِلُ لاَ یَعُوۡدُ (دور ہٹا ہوا پھر نہیں آتا) مشہور قضیہ ہے اور جو عود کرے وہ زائل نہیں ہوتا بلکہ مغلوب و مستور ہوتا ہے اور کسی عارضہ کے باعث پوشیدہ ہوتا ہے جو اس عارضہ کے دور ہونے کے بعد غالب آجاتا ہے۔ فَاِنَّ الۡمَغۡلُوۡبَ قَدۡ یَغۡلِبُ (کیونکہ کبھی مغلوب بھی غالب آجاتا ہے) جاننا چاہئے کہ مرتبہ عالیہ ذات تعالیٰ وتقدس کا حصہ اسی صاحب دولت کے ساتھ مخصوص ہے جو ذات کے حصول سے باقی ہوتا ہے اور صفات نے اس کے ساتھ قیام پایا ہوتا ہے اس کے سوا اور جو کوئی خواہ کسی قسم کا فناء و بقاء حاصل کرے۔اس کا حصہ اسماء وصفات ہی سے ہوگا نہ کہ ذات سے اگرچہ اسماء وصفات ذات سے الگ نہیں ہیں لیکن ذات کا نصیب اور ہے اور صفات کا نصیب اور اگرچہ ذات سے صفات کا الگ نہ ہونا بعض لوگوں کو وہم میں ڈال دیتا ہے اور صفات کے نصیب کو ذات کا نصیب ظاہر کرتا ہے لیکن ہر ایک کے نشانات وعلامات الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کے علوم ومعارف جدا جدا جو اس دولت عظمیٰ کے پانے والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں لیکن واضح رہے کہ تجلی ذاتی اس بزرگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوسکتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو بھی تجلی ذاتی ہو لیکن نفس ذات تعالیٰ سے نصیب حاصل نہ ہو کیونکہ تجلی ایک قسم یک

ظلیت چاہتی ہے جو مرتبہ ثانی کا ظہور ہے اور نفس ذات کا نصیب جو کہا گیا ظلیت کی تاب نہیں لاسکتا۔ بلکہ نفس تجلیے اور ظہور سے بھی روپوش ہو جاتا ہے۔ ذات کا وہ ظہور جو صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ ثابت ہو وہ بھی مرتبہ ثانی میں ذات کا ظہور ہے لیکن تجلی ذات نہیں بلکہ ذات تعالیٰ کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کی تجلی ہے کیونکہ ذات عز شانہ تمام اعتبارات کی جامع بلکہ سب سے منزہ ہے۔ اسی لیے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کی تجلی تجلی ذاتی نہیں ہوتی۔

سوال : شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کے تابعین قدس سرہم نے تعین اول کو تجلی ذات کہا ہے اور تعین عملی جملی میں جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے ذات کا ظہور ہے جو جامعیت رکھتا ہے۔

جواب : جو کچھ اس درویش کا معتقد ہے وہ یہ ہے کہ وہ ظہور عملی جملی بھی جس کو انہوں نے تعین اول سے تعبیر کیا ہے۔ تجلی ذاتی نہیں بلکہ ذات کے شیونات میں سے ایک شان سے ماخوذ ہے۔ تجلی ذات تمام شیون و اعتبارات کی جامع بلکہ تمام شیون و اعتبارات سے برتر ہے۔ اس جگہ علم کا اعتبار بھی دوسرے ان ذاتی اعتبارات کی طرح ہے جن کے وصول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدسہ کے دامن غنا سے کوتاہ ہے اگر کہیں کہ مرتبہ ثانی کا ظہور علم پر منحصر ہے کیونکہ خارج میں نفس ذات ہے پس مرتبہ ثانی میں اس کا ظہور خانہ علم میں ہوگا کیونکہ ظہور علم میں ہے یا خارج میں تیسری شق ظاہر نہیں ہوئی جس میں ظہور ثابت کیا جائے تو میں کہتا ہوں کہ وہ قادر جس نے شان علم میں جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے ظہور فرمایا ہے اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس طرح ظہور فرمائے کہ ظہور علم کا اعتبار اس ظہور جامع کا بعض اور جزو ہو بلکہ اس طرح ظہور فرمائے کہ اعتبار علم اور باقی تمام اعتبارات کی وہاں گنجائش ہی نہ ہو اور وہ ظہور جامع کا مرتبہ مرتبہ خارج اور مرتبہ علم کے ماوراء ہو جو خارج کا ظل ہو اور علم سے کچھ تعلق نہ رکھتا ہو تجلی ذات کو تعین علم کے ساتھ مقید کرنا دریا کو کوزہ میں بند کرنا بلکہ پانی سراب میں ڈھونڈنا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔ بیت

کسے در صحن کاچی قلیہ جوید   اَضَاعَ الْعُمْرَ فِیْ طَلَبِ الْمُحَالِ

ہاں علم کا امتیاز تمام ذاتی اعتبارات میں سے زیادہ تر جامع ہے جس قدر اس میں کمالات ذات کا شمول ہے اس قدر کسی اور اعتبار میں نہیں ہے۔ ہاں اگر مجاز کے طور پر ظہور علمی کو ظہور ذاتی کہیں اور اس پر تجلی ذات کا اطلاق کریں تو ہو سکتا ہے اگرچہ ان کے اطلاقات سے بعید

ہے اور ان کے مذاق سے دور ہے جیسے کہ ان کے کلام کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔

سوال: شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے آخرت کی رویت کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے۔ تمہارا معتقد اس مسئلہ میں کیا ہے؟

جواب: صورت جامعہ مذکورہ کی رویت حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اس کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے، جس نے عالم مثال میں حصول پیدا کیا ہے۔ بیت

یَرَاہُ الْمُوْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ وَ اِدْرَاکٍ وَضَرْبٍ مِنْ مِثَالٍ

ترجمہ: بیت

مومن خدا کو دیکھیں گے جنت میں خوش خصال
بے کیف و بے تصور و بے شبہ و بے مثال

حق تعالیٰ کی رویت کو صورت کی رویت پر مقرر کرنا درحقیقت حق تعالیٰ کی رویت کی نفی کرنا ہے نیز وہ صورت جو عالم مثال میں حاصل ہوا گرچہ جامع ہو لیکن عالم مثال ہی کے اندازہ پر ہوگی اور عالم مثال اگرچہ وسعت رکھتا ہے لیکن اس کے عوالم مخلوقہ میں سے ہے وہ جامعیت صورت جو اس میں ہے کیا گنجائش رکھتی ہے کہ تمام کمالات وجوبیہ ذاتیہ کی جامع ہو سکے اور سب کو ضبط کر سکے تاکہ اس مرتبہ مقدسہ کا آئینہ بن سکے اور اس کی رویت حق تعالیٰ کی رویت ہو سکے جب صفت علم جو صفات وجوبیہ میں سے ہے اور تمام ذاتی صفات میں سے جامع ہے اس امر کی گنجائش نہیں رکھتی اگرچہ تمام ذاتی صفات واعتبارات کی جامع ہے جیسے کہ اس کی تحقیق گزر چکی ہے تو پھر عالم مثال جو ممکن ومخلوق ہے اس کی صورت تمام کمالات وجوبیہ کی جامع کس طرح ہو سکتی ہے اور اگر فرضاً اور تقدیراً اس کو جامع کہیں بھی تو اس مرتبہ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہوگی اور ظل کی رویت درحقیقت اصل کی رویت نہیں ہے۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رویت آخرت کو چودھویں رات کے چاند کی رویت کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی اور ظل کی رویت ایسی ہے جیسے طشت آب میں چاند کو دیکھیں جس کو بلند فطر والے لوگ پسند نہیں کرتے اس قدر ادراک میں آتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ کا ظہور خانہ علم کے باہر حاصل ہو سکتا ہے اور مرتبہ خارج کے ظل میں ثبوت پیدا کر سکتا ہے جیسے کہ گزر چکا۔ اس ظہور جامع کا ایک ظل جامع خانہ علم میں ہوتا ہے جس کو تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں اور اس

ظل جامع کا عالم مثال میں ایک اور ظل جامع ہوتا ہے جو ظل جامع علمی کا آئینہ دکھائی دیتا ہے یہ ظل جامع مثالی جو عالم مثال میں لطیفہ کی صورت پر ظاہر ہوتا ہے اس انسانی صورت پر ثابت ہوتا ہے جو تمام مخلوقات میں سے زیادہ تر جامع ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ممکن ہے کہ اسی اعتبار سے آیا ہو لیکن حق تعالیٰ کی رویت : ہے جو ان ظہورات اور صورتوں کے ماوراء ہے اور بے کیف وبیچون کی قسم سے ہے۔ رویت آخرت پر ایمان لے آنا چاہیئے اور اس کی کیفیت اور چند وچون میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ آخرت کے خلق و وجود کو دنیا کے خلق و وجود کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تا کہ ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس کیا جائے وہاں کی آنکھ جدا ہے اور وہاں کا فہم وادراک الگ۔ اس کے لیے دوام ابدی ہے اور اس کے لیے زوال وفنا اس کے لیے سراسر لطافت و نظافت ہے اور اس کے لیے خبث و کثافت' شیخ قدس سرہ خانہ علم کے باہر حق تعالیٰ کا ظہور ثابت نہیں کرتے اور مجالی ومظاہر کے ماسوا مشاہدہ وشہود ورویت تجویز نہیں کرتے۔ ع

آں ایشانند ومن چنینم یارب

ترجمہ۔ ع وہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں خدایا

کیا کیا جائے اس میدان میں شیخ قدس سرہ ہی ہے جس کے ساتھ کبھی لڑائی ہے اور کبھی صلح کیونکہ اسی نے سخت معرفت وعرفان کی بنیاد رکھی ہے اور اس کو شرح وبسط دے کر توحید و اتحاد کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور تعدد و تکثیر کا منشا ظاہر فرمایا ہے وہی ہے جس نے وجود کو بالکل حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور عالم کو موہوم و متخیل بنایا ہے وہی ہے جس نے وجود کے لیے تنزلات ثابت کیے ہیں اور ہر مرتبہ کے احکام کو جدا کیا ہے وہی ہے جس نے عالم کو عین حق جانا ہے اور ہمہ اوست کہا ہے اور باوجود اس کے حق تعالیٰ کے مرتبہ تنزیہ کو عالم کے ماوراء معلوم کیا ہے اور اس کو دید ودانش سے منزہ ومبرا سمجھا ہے۔ ان مشائخ نے جو شیخ قدس سرہ سے پہلے ہیں اگر اس بارہ میں گفتگو کی ہے تو رموز واشارات کے طور پر کچھ بیان کیا ہے اور اس کی شرح وبسط میں مشغول نہیں ہوئے اور وہ مشائخ جو شیخ کے بعد ہیں۔ ان میں سے اکثر نے شیخ کی تقلید کی ہے اور اس کی اصطلاح کے موافق گفتگو کی ہے۔ ہم پسماندوں نے بھی اس بزرگ کی برکات سے استفادہ کیا ہے اور اس کے علوم ومعارف سے بہت فائدے حاصل کیے ہیں۔ جَزَاہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآءِ (اللہ تعالیٰ اس کو ہماری طرف سے جزاء خیر دے)

لیکن چونکہ بشریت کے موافق خطا و صواب ایک دوسرے کے ساتھ ملا جلا ہے اور انسان احکام میں کبھی خطا پر ہے اور کبھی صواب پر اس لیے اہل حق کے سواد اعظم کے احکام کی موافقت کو صواب کا مصداق اور ان کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہئے۔ کہنے والا خواہ کوئی ہو اور خواہ کوئی کلام ہو۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے عَلَيْكُمْ بِسَوَادِ الْاَعْظَمِ (تم پر سواد اعظم یعنی بڑے گروہ کی تابعداری لازم ہے) نیز مقرر ہے کہ صنعت کی تکمیل مختلف فکروں اور بہت سی نظروں کے ملنے پر موقوف ہے سیبویہ اگرچہ علم نحو کے احکام کا بانی ہے لیکن وہ نحو جس نے متاخرین کے فکروں اور نظروں کے ملنے سے کمال و تنقیح پیدا کی ہے وہ اور کچھ ہو گیا ہے اور اور ہی زیب و زینت پایا گیا ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ دوسری قسم کا بن گیا ہے اور علیحدہ احکام حاصل کر چکا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر)

مکتوب ۸۰

عارف کی ذات موہوب کی طرف اشیاء کے منسوب ہونے کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ سبحانہ کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں) ہر ایک ظل سے اصل کی طرف سیدھا شاہراہ جاتا اور کوئی خار و خس ان کے درمیان حائل نہیں اور اگر خار و خس درمیان حائل ہو تو اس کی توجہ اپنی طرف ہی ہے اور اصل کی طرف سے روگردان ہے۔ ظل صرف اصل کا امانتدار ہے کیونکہ جو کچھ وہ وجود و توابع وجود کا حسن و کمال رکھتا ہے سب اس کو اصل ہی سے ملا ہے۔ شاید عدم ہے جو اصل کے وسیلہ کے بغیر اس کے نصیب ہوا ہو اور وہ لاشے محض اور مجرد اعتبار ہے۔ اس ظل نے اپنی کمال نادانی سے اپنے اصل کو فراموش کر دیا اور اس کی امانتوں کو اپنی طرف سے خیال کر کے امانت میں خیانت کی اور باوجود ذاتی برائی کے جو عدم کے باعث رکھتا ہے اپنے آپ کو بہتر و کامل جانا لیکن اپنی طرف متوجہ ہونے اور اصل کی طرف سے روگردانی کرنے کے باوجود اس کو اپنے اصل کے ساتھ طبعی میلان و محبت حاصل

ہے خواہ اس کو خود جانے یا نہ جانے بلکہ وہ محبت جو اپنے آپ کے ساتھ رکھتا ہے در حقیقت اس کا تعلق بھی اصل کے ساتھ ہے کیونکہ وہ حسن و کمال جس سے محبت کا تعلق ہے اصل ہی کی طرف سے ہے نہ کہ اس کی اپنی طرف سے وہ اپنی طرف سے سوائے عدم اور قبح کے کچھ نہیں رکھتا جس کے ساتھ محبت کا تعلق ہو سکے جیسے کہ کئی دفعہ تحقیق ہو چکی ہے جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس کی اس خود بینی کا مرض اس سے دور ہو جاتا ہے اور جہل مرکب کو چھوڑ دیتا ہے اور امانت کو امانت والوں کی طرف سے جانتا ہے اور اپنی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اپنی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور اس کا وہ اعراض جو اصل کی طرف سے تھا اقبال کے ساتھ بدل جاتا ہے تو اس وقت اس کو رشتہ سعادت ہاتھ آ جاتا ہے اور اصل تک پہنچنے کی امید حاصل ہو جاتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ عالم حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال ہیں اس لیے اس کے اصول بھی اسماء صفات ہیں اور یہ ظلال اعراض ہیں جن کا قیام اپنے اصول یعنی اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور ان کے درمیان کوئی ایسا جوہر قائم نہیں جس کے ساتھ قائم ہوں نظام معتزلہ نے اِنَّ الْكَذُوْبَ قَدْ يَصْدِقُ (جھوٹا کبھی کبھی سچ بھی کہتا ہے) کے موافق اس بھید سے آگاہ ہو کر کہا ہے کہ عالم سب کا سب اعراض ہے اور کوئی جوہر درمیان نہیں جس کے ساتھ قائم ہو لیکن اس نے خطا کی ہے کہ اس نے ان اعراض کے قیام کو خود بخود کہا ہے اور ان کے اصول سے غافل رہا ہے جن کے ساتھ قیام رکھتے ہیں اور صوفیاء میں سے شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے عالم کو اعراض مجتمعہ فرمایا ہے اور ان کا قیام حق تعالیٰ کے ساتھ رکھا ہے نہ کہ اسماء و صفات کے ساتھ جو ان کے اصول ہیں۔ فَيَالَيْتَ شِعْرِى مَا مَعْنَى الْقِيَامِ بِالذَّاتِ الْمُجَرَّدَةِ عَنْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ وَ الْاِعْتِبَارَاتِ وَلَا مَعْنَى لِلْقِيَامِ ثُمَّ اِلَّا الْاِخْتِصَاصُ النَّاعِتُ وَلَا نَعْتَ ثُمَّ فَلَا قِيَامَ وَاَيْضًا اِنَّ الْقِيَامَ مِنْ جُمْلَةِ الْوُجُوْهِ وَالْاِعْتِبَارَاتِ الْمَنْفِيَّةِ فَلَا مَعْنٰى لِاِثْبَاتِهٖ فِى تِلْكَ الْمَرْتَبَةِ الْقُدُسَةِ (کاش میں جانتا کہ تمام وجود و اعتبارات سے مجرد ذات کے ساتھ قیام کے کیا معنی ہیں حالانکہ وہاں اختصاص ناعت کے سوا قیام کے کچھ معنی نہیں لیکن نہ وہاں نعت ہے نہ قیام اور نیز قیام وجود و اعتبارات منفیہ کی قسم سے ہے اس لیے اس مرتبہ مقدسہ میں اس کا ثابت کرنا بے فائدہ ہے) چونکہ افراد عالم اسماء و صفات کے ظلال ہیں اس لیے ان کا وصول بھی ان کے اصول تک ہوگا جو اسماء و صفات ہیں اور اگر اصول کے اصول تک پہنچ جائیں تو پھر بھی ذات مجرد و مقدس تک منتہی ہوں گے اور وہاں سے آگے نہ گزریں گے کیونکہ اسماء کی

اصالت بھی وہاں گنجائش نہیں رکھتی وہاں اسم وصفت وشان واعتبار سے غنائے ذاتی ہے۔ پس عالم کو مرتبہ مقدسہ ذات سے مایوسی اور حرمان کے سوا کچھ نصیب نہیں اور وصل واتصال کی وہاں گنجائش نہیں لیکن عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ بہت قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد کسی صاحب دولت کو فناء اتم کے بعد بقاء اکمل بخشتے ہیں اور ذات مقدس کا نمونہ اس کو عطا فرماتے ہیں جس کے ساتھ اب اس کا قیام ہوتا ہے جس طرح کہ پہلے اس کا قیام اپنے اصل کے ساتھ تھا جو اسماء وصفات ہیں اور وہ تمام اعراض سابقہ جو رکھتا تھا اور یہ ذات موہوب دونوں مل کر اس کی حقیقت ہوتی ہے یہاں پہنچ کر اس کا کمال انسانی ختم ہو جاتا ہے اور نعمت اس کے حق میں تمام ہو جاتی ہے میں ایک بات کہتا ہوں اس کو اچھی طرح سننا چاہیئے کہ اس ذات موہوب کے ساتھ صرف عارف ہی کا قیام مخصوص نہیں ہوتا بلکہ تمام افراد عالم جو اعراض مجتمعہ ہیں جس طرح پہلے اسماء وصفات کے ساتھ قیام رکھتے تھے اسی طرح اب ان کا قیام اس ذات موہوب پر وابستہ کیا ہے اور سب کو اس ایک ذات کے ساتھ قائم کیا ہے۔ ع

خاص کند بندہ مصلحت عام را

ترجمہ۔ ع خاص کر لیتا ہے اک کو تا بھلا ہو عام کا

انسان کی خلافت کا سر جو آیت کریمہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں) میں آیا ہے اس جگہ متحقق ہوتا ہے اور حدیث اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پیدا کیا) کی حقیقت اس مقام میں واضح ہوتی ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ ذات اقدس کا نمونہ اس کو عطا فرماتے ہیں میدان عبارت کی تنگی کے باعث ہے ورنہ نمونہ کی وہاں مجال نہیں جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے بزرگ ایک زمانہ میں متعدد و بے شمار نہیں ہوتے جب بے شمار قرنوں کے بعد ایک پیدا ہوتا ہے تو پھر ایک زمانہ میں متعدد کس طرح ہو سکتے ہیں اگر اس قسم کی دولت کے ظہور کی مدت مقرر کی جائے تو شاید ہی کوئی اعتبار کرے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّیْٔ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بہتری ہمارے نصیب کر) جاننا چاہیئے کہ جب عارف کو بقاء ذات سے مشرف فرمائیں تو اس کی وہ ذات موہوب بیچون اور وجود اعتبارات کے وراء ہوگی کیونکہ جو چون ہے وہ وجہ واعتبار کے ساتھ مقید ہے جب تک بیچون نہ ہو وجہ واعتبار سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اس ذات کیلئے جو بیچونی سے حصہ رکھتی ہے۔ بیچون

حقیقی کی ذات کی طرف شاہراہ ہے جس طرح ظل کی وجہ واعتبار کو اصل کے وجہ واعتبار کی طرف راستہ ہے اسی طرح ظل کی عطا فرمائی ہوئی ذات مجرد کو ذات مجرد بیچو کی طرف شاہراہ ہے اور یہ ذات موہوب عارف کی کنہ ہے کیونکہ کنہ وہ ہے جو تمام وجوہ و اعتبارات کے ماوراء ہو اور یہ ذات بھی تمام وجوہ و اعتبارات کے ماوراء ہے اور عالم کے باقی تمام افراد کی کوئی کنہ نہیں کیونکہ ان کے تمام وجود سراسر وجوہ و اعتبارات ہیں۔ اعتبارات کے سوا ان کی کوئی ذات نہیں جس کو کنہ کہا جائے۔ پس جب ان کی کنہ نہیں تو ان کو اصل کی کنہ سے کیا نصیب ہوگا۔ ہاں کنہ کو کنہ کی طرف راستہ ہے لیکن وجہ کو کنہ کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ کنہ گویا کنہ کے مقابل واقع ہے اور وجہ کو کنہ کی طرف سے انحراف ہے پھر کنہ تک کس طرح پہنچے بلکہ جوں جوں دور جائے گا اس سے دور ہوتا جائے گا۔ بیت

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی   این راہ کہ تو میروی بتر کستان است

ترجمہ۔ بیت

نہیں طرف کعبہ کو جائے گا تو ہرگز   کہ ترکسان کو جاتا ہے یہ راہ

کنہ کا کنہ کے محاذی اور مقابل ہونے کا اطلاق میدان عبارت کی تنگی کے باعث کیا گیا ہے ورنہ اس بارگاہ میں محاذات متصور نہیں لیکن چونکہ وہ معنی بیچون صورت مثالی میں محاذات کے طور پر متمثل ہوتے ہیں اس لیے مجاز کے طور پر محاذات کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر) سنو، سنو، جب افراد عالم کو جو اعراض مجتمعہ ہیں عارف کی ذات موہوب کے ساتھ قیام حاصل ہو گیا جیسے کہ گزر چکا ہے تو ان کو اس ذات عارف کے ذریعے ذات اقدس جل شانہ کے ساتھ نسبت ظاہر ہوگئی اور ان میں سے ہر ایک کو اس وسیلہ سے اس مرتبہ مقدسہ کا کچھ کچھ حصہ بھی مل گیا کیونکہ ان کی ذات ہی عارف کی ذات ہے گویا اپنی ذات کے وسیلہ سے ذات بیچون کے ساتھ بیچون رابطہ پیدا کیا ہے باوجود یکہ ذات اقدس کی طرف ان کا منسوب ہونا عارف کے واسطہ سے ہے کیونکہ وہ ذات درحقیقت عارف کی ذات ہے ایک اور عجیب بات سنو کہ جس شخص کو بذات خود ذات اقدس کی طرف انتساب حاصل ہے اور اس مرتبہ میں بیچون وصول کے ساتھ واصل ہے وہ شخص اس مرتبہ مقدسہ سے فیوض وبرکات کے حاصل کرنے میں اصالت و استقلال رکھتا ہے۔ کوئی واسطہ درمیان نہیں ہوتا کیونکہ واسطے اور وسیلے اس مرتبہ مقدسہ سے

نیچے نیچے ہیں۔ واصلوں میں سے ہر ایک شخص کو اپنی اپنی استعداد کے موافق اصالت کے طور پر اس جگہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (تمام امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۸۱

ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر میں خواجہ جمال الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے:

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے فرزند عزیز کو واضح ہو کر صحیفہ شریفہ جو ارسال کیا تھا پہنچا ظاہری و باطنی عافیت و جمعیت کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تم نے ایک واقعہ ظاہر شدہ ہوا لکھا تھا جس کی تعبیر طلب کی تھی۔ (کہ میں وضو کرنے کے در پے تھا کہ یکدم بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ گویا جان بدن سے نکل گئی جب افاقہ ہوا میں نے ایک نور دیکھا جو آفتاب کی طرح چمکتا تھا جس نے نہایت لطافت سے مجھے بے ہوش کر دیا تھا جس طرح کوئی شخص اپنے محبوب کو دیکھتا ہے اور اس کے جمال کے پرتو میں محو ہو کر اس کا نام ونشان باقی نہیں رہتا)۔ میرے فرزند کو واضح ہو کہ انسان سات لطائف مشہورہ سے مرکب ہے ہر لطیفہ کا کاروبار الگ ہے اور اس کے احوال و مواجید بھی جدا ہیں اب تک اس میرے فرزند کے احوال و اذواق لطیفہ قلب سے تعلق رکھتے تھے اور قلب کے تلوینات سے متلون تھے۔ اب یہ وارد قوی جس نے بے شعور کیا تھا لطیفہ روح پر اتر آیا ہے اور روح کو اپنے تصرف میں لایا ہے۔ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً (جب بادشاہ کسی گاؤں میں داخل ہو جاتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں اور اس کے رئیسوں کو ذلیل کر دیتے ہیں) چونکہ دانش وشعور کا منشاء روح ہے اس لیے وارد سے مغلوب ہو کر بے ہوشی طاری ہو گئی ہے اب تمہارا کاروبار لطیفہ روح کے متعلق ہے۔ آج کے حلقہ میں اس نسبت کی تکمیل کیلئے تھوڑی سی امداد و اعانت بھی وقوع میں آئی یہ اور اس کے اثر کا ظہور بھی مشہود ہوا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اس نے وسعت پیدا کی ہے اور اثر و سرایت کرنے کے در پے ہے۔ حق تعالیٰ اس کو انجام تک پہنچائے۔ دوسرا واقعہ جو لکھا تھا کہ پروین اور نبات النعش کی ملاقات اپنی منزل میں معلوم کی ہے۔ اس کی تعبیر بھی

واقع اول کی تعبیر کے مناسب ہے کیونکہ نسبت قلبی و نسبت روحی کا جمع ہونا ان دونوں قسم کے ستاروں کی ملاقات میں ظاہر ہوا ہے۔ پروین میں چونکہ ستاروں کا انتظام اور اجتماع ہے اس لیے قلب کے مناسب ہے اور بنات النعش میں چونکہ ستارے پراگندہ ہیں اس لیے روح کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا واقعہ اگر پہلے واقعہ کے بعد ظاہر ہوا ہے تو درست ہے۔ اس میں دونوں نسبتوں کے حصول کو جمع کیا ہے اور اگر پہلے ہے تو بھی درست ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نسبت حاصل ہوتی ہے لیکن ظاہر نہیں ہوتی یعنی اس کے حصول کو دکھایا ہے اور بعدازاں دوسرے واقعہ میں ظاہر کیا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جس قدر تو نے ہم کو سکھایا) والسلام۔

مکتوب ۸۲

مہاجرت یعنی جدائی کے رنج و الم کے اظہار میں بمع بعض بشارتوں کے مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید خواجہ محمد معصوم مدظلہما کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) فرزندان گرامی ظاہری و باطنی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ اس سفر و محنت میں ان دونوں بیٹوں کی جدائی کے برابر کوئی رنج و الم معلوم نہیں ہوتا کسی وقت بھی ان کی یاد سے فارغ نہیں ہوتا۔ منعم حقیقی جل شانہ کی طرف سے جس قدر زیادہ نعمت و دولت پہنچتی ہے اسی قدر دور افتادہ دوست زیادہ زیادہ یاد آتے ہیں ہر روز تازہ واقعات مسودہ اور بیاض میں لکھے جاتے ہیں لیکن کوئی نہیں جو ان کا ادراک کر سکے اور ان سے حظ اٹھائے۔ خواجہ محمد ہاشم کا وجود غنیمت ہے جو سخن فہمی کا ذوق رکھتا ہے اور کچھ نہ کچھ لذت حاصل کرتا ہے یہ لیکن اس سفر اجمیر میں تکلیفوں کی شدت کے باعث متخلفوں یعنی صحبت سے دور ماندوں اور دوستوں کی طرف سے صحیح العذر رہا ہوں۔ چند دن اور شاید ہی موافقت کریں۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے) یار بھی کم ہیں اور خوراک بھی کم۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی نہیں ہے) دوسری یہ کہ ایک رات تمہاری جدائی میں نہایت بیقرار تھا۔ نماز تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی ان یاروں

میں سے ایک کے ساتھ پادشاہی وکیل کے پاس گئے ہوتا کہ بادشاہ کے نوکر ہو اور نوکری کی تجویز اس وکیل کے سپرد کی ہے کہ جس کو لائق و قابل جانے نوکر رکھ لے اور وہ جس کو تجویز کرتا ہے ایک ورق پر اس کا چہرہ یعنی حلیہ لکھ لیتا ہے اور نوکر رکھ لیتا ہے تم تینوں میں سے تم دونوں کے چہرہ کو لکھ لیا ہے اور نوکری کیلئے پسند کرلیا ہے اور اس تیسرے یار کا چہرہ نہیں لکھا اور اس کو نوکر نہیں رکھا میں تم سے وچھتا ہوں کہ اس تیسریکا چہرہ کیوں نہیں لکھا تم نے کہا کہ چہرہ لکھنے کے وقت وکیل اپنے منہ کو اس کے منہ کے نزدیک لے گیا اور اچھی طرح ملاحظہ کر کے کہا کہ سیاہی رکھتا ہے یا اس کے قریب قریب کچھ کہا۔ اس لیے نہیں لکھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ تم دونوں کی طرف سے خاطر جمع اور تسلی ہوئی کہ تم کو قبول کر لیا لیکن اس تیسرے یار کی طرف سے دل بیزار رہا کہ تجویز دل پسند نہ ہوا۔ کاش اس کو بادشاہ کے نوکروں کی نوکری میں قبول فرما لیں۔ العاقبۃ بالخیر (انجام بخیر ہو)

مکتوب ۸۳

لشکر کے برکات میں کہ جہاں بے اختیار رہنا پڑتا ہے۔ بزرگ مخدوم زادوں کی طرف صادر فرمایا ہے:-

فرزندان گرامی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ لوگ ہر وقت ہماری محنتوں کو مدنظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی طلب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس قسم کا حسن و جمال ہے اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر دیں اور اپنے اختیار کے موافق اس کو زندگانی بخشیں اور اس کے اپنے امور اختیاری کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کے دائرہ اختیار سے باہر نکال دیں اور کَالْمَیِّتِ بَیْنَ یَدِی الْغَسَّالِ (جیسے کہ مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے) بنا دیں۔ قید کے دنوں میں جب اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالبہ کرتا تھا تو عجب حظ حاصل ہوتا تھا اور نہایت ہی ذوق پاتا تھا۔ ہاں فراغت و آرام والے لوگ مصیبت والوں کے ذوق کو کیا معلوم کر سکتے ہیں اور ان کی بلاکے جمال کو کس طرح پا سکتے ہیں۔ بچوں کا حظ شیرینی پر ہی منحصر ہے لیکن جس نے تلخی سے حظ حاصل کیا وہ شیرینی کو جو کے برابر بھی نہیں خریدتا۔

مرغ آتشخوارہ کے لذت شناسد دانہ را

ترجمہ ع مرغ آتشخوار کو آئے نہ لذت دانہ کی

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۸۴

اس طریقہ عالیہ کے آداب میں حافظ عبدالغفور کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اس راہ کے طالب کو چاہئے کہ اول اپنے عقائد کو علماء اہل حق کے عقائد کے موافق درست کرے پھر فقہ کے ضروری احکام کا علم حاصل کرے اور ان کے مطابق عمل کرے۔ اس کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکر الٰہی میں مصروف رکھے۔ بشرطیکہ ذکر کو شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو کیونکہ ناقص سے کامل نہیں ہو سکتا اور اپنے اوقات کو ذکر کے ساتھ اس طرح آباد رکھے کو فرضوں اور مؤکدہ سنتوں کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہو۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت نافلہ کو بھی موقوف رکھے اور وضو ہو یا نہ ہو ہر حال میں ذکر کرتا رہے اور کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اسی کام میں مشغول رہے اور چلنے پھرنے اور کھانے پینے اور سونے کے وقت ذکر سے خالی نہ رہے۔ بیت

ذکر گوذ کرتا تراجان است　　پاکئی دل زذکر رحمان است

ترجمہ: ذکر کر ذکر جب تلک جان ہے　　دل کی پاکی یہ ذکر رحمان ہے

دوام ذکر میں اس قدر مشغول ہو کہ مذکور کے سوا سب کچھ اس کے سینے سے دور ہو جائے اور مذکور کے سوا اس کے باطن میں کسی چیز کا نام ونشان نہ رہے حتیٰ کہ ماسوا خطرہ کے طور پر بھی دل میں نہ گزرے اور اگر تکلف سے بھی غیر کو حاضر کرنا چاہئے تو نہ ہو سکے۔ اس نسیان کے سبب سے جو مذکور کے غیر سے دل کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ نسیان جو دل کو مطلوب کے تمام کے ماسوی سے حاصل ہوتا ہے مطلوب کے حاصل ہونے کا مقدمہ ہے اور مطلوب تک پہنچنے کی خوشخبری دینے والا ہے۔ مقصود حقیقی تک پہنچنے کی نسبت کیا لکھا جائے کہ وراء الوراء ہے۔ بیت

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَ دُوْنَهَا　　قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ خُيُوْفٌ

ترجمہ بیت: ہائے جاؤں کس طرح میں یار تک　　راہ میں پر خطر کوہ اور غار ہیں

برادر عزیز کو واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سبق کو انجام تک پہنچا لے تو پھر اور سبق کی طلب کرے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۸۵

حفظ اوقات کی نصیحت میں حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

ان اطراف کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں اور تمہاری استقامت و سلامتی حق تعالیٰ سے مطلوب ہے اگر اجمیر پہنچ کر راستہ کی تکلیفوں اور گرمیوں سے کچھ نجات میسر ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ تم کو لکھوں گا اور بلالوں گا۔ جمعت کے ساتھ رہو اور اپنی ہمت کو حق تعالیٰ کی رضا مندی کے حاصل کرنے میں صرف کرو۔ فراغت و آرام طلبی کو چھوڑ دو اور حظ نفس کے پیچھے نہ پڑو اور اہل و عیال کے ساتھ حد سے زیادہ محبت اختیار نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس ضروری کام میں فتور پڑ جائے پھر ندامت اور مایوسی کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس صحبت و دولت کو غنیمت سمجھو اور ضروری امور میں عمر بسر کرو۔ اطلاع دینا ضروری تھا۔ نئے نئے معارف جو لکھے گئے ہیں سب تم کو سبب کا کام نہ دیں گے۔ ان کو سرسری نہ جانو بلکہ بڑی کوشش سے ان کا مطالعہ کرو شائدان کے پوشیدہ اسرار تم پر کھل جائیں اور سعادت کا سرمایہ ہاتھ آجائے۔ تمہارے حق میں ایک بشارت پہنچی ہے اس کو ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمد ہاشم کے حوالہ کیا ہے تاکہ تمہارے پاس پہنچادے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو ضائع نہ چھوڑے گا اور قبول فرمالے گا لیکن اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور لہو ولعب میں مشغول نہ ہونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ صحبت کی دوری تاثیر کر جائے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و تضرع کرتے رہو اور اہل حقوق کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول رکھو اور ان کی خاطر و تواضع بجالاؤ اور مستورات کے ساتھ وعظ و نصیحت سے زندگی بسر کرو اور ان کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے دریغ نہ رکھو اور تمام اہل خانہ کو نماز و صلاح اور احکام شرعی کے بجالانے کی ترغیب دیتے رہو۔ فَاِنَّكُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنْ رَّعِیَّتِکُمْ (کیونکہ تم اپنی اپنی رعیت کی نسبت پوچھے جاؤ گے) حق تعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے۔ اس کے موافق عمل بھی نصیب کرے اور اس پر استقامت بخشے۔ آمین

مکتوب ۸۶

خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کے بیان میں درویش حبیب خادم کی طرف صادر فرمایا ہے:

فضول مباحات کا مرتکب ہونا۔ خوارق کے کمتر ظاہر ہونے کا باعث ہے۔ خاص کر جبکہ فضول میں بکثرت مشغول ہو کر مشتبہ کی حد تک پہنچ جائیں اور وہاں سے محرم و حرام کے گرد آجائیں پھر خوارق کہاں اور کرامات کجا؟ مباحات کے ارتکاب کا دائرہ جس قدر زیادہ تنگ ہوگا اور قدر ضروری پر کفایت کی جائے گی۔ اس قدر کشف و کرامت کی زیادہ گنجائش ہوگی اور خوارق کے ظہور کا راستہ زیادہ تر کھل جائے گا۔ خوارق کا ظاہر ہونا نبوت کی شرط ہے۔ ولایت کی شرط نہیں کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے۔ ولایت کا اظہار واجب نہیں بلکہ اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ نبوت میں خلق کی دعوت ہے اور ولایت میں قرب حق اور ظاہر ہے کہ دعوت کا ظاہر کرنا ضروری ہے اور قرب کا چھپانا لازم ہے کسی ولی سے خوارق کا بکثرت ظاہر ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ولی ان اولیاء سے افضل ہے جن سے اس قدر خوارق ظاہر نہیں ہوئے بلکہ ممکن ہے کہ کسی ولی سے کوئی بھی خرق عادت ظاہر نہ ہوا ہو اور وہ ان اولیا سے افضل ہو جن سے خوارق بکثرت ظاہر ہوئے ہوں جیسے کہ شیخ الشیوخ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں اس امر کی تحقیق کی ہے جب انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خوارق کا کم یا زیادہ ظاہر ہونا جو نبوت کی شرط ہے ایک سے دوسرے کے افضل ہونے کا موجب نہیں ہے تو پھر ولایت میں جہاں یہ شرط نہیں تفاضل کا سبب کیوں ہوگا۔ میرے خیال میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ریاضتوں اور مجاہدوں اور اپنی جانوں پر دائرہ مباحات کو زیادہ تر تنگ کرنے سے اصلی مقصود یہ تھا کہ ظہور خوارق حاصل ہو جو ان پر واجب ہے اور نبوت کے لیے شرط ہے نہ کہ قرب الٰہی جل شانہ کے درجات تک پہنچنا کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مجتبیٰ اور برگزیدہ ہیں اور جن کو جذب و محبت کی رسی سے کھینچ لے جاتے ہیں اور بغیر تکلیف و مشقت کے ان کو قرب الٰہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ انابت وارادت ہی ہے جہاں قرب الٰہی کے درجات تک پہنچنے کے لیے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مریدوں کا راستہ ہے اور مرادوں کو ناز و نعمت کے ساتھ اپنی طرف بلا لے جاتے ہیں اور محنت کے بغیر درجات قرب تک پہنچا دیتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ریاضتیں اور مجاہدے راہ انابت واردات میں شرط ہیں لیکن راہ اجتباء میں مجاہدہ و ریاضت کی کوئی شرط نہیں۔ ہاں نافع اور سودمند ضرور ہیں۔ مثلاً کوئی شخص جس کو کشاں کشاں لے جائیں اگر وہ اس کشش کے ساتھ اپنی کوشش اور مشقت کو بھی کام میں لائے تو وہ بہت جلدی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ بہ نسبت اس کے کہ اپنی کوشش و مشقت کو چھوڑ دے اگرچہ جائز ہے کہ کبھی کشش تنہا جو زیادہ قوی ہو۔ کشش مرکب مذکور سے زیادہ تر کام کر جاتی ہے۔ پس راہ اجتباء میں سعی و تردد و مشقت کمال وصول کی شرط بھی نہ ہوا جیسے کہ نفس وصول کی شرط نہیں ہاں کچھ نہ کچھ نفع کا احتمال ضرور ہے۔ ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو ضروری مباحات پر کفایت کرنے سے مراد ہے ارباب اجتباء کو بھی اس معنی کے بغیر جو مذکور ہو چکے ہیں بہت سے نفع اور فائدے حاصل ہوتے ہیں جیسے کہ دوام جہاد اکبر اور دنیا دنیہ کی آلودگی سے طہارت و لطافت یعنی پاک وصاف ہونا وغیرہ وغیرہ' جس قدر ضروری حاجتیں ہیں وہ دنیا میں داخل نہیں ہیں اور جو فضول ہیں وہ دنیا میں سے ہیں اور ریاضتوں اور قدر ضرورت پر کفایت کرنے میں دوسرا نفع آخرت کے محاسبہ اور مواخذہ کی کمی اور عاقبت کے درجات کی بلندی ہے کیونکہ دنیا میں جس قدر محنت ہے آخرت میں اس سے کئی گنا زیادہ مسرت ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے لیے مذکورہ بالا وجہ کے سوا اور وجوہ بھی پیدا ہوگئیں اور واضح ہوگیا کہ ریاضتیں اور ضروری مباحات پر کفایت کرنا راہ اجتباء میں اگرچہ وصل کی شرط نہیں لیکن فی حد ذاتہ محمود و مستحسن ہیں بلکہ فوائد مذکورہ کے لحاظ سے ضروری و لازم ہیں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّھَیِّیٴۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے ہمارے لیے بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۸۷

حضرت ایشاں مدظلہ العالی کے مرادی و مریدی کے اسرار میں مولانا محمد صالح کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی میرا سلسلہ ارادت

بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے اور طریقہ نقشبندیہ میں اکیس اور قادریہ میں پچیس اور چشتیہ میں ستائیں واسطے درمیان ہیں لیکن میں حضرت محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ان کا پس رو ہم پیر یعنی پیچھے چلنے والا پیر بھائی بھی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس دولت کے دستر خوان پر اگرچہ طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اور اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے بے بہرہ نہیں ہوں اور اگرچہ امتی ہوں لیکن اس دولت میں ان کا شریک ہوں ہاں وہ شرکت نہیں جس سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ پیدا ہوتا ہو کیونکہ وہ کفر ہے بلکہ یہ وہ شرکت ہے جو خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے جب تک مجھے نہیں بلایا تب تک اس دولت کے دستر خوان پر حاضر نہیں ہوا اور جب تک انہوں نے نہ چاہا اس دولت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا اگرچہ اویسی ہوں لیکن مربی حاضر و ناظر رکھتا ہوں۔ طریقہ نقشبندیہ میں اگرچہ میرا پیر عبدالباقی ہے لیکن میری تربیت کا متکفل باقی جل جلالہ وعم نوالہ ہے۔ میں نے فضل سے تربیت پائی ہے اور اجتباء کے راستہ پر چلا ہوں۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے۔ میں عبدالرحمان ہوں میرا رب رحمان جل شانہ ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین ہے اور میرا طریقہ طریقہ سبحانی ہے کیونکہ تنزیہ کے راستہ سے گیا ہوں اور اسم وصفت سے ذات اقدس تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں چاہا۔ یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے جو حضرت بایزید بسطامی نے کہا ہے کہ کیونکہ اس کو اس کے ساتھ کسی قسم کی مساوات نہیں ہے۔ وہ سبحانی دائرہ نفس سے باہر نہیں اور یہ انفس و آفاق کے ماوراء ہے اور وہ تشبیہ ہے' جس نے تنزیہ کا لباس پہنچا ہے اور یہ تنزیہ ہے' جس کو تشبیہ کی گرد بھی نہیں لگی۔ اس سبحانی نے چشمہ سکر سے جوش مارا اور یہ عین صحو سے نکلا۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو معدات کے سوا نہ رکھا اور علت فاعلی میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا اور کچھ نہ بتائی۔ حق تعالیٰ کمال کرم سے اس اہتمام وغیرت کے باعث جو میرے حق میں رکھتا ہے پسند نہیں فرماتا کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا دخل ہو یا میں اس امر میں کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں۔ میں حق تعالیٰ کا تربیت یافتہ اور اس کے نامتناہی فضل وکرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں۔ ع

بر کریمان کارہا دشوار نیست

ترجمہ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَالْمِنَّۃِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالتَّحِیَّۃُ اَوَّلاً وَّاٰخِرًا (اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے جو بڑے جلال و اکرام والا ہے اور اس کے رسول پر اول آخر صلوٰۃ وسلام وتحیۃ ہو)

مکتوب ۸۸

خلیل کی خلت کے اسرار اور تعین وجودی کے اثبات میں مخدوم زادہ عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

جب حق تعالیٰ اپنے بندہ کو اپنی خلت کی دولت سے جو دراصل حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایت ابراہیمی سے سرفراز کرتا ہے تو اس کو اپنا انیس و ندیم بنالیتا ہے اور انس و الفت کی نسبت جو خلت کے لوازم سے ہے درمیان آجاتی ہے اور خلیل کے اخلاق و اوصاف کی قباحت و کراہت نظر سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ اگر قبح نظر میں رہے تو نفرت و بے الفتی کا باعث ہوگا جو مقام خلت کے منافی ہے جو سراسر الفت ہے۔

سوال: خلیل کے اوصاف کی قباحت کا نظر سے مرتفع ہونا مجاز میں ظاہر ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس موطن میں خلت کی نسبت غالب آجائے اور خلیل کے اوصاف کی برائی کو چھپا دے لیکن مرتبہ حقیقت میں کہ جہاں شے کا علم کما حقہ ہے۔ قبیح کو غیر قبیح جاننا اور اس کا خلت کی نسبت مغلوب ہونا جائز نہیں۔

جواب: ہر ایک قبیح میں حسن وخوبی کی کوئی نہ کوئی وجہ ثابت ہے۔ پس ہوسکتا کہ حسن وخوبی کی اس وجہ پر نظر کر کے اس کو حسن اور نیک جانیں اور اس کے بہتر اور نیک ہونے کا حکم کریں۔ جاننا چاہیئے کہ اس قبیح میں اگرچہ حسن مطلق پیدا نہیں ہوا لیکن چونکہ اس کے حسن کی وجہ مولیٰ جل شانہ کو ملحوظ و منظور ہے۔ اس لیے اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ (اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے) کے موافق اس کے قبیح کی تمام وجوہ پر غالب آگیا ہے اور سب کو اپنے رنگ میں رنگ کر مستحسن کر دیا ہے۔ فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ (یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں کے ساتھ بدل دیتا ہے) خدا تجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

جاننا چاہیئے کہ خلت ومحبت کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے۔ خلت عام ہے اور محبت اس

کافر و کامل کیونکہ محبت زیادہ تر انس والفت سے مراد ہے جو گرفتاری کا باعث ہو جاتی ہے اور بے قراری و بے آرامی پیدا کرتی ہے۔ خلت سراسر انس والفت و آرام ہے وہ محبت ہی ہے جس نے گرفتاری کا موجب پیدا کیا ہے اور خلت کے دوسرے افراد سے متمیز ہوئی ہے۔ گویا الگ جنس بن گئی ہے اور وہ ہنر جو محبت نے اس امتیاز میں خلت کے باقی تمام افراد کی نسبت بڑھ کر حاصل کیا ہے وہ درد وحزن ہے۔ ورنہ نفس خلت سراسر عیش در عیش اور فرح در فرح اور انس در انس ہے۔ ممکن ہے کہ اسی سبب سے حق تعالیٰ نے اپنے خلیل علٰے نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں جو رنج ومحنت کا گھر ہے عمل کا اجر کرامت فرمایا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے۔ وَاٰتَیْنَاہُ اَجْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصَّالِحِیْنَ (ہم نے اس کو دنیا میں اجر عطا کیا اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہے) چونکہ محبت درد وحزن کا موجب ہے اس لیے جس فرد میں محبت غالب ہوگی اس میں درد وحزن زیادہ تر ہوگا۔ شاید اسی سبب سے کہا ہو کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْحُزْنِ وَدَائِمَ الْفِکْرِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دردناک اور فکرمند رہا کرتے تھے) رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ (جیسی مجھے ایذا پہنچی ہے ویسی کسی نبی کو نہیں پہنچی) کیونکہ افراد انسانی میں سے فرد کامل محبت کے حاصل ہونے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ محبوب ہوئے ہیں لیکن چونکہ محبت کی نسبت درمیان آگئی ہے۔ اس لیے محبوب بھی محبّ کی طرح فریفتہ اور گرفتار ہوا ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْہِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا (ابرار کا شوق میرے لقا کے لیے بڑھ گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا شائق ہوں)

سوال: شوق مفقود میں ہوتا ہے جب اس بارگاہ جل وعلیٰ سے کوئی چیز مفقود نہیں تو پھر شوق کیسے ہوگا اور اشد شوق کیا ہوگا۔

جواب: کمال محبت کا مقتضا یہ ہے کہ دوئی دور ہو جائے اور محبّ محبوب کے ساتھ متحد ہو جائے چونکہ یہ بات مفقود ہے۔ اس لیے شوق موجود ہے اور چونکہ اتحاد کی تمنا اصلی طور پر محبوب میں موجود ہے کیونکہ محبّ صرف محبوب کے وصل پر بھی قناعت کرسکتا ہے۔

اس لیے اشد شوق محبوب کی جانب ہوگا اور متواصل الحزن حبیب کی صفت ہوگی۔

سوال: حق تعالیٰ تمام امور پر قادر ہے اور جو کچھ چاہے اس کے لیے میسر ہے۔ پس کوئی چیز

حق تعالیٰ کے حق میں مفقود نہ ہوگی تا کہ شوق متحقق ہو۔

جواب: تمنا اور چیز ہے اور اس کا ارادہ اور چیز حق تعالیٰ کی مراد اس کے ارادہ کے برخلاف نہیں ہوتی لیکن تمنا ہوتی ہے اور اس کے حاصل ہونے کا ارادہ نہیں ہوتا اور اس کا وجود نہیں چاہتی۔ ع

در عشق چنیں لوالعجبیہا باشد

ترجمہ ع عشق میں ایسی ہی ہوتی ہیں بہت باتیں عجب

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عشق میں صرف محبوب کا درد ہوتا ہے اور وصل کچھ ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ وصل کو نہیں چاہتے اور محبوب کے اتصال سے بھاگتے ہیں۔ یہ عشق کے دیوانہ پن کی باتیں ہیں بلکہ عشق کے ہنر وفن ہیں۔ مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے چکھا ہی نہیں وہ کیا جانے) اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ خلت نہایت ہی بلند اور بڑی برکت والا مقام ہے۔ عالم مجاز میں جس کسی کو دوسرے کے ساتھ انس والفت وسکونت وآرام ہے سب مقام خلت کے ظلال میں سے ہے وہ الفت جو باپ کو بیٹے کے ساتھ اور بھائی کو بھائی کے ساتھ اور عورت کو شوہر کے ساتھ ہے۔ سب خلت کی قسم سے ہے ایسے ہی ہر ایک حظ ولذت وآرام جو اچھی صورتوں اور جمیلہ مظہروں سے ثابت ہے مقام خلت ہی سے ہے لیکن محبت کچھ اور ہی چیز ہے اور اس کا منشاء بھی اور ہی ہے اگر خلت اور اس کا انس والفت درمیان نہ ہو کوئی مرکب وممکن وجود میں نہ آئے اور کوئی جزو دوسرے جزو کے ساتھ نہ ملے خاص کر جب کہ ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہوں بلکہ کوئی وجود ماہیت کے ساتھ نہ ملے اور کوئی عالم واجب تعالیٰ کی ایجاد کے تحت میں داخل نہ ہو کیونکہ حب ہی سلسلہ ایجاد کو حرکت میں لائی ہے اور وجود اشیاء کا باعث ہوئی ہے۔ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس خلق کو پیدا کیا) حدیث قدسی ہے اور حب خلت کا فرد کامل ہے جیسے کہ گزر چکا پس اگر خلت نہ ہوتی کوئی چیز موجود نہ ہوتی اور کوئی دوسرے کے ساتھ جمع نہ ہوتا اور الفت نہ پکڑتا۔ جہان کا وجود اور اس کا نظام خلت پر وابستہ ہے اگر خلت نہ ہوتی۔ نظام بھی وجود کی طرح مفقود ہوتا پس خلت ہی ایجاد کا اصل ہے۔ موجد کی جانب میں بھی اور موجود کی جانب میں بھی کیونکہ خلت ہی نے ممکن کو وجود کے قبول کرنے کے لیے مانوس کیا ہے اور اس کو ایجاد کی قید میں لائی ہے۔ بلکہ عدم نے بھی اپنے خلوت خانہ میں خلت کی بدولت آرام پایا ہے اور اپنی نیستی کے ساتھ موافقت کی ہے بلکہ اپنے نقیض کے ساتھ بھی الفت وانس پکڑا ہے اور اس کے کمالات کا مظہر ہوا ہے اور

وجود ممکنات کا واسطہ بنتا ہے۔ پس خلت تمام اشیاء سے زیادہ برکت والی ہے اور اس کی برکتیں موجود و معدوم کو شامل ہیں جب تو نے مقام خلت کے دقائق و معارف کو جان لیا اور اس کی عام برکتوں کو معلوم کرلیا اور یہ بھی جان لیا کہ مقام خلت اصالت کے طور پر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی ولایت ولایت ابراہیمی ہے تو پھر معلوم کرنا چاہئے کہ ان معارف کے برکات کے وسیلے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تعین اول حضرت وجود میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا تعین ہے اور وہ تعین اول وجودی حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب کے امام ہیں۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً (میں تجھ کو سب کا امام بنانے والا ہوں) اور حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی ملت کی متابعت پر مامور ہوئے۔ وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (حضرت ابراہیم کی سیدھی ملت کی متابعت کر) اور ان کے بعد جو پیغمبر مبعوث ہوا اس کو انہی کی متابعت کا امر ہوا اور باقی جس قدر تعینات ہیں سب اسی وجود تعین کے ضمن میں مندرج ہیں اگر تعین علمی اجمالی ہے تو وہ بھی اسی کے ضمن میں ہے اور اگر تفصیلی ہے تو وہ بھی اسی میں مندرج ہے۔ شاید اسی باعث سے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُبُوّت (پدرانہ طور پر) یاد کرتے تھے اور باقی تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اخوت (برادرانہ طور) سے اور اگر باقی تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنوت (یعنی پسرانہ طور) کے ساتھ یاد فرماتے تو بھی ہوسکتا تھا کیونکہ ان بزرگواروں کے تعینات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعین کے ضمن میں جس کو تعین علمی اجمالی کہا ہے۔ مندرج ہیں اور یہ جو صلوات منطوقہ میں آیا ہے۔ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچنا تعین اول وجودی اور ولایت ابراہیمی کے تمام کمالات کے وسیلہ کے بغیر میسر نہیں کیونکہ اس مرتبہ مقدسہ کا پہلا پردہ یہی ہے اور اسی نے غیب الغیب کی آئینہ داری فرمائی ہے اور بطن بطون یعنی باطنوں کے باطن کو ظاہر کیا ہے پس کسی کو اس کے توسط و وسیلہ سے چارہ نہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کا امر اسی لیے ہوا ہے کہ ان کی تبعیت سے ان کی ولایت تک پہنچ جائیں اور وہاں سے حضرت ذات جل شانہ تک ترقی فرمائیں۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں حالانکہ اجماع حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت پر ہے اور

نیز لازم آتا ہے کہ تجلی ذات دراصل حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور دوسروں کو ان کی تبعیت سے حاصل ہے حالانکہ اکابر صوفیہ کے نزدیک مقرر ہے کہ تجلی ذات بالا صالت حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لیے ان کی تبعیت کے باعث ہے۔

جواب: وصول بذات بھی تجلی ذات کی طرح دو قسم پر ہے ایک باعتبار نظر کے ہے دوسری باعتبار قدم کے یعنی نظر واصل ہے یا ناظر بنفس خود واصل ہے وہ قسم جو وصول نظری ہے۔ بالا صالت حضرت خلیل علیہ السلام کے نصیب ہے کیونکہ تمام تعینات میں سے زیادہ قریب حضرت ذات سے تعین اول یہ جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے جیسے کہ اوپر گزر چکا اور جب تک اس تعین تک نہ پہنچیں نظر اس سے آگے نہیں گزرتی اور وہ قسم جو باعتبار قدم کے ہے بالا صالت حضرت حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے جو محبوب رب العالمین ہیں۔ محبوبوں کو اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں خلیل نہیں جاسکتے سوائے اس کے کہ ان کی تبعیت سے ان کو وہاں تک لے جائیں۔ ہاں خلیل بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ اس کی نظر وہاں تک پہنچ جائے جہاں محبوبوں کے رئیس پہنچے ہیں اور رستہ ہی میں نہ رہ جائے۔ غرض تجلئے ذات ایک وجہ سے بالا صالت حضرت خلیل علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں اور دوسری وجہ سے وہ تجلی ذات حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں چونکہ دوسری وجہ کو مراتب قرب میں زیادہ قوت اور دخل ہے اس لیے تجلی ذات کو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ تر مناسبت حاصل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے آنحضرت ﷺ حضرت خلیل اور باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ پس فضل کلی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان انہی دو بزرگواروں کے نصیب ہے۔ اگرچہ ایک دوسرے سے افضل ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ محبوں کے رئیس ہیں جیسے کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام محبوبوں کے رئیس ہیں اس لیے المرء مع من احب کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ وہ معیت حاصل ہے جو دوسروں کے لیے نہیں۔ نیز اس بارگاہ میں ان کے لیے ایسا قدم گاہ اور مرتبہ ہے جو صرف ان کی محبت ہی کے باعث ہے جس میں کسی اور کا دخل نہیں لیکن یہ فضل ایک ایسی جزئی کی طرف راجع ہے جس کو عدیل کلی یعنی کل کے برابر کہہ سکتے ہیں

کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے بہت سے نبی اس مقام میں ان کے تابع ہیں حالانکہ فضل کلی وہی ہے جو حضرت حبیب وخلیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے۔ اگرچہ ایک ایک وجہ سے دوسرے کا تابع ہے وصول نظری میں حضرت خلیل اصل ہیں اور حضرت حبیب علیہ السلام ان کے تابع ہیں اور وصول قدمی میں حضرت حبیب اصل ہیں اور حضرت خلیل علیہ السلام ان کے تابع ہیں اور حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوصہ کمالات وفضائل جس قدر اس فقیر پر ظاہر ہوئے ہیں ان کو علیحدہ کاغذ میں درج کرنے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جاننا چاہئے کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو نبی علیہ السلام کے ذریعے حضرت ذات تعالیٰ تک پہنچتے ہیں وہ نبی حضرت ذات اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان حائل نہیں ہوتے۔ ان کو حضرت ذات سے بالا صالت نصیب حاصل ہوتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اس درجہ تک پہنچنا اسی نبی علیہ السلام کی تبعیت پر وابستہ ہے برخلاف نبی کی امت کے جو نبی کے ذریعے پہنچتی ہے اور وہ پیغمبر درمیان میں حائل ہوتا ہے۔ ہاں افراد امت میں سے ایک فرد کو بالا صالت حضرت ذات سے نصیب حاصل ہوتا ہے اس جگہ بھی نبی کا حائل ہونا مفقود ہے اور اسکی تبعیت موجود ایسے شخص قلیل بلکہ اقل ہیں۔

سوال: اس تقدیر پر اس فرد امت اور تمام انبیاء کے درمیان کیا فرق ہے کیونکہ حائل ہونا دونوں میں مفقود ہے اور تبعیت موجود۔

جواب: اس تقدیر پر اس فرد امت اور تمام انبیاء کے درمیان کیا فرق ہے کیونکہ حائل ہونا دونوں میں مفقود ہے اور تبعیت موجود۔

جواب: تبعیت فرد امت میں باعتبار شریعت کے ہے یعنی جب تک وہ نبی کی شریعت کی متابعت نہ کرے نہیں پہنچتا اور تبعیت انبیاء میں اس اعتبار سے ہے کہ نبی متبوع کے لیے اس درجہ تک پہنچنا اولاً اور بالذات ہے اور دوسروں کے لیے ثانیاً اور بالعرض کیونکہ دعوت سے مطلوب محبوب ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کے طفیل بلاتے ہیں اور اس کی تبعیت سے طلب کرتے ہیں لیکن سب ایک ہی دستر خوان کے جلیس ہیں اور ایک ہی مجلس میں اپنے اپنے درجہ کے موافق کامل طور پر لذت ونعمت پاتے ہیں وہ امتی ہی ہیں جو ان بزرگواروں کا زلہ بردار اور پس خوردہ کھانے والے ہیں ہاں ہو سکتا ہے کہ ان کے افراد امت میں سے کوئی فرد کرم خداوندی سے مخصوص ہو جائے اور ان بزرگواروں کی مجلس کا ہم نشین ہو جائے جیسے کہ گزر چکا۔

برکریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

مگر پھر بھی امت امت ہے اور پیغمبر پیغمبر۔ امتی خواہ کتنا ہی سرفراز ہو جائے اور کتنا ہی بلند درجہ حاصل کرلے پھر بھی ولی ہی ہے جس کا سر پیغمبر کے پاؤں تک پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (ہمارے مرسل بندوں کے لیے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یہی فتح مند رہیں گے اور بیشک ہمارا لشکر غالب رہے گا)

سوال: ملت ابراہیم علیہ السلام کی متابعت سے کہ جس کا ہمارے پیغمبر کو امر ہوا کیا مراد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی مستقل شریعت کے ہوتے تبعیت کا امر کیا ہوگا؟

جواب: شریعت کا مستقل ہونا تبعیت کے مخالف نہیں ہوسکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر نے شریعت کو بالا صالت اخذ کیا ہو لیکن کسی خاص امر کے حاصل ہونے کے لیے حضرت خلیل علیہ السلام کی متابعت کا امر ہوا ہو کیونکہ وہ امر اس متبوع کے خصائص میں سے ہے جس کی متابعت کا امر ہوا ہے اور اس امر کا حاصل ہونا اس متابعت کے حاصل ہونے پر موقوف ہے۔ مثلاً ایک شخص فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرتا ہے اور اس کے علاوہ متابعت کی نیت بھی کرلے اور کہے کہ اس فرض کو چونکہ ہمارے نبی نے ادا کیا ہے اس لیے ہم بھی ادا کرتے ہیں۔ اس صورت میں یقین ہے کہ ادائے فرض کے ثواب کے علاوہ متابعت کا ثواب بھی پالے گا اور اس نبی علیہ السلام کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے اس کی برکات سے استفادہ بھی کرے گا اور اس امر کی تفتیش کہ ملت کی متابعت سے مراد تمام ملت کی متابعت ہے یا بعض کی اور اگر تمام کی ہے تو بعض احکام کے منسوخ ہونے کے باوجود کل کی متابعت کس طرح درست ہے اور اگر بعض کی ہے تو پھر بھی خدشہ کے بغیر نہیں ہے اس کو علماء تفسیر نے حل کیا ہے اس طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ یہ کام علماء ظاہر کا ہے اس کو علوم صوفیاء کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ سبحان اللہ اس قسم کے عجیب وغریب معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں جن کو سن کر عجب نہیں کہ ابناء جنس بھی مجھ سے نفرت کریں اور محرم بھی مخالفت کے درپے ہو کر نامحرم اور مجرم بن جائیں۔ نہ میرا ان معارف کے حاصل ہونے میں کچھ اختیار ہے نہ ان کے اظہار میں میرا دخل ہے مجھے جتایا گیا ہے کہ تعین اول تعین وجودی ہے جو حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور ان کا

مبدء تعین ہے۔ اُتی ہزار سال کی مدت میں کسی نے نہیں سنا کہ تعین اول تعین وجودی ہے اور وہ حضرت خلیل الرحمن کا رب ہے۔ متقدمین میں اس قسم کی عبارت متعارف نہ تھی اور نہ ہی تنزل و تعین کی گنجائش تھی لیکن متاخرین میں جب اس قسم کی باتیں متعارف اور مشہور ہوئیں تو تعین اول تعین علمی جملی قرار پایا اور وہ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب مقرر ہوا۔ آج اگر اس مقرر اور ثابت شدہ امر کے برخلاف کسی سے ظاہر ہو تو خیال کرتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام کو حبیب پر فضیلت دیتا ہے اور حبیب علیہ السلام کو خلیل علیہ السلام کا جزو بناتا ہے کیونکہ تمام تعینات کو تعین اول میں مندرج جانتا ہے اگرچہ اوپر ان کے تو ہم کو دفع کیا گیا ہے اور جواب شافی کہا گیا ہے لیکن معلوم نہیں کہ اس پر کفایت کریں اور اس سے تسلی پائیں کیا کیا جائے جہالت و دشمنی و تعصب کا کوئی علاج نہیں سوائے اس کے کہ وہ مقلب القلوب اپنی قدرت کاملہ سے ان کے دلوں کو پھیر دے اور حق امر کے سننے اور قبول کرنے کے لائق بنا دے۔ حضرت خلیل علیہ السلام کی بزرگی اور ان کی شان کی بلندی امر اتبع سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو فرمایا ہے معلوم کر سکتے ہیں کہ متبوع کو تابع کے ساتھ کیا نسبت ہوتی ہے لیکن وہ محبوبیت جو حضرت خاتم الرسل کا حصہ ہے تمام مراتب قرب وفضائل پر غالب آگئی ہے اور سب سے پیش قدم اور برتر کر دیا ہے۔ قرب کے ہزار مراتب محبوبیت کی ایک نسبت کے برابر نہیں ہو سکتے محب اپنے محبوب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز جانتا ہے دوسروں کو لائق نہیں کہ اس کی مشارکت طلب کریں۔

سوال: تو نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کا رب بھی شان العلم ہے جس طرح کہ حضرت حبیب علیہ السلام کا رب بھی شان العلم ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں تفصیل کے طور پر ہے اور یہاں اجمال کے طور پر۔

جواب: وہ معرفت اس ولایت خلت کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے حاصل ہوئی تھی جب اس ولایت کی حقیقت سے متحقق ہوا تو معاملہ جیسا کہ تھا ظاہر ہو گیا۔ گویا وہ معرفت اس حقیقت کے ظل سے تعلق رکھتی تھی۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کو الہام کرنے والا ہے) ان معارف سے واضح ہوا کہ وجود عین ذات نہیں ہے بلکہ ایک تعین ہے جو حضرت ذات کے تمام تعینات سے سبق اور برتر ہے اور جس نے وجود کو عین ذات کہا ہے اس نے تعین کو لاتعلق خیال کیا ہے اور غیر ذات کو ذات سمجھا ہے اور غیریت میں مناقشہ کرنا لاحاصل ہے

کیونکہ میدان عبارت تنگ ہے۔

سوال: اس تعین اول وجودی کو کہ تو نے معلوم کیا ہے اس تعین علمی اجمالی کے ساتھ جس کو اوروں نے معلوم کیا ہے کیا نسبت ہے اور ان دونوں تعینوں کے درمیان کوئی اور تعین ہے یا نہیں؟

جواب: تعین وجودی تعین علمی سے برتر ہے اور تعین علمی سے اوپر جو حضرت ذات اور لاتعین کا مرتبہ کہا ہے یہی تعین وجودی ہے جس کو دوسروں نے حضرت ذات کا عین معلوم کیا ہے اور وجود کو ذات کا عین جانا ہے ان دونوں تعینوں کے درمیان شان الحیات ہے جو تمام شیونات سے اقدام اور اول ہے بعد ازاں شان العلم ہے جو اجمالی اور تفصیلی طور پر اس کے تابع ہے لیکن اس درمیان والے تعین کا مظہر نظر نہیں آتا۔ اس کی مناسبت حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ ہے اور اس میں سب سے زیادہ استغنائے ذاتی جلوہ گر ہے اس قدر مفہوم ہوتا ہے کہ اس کے فیوض و برکات صرف رو حانیوں تک ہی پہنچتے ہیں ۔ وَاللهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے) سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (یا اللہ تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جس قدر کہ تو نے ہمیں سکھایا بیشک تو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے)

تنبیہ: یہ جو اوپر گزرا ہے کہ وصول نظری بالا صالت حضرت خلیل علیہ السلام کے نصیب ہے اور وصول قدمی بالا صالت حضرت حبیب علیہ السلام کے نصیب ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کی وہاں گنجائش ہے جب وہاں بال کی گنجائش نہیں تو پھر قدم کی کیا مجال ہے بلکہ وصول وہاں ایک مجہول الکیفیت وصول ہے اگر صورت مثالیہ میں ازروئے نظر کے ظاہر ہوا تو وصول نظری کہتے ہیں اور اگر بلحاظ قدم کے ہو تو وصول قدمی کہتے ہیں ورنہ نظر و قدم دونوں اس بارگاہ سے حیران و پریشان ہیں۔ وَالسَّلاَمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔)

مکتوب ۸۹

شیخ روز بھان بقلی قدس سرہ کے کلام کی شرح اور توحید وجودی کے بعض دقائق کے بیان میں قاضی اسماعیل فرید آبادی کی طرف صادر فرمایا ہے:

شیخ ولی روز بھان بقلی قدس سرہ نے متصوفہ کی غلطیوں کے بیان میں فرمایا ہے کہ دوسری

غلطی یہ ہے کہ ہمہ اوست کہتے ہیں اور ان تمام متفرقہ اور حادثہ جزئیات سے ایک ہی ذات چاہتے ہیں اور رمز کے ساتھ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ہم خود وہی ہیں پس ان کافروں کے سینکڑوں خدا ہیں اور خدا تعالیٰ محدثات کے جمع وتفرقہ سے منزہ ہے وہ واحد ہے جس کی طرف جزو کو راستہ نہیں۔ وہ حلول کو قبول نہیں کرتا۔ متلون نہیں ہوتا۔ یہ لوگ اس بات سے کافر ہیں نہ اپنے آپ کو جانتے ہیں نہ خدا کو اگر ان میں سے کوئی حق ہوتا تو فنا نہ ہوتا بعض لوگوں نے روح میں غلطی کھائی ہے اور انہوں نے جسم کے بارہ میں۔ تَلَهُمُ اللهُ سُبْحَانَهٗ (اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے) انتہی (یہاں تک شیخ روز بھان قدس سرہ کا مقولہ ہے) پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت ہمہ اوست اگرچہ متقدمین صوفیاء قدس سرہم میں متعارف نہ تھی لیکن انا الحق اور سبحانی اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَاہُ وغیرہ وغیرہ کی مانند بہت باتیں سرزد ہوئی ہیں اس کلمے اور ان کلاموں کا مطلب غالباً ایک ہی ہے۔

آب چواز سر گزشت چہیک نیزہ چہ یک دست

ترجمہ سر سے پانی جب بڑھا نیزہ بھر کیا ہاتھ بھر کیا

متاخرین صوفیاء میں بھی یہ عبارت شائع اور عام ہے اور بے تکلف ہمہ اوست کہتے ہیں اور اس قول پر اصرار کرتے ہیں ان میں سے بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس قسم کی عبارتوں میں تردد رکھتے ہیں اور انکار ظاہر کرتے ہیں جو کچھ اس فقیر نے ان کے اطلاقات سے ہمہ اوست کے معنی سمجھے ہیں یہ ہیں کہ یہ تمام متفرقہ حادثہ جزئیات ایک ہی ذات تعالیٰ کا ظہور ہیں جس طرح کہ زید کی صورت بیشمار اور متعدد آئینوں میں منعکس ہو جائے اور وہاں ظہور پیدا کرلے اور ہمہ اوست کہ دیں یعنی یہ تمام صورتیں جنہوں نے بے شمار آئینوں میں نمود وظہور پیدا کیا ہے زید کی ایک ذات کا ظہور ہیں۔ یہاں کونسی جزئیت اور اتحاد ہے اور کون سا حلول وتلون ہے زید کی ذات باوجود ان تمام صورتوں کے اپنی صرافت اور اصلی حالت پر ہی ہے ان صورتوں نے اس میں نہ کچھ زیادہ کیا ہے نہ کچھ کم بلکہ جہاں زید کی ذات ہے وہاں ان صورتوں کا نام ونشان تک بھی نہیں تاکہ ان جزئیت اور اتحاد اور حلول وسریان کی نسبت پیدا کریں۔ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ کا سر اس جگہ ڈھونڈنا چاہئے کیونکہ جس مرتبہ میں حق تعالیٰ ہے وہاں جس طرح ظہور سے پہلے عالم کی گنجائش نہ تھی۔ ظہور کے بعد بھی وہاں عالم کی کوئی گنجائش نہیں۔ فَلَا جَرَمَ یَكُوْنُ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ (پس وہ بالضرور اب بھی ویسا ہی ہے جیسے کہ تھا) عجب معاملہ ہے کہ متقدمین صوفیاء میں سے بہت سے بزرگوار اس توحید آمیز عبارت سے حلول واتحاد سمجھتے ہیں اور اس عبارت کے

کہنے والوں کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قسم کی عبارتوں کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ کہنے والوں کے مذاق سے اس کو کچھ نسبت و مناسبت نہیں ہوتی۔ صاحب عوارف فرماتا ہے کہ منصور کا انا الحق اور بایزید رحمتہ اللہ علیہ کا سبحانی کہنا حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے طور پر تھا اور اگر حکایت کے طریق پر نہ ہو بلکہ حلول و اتحاد کی آمیزش درمیان ہو تو پھر ہم ان اقوال کے کہنے والوں کو رد کرتے ہیں جس طرح کہ نصاریٰ کو رد کرتے ہیں جو حلول و اتحاد کے قائل ہیں حالانکہ تحقیق سابق سے واضح ہو چکا ہے کہ اس قسم کی شطحیہ عبارتوں میں کوئی حلول و اتحاد نہیں ہے۔ اگر حمل ہے تو باعتبار ظہور کے ہے نہ کہ باعتبار وجود کے جیسے کہ انہوں نے سمجھا ہے اور حلول و اتحاد کی طرف لے گئے ہیں۔ مانا کہ یہ مسئلہ توحید متقدمین صوفیاء میں صاف اور واضح نہیں ہوا تھا ان میں سے جو کوئی مغلوب الحال ہو جاتا تھا اس سے اس قسم کے اتحاد نما توحیدی کلمات سرزد ہو جاتے تھے اور غلبہ سکر کے باعث اس کے سر کو نہ پا سکتے تھے اور ان عبارتوں کے ظاہر کو حلول و اتحاد کی آمیزش سے پھیر نہ سکتے تھے جب شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ تک نوبت پہنچی اس نے کمال معرفت سے اس مسئلہ دقیقہ کو مشرح کیا اور بابوں اور فصلوں میں تقسیم کر کے صرف ونحو کی طرح جمع کیا باوجود اس امر کے پھر بھی اس طائفہ میں سے بعض نے اس کی مراد کو نہ سمجھ کر اس کو خطا کی طرف منسوب کیا اور اس پر طعن و ملامت کی اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہے اور اس کے طعنہ لگانے والے دور از صواب ہیں۔ شیخ کی بزرگی اور اس کے علم کی زیادتی اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم کرنی چاہیے اور اس کی رد و طعن نہ کرنی چاہیے اس مسئلہ پر جوں جوں غور و بحث کی جاتی ہے متاخرین کے مختلف فکروں کے ملنے سے واضح او صاف ہوتا ہے اور حلول و اتحاد کے شبہ سے دور تر ہوتا جاتا ہے۔ وہ نحو جو متاخرین نحویوں کے مختلف فکروں کے ملنے سے واضح و صاف ہوا ہے سیبویہ و اخفش کے زمانہ میں ہرگز ایسا نہ تھا کیونکہ ہر ایک فن و صنعت کی تکمیل مختلف فکروں کے ملنے پر موقوف ہے۔ حضرت امام اعظم اور ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسئلہ خلق قرآن میں چھ مہینے تک ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے رہے اور رد و بدل فرماتے رہے چھ مہینے کے بعد یہ بات قرار پائی کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے اتنی مدت تک یہ بحث و مباحثہ اسی لیے ہوتا رہا کہ یہ مسئلہ واضح و صاف نہیں ہوا تھا اب چونکہ مختلف فکروں کے ملنے سے واضح ہو چکا ہے اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ نزاع کا موجب اگر حروف و کلمات ہیں جو کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو بے شک حادثات اور مخلوق

ہیں اور اگر مراد ان کی مدلولات ہیں تو قدیم اور غیر مخلوق ہیں ۔ یہ تنقیح مختلف فکروں کے ملنے کی برکت سے ہے اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اس عبارت کے اور معنی بھی ہیں جو حلول و اتحاد سے بعید ہیں یعنی سب نیست ہیں اور حق تعالیٰ ہی موجود ہے نہ یہ کہ یہ سب ہست ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں اس قسم کی بات کوئی بیوقوف اور نادان بھی نہیں کہتا۔ بزرگوں سے کسی طرح متصور ہو سکتی ہے چونکہ غلبہ محبت کے باعث محبوب کے سوا کچھ ان بزرگواروں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا کچھ بھی ان کے شہود میں نہیں رہتا۔ اس لیے ہمہ اوست کہہ دیتے ہیں یعنی یہ سب کچھ جو ثابت دکھائی دیتا ہے سراسر وہم و خیال ہی ہے موجود صرف حق تعالیٰ ہی ہے اس صورت میں نہ جزئیت و اتحاد کی آمیزش ہے نہ حلول دتلون کا گمان لیکن یہ فقیر اس قسم کی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اور اس قسم کے مقاصد سے مبرا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے مرتبہ تقدس و تنزہ کے لائق نہیں یہ اشیاء کیا ہیں جو اس کا مظہر ہو سکیں۔

درکدام آئینہ درآید او

ترجمہ وہ کسی آئینہ میں آتا نہیں

اور ان میں یہ طاقت و مجال کہاں ہے کہ ظہور کے اعتبار سے بھی اس پر محمول ہو سکیں اگر مظہر بھی ہیں تو اس کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر ہیں اور وہ ظل کہ جس کا مظہر ہیں ۔ حق تعالیٰ کے ظلال میں سے وہ ظلال جس سے لے کر ذات تعالیٰ تک کئی ہزار ظلال درمیان ہیں آپ نے سنا ہی ہوگا کہ اِنَّ لِلّٰهِ لَسَبعِینَ اَلفَ حِجَابٍ مِّنۡ نُوۡرٍ وَّظُلۡمَةٍ (اللہ تعالیٰ کیلئے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں) پس حق تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلیری ہے لیکن چونکہ غلبہ سکر و حال ہے اس لیے اس قدر مذموم نہیں۔ اسی طرح دوسری توجہ کے موافق بھی اپنے مشہود کو حق تعالیٰ کا عین جاننا اور اس اعتبار سے اس پر محمول کرنا بے ادبی بلکہ خلاف واقع ہے کیونکہ وہ مشہود بھی حق تعالیٰ کے کمالات کا ظل ہے حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ نیز جو کچھ مشہود ہے وہ نفی کے لائق ہے پھر وہ حق تعالیٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور جانا گیا سب حق تعالیٰ کا غیر ہے کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہئے اس مسئلہ میں جو کچھ اس حقیر کے نزدیک مختار اور شان تقدیس و تنزیہ کے مناسب ہے وہ ہمہ از وست کی عبارت ہے نہ ان معنی کے لحاظ سے جس پر علماء ظاہر کفایت کرتے اور کہتے ہیں

کہ سب کا صدر اور خلق اسی سے ہے کیونکہ یہ خود صادق اور واضح ہے بلکہ اس کے علاوہ یہاں اور علاقہ اور نسبت بھی ہے جس کی طرف علماء نے ہدایت نہیں پائی اور صوفیاء اس کو دریافت کرنے سے ممتاز ہوئے ہیں وہ اصالت وظلیت کا ارتباط اور باہمی رابطہ ہے یعنی اگر ممکن کا وجود ہے تو وجود واجب سے ناشی ہے اور اس کے وجود کا پرتو ہے اور اگر حیات ہے تو وہ بھی اسی کی صفت حیات سے پیدا ہے اور اسی کی حیات مقدسہ کا پرتو ہے۔ علم وقدرت وارادہ بھی اسی قیاس پر ہیں۔ پس صوفیاء کے طور پر عالم حق تعالیٰ سے صادر بھی ہے اور اس کے کمالات کا ظل بھی ہے اور اسی کے منزہ کمالات سے ناشی ہے مثلاً وہ وجود جو ممکن کو دیا گیا وہ ایسا امر نہیں جو خود مختار ہو اور اس کو خود بخود استقلال حاصل ہو بلکہ وہ وجود واجب تعالیٰ کے وجود کا ظل و پرتو ہے اسی طرح حیات وعلم وغیرہ جو ممکن کو بخشا گیا ہے اس قسم کے امور نہیں ہیں کہ انہوں نے صانع تعالیٰ شانہٗ سے ثبوت و استقلال پیدا کیا ہے بلکہ ان کا وجود صدور حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ سب حق تعالیٰ کے کمالات کے ظلال اور ان کمالات کی صورتیں اور مثالیں ہیں یہی اصالت اور ظلیت کا ارتباط ہے جس کی طرف صوفیہ نے ہدایت پائی ہے یہی معاملہ صوفیہ کو اعلیٰ علیین تک لے گیا ہے اور ان کو فناء و بقاء تک پہنچا کر ولایت خاصہ کے ساتھ متحقق کیا ہے چونکہ علماء ظاہر کو یہ دید میسر نہیں ہوتی اس لئے فنا و بقاء سے بہرہ مند اور ولایت خاصہ کے ساتھ متحقق نہیں ہوئے۔ صوفیاء اپنے کمالات کو واجب تعالیٰ کے کمالات کے عکس جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے کمالات کا امانتدار دیکھتے ہیں اور ان کمالات کا آئینہ معلوم کرتے ہیں جب اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کر دو) کے موافق اس امانت کو امانت والے کے حوالہ کرتے ہیں اور پوری طرح ان کمالات کو بڑے ذوق کے ساتھ اصل کو دے دیتے ہیں تو اپنے آپ کو معدوم معلوم کرتے اور میت جانتے ہیں کیونکہ وجود وحیات جب اپنے اصل کی طرف چلے گئے تو پیچھے معدوم ومیت رہ گیا اور فناء متحقق ہوگئی مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ ابیات

چوں بدانستی تو اور از نخست — سوئے آنحضرت نسب کردی درست
وآنکہ دانی کہ ظل کیستی — فارغی گر مردی وگر زیستی

ترجمہ ابیات

جبکہ تھا پہلے تو اس کو جانتا — نسبتیں اس کی طرف کرتا رہا

ظل ہے کس کا تو گر یہ جان لے تو ہے فارغ گر مرے تو گر جئے

اس فنا کے بعد اگر اس کو بقاء سے مشرف کرنا چاہیں تو دوبارہ اس کو وجود اور توابع وجود یعنی صفات کاملہ اس کو عطا فرماتے ہیں اور دوسری ولایت کے ساتھ اس کو متحقق کرتے ہیں۔ لَنْ يَلِجَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰاتِ مَنْ لَمْ يُوْلَدْ مَرَّتَيْنِ (جو شخص دوبارہ پیدا نہ ہوا آسمانوں کے ملکوت میں داخل نہیں ہوسکتا)۔ ع

هَنِيْئاً لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

ترجمہ ع مبارک منعموں کو اپنی نعمت

بار خدایا میدان عبارت کی تنگی کے باعث وہ الفاظ جن کا اطلاق شرع میں وارد نہیں ہوا ہے جیسے کے ظلیت وغیرہ کا اطلاق کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کا ظل ہے اور اس کی صفات حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کے ظلال ہیں۔ ان اطلاقات سے بہت ڈرتا اور کانپتا ہوں لیکن چونکہ تیرے اولیاء نے مجھ سے پہلے ان اطلاقات پر سبقت کی ہے اس لیے معافی کا امیدوار ہوں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَانَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

جاننا چاہیئے کہ سابقہ تحقیق سے واضح ہوا کہ صوفیاء جو کلام ہمہ اوست کے قائل ہیں عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول وسریان ثابت نہیں کرتے بلکہ ظہور وظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں نہ کہ وجود وتحقیق کے اعتبار سے اگرچہ ان کی ظاہر عبارت سے اتحاد وجودی کا وہم گزرتا ہے لیکن ہرگز ہرگز ان کی یہ مراد نہیں کیونکہ یہ کفر والحاد ہے جب ایک کا دوسری پر حمل کرنا باعتبار ظہور کے ہے نہ باعتبار وجود کے تو پھر ہمہ اوست کے معنی ہمہ از وست ہیں کیونکہ شے کا ظل اسی شے سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ غلبہ حال میں ہمہ اوست کہتے ہیں لیکن درحقیت اس عبارت سے ان کی مراد ہمہ از وست ہے۔ پس اس بیان کے موافق ان کی کلام پر اعتراض کرنے اور اس کلام کے کہنے والے کو کافر گمراہ کہنے کی کوئی مجال نہیں رہی۔ واضح ہو کہ ظل شے سے مراد اس شے کے ظہور سے ہے۔ دوسری یا تیسری یا چوتھی مرتبہ میں مثلاً زید کی صورت میں جو آئینہ میں منعکس ہوئی ہے وہ مرتبہ دوم میں زید کا ظل اور اس کا ظہور ہے اور زید فی حد ذاتہ اپنے وجود اصلی کے مرتبہ میں ہے جس نے اپنے آپ کو ظل کے طور پر آئینے میں ظاہر کیا ہے بغیر اس بات کے کہ اس کی ذات وصفات میں تغیر وتبدل واقع ہو جیسے کہ گزر چکا۔

رَبَّنَآ اَتمِمْ لَنا نُورَنَا وَاغفِرلَنا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ'' (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش' تو تمام چیزوں پر قادر ہے) وَالسَّلامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۹۰

اس سوال کے جواب میں جو عارفوں کے مشاہدہ قلب کی حقیقت کے بارہ میں کیا گیا تھا فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:

آپ نے پوچھا تھا کہ بعض محقق صوفیاء دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کی رویت اور مشاہدہ ثابت کرتے ہیں جیسے کہ شیخ عارف نے اپنی کتاب عوارف میں فرمایا ہے۔ کہ مَوْضِعُ الْمُشَاھِدَةِ بَصَرُ الْقَلْبِ (مشاہدہ کا محل دل کی آنکھ ہے) اور شیخ ابو اسحاق کلا بادی قدس سرہ جو اس طائفہ عالیہ کے قدماء و رؤساء میں سے ہے اپنی کتاب تعرف میں لکھتا ہے کہ اَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّہٗ لَا یُرٰی فِی الدُّنْیَا بِالْاَبْصَارِ وَلَا بِالْقُلُوْبِ اِلَّا مِنْ جِھَةِ الْاِیْقَانِ (اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں ایقان کی جہت کے سوا آنکھوں اور دلوں سے نہیں دیکھ سکتے) ان دونوں تحقیقوں میں موافقت کس طرح ہے آپ کی رائے کس تحقیق کے مطابق ہے اور باوجود اختلاف کے اجماع کے کیا معنی ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ آپ کو واضح ہو کہ اس مسئلہ میں فقیر کے نزدیک صاحب تعرف قدس سرہ کا قول مختار ہے اور جانتا ہے کہ دلوں کو اس بارگاہ سے ایقان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ خواہ اس کو رویت خیال کریں یا مشاہدہ جب دل کو رویت حاصل نہ ہو تو آنکھ کو کیسے حاصل ہو گی جو اس معاملہ میں بیکار و معطل ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایقان کے معنی و حقیقت جو قلب کو حاصل ہوتی ہے۔ عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور موقن بہ (جب پر یقین لایا گیا ہے) مرئی کی صورت میں ظہور کرتا ہے کیونکہ عالم مثال میں ہر معنی و حقیقت کی ایک صورت ہے جو عالم شہادت کی صورت کے مناسب ہے جب عالم شہادت میں کمال یقین رویت میں ہے تو وہ ایقان بھی عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب ایقان رویت کی صورت میں ظاہر ہو تو اس کا مُتَعَلِّق یعنی موقن بہ بھی مرئی کی صورت میں ظاہر ہو گا جب سالک اس کو عالم مثال کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے تو آئینہ کے واسطہ سے غافل ہو کر صورت کو حقیقت جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ

رویت کی حقیقت حاصل ہوئی ہے اور مرئی ظاہر ہوا ہے۔ نہیں جانتا کہ وہ رویت اس کے ایقان کی صورت ہے اور مرئی اس کے موقن بہ کی صورت۔ اس مقام پر بھی صوفیاء غلطی کھا جاتے ہیں اور صورتیں اپنی حقیقتوں سے مل جل جاتی ہیں جب یہ دید غالب آ جاتی ہے اور باطن سے ظاہر میں اثر کر جاتی ہے تو سالک کو یہ وہم گزرتا ہے کہ رویت بصری بھی حاصل ہوگئی ہے اور مطلوب گوش سے آغوش میں آ گیا ہے اور نہیں جانتا کہ اس مطلب کا حاصل ہونا جب اصل یعنی بصیرت میں بھی تلبس وتوہم پر مبنی ہے تو پھر جو اس عالم میں اس کی فرع ہے۔ اس مطلب کے لائق کیسے ہوگی اور اس کو کہاں رویت حاصل ہوگی حالانکہ رویت قلبی میں بھی بہت سے صوفیاء نے وہم وشک کیا ہے اور اس کے وقوع کا حکم کیا ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا جو رویت بصری کے وقوع کا وہم کرتا ہوگا کیونکہ اہل سنت وجماعت کے اجماع کے مخالف ہے۔

سوال: جب عالم مثال میں موقن بہ کی صورت پیدا ہوگی تو لازم ہوا کہ حق تعالیٰ کی وہاں صورت ہے۔

جواب: تجویز کیا ہے کہ اگرچہ حق تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے اور جائز رکھا ہے کہ مثال میں کسی صورت پر ظہور فرمائے چنانچہ صاحب فصوص قدس سرہ نے رویت اخروی کو بھی لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے۔ اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ مثال میں موقن بہ کی وہ صورت حق تعالیٰ کی صورت نہیں۔ بلکہ صاحب ایقان کے مکشوف کی صورت ہے۔ جس کے ساتھ اس کے ایقان کا تعلق ہے اور وہ مکشوف حق تعالیٰ کی ذات کے بعض وجوہ واعتبارات میں سے ہے۔ نہ کہ حق تعالیٰ کی ذات اسی واسطے جب عارف کا معاملہ ذات جل شانہ تک پہنچتا ہے تو پھر اس قسم کے تخیلات پیدا نہیں ہوتے اور کوئی رویت ومرئی خیال میں نہیں آتا کیونکہ مثال میں ذات اقدس کی کوئی صورت موجود نہیں جس کو مرئی کی صورت میں ظاہر کرے اور اس کے ایقان کو رویت کی صورت میں جتلائے۔ یا ہم یوں کہتے ہیں کہ عالم مثال میں معانی کی صورتیں ہیں۔ نہ کہ ذات کی صورت چونکہ عالم بتمامہ اسماء وصفات کے مظہر ہیں۔ اس لئے ذاتیت سے بہرہ نہیں رکھتے۔ چنانچہ ہم نے اس کی تحقیق کئی جگہ کی ہے۔ پس وہ مرئی بتمامہ معانی کی قسم سے ہوگا اور مثال میں اس کی صورت موجود ہوگی۔ کمالات وجوبی میں کہ جہاں صفت وشان ہے جو ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں اور معانی کی قسم سے ہیں۔ اگر مثال میں ان کی صورت ہو اگرچہ یہ بھی سراسر نقص ہے تو ہوسکتا ہے لیکن اس کی ذات اقدس ہرگز صورت کے مراتب میں

سے کسی مرتبہ میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ صورت سے تحدید و تقیید لازم آتی ہے اور تقیید خواہ کسی مرتبہ میں ہو جائز نہیں کیونکہ مراتب جو سب اسی کی مخلوق ہیں۔ کہاں گنجائش رکھتے ہیں کہ اپنے خالق کو محدود و مقید کر سکیں اور جس کسی نے اس بارگاہ جل شانہ میں مثال کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ وجوہ و اعتبارات کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ عین ذات تعالیٰ کے اعتبار سے۔ اگرچہ حق تعالیٰ کے وجوہ و اعتبارات میں بھی مثال کا تجوز کرنا اس فقیر پر گراں ہے۔ ہاں اگر اس کے ظلال بعیدہ میں سے کسی ظل میں تجویز کی جائے تو بجا ہے۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ عالم مثال میں معانی اور صفات کی صورتوں کے نقش موجود ہیں۔ نہ کہ ذات اقدس کے۔ پس صاحب فصوص نے جو رویت اخروی کو صورت مثالیہ میں تجویز کیا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ وہ حق تعالیٰ کی رویت نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی صورت کی رویت بھی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں جس کے ساتھ رویت کا تعلق ہو اور اگر مثال میں کوئی صورت ہے تو وہ اس کے ظلال بعیدہ میں سے کسی ظل کی ہے۔ پس اس کی رویت حق کی رویت نہیں۔ شیخ قدس سرہ حق تعالیٰ کی رویت کی نفی میں معتزلہ و فلاسفہ سے کچھ کم نہیں۔ کیونکہ رویت کو اس طرح ثابت کرتا ہے جس سے رویت کی نفی لازم آتی ہے اور اس میں صریح طور پر رویت کی نفی کرنے کی نسبت زیادہ بلیغ طور پر رویت کی نفی ہے کیونکہ اَلْكِنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِيْحِ (کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے) قضیہ مقررہ ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس جماعت کا مقتداء ان کی اپنی بھدی عقل ہے اور شیخ کا مقتداء اپنا بعید از صحت یعنی غلط کشف۔ شاید مخالفوں کے ناتمام دلائل نے شیخ کے متخیلہ میں مقام کر کے اس کے کشف کو بھی اس مسئلہ میں صواب سے منحرف کر دیا ہے اور ان کے مذہب کی طرف مائل کر دیا ہے لیکن چونکہ خود اہل سنت و جماعت سے ہے۔ اس لئے صورت کے طور پر اس کو ثابت کیا ہے اور اس پر کفایت کر کے اسی کو رویت خیال کیا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر) اس مسئلہ دقیقہ کی وہ تحقیق بھی جو کتاب عوارف کے بعض مقامات کے حل میں لکھی ہے۔ تحریر ہو چکی ہے۔ اجماع کے بارے میں جو آپ نے دریافت کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت تک ایسا خلاف جو اعتبار کے لائق ہو۔ ظاہر نہ ہوا ہو یا اپنے زمانہ کے مشائخ کا اجماع مراد ہو۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ (اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو زیادہ جانتا ہے۔)

مکتوب ۹۱

ان سوالوں کے جواب میں جو معرفت و ایمان حقیقی کے درمیانی فرق کی نسبت کیے گئے تھے۔ مولانا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ برادرم عزیز کا صحیفہ شریفہ جو شیخ سجاول کے ہمراہ ارسال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ آپ سلامت وعافیت سے ہیں۔ چند سوال جو آپ نے درج کئے تھے۔ ان کے جواب میں جو کچھ دل میں آیا ہے، لکھا جاتا ہے۔ اس پر اچھی طرح غور وتوجہ فرمائیں۔

سوال اول: معرفت اور ایمان حقیقی کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب: معرفت اور ہے اور ایمان اور کیونکہ معرفت کے معنی پہچاننے کے ہیں اور ایمان کے معنی گرویدہ ہونا اور یقین کرنا شناخت اور پہچان ہوسکتی ہے لیکن یقین نہیں ہوسکتا۔ اہل کتاب کو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں معرفت حاصل تھی۔ پہچانتے تھے کہ پیغمبر ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ** (اس کو پہچانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) لیکن چونکہ دشمنی کے باعث گرویدہ نہ ہوئے اور یقین نہ لائے۔ اس لئے ایمان بھی متحقق نہ ہوا۔ معرفت بھی ایمان کی طرح دو قسم پر ہے۔ ایک معرفت کی صورت ہے جس طرح کہ ایمان کی صورت ہے۔ دوسرے معرفت کی حقیقت ہے جیسے کہ ایمان کی حقیقت ہے۔ ایمان کی صورت وہی ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور رحمت سے شریعت میں آخرت کی نجات کے لئے کفایت فرمائی ہے اور وہ نفس امارہ کے انکار اور سرکشی کے باوجود قلب کا گرویدہ ہونا ہے۔ اسی طرح معرفت کی صورت بھی نفس امارہ کی جہالت کے باوجود اسی لطیفہ پر موقوف ہے لیکن معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ نفس امارہ اپنی جبلی اور پیدائشی جہالت کو چھوڑ کر شناسائی پیدا کرلے اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس امارہ اپنی طبعی اور پیدائشی امارگی اور سرکشی کو چھوڑ کر مطمئنہ ہوجائے اور شناسائی حاصل کرکے گرویدہ ہوجائے اگر کہیں کہ شریعت میں تصدیق قلبی کا اعتبار کیا ہے۔ یہ گرویدہ ہونا اس تصدیق کا عین ہے یا اس تصدیق کے ماسوا کوئی اور امر ہے اور اگر تصدیق کے ماسوا کچھ اور امر ہے تو لازم آتا ہے کہ ایمان میں تین چیزیں معتبر ہیں اقرار اور تصدیق اور گرویدہ ہونا اور یہ بات علماء کے مقررہ

امر کے برخلاف ہے اور عمل جس کو بعض علماء نے ایمان معتبر سمجھا ہے۔ ایمان کی چوتھی جزو بن جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گرویدن عین تصدیق ہے کیونکہ تصدیق جو حکم ہے اذعان یعنی مان لینے سے مراد ہے جس کو گرویدن سے تعبیر کرتے ہیں اگر پوچھیں کہ اہل کتاب ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب نبوت کے طور پر جانتے تھے تو ضرور حکم بھی ان کی نبوت پر کرتے تھے اور اذعان اور گرویدن (مان لینا اور فرمانبردار ہونا) ان کو حاصل تھا کیونکہ اس صورت میں حکم عین گرویدن ہے۔ پھر ایمان ان کے حق میں کیوں متحقق نہیں ہوتا اور کفر سے کیوں نہیں نکل سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو نبوت کے طور پر جانتے تھے لیکن تعصب وعناد کے باعث ان کے دلوں کو اذعان ویقین حاصل نہ ہوتا تھا تا کہ نبوت کا حکم کرتے۔ ہاں معرفت وتصور تھا لیکن اذعان حاصل نہ ہوا تا کہ تصدیق ہو کر ایمان تک نوبت پہنچی اور کفر سے نکل آتے ہیں۔ یہ بہت ہی دقیق اور باریک فرق ہے اس کو غور سے سنیں اور اپنے وجدان سے سمجھیں۔ باوجود عناد اور دشمنی کے کہہ سکتے ہیں کہ نَبِیُّ اللّٰہِ فَعَلَ کَذَا (اللہ تعالیٰ کے نبی نے ایسا کام کیا) لیکن جب تک اذعان پیدا نہ ہو۔ تب تک نہیں کہہ سکتے۔ کہ اِنَّهٗ نَبِیُّ اللّٰہِ (وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا نبی ہے) کیونکہ صورت اول میں تصور ہے اور معرفت مشہورہ کا حوالہ ہے اور صورت دوم میں تصدیق ہے جو اذعان وگرویدن پر مبنی ہے جب تک اذعان نہ ہو۔ تصدیق کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ نیز صورت اول میں نبوت کا ثابت کرنا مقصود ہے جس کی تاب عناد و دشمنی نہیں لاسکتی اور اگر بالفرض اذعان کے حاصل ہونے کے بغیر تصدیق وحکم پیدا ہو جائے تو وہ بھی تصورات میں داخل ہے اور تصدیق کی صورت ہے جب تک اذعان حاصل نہ ہو تب تک تصدیق کی حقیقت متصور نہیں ہوتی اور ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ مسائل کلام کے اصول اور ضروریات میں سے ہے اور بہت دقیق ہے۔ بڑے بڑے علماء اس کے حل کرنے میں عاجز ہیں ان میں سے بعض نے مجبوراً تیسرے رکن کو ایمان میں بڑھایا ہے اور گرویدن کو تصدیق پر زیادہ کیا ہے۔ بعض نے تصدیق کو عین گرویدن کہا ہے لیکن کماحقہ اس کو حل نہیں کیا اور مجمل طور پر ہی چھوڑ دیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے) واضح ہو کر مرکب اضافی جیسے کہ نبی اللہ اور مرکب توصیفی جیسے کہ هٰذَا النَّبِیُّ اگرچہ بِاَنَّهٗ نَبِیٌّ کے حکم

پر مشتمل ہیں اور نبوت کے طور پر اس کی معرفت پر متضمن ہیں لیکن بِاَنَّهٗ نَبِیٌّ کی تصدیق کا حاصل ہونا اذعان پر موقوف ہے جو ایمان کو ثابت کرتا ہے۔ غُلَامُ زَیْدٍ فَعَلَ کَذَا (زید کے غلام نے ایسا کیا) اور رَجُلٌ صَالِحٌ حَکَمَ بِکَذَا (مرد صالح نے ایسا کیا) دونوں اذعان کے بغیر ثابت و صحیح ہیں اور دونوں میں غلامیت اور صلاحیت کے طور پر معرفت ثابت ہے لیکن اذعان نہیں ہے جس سے ہر ایک کی غلامیت اور صلاحیت کی تصدیق حاصل ہو اور اگر کہیں کہ تو نے قلب کے اذعان کے بعد نفس کا اذعان کہا ہے اور اذعان نفسی کو ایمان حقیقی سے تعبیر کیا ہے حالانکہ فلاسفہ اور معقول والوں نے تصدیق میں مطلق اذعان نفس کو لیا ہے اور اذعان قلب کی نسبت گفتگو نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ معقول والے کبھی نفس سے روح مراد لیتے ہیں اور کبھی قلب۔ غرض ان کی فلسفی تدقیقات کا مقام اور ہے جن میں سے اکثر لاطائل اور بیہودہ ہیں۔ اس جگہ وہ سب کی سب معطل و بیکار ہیں اور عوام کا حکم رکھتی ہیں۔ یہاں صوفیاء کی تحقیق و تدقیق کا موقع ہے جو ہر ایک لطیفہ کے احکام سے ملتبس ہوتے ہیں اور سیر و سلوک کے ساتھ ہر ایک لطیفہ سے اوپر ترقی کرتے ہیں اور نفس کو قلب سے جدا کرتے ہیں روح کو سر سے اور خفی کو اخفی سے الگ کر دیتے ہیں۔ معقول والوں کو ان کے ناموں کی معرفت و پہچان کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں۔ فلاسفہ نے نفس امارہ کو بڑی شے جانا ہے اور اس کو مجردات سے شمار کیا ہے اور قلب و روح کا نام تک بھی نہیں لیا اور خفی و اخفی کا کچھ پتہ نہیں دیا۔ اِنَّ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ مَلِکًا یَّسُوْقُ الْاَهْلَ اِلَی الْاَهْلِ (اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو ہم جنس کو ہم جنس کی طرف لے جاتا ہے) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ معقول والوں نے عادی اور عرفی احکام پر نظر کر کے اذعان نفس کو جو ان کی سمجھ کے قریب ہے۔ ذکر کیا ہے لیکن ہماری گفتگو احکام شرعیہ کی تصدیقات میں ہے جن سے نفس کو ذاتی طور پر انکار ہے۔ پھر اذعان کیسے ہوگا بلکہ یہ ایسا انکار ہے جو منکر کو ان احکام کے صاحب کا دشمن بنا دیتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفسوں کی شرارتوں اور بدعملیوں سے پناہ مانگتے ہیں) اور حدیث قدسی میں آیا ہے۔ عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّهَا اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ (اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری دشمنی پر اڑا ہوا ہے) ارحم الراحمین جل شانہ نے اپنی کمال مہربانی سے ابتدا حال میں اذعان نفس کو منظور نہ رکھا اور اذعان قلب پر نجات کو وابستہ کیا۔ پھر اگر حق تعالیٰ کے محض کرم

سے اذعان نفس بھی میسر ہو جائے۔ تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ اور سَرُوْرٌ عَلٰی سَرُوْرٍ اور درجات ولایت پر وصول اور حقیقت اور ایمان کا حصول ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جواب فقیر کے فہم و دانش کے موافق لکھا جائے تا کہ معلوم ہو سکے۔ کیا کیا جائے مسئلہ بہت دقت رکھتا ہے۔ اس کا حل بھی بغیر دقت کے مشکل ہے بلکہ نفس حل دقت چاہتا ہے۔ عبارت کا کوئی گناہ نہیں۔ آپ کو چاہئے تھا کہ پہلے اس بات کا فکر کرتے اور اس قسم کے پیچ دار اور معما سوال کا حل طلب نہ کرتے۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔)

سوال: عابد اور زاہد ایمان حقیقی سے مشرف ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر مرتبہ مقربین تک پہنچ جائیں اور ان کے نفس مطمئنہ ہو جائیں تو ایمان حقیقی سے مشرف ہو جاتے ہیں۔

سوال سوم: معرفت اجمالی والے شخص کو جس کا منشاء کفر حقیقی ہے۔ کس معنی سے عارف کہہ سکتے ہیں۔

جواب: اس عبارت کے معانی اچھی طرح معلوم نہیں ہوئے کہ کیا ہیں؟

کیا خوب! خود پیچیدہ اور مغلق عبارت لکھتے ہیں اور دوسروں کو منع کرتے ہیں اگر اس عبارت سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ کافر طریقت کو کس اعتبار سے عارف کہہ سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر طریقت نے بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کو واحد اور یگانہ پہچانا ہے اور اس کے ماسوا کو محو و لاشی کہا ہے اس لئے عارف ہے لیکن مطلق عارف نہیں کیونکہ تمیز سے نکل چکا ہے جب تمیز میں آ جائے تو عارف مطلق کہلاتا ہے اور ایمان حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۹۲

اس سوال کے جواب میں کہ صوفیاء حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور اس سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور ہم اس کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک آیت کو بار بار پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سن لیا اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی طرف منسوب

ہے۔ اسی طرح مفہوم ہوتا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں اور اس کی تحقیق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا کلام بھی اس کی ذات وصفات کی طرح بیچگون ہے اور اس کلام بیچون کا سننا بھی بیچون ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ وہ سننا سمع کی حس پر وابستہ نہیں ہے کیونکہ وہ سراسر چون ہے۔ وہاں اگر بندہ سے استماع ہے تو تلقی روحانی سے جو بیچونی کا حصہ رکھتا ہے اور حروف وکلمات کے واسطہ کے بغیر ہے اور اگر بندہ سے کلام ہے تو وہ بھی القائے روحانی کے طور پر ہے جو بغیر حروف وکلمات کے واسطہ کے بغیر بیچونی سماع سے استماع فرماتا ہے اور تقدیم وتاخیر کے بغیر سن لیتا ہے۔ اِذْلَا یَجْرِیْ عَلَیْهِ تَعَالٰی زَمَانٌ یَسَعَ فِیْهِ التَّقْدِیْمُ وَالتَّاخِیْرُ (کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ کے احکام جاری نہیں ہوسکتے تاکہ تقدیم وتاخیر کی گنجائش ہو) اور اس مقام میں اگر بندہ سے سماع ہے تو کلی طور پر سامع ہے اور اگر کلام ہے تو کلی طور پر متکلم ہے۔ یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان ہے۔ روز میثاق میں ذات مخرجہ نے قول اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کو بالواسطہ اپنی اپنی کلیت کے طور پر سن لیا اور اپنی کلیت کے طور پر جواب میں بلیٰ کہا یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان تھے کیونکہ اگر کان زبان سے متمیز ہوتے تو سماع وکلام بیچونی حاصل نہ ہوتے اور بیچونی ارتباط کے لائق نہ ہوتے۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاهُ (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھاسکتے ہیں) حاصل کلام یہ ہے کہ وہ معنی متلقی جو روحانیت کے طور پر اخذ کئے جاتے ہیں۔ دوبارہ عالم خیال میں جو انسان میں عالم مثال کی تصویر ہے۔ حروف وکلمات مترتبہ کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں اور وہ تلقی والقا سماع وکلام لفظی کی صورت میں مرتسم ومنتقش ہوجاتا ہے کیونکہ اس عالم میں ہر ایک معنی کی ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بیچون ہیں لیکن وہاں بیچون کا ارتسام اور انتقاش چون کی صورت پر ہے جس پر فہم وافہام وابستہ ہے جو اس ارتسام وانتقاش کا اصلی مقصود ہے جب سالک متوسطہ اپنے آپ میں حروف وکلمات مترتبہ پاتا ہے اور کلام لفظی وسماع محسوس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف وکلمات کو اصل سے سنا ہے اور بلا تفاوت وہاں سے اخذ کیا ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ حروف وکلمات اس معنی متلقی کی خیالی صورتیں ہیں اور یہ لفظی سماع وکلام بیچونی سماع وکلام کی تصویر ہے۔ عارف تام المعرفت ہونا چاہئے تاکہ ہر مرتبہ کے حکم کو جدا کردے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملائے۔ پس ان بزرگواروں کا سماع وکلام جو مرتبہ بیچونی پر وابستہ ہے۔ تلقی اور القاء روحانی کی قسم سے ہے اور کلمات وحروف جن کے ساتھ اس

معنی متلقی کی تعبیر کرتے ہیں۔ مثالی صورتوں کی قسم سے ہیں اور وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اس بارگاہ جل شانہ سے حروف وکلمات کے ساتھ استماع کرتے ہیں۔ دو فریق ہیں جن میں ایک گروہ کے لوگ جن کا حال بہتر اور اچھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ حروف وکلمات حادثہ مسموعہ اس کلام نفسی قدیم پر دلالت کرنے والے ہیں اور دوسرے گروہ کے لوگ حق تعالیٰ کے کلام کے سماع پر قول کا اطلاق کرتے ہیں اور انہیں حروف وکلمات مترتبہ کو حق تعالیٰ کا کلام جانتے ہیں اور اس بات میں کچھ فرق نہیں کرتے کہ کونسا کلام حق تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور کونسا نہیں۔
وَهُمُ الْجُهَّالُ الْبَطَّالُ لَمْ يَعْرِفُوا مَا يَجُوزُ عَلَيْهِ وَلاَ مَالاَ يَجُوزُ عَلَيْهِ (یہ لوگ جاہل ومکار ہیں۔ نہیں جانتے کہ کونسی چیز کا اطلاق اس پر جائز ہے اور کونسی چیز کا ناجائز ہے۔)
سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں مگر جس قدر کہ تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو جاننے والا ہے) **وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى خَيْرِ الْبَشَرِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْاَطْهَرِ** (حضرت خیر البشر اور ان کے آل واصحاب پاک پر صلوٰۃ والسلام)

مکتوب ۹۴

تعین اول وجودی کی تحقیق اور حبیب وخلیل وکلیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات کے درمیان فرق کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

جو کچھ آخر کار میں فضل وکرم سے اس فقیر پر مکشوف کیا ہے۔ یہ ہے کہ حضرت ذات تعالیٰ کا تعین اول حضرت وجود کا تعین ہے جو تمام اشیاء کو محیط ہے اور تمام اضداد کا جامع اور محض خیر اور بڑی برکت والا ہے۔ حتیٰ کہ اس طائفہ عالیہ کے اکثر مشائخ نے اس کو عین ذات کہا ہے اور ذات سبحانہ پر اس کی زیادتی کو منع کیا ہے۔ یہ تعین نہایت ہی دقت ولطافت والا ہے کہ ہر ایک شخص کی آنکھ اس کو نہیں پاسکتی اور اصل سے جدا نہیں کرسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تعین اب تک پوشیدہ رہا اور متعین سے جدا نہ ہوا۔ بہت لوگ اسی کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے رہے اور اس کے سوا کسی اور معبود ومطلوب کو طلب نہ کرتے رہے۔ آثار خارجی کا مبداء اسی کو جانتے رہے اور ہر روز حوادث کا پیدا کرنے والا اسی کو سمجھتے رہے۔ حق کی اس کے ماسوی سے یہ تمیز

ایک دولت تھی جو اس مسکین کے لئے جمع تھی اور معبود حقیقی کے ساتھ غیر معبود کی مشارکت کی نفی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا پس خوردہ تھا جو ان کے اس غلام کے لئے محفوظ تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی۔ اگر ہم کو وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ تعین اول وجودی حضرت خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور ان کا اور ان کی خلت کا مبدء تعین ہے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس تعین کا مرکز جو اس کے تمام اجزاء میں سے اشرف جزو ہے اور اصل کے ساتھ اقربیت کی نسبت زیادہ تر رکھتا ہے۔ حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب اور ان کا اور ان کی محبت کا مبدء تعین ہے۔

سوال: جب تعین اول حضرت خلیل کا رب ہوا تو ہمارے پیغمبر نے کس لئے فرمایا ہے کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (سب سے اول اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا)

جواب: چونکہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے تمام اجزاء سے اسبق اور اول ہوتا ہے اور نیز جزو کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے آنحضرت کا مبدء تعین جس کو حضور نے اپنے نور سے تعبیر فرمایا ہے۔ سب سے افضل اور اسبق ہوگا۔

دائرہ کا مرکز دائرہ کا جزو ہے اور دائرہ اس کا کل ہے لیکن یہ ایسا جزو ہے جس سے کل کے تمام اجزاء پیدا ہوئے ہیں کیونکہ محیط دائرہ کے تمام اجزاء اس جزو کے ظلال ہیں جو اس دائرہ کا مرکز ہے اگر یہ جزو نہ ہو تو دائرہ کا نام ونشان ظاہر نہ ہو۔ پس واضح ہوا کہ حضرت خلیل کا رب اور مبدء تعین تعین اول ہے اور تعین اول کا منشاء اور مبدء جو اس کا مرکز اور اس کے تمام اجزاء میں سے اشرف جزو ہے۔ حضرت خاتم الرسل کا رب اور مبدء تعین ہے۔ پس سب سے اول واسبق حضرت خاتم النبوت کی حقیقت ہے اور دوسروں کے ظہور کا منشاء ومبدء بھی یہی حقیقت ہے۔ اسی واسطے حدیث قدسی میں حضرت حبیب اللہ کی شان میں آیا ہے۔ لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ وَلَمَآ اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّةَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) چونکہ حضرت خاتم الرسل کا مبدء تعین تعین اول (جو حضرت خلیل کا مبدء تعین ہے) کے دائرہ کا مرکز ہے۔ اس لئے ولایت محمدی جس کا منشاء محبت ہے۔ ولایت

خلیلی کا مرکز ہے جس کا منشاء خلت ہے اور ولایت خلیلی باوجود اولیت کے ولایت محمدی اور ذات تعالیٰ کے درمیان حاجز و حائل نہیں ہے کیونکہ دائرہ کا مرکز دائرہ سے سبقت ذاتی رکھتا ہے۔ اس لئے خلف یعنی پچھلا سلف یعنی پہلے کا حائل نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے اس مرکز کی سبقت اور قرب کے لئے دوسری وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عنایت سے اس نقطہ مرکز میں جوں جوں دور جائیں اس نقطہ سے جو اس محبت کا حاصل ہے۔ محب و محبوب متمیز ہو جاتے ہیں اور دائرہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس کا مرکز محبوبیت ہے اور اس کا محیط محبیت۔ یہ محبیت ولایت موسوی کا مبدء ہے اور محبوبیت ولایت محمدی کا مبدء پس یہ مرکز محبوبیت مرکز محبیت سے جو اس کا دائرہ ہوا ہے پیش قدم ہے اور حضرت ذات تعالیٰ کے بہت نزدیک ہے کیونکہ مرکز کیلئے وہ سبقت و قرب ہے جو دائرہ کے لئے نہیں۔ ایسے ہی اس مرکز کو محیط دائرہ کی نسبت بھی وہ سبقت و قرب حاصل ہے جو محیط کیلئے نہیں ہے۔ پس ولایت محمدی ولایت موسوی سے بھی اقرب و اسبق ہے۔ ولایت محمدی کی سبقت و قرب کے لئے تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مرکز محبوبیت میں جب دور تک جائیں تو یہ مرکز بھی دائرہ کی صورت پیدا کر لیتا ہے جس کا مرکز محبوبیت صرف دکھائی دیتا ہے اور اس کا محیط محبیت سے ملی ہوئی محبوبیت ظاہر ہوتا ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت بلکہ ولایت موسوی کی تبعیت سے بھی جو محیط دائرہ کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد امت میں سے کسی ایک فرد کو نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولایت محمدی ہمیشہ کے لئے ہی مرکز ہے اور محبیت کا مبدء بھی اسی ولایت کے برکات سے ہے جس کے ملنے سے مرکز ثانی دائرہ بنا ہے جس سے ایک اور تیسرا مرکز پیدا ہوا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ تیسری مرکزیت کام کو بہت آگے لے گئی اور نزدیک تر سے نزدیک تر بنا دیا۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

اس سے بڑھ کر دقائق و اسرار کیا ظاہر کئے جائیں اور تعین اول کے ماوراء کی نسبت اس سے زیادہ کیا کہا جائے۔ اگرچہ تعین اول کے ماوراء جو کچھ ہے ایک یا دو واسطہ سے اس کی جزو یا جزو کی جزو ہے لیکن نظر کشفی میں کئی درجے تعین اول سے سبقت رکھتا ہے اور اس سے کئی

مرتبے مطلوب کے نزدیک تر ہے۔

سوال: جو کمال جزو کو میسر ہوتا ہے۔ وہ کل کو بھی میسر ہوتا ہے کیونکہ کل اس جزو اور دوسرے اجزاء سے مراد ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سبقت و قرب جزو میں پیدا ہو اور کل میں نہ ہو۔

جواب: جو کمال جزو میں بطریق اصالت پیدا ہوتا ہے۔ وہ کل میں جزو کی تبعیت اور وساطت کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ اصالت کے طور پر اور شک نہیں کہ اصالت کو وہ سبقت ہے جو تبعیت کو نہیں اور اصل کو وہ قرب ہے جو فرع کو نہیں۔ پس اگر مرکز دائرہ اپنے کمالات مخصوصہ میں دائرہ سے آگے بڑھ جائے تو ہوسکتا ہے۔ اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ جزو کا کمال کل میں اس وقت سرایت کرتا ہے جبکہ وہ کمال اس جزو کی ماہیت اصلیہ سے پیدا ہوا ہو اور اگر جزو میں اس قسم کا کمال ہو جو جزو کی ماہیت کے بدلنے کے بعد پیدا ہوا ہو تو پھر لازم نہیں کہ کل میں سرایت کرے کیونکہ وہ جزو اپنی ماہیت کے بدل جانے کے بعد اس کل کا جزو نہیں رہا تاکہ اس میں سرایت کرے۔ مثلاً چاندی جس کا ایک جزو اکسیر کے عمل سے سونا ہو جائے اور چاندی کی ماہیت سے سونے کی ماہیت میں بدل جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ اس جزو کا کمال سنہرا پن چاندی میں جو اس کا کل ہے سرایت کر جائے گا کیونکہ وہ جزو ماہیت کے بدلنے کے بعد اس کا جزو نہیں رہا تاکہ اس میں سرایت کرے۔ فَافْهَمْ وَقِسْ عَلَيْهِ مَعْرِفَةَ مَا نَحْنُ فِيهِ (پس سمجھ اور مذکورہ بالا معرفت کو اسی پر قیاس کر لے)

سوال: تعین اول وجودی کا وجود خارج میں ہے یا کہ صرف ثبوت علمی رکھتا ہے۔ ان دونوں قسموں سے ایک بھی درست نہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی تردید ہوسکتی ہے کیونکہ ان بزرگواروں کے نزدیک خارج میں ایک ذات احد تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے اور اس خارج میں تعینات و تنزلات کا کوئی نام و نشان نہیں اور اگر ثبوت علمی کہیں تو لازم آتا ہے کہ تعین علمی اس سے سابق اور اول ہے اور یہ خلاف مقرر ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ نفس امر میں ثابت ہے اور اس اعتبار سے کہ علم کے ماوراء میں اس کا ثبوت ہے۔ اگر اس کو ثبوت خارجی بھی کہہ دیں تو بھی ہوسکتا ہے وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کا الہام کرنے والا ہے۔)

مکتوب ۹۴

کمال و جمال ذاتی اور اس سے فوق کے مرتبہ مقدسہ کے دقائق میں اور اس بیان میں کہ ان دونوں مرتبوں میں سے حضرت حبیب و خلیل و کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کا حصہ کیا ہے اور حضرت ایشاں قدس سرہ کے تعین کا بہرہ کونسا ہے۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ فی حد ذاتہ جمیل ہے اور ذاتی حسن و جمال اسی کے لئے ثابت ہے۔ یہ حسن و جمال وہ نہیں جو ہمیں مکشوف و مدرک ہو سکے یا ہمارے تعقل و تخیل میں آ سکے اس کے علاوہ اس بارگاہ میں ایک اور اس قسم کا مرتبہ ومقدسہ ہے جہاں تک یہ حسن و جمال باوجود نہایت عظمت و کبریا نہیں پہنچ سکتا اور اس کو حسن و جمال سے متصف نہیں کر سکتا۔ تعین اور ان کا پہلا ظل ہے لیکن اس مرتبہ اقدس میں جمال و کمال کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ وہ مرتبہ نہایت عظمت و کبریا کے باعث کسی تعین کے ساتھ متعین نہیں ہو سکتا اور کسی آئینہ میں نہیں آ سکتا۔ ہاں اس مرتبہ اقدس کا ایک سر ونشان اس تعین اول کے مرکز دائرہ میں بطور امانت رکھا ہے اور اس بے نشان کا نشان اس میں پوشیدہ کیا ہے۔ یعنی جس طرح تعین اول ولایت خلیلی کا منشاء ہے۔ وہ سر ونشان جو اس تعین کے مرکز دائرہ میں رکھا ہوا ہے۔ ولایت محمدی کا منشاء ہے۔ وہ ذاتی حسن و جمال جس کا ظل تعین اول ہے۔ صباحت سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو عالم مجاز میں حسن رخسار اور جمال خال کی قسم سے ہے اور وہ سر ونشان جو مرکز میں امانت رکھا ہے۔ ملاحت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو درستی قد اور خوبی رخسار اور حسن چشم اور جمال خال کے ماسوا ایک ذوقی امر ہے جب تک ذوق حاصل نہ ہو۔ اس کو نہیں پا سکتے۔ کوئی شاعر کہتا ہے۔ بیت

آں دارد آں نگار کہ آں ہست ہر چہ ہست

آں را طلب کنید حریفاں کہ آں کجا است

ترجمہ بیت: مرا معشوق رکھتا ہے وہ ہے جو کچھ کہ رکھتا ہے

اسے ڈھونڈو مرے یارو کہاں ہے کس جگہ وہ ہے

اس بیان سے ان دونوں ولایتوں کے درمیان فرق معلوم کر سکتے ہیں۔ اگرچہ دونوں حضرت ذات تعالیٰ کے قرب سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ایک کا مرجع ذات کے کمالات ہیں اور

دوسرے کا معاد صرف ذات تعالیٰ چونکہ ملاحت صباحت سے برتر ہے۔ اس لئے صباحت کے مراتب طے کرنے کے بعد ملاحت تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب تک ولایت ابراہیمی کے تمام مقامات تک وصول میسر نہ ہو۔ ولایت محمدی کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے۔ ممکن ہے کہ اسی سبب سے حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی متابعت پر مامور ہوئے ہوں تاکہ اس متابعت کے وسیلے سے اپنی ولایت کی حقیقت تک پہنچ جائیں اور اس سبب سے اپنی ولایت کی حقیقت کے ساتھ کہ جس کی تعبیر ملاحت سے کی گئی ہے۔ متحقق ہوں چونکہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ولایت خلت کے مرکز دائرہ کے ساتھ جو حضرت اجمال ذات کے بہت ہی قریب ہے۔ ذاتی مناسبت ہے اور محیط دائرہ کے ساتھ جو کمالات ذات کی تفصیل کی طرف توجہ رکھتا ہے۔ بہت ہی کم مناسبت ہے اس لئے جب تک محیط دائرہ کے کمالات سے متحقق نہ ہوں ولایت خلت تمام نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ صلوات منطوقہ میں آیا ہے۔ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ (جیسے کہ تو نے حضرت ابراہیم پر درود بھیجا ہے) تاکہ ولایت خلت کے تمام کمالات میسر ہو جائیں جیسے کہ اس ولایت کے صاحب کو میسر ہوئے تھے۔ چونکہ ولایت محمدی کا مکان طبعی ولایت خلیلی کے مرکز دائرہ کا نقطہ ہے اور اس کا سیر بھی اس دائرہ کے سیر مرکزی تک محدود ہے۔ اس لئے وہاں سے نکلنا اور محیط دائرہ تک پہنچنا اور اس کے کمالات کا حاصل کرنا بہت مشکل ہے اور مقتضائے طبیعت کے برخلاف ہے۔ پس آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد امتُ میں سے ایک متوسط ہونا چاہئے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت کے باعث اس مرکز کے عین میں ہو اور دوسری طرف سے اس دائرہ کے محیط کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو تاکہ اس مرتبہ کے کمالات کو حاصل کرے اور اس مرتبہ کی حقیقت سے متحقق ہو اور اس کا پیغمبر متبوع بھی مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا (جس نے کوئی نیک سنت جاری کی۔ اس کے لئے اس کا اپنا اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ہے) کے موافق اس فرد کے وصول کے ذریعے ان کمالات کے ساتھ متحقق ہو جائے اور ولایت خلیلی کے مراتب کو تمام کر لے اس معما کے سر کا بیان جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ ولایت خلت کے مرکز دائرہ کا نقطہ جو محبیت کے باعث اس کے باقی تمام نقطوں سے ممتاز ہے۔ اگرچہ بسیط ہے لیکن چونکہ محبیت کے اعتبار

کے ساتھ محبوبیت کے اعتبار کو بھی متضمن ہے اس لئے دائرہ کی صورت پیدا کر لیتا ہے۔ یعنی اس مرکز سے ایک اور دائرہ پیدا ہوتا ہے جس کا محیط محبیت کا اعتبار ہے اور اس کا مرکز محبوبیت کا اعتبار۔ ولایت موسوی کا منشاء محبیت کا اعتبار ہے جو اس دائرہ کا محیط اور ولایت محمدی کا منشاء محبوبیت کا اعتبار ہے جو اس دائرہ کا مرکزی ہے۔ حقیقت محمدی کا حاصل ہونا اس جگہ تصور کرنا چاہئے۔ ہزار سال کے بعد دائرہ ثانی کے اس نقطہ مرکز نے بھی کہ جس سے حقیقت محمدی وابستہ ہے وسعت پیدا کی اور دو اعتبار اس میں ظاہر ہو کر دائرہ کی طرح بن گیا جس کا مرکز محبوبیت صرف ہے اور اس کا محیط محبیت سے ملی ہوئی محبوبیت ولایت احمدی کا منشاء اسی دائرہ کا مرکز ہے احمد آنحضرت کا دوسرا نام ہے جو آسمان والوں میں مشہور ہے۔ جیسے کہ علماء نے کہا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جو اہل سموات میں سے ہوئے آنحضرت کے تشریف لانے کی خوشخبری اسم احمد سے دی ہے اور اسم مبارک کو ذات احد جل شانہ کے ساتھ بہت ہی تقرب حاصل ہے اور دوسرے اسم سے ایک درجہ حضرت ذات جل شانہ کے نزدیک تر ہے یہ اسم اسم مبارک احد سے ایک حلقہ میم سے جدا ہوا ہے جو اس محبت کا مبداء ہے جو تمام ظہور و اظہار کا باعث ہوئی ہے نیز یہ میم جو اسم احمد میں مندرج ہے۔ قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے جو سورتوں کے اول میں نازل ہوئے ہیں اور پوشیدہ اسرار میں سے ہیں۔ اس حرف مبارک میم کو آنحضرت کے ساتھ ایک خاص خصوصیت حاصل ہے جو ان کی محبوبیت کا باعث ہوئی ہے اور ان کو سب برتری اور فوقیت دی ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ کا محیط جو محبیت سے ملی ہوئی محبوبیت سے مراد ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد امت میں سے اس فرد کی ولایت کا منشاء ہے جو ولایت محمدی مرکزی کے حاصل ہونے کے باوجود محیط دائرہ کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہو اور اس کے کمالات کو بھی حاصل کیا ہو ظاہر ہے کہ یہ دوسری دولت اس کو ولایت موسوی سے حاصل ہوئی ہے اور ان ہر دو ولایت عظمیٰ کے طفیل مرکز و محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے اور مقرر ہے کہ جو کمال امت کو میسر ہوتا ہے۔ وہ کمال مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کے موافق اس امت کے نبی کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ پس آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس فرد کے وسیلے سے اس دائرہ کے کمالات بھی میسر ہوئے اور ولایت خلت آنحضرت کے حق میں بھی تمام ہوئی اور دعا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا

صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ ہزار سال کے بعد قبول ہوئی۔ ولایت خلت کے تمام ہونے کے بعد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاروبار اس سرونشان کے ساتھ ہے جو مرکز میں امانت رکھا ہوا ہے جس کو ملاحت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس فرد کو امت کی نگہبانی اور محافظت کے لئے اس مقام سے عالم کی طرف واپس لوٹا دیا ہے اور خود خلوت خانہ غیب الغیب میں محبوب کے ساتھ خلوت رکھی ہے۔ بیت

هَنِیْئاً لِّاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

ترجمہ بیت:

مبارک منعموں کو اپنی نعمت مبارک عاشقوں کو دردوکلفت

جاننا چاہئے کہ تیسرے مرکز کا محیط اگرچہ تعین اول کے مرکز کے محیط کی نسبت بہت چھوٹا دکھائی دیتا ہے لیکن اس سے زیادہ جامع ہے کیونکہ جو چیز حضرت ذات جل شانہ کے نزدیک تر ہے۔ وہی زیادہ جامع ہے۔ اس کی چھوٹائی کو انسان کی چھوٹائی کی طرح جاننا چاہئے جو باوجود چھوٹا ہونے کے عالم کے تمام گروہوں سے زیادہ جامع ہے نیز وہ شخص جو اس محیط کے کمالات سے متحقق ہوا ہے اور مرکز کے اجمال سے محیط کی تفصیل میں آیا۔ اس کی وہ بے مناسبتی جو محیط و تفصیل سے رکھتا تھا، زائل ہوگی اور بے تکلف ایک تفصیل سے دوسری تفصیل میں نکل آیا ہے اور اس تفصیل کے کمالات کے ساتھ متحقق ہوگیا۔ واضح ہو کہ چونکہ نظام عالم باوجود کمال اقتدار کے حکمت پر وابستہ ہے۔ اس لئے محبوبوں کی تربیت کے لئے بھی اسباب کا ہونا ضروری ہے اگرچہ اسباب صرف بہانہ اور قدرت کے روپوش ہی ہیں لیکن سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلاً (اللہ تعالیٰ کا طریق وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے اور تو اللہ تعالیٰ کے طریق کے لئے کوئی تبدیلی نہ پائے گا۔)

تنبیہ: نبی اگرچہ بعض کمالات کو اپنی امت کے افراد میں سے ایک فرد کے واسطہ سے حاصل کرتا ہے اور اس کے وسیلے سے بعض مقامات پر پہنچتا ہے لیکن اس وجہ سے اس نبی کا نقص لازم نہیں آتا اور اس توسط کے باعث اس فرد کو اس نبی پر زیادتی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس فرد نے اس کمال کو اس نبی کی متابعت سے حاصل کیا ہے اور اسی کے طفیل اس دولت کو پایا ہے۔ گویا وہ کمال درحقیقت اس نبی کا کمال اور اسی کی متابعت کا نتیجہ ہے اور وہ فرد صرف ایک خادم

کی طرح ہے جو اسی کے خزانوں سے خرچ کر کے نہایت فاخرہ اور بیش قیمت کپڑے تیار کر کے لاتا ہے جو مخدوم کے حسن و جمال کو دوبالا کرتے ہیں اور اس کی عظمت و کبریا کو بڑھاتے ہیں۔ اس صورت میں مخدوم کا کیا نقص ہے اور خادم کو کونسی زیادتی حاصل ہے۔ ہاں ہمسروں سے مدد واعانت لینا نقص کا موجب ہے لیکن خادموں اور غلاموں سے امداد و اعانت لینا عین کمال اور جاہ و جلال کی زیادتی کا باعث ہے۔ کوئی ناقص اور بے سمجھ ہی ہوگا جو ایک کو دوسرے سے ملائے اور نقص کا وہم کرے گا۔ بادشاہ اپنے خادموں اور لشکروں کی امداد سے ملک لیتے اور قلعے فتح کرتے ہیں اس امداد سے بادشاہوں کی عظمت و شان بڑھتی ہے۔ خادموں اور لشکروں کو شرف عزت حاصل ہوتی ہے امت کے لوگ بھی انبیاء علیہم السلام کے خادم اور غلام ہیں۔ اگر ان سے ان بزرگواروں کو امداد پہنچے تو اس میں ان بزرگواروں کا کیا نقص ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار ہرگز امداد کے محتاج نہیں ہیں اور کمال کے تمام مراتب ان کو بالفعل حاصل ہیں۔ یہ صریح مکابرہ اور ہیکڑپن ہے کیونکہ یہ بزرگوار بھی حق تعالیٰ کے بندے ہیں اور ہمیشہ اس کے فضل و رحمت کے فیوض و برکات کے امیدوار اور ترقیات کے خواہاں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ" (جس کے دو دن برابر ہیں وہ گھاٹے والا ہے) اور آنحضرت نے اپنی امت کو فرمایا ہے کہ سَلُوْالِیَ الْوَسِیْلَۃَ (میرے لئے وسیلہ طلب کرو) صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْکَ الْمُھَاجِرِیْنَ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء و مہاجرین کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح طلب کیا کرتے تھے۔ یہ طلب سراسر امداد و اعانت ہی ہے۔ وہ لوگ جو امتوں کی امداد و اعانت ان بزرگواروں کے حق میں تجویز نہیں کرتے اور ان بزرگواروں کو ان کی امداد و اعانت کا محتاج نہیں جانتے ان کی نظر ان کی بزرگی پر پڑی ہے اور ان کے درجات کی بلندی مدنظر ہے ورنہ اگر ان کی نظر ان بزرگواروں کی عبودیت پر بھی پڑتی اور ان کی احتیاج جو ان کو اپنے مولا جل شانہ سے ہے۔ معلوم ہوتی تو ہرگز امتیوں کی امداد سے انکار نہ کرتے اور خادموں اور غلاموں کی اعانت و امداد کو بعید نہ جانتے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" (یارب تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب شے پر قادر ہے) وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَعَلَی الْمَلٰئِکَۃِ الْکِرَامِ الْعِظَامِ۔

مکتوب ۹۵

ان اسرار کے بیان میں جو حضرت ایشاں مدظلہ العالی کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مولانا محمد صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اس فقیر کی ولایت اگرچہ ولایت محمدی اور ولایت موسوی کی تربیت یافتہ ہے اور ان دو بزرگواروں کے طفیل نسبت محبوبی اور نسبت محبی سے مرکب ہے کیونکہ محبوب کے رئیس حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور محبوں کے سردار حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن حضرت خاتم الرسل عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى كُلِّ الِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ کی متابعت کے باعث میری ولایت کے ساتھ اور ہی کاروبار متعلق ہے اور الگ ہی معاملہ اس پروابستہ ہے اگرچہ اس ولایت کا اصل اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے جو ولایت محمدی ہے جس کا منشاء بلا صالت محبوبیت صرف کی نسبت ہے لیکن چونکہ ولایت موسیٰ کا اصل بھی جو بالاصالت محبیت صرف سے پیدا ہے۔ اس ولایت کے ساتھ مل گیا ہے اس لئے اس کے رنگ سے بھی رنگین ہو کر اور ہی ہیئت پیدا کر لی ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک اور حقیقت بن گئی ہے اور علیحدہ ہی ثمرہ دیا ہے اور علیحدہ نتیجہ پیدا کیا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ بیت

از یں افیون کو ساقی درمے افگند　　حریفاں رانہ سرماندونہ دستار

ترجمہ: بیت

ملا دی مے میں ساقی نے جو افیوں　　حریفوں کی رہی سدھ بدھ نہ باقی

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

فصل بالخیر

وہ کاروبار جو اس ولایت پروابستہ ہے اگر تھوڑا سا بھی ظاہر کیا جائے یا وہ معاملات جو ان دونوں ولایتوں کے متعلق ہیں۔ اگر اشارہ کے طور پر بھی ان کا کچھ بیان کیا جائے۔ تو قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ وَذُبِحَ الْحُلْقُوْمُ (رگ بلعوم قطع کی جائے اور رگ حلقوم کاٹ دی جائے) یعنی قتل

کردیا جائے جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض ان علوم کے اظہار میں جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کئے تھے۔ قُطِعَ الْبُلْعُوْمَ کہا۔ تو پھر اوروں کی نسبت کیا کہنا ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار ہیں جو اپنے اخص خواص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے اور نامحرم کو ان کے گرد نہیں پھٹکنے دیتا۔ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو رحمت عالمیان ہیں۔ کمال معرفت وقدرت سے ان اسرار کو حضرت ابوہریرہ وغیرہ کے سامنے بیان کیا اور ان میں سننے والوں کی قابلیت اور استعداد سمجھ کر ان بیش قیمت اور نایاب موتیوں کو ان پر تصدق اور ایثار فرمایا ہے لیکن مجھ جیسا بے سروسامان مفلس ان اسرار کے ذکر و اظہار سے ڈرتا اور خوف کرتا ہے اور باوجود اس خواری اور آوارگی کے ان بلند مطالب کے ساتھ کسی طرح اپنی مناسبت نہیں پاتا۔ لیکن جانتا ہے کہ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ: ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

ہاں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ایسا ہی ہونا چاہئے۔ یہ کرم ہمارے حق میں آج ہی سے نہیں ہے بلکہ اس دن سے ہے جبکہ ہماری مشت خاک کو زمین سے لے کر اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اپنا نائب بنا کر تمام اشیاء کا قیوم کیا. اور اس کو بلاواسطہ تمام اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں کو جو اس کے مکرم و بزرگ بندے ہیں۔ اس کا شاگرد بنایا اور باوجود اس بزرگی کے اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس جو معلم ملکوت کے لقب سے ملقب تھا اور طاعت وعبادت میں بڑی اعلیٰ شان رکھتا تھا جب اس نے سجدہ سے انکار کیا ہے اور اس کی تعظیم وتوقیر بجا نہ لایا تو اس کو اپنی درگاہ معلیٰ سے دھتکار دیا اور ملعون ومردود کردیا اور طعن و ملامت کا مستحق بنا دیا اور اس مشت خاک کو اس قدر ہمت وقدرت بخشی کہ اس نے اس کی امانت کے بوجھ کو اٹھالیا جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے انکار کیا اور ڈر گئے اور نیز اس کو وہ قوت عطا فرمائی ہے جس کے باعث اس نے باوجود اپنی چوں اور چگوں ہونے کے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے بیچوں وبیچگوں مولیٰ کی رویت کی قابلیت پیدا کی۔ حالانکہ پہاڑ باوجود اس قدر سخت اور مضبوط ہونے کے حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلی سے پارہ پارہ اور خاکستر ہوگیا۔ وہ خدائے قدیم الاحسان اور ارحم الراحمین اس بات پر قادر وتوانا ہے کہ مجھ جیسے پسماندہ کو سابقین کے

درجات تک پہنچائے اوران کے طفیل ان کی دولت کا شریک بنائے۔ بیت

اگر پادشہ بردر پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ترجمہ بیت:

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطان تو اے خواجہ نہ ہرگز ہو پریشان

تنبیہ: حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ اپنی تنزیہ وتقدیس پر ہے اور حدوث کے صفات اور نقص کے نشانات سے منزہ اور مبرا ہے۔ اس درگاہ جل شانہ میں تغیر وتبدل کا دخل نہیں اور اس بارگاہ اعلیٰ میں اتصال و انفصال کی گنجائش نہیں۔ وہاں حالیت ومحلیت کا تجویز کرنا کفر ہے اور اتحاد وعینیت کا حکم کرنا عین الحاد وزندقہ ہے۔ حق تعالیٰ کے خاص بندے اس بارگاہ میں خواہ کتنا ہی قرب ووصل پیدا کریں۔ پھر بھی جسمانی قرب اور جوہر وعرض کے اتصال کی قسم سے نہیں ہوگا۔ وہاں قرب بھی بیچون ہے اور وصل بھی بیچون ان بزرگواروں کا کاروبار اس حضرت جل شانہ میں عالم بیچونی سے ہے اور عالم چون کو عالم بیچون کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب نیز عالم چون زمان ومکان کی تنگی میں محدود ہے اور عالم بیچون اس تنگی سے آزاد اور زمان ومکان سے وراء الوراء ہے۔ ہاں عبارت وتعبیر کا میدان عالم چوں میں وسیع ہے اور عالم بیچون میں تنگ وتاریک لِعُلُوِّهٖ مِنَ الْعِبَارَةِ وَبُعْدِهٖ عَنِ الْاِشَارَةِ (کیونکہ وہ عبارت سے برتر اور اشارہ سے بعید ہے) یعنی کسی عبارت واشارہ میں نہیں آسکتا۔ اس ارحم الراحمین نے اپنے خاص بندوں کو بیچونی کا حصہ دے کر عالم بیچوں میں داخل کیا ہے اور بیچونی کے معاملات سے مشرف فرمایا ہے اگر بالفرض اس بیچون کو چون کے ساتھ تعبیر کریں تو اس سے بھی بعید تر ہے کہ بالغ لوگ نابالغوں کے آگے جماع کی لذت کو قند وشکر کی لذت سے تعبیر کریں کیونکہ یہ دونوں لذتیں ایک ہی عالم چون سے ہیں لیکن وہ تعبیر ومعتبر ومختلف اور متبائن عالموں سے ہیں۔ پس اگر کوئی بیچون کو چون کے ساتھ تعبیر کرے اور بیچون پر چوں کا حکم لگائے تو واقعی طعن وطرد و اور الحاد و زندقہ کے ساتھ متہم ہونے کا مستحق ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان اسرار کا دقیق اور پوشیدہ ہونا عبارت کی تعبیر کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ تحقق وحصول کی وجہ سے کیونکہ ان اسرار سے متحقق ہونا کمال ایمان ہے لیکن بیچون کو چون کی عبارات میں تعبیر کرنا عین کفر اور الحاد ہے۔ یہاں مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كُلَّ لِسَانُهٗ

(جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان بند ہوگئی) پر عمل کرنا چاہیے رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو تمام چیزوں پر قادر ہے) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا (اول و آخر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور ہمیشہ اس کے رسول پر صلوٰۃ وسلام ہو۔)

مکتوب ۹۶

ان اسرار کے بیان میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک اسموں یعنی محمد و احمد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام دو اسموں سے مسمّٰی ہیں اور وہ دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ محمد رسول اللہ اور حضرت روح اللہ کی بشارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ اسمہ احمد۔ ان دونوں مبارک اسموں میں سے ہر ایک کی ولایت الگ الگ ہے۔ ولایت محمدی اگرچہ ان کے مقام محبوبیت سے پیدا ہے لیکن محبوبیت صرف ثابت نہیں کیونکہ محبیت کی آمیزش بھی رکھتی ہے اگرچہ وہ آمیزش بالاصالت اس کے لئے ثابت نہیں لیکن مقام محبوبیت صرف کی مانع ہے اور ولایت احمدی محبوبیت صرف سے پیدا ہے جس میں محبت کی کوئی آمیزش نہیں یہ ولایت پہلی ولایت سے پیش قدم ہے اور ایک درجہ مطلوب کے نزدیک تر ہے اور محب کو نہایت ہی مرغوب اور پسندیدہ ہے کیونکہ محبوب میں جس قدر محبوبیت زیادہ ہو اسی قدر اس کی استغنا اور بے نیازی زیادہ ہوتی ہے اور محب کی نظروں میں اسی قدر زیادہ محبوب اور رعنا دکھائی دیتا ہے اور اسی قدر زیادہ محب کو اپنی طرف کھینچتا اور اپنا دیوانہ و فریفتہ کرتا ہے۔ بیت

نہ تنہا آفتم زیبائے اوست   بلائے من زنا پروائے اوست

ترجمہ بیت

نہیں آفت میری زیبائی اس کی   بلائے جان ہے ناپروائی اس کی

بلا سے مراد افراط عشق ہے جو عاشق کو مطلوب ہے۔ سبحانہ اللہ! احمد ایک عجیب بزرگ اسم ہے جو کلمہ مقدسہ احد اور حلقہ حرف میم سے مرکب ہے جو عالم بیچون میں اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ عالم چون میں گنجائش نہیں کہ اس پوشیدہ سر کو حلقہ میم کے سوائے تعبیر

کر سکیں۔ اگر گنجائش ہوتی تو حق تعالیٰ اس سے تعبیر فرماتا احد احد ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور حلقہ میم طوق عبودیت ہے جس نے بندہ کو مولیٰ سے متمیز کر دیا ہے۔ پس بندہ وہی حلقہ میم ہے اور احد اس کی تعظیم کے لئے آیا ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت واختصاص کو ظاہر کیا ہے۔ بیت

چونام این است نام آور چہ باشد　　مکرم تر بوداز ہر چہ باشد

ترجمہ بیت

جب ایسا نام ہو پھر نام والا　　مکرم اور معزز سب سے ہوگا

ہزار سال کے بعد کہ اس قدر مدت کو امور عظام کے تغیر میں بڑی تاثیر ہے اس ولایت کا معاملہ اس ولایت تک پہنچ گیا اور ولایت محمدی ولایت احمدی سے مل گئی اور معاملہ عبودیت کے دو طوق سے ایک طوق کے متعلق ہوا یعنی محمد احمد بن گیا۔ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ اس کا بیان یہ ہے کہ دو طوق عبودیت ان دو حلقہ میم سے مراد ہیں جو اسم مبارک محمد میں مندرج ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ دو طوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دو تعین سے مراد ہوں جن میں سے ایک تعین جسدی بشری ہے اور دوسرا تعین روحی ملکی۔ تعین جسدی میں اگرچہ موت کے لاحق ہونے کے باعث فتور آ گیا تھا اور تعین روحی قوی ہو گیا تھا لیکن اس تعین کا اثر باقی رہا تھا۔ اس کے لئے ہزار سال کی ضرورت تھی تا کہ وہ اثر سے بھی زائل ہو جاتا اور اس تعین کا کوئی اثر نہ رہا تو ان دو طوق عبودیت میں سے ایک طوق ٹوٹ گیا اور زوال وفنا اس پر طاری ہوا اور الف الوہیت جس کو بقا باللہ کی مانند کہہ سکتے ہیں اس کی جگہ آ بیٹھا اور محمد احمد ہو گیا اور ولایت محمدی نے ولایت احمدی کی طرف انتقال فرمایا۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو تعین سے مراد ہے اور احمد صرف ایک ہی تعین ہے یہ اسم حضرت اطلاق کے بہت قریب ہے اور عالم سے دور تر ہے۔

سوال: وہ فنا وبقاء جو مشائخ نے مقرر کیا ہے اور ولایت کو اس پر وابستہ کیا ہے کس معنی سے ہے اور یہ فناء وبقاء دو جو تعین محمدی میں کہا گیا ہے کس معنی سے ہے۔

جواب: وہ فنا وبقاء جس کے ساتھ ولایت وابستہ ہے شہودی فنا وبقا ہے کیوں کہ اگر فنا وزوال ہے تو باعتبار نظر کے ہے اور اگر بقا وثبات ہے تو وہ بھی باعتبار نظر کے ہے اس جگہ صفا بشری

صرف پوشیدہ ہو جاتی ہیں۔ زائل اور فانی نہیں ہوتیں لیکن یہ یقین ایسا نہیں ہے یہاں صفات بشری کیلئے زوال وجودی متحقق ہے اور جسد سے نکل کر روح کی طرف منتقل ہونا ثابت ہے اور بقاء کی جانب میں بھی اگرچہ بندہ حق نہیں ہو جاتا اور بندگی سے نہیں نکلتا لیکن حق کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے اور معیت زیادہ تر پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دور تر ہو کر احکام بشری اس سے بالکل مسلوب ہو جاتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اس عروج محمدی نے جو صفات بشری کے منتفی ہونے پر وابستہ ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاروبار کو بالاتر کر دیا اور نہایت ہی بلند درجہ تک پہنچا دیا اور غیر و غیریت کی کشاکش سے چھڑا دیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتوں پر معاملہ تنگ تر ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کا نور جو بشریت کی مناسبت کے باعث تھا، گھٹ گیا اور وہ توجہ جو اس پسماندوں کے حال پر رکھتے تھے، کم ہو گئی اور کلی طور پر قبلہ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئی اس رعایا کا حال کیا ہو گا جن کے حال پر بادشاہ نظر شفقت نہ فرمائے اور بالکل اپنے محبوب کی طرف متوجہ رہے۔ یہی باعث ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کا اندھیرا غالب آ گیا ہے اور سنت و اسلام کا نور ماند ہو گیا ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہمیں بخش تو تمام باتوں پر قادر ہے۔)

مکتوب ۹۷

عالم کے موہوم ہونے کے سر میں صوفی قربان جدید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

صوفیہ نے جو عالم کو موہوم کہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عالم محض وہم کا اختراع و تراش ہے کیونکہ یہ سوفسطائی کم عقل کا مذہب ہے بلکہ موہوم اس اعتبار سے ہے کہ حق تعالیٰ کے خلق سے مرتبہ وہم میں مخلوق ہوا ہے اور اس مرتبہ میں حق تعالیٰ کی صنعت سے ثبوت و استقرار پیدا کیا ہے لیکن خیر و کمال جو اس میں ثابت ہے سب مرتبہ حضرت وجود تعالیٰ سے عاریت کے طور پر لیا گیا ہے اور اس مرتبہ مقدسہ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور شر و نقص جو اس میں موجود ہے وہ عدم سے اس کو عاریت کے طور ملا ہے اور ان شرور و نقائص کے ظلال میں سے ایک ظل ہے جو اس عدم میں کہ ہر شر و نقص کا مبدء و منشاء ہے، پائے جاتے ہیں جب سالک اللہ تعالیٰ کی تربیت کے موافق ان امانتوں کو بالکل امانت والوں کے حوالہ کر دیتا ہے اور

خیر وکمال اور شرونقص کو ان کے اپنے اپنے مالکوں کو واپس دے دیتا ہے تو اس وقت فنا کی دولت سے متحقق ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی نام ونشان نہیں رہتا نہ اس میں خیر کا اثر رہتا ہے نہ شر کا ضرر کیونکہ جو کچھ خیر وشر اس کو حاصل تھا۔ سب وجود وعدم کی طرف سے عاریت کے طور پر تھا اور اپنے باپ کے گھر سے کچھ نہیں لایا تھا۔ یہ سب ہنر اس میں صرف امانت کے طور پر تھے جب امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کر دیتا ہے تو مائی ومنی کی زحمت سے چھوٹ جاتا ہے اور فنا ونیستی سے مل جاتا ہے۔

مکتوب ۹۸

حسن صوری یعنی ظاہری حسن سے بکثرت لذت پانے کے سر میں حاجی عبداللطیف خوارزمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

خیر وکمال اور حسن وکمال جہاں کہیں کہ ہے وجود کا اثر ہے جو محض خیر اور واجب الوجود جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہے ممکن میں جس طرح وجود اس بارگاہ جل شانہ سے ظلیت کے طور پر منعکس ہوا ہے اسی طرح حسن و جمال بھی اسی مرتبہ مقدسہ سے ظلیت کے طور پر اس میں آیا ہے۔ ممکن کا ذاتی اس کے عدم ذاتی کے باعث محض شر اور سراسر قبح ونقص ہے لیکن یہ حسن و جمال جو ممکن میں مشہود ہوتا ہے اگرچہ وجود ہی سے آیا ہے لیکن چونکہ عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوا ہے اس لئے آئینہ کا رنگ پکڑ کر قبح ونقص حاصل کر چکا ہے اور ممکن جو ذاتی قبح ونقص رکھتا ہے اس حسن سے اس قدر حظ ولذت پاتا ہے جو حسن خالص یعنی اس حسن کے مبدء سے نہیں پاتا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی مناسبت زیادہ تر ہے جس طرح خاکروب کو بدبودار چیزوں سے وہ لذت آتی ہے جو پاکیزہ اور خوشبودار چیزوں سے نہیں آتی۔ مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلہ سے گزرا جونہی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک بزرگ بھی اسی راہ سے گزر رہا تھا جب اس معاملہ سے واقف ہوا، فرمایا کہ اس کی ناک کے آگے نجاست لا کر رکھ دو تا کہ اس کی بدبو سے خوش ہو کر ہوش میں آ جائے جب انہوں نے ایسا ہی کیا تو اس کو ہوش آ گیا۔

☆☆☆

مکتوب ۹۹

ان ظاہری باطنی نعمتوں کے شکریہ کے اظہار میں جو ماوراء النہر کے بزرگوں کی برکات سے پہنچی ہیں سیادت مآب ارشاد پناہ میر مومن بلخی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ (جس نے بندوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے گویا اللہ کا شکر بھی ادا نہ کیا) ماوراء النہر کے علماء و مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے حقوق ہم دور افتادہ پسماندوں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اس قدر ہیں کہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد اور آراء صائبہ کے موافق اعتقاد کی درستی اور علماء حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کے بموجب عمل کی صحت انہی بزرگواروں کی تدقیقات و تحقیقات سے حاصل ہوئی ہے اور طریقہ عالیہ صوفیہ قدس سرہم کا سلوک بھی اس ملک میں اسی مکان شریف کی برکات سے میسر ہوا ہے اور مقامات جذبہ و سلوک و فنا و بقاء اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ جو مرتبہ ولایت خاصہ پر وابستہ ہیں ان کی تحقیق اسی مبارک جگہ کے بزرگواروں کے فیوض سے پہنچی ہے غرض ظاہر نے بھی وہیں سے اصلاح پائی ہے اور باطن نے بھی اسی جگہ سے فلاح و نجات حاصل کی ہے۔ بیت

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار　　　　که اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہ تست

ترجمہ: بیت

شکر تیرا باغ سے کیونکر ہو اے ابر بہار　　　　سب تیرے پالے ہوئے ہیں خواہ گل خواہ خار

حَرَسَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَهَالِیْهَا مِنَ الْاٰفَاتِ وَالْبَلِیَّاتِ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ السَّادَاتِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اللہ تعالیٰ سید السادات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس جگہ کو اور وہاں کے رہنے والوں کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھے) وہ یار جو وقتاً فوقتاً اس بلند ملک سے اس پست ملک میں آتے ہیں وہاں کے حضرات صاحب برکات کا لطف و کرم اور خاص کر ارشاد و ہدایت پناہ و افادات و افاضت دستگاہ سلمہ اللہ تعالیٰ یعنی جناب کی شفقت و محبت اس حقیر کی نسبت ظاہر کرتے ہیں کہ وہ شرافت کے نشان والے عالی جناب فقیر کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور فقیر کے بعض ان علوم و معارف کو جو لکھے گئے ہیں، مطالعہ کرتے اور پسند

فرماتے ہیں بزرگوں کی اس قسم کی بشارت زیادہ امید کا باعث ہے اور بعض اذواق ومواجید کے لکھنے پر زیادہ زیادہ دلیر کرتی ہے چونکہ انہی دنوں میں ازسرنو شیخ ابوالمکارم صوفی نے آ کر آپ کے لطف وکرم کا اظہار کیا اور بڑی مہربانی فرمائی۔ اس لئے آپ کے کرم پر بھروسہ کر کے یہ چند کلمے لکھ کر آپ کو تکلیف دی اور اپنی یاد آوری کی طرف آپ کو توجہ دلائی چونکہ اس فقیر کے بعض مسودوں کی نقل برادرم محمد ہاشم نے جو مخلص دوستوں میں سے ہے۔ صوفی مشارالیہ کے ہمراہ ارسال کردی ہے اس لئے اسی پر کفایت کی گئی ہے اور اس طائفہ عالیہ کے علوم ومعارف کی کوئی بات اس خط میں درج نہیں کی جناب کی شفقت وعنایت سے امید ہے کہ خاص خاص وقتوں میں فقیر کو سلامت خاتمہ کی دعائے خیر سے یاد فرماتے رہا کریں گے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّیْٔ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) حضرات عالی درجات یعنی شرافت ونجابت کی پناہ والے اور اہل اللہ کی جائے پناہ سید میرک شاہ بخاری اور افادہ کے مرتبہ والے جہان کے علامہ جناب مولانا حسن اور شریعت کے ناصر اور ملت کے حافظ قاضی تولک ادام اللہ برکاتہم کی خدمت میں اس فقیر کی فقیرانہ دعوت پہنچا دیں اور فقیرزادوں کی طرف سے مخدوم زادوں کی خدمت میں سلام عرض کر کے دعا کی التماس کریں۔

مکتوب ۱۰۰

اس سر کے کشف میں کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گرفتاری کی وجہ کیا تھی اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ کے بیان میں شیخ نورالحق کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) فضائل وکمالات کے پناہ والے برادرم عزیزم شیخ نورالحق نے اس گرفتاری کی نسبت جو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی۔ بڑے شوق واہتمام کے ساتھ دریافت کیا تھا اور فقیر کو بھی مدت سے اس

امر کے انکشاف کا شوق تھا جب آپ کا شوق اس شوق کے ساتھ مل گیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہوا اور سرسری نظر میں ظاہر ہوا کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور ان کا حسن و جمال اس عالم دنیا کے خلقت اور حسن و جمال کی قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس جہان کے ان کا حسن صباحت حور و غلمان کے حسن کی مانند ہے اب اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے جو کچھ مفصل طور پر اس بارے میں فائض ہوا ہے تحریر کر کے ارسال کیا جاتا ہے۔ سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (یا اللہ تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جس قدر کہ تو نے ہم کو سکھایا) بیت۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

ترجمہ بیت

مجھ کو آئینے کے پیچھے مثل طوطی ہے رکھا کہتا ہوں جو کچھ کہ استاد ازل نے ہے کہا

سوال: یہ افراط محبت اور گرفتاری جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ کس سبب سے تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بزرگ آباؤ اجداد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمایا ہے۔ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (ہاتھوں اور آنکھوں والے یعنی توانا اور دانا) نیز ان کے آبائے کرام کے شان میں فرماتا ہے۔ اِنَّا اَخْلَصْنَا ھُمْ بِخَالِصَةٍ ذِکْرَی الدَّارِ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (ہم نے ان کو دار آخرت کی یاد کے لئے چن لیا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہتر لوگوں میں سے ہیں) پس حق تعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ انبیاء کے شان کے کیا مناسب ہے اور برگزیدہ مخلصوں کو مخلوق کے ساتھ کیسے تعلق ہو سکتا ہے کوئی یہ نہ کہے کہ یہ حق تعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری نہیں کیونکہ مخلوق حق تعالیٰ کے حسن و جمال کا آئینہ ہے جیسے کہ صوفیہ نے کہا ہے اور کثرت کے آئینہ میں وحدت کا شہود تجویز کیا ہے اور رویت آخرت کے سوا اس جہان میں ممکنات کی صورتوں کے مظہروں اور آئینوں میں مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کیا ہے کہ اس لئے اس قسم کے کشف و شہود جو سالکان صوفیاء کو توحید کے غلبوں کے وقت اس جہانی فانی میں حاصل ہوتے ہیں عجب نہیں کہ انبیاء کے امتوں میں سے خواص لوگوں کو ان سے انکار ہو اور یہ لوگ اس مکشوف و مشہود سے تنزہ اور پرہیز

کریں جب اصل معاملہ اس طرح ہے تو پھر انبیاء برگزیدہ کے حق میں اس قسم کے احوال کا ثبوت کس احتمال پر ہے بلکہ اس امر کا ان بزرگواروں کے حق میں عین وبال ہے۔

جواب: اس سوال کی بناء پر ایک مقدمہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن و جمال اور وہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کے حسن و جمال اور یہاں کی لذتوں و نعمتوں کی مانند نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن و جمال خیر در خیر ہے اور وہ لذت و نعمت حق تعالیٰ کو مقبول اور پسندیدہ ہے اور یہ حسن و جمال سراسر شر و نقص ہے اور یہ لذت و نعمت نامقبول و ناپسند ہے اسی واسطے دار آخرت رضا ہے اور دار دنیا مولیٰ جل شانہ کے غضب کا مقام۔

سوال: جب ممکن میں حسن و جمال مرتبہ حضرت وجود تعالیٰ سے عاریت کے طور پر آیا ہے اور ممکن اس مرتبہ کا مظہر اور آئینہ ہے کیونکہ ممکن اپنی کوئی چیز نہیں رکھتا سب کچھ حضرت وجوب تعالیٰ سے عاریت کے طور پر رکھتا ہے تو پھر ان دونوں مقامات میں کیوں فرق ہے اور کیوں ایک مقبول اور پسندیدہ ہے اور دوسرا نامقبول اور ناپسند۔

جواب: چند مقدموں پر مبنی ہے مقدمہ اول یہ کہ عالم سب کا سب واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات کا جلوہ گاہ اور مظہر اور حق تعالیٰ کے اسمائی وصفاتی کمالات کا آئینہ ہے مقدمہ دوم یہ کہ واجب تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں لیکن چونکہ وجود قیام میں حضرت ذات تعالیٰ کی محتاج ہیں اس لئے امکان ان میں ثابت ہے اور وجوب ذاتی ان کے حق میں غیر ثابت ہے کیونکہ ان کا وجوب خود بخود نہیں بلکہ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے اگرچہ ان کو غیر ذات نہیں کہتے لیکن غیریت سے چارہ نہیں رکھتے کیونکہ دوئی ان کے درمیان ثابت ہے وَالاَثْنَانِ مُتَغَايِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کی متغائر ہوتی ہیں) معقول والوں کے نزدیک قضیہ مقررہ ہے لیکن ان کے حق میں امکان کا اطلاق نہ کرنا چاہئے کہ اس سے حدوث کا وہم گزرتا ہے کیونکہ جو ممکن ہے وہ حادث ہے وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز نہ کرنا چاہئے کہ حضرت ذات تعالیٰ سے ان کا الگ ہونا مفہوم ہوتا ہے تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جہاں امکان کی بو پائی جاتی ہے وہاں فی حد ذاتہ عدم کی بھی گنجائش ہے اگرچہ اس عدم کا حاصل ہونا محال ہے لیکن وہ محال ہونا اس کے نفس سے پیدا نہیں ہوا بلکہ دوسری جگہ سے آیا ہے چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے لئے جس طرح ان کے وجود کی جانب میں حسن و جمال

ثابت ہے ان کے احتمال عدم کی جانب میں بھی حسن و جمال ثابت ہے۔ گو یہ حسن و جمال مرتبہ وہم وحسن میں ثابت ہو جو عدم کے مناسب ہے اور اگر چہ ہمسایہ سے عاریت کے طور پر لیا ہو کیونکہ عدم فی حدذاتہ شر و قبح کے سوا کچھ نصیب نہیں رکھتا وہ وجود ہی ہے جو سراسر خیر و کمال اور بتمامہ حسن و جمال ہے۔ واضح ہو کہ یہ حسن و جمال جو عدم میں نمایاں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے حنظل یعنی اندرائن کو شکر سے غلافی کر کے شیریں دکھلائیں۔ پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ نظر کشفی میں ظاہر ہوا ہے کہ جہان آخرت میں ممکن کی جانب وجود کو ترجیح دیکر صفات کے اس حسن و جمال کا مظہر بنائیں گی جو ان کے وجود کی جانب میں ثابت ہے جب یہ پانچوں مقدمے معلوم ہو گئے اور دنیا کے حسن و جمال اور آخرت کے حسن و جمال کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا اور ایک کی برائی اور دوسرے کی خوبی واضح ہو گئی اور ایک کا پسندیدہ اور دوسرے کا ناپسندیدہ ہونا معلوم ہو چکا تو ان تحقیقات سے اس سوال کا حل بھی ہو گیا اور اس مقدمہ کی توضیح بھی ہو گئی جس پر سوال مبنی تھا۔ اب میں سوال اول کا جواب کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کشف صریح کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اگر چہ اس جہان میں پیدا ہوا ہے لیکن اس جہان کے تمام موجودات کے برخلاف ان کا وجود عالم آخرت سے ہے اور ان کے وجود کی جانب کو ترجیح دیکر اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جو اسماء و صفات کے وجود سے تعلق رکھتا ہے اور عدمیت کی آمیزش کو جو ان کے نفس یا اصل سے تعلق رکھتی ہے منتفی کیا ہے اور عدم کی علت سے کہ ہر قبح و نقص کا منشاء ہے اور ان کو اور ان کے اصل کو پاک کیا ہے اور نور وجود کے غلبہ کے سوا جو بہشتیوں کے نصیب ہے ان میں کچھ نہیں چھوڑا۔ اسی واسطے ان کے حسن و جمال گرفتاری بہشت و بہشتیوں کے حسن و جمال کی طرح محمود اور پسندیدہ اور کاملوں کے نصیب ہوئی ہے اور محبت جس قدر زیادہ کامل ہو گا اسی قدر آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ تر گرفتار ہو گا اور اسی قدر حق تعالیٰ کی رضامندی میں اس کا قدم بڑھ کر ہو گا کیونکہ آخرت کی گرفتاری آخرت کے صاحب یعنی حق تعالیٰ کی عین گرفتاری ہے اس لئے کہ عالم آخرت حق تعالیٰ کی حکمت کا طلسم ہے اور رداء کبریا کی طرح پردگی کا روپوش نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارَ السَّلَامِ (اللہ تعالیٰ دارالسلام کی طرف بلاتا ہے۔) نص قاطع ہے اور وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے) اس مطلب پر حجت واضح ہے جن لوگوں نے

آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح مذموم جانا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا سمجھا ہے۔ انہوں نے آخرت کی حقیقت کو پورے طور پر نہیں جانا اور باوجود فرق ظاہر کے حاضر پر غائب کا قیاس کیا ہے رابعہ بیچاری اگر بہشت کی حقیقت کو پورے طور پر جانتی تو اس کے جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا نہ جانتی کسی اور نے کہا ہے کہ آیت کریمہ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ (کوئی تم میں سے دنیا چاہتا ہے اور کوئی آخرت) میں فریقین کی شکایت ہے حق تعالیٰ اس شخص کو انصاف دے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ بہشت کی طرف دعوت فرمائے اور دعوت کے بعد جو شخص قبول کرلے۔ پھر اس کی شکایت کرے اگر اس مقام مقدس کی گرفتاری بری ہوتی یا برائی کی آمیزش رکھتی تو بہشت رضا کا گھر نہ ہوتا اور رضا جو مراتب قبول میں سے نہایت مرتبہ ہے وہ بھی دنیا کی طرح مغضوب یعنی غضب کا موجب ہوتی۔ غضب کا سبب اور ذم کا باعث عدم ہے جو ہر قبح ونقص کی جڑ اور دنیا کا نصیب اور اس کی لعنت کا سبب ہے جب عدم کی کوئی چیز اس میں حاصل نہ ہوئی تو ذم وقبح کی آمیزش دور ہوگئی اور رضامندی اور نامقبول دشمنوں کے نصیب ہوئی اور رضا وقبول اور وجود نور اور وصل ووصول اور راحت وسرور کے سوا کچھ نہ رہا۔ حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تسبیح وتحمید وتہلیل سے بہشت میں درخت لگاؤ یعنی سبحان اللہ کہو اور درخت لگاؤ یعنی وہ تنزیہ جو یہاں ان حروف وکلمات کے لباس میں ظاہر ہوئی ہے وہاں ایک درخت کی صورت میں متمثل ہوگی جس کی گرفتاری اور لذت معنی تنزیہی کی عین گرفتاری اور لذت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس صوفیاء نے جو دقائق واسرار توحید واتحاد میں فرمائے ہیں اور اس جہان کے مظاہر جمیلہ پر لاکر عشق کی باتیں کی ہیں اور ان کے ضمن میں مشہود ومشاہدہ ثابت کیا ہے اور ان کے حسن وجمال کو مولیٰ جل شانہ کا حسن وجمال سمجھا ہے چنانچہ ایک کہتا ہے۔ ذُقْتُكَ فِي كُلِّ طَعَامٍ لَذِيذٍ (میں نے تجھے ہر طعام لذیذ میں چکھا ہے) دوسرا اس طرح کہتا ہے۔ بیت

در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

ترجمہ بیت

بے پردہ جب ہے آج ترے حسن کا ظہور
پھر اس کا وعدہ کل پر کرنا تھا کیا ضرور

تیر یوں بولتا ہے۔بیت

عاطشاں گر درقدح آبے خورند　　　　در دروں آب حق رانا ظراند

ترجمہ بیت

پیاسے گر پئیں کاسہ میں پانی　　　　نظر آتا ہے پانی میں خدا ہی

اس جہان میں اس قسم کی باتوں کا صدق آنا اس فقیر کے فہم و دریافت سے دور ہے فقیر اس جہان میں اس قسم کی نازک باتوں کے اٹھانے کی طاقت معلوم نہیں کرتا اور اس کو اس قسم کی دولت کے قبول کرنے کے قابل نہیں جانتا اگر اس جہان میں یہ طاقت و قابلیت ہوتی تو مولیٰ جل شانہ کے غضب کا محل نہ ہوتا اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ (دنیا پر لعنت ہے) نہ فرماتے وہ بہشت ہی ہے جو ان کرامات کے لائق اور ان مقامات کے قابل ہے اور ذُقْتُکَ فِیْ کُلِّ طَعَامٍ لَذِیْذٍ طعام بہشتی میں صادق آتا ہے نہ طعام دنیاوی میں کہ جس کے ساتھ عدم کا زہر آب ملا ہوا ہے اسی واسطے اس کا اختیار کرنا پسندیدہ نہیں۔فقیر کے نزدیک ہر شخص کا بہشت اس اسم الٰہی جل شانہ کے ظہور سے مراد ہے جو اس شخص کا مبدء تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور اور ولدان و غلمان کی صورت اور لباس میں ظہور فرمایا ہے جس طرح اسماء الٰہی جل شانہ میں بلندی اور پستی اور جامعیت اور عدم جامعیت کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح جنتوں میں بھی ان کے اندازہ کے موافق فرق ہے اگر اس ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ ثابت کیا جائے تو بہتر اور زیبا ہے اور شے کا اپنی مناسب جگہ میں استعمال کرنا ہے لیکن اس موضع کے سوا اس قسم کی باتوں کا اطلاق کرنا جرات ہے اور شے کو نامناسب جگہ پر استعمال کرنا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ صوفیاء نے فرط محبت اور کمال اشتیاق سے جو مطلوب کے ساتھ رکھتے ہیں جس قدر مطلوب کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچتی ہے غنیمت جانا ہے اور اس سکر اور غلبہ محبت کو عین مطلوب و مقصود سمجھا ہے اور اس قسم کی عشق بازیاں جو نفس مطلوب کے ساتھ ہونی چاہئیں اختیار کر کے حظ و لذت حاصل کی ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کیا ہے چنانچہ ایک بزرگ کہتا ہے۔بیت

سوئے تواز جا بر جہم مست و بیخود　　　　زہر سو کہ آواز پائے برآید

ترجمہ بیت

کہیں سے پاؤں کی آہٹ کو میں جس وقت پاتا ہوں

تو بیخود مست دیوانہ تری جانب کو آتا ہوں

ہاں اس قسم کے معاملات عاشقی اور محبت کی بے آرامی میں جائز پسندیدہ ہیں چونکہ یہ سب باتیں خدا تعالیٰ کے واسطے اور بے مثل مطلوب کے شوق دیدار کے لیے ہیں اس لیے ان کی خطا صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سکر صحو کا حکم۔ حدیث میں آیا ہے۔ سِیۡنُ بِلَالٍ عِنۡدَ اللّٰهِ شِیۡنٌ" (بلال کا سین اللہ تعالیٰ کے نزدیک شین ہے)

براشہد تو خندہ زند اسہد بلال

ترجمہ اشہد پہ تیرے ہنستا ہے اسہد بلال کا

جاننا چاہئے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر ایک بہشتی شخص کی رویت بھی اسی اسم الٰہی جل شانہ کے اندازہ کے موافق ہوگی جو اس کا مبدء تعین و تشخص ہے اور بہشتی درختوں، نہروں اور حور و غلمان کے لباس میں ظاہر ہوا ہے اس طرح پر کہ کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ کے کرم سے یہ درخت و نہریں وغیرہ جو اس اسم مقدس کے مظہر ہیں تھوڑی دیر کے لیے عینک کا حکم پیدا کرلیں گے اور اس شخص کے لیے رویت غیر متکیفہ کی دولت کا وسیلہ ہو جائیں گے اور پھر اصلی حالت میں آجائیں گے اور اس کو اپنے ساتھ مشغول رکھیں گے، جس طرح کے تجلی ذاتی برقی ہے جس کو صوفیاء نے اس جہان میں ثابت کیا ہے کہ حضرت ذات تعالیٰ کی تجلی اس دولت کے مستعدوں کے لیے ہمیشہ اسماء وصفات کے پردہ میں ہوتی ہے اور کچھ مدت کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ان اسماء وصفات کے حجاب دور ہو جاتے ہیں اور حضرت ذات تعالیٰ اسماء وصفات کے پردہ کے بغیر متجلی ہوتی ہے چونکہ وہ اسم الٰہی جل شانہ حضرات ذات تعالیٰ کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اس لیے ہر ایک شخص کی رویت بھی اسی اعتبار ذاتی کے متعلق ہوگی جو اس شخص کا رب ہے اس مضمون سے کوئی شخص ذات تعالیٰ کے تبعض و تجزی یعنی بعض بعض اور جزو جزو ہونے کا وہم نہ کرے کیونکہ ذات جل شانہ بتمامہ وہ اعتبار ہے یہ نہیں کہ ذات کا بعض حصہ وہ اعتبار ہے اور بعض حصہ کوئی دوسرا اعتبار کیونکہ یہ نقص و حدوث کی علامت ہے۔ تَعَالَی اللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ عَنۡ ذٰلِکَ (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک و برتر ہے) اور اگرچہ ہر ایک اعتبار سراسر ذات ہے لیکن مرئی وہی اعتبار ہے نہ دوسرے اعتبارات لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ

(آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں) کا سراس جگہ طلب کرنا چاہیے۔

سوال: جب اعتبارات میں کوئی تمیز نہیں اور ہر ایک عین ذات ہے تو پھر رویت کو تمام اعتبارات میں سے ایک اعتبار کے متعلق کرنا کس لیے ہے۔

جواب: یہ اعتبارات اگرچہ عین ذات ہیں بلکہ ایک دوسرے کے بھی عین ہیں اور وہ تمیز و امتیاز چونی جو عالم چون کے گرفتاروں کے نزدیک معتبر ہے نہیں رکھتے لیکن ان کے درمیان امتیاز بیچونی ثابت ہے اور وہ صاحب نصیب لوگ جو عالم چون سے بیچون طور پر عالم بیچون کے ساتھ جا ملے ہیں ان پر یہ امتیاز بیچونی واضح ہے اور اس کو گوش و چشم کے امتیاز کی مانند معلوم کرتے ہیں ہاں وہ صاحب دولت جس کا مبدء تعین اعتدال کے طور پر اسم جامع ہوتا ہے اس کو مجمل طور پر درجات کے تفاوت کے بموجب ذات تعالیٰ کے تمام اعتبارات سے حصہ حاصل ہوتا ہے اور اس کی رویت ان سب کے متعلق ہوتی ہے لیکن چونکہ جامعیت اجمال کی تنگی جو اس کا نصیب ہے ہر وقت اس کو دامنگیر ہوتی ہے اس لیے درک و احاطہ اس کے حق میں بھی مفقود ہوتا ہے اور آیت کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ صادق آتا ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ حَدِيْثًا (اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے کلام والا کون ہے) جاننا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے کرم کے ساتھ مخصوص کر کے فناء اتم کی دولت سے مشرف فرماتا ہے اور عدم کی قید سے کہ اس کی ماہیت تھی خلاص کرتا ہے اور اس کا عین و اثر باقی نہیں چھوڑتا تو اس فناء کے بعد اس کو ایک وجود بخشتا ہے جو عالم آخرت کے وجود کی مانند ہوتا ہے جس کا تعلق ممکن کی جانب وجود کی ترجیح کے ساتھ ہوتا ہے اور اسماء صفات الٰہی جل شانہ کے جانب وجود کے کملات کا مظہر ہوتا ہے جس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے ہی وجود میں اس دولت سے مشرف ہوئے تھے اور یہ عارف دوسرے وجود اور دوسری ولادت میں چونکہ وہ دولت جبلی اور پیدائشی تھی۔ اس لیے ظاہری حسن بھی عطا فرمایا اور یہ چونکہ کسب کے بعد حاصل ہوئی ہے اس لیے نور باطن پر کفایت کی اور اس کے ظاہری حسن کو آخرت کے لیے ذخیرہ رکھا۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس قسم کا دولتمند عزیز الوجود اور کمیاب ہے یہ بزرگوار اگرچہ نبی نہیں لیکن انبیاء کی تبعیت سے ان کی دولت خاصہ میں شریک ہے اور اگرچہ طفیلی ہے لیکن ان کی نعمت کے دسترخوان پر بیٹھنے والا ہے اور اگرچہ خادم ہے لیکن مخدوموں کا ہم نشین ہے اور اگرچہ تابع ہے

لیکن متبوعوں کا مصاحب اور ہمراز ہے کبھی اس کے ساتھ وہ اسرار بیان کرتے ہیں جن میں انبیاء رشک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونے کی آرزو کرتے ہیں جیسے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس کی خبر دی ہے لیکن اس قسم کا معاملہ فضل جزوی میں داخل ہے فضل کلی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے لیے ہے اور چونکہ یہ فضل بھی اس کو انبیاء کی متابعت کی بدولت حاصل ہوا ہے اس لیے انہی کا ہے وہ صرف ان کا ایک امانت دار ہے۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمَ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (ہمارے مرسل بندوں کے لیے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یہی لوگ فتح مند ہیں اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا) نص قرآنی ہے جس نے ان بزرگواروں کی شان کو سب سے آگے بڑھا دیا ہے اور سب پر فتح منداور غالب کیا ہے۔

سوال: یہ وجود جو اس تام الصفات عارف کو بخشا جاتا ہے یہ بھی اس جہان کے تمام موجودات کے وجود کی طرح مرتبہ حس میں ہے یا اس مرتبہ سے خارج ہے اور اگر خارج ہے تو اس نے وجود خارجی پیدا کیا ہے یا نہیں حالانکہ قوم کے نزدیک مقرر ہے کہ خارج میں حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں۔

جواب: جواب جو کچھ آخر کار معلوم ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں مرتبہ حس و وہم سے خارج ہے اور نفس امری ہو چکا ہے۔ مرتبہ وہم نے اگر چہ ثبات و تقرر کے اعتبار سے نفس امر کا حکم پیدا کیا تھا لیکن درحقیقت نفس امر نہ تھا کیونکہ نفس امر اس مرتبہ کے ماسوا ہے۔ گویہ مرتبہ مرتبہ وہم و خارج کے درمیان برزخ ہے۔ عالم آخرت کی موجودات بھی مرتبہ نفس امر میں ہیں بلکہ صفات ثمانیہ حقیقیہ کے سوا حق تعالیٰ کی باقی تمام صفات اسی مرتبہ میں ہیں اور مرتبہ خارج ذات اقدس جل شانہٗ اور اس کی صفات ثمانیہ کے سوا کچھ موجود نہیں۔ پس موجودات کے لیے تین مرتبے پیدا ہوئے۔ (۱) مرتبہ وہم جو اس جہان کے اکثر افراد کے نصیب ہے سب کے سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ ان کا وجود عالم آخرت کے وجود کے مناسب ہے اور اولیاء کرام میں سے بھی بعض اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور وہم سے نکل کر نفس امر سے مل گئے ہیں۔ (۲) مرتبہ نفس امر ہے جہاں حق تعالیٰ کی صفات وافعال ثابت ہیں اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ میں موجود ہیں اور عالم آخرت کا وجود بھی اس

مرتبہ میں ثابت ہے اور انبیاء سب کے سب اور اولیاء میں سے بہت کم بھی اس مرتبہ میں گئے ہیں۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات اس مقام کے مرکز میں ہیں جو اس کے تمام اجزاء میں سے اشرف جزو ہے اور باقی تمام موجودات اپنی اپنی استعداد کے موافق اس مرکز کے اطراف واکناف میں ہیں۔ (۳) مرتبہ خارج ہے جہاں واجب الوجود جل شانہ کی ذات اور صفات ثمانیہ موجود ہیں فرق صرف مرکز اور غیر مرکز کا ہے کیونکہ اشرف اقدس کے بہت مناسب ہے۔

سوال: مرتبہ وہم سے مرتبہ نفس الامر میں جانا کیا قرب رکھتا ہے اور کون سا قرب اس پر وابستہ ہے۔

جواب: ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا مبدء وجود ہے اور وجود میں قوت واستقرار جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر ان صفات کا ظہور زیادہ کامل ہوگا اور شک نہیں کہ وجود نفس امری وجود وہمی سے اقوی واثبت ہے۔ اس لیے خیر و کمال اس میں اتم واکمل ہوگا اور اس کے قرب میں کیا کلام ہے جبکہ حق تعالیٰ کی صفات افعال کے مرتبہ میں موجود ہوا ہے اور خالقیت و رازقیت کی صفات سے حق تعالیٰ کا قرب و جوار پیدا کیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ عدم کا ثبوت اور ایسے ہی ان کمالات کا ثبوت جن میں عدم کی آمیزش ملحوظ ہے اگرچہ کمالات صفاتیہ میں سے ہوں سب مرتبہ حس و وہم میں ہیں جب تک عدم سے بالکل پاک نہ ہوں اور عدم کا عین اثر زائل نہ ہو جائے مرتبہ نفس الامر تک پہنچنے کے لائق نہیں ہوتے اگرچہ ثبوت وہمی میں عدم کے قوت وضعف کے اعتبار سے بہت سے درجات ہیں یعنی عدم جس قدر زیادہ قوی ہوگا اس قدر مرتبہ وہم کی گرفتاری زیادہ اتم واکمل ہوگی اور جس قدر زیادہ ضعیف ہوگا اسی قدر گرفتاری کم ہوگی بہت سے اولیاء جو سیر سلوک کر کے عدم کے تمام مراتب سے گزر جاتے ہیں اور عدم کے اثر کے سوا ان میں کچھ باقی نہیں رہتا اگرچہ جب تک وہ اثر باقی رہتا ہے مرتبہ نفس الامر میں داخل نہیں ہوتے لیکن مرتبہ وہم سے گزر کر اس کے نہایت نقطہ تک پہنچ جاتے ہیں اور مرتبہ نفس امر کے نظارہ کرنے والے ہو جاتے ہیں اور اس مقام سے کچھ حصہ حاصل کر لیتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام اپنے اپنے درجات کے موافق اور انبیاء کے بعض تابعدار گو تھوڑے ہی ہوں۔ مقام نفس امری کے نہایت تک پہنچے ہیں اور

وہاں ہر ایک کے لیے درجات کے اختلاف کے بموجب خاص محل اور علیحدہ مقام ہے۔ قرآن مجید کے حروف وکلمات بھی وہاں مشہود ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقام انبیاء علیہم السلام کے اوپر ہے۔ گویا اس مقام سے نکل چکے ہیں اور مقام فوق تک نہیں پہنچے ہیں اور درمیان میں برزخ بن کر اقامت اختیار کی ہے کیونکہ مقام فوق واجب الوجود جل شانہ کی ذات اور صفات پاک کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے کہ خارج میں سوائے حق تعالیٰ کے کچھ موجود نہیں۔ یہ حروف وکلمات چونکہ حدوث کے نشانات رکھتے ہیں اس لیے اس مقام تک پہنچنے کی قابلیت نہیں رکھتے لیکن اس مرتبہ کی تمام موجودات سے پیش قدم ہیں اور اپنے اپنے مدلولات کے دامن میں پنجہ مارے ہوئے ہیں اور وہ بزرگ کہ جنہوں نے مرتبہ نفس امر کی نہایت میں اقامت اختیار کی ہے۔ مرتبہ فوق کے نظارہ کرنے والے ہیں اور کمال گرفتاری کے باعث نرگس کی طرح ہمہ تن آنکھ بن کر اس جناب مقدس کی طرف دیکھنے والے ہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ یہ بزرگوار باوجود اس وطن واقامت اختیار کرنے کے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کے موافق اپنے محبوب کے ساتھ مجہول الکیفیت معیت رکھتے ہیں اور بیخود ہو کر اس کے ساتھ ہیں اور بغیر اتحاد ودوئی کے اپنے مطلوب کے ساتھ مانوس ومالوف ہیں۔ اس اثنا میں کہ اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ حروف وکلمات قرآنی کی معیت کا ملاحظہ کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ اس معیت کو دوسروں کی معیت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ یہ معیت بہت ہی بلند ہے ذرا بھی ادراک وسمجھ میں نہیں آسکتی کیونکہ ابطن بطون یعنی باطنوں کے باطن پر وابستہ ہے۔ مخلوق کے فہم کی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔ اَلْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللّٰہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ (قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے) آیا ہے ان حروف وکلمات مقدسہ کی بلندی شان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نفسی یہی حروف وکلمات ہیں چنانچہ قاضی عضد نے اس کی تحقیق کی ہے اور تقدیم اور تاخیر کے بغیر انہی کو کلام قدیمی نفسی کہا ہے اور ان کی تقدیم وتاخیر کو اپنے آلہ حادث یعنی زبان کے تصور پر موقوف رکھا ہے۔

سوال: اگر یہی حروف وکلمات کلام نفسی ہوں تو پھر چاہیے کہ مرتبہ خارج میں داخل ہوں اور پہلے گزر چکا ہے کہ اس مقام میں داخل نہیں ہوتے اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: یہ حروف وکلمات چونکہ ذہنوں میں مقدم وموخر مذکور ہوئے ہیں اس لیے اس ملاحظہ

سے نظر کشف میں ظاہر ہوتے ہیں کہ مرتبہ خارج میں داخل نہیں جب دوبارہ ان کو تقدیم و تاخیر کے ملاحظہ کے بغیر دیکھا ہے تو مشہود ہوا ہے کہ داخل ہیں اور اپنے اصل کے ساتھ ملحق بلکہ متحد ہیں۔ پس دوسروں کی معیت کو ان کی معیت کے ساتھ کیا نسبت ہے کیونکہ اس معیت میں اتحاد ہے اور دوسروں کی معیت میں اتحاد کی گنجائش نہیں۔ سبحان اللہ یہی حروف وکلمات قرآنی جب اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے تو اس کا ظہور اس جہان میں برخلاف دوسری صفات قدیمہ کے بنفس خود ہوگا کیونکہ اس صورت میں حروف وکلمات اس کلام قدیم کا نفس ہیں اور عارضی تقدیم و تاخیر کے سوا کہ وہ بھی آلہ تکلم کے قصور کے باعث ہے۔ کوئی اس کا روپوش نہیں ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اشیاء سے زیادہ قریب قرآن مجید ہے اور حق تعالیٰ کی صفات سے زیادہ ظاہر بھی یہی صفت ہے جس کو ظلیت کی گرد بھی نہیں لگی اور تقدیم و تاخیر کے خس و خاشاک کو محجوبوں کی آنکھ میں ڈال کر اپنی اصالت کے ساتھ عالم ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام عبارتوں سے افضل قرآن مجید کی تلاوت ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی شفاعت سے زیادہ مقبول ہے خواہ ملک مقرب کی شفاعت ہو اور خواہ نبی مرسل کی اور وہ نتائج وثمرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مترتب ہوتے ہیں۔ تفصیل سے باہر ہیں۔ بسا اوقات تلاوت کرنے والے کو ایسے بلند درجات تک لے جاتا ہے کہ وہاں بال کی بھی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

سوال: کیا قرآن مجید کے حروف وکلمات ہی اس دولت کے ساتھ مخصوص ہیں یا تمام منزلہ کتابوں کے حروف وکلمات بھی اس دولت میں ان کے ساتھ شریک ہیں اور سب کلام قدیم نفسی ہیں۔

جواب: سب اس دولت میں شریک ہیں البتہ اس قدر فرق نظر کشفی میں پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید گویا مرکز دائرہ ہے اور تمام کتب منزلہ بلکہ تمام وہ کلام جن کے ساتھ ازل سے ابد تک تکلم واقع ہوتا ہے اس دائرہ کا محیط ہیں۔ پس قرآن مجید سب کا اصل اور تمام کتابوں میں سے اشرف ہے کیونکہ مرکز دائرہ کے تمام اجزاء میں سے اشرف اور اس کے تمام نقطوں کا اصل ہوتا ہے گویا تمام نقطے اس کی تفصیل ہیں اور وہ سب کا اجمال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی شان میں فرماتا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (بیشک وہ اولین کے صحیفوں میں تھا)

سوال: تحقیق اول سے معلوم ہوا ہے کہ اس جہان میں مظاہر جمیلہ کے ضمن میں شہود و مشاہدہ جو بعض نے کہا ہے واقع نہیں اور ان میں اس مقدمہ کے مظہر بننے کی قابلیت نہیں کہ اس جہان

میں ان مظاہر کے سوا نفس شہود و مشاہدہ متحقق ہے یا نہیں؟
جواب: جو کچھ اس فقیر کے اعتقاد میں ہے یہ ہے کہ اس جہان کے نصیب ایقان ہے کہ رویت بصری اور مشاہدہ جو درجات کے اختلاف کے بموجب رویت قلبی سے مراد ہے اسی کا ثمرہ و نتیجہ ہے جو آخرت پر وابستہ ہے صاحب تعرف قدس سرہ جو اس طائفہ عالیہ کے بزرگواروں میں سے ہیں اپنی کتاب میں مشائخ کا اجماع اس بارہ میں نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشائخ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اس جہان میں حق تعالیٰ کی رویت آنکھ اور دل سے واقع نہیں اور ایقان کے سوا کوئی اور امر ثابت نہیں۔
سوال: اس طائفہ علیہ کے نزدیک ثابت و مقرر ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین وعین الیقین وحق الیقین۔ علم الیقین اثر سے موثر کی طرف استدلال کرنے سے مراد ہے جس طرح آگ کے وجود کا یقین جو استدلال کے طور پر دھوئیں کے وجود کے علم سے حاصل ہوتا ہے اور عین الیقن آگ کے دیکھنے سے مراد ہے اور حق الیقین شان آتش کے ساتھ متحقق ہونے سے مراد ہے اور جب رویت قلبی بھی نہ ہوئی تو پھر عین الیقین کس طرح درست ہے اور عدم رویت پر مشائخ کا اجماع کس طرح صادق ہے۔
جواب: ہوسکتا ہے کہ اجماع سے مراد مشائخ متقدمین کا اجماع ہو اور متاخرین نے اس کیخلاف حکم کیا ہو اور رویت قلبی کو تجویز کیا ہو لیکن اس فقیر کے نزدیک یہ حکم ثابت نہیں ہوا اور اس تجویز کا ثبوت نہیں ملا یہ تینوں درجے جو یقین میں کہے گئے ہیں سب علم الیقین میں داخل ہیں اور استدلال سے نہیں نکلے اور علم سے عین تک نہیں پہنچے یہ جو انہوں نے عین الیقین میں آگے کا دیکھنا کہا ہے جس سے آگ کے وجود پر استدلال کیا ہے نہ کہ آگ کا دیکھنا جس طرح کہ علم الیقین میں دھوئیں کے علم سے آگ کے وجود پر استدلال تھا یہاں دھوئیں کے دیکھنے سے آگ کے وجود پر استدلال ہے یہ دوسرا یقین اپنی دلیل کے قوی ہونے کے باعث پہلے یقین سے اتم واکمل ہے کیونکہ وہاں علم دلیل یعنی دلیل کا علم ہے اور یہاں رویت دلیل یعنی دلیل کا دیکھنا اسی طرح حق الیقین میں دھوئیں کے ساتھ متحقق ہونا ہے نہ کہ آگ کے ساتھ اور اس آگ پر استدلال کرنا ہے یہ یقین پہلے دونوں یقینوں کی نسبت زیادہ کامل ہے کیونکہ اپنے نفس سے جو دخان ہے آگ کے وجود پر استدلال کرتا ہے اور انفس سے آفاق تک فرق واضح

ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (ہم آفاق میں اور ان کے انفس میں اپنے نشان دکھائیں گے تا کہ واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانات ہیں اور تمام جانوں میں بھی ہیں۔ تم کیوں نہیں دیکھتے) جو کچھ آفاق وانفس میں دیکھا جاتا ہے سب مطلوب کے نشان ہیں نہ نفس مطلوب پس مرئی انفس وآفاق میں دخان ہے جو آتش کا نشان ہے نہ کہ آتش پس معاملہ انفس وآفاق میں استدلال ہے جو علم الیقین کی حقیقت ہے اور عین الیقین وحق الیقین کو انفس وآفاق کے ماوراء تشخیص کرنا چاہیے۔ سبحان اللہ بزرگوں نے مطلوب کی یافت کی نفس کے باہر لاحاصل سمجھا ہے چنانچہ کوئی کہتا ہے۔ بیت

ہچو نابینا مبر ہر سوئے دست باتو درزیر گلیم است آنچہ ہست

ترجمہ بیت

ہاتھ اندھوں کی طرح ہرگز نہ مار گودڑی میں ہے وہ تیرے ہم کنار

کوئی اس طرح کہتا ہے۔ بیت

چوں جلوہ آں جمال بیروں زتونیست پابدامان و سر بجیب اندر کش

ترجمہ بیت

جب جلوہ اس جمال کا باہر ترے نہیں خاموش بیٹھ اور ڈھونڈ اس کو تو کہیں

کوئی یوں پکارتا ہے۔ بیت

ذرہ گربس نیک وربس بدبود گرچہ عمرے تک زندہ درخود بود

ترجمہ بیت

ذرہ گر ہو نیک یا ہو بس برا عمر تک دوڑے رہے اس جا پڑا

صاحب فصوص فرماتے ہیں کہ تجلی ذاتی متجلی لہ صورت پر ہوتی ہے۔ ایک بزرگ اس طرح کہتے ہیں کہ اہل اللہ فناء وبقاء کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے آپ ہی میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ جانتے ہیں اپنے آپ میں ہی پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے ہی وجود میں ہے۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (اپنی جانوں میں تم کیوں نہیں دیکھتے) فقیر کے نزدیک انفس

بھی آفاق کی طرح لاحاصل ہے اور مطلوب کے آفاق سے خالی اور بے نصیب ہے وہ ہنر جو انفس و آفاق میں ہے مطلوب کی طرف استدلال اور مقصود پر دلالت ہے۔ مطلوب تک پہنچنا انفس و آفاق کے ماوراء پر وابستہ ہے اور جذبہ وسلوک کے ماسواء پر موقوف ہے کیونکہ سلوک سیر آفاقی ہے اور جذبہ سیر انفسی پس سلوک و جذبہ اور سیر انفسی و آفاقی سب سیر الی اللہ میں داخل ہیں نہ کہ جس طرح صوفیاء نے کہا ہے کہ سیر وسلوک آفاقی سیر الی اللہ ہے اور جذبہ و سیر انفسی سیر فی اللہ کیا کہا جائے۔ ان کو ایسا بتلایا گیا ہے اور مجھے ایسا سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں مگر جو تو نے سکھایا) ان کے پس خوردہ کھانے والے مجھ مسکین کی کیا طاقت ہے کہ ان کے مذاق کے برخلاف کلام کرے لیکن چونکہ معاملہ تقلید سے گزر چکا ہے اس لیے جو کچھ پاتا ہے کہتا ہے خواہ قوم کے مخالف ہو یا موافق۔ امام ابو یوسف کے لیے تقلید سے گزر کر اپنے استاد امام ابوحنیفہ کے ساتھ موافقت کرنا خطا ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

سوال: یقین کے یہ تینوں درجے جب علم الیقین میں داخل ہیں تو پھر تمہارے نزدیک عین الیقن کیا ہے؟

جواب: عین الیقن اس حالت سے مراد ہے جو نفس دخان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے اور جب مستدل درجہ دلیل کے منتہا تک پہنچ جائے جو کہ دخان ہے تو اس کے لیے بھی آگ کے ساتھ وہ حالت پیدا ہو جائے گی جو دخان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ حالت عین الیقین سے تعبیر کی گئی ہے جو علم استدلال سے برتر ہے اور انفس و آفاق کے باہر ہے چونکہ استدلال کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا ہے جو مرتبہ علم کی نہایت ہے اس لیے علم سے کشف میں آ گیا ہے اور غیب سے شہود و حضور میں پہنچ گیا ہے جاننا چاہئے کہ شہود و حضور اور ہے اور رویت و احساس اور ضعیف البصر کے لیے آفتاب کی تیز روشنی میں آفتاب کا شہود و ثابت ہے اور اس کی رویت و احساس متحقق نہیں۔

تنبیہ: دخان کے ساتھ متحقق ہونا دو درجے رکھتا ہے اور علم الیقین و عین الیقین کو شامل ہے۔ جیسے کہ اس کی تحقیق گزر چکی دخان کے ساتھ متحقق ہونے میں جب تک اس کے تمام نقطوں کو طے کر کے اس کے آخیر نقطہ تک نہ پہنچیں تب تک علم الیقین ہے کیونکہ ہر ایک نقطہ جو باقی رہا

ہے اس کا حجاب ہے جس سے استدلال لازم آتا ہے اور جب تمام نقطوں سے متحقق ہو کر اس کے آخیر نقطہ تک پہنچ جائیں تو پھر استدلال سے نکل آتے ہیں کیونکہ حجب یعنی پردے سب کے سب دور ہو جاتے ہیں اور نفس دخان کی طرف عین الیقین ثابت ہو جاتا ہے۔ فَافْہَمْ حق الیقین کی نسبت کیا لکھا جائے۔ کیونکہ اس کے ساتھ کامل طور پر متحقق ہونا عالم آخرت پر وابستہ ہے اگر اس دولت کا کچھ حصہ دنیا میں ثابت ہے تو اخص خواص کے ساتھ ہی مخصوص ہے جن کے نزدیک سیر انفسی جو حق الیقین کے مشابہ ہے علم الیقین میں داخل ہے اور ان کے انفس نے آفاق کا حکم حاصل کیا ہے اور ان کا علم حضوری جو انفس کے متعلق ہے علم حصولی ہو گیا ہے اور عین الیقین انفس و آفاق کے ماوراء ان کے حق میں حاصل ہوا ہے ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔

خاتمہ حسنہ: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اس حسن و جمال کے بیان میں جو پروردگار عالمیان جل شانہ کی محبت کا باعث ہے اور جس کے سبب آنحضرت رب العالمین کے محبوب ہوئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ اس صباحت کے سبب جو ان میں پائی جاتی تھی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب تھے لیکن ہمارے حضرت پیغمبر خاتم الرسل اس ملاحت کے باعث جو ان میں موجود تھی۔ خالق زمین و آسمان کے محبوب ہیں اور زمین و آسمان کو ان ہی کے طفیل پیدا فرمایا ہے۔ کَمَا وَرَدَ جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی اس دقیقہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت واجب الوجود جل شانہ کی صفات ثمانیہ حقیقیہ اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کے باعث جو ان کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ان میں امکان کی بو پائی جاتی ہے اور جب صفات حقیقیہ قدیمہ میں امکان کی بو موجود ہے تو حضرت واجب الوجود جل شانہ کی صفات اضافیہ میں بطریق اولیٰ امکان ثابت ہوگا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر پختہ دلیل ہوگا۔ کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا

ہے نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے جو ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مشہود نہیں ہوتا بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشاء صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے جب آنحضرت کا وجود عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں بلکہ اس عالم سے برتر ہے تو یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہان میں آنحضرت سے زیادہ لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔

واضح ہو کہ صفت علم صفات حقیقیہ میں سے ہے اور موجود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے اور جب اس صفت کو اضافت عارض ہو جائے اور اس سے تقسیم ہو جائے جیسے کہ علم اجمالی اور علم تفصیلی تو یہ قسمیں صفات اضافیہ میں سے ہوں گی اور ثبوت نفس امری کے دائرہ میں داخل ہوں گی جو صفاف اضافیہ کا مقرر مقام ہے جیسے کہ گزر چکا اور مشہود ہوتا ہے کہ علم جملی جو صفات اضافیہ میں سے ہے وہی نور ہے جس نے عالم عنصری میں بہت سی پشتوں سے رحموں میں منتقل ہونے کے بعد بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے بموجب صورت انسانی میں جو احسن تقویم ہے ظہور فرمایا ہے اور جس کا نام محمد واحمد ہوا ہے۔

غور سے سننا چاہئے کہ اس قید اجمال نے اگرچہ علم مطلق کو مقید کیا ہے اور اس کو حقیقت سے اضافت میں لایا ہے لیکن مقسم یعنی علم میں کوئی زیادتی پیدا نہیں کی اور اس کی کسی چیز کو مقید نہیں کیا کیونکہ اجمال علم نفس علم سے مراد ہے نہ کہ کوئی زائد امر جو علم سے ملا ہو برخلاف تفصیلی علم کے جو بے شمار جزئیات کو چاہتا ہے تا کہ تفصیل متصور ہو سکے۔ یہ عجب قید ہے جو اطلاق کی مظہر ہے اور عجیب مقید ہے جو نفس مطلق ہے اس قسم کی نزاکت مطلق علم میں ذات عالم جل شانہ کی نسبت ملاحظہ کرنی چاہئے جہاں علم نفس عالم اور نفس معلوم ہو سکتا ہے جیسے کہ علم حضوری میں ثابت ہے۔ برخلاف دوسری صفات کے کہ یہ قابلیت نہیں رکھتیں نہیں کہہ سکتے کہ قدرت عین قادر اور عین مقدور ہے یا ارادت عین مرید اور عین مراد ہے پس علم کو ذات عالم کے ساتھ وہ اتحاد نیستی ہے جو غیر کو نہیں یہاں احمد کا قریب جو احد کے ساتھ ہے معلوم کرنا چاہئے اور جاننا چاہئے کہ ان کے درمیان کون سا واسطہ ہے وہ صفت علم ہی ہے جو ایک ایسا امر ہے جو مطلوب کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے پھر حجاب ہونے کی کیا گنجائش ہے نیز علم کے لیے ایک ایسا ذاتی حسن

ہے جو صفات میں سے کسی اور کیلئے ثابت نہیں ہے اسی واسطے اس فقیر کے خیال میں جو صفات واجبی سے زیادہ محبوب حق تعالیٰ کے نزدیک صفت علم ہے چونکہ اس کا حسن بیچونی کی آمیزش رکھتا ہے اس لیے حس اس کے ادراک سے قاصر ہے اس حسن کا پورا پورا ادراک عالم آخرت پر وابستہ ہے جو رویت کا مقام ہے جب خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے حضرت محمد کے جمال کو بھی پالیں گے اگرچہ اس جہان میں حسن کا دو تہائی حصہ حضرت یوسف کو عطا ہوا اور باقی تیسرا حصہ سب میں تقسیم ہوا لیکن عالم آخرت میں سارا حسن حسن محمدی ہے اور تمام جمال جمال محمد ہے جو خدا تعالیٰ کو محبوب ہے صفت علم کے حسن کے ساتھ کسی دوسری صفت کے حسن کو کس طرح مشارکت ہوسکتی ہے جبکہ اس کا حسن مطلوب کے ساتھ متحد ہونے کے باعث عین مطلوب کا حسن ہے۔ دوسری صفت کے لیے چونکہ اس قسم کا اتحاد نہیں اس لیے ایسا حسن بھی نہیں۔ پس پیدائش محمد باوجود حدوث کے قدم ذات کی طرف منسوب ہے اور اس کا امکان بھی وجود ذات تعالیٰ تک منتہی ہے اور اس کا حسن حسن ذات تعالیٰ ہے جس میں حسن کے سوا اور کسی چیز کی آمیزش نہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہے اور حق تعالیٰ کی محبوب ہے۔ اَللّٰہُ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ (اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو دوست رکھتا ہے)

سوال: آیت کریمہ وَیُحِبُّھُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت کے سوا اوروں کے ساتھ بھی حضرت حق سبحانہ کی محبت کا تعلق ہے اور دوسرے بھی حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اس تخصیص کی وجہ کیا ہے جو دوسروں میں موجود نہیں۔

جواب: محبت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ محبت ہے جو ذات محب کے متعلق ہے دوسری وہ محبت ہے جو اس کی ذات کے سوا غیر سے تعلق رکھتی ہے۔ پہلی قسم ذاتی محبت ہے اور محبت کی تمام قسموں سے بڑھ کر ہے کیونکہ کوئی شخص کسی چیز کو اتنا دوست نہیں رکھتا جتنا کہ اپنے آپ کو نیز اس قسم کی محبت نہایت محکم اور مضبوط ہوتی ہے جو کسی عارضہ سے زائل نہیں ہوتی۔ نیز یہ محبت محبوب صرف سے تعلق رکھتی ہے جس میں محسبیت کی آمیزش نہیں برخلاف دوسری قسم کی محبت کے کہ جو عارضی اور زوال پذیر ہے یہ محبت بھی اگرچہ ایک وجہ سے محبوب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے لیکن کئی وجوہ سے محسبیت کی آمیزش رکھتی ہے چونکہ حضرت خاتم الرسل کا حسن و جمال حضرت ذات تعالیٰ کے حسن و جمال کی طرف منسوب ہے جیسے کہ گزر چکا اس لیے قسم اول کی محبت جو ذات

تعالیٰ کے متعلق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہوئی اور ذات سبحانہ کی طرح محبت کے تعلق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محبوب صرف ہوئے دوسروں کو چونکہ یہ دولت میسر نہیں ہوئی اور ایک وجہ سے ان کو محبوب بنادیا محبوب مطلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں جو محب کی ذات کی طرح ہمیشہ محبوب ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کو حضرت حق سبحانہ کے ساتھ محبت غالب ہے اور وہ اس محبت کے باعث محبوں کے سردار اور رئیس ہیں اسی طرح حق تعالیٰ کو حضرت خاتم الرسل کے ساتھ غالب محبت ہے یہ فقیر ان دونوں محبتوں کے دریا میں ہر چند غوطہ لگاتا اور تیرتا ہے کہ قوت وضعف کے لحاظ سے ان دونوں محبتوں کے درمیان فرق ظاہر کرے اور آیت کریمہ اَلاَ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ (خبردار اللہ کا گروہ غالب ہے) گروہ کے موافق خالق کی محبت کو مخلوق کی محبت سے زیادہ مضبوط ومحکم معلوم کرے لیکن کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا گویا ان محبتوں کو عدالت کی میزان پر برابر تولا ہے اور بال بھر بھی کمی بیشی تجویز نہیں کی۔

سوال: صوفیاء نے تمام افراد عالم کو اسماء الٰہی جل شانہ کا ظہور مقرر کیا ہے اور انہیں اسماء کو اشیاء کی حقائق معلوم کیا ہے اور اشیاء کو ان کا ظلال جانا ہے گویا انہوں نے تمام عالم کو اسماء الٰہی جل شانہ کا ظہور مقرر کیا ہے پھر بعض اسماء کے ظہور کو آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اشیاء کی حقائق صوفیاء کے نزدیک وہ اعیان ثابتہ ہیں جو اسماء الٰہی کی علمیہ صورتیں ہیں۔ نہ کہ اسماء الٰہی بذات خود اور اس عالم کو ان علمیہ صورتوں کا ظہور کہا ہے اگرچہ مجاز کے طور پر ان کو اسماء کا ظہور بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک شے کی صورت علمی بھی اس شے کا عین ہے نہ کہ اس شے کا شبح ومثال اور یہ جو اس فقیر نے آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بارہ میں کہا ہے وہ نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے نہ کہ اس اسم کی صورت علمیہ کا ظہور۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَ نَفْسِ الشَّیْءِ وَ بَیْنَ صُوْرَتِهِ الْعِلْمِیَةِ (شے کے نفس اور اس کی صورت علمیہ میں بہت فرق ہے) آگ کو جب تصور کرتے ہیں تو اس صورت علمیہ میں اس کی چمک اور روشنی کہاں ہے جو آگ کا کمال وجمال ہے۔ صورت علمیہ میں صرف آگ کی شبح ومثال ثابت ہے۔ معقول والے لوگ اس بات کو پسند کریں یا نہ کریں خواہ عین آتش کہیں لیکن ہمارا کشف صریح عینیت کی تکذیب

کرتا ہے۔ آگ کی صورت علمیہ میں صرف اس آگ کی شبح و مثال ہے جو خارج میں موجود ہے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ جو اسماء کی علمیہ صورتوں کا ظہور ہے اس کا امکان و وجود امکان عالم اور اس کے وجود کی قسم سے ہے' جس نے مرتبہ وہم میں حق تعالیٰ کی صنعت سے ثبات و تقرر پیدا کیا ہے اور جو نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش میں گزر چکا ہے۔ اس کا امکان صفات اضافی کے امکان کی قسم سے ہے اور اس کا وجود بھی ان صفات کے وجود کی طرح مرتبہ نفس امر میں مقرر و ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کوئی شخص نظر نہیں آتا جو نفس اسم الٰہی کا ظہور ہو مگر قرآن مجید کی وہ بھی نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ظہور قرآنی کا منشاء صفات حقیقیہ میں سے ہے اور ظہور محمدی کا منشاء صفات اضافیہ میں سے اسی واسطے اس کو قدیم و غیر مخلوق کہتے ہیں اور اس کو حادث و مخلوق لیکن کعبہ ربانی کا معاملہ ان ہر دو ظہور اسی سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تنزیہی کا ظہور ہے کیونکہ کعبہ جو خلائق کا مسجود الیہ ہے پتھر' ڈھیلے' چھت اور دیواروں سے مراد نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں اگر نہ بھی ہو تو بھی کعبہ کعبہ اور مسجود الیہ ہے پس یہ نہایت ہی عجیب بات ہے کہ وہاں ظہور ہے لیکن اس کی کوئی صورت نہیں۔

واضح ہو کہ اس دولت خاصہ محمدی میں اگرچہ کوئی دوسرا شریک نہیں لیکن اس قدر معلوم کرتا ہے کہ آنحضرت کی تخلیق و تکمیل کے بعد انحضرت کی دولت خاصہ سے کچھ بقیہ رہ گیا تھا کیونکہ کریموں کی دولت ضیافت کے دستر خوان میں زیادتی لازم ہے تاکہ پس خوردہ خادموں کے نصیب ہو غرض وہ بقیہ آنحضرت کی امت کے دولتمندوں میں سے ایک کو پس خوردہ کے طور پر عطا فرمایا ہے اور اس کو خمیر مایا بنا کر اس کے وجود اور ذات کو اس سے گوندھا ہے اور آنحضرت ﷺ کی تبعیت اور وراثت کے طور پر آنحضرت کی دولت خاصہ میں شریک کیا ہے۔ ع

بر کریمان کارہا دشوار نیست

ترجمہ۔ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

یہ بقیہ حضرت آدم کی اس بقیہ طینت کی طرح ہے جو درخ خرما کو نصیب ہوا ہے جیسے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ اَكْرِمُوْا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ فَاِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِيَّةِ طِيْنَةِ اٰدَمَ (اپنی پھوپھی نخلہ کی عزت کرو کیونکہ وہ حضرت آدم کی بقیہ طینت سے پیدا کی گئی ہے) ہاں سچ ہے۔ ع

وَ لِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ

ترجمہ: ع ہے کاسہ کریم میں حصہ زمین کا

سوال: حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اور اس کے تابعین نے حقیقت محمدی کو حضرت اجمال علم سے تعبیر کیا ہے اور اس کو تعین اول کہا ہے اور تجلی ذات جانا ہے اور اس کے اوپر مرتبہ لاتعین ثابت کیا ہے جو مرتبہ حضرت ذات بحت ہے اور تم نے اس کو قسم علم اور صفات اضافیہ میں داخل کیا ہے جو صفات حقیقیہ سے نیچے ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: شیخ محی الدین قدس سرہ خارج میں ذات احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتا اور صفات کا وجود اگر چہ حقیقیہ ہوں علم کے سوا ثابت نہیں کرتا اسی واسطے اس کے نزدیک تعین اول علم جملی ہے اور ثبوت بعدازاں متصور ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان کا ثبوت علم کی فرع ہے کیونکہ علم کے سوا ان کا ثبوت نہیں جانتا۔ پس اس کے نزدیک علم سب سے اسبق ہے اور تمام کمالات کا جامع ہے۔ فقیر کے نزدید جو کچھ مکشوف ہوا ہے یہ ہے کہ صفات حقیقیہ ثمانیہ ذات واجب تعالیٰ کی طرح خارج میں موجود ہیں اگر کچھ تفاوت ہے تو مرکزیت اور غیر مرکزیت کے اعتبار سے ہے۔ جیسے کہ گزر چکا ہے یہ قول علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کے عقائد کے موافق ہے جو فرماتے ہیں کہ صفات کا وجود ذات تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے۔ اس صورت میں علم جملی کو تعین اول کہنا بے معنی ہے بلکہ تعین کا اطلاق کرنا گنجائش نہیں رکھتا کیونکہ تمام صفات میں سے اسبق اور اول صفت حیات ہے جس کے تابع صفت علم ہے علم کو اس پر سبقت دینا ناممکن ہے خاص کہ جبکہ علم کے ساتھ کوئی قید بھی لگی ہو وہ مطلق علم سے بھی بہت نیچے اور اضافات میں داخل ہے جیسے کہ گزر چکا ہاں اگر علم جملی کو علم کا تعین اول کہیں تو ہوسکتا ہے کیونکہ اس کا تعین ثانی علم تفصیلی ہے۔

سوال: شیخ محی الدین قدس سرہ نے جو علم جملی کو حقیت محمدی کہا ہے اور اس عالم عنصری کو اس کا ظہور جانا ہے اس کی مراد نفس اسم کا ظہور ہے جیسے کہ تم نے کہا ہے یا اس اسم کی صورت کا ظہور ہے جیسے کہ تمام ممکنات میں ہے۔

جواب: صورت اسم کا ظہور ہے کیونکہ تعین اول شیخ قدس سرہ کے نزدیک تعین علمی ہے اس لیے کہ اس نے پہلے دونوں تعینوں کو تعین علمی کہا ہے اور آخر کے تینوں تعینوں کو تعین خارجی فرمایا

یہ تعین علمی شان العلم کی صورت ہے جس کو اس نے خارج میں عین ذات کہا ہے اور علم میں اس کی صورت کو ثابت کیا ہے اور اس صورت علمی نے جو حقیقت محمدی ہے عالم عنصری میں صورت انسانی محمدی میں ظہور کیا ہے غرض شیخ کے نزدیک جہاں کہیں ظہور ہے صورت علمیہ کا ظہور ہے خواہ صفات واجبی جل شانہ ہوں کیونکہ اس کے نزدیک علم کے سوا صفات کا ثبوت نہیں اور خارج میں سوائے ذات بحت کے کچھ بھی اس کے نزدیک موجود نہیں۔

سوال: اس مرتبہ میں علم و عالم و معلوم کا اتحاد ہے جس کا حاصل علم حضور ہے پس اسم کی صورت کی بھی وہاں گنجائش نہ ہوگی کیونکہ علم حصولی میں صورت کا حصول ہے اور علم حضوری میں نفس معلوم حاضر ہے نہ کہ معلوم کی صورت۔

جواب: وہ مرتبہ ذات بحت کا مرتبہ نہیں ہے اس واسطے اس کو تعین و تنزل کہا ہے پس خارج میں موجود نہ ہوگا اور جب خارج میں موجود نہ ہوا تو ثبوت علمی سے اس کو چارہ نہیں اور اسی واسطے اس کو تعین علمی کہا ہے کہ ثبوت علمی کے لیے معلوم کی صورت کا ہونا ضروری ہے اس بیان سے لازم آیا کہ علم حضوری میں نفس معلوم کے حاضر ہونے کے باوجود معلوم کی صورت بھی ثابت ہے کیونکہ نفس معلوم خالص طور پر حاضر نہیں ہے بلکہ ایک اعتبار نے اس میں راہ پایا ہے جو اس کو نفس سے صورت میں لایا ہے لیکن ہر شخص کا فہم اس وقت تک نہیں پہنچتا اور جب تک ذات بحت جل شانہ سے بیچونی وصول کے ساتھ واصل نہ ہوں تب تک اس دقیقہ کو نہیں پا سکتے۔

سبحان اللہ مجھ درماندہ اور پسماندہ فقیر میں کہاں طاقت ہے کہ حضرت خاتم الرسل کی بعثت سے ہزار سال کے بعد انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و معارف کی نسبت گفتگو کروں اور معاد کے دامن میں آکر مبدء کے کمالات کے دقائق بیان کروں۔

ابیات

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک — سزد گر بذرانم سرز افلاک
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری — کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر بہ اوئد از تن صد زبانم — چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

ترجمہ: ابیات

مجھے جب خاک سے شہ نے اٹھایا — ہے لائق ہو فلک سے اونچا پایا
میں ہوں وہ خاک ابر نو بہاری — کرے جس پر کرم سے قطرہ باری

اگر ہر بال میں میری زبان ہو نہ شکر اس کا کبھی مجھ سے عیاں ہو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول حق امر لائے ہیں) دل تو چاہتا تھا کہ اس صباحت و ملاحت کا کچھ حال بیان کروں جس کی نسبت حدیث نبوی میں آیا ہے۔ اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَاَنَا اَمْلَحُ (میرا بھائی یوسف صباحت والا تھا اور میں ملاحت والا ہوں) اور اس بارہ میں رمز و اشارہ سے گفتگو کروں لیکن دیکھا کہ رمز و اشارہ مقصود کے ادا کرنے میں قاصر ہے اور سننے والے اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ قرآن کے حروف مقطعات سب کے سب ان حقائق احوال اور دقائق اسرار کے رموز و اشرات ہیں جو محب و محبوب کے درمیان ثابت ہیں لیکن کون ہے جو ان کو معلوم کر سکے۔ علماء راسخین جو حبیب رب العالمین کے خادموں اور غلاموں کا حکم رکھتے ہیں خادموں کے لیے جائز ہے کہ ان کو مخدوم کے بعض خفیہ اسرار پر اطلاع ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ مخدوم کی تبعیت کے باعث خادم کے ساتھ معاملات بیان کریں اور پس خوردہ کھانے والے کی طرح مخدوم کی دولت خاصہ میں شریک ہو لیکن اگر وہ ان اسرار کو کچھ بھی بیان کرے تو خیانتی ہوتا ہے اور اپنے سر کو برباد کرتا ہے اور قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ جو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہے اس کے حق میں صادق آتا ہے۔ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ (میرا سینہ تنگ اور میری زبان بند ہو جاتی ہے) اس کا نقد وقت ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور کام میں زیادتیوں کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافر لوگوں پر ہمیں فتح دے) وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ التُّقٰی (سلام ہو آپ پر اور ان تمام پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۱۰۱

فلاسفہ کے مذاق کے موافق آیات قرآنی کی تاویل و تفسیر کرنے سے منع کرنے کے بیان میں شیخ عبداللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَعَافَاکُمْ عَنِ الْبَلِیَّاتِ (اللہ تعالیٰ آپ کو آفات و بلیات سے سلامتی و عافیت بخشے) کتاب تبصرۃ الرحمٰن جو آپ نے بھیجی تھی اس کو بعض مقامات سے مطالعہ کر کے واپس بھیج دیا ہے۔ اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب کی طرف بہت میلان رکھتا ہے اور نزدیک ہے کہ حکماء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر کر دے سورہ ہود کی ایک آیت نظر آئی جس کا بیان اس نے حکماء کے طرز پر کیا ہے جو سراسر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طرز کے برخلاف ہے اور حکماء و انبیاء کے قول کو باہم برابر کیا ہے اور اس آیت کریمہ میں اس طرح کہا کہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ بِاتِّفَاقِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْحُکَمَاءِ اِلَّا النَّارُ الْحِسِیُّ اَوِ الْعَقْلِیَّ (یہ وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں سوائے آگ کے کوئی حصہ نہیں انبیاء کے اتفاق سے آگ سے مراد آگ حسی ہے اور حکماء کے اتفاق سے آگ عقلی) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کے باوجود حکماء کے اجماع کی کیا گنجائش ہے اور عذاب آخرت میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہے خاص کر جبکہ انبیاء کے قول کے مخالف میں فلاسفہ جو عذاب عقلی ثابت کرتے ہیں اس سے عذاب حسی کا رفع کرنا مقصود ہے جس کے ثبوت پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اجماع ہے اسی طرح اور بھی کئی جگہ آیات قرآنی کو حکماء کے مذاق کے موافق بیان کرتا ہے اگرچہ مذہب ملیین (اہل سنت کے مذہب) کے مخالف ہی ہو یاد رہے کہ اس کتاب کا مطالعہ پوشیدہ اور ظاہری ضرروں سے خالی نہیں چونکہ اس امر کا اظہار ضروری تھا اس لیے چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دی گئی۔ والسلام

مکتوب ۱۰۲

مجاہد اور گوشہ نشینی اور طالبان حق کی تربیت کی ترغیب میں جناب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے ان حدود کے فقرا کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں۔ مدت گزری ہے کہ آپ نے اپنے احوال خیر مال کی اطلاع نہیں دی۔ امید ہے کہ آپ نے اپنی حالت کو بدل لیا ہوگا اور سستی کو چھوڑ کر عمل کے درپے ہو گئے ہوں گے اور فراغت کو ترک کر کے مجاہدہ کی طرف توجہ کی ہوگی۔ اب کا شتکاری

کرنے اور بیج بونے کا وقت ہے صرف کھانے اور سو رہنے کا موسم نہیں۔ آدھی رات سونے کے لیے مقصود کریں اور آدھی رات طاعت و عبادت کے لیے اگر اس قدر ہمت نہ ہو سکے تو رات کا تیسرا حصہ جو نصف سے سدس یعنی چھٹے حصے تک ہے ہمیشہ جاگتے رہیں اور کوشش کریں کہ اس دولت کے دوام حصول میں فتور نہ پڑے۔ خلق کے ساتھ اس قدر اختلاط و انبساط رکھیں کہ ان کے حقوق ادا ہو سکیں۔ اَلضُّرُوْرَۃُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِھَا (ضرورت اندازہ کے موافق ہوتی ہے) قدر حاجت سے زیادہ خلق کے ساتھ انبساط رکھنا فضول ہے اور لایعنی میں داخل ہے۔ بسا اوقات بڑے بڑے ضرر اس پر مترتب ہوتے ہیں اور شریعت و طریقت کے ممنوعات امور میں داخل ہوتا ہے۔ وہ شیخ جو مریدوں کے ساتھ حد سے زیادہ انبساط رکھتا ہے وہ مریدوں کو ارادت سے نکالتا اور ان کی طلب میں فتور ڈالتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ اس امر کی برائی کو اچھی معلوم کریں اور طالبوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کریں جو ان کی الفت و انس کا سبب ہو نہ کہ نفرت و بیگانگی کا موجب۔ خلق سے تنہائی اور گوشہ نشینی بھی ضروری ہے کیونکہ حاجت سے زیادہ ان کے ساتھ آشنائی رکھنا زہر قاتل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کو یہ بات بڑی آسانی سے میسر ہے۔ ارباب ابتلا یعنی بلا و امتحان میں پھنسے ہوئے جو لوگ جو ہمیشہ اہل تفرقہ کے ساتھ جمع رہتے ہیں اور اس بلا میں مبتلا ہیں وہ کیا کر سکتے ہیں۔ آپ اس نعمت کی قدر جانیں اور اس کے موافق عمل کریں اور طالبوں کے حال سے بخوبی خبردار رہیں اور ظاہر و باطن میں ان کی تربیت کی طرف متوجہ رہیں۔ زیادہ کیا لکھا جائے۔

مکتوب ۱۰۳

قصور احوال پر تربیت کرنے اور تکمیل و کمال کے حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں شیخ حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادرم عزیز شیخ حمید کا مکتوب شریف پہنچا اس نے بہت خوش وقت کیا یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ اس قسم کے فتنہ و فساد کے زمانہ میں لوگ ایک شخص کی صحبت میں جائیں اور ان کو خدا تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف رغبت پیدا ہو اور ان کے دل ماسوی اللہ کی طرف سے سرد ہو جائیں اور باوجود اس امر کے وہ برادر عزیز اس دولت پر مغرور نہ ہو اور اپنے

کام سے فارغ نہ ہو۔ مثل مشہور ہے کہ ہنوز دہلی دور است (ابھی دلی دور ہے) معلوم نہیں کہ سو میں سے ایک نے انجام کو پایا ہو یہ احوال جو طالبوں کو ابتداء میں ظاہر ہوتے ہیں اور ذوق و لذت بخشتے ہیں۔ اسی طرح ہیں جس طرح بچوں کو الف با سکھاتے ہیں اصل معاملہ یہ ہے کہ تہجی سے مولویت حاصل کریں اور ذوق ولذت سے ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچ جائیں۔ بیت

ہنوز ایوان استغنا بلند است　　　مرافکر رسیدن ناپسند است

ترجمہ۔ بیت

بہت اونچا ہے استغنا کا ایوان　　　نہ کر کوشش وہاں چڑھنے کی اے جاں

چاہئے کہ اپنی اوقات کو آباد رکھیں اور ظاہر و باطن میں شریعت و طریقت کے ساتھ آراستہ رہیں۔ دوسرے کی تکمیل اپنے کمال کی شاخ ہے جو ولایت خاصہ کا درجہ ہے لیکن جب آپ کی صحبت میں طالبوں کو رشد و ہدایت پیدا ہو اور احوال و مواجید ظاہر ہوں اگرچہ فنا بقاء کی حد تک نہ پہنچیں تو یہ بھی غنیمت ہے اور اس زمانہ میں سرخ گندھک کا حکم رکھتا ہے اس کو بھی کرتے ہیں لیکن استخاروں اور توجہوں کے بعد جس کسی کو طریقہ کی تعلیم دیں مناسب بلکہ لازم ہے اور اس امر سے ڈرتے اور خوف کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اسی راہ سے آپ پر شیطان کا غلبہ ظاہر ہو۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ شَرِّہٖ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس کے شر سے بچائے) وہ شمار تعداد جو آپ کو کہی گئی تھی اگر آپ نے پوری کر لی ہے تو اس سے دگنی تعداد پر عمل کریں اور پھر خبر کریں تا کہ حال کے مناسب اطلاع دی جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان یاروں کو کہ جن کا تعلق آپ کے ساتھ ہے دعا پہنچائیں۔ صحیفہ شریفہ جو سید یحیٰی نے لکھا تھا پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ ایسے زمانہ میں کہ قیامت کا کمال قرب رکھتا ہے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ عَلٰی اَشْرَارِ النَّاسِ (قیامت برے لوگوں پر قائم ہوگی) لوگوں کے دل حق تعالیٰ کی طرف کھچے ہوئے ہیں اور اس درگہ پاک کے شوقین اور فریفتہ ہیں۔ دوستوں سے غائبانہ دعا کی توقع اور سلامتی خاتمہ کی امید ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش بے شک تو ہر شے پر قادر ہے)

مکتوب ۱۰۴

بعض مراتب تک پہنچنے کی خوشخبری میں حضرات ذوالبرکات حضرت خواجہ محمد سعیدؒ و

حضرت خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) مدت گزری ہے کہ فرزندان گرامی نے اپنے ظاہری و باطنی احوال کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ شاید دیر تک جدا رہنے کے باعث مجھ دور افتادہ کو بھول گئے ہو۔ ہم بھی ارحم الراحمین رکھتے ہیں۔ آیت کریمہ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی نہیں) نامراد غریبوں کو تسلی بخشنے والی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ تمہاری اس قدر ناپروائی کے باوجود ہمیشہ دل تمہارے احوال کی طرف متوجہ ہے اور تمہارے کمال کا خواہاں ہے کل صبح کی نماز کے بعد مجلس سکوت یعنی مراقبہ و خاموشی کے وقت ظاہر ہوا کہ وہ خلعت جو میں نے پہنی ہوئی تھی مجھ سے دور ہو گئی اور بجائے اس کے اور خلعت مجھے پہنائی گئی۔ دل میں آیا کہ یہ خلعت زائلہ کسی کو دیتے ہیں یا نہیں مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اگر یہ خلعت زائلہ میرے فرزند محمد معصوم کو دیدیں تو بہتر ہے۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی ہے اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گئی ہے۔ یہ خلعت زائلہ معاملہ قیومیت سے مراد ہے جو تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس عرصہ مجتمعہ میں ارتباط کا باعث ہے اس خلعت جدیدہ کا معاملہ جب انجام تک پہنچ جائے گا اور خلع کی مستحق ہو جائے گی تو امید ہے کہ کمال کرم سے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ فقیر ہمیشہ عاجزی سے یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر پاتا ہے اور فرزند عزیز کو اس دولت کا مستحق معلوم کرتا ہے۔ ع

بہ کریمان کارہا دشوار نیست

ترجمہ: ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

استعداد بھی اس کی دی ہوئی ہے۔ بیت

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ: بیت

نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے در سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (اے آل داؤد عمل کرو اور شکر بجالاؤ میرے بندے شکر گزار تھوڑے ہی ہیں) تم جانتے ہی ہو کہ شکر

سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہری باطنی اعضاء و جوارح وقوی کو جس جس غرض کے لیے خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے ان میں صرف کرے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو شکر بھی حاصل نہ ہوتا۔ وَاللهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں اگرچہ صرفہ کے ساتھ کہے جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ دوسرے یہ کہ وہ مشکل جو درپیش تھی شاید وہ معاملہ عالم مثال میں تھا۔ ان دنوں میں وہ بھی حل ہوگئی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں رہی۔ شاید اس امر میں خواجہ معین الدینؒ کی روحانیت کا بھی دخل ہوگا۔ محمد معصوم بھی شاید اس مشکل کو دل میں رکھتا ہوگا۔ والسلام

مکتوب ۱۰۵

سنت کے زندہ کرنے اور بدعت سے ڈرانے کے بیان میں شیخ حسن برکی کی طرف اس کے اس خط کے جواب میں جو اس نے اپنے احوال کے بیان میں لکھا تھا صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادرم عزیز شیخ حسن (کہ خدا اس کا انجام اچھا کرے) کا صحیفہ شریفہ پہنچا بہت خوش کیا۔ ان علوم و معارفت کے مطالعہ سے جو اس میں لکھے تھے نہایت ہی خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق اور فرقہ ناجیہ کے عقائد کے موافق تمام علوم صحیح اور معارف صادق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت بخشے اور اعلیٰ اور بلند مقاصد تک پہنچائے۔ آپ نے بدعتوں کے دور کرنے کی نسبت کچھ حال لکھا تھا یہ کیسی اعلیٰ نعمت ہے کہ اس بدعتوں کی تاریکی سے بھرے ہوئے زمانہ میں حق تعالیٰ کسی صاحب دولت کو یہ توفیق دیدے کہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو دور کرے اور سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص سنت کو زندہ کرے بعد ازاں کہ اس کا علم دور ہو چکا ہو اس شخص کے لیے سو شہید کا ثواب ہے۔ اس مضمون سے اس کے کام کی بزرگی معلوم کریں لیکن اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ یہ امر فتنہ کے بیدار کرنے تک نہ پہنچے اور ایک نیکی بہت سی برائیوں کے اظہار کا باعث نہ ہو کیونکہ آخیر زمانہ ہے اور اسلام کا وقت ہے وہ رسالہ جو آپ نے بھیجا تھا اس کے مطالعہ سے بھی بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ یہ علوم فقیر کے علوم کے موافق اور کشف

کے مطابق ہیں اور آپ کی نظر بہت بلند ہے۔آپ کے اس خط کو جس میں آپ کے حالات اور بعض علوم کے استفسار درج تھے۔ برادرم محمد ہاشم کشمی کے سپرد کیا تھا تا کہ جواب لکھنے کے وقت حاضر کردے۔ اتفاقاً وہ خط اس سے گم ہوگیا۔ اس لیے تفصیل وار جوابوں کے لکھنے میں توقف واقع ہوا جس قدر دل میں یاد رہ گیا تھا اس کا جواب لکھا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ احوال پسندیدہ ہیں اور علوم صحیح دوسرے یہ کہ گزارش ہے کہ مغفرت پناہ مولانا احمد کے فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں بہت کوشش بجالائیں اور ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ آراستہ ہونے کے ہدایت کریں۔ تمام مخلص یاروں بلکہ وہاں کے تمام مسلمانوں کو شریعت کی متابعت اور سنت کے بجالانے کی رہنمائی کریں اور بدعتوں کے اختیار کرنے سے ڈرائیں۔ واللہ سبحانہ الموفق (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) خواجہ محمد ہاشم نے تیسری جلد کے بعض مکتوبات کی نقل کرا کر آپ کی طرف بھیجی ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس فقیر کے اوقات مختلف ہیں۔ بعض اوقات علوم و معارف کے لکھنے پر بے اختیار رغبت پیدا ہوجاتی ہے اور بعض اوقات حالانکہ اسرار غریبہ کا افادہ فرماتے ہیں۔ لکھنے سے اس قدر نفرت آتی ہے کہ ہاتھ میں قلم پکڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی واسطے آپ کے آئے ہوئے خطوں کے تفصیل وار جواب دینے میں فتور پڑ جاتا ہے اور تکلف سے بھی کچھ نہیں لکھ سکتا۔ باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے لشکر کی ہمراہی سے خلاصی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ استقامت کے ساتھ رکھے۔ وہاں کے سب یاروں کے لیے دعوات مخصوصہ ہیں۔ والسلام

مکتوب ۱۰۶

اس واقعہ کے بیان میں کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اور ان سے بہت اعلیٰ بشارتیں پائی تھیں۔ حضرت مخدوم زادگاں سلمہم اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

فرزندان گرامی کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں۔ آج ایک تازہ معاملہ ظاہر ہوا ہے جو لکھتا ہوں۔ آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا ایک پہر رات گزرے وہاں سے واپس آیا اور تین پارہ قرآن مجید حافظ سے سنا۔ دو پہر رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی صبح کے حلقہ کے بعد چونکہ رات کا تھکا ماندہ تھا سو گیا خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر کے لیے اجازت نامہ لکھا ہے جس طرح کہ

مشائخ کی عادت ہے کہ اپنے خلفاء کے لیے لکھتے ہیں اور فقیر کے مخلص یاروں میں سے ایک یار بھی اس معاملہ میں ہمراہ ہے۔ اس اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامہ کے اجرا میں سے تھوڑا سا فتور ہے۔ اس فتور کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہوگئی۔ وہ یار جو اس خدمت کا پیش کار ہے۔ دوبارہ اس اجازت نامہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور آنحضرت نے اس اجازت نامہ کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھوایا۔ یہ تشخیص نہیں ہوا لیکن آنحضرت ﷺ کی نسبت معلوم ہے کہ لکھنے کے بعد اپنی مہر سے مزین فرمایا ہے۔ اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا ہے اور مقام شفاعت میں نصیب وحصہ عطا فرمایا ہے اور کاغذ بھی بہت لمبا ہے اور اس میں سطریں بہت سی لکھی ہیں۔ میں اس یار سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کیسا ہے اور دوسرا اجازت نامہ جو لکھا ہے وہ کون سا ہے۔ میں اس وقت معلوم کرتا ہوں کہ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہم ایک ہی جگہ میں ہیں اور باپ بیٹے کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ اور ان کے اہل بیت مجھ سے بیگانے نہیں ہیں۔ میں اس کاغذ کو لپیٹ کر اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر محرم فرزندوں کی طرح ان کے حرم شریف میں داخل ہوا ہوں۔ امہات المومنین مومنوں کی ماؤں میں سے بڑی ماں (حضرت خدیجۃ الکبریٰ) مجھے آنحضرت ﷺ کے حضور میں بعض بعض خدمات بڑے اہتمام سے فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں تیرا انتظار کرتی تھی اس طرح اس طرح کرنا چاہیے اسی اثنا میں افاقہ ہوگیا۔ یہ بات دل سے دور ہوگئی کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی جو معلوم ہوتی تھی جوں جوں آنکھ کھلتی جاتی تھی اس واقع کی خصوصیتیں دل سے نکلتی جاتی تھیں۔ تم کو یاد ہو کہ میں اس بارہ میں پہلے بھی یہ بات کہا کرتا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے انداز کے موافق ظہور نہیں کرتی۔ یہ بات ہرگز دل میں نہ آتی تھی کہ اس کا ظہور ظاہرا آخرت کے لیے ذخیرہ رکھا ہے جس کا نعم البدل میسر ہوگا۔ اس واقعہ سے ان ترددات سے تشفی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور ظلمتوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں کہاں خیریت اور کجا نورانیت شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان خلافت ظاہر کی تائید پا کر اس کو رواج دیں گے اور اس نعمت کے شکریہ میں آج فرمایا ہے کہ قسم قسم کے کھانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت کے لیے پکائیں اور شادی کی مجلس لگائیں۔ اس مکتوب کے اٹھانے والے بھی شاید ان کھانوں میں سے تناول

فرمائیں گے۔ دوسری یہ ہے کہ ایک مکتوب میں ایک شخص کے بیان میں لکھا تھا کہ تیسرے یار کو نوکری میں قبول نہ کیا کچھ دیر کے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرمایا اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے۔ لِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعْمَائِہٖ (اس نعمت پر بلکہ تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) ان دونوں میں معارف غریبہ اور علوم عجیبہ ظاہر ہوئے ہیں۔ گویا وہ ورق مقرر مرقوم ہوا ہے اور ہر ایک کا معاملہ جدا ظاہر ہوا ہے فرزند دور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللہُ تعالیٰ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۱۰۷

نسبت رابطہ میں فتور آنے اور طاعات میں لذت نہ پانے کے سبب میں خواجہ محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

حمد صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد گزارش ہے کہ برادرم عزیز کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں۔ آپ نے پوچھا تھا کہ کیا باعث ہے کہ نسبت رابطہ میں فتور آجاتا ہے تو طاعات میں لذت نہیں پاتا۔ واضح ہو کہ جو امر رابطہ کے فتور کا سبب ہے طاعات میں لذت کا مانع بھی وہی ہے۔ کبھی قبض بھی اس فتور کا باعث ہوتی ہے اور کبھی خطا و لغزش کے ہو جانے کے باعث کدورت طاری ہو جاتی ہے۔ پہلی وجہ مذموم نہیں بلکہ سلوک طریقہ کے لوازم سے ہے۔ دوسری وجہ کا تدارک توبہ واستغفار سے کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس کا اثر دور ہو جائے چونکہ قبض اور کدورت کے درمیان تمیز بمشکل ہو سکتی ہے۔ اس واسطے ہر حال میں توبہ واستغفار فائدہ مند ہے۔ حق تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ والسلام

مکتوب ۱۰۸

ان معاملات کے بیان میں جو اصل الاصل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ

معرفت معنی سے منقول ہے۔ ملا طاہر خادم کی طرف صادر فرمایا ہے:

وہ معاملات جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں۔ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو مثالی صورتوں یا کسی اور امر کے طور پر وہاں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ اس وقت تک ہے جب تک ان مقامات میں سیر ہے جن کو عالم کے ساتھ مناسبت یا مشارکت ہے۔ خواہ وجہ و اسم کے طور پر ہو یہ سیر مقام رضا کے نہایت تک ہے جب کسی شخص کو مقام رضا سے اوپر سیر میسر ہوتا ہے تو اس کو وہاں سے کچھ معلوم نہیں ہوتا نہ ہی مثالی صورتوں کے طور پر اور نہ کسی اور امر کے طور پر۔ اس وقت اس عارف کو مقامات فوق کے صرف حصول کا علم ہوتا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ اس کو وہاں سے کچھ معلوم ہو۔ ان مقامات میں اسم نبوت و رسالت وغیرہ بھی بغیر مفقود ہے۔ میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کل کو دار خلد میں ان مقامات کا علم نصیب کرے گا۔ اس سیر کی نہایت مرتبہ مخصوص تک ہے جو اس کے ارباب پر پوشیدہ نہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۱۰۹

اس بیان میں کہ عالم کا ایجاد مرتبہ وہم میں ہے لیکن ایجاد کے استقرار و تعلق کے باعث نفس امری ہو گیا ہے اور یہ مرتبہ علم و خارج کے مرتبہ کے ماسوا ہے اور اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور اس بات کی تحقیق میں کہ باوجود ثبات و استقرار کے سالک کی فناء کیونکر ہے۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

(یہ مکتوب حوادث ایام کے باعث ناتمام رہا ہے) مرتبہ وہم اس مرتبہ سے مراد ہے جہاں نمود بے بود ہے جس طرح کہ زید کی صورت جو آئینہ میں متوہم ہو نمود بے بود ہے کیونکہ آئینہ میں ہرگز کوئی صورت موجود نہیں۔ اس میں صرف نمود وہمی ثابت ہے اور کشف صحیح اور شہود صادق سے ظاہر ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے اور اپنی کامل صنعت سے محض نمود کو بود بخشا ہے۔ اس مرتبہ میں اگرچہ نمود بے بود ہے لیکن چونکہ عالم اس مرتبہ میں مخلوق ہوا ہے اس لیے نمود بے بود ہو چکا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ایجاد بود و جود کو ثبوت بخشنے والا ہے اور جب نمود با بود ہوا تو نفس امری ہو گیا اور احکام و آثار صادقہ اس پر مترتب ہوئے یہ مرتبہ وہم مرتبہ علم و خارج سے الگ ہے۔ یہ مرتبہ وہم مرتبہ علم کی

نسبت مرتبہ خارج کے ساتھ زیادہ شباہت و مناسبت رکھتا ہے اور اس کا ثبوت خارجی ثبوت کی مانند ہے۔ برخلاف ثبوت علمی کے کہ جس کو وجود ذہنی کہتے ہیں جو وجود خارجی کے مقابل ہے اور وہ ظہور بھی جو مرتبہ وہم میں ہے۔ ظہور خارجی کے ساتھ پوری پوری مشابہت رکھتا ہے۔ برخلاف مرتبہ علم کے کہ وہاں بطون و کمون ہے گویا مرتبہ وہم میں مرتبہ خارج کا ظل ڈال کر اس میں عالم کو ایجاد فرمایا ہے اور وجود خارجی کے ظل سے عالم کو ظل خارج کے مرتبہ میں موجود کیا ہے۔ پس نفس خارج میں ذات احدیت جل شانہ کے سوا کچھ موجود نہیں اور ظل خارج میں ظل وجود کے ساتھ عالم باوجود اس قدر تعدد و کثرت کے حق تعالیٰ کے ایجاد سے موجود ہے یعنی خارج میں نفس امر کثرت ہے۔ پس وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور ہر ایک کا اعتبار الگ الگ ہے۔ وَلاَ مَحْذُوْرَ فِيْهِ (اس میں کوئی ڈر نہیں) جس طرح عالم کا یہ خارج اور وجود ظلی ہے اسی طرح باقی تمام صفات یعنی حیات و علم و قدرت وغیرہ بھی اس میں صفات واجبی جل شانہ کے ظلال ہیں بلکہ نفس امر جو ثبوت عالم میں ثابت کیا جاتا ہے وہ بھی مرتبہ خارج کے نفس امر کا ظل ہے۔ بیت

نیاوردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ بیت:

نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے   مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے در سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ (کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سایہ دراز کیا ہے)۔

سوال: تم نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ ظل جو کچھ رکھتا ہے اپنے اصل سے رکھتا ہے اور ظل اپنے اصل کا صرف امانت دار ہے اگر سالک مستعد سب کچھ خیر و کمال جو ظلیت کے طور پر رکھتا ہے یعنی وجود اور توابع وجود کے کمالات سب اپنے اصل کو دیدے اور اپنے آپ کو تمام کمالات سے خالی پائے تو فناء و نیستی سے متحقق ہو جائے گا اور اس کا کوئی نام و نشان نہ رہے گا۔ اس کلام کا حاصل کیا ہے اور کمالات کو اصل کی طرف دینے کے کیا معنی ہیں اور سالک کے ثبوت و استقرار کے باوجود اس کو فناء و نیستی کس اعتبار سے ہے۔

جواب: اس فنا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے عاریت کے کپڑے پہنے ہوں اور اس کو

معلوم ہو کہ یہ کپڑے میرے اپنے نہیں ہیں بلکہ کسی اور کے ہیں جو عاریت کے طور پر پہنے ہیں جب یہ دید بہت ہی غالب آجائے تو ہوسکتا ہے کہ باوجود کپڑے پہننے کے ان تمام کپڑوں کو ان کے مالک کی طرف منسوب کرے اور اپنے آپ کو برہنہ اور ننگا معلوم کرے۔ حتیٰ کہ اپنے برہنہ ہونے کے باعث ہمنشینوں سے شرمندگی اٹھائے اور حیاء کے مارے اپنے آپ کو گوشہ میں چھپائے چونکہ سالک کا وجود مرتبہ وہم و تخیل میں مخلوق ہوا ہے اس لیے فناء تخیلی بھی اس کیلئے کافی ہے کیونکہ اس تخیل کا غلبہ اس کو یقین قلبی تک پہنچا دیتا ہے اور ذوقی و وجدانی کر دیتا ہے اور جو کچھ فنا و نیستی سے مقصود ہے ظاہر کر دیتا ہے کیونکہ فناء سے مقصود یہ ہے کہ ظل کی گرفتاری دور ہو جائے اور اصل کی گرفتاری حاصل ہو جائے جب ظل کا اصل کی طرف رجوع کرنا یقینی اور ذوقی و وجدانی ہو جاتا ہے تو ظل کی گرفتاری زائل ہو جاتی ہے اور بجائے اس کے اصل کی گرفتاری آجاتی ہے اگر یہ تخیل حاصل نہ ہوتا تو ظل کی گرفتاری کے دور ہونے کی دولت میسر نہ ہوتی بلکہ اس راہ کے سلوک کا مدار تو ہم و تخیل پر ہے احوال و مواجید جو اس راہ کے جزئی امور ہیں وہم ہی سے ادراک میں آتے ہیں اور سالکوں کی تجلیات و تلونیات خیال کے آئینہ میں شہودی ہوتی ہیں۔ فَلَوْلاَ الْوَهْمُ لَقَصَرَ الْفَهْمُ وَلَوْلاَ الْخَيَالُ لَسَتَرَ الْحَالَ (اگر وہم نہ ہوتا تو فہم قاصر رہتا اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال پوشیدہ رہتا) اس راہ میں وہم و خیال سے زیادہ فائدہ مند کوئی چیز نہیں۔ ان کے ادراک و انکشاف اکثر واقع کے مطابق ہیں وہم ہی ہے جو پچاس ہزار سال کا راستہ جو بندہ اور رب کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے تھوڑی مدت میں طے کر لیتا ہے اور درجات وصول تک پہنچا دیتا ہے اور خیال ہی ہے جو غیب الغیب کے دقائق و اسرار کو اپنے آئینہ میں منکشف کرتا ہے اور سالک مستعد کو ان پر اطلاع بخشتا ہے یہ وہم کی شرافت کے باعث ہے کہ حق تعالیٰ نے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا کرنا اختیار فرمایا ہے اور اس کو اپنے کمالات کے ظاہر ہونے کا محل بنایا ہے اور یہ خیال ہی کی بزرگی کے سبب سے ہے کہ حضرت واجب الوجود جل شانہ نے اس کو عالم مثال کا نمونہ بنایا ہے جو تمام عالموں سے زیادہ وسیع ہے حتیٰ کہ اس عالم میں مرتبہ وجوب جل شانہ کی صورت بھی بیان کی ہے اور حکم کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی مثل نہیں لیکن مثال ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے) یہ احکام وجوبیہ ہی کی صورتیں ہیں جن کو عارف اپنے خیال کے آئینہ میں محسوس کرتا ہے اور ان

کو دریافت کرنے کے ذوق پر ترقی فرماتا ہے۔

سوال: پہلی تحقیق سے واضح ہوا کہ فنا و نیستی تخیل کے اعتبار سے ہے اگرچہ وہ تخیل یقین قلبی تک پہنچا دیتا ہے او وجدانی اور ذوقی بنا دیتا ہے اور احکام صادقہ اس پر مترتب ہوتے ہیں لیکن تحقق و وجود کے اعتبار سے نہیں اور تم نے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ یہ فنا باعتبار وجود کے ہے اور اس میں عین واثر کا زوال ہے اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: چونکہ ظل کے وجود کا اصل کی طرف رجوع کرنا یقین تک پہنچ جاتا ہے اور وجدانی اور ذوقی ہو جاتا ہے اس لیے وجود کے زوال کا حکم کیا گیا ہے اور عین واثر کا زوال کہا گیا ہے۔

سوال: فانی کے ثبوت اور استقرار کے باوجود فناء وجودی کا یہ حکم صادق ہے یا کاذب؟

مکتوب ۱۱۰

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ کسی معلوم کی صورت اس میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس وقت ہر ایک ذرہ اس کیلئے مطلوب کی طرف شاہراہ ہوتا ہے اور اس بیان میں کہ اس عارف کی حب حق تعالیٰ کی حب تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض کا باعث ہوتا ہے اسی طرح اس کی تعظیم و اہانت کا حال ہوتا ہے۔ انحضرت ﷺ کی آل و اصحاب کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ یہ معارف معنی سے نقل کیے گئے ہیں۔ حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

جب عارف مقامات ظل کو طے کر کے معاملہ کے اصل تک پہنچتا ہے اس وقت اس کا وہ علم جو اشیاء سے تعلق رکھتا ہے ظلیت کی قید سے پاک ہو جاتا ہے۔ یعنی اشیاء اس کو اس طرح معلوم ہوتی ہیں کہ اس میں سے کچھ بھی اس میں حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت جو کچھ اس میں حاصل ہوگا وہ شے کی صورت و ظل ہوگا نہ اس شے کا عین۔ جیسے کہ علم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ عقل میں شے کی صورت کا حصول ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ شے کی وہ صورت جو عقل میں حاصل ہے وہ اس شے کا شبح ہے نہ کہ اس کا عین جیسے کہ کشف صریح اور الہام صحیح اس پر شاہد ہے۔ اس وقت عارف عالم کی حق تعالیٰ کے ساتھ صانعیت و مصنوعیت کی نسبت کے سوا اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا اور ظِلِّیَّتْ وَ عَیْنِیَّت وَ مِرَاٰتِیَّتْ کی نسبت سے برطرف

ہوتا ہے کیونکہ یہ معاملہ کمالاتِ ذاتیہ پر وابستہ ہے اور حق تعالیٰ کی ذات کو عالم سے غناء ذاتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ تمام جہاں والوں سے غنی ہے) برخلاف بعض اسماء و صفات کے مراتب کے جن میں یہ نسبت متصور ہے پس جب تک ان مقامات سے نہ گزریں اور اصل الاصل تک نہ پہنچیں۔ اس نسبت سے بے نصیب رہتے ہیں۔ اس مقام میں عارف کیلئے ہر ایک ذرہ حق تعالیٰ کی جناب پاک کی طرف شاہراہ بن جاتا ہے۔ برخلاف علم حصولی کے کہ جس میں عالم کی صورت ہر شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور عالم خود تمام اشیاء کا آئینہ بن جاتا ہے ایسے ہی ظلیت اور مراتیت کی صورت میں ہر شے اس علم والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کی نظر بصیرت کو اپنے باہر نہیں رہنے دیتی جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حصول ظلیت کی قید سے نکل جاتا ہے تو موجودات کے ذرات میں سے ہر ایک ذرہ یعنی عرض و جواہر اور آفاق و انفس اس کیلئے گویا غیب الغیب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ جس طرح پہلے وہ شخص تمام اشیاء کا آئینہ تھا اور جو کچھ کرتا تھا اپنے لیے کرتا تھا اور جو کچھ اس سے صادر ہوتا تھا اسی شخص کی طرف راجع ہوتا ہے۔ خواہ نیت کرتا تھا یا نہ کرتا تھا اب جبکہ اپنے آئینے کو آئینہ داری سے ہٹا چکا ہے اور ظل کی قید سے نکل چکا ہے اور ناودان یعنی پرنالہ کی طرح ہو گیا ہے کہ جو کچھ اس میں آپڑتا ہے اس کو اپنے اندر نہیں رہنے دیتا اور باہر ڈال دیتا ہے تو اب جو کچھ کرتا ہے اپنے لیے نہیں کرتا بلکہ حق کیلئے کرتا ہے خواہ نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ نیت احتمال میں ہوتی ہے نہ یقین میں اس وقت اس عارف کی حب حق تعالیٰ کی حب کی طرف لے جاتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی تعظیم و توقیر حق تعالیٰ کی تعظیم و توقیر ہوتی ہے اور اس کی اہانت و بے ادبی حق تعالیٰ کی اہانت اور بے ادبی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے اپنے درجات کے مطابق یہی نسبت ہے کہ ان کا حب و بغض انحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حب و بغض تک پہنچا دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ (جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہل بیت کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی نسبت ہے لیکن اس نسبت علیہ کا ظہور حضرت مرتضی اور حضرت فاطمۃ الزہرا اور

حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کامل طور پر ہے اور باقی بارہ اماموں میں بھی اس کا اثر مشہود ہوتا ہے ان کے سوا اور کسی میں یہ نسبت محسوس نہیں ہوتی۔ والسلام

مکتوب ۱۱۱

قَابَ قَوْسَیْنِ اور اَوْ اَدْنٰی کے بعض اسرار غریبہ کے بیان میں اور اس سر میں کہ عارف کامل اپنے کاتب شمال یعنی بائیں طرف کے عمل نامہ لکھنے والے فرشتہ کو نہیں پاتا۔

یہ معارف بھی معنی سے منقول ہیں۔ شیخ نور محمد نہاری کی طرف صادر فرمایا ہے:

معاملہ قَابَ قَوْسَیْنِ میں ظاہر میں مظہر کا رنگ پیدا ہوتا ہے کہ کیونکہ سالک سے عین واثر کا زائل ہونا حاصل نہیں ہوتا۔ برخلاف معاملہ اَوْ اَدْنٰی کے کہ اس میں مظہر کا کوئی حکم واثر نہیں رہتا۔ اسی واسطے اس دوسرے مرتبہ میں مظہر ایک ایسا امر ہوتا ہے کو جو مرتبہ وجوب سے حاصل ہوتا ہے اور وہ ایک خلعت خاص ہوتی ہے جو عارف کے معاملہ کے ختم ہونے کے بعد مرتبہ اصلی سے اسے عنایت فرماتے ہیں اور اس کو صورت کے افاضہ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی پوشیدہ سر ہے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ کسی اور جگہ بیان کی جائیگی پس اس معاملہ میں مظہر ایک ایسا امر ہوتا ہے جس میں عدم کی بو اور امکان کی آمیزش نہیں ہوتی۔ بیت

وَلِوَجْهِهٖ مِنْ وَجْهِهٖ قَمَرٌ   وَلِعَيْنِهٖ مِنْ عَيْنِهٖ كُحُلٌ

ترجمہ بیت

چمکتا اس کے چہرہ پر ہے روشن نور یزدان کا   پڑا ہوتا ہے آنکھوں میں خدائی کا سرما

اگرچہ وہ انفعال بھی جو مرتبہ قاب قوسین میں ثابت کیا جاتا ہے حق ہے اور وہ ظہور جو اس مرتبہ میں ہے اصل کا ظہور ہے لیکن ظلیت کی آمیزش سے خالی ہے اور اس مرتبہ بلند کے لائق نہیں وہ انفعال جو اس مرتبہ مقدسہ کے لائق ہے وہ ہے جس میں ظلیت کی کچھ بو نہیں اور درمیان میں غیر کا کسی طرح دخل نہیں کیونکہ غیر عدم کی آمیزش سے خالی نہیں اور امکان کے نقص سے باہر نہیں۔ ہاں اگر مراتب ظلال کے انفعال ایسے ہوں تو ہوسکتا ہے جاننا چاہئے کہ معاملہ او ادنی میں جس کا تھوڑا سا ذکر ہو چکا ہے عارف کامل اپنے کاتب شمال یعنی بائیں ہاتھ کے عمل نامہ لکھنے والے فرشتہ کو نہیں پاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا شمال (بایاں ہاتھ) یمین) دایاں

ہاتھ) کا حکم پکڑ جاتا ہے کیونکہ شمال (بایاں ہاتھ) عدم کے متقضیات میں سے ہے جب عدم کے احکام زائل ہو جاتے ہیں تو باقی وجود صرف رہ جاتا ہے جہاں کوئی شمال نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین یعنی دائیں ہاتھ کا حکم رکھتے ہیں۔ فَافۡهَمۡ وَلَا تَقَعۡ فِي الزَّنۡدَقَةِ (پس سمجھ اور زندقہ میں نہ پڑ) جب ان پوشیدہ اسرار اور عجیب وغریب معارف کو معلوم کرلیا تو اب سننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی (پھر قریب ہوا اور پھر نیچے کو جھکا) واضح ہو کہ اس دن یعنی قرب کے ساتھ متحقق ہونا اور اَوۡ اَدۡنٰی کے اسرار سے متحقق ہونے کے بعد ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کیونکہ جب تک عارف کا حکم واثر باقی ہے اور عدم کی آلودگی سے آلودہ ہے تب تک اس کو کچھ بھی اس دنو کی لیاقت نہیں اس دنو کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد تدلی ہے جس کی توجہ نزول کی طرف سے ہے جب تدلی متحقق ہوتی ہے اور عارف کو خلق کی طرف لاتے ہیں تو اس وقت قوسین کی صورت ظاہر ہوتی ہے اگر چہ اس وقت قوس اول کا حکم واثر نہیں رہتا لیکن جب اس کو تدلی سے مشرف فرماتے ہیں تو اس وقت قوسین کی صورت متوہم ہوتی ہے۔ پس تدلی کے بعد فکان قاب اسی اعتبار سے فرمایا ہے کہ اس وقت قوسین کی صورت ثابت ہے نہ کہ اس کی حقیقت اوادنی کے معنی میں کیونکہ اس مقام میں قوس ثانی کا کوئی حکم واثر نہیں رہتا۔ اس لیے اس جگہ قوسین حقیقت کے طور پر نہیں ہوتیں۔ یہ معارف اللہ تعالیٰ کے ان اسرار میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے اخص خواص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی وَالۡتَزَمَ مُتَابَعَةَ الۡمُصۡطَفٰی عَلَيۡهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوتُ وَالۡبَرَكَاتُ الۡعُلٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفی ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۱۱۲

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حقیقیہ نہ ذات کا عین ہیں نہ ذات کا غیر شریعت پناہ قاضی اسلم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) علماء اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے واجب الوجود جل شانہ کی صفات ثمانیہ حقیقیہ میں کیا اچھا کہا ہے کہ لَا هُوَ وَلَا غَيۡرُهٗ (نہ ذات ہیں اور نہ اس کے غیر) یہ معرفت طور عقل سے برتر ہے جو انہوں نے نور فراست اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی

متابعت کی برکت سے حاصل کی ہے۔ عقلاء اور حکماء اس عبارت سے نَقِیْضَیْن کا رفع ہونا سمجھتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ تناقض کے حصول میں زمان و مکان کا متحد ہونا شرط ہے اور جب اس بارگاہ جل شانہ میں مکان و زمان کی گنجائش نہیں تو پھر تناقض کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور یہ جو علماء نے تناقض کے دفع کرنے میں لفظ غیر میں تصرف کیا ہے اور غیر سے خاص معنی مراد لیے ہیں اس کی کچھ ضرورت نہیں نظر کشفی اس تخصیص سے منع کرتی ہے اور غیریت کی نفی خواہ کسی معنی سے ہو۔ ثابت کرتی ہے ہم معلوم کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی صفات جس طرح ذات اقدس کی عین نہیں کیونکہ اسی طرح حق تعالیٰ کی ذات کے غیر بھی نہیں اگرچہ زائد ہیں اور اثنینیت یعنی دوئی کی نسبت پیدا کی ہے یہاں معقول والوں کا یہ قضیہ مقررہ کہ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَایِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کے متغائر ہوتی ہیں) جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور ان کے اصول کو توڑتا ہے اور یہ جو کہا ہے کہ طور عقل سے برتر ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ عقل اس کی طرف ہدایت نہیں پا سکتی اور نہ ہی اس کا ادراک کر سکتی ہے نہ یہ کہ عقل اس کے برخلاف حکم کرتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیونکر اس کے خلاف حکم کر سکتی ہے جبکہ عقل نے اس کا تصور بھی نہیں کیا جب اس کے احاطہ ادراک ہی سے باہر ہے تو پھر اس کے اثبات اور نفی کا حکم کس طرح کر سکتی ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر)

مکتوب ۱۱۳

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حیات اور علم اور تمام کمالات کے ساتھ متصف ہیں اور صفات کے اس قیام کے معنی کی تحقیق میں جو ذات جل شانہ کے ساتھ رکھتی ہیں ملا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

واجب الوجود جل شانہ کی صفات مثل حیات و قدرت و علم وغیرہ کے جو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں کمال تنزہ و تقدس کے باعث صفات ممکن کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتیں کیونکہ ممکن کی صفات سراسر اعراض ہیں جو جواہر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور واجب الوجود جل شانہ کی صفات جواہر مُقَوِّم ہیں کیونکہ جواہر کا قیام اس کے ساتھ ہے۔ نیز ممکن کی صفات میت کا حکم رکھتی ہیں اور جماد محض ہیں اور حیات و علم وغیرہ سے بے نصیب ہیں اس قدر

ہے کہ ممکن ان کے ذریعے سے حی و عالم و قادر ہوتا ہے لیکن وہ بھی بِذَاتِہَا حَیّ وَعَالم نہیں ہے۔ برخلاف واجب الوجود جل شانہ کی صفات مقدسہ کے کہ وہ بھی اس حقیر کی نظر کشفی میں اپنے موصوف جل شانہ کی طرح حی و عالم ہیں اور اپنے مندرجہ کمالات کی تفصیل سے دانا اور اس پر فریفتہ ہیں لیکن ان کا علم علم حضوری کی قسم سے مفہوم ہوتا ہے نہ کہ علم حصولی کی قسم سے اسی طرح ہر ایک صفت و شان جو مرتبہ وجوب تعالیٰ میں ثابت کیا جاتا ہے سب علم و حیات کے ثبوت سے ظاہر ہوتے ہیں اور محض نور نظر آتے ہیں۔ گویا وہ نور سراسر حیات ہے اور سراسر علم و انکشاف اور کمال کی یہ دونوں صفتیں وہاں ظاہر ہیں۔ برخلاف دوسری صفات یعنی قدرت و ارادت وغیرہ کے کہ وہاں اس طرح واضح ہو کر مکشوف نہیں ہوتیں۔ ہاں جو کچھ اس مقام میں درکار ہے وہ کمالات کا انکشاف ہے جو صفت علم سے تعلق رکھتا ہے چونکہ علم حیات کے تابع ہے اس لیے صفت حیات بھی ضروری ہے اور قدرت وارادت مقدور و مراد سے وابستہ ہے اور سمع و بصر کے علم پر کفایت کر سکتے ہیں اور کلام سے مقصود افادہ ہے اور تکوین مکونات کیلئے ہے اس کے علاوہ ہر ایک صفت چونکہ جامع ہے اس لیے ہر ایک میں یہ کمال ثابت ہے۔ خواہ ظاہر ہو یا نہ ہو کوئی یہ نہ کہے کہ اس بیان سے معنی کا معنی کے ساتھ قیام لازم آتا ہے کیونکہ صفات جب حی و عالم ہیں تو ان کے ساتھ حیات وعلم کا قیام ضروری ہے اس لیے کہ میں کہتا ہوں کہ دونوں ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں ایک اصالت کے طور پر اور دوسری تبعیت کے طور پر جیسے کہ علماء نے اعراض کی بقاء میں کہا ہے کہ عرض اور عرض کا بقاء دونوں عرض کے محل سے قائم ہیں۔ اس مبحث کی تحقیق یہ ہے کہ صفات واجبی جل شانہ کا قیام ذات تعالیٰ کے ساتھ ایسا نہیں ہے جیسے کہ عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہے۔ حاشا و کلا بلکہ ایسا ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع کے ساتھ ہے۔ صانع مصنوع کا قیوم ہے اگرچہ وہاں اتصاف ہے اور یہاں اتصاف نہیں لیکن وہ قیام ایسا ہے جیسے شے کا اپنی ذات کے ساتھ قیام ہوتا ہے۔ صرف اس قدر فرق سے کہ وہاں زیادتی ثابت ہے اور یہاں زیادتی متصور نہیں لیکن وہ زیادتی غیریت کی حد تک نہیں پہنچاتی اس کے حق میں لاغیرہ فرمایا ہے پس دونوں جگہ تغایرِ اعتباری ثابت ہوا اور قیام متحقق ہوا۔ اس مقام میں اتصاف کا حاصل ہونا ایسا ہے جیسے انسانی کا انسانیت کے ساتھ یا جوہر کا جوہریت کے ساتھ متصف ہونا بلکہ میں کہتا ہوں کہ جس مقام میں ذات اقدس اور صفات حقیقیہ مقدسہ ہیں جو

حضرت ذات سے قائم ہیں وہاں صفت و اتصاف کا کوئی ملاحظہ ثابت نہیں ۔ نہ حضرت ذات میں موصوف ہونے کا ملاحظہ ہے نہ صفات مقدسہ میں صفت ہونا ملحوظ ہے جب اس بارگاہ میں وجود اور وجود وجوب کی گنجائش نہیں تو پھر صفت و اتصاف کی کیا مجال ہے جو وجود کی فرع ہیں اس مقام مقدس میں نور کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں اور وہ بھی بیچون ہے اگر حیات ہے تو وہ بھی نور ہے اور اگر علم ہے تو وہ بھی نور ہے ۔علی ہذا القیاس۔ اگر اس نور اقدس بیچون کا ظہور مرتبہ دوم میں تغیر و انتقال کے بغیر ثابت کیا جائے تو وجود کے سوا کوئی چیز اس کا مظہر بننے کے قابل نہ ہوگی۔ اسی واسطے تعین اول اس حقیر کے نزدیک تعین وجودی ہے اور باقی تمام تعینات اس تعین اول کے تابع ہیں اگر چہ لفظ تعین کا اطلاق اس جگہ اس فقیر کے علوم کے موافق گنجائش نہیں رکھتا لیکن چونکہ یہ لفظ قوم میں متعارف و مشہور ہے اس لیے ہم بھی اس کے اطلاق میں دلیری کرتے ہیں۔ رَبَّنَا اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ" (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب شے پر قادر ہے)

مکتوب ۱۱۴

صفات واجبی کی تحقیق اور اپنے کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ کے علم کے تعلق کی کیفیت میں اور اس بیان میں کہ معنی کو عین کے قیام سے چارہ نہیں لیکن اس کیلئے محل کا ثابت کرنا ضروری نہیں اور تعین وجودی اور انبیاء متبوعین اور انبیاء تابعین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کرام کے مبادی تعینات اور اولیاء عوام مومنین و کفار اور عالم آخرت کی موجودات کے مبادی تعینات کے بیان میں صادر فرمایا ہے۔

صفات حقیقیہ جو ہم حق تعالیٰ کے مرتبہ ذات میں ثابت کرتے ہیں اس اثبات سے اس بارگاہ میں کوئی تعین و تنزل پیدا نہیں ہوتا اور مرتبہ اول کے سوا کوئی دوسرا مرتبہ ثابت نہیں ہوتا اور کسی طرح بھی ان کا الگ ہونا متصور نہیں ہوتا۔ حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفات حقیقیہ گویا ایک مرتبہ میں ثابت ہیں اور باوجود زیادت کے عین ذات ہیں اور اگر چہ یہ صفات مقدمہ حضرت ذات تعالیٰ کے مندرجہ کمالات کی تفصیل ہیں لیکن ان کا حکم تمام اجمال و تفصیل کے حکم سے علیحدہ ہے کیونکہ اجمال اس مرتبہ میں ہے جہاں تفصیل ثابت نہیں بلکہ مرتبہ تفصیل مرتبہ اجمال سے نیچے ہے اس بارگاہ جل شانہ میں یہ امر مفقود ہے وہاں مرتبہ تفصیل عین مرتبہ اجمال

ہے یہ معرفت طور پر عقل سے برتر ہے جس کی طرف نظر کشفی نے ہدایت پائی ہے اس مرتبہ میں واجب تعالیٰ کا علم جو ان صفات کے متعلق ہے اپنی ذات اور اپنی ذات کے مندرجہ کمالات کے علم کی طرح علم حضوری ہے گویا یہ سب باوجود زیادتی کے عین عالم ہیں اور ان کا حضور نفس عالم کے حضور کی طرح ہے چونکہ حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ان کا کمال اتحاد ہے۔ اس لیے صوفیہ کی ایک بڑی بھاری جماعت نے صفات کو عین ذات کہا ہے اور صفات کی زیادتی کا انکار کیا ہے اور لاَ هُوَ سے منع کر کے لاَ غَیْرُهٗ کا اثبات فرمایا ہے لیکن کمال اس بات میں ہے کہ لاَ هُوَ کی تصدیق کے باوجود لاَ غَیْرُهٗ کا اثبات کیا جائے اور باوجود زیادتی کے غیریت کو سلب کیا جائے یہ کمال انبیاء کے علوم کے مذاق کے موافق اور فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعْیَهُمْ کی رائے صائب کے مطابق ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس مرتبہ میں وہ ذاتی انکشاف جو حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفات مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے علم حضوری کی قسم سے ہے کیونکہ صفات مقدسہ کا حکم بھی ذات تعالیٰ کے حکم کی طرح ہے جیسے کہ گزر چکا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ علم حضوری کی قسم سے ہے اس لیے کہ علم حضوری نفس عالم کے حضور سے مراد ہے اور صفات چونکہ نفس عالم نہیں ہیں اس لیے ان کا علم بھی حضوری نہیں لیکن چونکہ کوئی صورت ان سے الگ نہیں ہوتی اور ان کا حضور نفس ثابت ہے اس لیے علم حضوری کی قسم سے ہے اور انکشاف جو صفت علم سے تعلق رکھتا ہے علم حصولی کی قسم سے ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ علم حصولی کی قسم سے ہے اس لیے کہ علم حصولی علم میں معلوم کی صورت حاصلہ سے مراد ہے اور اس فقیر کے نزدیک متحقق و مکشوف ہوا ہے کہ واجب تعالیٰ کے علم میں کسی معلوم کی صورت منتقش نہیں اور اس کا علم کسی صورت معلومہ کا محل نہیں تو پھر عالم تعالیٰ شانہ کی ذات میں کس طرح صورت حاصل ہو سکے بلکہ اس کے علم کو معلوم کے ساتھ ایک خاص تعلق اور انکشاف ہے بغیر اس بات کے کہ علم میں معلوم کی صورت ثابت ہو کیونکہ خانہ علم تمام نقوش اور علمیہ صورتوں سے خالی اور مصفا ہے۔ مَعَ ذٰلِکَ لاَ یَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلاَ فِی السَّمَآءِ (باوجود اس کے ایک ذرہ بھی زمین و آسمان میں اس کے علم سے پوشیدہ نہیں) اس قدر مکشوف ہوتا ہے کہ جب حق تعالیٰ کا علم کسی معلوم سے تعلق پکڑتا ہے تو اس تعلق کے باعث ایک صورت معلوم سے جدا ہو جاتی ہے اور اس علم کے ساتھ قیام پیدا کرتی ہے بغیر اس بات کے کہ علم میں حلول و

حصول پیدا کرے اور جب علم کے تعلق کے باعث ایک صورت معلوم سے جدا ہو جاتی ہے اور علم بلکہ عالم کے ساتھ قیام پیدا کر لیتی ہے تو راست آتا ہے کہ علم حصولی کی قسم سے ہو اور جب صفت علم حق تعالیٰ کی ذات کے مندرجہ کمالات سے تعلق پیدا کرتی ہے تو اس تعلق کے باعث ان کمالات سے علمیہ صورتیں الگ ہوتی ہیں اور علم کے ساتھ قیام پیدا کرتی ہیں اگرچہ ان کا حلول وحصول علم میں ثابت نہیں ہوتا۔

سوال: تم نے صفت علم کے ساتھ ان علمیہ صورتوں کا قیام پیدا کر دیا لیکن معلوم نہ ہوا کہ ان صورتوں کے ثبوت کا محل کون ہے جس طرح معنی کیلئے عین کا قیام ضروری ہے اسی طرح اس کیلئے عین کا محل ہونا ضروری ہے۔

جواب: ہاں معنی کیلئے عین کا قیام ضروری ہے لیکن اس کیلئے محل کا ثابت کرنا ضروری نہیں۔ معنی کیلئے محل کے ثابت کرنے سے مقصود اس کے ساتھ معنی کے قیام کا ثابت کرنا ہے نہ کہ قیام پر کوئی اور زائد امر جب ممکن کے جواہر مجردہ میں جو ان علمیہ صورتوں کے ظلال کی مانند ہیں اور یہ صورتیں ان جواہر کی مبادی تعینات ہیں کہتے ہیں کہ ان کیلئے کوئی محل و مکان ثابت نہیں بلکہ کچھ ضروری نہیں تو اگر ان جواہر مجردہ کے اصول کیلئے محل نہ ہو تو کیا تعجب ہے۔ ان علمیہ صورتوں کو اعراض کی طرح تصور نہ کریں کہ غیر سے قیام رکھتی ہیں اور اعراض کے قیام پر ان کے محل کے ثابت کرنے کے پیچھے نہ پڑیں کیونکہ یہ علمیہ صورتیں اصول بلکہ جواہر (جن کے ساتھ اعراض کا قیام ہے) کے مبادی تعینات ہیں۔ پھر اعراض کی ان کے ساتھ کیا نسبت ہے بلکہ میں اعراض میں بھی کہتا ہوں کہ ان کیلئے محل کے ثابت کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ محل کے ساتھ ان کا قیام ثابت ہو جائے نہ یہ کہ محل مستقل طور پر مقصود ہوتا ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ یہ علمیہ صورتیں مرتبہ وجوب میں ثابت ہیں جہاں محل و مکان کی گنجائش نہیں اور قیام کے سوا وہاں کچھ متصور نہیں۔ واجب الوجود جل شانہ کی صفات حقیقیہ میں جو حضرت ذات اقدس سے قیام رکھتی ہیں کوئی حَالِیَّتْ وَ مَحَلِیَّتْ ثابت نہیں اور ثبوت ذہنی اور خارجی جو کہتے ہیں وہ مرتبہ امکان میں تقسیم پاتا ہے کیونکہ اس بارگاہ میں نہ خارج کی گنجائش ہے نہ علم کی جب اس بارگاہ میں وجود کا دخل نہیں تو پھر وجود ذہنی اور خارجی جو اس کی قسمیں ہیں وہاں ان کی کیا مجال ہوگی اور وجود کیلئے خارج وعلم کی ظرفیت کی کیا گنجائش ہوگی۔ پس یہ علمیہ صورتیں ثابت اور

صفت علم کے ساتھ قائم ہیں اور کوئی ثبوت علمی اور خارجی ان میں متحقق نہیں بلکہ وجود علمی اور خارجی کا ہونا ان کیلئے عار ہے کیونکہ وہ امکان کی صفات اور حدوث کے نشانات میں سے ہے۔ فَإِنَّ كُلَّ مُمْكِنٍ حَادِثٌ عِنْدَهُمْ (کیونکہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے) اور مرتبہ وجوب وجود میں اگرچہ وجود ثابت ہوا ہے لیکن علم و خارج کی ظرفیت اس وجود کے لئے ظاہر نہیں ہوئی کیونکہ وہاں ظرف ومظروف ہونے کی مجال نہیں اس بات کو غور سے سننا چاہئے کہ جب صورت معلوم نفس علم سے مراد ہے تو اس کا حصول وحلول علم میں کس طرح ہوگا۔ صوفیاء میں سے متاخرین نے کہا ہے کہ علمیہ صورتیں جو اعیان ثابتہ سے مراد ہیں اور ممکنات کی حقائق ہیں ان کا ثبوت صرف خانہ علم ہی میں ہے اور علم کے خارج میں وجود کی بو بھی ان کو نہیں پہنچی لیکن چونکہ ان علمیہ صورتوں کے عکوس ظاہر وجود کے آئینہ میں کہ جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں پڑے ہیں اس لیے متوہم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں خارج میں موجود ہیں جس طرح کوئی صورت جب آئینہ میں منعکس ہوتی ہے تو یہ وہم گزرتا ہے کہ وہ صورت آئینہ میں ہے نہیں معلوم ان بزرگواروں کی کیا مراد ہے اور علم میں صورتوں کے حصول سے ان کا کیا مطلب ہے حالانکہ صورتیں شاہد وحاضر میں نفس علم ہیں اور غائب میں اللہ تعالیٰ کا علم ازلی قدیم بسیط وحدانی ہے جس کا تعلق بیشمار معلومات کے ساتھ ہے اور اس تعلق سے متعدد صورتیں حاصل ہوتی ہیں جو ان معلومات کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیتی ہیں بغیر اس بات کے کہ اس علم ازلی میں ان کا حصول وحلول ثابت ہو اور اس میں متعدد صورتیں کس طرح حلول کر سکیں جبکہ اس سے محل کا تبعض وانقسام لازم آتا ہے نیز اس میں شے کا غیر شے کے ساتھ فرض کرنا پایا جاتا ہے اور یہ امر ترکیب کا موجب ہے جو قدم اور ازلیت کے منافی ہے عجب معاملہ ہے کہ معقول والوں نے معلوم کی صورت حاصلہ کو ذہن میں ثابت کیا ہے اور ذہن ہی میں اس کا حلول سمجھا ہے نہ علم میں کیونکہ وہ صورت ان کے نزدیک عین علم ہے نہ کہ اس نے علم میں حلول کیا ہے لیکن متاخرین صوفیاء کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علم میں اس صورت کا حصول وحلول ہے جس کو باطن وجود کہتے ہیں۔ وَهُوَ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ (اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے) جاننا چاہئے کہ یہ علمیہ صورتیں جو حق تعالیٰ کی ذات کے مندرجہ کمالات کے ساتھ صفت علم کے متعلق ہونے سے ثابت ہوئی ہیں نظر کشفی میں ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حیات وعلم ثابت ہے اور ان کے لیے وہ

انکشاف جو علم حضوری کے مناسب ہے ان کمالات کی نسبت جو ان میں مندرج ہیں حاصل ہے چنانچہ اس مبحث کی تحقیق ایک مکتوب میں مفصل طور پر لکھی جا چکی ہے اگر اس کی معرفت کے عجیب وغریب ہونے کے باعث کچھ پوشیدگی کی رہ جائے اور حاجت پڑ جائے تو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جب بیان سابق سے واضح ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی صفات مقدسہ ایک ہی مرتبہ میں ثابت ہیں اور صفات کی زیادتی کے ثبوت سے کوئی تعین وتنزل اس بارگاہ جل شانہ میں پیدا نہیں ہوا تو جاننا چاہیئے کہ اس مرتبہ مقدسہ کا کہ حضرت ذات مع الصفات ہے مرتبہ دوم میں پہلا ظہور وہ ہے جس میں تغیر وتبدل کی آمیزش نہیں اور وہ اس فقیر کے نزدیک کشف وشہود کی رو سے حضرت وجود ہے جو محض خیر اور صرف کمال ہے اور ظلیت کے طور پر تمام کمالات کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے وجود کے سوا کسی اور کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی اسی واسطے اگر علم اس مرتبہ مقدسہ کے متعلق ہو جائے اور اس کے کمالات کو کھینچ لے جیسے کہ گزر چکا تو اول اول جو کچھ اس بارگاہ جل شانہ سے الگ ہوگا وہ حضرت وجود ہی ہوگا اور دوسرے کمالات اس کے تابع ہونگے یہی وجہ ہے کہ صوفیاء وغیرہ کی ایک جماعت نے وجود کو عین ذات سبحانہ تصور کیا ہے اور وجود کے تعین کو لاتعین سمجھا ہے اور اس تعین اسبق کا ثبوت علم وخارج کے ماسوا ہے جیسے کہ اس امر کی تحقیق کئی جگہ بیان ہو چکی ہے یہ حضرت وجود ظلیت کے طور پر اجمالاً تمام ذاتیہ اور صفاتیہ کمالات کا جامع ہے اور اس مرتبہ جامع اجمالیہ کی تفصیل بھی ہے جس کو تعین ثانی کہہ سکتے ہیں۔ اول اول جس چیز نے مرتبہ تفصیل میں ثبوت پیدا کیا ہے وہ صفت حیات ہے جو تمام صفات کی ماں یعنی اصل ہے یہ صفت حیات گویا اس صفت حیات کا ظل ہے جو مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ میں ثابت ہے اسی واسطے لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهٗ اس کے حق میں ثابت ہے اور یہ ظل چونکہ اس مرتبہ میں پیدا ہوا ہے جو حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ کے سوا ہے اس لیے لَا غَيْرُهٗ اس کے حق میں ثابت نہیں کیونکہ اس پر غیریت کا داغ پڑا ہے۔ صفت الحیٰوۃ کے بعد ظلیت کے طور پر صفت علم ثابت ہے جیسے کہ صفت حیات میں گزرا یہ صفت تمام صفات کی جامع ہے اور صفت قدرت وارادت وغیرہ باوجود استقلال کے گویا اس کے اجزاء ہیں کیونکہ اس صفت کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا اتحاد ہے جو اس کے سوا غیر کے لیے نہیں اس لیے کہ علم حضوری میں علم وعالم ومعلوم کا اتحاد ہے اور قدرت ہرگز قادر ومقدور کے ساتھ متحد نہیں ہوتی

اور ارادت میں بھی کہ اَحَدُ الْمَقْدُوْرِیْنَ یعنی دو مقدروں میں سے ایک کی تخصیص سے یہ اتحاد ثابت نہیں اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے اس حقیر کے نزدیک حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدا تعین بالا صالت تعین اول یعنی تعین وجود ہے اور اس تعین کا مرکز جو اس کے تمام اجزاء میں سے اشرف ہے بالا صالت حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء تعین ہے چنانچہ اس صمت کی تحقیق ایک مکتوب میں مفصل طور پر لکھی جا چکی ہے چونکہ حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اسرافیلی ولایت ہے اس لیے حضرت اسرافیل علیہ السلام کا مبداء تعین بھی یہی تعین وجودی ہے اور ہر ایک پیغمبر اور رسول کا مبدء تعین بالا صالت اس تعین اول وجودی کے حصوں میں سے ایک ایک حصہ ہے اور امتوں میں سے اگر کسی کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی بدولت اس تعین وجودی میں سے حصہ مل جائے یا اس تعین وجودی کے حصوں اور نقطوں میں سے کوئی حصہ یا نقطہ اس شخص کا مبدء تعین ہو جائے تو جائز بلکہ واقع ہے جب تک اس تعین میں مبدء تعین پیدا نہ ہو بالا صالت حضرت ذات تعالیٰ تک پہنچنا میسر نہیں ہوتا ملائکہ اعلیٰ جو حضرت ذات جل شانہ کے مقرب ہیں ان کے مبادی تعینات بھی اسی تعین وجود میں ہے جس پر حضرت ذات تعالیٰ تک پہنچنا وابستہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ صفت علم جو تعین وجودی کے مرتبہ تفصیل میں پیدا ہوئی ہے۔ اگر چہ اس تعین وجودی کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے لیکن چونکہ جامعیت رکھتی ہے اس لیے گویا نفس وجود کی طرح اس تعین کے تمام حصوں کی جامع ہے اس کا اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی۔ اجمال مرکز دائرہ کا حکم رکھتا ہے اور تفصیل محیط کا حکم۔ پس اس تعین علمی کا مرکز جو اجمال ہے گویا اس تعین اول وجودی کے مرکز کا ظل ہے اور اسی علاقہ سے بعض نے یقین کیا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء تعین حضرت علم کا اجمال ہے نہیں بلکہ یہ اجمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبدء تعین کا ظل ہے جو تعین اول وجودی کا مرکز ہے جیسے کہ اوپر گزر چکا نیز بعض نے اس علم کے اجمال کو تعین اول کہا ہے اور مرتبہ فوق کو لاتعین جانا ہے اور حضرت وجود کا عین خیال کیا ہے ہاں عین وجود ہے لیکن تعین کے ساتھ منسوب ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ تعین اول کے مندرجہ حصے اگر چہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات ہیں لیکن چونکہ اس مرتبہ میں اجمال ہے اس لیے ہر ایک کا مبدء علیحدہ علیحدہ مفصل طور پر معلوم نہیں ہوتا

اور اس کا کوئی نام مقرر نہیں کیا جاتا جب اس نے تفصیل پائی ہر ایک کا مبدء الگ ہوا اور علیحدہ نام پایا۔ مثلاً اس تعین اول وجودی کا ایک حصہ اسم الحیٰوۃ ہے اور دوسرا حصہ اسم العلم ہے علی ہذا القیاس اور مشہود ہوتا ہے کہ اسم الحیٰوۃ اس جامعیت کے اعتبار سے کہ رکھتا ہے ملائکہ علیین علی نبینا و علیہم السلام کا مبداء تعین ہے۔ حضرت روح اللہ علیہ السلام کو بھی جو ملاء اعلیٰ کے ساتھ مناسب رکھتے ہیں اس مقام سے حصہ حاصل ہے اور مہدی علیہ الرضوان بھی چونکہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اس مقام کے امیدوار ہیں جاننا چاہئے کہ صفات ثمانیہ میں سے ہر ایک صفت جنہوں نے مرتبہ تعین ثانی میں تفصیل پائی ہے ہر ایک بزرگ مقتدا پیغمبر علیہ السلام کا مبدا ہے چنانچہ علم حضرت خاتم الرسل علیہ السلام کا مبدا تعین ہے اور قدرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدا تعین ہے اور تکوین حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء تعین ہے۔ ان اسماء کلیہ مقدسہ کے جزئیات باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات ہیں ان بزرگواروں میں سے وہ گروہ جو خاص اسم کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور خاص مقتداء نبی کے ساتھ ان کی مناسبت ہے ان کے مبادی تعینات اس اسم کی جزئیات ہیں اور وہ اولیاء جو مقتداء پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کے قدم پر ثابت ہیں ان کے مبادی تعینات اس اسم کے جزئیات کی جزئیات ہیں جو اس پیغمبر کا مبداء تعین ہے۔ اسی طرح تمام مومنوں کے مبادی تعینات اس اسم کی جزئیات ہیں جو اس پیغمبر کا مبداء تعین ہے جس کے قدم پر وہ چلتے ہیں کفار کے مبادی تعینات اسم مفصل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان مبادی مذکورہ سے الگ ہیں جب ممکنات کے مبادی تعینات معلوم ہو چکے تو اب جاننا چاہئے کہ دائرہ وجوب ان تعینات کی منتہا پر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد دائرہ ممکنات شروع ہوتا ہے حق تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے کمال کرم واحسان سے اپنے فیوض وانعامات دوسروں کو عطا فرمائے اور گنج بخشی ظاہر کرے تو خلقت کو پیدا کیا اور اپنے وجود اور توابع وجود کے کمالات ان کو بخشے۔ بغیر اس بات کے کہ وہاں سے کچھ جدا ہو کر ان کے ساتھ ملحق ہو جائے کیونکہ یہ امر نقص کا موجب ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے) خلق سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنے انعام واحسان پہنچائے نہ یہ کہ ان کے ذریعے اسمائی و صفاتی کمالات کی تکمیل و تتمیم ہو۔ حاشا وکلا۔ صفات فی حد ذاتہا کامل ہیں۔ ظہور و مظہر کی

ان کو کچھ حاجت نہیں ۔ اس بارگاہ جل شانہ میں تمام کمالات بالفعل حاصل ہیں ۔ بالقوہ نہیں جس کا حاصل ہونا کسی دوسرے امر پر وابستہ ہو۔ اس بارگاہ جل شانہ میں اگر شہود و مشاہدہ ہے تو خود بخود ہے اور اگر علم و معلوم ہے تو خود ہی عالم ہے اور خود ہی معلوم ۔ اسی طرح خود متکلم ہے اور خود ہی سامع ہے وہاں تمام کمالات مفصل و متمیز ہیں لیکن بیچونی کے طور پر کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں خلق کیا ہے جو حق تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بن سکے۔

در کدام آئینہ در آیداد

ترجمہ: وہ کسی آئینہ میں آتا نہیں

اور عالم کیا ہے جو اس اجمال کی تفصیل کرے کیونکہ وہ بارگاہ جل شانہ عین اجمال میں تفصیل ہے اور عین تنگی میں وسعت ہے چونکہ اس جگہ کی تفصیل و وسعت بیچون ہے۔ اس لیے متوہم ہوتا ہے کہ اجمال کے لیے تفصیل کی ضرورت ہے جو خلق عالم پر وابستہ ہے اور اس اجمال کی تکمیل اس تفصیل پر موقوف ہے لیکن حق یہ ہے کہ وہاں اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی جیسے کہ گزر چکا ہے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (اللہ تعالیٰ گھیرنے والا جاننے والا ہے) جاننا چاہیئے کہ اس عالم کی پیدائش اس مرتبہ میں واقع ہوئی ہے جس کو اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ کسی قسم کی مزاحمت و مدافعت نہیں۔ اَحَدُ الْمَوْجُوْدَيْنِ یعنی دو موجودوں میں سے ایک کا وجود اگرچہ دوسرے وجود کی حد بندی کرنا چاہتا ہے لیکن یہ قاعدہ اس جگہ مفقود ہے کیونکہ عالم کے وجود نے اس وجود اقدس کے لیے کوئی حد و نہایت پیدا نہیں کی اور کسی نسبت و جہت کو ثابت نہیں کیا۔ وہ صورت جو آئینہ میں متوہم ہوتی ہے اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں ثابت ہے اس ثبوت کو زید کے ثبوت کے ساتھ جو اس صورت کا اصل ہے کسی قسم کی مزاحمت و مدافعت حاصل نہیں اور اس صورت کے ثبوت نے اپنے اصل کے ثبوت میں کوئی حد و نہایت پیدا نہیں کی اور کوئی جہت و نسبت حاصل نہیں کی۔ عالم کا وجود اس صورت کے وجود کی طرح ہے جو مرتبہ وہم میں ثابت ہے جس کو اپنے اصل کے ساتھ جو خارج میں موجود ہے کوئی مزاحمت نہیں اور صورت کے اس وہمی ثبوت سے اس خارجی ثبوت میں جو صورت کا اصل ہے کسی قسم کی حد و نہایت پیدا نہیں ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (مثل اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) اس تحقیق سے اس بات کی حقیقت معلوم ہوگئی جو کہتے ہیں کہ عالم مرتبہ وہم میں ثابت ہے یعنی عالم اس مرتبہ میں پیدا ہوا

ہے جو مرتبہ وہم کے مشابہ ہے جو آئینہ کی منعکسہ صورت کے لیے اپنے اصل کی نسبت کہ خارجی میں موجود ہے۔ ثابت ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ میں وجود خارجی کا اطلاق بھی تشبیہ وتنظیر کی قسم سے ہے کیونکہ خارج کی وہاں گنجائش نہیں جب وجود اس مرتبہ اقدس سے کوتاہ ہے تو پھر خارج کیا ہے جو وجود کی فرع اور قسم ہے۔

خاتمہ حسنہ:۔ یہ سب مبادی تعینات جو مذکور ہوئے ہیں خواہ تعین وجودی اجمالی ہو یا تفصیلی سب اس عالم دنیا کی موجودات ممکنہ کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اور اس عالم دنیا کی موجودات کا وجود و تشخص ان مبادی عالیہ پر وابستہ ہے لیکن موجودات آخرت (مشہود ہوتا ہے کہ) ان مبادی مذکورہ پر وابستہ نہیں بلکہ ان کے مبادی تعینات اور امور ہیں۔ وہ امور اس فقیر کے نزدیک وہ کمالات ذاتیہ ہیں جن کے دامن پاک تک ظلیت کی گرد نہیں پہنچی اور اس مرتبہ اقدس میں مندرج ہیں بلکہ اس مرتبہ مقدسہ میں بیچونی تفصیل وتمیز کے ساتھ مفصل و متمیز ہیں۔ ان کمالات مقدسہ مفصلہ ذاتیہ میں سے ہر ایک کمال عالم آخرت کی موجودات میں سے ہر ایک موجود کا مبدء تعین ہے۔ اہل بہشت کے وجود کو ان تعینات وجودی کے ساتھ خواہ اجمالی ہوں یا تفصیلی جو عالم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں کسی قسم کا مس نہیں۔ عالم آخرت کی موجودات گویا اس مرتبہ مقدسہ کے مواجہ اور مقابل ہیں۔ برخلاف عالم دنیا کی موجودات کے کہ اس مواجہ اور مقابلہ سے بے نصیب ہیں۔ اس عالم دائمی کی موجودات کو اس مرتبہ مقدسہ سے اس قسم کے نصیب وحظ حاصل ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔

هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی نعمت

بیت

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَايَدِقُّ صِفَاتُهٗ   وَ كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

ترجمہ بیت

بعد ازاں وہ امر ہے جس کا نہیں ملتا پتا   اس کا پوشیدہ ہی رکھنا اور چھپانا ہے بھلا

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۱۱۵

بعض استفساروں کے جواب میں عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی صحت و عافیت اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ صحیفہ شریفہ جو شفقت و مہربانی سے اس فقیر کے نام ارسال کیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے اشتیاق ظاہر فرمایا تھا کہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں مع متعلقین وطن اختیار کریں اور وہیں دفن ہوں۔

میرے مخدوم مکرم۔ متعلقین کا جانا نظر نہیں آتا بلکہ نزدیک ہے کہ منع مفہوم ہو اگر آپ تنہا چلے جائیں تو پسندیدہ نظر آتا ہے اور امید ہے کہ سلامتی سے پہنچ جائینگے وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار ہے) اور سیادت مآب کے بارہ میں جو آپ نے لکھا ہے کہ طبیبوں نے ان کے ضرر کا حکم دیا ہے۔ میرے مشفق مخدوم فقیر نے بڑے غور سے دیکھا ہے لیکن ان کے حق میں کوئی ضرر نظر نہیں آتا۔ البتہ ایک ظلمت محسوس ہوتی ہے جو اس ضرر کی ظلمت سے الگ ہے۔ دیکھیں اس کی کیا وجہ ہے۔ غرض طبیبوں کا ضرر مفقود ہے اور یہ ظلمت جو نظر آتی ہے کسی اور طرف سے ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ ۔ دوسرے یہ کہ فرزندی محمد سعید بہت ہی کمزور ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اب اس کو صحت و عافیت ہوتی جاتی ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ قرۃ العین خواجہ جمال الدین حسین مع بھائی بہنوں کے اخیر زمانہ کے حادثوں سے محفوظ رہے اور بزرگ مخدوم زادے ظاہر باطنی جمعیت سے آراستہ رہیں۔

مکتوب ۱۱۶

خلق اللہ کی خدمتگاری کی ترغیب میں خواجہ ابوالمکارم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ آپ کو حد اعتدال اور مرکز عدالت پر استقامت عطا فرمائے۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ عطیات کا بخشنے والا حضرت حق جل شانہ اپنے کسی بندہ کو بعض بزرگیوں اور

فضیلتوں کے ساتھ مخصوص کر کے اپنے بندوں کی حاجتوں کی کنجی اس کے دست تصرف کے حوالہ کر دے اور اس کو ان لوگوں کا جائے پناہ بنائے اور یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ بہت سی مخلوقات کو جن کو اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے اپنے عیال فرمایا ہے اس کے متعلق کرے اور ان کی تربیت اس کے سپرد فرمائے۔ وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جو اس دولت حمد میں قیام کرے اور وہ شخص بہت ہی ہوشمند ہے جو اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اپنے مالک کے عیال کی خدمت گزاری کو اپنی سعادت جانے اور اپنے مولیٰ کے غلاموں اور لونڈیوں کی تربیت کو اپنا شرف سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ وہاں کے لوگ آپ کے ذکر خیر سے تر زبان ہیں اور آپ کے کرم واحسان کا ذکر ان کی زبان پر ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۱۷

آیت کریمہ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی الخ کے معنی اور دوسرے اعتراض کے بیان میں مولانا شیخ غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) شیخ اجل قدس سرہ نے اپنی کتاب عوارف کے دوسرے باب میں آیت کریمہ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَہُوَ شَہِیۡدٌ (اس میں نصیحت ہے اس شخص کے لیے جس کا دل حاضر ہے اور جس نے توجہ کے ساتھ کانوں کو اس طرف لگایا) کے معنی میں فرمایا ہے کہ واسطی نے کہا ہے کہ قوم مخصوص کے لیے نصیحت ہے سب لوگوں کیلئے نہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ (کیا جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا) اور واسطی نے یہ بھی کہا ہے کہ مشاہدے سے فراموشی پیدا ہوتی ہے اور حجابوں سے فہم حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے لیے تجلی کرتا ہے تو وہ اس کے لیے جھک جاتی ہے اور پست ہو جاتی ہے۔ شیخ قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ یہ قول جو واسطی نے کہا ہے بعض اقوام کے حق میں صحیح ہے حالانکہ یہ آیت اس امر کے برخلاف دوسری قوم کے لیے حکم کرتی ہے اور وہ لوگ ارباب تمکین ہیں جن کے لیے مشاہدہ اور فہم جمع ہوتے ہیں پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ واسطی نے اول کہا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خاص اہل تمکین کے لیے نصیحت ہے کیونکہ یہ

وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد زندہ کیا ہے یعنی فنا کے بعد ان کو بقا بخشی ہے اور اہل تلوین کے لیے نہ فنا ہے نہ بقاء اور نہ حیات جو دوبارہ ان کو دی گئی ہو کیونکہ وہ وسط راہ میں ہوتے ہیں اور فنا بقاء منتہیوں کے احوال ہیں اور اس کا دوسرا قول جو آیت کے بیان میں ذکر کیا ہے اگر تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ احتجاب اور استتار (یعنی پردہ اور حجاب میں آنے) کے وقت اہل تلوین کے لیے نصیحت ہے نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت کیونکہ یہ ذہول وفراموشی کے وقت ہیں۔ پس یہ قول پہلے قول کے منافی ہے اور اگر اس نے دوسری جگہ توسط حال میں اس معرفت کا ذکر کیا ہے اور آیت کے بیان میں ذکر نہیں کیا تو پھر کوئی منافات نہیں اور نہ ہی شیخ قدس سرہ کا یہ اعتراض کہ واسطی نے کہا ہے کہ بعض اقوام یعنی اہل تلوین کے حق میں صحیح ہے حالانکہ یہ آیت اس امر کے برخلاف دوسرے لوگوں کے لیے حکم کرتی ہے اور وہ ارباب تمکین ہیں درست نہیں کیونکہ واسطی نے آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت ارباب تمکین کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے کہ یہ لوگ ہیں جو موت کے بعد زندہ ہیں نہ کہ اہل تلوین حاصل کلام یہ ہے کہ اہل تلوین کے بیان میں اس کا دوبارہ ذکر کرنا ایک مستقل معرفت ہے جس کا آیت کے بیان سے کچھ تعلق نہیں۔ اس صورت میں یہ اعتراض عائد نہیں ہوتا کہ یہ امر آیت کے حکم کے برخلاف ہے کیونکہ آیت ایک قوم کے حق میں وارد ہے اور یہ معرفت دوسری قوم کے احوال کا بیان ہے۔ اگر واسطی پہلے فعل کو اہل تمکین کے ساتھ مخصوص نہ کرتا اور پھر دوبارہ اہل تلوین کے لیے بھی ان کے احتجاب کی حالت میں نصیحت کو ثابت کرتا تو اس کے دونوں قولوں میں منافات حاصل نہ ہوتی اور شیخ کا اعتراض اس پر وارد نہ ہوتا اور جو کچھ میرے نزدیک ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں دونوں فریقوں کے حال کا بیان ہے۔ یعنی من کان له قلب میں ارباب قلوب کا حال ہے جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں انہی کو اصحاب تلوین بھی کہتے ہیں اور اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ" میں اہل تمکین کے حال کا بیان ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عین شہود کی حالتمیں فہم کے لیے اپنے کانوں کو لگا رکھا ہے فرق صرف اسی قدر ہے کہ قوم اول کے لیے بعض بعض وقتوں میں نصیحت ہے اور دوسری قوم کے لیے تمام احوال میں نصیحت ہے جیسے کہ خود واضح ہے اگر شیخ قدس سرہ اس طرح کہتا کہ یہ آیت اس امر کے برخلاف اور قوم کے لیے بھی حکم کرتی ہے تو بہت ہی مناسب ہوتا اور کلمہ او منع خلو کے لیے ہے۔ پس فریقین کو نصیحت میں جمع کرنے کے منافی نہیں اس کے بعد شیخ نے فرمایا ہے کہ فہم کا مقام محادثہ

اور مکالمہ یعنی گفتگو اور کلام کا محل ہے اور وہ دل کی سمع ہے اور مشاہدہ کا مقام قلب کی بصر ہے۔ پس جو شخص سکر کی حالت میں ہے اس کی سمع اس کی بصر میں غائب ہوتی ہے اور جو شخص خود تمکینکی حالت میں ہے اس کی سمع اس کی بصر میں غائب نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے حال کا مالک ہے اور ظرف وجودی سے جو کلام کے سمجھنے کے لیے مستعد ہے۔ سمجھتا ہے کیونکہ فہم الہام وسماع کا محل ہے اور سماع والہام ظرف وجودی کو چاہتے ہیں اور یہ وجود موہوب یعنی بخشا ہوا اس شخص کو جو فنا کے راستے سے گزر کر بقا کے محل تک پہنچا ہو مقام صحو میں متمکن ہونے کے لیے دوبارہ بخشا جاتا ہے اور یہ وجود اس وجود کے سوا ہے جو نور مشاہدہ کے چمکنے کے وقت نیست و نابو ہو جاتا ہے۔ انتہی (یہاں تک شیخ کا کلام ہے) پس محادثہ اور مکالمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام و گفتگو کرنا ہے اور سمع کا بصر میں غائب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ مشاہدہ کے وقت نہیں سمجھتا اور یہ اہل تلوین کا حال ہے جو مشاہدہ کے وقت اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں جیسے کہ واسطی نے کہا ہے اور سمع کے بصر میں غائب نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ عین مشاہدہ میں سمجھتا ہے اور یہ حال اہل تمکین کا ہے جو مشاہدہ اور فہم کے درمیان جمع کرتے ہیں جیسے گزر چکا پوشیدہ نہ رہے کہ اہل تلوین میں مشاہدہ کے کچھ معنی نہیں ہیں کیونکہ مشاہدہ ذات میں ہوتا ہے اور وہ ابھی ذات تک نہیں پہنچا۔ اس کے حق میں صفات متخیلہ متلونہ کا مکاشفہ بہتر ہے اور جو کچھ ذات میں ہے اس کیلئے تلوین نہیں اور نہ ہی اس بارگاہ مقدس میں تغیر ہے کہ کبھی ذہول و فراموشی ہو اور کبھی شعور بلکہ وہاں عین ذہول میں شعور ہے اور نفس شہود میں فہم ہے نیز شیخ قدس سرہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں دل کی آنکھ سے مشاہدہ کا واقع ہونا جائز ہے اور صاحب تعارف قدس سرہ نے جو امام طائفہ ہے، کہا ہے کہ دنیا میں دل اور آنکھ دونوں سے حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے اور اس پر اجماع ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ مشائخ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حق تعالیٰ دنیا میں ایقان کی جہت کے بغیر دلوں اور آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا۔ میرے نزدیک جو کچھ صاحب تعرف نے کہا ہے بہت ہی بہتر ہے کیونکہ جس کو حق تعالیٰ کی رویت خیالی کرتے ہیں وہ خیال رویت ہے یعنی خیال میں اس ایقان کی صورت کا کشف ہے جو دل کو حاصل ہوتا ہے اور مُوقَنٌ بِہٖ کی بھی ایک صورت ہے جو دل کیلئے کشف کی جاتی ہے کیونکہ مشائخ نے اللہ تعالیٰ کیلئے مثال کو جائز رکھا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی مثل نہیں۔ فَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (پس مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے) یعنی خیال میں ایقان کی صورت اور موقن بہ کی صورت نقش ہو

جاتی ہے۔ اگر چہ واقع میں حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں کیونکہ قلب اور دوسرے لطائف کے معانی حاصلہ کیلئے بلکہ ہر ایک موجود شے کیلئے خیال میں ایک صورت ہے جو اس عالم مثال کی تمثال ہے جو تمام عالموں سے زیادہ وسیع ہے پس قلب کو ایقان کے سوا کچھ حاصل نہیں بلکہ ایقان کی صورت اور موقن بہ کی صورت رویت دمرئی کی صورت میں متمثل ہوتی ہے اور کوئی رویت حقیقی نہیں پس جب قلب کو رویت حاصل نہ ہو تو پھر بصر یعنی آنکھ کو کب حاصل ہوگی وہ ایک مثالی صورت ہے یعنی قلب کا ایقان رویت کی صورت میں اور موقن بہ مرئی کی صورت میں متمثل ہوتا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ اس نے حقیقیۃً حق تعالیٰ کو دیکھا ہے حالانکہ وہ خیالی رویت ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ موقن بہ کی صورت حق تعالیٰ کی صورت مثالیہ نہیں ہے بلکہ ایک کشفی صورت ہے جس کے ساتھ ایقان کا تعلق ہے جو خیال میں ظاہر ہوتی ہے اور ہرگز ہرگز حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں۔ اگر چہ خیال ہی میں ہو۔ یہ صورت قلب سالک کے بعض مکشوفات یعنی ان وجوہ و اعتبارات کی صورت ہے جن کا تعلق ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ جب عارف ذات تعالیٰ سے واصل ہو جاتا ہے تو اس قسم کی خیالی مثالیں متخیل نہیں ہوتیں کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات کی کوئی صورت نہیں نہ خیال میں اور نہ مثال میں اور میرے نزدیک جس طرح اس کی مثل نہیں مثال بھی نہیں کیونکہ صورت خواہ کسی مرتبہ میں ہو حد و نہایت کو مستلزم ہے اور حق تعالیٰ تحدید و تقیید سے منزہ ہے یہ تمام مراتب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ فَافْهَمْ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ اس نے ہم کو سلطان خیال عطا فرمایا اور اس کو معانی کمال کی صورتوں کے حصول کا آئینہ بنایا اگر خیال نہ ہوتا تو ہم انفصال کے درکات سے اتصال کے درجات کو نہ پاسکتے اور احوال کی واردات کو نہ جان سکتے کیونکہ اس میں ہر ایک معنی اور حال کی صورت ہے کہ اگر وہ صورت مکشوف ہو جائے تو اس کے ساتھ وہ معنی اور مال ادراک میں آجاتے ہیں پس ساتوں لطائف کا شان سیر و سلوک اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کرنا ہے اور خیال کا شان سالک کو اپنی منتقشہ صورتوں میں سیر و سلوک و انتقال کے درجات کا دکھانا ہے اور اس کا دکھانا فوق کی طرف رغبت بڑھاتا ہے نیز اس کے دکھانے سے سیر بصیرت پر حاصل ہوتا ہے اور سلوک معرفت پر آسان ہوتا ہے اور اس کے غلبہ سے سالک جہل سے نکل کر اہل علم میں سے ہو جاتا ہے۔ فَلِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ دَرُّهٗ (اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اس کی خوبی) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۱۱۸

مولانا عبدالقادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب عوارف کے دوسرے باب میں اس حدیث کے بیان میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مرفوع ہے۔ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اٰیَۃٌ اِلَّا وَلَھَا ظَھْرٌ وَبَطْنٌ وَلِکُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ لِکُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ (قرآن مجید کی ہر ایک آیت کیلئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر ایک حرف کیلئے ایک حد اور ہر ایک حد تک کیلئے ایک مطلع ہے) کے بیان میں کہا ہے کہ میرے دل میں کھٹکتا ہے کہ مطلع سے یہ مراد نہیں کہ صفاء فہم سے آیت کے پوشیدہ ستر اور باریک معنی پر واقف ہوں بلکہ مطلع سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک آیت کے نزدیک متکلم کے شہود پر اطلاع ہو کیونکہ ہر ایک آیت متکلم کے اوصاف میں سے کسی وصف اور اس کی لغوت میں سے کسی لغت کی امانت گاہ ہے۔ پس آیات کی تلاوت اور ان کے سننے سے نئی نئی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور آئینے بن کر عظیم جلال کی خبر دیتی ہیں۔ اِلٰی اٰخِرِ مَا قَالَ فِیْ تَائِیْدِ ھٰذَا التَّوْجِیْہِ وَشَرْحِہٖ (آخر کلام تک جو اس توجیہ اور اس کی شرح میں کہی ہے)

اللہ تعالیٰ کے کرم سے جو کچھ میرے دل میں گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ ظہر سے مراد نظم قرآن ہے جو حد اعجاز تک پہنچنے والی ہے اور بطن صفاء فہم کے اختلاف کے بموجب باریک معنی اور پوشیدہ سر پر اس کی تفسیر و تاویل سے مراد ہے اور حد سے مراد مراتب کلام کی نہایت ہے جو متکلم کا شہود ہے اور وہ تجلی نعتی ہے جو عظیم جلال کی خبر دیتی ہے اور مطلع وہ ہے جو تجلی نعتی سے برتر ہے اور وہ تجلی ذاتی ہے جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے خالی ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام کی حد اور اس کے نہایت کے لیے مطلع ثابت کیا۔ گویا مطلع کلام اور نہایت کلام کے ماوراء ہے اور کلام حق تعالیٰ کی صفت ہے اور متکلم کا شہود اس صفت کے آئینے میں اس صفت کی تجلی ہے اور اس کے مراتب کمال کی نہایت ہے۔ اس تجلی کے ماوراء پر اطلاع تب ہوتی ہے جب اس تجلی سے تجلے ذاتی کی طرف ترقی کریں پس اس جگہ ذات تک پہنچنا صفت کلام کے ذریعے اور نظم قرآنی کی تلاوت کے وسیلے سے ہے جو اس صفت پر دلالت کرتا ہے پس دو قدموں کا ہونا ضروری ہے ایک قدم نظم قرآنی کا جو مدلول یعنی صفت کی طرف دلالت کرنے والا ہے۔ دوسرا قدم صفت کا اپنے موصوف کی طرف عارف قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ مَشْیُتُ خَطُوْتَانِ وَقَدْ وَصَلْتُ

(میں دو قدم چلا اور واصل ہو گیا) لیکن شیخ قدس سرہ نے صرف پہلا قدم ذکر کیا ہے اور اس سیر کو اسی کے ساتھ تمام کیا ہے اور تلاوت کے فائدہ کو اسی سے مقید کیا ہے اور کچھ بیان نہیں کیا۔ سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ط (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں مگر جس قدر کہ تو نے ہم کو سکھایا بے شک تو جاننے والا حکمت والا ہے) اس کے بعد شیخ قدس سرہ نے کہا ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ نماز میں بے ہوش ہو کر گر پڑے جب اس کا باعث پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک آیت کا تکرار کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سنا پس جب صوفی کے لیے توحید کا نور چمکتا ہے اور وعدہ وعید کے سننے کے وقت اپنے کانوں کو اس طرف لگاتا ہے اور اس کا دل ماسوی اللہ سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے تو اس وقت تلاوت میں اپنی اور غیر کی زبان کو حضرت موسیٰ کے درخت کی طرح دیکھتا ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے اِنِّیۡ اَنَا اللّٰہُ کا خطاب سنایا تھا جب اس کا سننا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کا سنانا بھی اللہ تعالیٰ ہی طرف ہو جاتا ہے تو اس کے کان آنکھ ہو جاتے ہیں اور آنکھیں کان بن جاتی ہیں اور اس کا علم سراسر عمل اور اس کا عمل بالکل علم ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اول سے اور اول آخر سے بدل جاتا ہے پس جب صوفی اس وصف کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود دائمی اور اس کا سماع ہر دم نیا ہوتا ہے (ختم ہوا کلام شیخ کا) (جب صوفی کے لیے توحید کا نور چمکتا ہے) یہ جملہ حضرت امام کے قول کا بیان ہے (متکلم سے سننے کے یہ معنی ہیں) کہ جب صوفی پر توحید کا حال غالب ہو جاتا ہے اور غیر کا شہود اس کی نظر سے دور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر اور شہید رہتا ہے کہ جب اپنے آپ سے یا غیر سے کلام سنتا ہے تو اس کو گویا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سنتا ہے اور اپنی اور غیر کی زبان کو حضرت موسیٰ کے درخت کی طرح دیکھتا ہے۔ یعنی پہلے حضرت امام جوں جوں آیت کا تکرار کرتے رہے تو اس کو اپنے نفس اور زبان سے سنتے رہے جب تکرار کرتے کرتے توحید کا حال ظاہر ہوا تو اس کو متکلم سے سنا۔ اگرچہ حضرت امام کی زبان سے صادر ہوئی تھی کیونکہ اس وقت انہوں نے اپنی زبان کو حضرت موسیٰ کے درخت کی طرح معلوم کیا تھا گویا وہ کلام جو اس وقت زبان سے ظاہر ہوا تھا اس کلام کی طرح تھا جو اس درخت سے ظاہر ہوا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام

ہے۔ اَقُوْلَ وَ بِاللّٰہِ الْعِصْمَتُ وَالتَّوْفِیْقُ (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی سے عصمت وتوفیق ہے) کہ جو کلام حضرت موسیٰ کے درخت سے سنا گیا تھا وہ بیشک اللہ تعالی کا کلام تھا۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو کافر ہو جاتا ہے اور یہ کلام جو زبانوں سے سنا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالی کا کلام نہیں ہے۔ اگر چہ صوفی غلبہ توحید میں اس کو اللہ تعالی کا کلام خیال کرے۔ اگر کوئی اس کا انکار کردے تو کافر نہیں ہوگا۔ بلکہ محقق صادق ہوگا کیونکہ یہ کلام زبان کی حرکت اور مخارج کے اعتماد سے حاصل ہوا ہے اور درخت کا حال ایسا نہیں تھا۔ ان دونوں کلاموں میں بہت فرق ہے کیونکہ اول تحقیقی ہے اور دوسرا تخیلی۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ شیخ قدس سرہ نے اس جگہ توحید میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ تخیلی کو تحقیقی بنا دیا ہے اور غلبہ حال میں بندہ سے صادر ہونے والے کلام کو اللہ تعالی سے صادر شدہ کلام کی طرح سمجھا ہے۔ حالانکہ اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ شیخ قدس سرہ نے ان اقوال سے جو غلبہ حال کے وقت توحید والوں سے توحید کے بارہ میں صادر ہوتے ہیں۔ انکار کیا ہے اور حلول واتحاد کی آمیزش سے ڈر کر ان کو اللہ تعالی کی طرف سے حکایت پر محمول کیا ہے لیکن اس جگہ حلول کی آمیزش سے نہیں ڈرا بلکہ اتحاد وعینیت کا حکم کیا ہے۔ اس مقام میں حق بات یہ ہے کہ غلبہ حال میں اتحاد وعینیت کا حکم کرنا تخیلی ہے تحقیقی نہیں۔ خواہ اتحاد ذات میں ہو۔ خواہ صفات وافعال میں۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لاَ یَتَغَیَّرُ بِذَاتِہٖ وَلاَ بِصِفَاتِہٖ وَلاَ فِیْ اَفْعَالِہٖ بِحُدُوْثِ الْاَکْوَانِ (پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو موجودات کے پیدا کرنے سے ذات وصفات وافعال میں متغیر نہیں ہوتا) اس کی ذات وصفات وافعال کے ساتھ کسی کی ذات وصفات وافعال متحد نہیں ہو سکتے۔ وہ مالک پاک ہے۔ جیسے کہ ہے اور ممکن ممکن ہے اور ذات وصفات وافعال میں حادث ہے۔ پس قدیم وحادث کے درمیان اتحاد کا حکم کرنا عشق کی تلوینات اور محبت وسکر کے غلبات کے باعث ہے اور حلول کی آمیزش اور اتحاد کے گمان کے باعث کہ جس سے کفر والحاد لازم آتا ہے۔ ان کا کوئی مواخذہ نہیں۔ کیونکہ یہ ان کی مراد نہیں ہے اور وہ امر جو حق تعالی کی پاک جناب کے لائق نہیں۔ ہرگز ہرگز ان کی مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالی کے دوست اور محب ہیں اور اس قسم کی نامناسب باتوں کے تجویز کرنے سے جو اللہ تعالی کی شان کے لائق نہیں۔ محفوظ ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے حال وصدق کے بغیر ان کی مشابہت کی اور ان کے کلام کی طرح کلام کیا اور اس سے ان کی مراد کے

برخلاف سمجھا۔ وہ الحاد و زندقہ میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور ممکن کے درمیان حلول و اتحاد ثابت کیا اور ممکن کے واجب ہو جانے کا حکم کیا۔ یہی لوگ زندیق ہیں۔ جو اس بحث سے خارج ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللهُ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے یہ کدھر بھٹکتے پھرتے ہیں) پوشیدہ نہ رہے کہ شیخ قدس سرہ نے جو کچھ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے بیان میں فرمایا ہے۔ اگرچہ اہل تلوین میں سے ان لوگوں کے حق میں صادق ہے۔ جن پر سکر اور توحید غالب ہے۔ لیکن چونکہ امام کی شان میں میرا حسن ظن ہے۔ اس لئے میں ان کے حق میں اس امر کا صدق تجویز نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ میرے نزدیک ارباب تمکین وصحو میں سے ہیں۔ ان کے نزدیک متخیل اور متحقق ظاہر ہے اور غیر سے سننا اور حق تعالیٰ سے سننا پوشیدہ نہیں۔ امام کے کلام کیلئے اس وجہ کے سوا کوئی اور اچھا محمل تلاش کرنا چاہیے۔ جو ان کے حال کے مناسب ہو اور وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلا کیف سنے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر سنا۔ اگر تو پوچھے کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کے سننے کے کیا معنی ہیں کیونکہ یہ جو سنا جاتا ہے۔ صرف حرف ہیں یا آواز۔ تو میں کہتا ہوں کہ ممنوع ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو حرف وصوت کے بغیر سنتا ہے۔ بندہ بھی جب اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے تو حرف وصوت کے بغیر کلام کو سنتا ہے۔ لیکن ظاہر وہم میں جو باوجود فارق کے حاضر پر غائب کے قیاس کرنے سے پیدا ہوتا ہے، محال نظر آتا ہے۔ بھلا حاضر پر غائب کا قیاس کس طرح کیا جائے جبکہ حاضر زمانہ کی تنگی میں ہے جو مترتب و تقدم و تاخر کو چاہتا ہے اور غائب پر زمانہ اور تقدم و تاخر و ترتب کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ غائب میں ان اشیاء کا ثبوت جائز ہے۔ جن کا ثبوت حاضر میں جائز نہیں۔ فَلْیَفْهَمْ وَاللهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ تحقیق یہ ہے کہ اگر سماع سمع کی حس کے ساتھ ہو تو ضروری ہے کہ مسموع حرف وصوت ہو لیکن جب سماع سامع کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو کے ساتھ ہو تو حس کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس وقت جائز ہے کہ مسموع حرف وصوت کے بغیر حاصل ہو کیونکہ ہم اپنی کلیت اور اپنے اجزا میں سے ہر ایک جزو کے ساتھ ایسے کلام کو سنتے ہیں جو حروف و اصوات کی جنس سے نہیں ہیں۔ اگرچہ خیالی حروف و اصوات کے ساتھ خیال میں متخیل ہوتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ کلام ماخوذ مسموع یعنی ہماری کلیت سے سنا ہوا کلام پہلے حروف و اصوات سے مجرد تھا۔ پھر خیال میں خیالی حرف و

صوت کے ساتھ متلبس ہوا۔ تا کہ فہم وافہام کے قریب ہو۔ اس کے علاوہ ہم زیادہ عجیب بات یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کلام کو جو مترتبہ ومتقدمہ ومتاخرہ حروف وکلمات سے مرکب ہے سنتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا سننا حرف وکلمہ اور ترتب وتقدم وتاخر کے وسیلہ کے بغیر ہے کیونکہ مرکب ومترتب ومتقدم ومتاخر کلام زمانہ کو چاہتا ہے اور حق تعالیٰ پر زمانہ جاری نہیں ہوتا۔ زمانہ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جب حرف وکلمہ کے وسیلہ کے بغیر حروف وکلمات سے مرکب کلام کا سننا جائز ہے تو اس کلام کا سننا جو حروف واصوات کی جنس سے نہیں ہے۔ بطریق اولی جائز ہوگا۔ فَافْهَمْ وَلاَ تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِيْنَ وَلاَ مِنَ الْغُفَلاَءِ الْجَاهِلِيْنَ وَاللهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (سمجھ اور کوتاہ فہم اور جاہل وغافل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے) اس کلام کی تحقیق میں ان سطروں کے لکھنے کے بعد دوبارہ جو کچھ مجھے الہام ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مستعد بندہ کا حق تعالیٰ کے خطاب کو سمجھنا اور حق تعالیٰ سے اس کا اخذ کرنا پہلے حروف وکلمہ کے واسطے اور صوت وندا کے وسیلہ کے بغیر تلقی روحانی سے ہوتا ہے۔ پھر یہ معنی متلقی سلطان خیال میں جہاں تمام اشیاء کی صورتیں منتقش ہیں۔ حرف وصوت کی صورت پر متمثل ہوتے ہیں کیونکہ عالم شہادت میں افادہ واستفادہ الفاظ وحروف ہی کے ذریعے سے ہے۔ اس تلقی پر سماع بلا کیف کا اطلاق کرنا بھی جائز ہے کیونکہ کلام بے کیف ہے اور ضرور ہے کہ اس کا سماع بھی بلا کیف ہو کیونکہ کیف کو مَالاَ كَيْفَ فِيْهِ (جس میں کوئی کیفیت نہیں) کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حروف واصوات سے مرجد کلام کا بلا کیف سننا جائز ہے۔ پھر اس کے بعد کلام خیال میں حرف وکلمہ کی صورت پر متمثل ہوتا ہے تا کہ عالم اجسام میں بھی افادہ واستفادہ حاصل ہو اور جن لوگوں نے اس دقیقہ پر اطلاع نہیں پائی۔ ان حروف وکلمات کے ذریعے سے جو حادث ہیں اور اس پر دلالت کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں کا حال اچھا ہے اور بعض نے یوں کہا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور انہوں نے کچھ فرق نہیں کیا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور یہ لائق نہیں یہ لوگ جاہل اور جھوٹے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے حق مین جائز وناجائز کو نہیں جانتے اور حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے تحقیق کی اور شیخ قدس سرہ نے جو یہ کہا ہے کہ اس کے کان اس کی آنکھیں ہو جاتے ہیں اور اس کی آنکھیں اس کے کان بن جاتی ہیں اور اس کا اول آخر سے اور آخر اول سے بدل جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی

ہیں کہ اس کے کان اس کی آنکھوں کا حکم اور اس کی آنکھیں اس کے کانوں کا حکم پکڑ لیتی ہیں۔ یعنی اپنی کلیت سے سنتا ہے اور اپنی کلیت سے جانتا ہے۔ کیونکہ اگر اپنے بعض سے سنے اور بعض سے دیکھے تو اس صورت میں سمع عین بصر نہ ہوگا۔ اسی پوشیدگی کے لئے آگے بیان کیا ہے کہ اس کا آخر اول اور اس کا اول آخر ہو جاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ذرات کو مخاطب کر کے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمایا تو ذرات نے نہایت صفائی کے باعث بلاواسطہ اس ندا کو سن لیا۔ پھر وہ ذرات مختلف پشتوں میں بدلتے اور مختلف رحموں میں منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ اپنے بدنوں میں ظاہر ہو گئے۔ پس قدرت پر حکمت کا حجاب آ گیا اور مختلف اطوار وحالات میں بدلنے کے باعث ان پر بہت سی ظلمتیں چھا گئیں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے حسن استماع کا ارادہ کرتا ہے تا کہ اس کو صوفی صافی بنائے۔ تو اس کو ہمیشہ تزکیہ اور تجلیہ کے رتبہ میں ترقی دیتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ عالم حکمت سے میدان قدرت کی طرف آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی گم شدہ بصیرت سے حکمت کا حجاب دور ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کو سننا کشف وعیان ہوتا ہے اور اس کی توحید وعرفان سراسر بتیان و برہان ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی اپنی زبان اور غیر کی زبان بھی اس کے حق میں حضرت موسیٰ کے درخت کا حکم پکڑ لیتی ہے۔ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ نے اس درخت سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا تھا پس ثابت ہوا کہ اس کا اول آخر اور اس کا آخر اول ہو جاتا ہے کیونکہ وہ آخر میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس طرح سنتا ہے جس طرح اس نے اول سنا تھا۔ اس پر محمول ہے کسی کا قول جو اس نے کہا ہے کہ میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا خطاب یاد رکھتا ہوں یعنی اس خطاب کو گویا اب زبانوں پر سنتا ہوں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کا پہلا خطاب تحقیقی تھا اور اللہ تعالیٰ سے ذرات کا سننا حقیقت کے طور پر تھا لیکن یہ خطاب جو زبانوں سے ماخوذ ومسموع ہے۔ صرف تخیل وتوہم کے طور پر اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے جیسے کہ گزر چکا پھر کس طرح ایک دوسرے کا عین ہو سکتا ہے بڑے تعجب کی بات ہے کہ شیخ قدس سرہ نے باوجود اس قدر بلند قدر کے ایک کو دوسرے کا عین بنا دیا ہے اور متحقق و متخیل کے درمیان کچھ فرق نہیں کیا۔ حالانکہ متخیل عین سکر اور صرف توحید ہے اس کی مثال بعینہ قول اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللہِ وغیرہ کی طرح ہے اور اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ شیخ نے اس کے بعد کہا

ہے کہ جب صوفی اس وصف سے متحقق ہو جاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود دائمی اور اس کا سماع ہر دم نیا ہوتا ہے حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ صوفی اس مقام میں صرف تجلی معنوی صفاتی سے متحقق ہے جیسے کہ گزر چکا اور یہ مقام تلوین کا مقام ہے۔ پھر کس طرح اس کا وقت سرمدی اور شہود دائمی ہوگا کیونکہ دائمی وقت ذات تعالیٰ تک پہنچنے اور تجلی ذات میں ہوتا ہے ایسے ہی شہود و مشاہدہ بھی ذات تعالیٰ تک پہنچنے والے کیلئے ہوتا ہے۔ جیسے کہ مشائخ نے فرمایا ہے اور جو کچھ مرتبہ صفات میں حاصل ہوتا ہے اس کا نام مکاشفہ ہے اور شہود اور اس کا دوام ان ارباب تمکین کا نصیب ہے جو ذات تک واصل نہ کہ اہل تلوین کا حصہ جو صفات کے ساتھ مقید ہیں کیونکہ یہ لوگ ارباب قلوب و تقلب ہیں۔ سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ط (یا اللہ تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جس قدر کہ تو نے ہمیں سکھایا۔ بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے۔

مکتوب ۱۱۹

مولانا مودود محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

شیخ قدس سرہ نے اپنی کتاب عوارف کے نویں باب میں ان لوگوں کے بیان میں جو صوفیاء کی طرف منسوب ہیں کہا ہے کہ ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو حلول کے قائل ہیں۔ خَذَ لَھُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے) اور خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں حلول کئے ہوئے ہے اور ان جسموں میں کہ جن کو وہ دوست رکھتا ہے۔ حلول کرتا ہے اور قول نصاریٰ کے معنی لاہوت اور ناسوت میں ان کے فہموں کی طرف بڑھتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اسی وہم کے باعث محسنات یعنی خوبصورت چیزوں کی طرف نظر کرنا مباح جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنے بعض غلبوں کے وقت کلمات کہے ہیں۔ ان کلمات میں کچھ نہ کچھ وہی امر مضمر اور پوشیدہ ہے جو انہوں نے گمان کیا ہے جیسے کہ حلاج کا انا الحق کہنا اور حضرت بایزید کا سبحانی وغیرہ فرمانا۔ حاشا وکلا کہ حضرت بایزید کے حق میں یہ اعتقاد کریں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے معنی کے سوا کچھ اور کہا ہے حلاج کے قول میں بھی یہی اعتقاد ہونا چاہئے اگر ہم جانتے کہ اس قسم کے قول میں کچھ نہ کچھ حلول مضمر اور پوشیدہ ہے تو ہم ان کو بھی رد کرتے۔ جیسے کہ ان کو رد کرتے ہیں۔ فقط۔ نہیں معلوم۔ اللہ

تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے کیا معنی ہیں اور ارباب سکر کو معنی حکایت کے طور پر اس قسم کے قول کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے۔ سوائے اس کے کہ کہا جائے کہ شیخ قدس سرہ کی مراد یہ ہے کہ اس قسم کے قول کا کہنے والا اگر بندہ ہے جیسے کہ اکثر کے نزدیک ظاہر ہے تو بیشک یہ قول اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت ہے کیونکہ بندہ رب نہیں بن جاتا لیکن اس قول کا کہنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ کی زبان درخت موسوی کی طرح ہے اس صورت میں حلاج اور بایزید قدس سرہما پر کوئی طعن و اعتراض نہیں مگر شیخ قدس سرہ کی عبادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ اس قول کو حکایت کے معنی پر محمول نہ کرتا تو اس سے حلول کے معنی سمجھے جاتے۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ توحید کے غلبے اور اور واحد مشہود کے ماسوا کے پوشیدہ ہو جانے اور نور شہود کے چمکنے کے وقت حلول واتحاد کی آمیزش کے بغیر اس قسم کی باتوں کا کہنا جائز ہے۔ قول انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ میں کچھ نہیں ہوں اور موجود حق تعالیٰ ہی ہے۔ نہ یہ کہ میں حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوں یا حق تعالیٰ میں حلول کئے ہوئے ہوں کہ یہ کفر ہے اور توحید شہودی کے منافی ہے۔ کیونکہ اس میں واحد واحد کے سوا کچھ مشہود نہیں اور حلول واتحاد کی صورت میں مشہود متعدد ہو جاتے ہیں۔ گو اتحاد وحالیت کے طور پر ہوں اور شیخ قدس سرہ کا یہ قول کہ ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اسی وہم یعنی حلول کے باعث خوبصورت چیزوں کا دیکھنا مباح جانتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ شیخ اجل قدس سرہ اس قسم کی عبارتوں سے حلول واتحاد سمجھتا ہے حالانکہ ان اقوال سے ظہور ثابت ہوتا ہے جو حلول کے ماوراء ہے کیونکہ حلول کے یہ معنی ہیں کہ ایک شے بنفسہ دوسری شے میں موجود ہے جیسے کہ زید کا بنفسہ گھر میں موجود ہونا اور ظہور کے یہ معنی ہیں کہ ایک شے کا عکس دوسری شے میں موجود ہو جیسے کہ زید کا عکس آئینے میں۔ امر اول مرتبہ وجوب میں محال ہے اور اس مرتبہ مقدسہ کیلئے نقص کا موجب ہے اور امر دوم اپنے ثبوت کے باعث ممکن و جائز ہے اور اس کے حصول میں کوئی نقص نہیں کیونکہ امر اول سے تغیر لازم آتا ہے جو قدم کے منافی ہے اور امر دوم میں یہ بات نہیں جیسے کہ ظاہر ہے۔ پس اگر وجوبی کمالات امکانی عدموں کے آئینوں میں ظاہر ہوں تو اس سے ان کمالات کا ان آئینوں میں حلول و تغیر و انتقال جو قدم کے منافی ہے لازم نہیں آتا کیونکہ یہ حق تعالیٰ کے کمال کا ظہور اور اراءت یعنی دکھاوا یا نمود ہے جیسے کہ آئینہ میں ہوتا ہے پس امکانی آئینوں میں حق تعالیٰ کے کمالات کا شہود تجویز کرنا ان میں ان کمالات کے حلول کا تجویز کرنا نہیں ہے۔ بلکہ آئینہ میں کمالات کے ظہور کا تجویز کرنا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں اگرچہ

اس قسم کے شہود کو جائز رکھنے والا صاحب نقص اور راستہ پر غیر مستقیم ہے لیکن مقصود یہ ہے کہ اس سے حلول کی تہمت رفع ہو جائے نہ کہ اس کا کمال ثابت ہو کہ وہ کچھ ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (تمام امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

مکتوب ۱۲۰

عزلت یعنی گوشہ نشینی کے اختیار کرنے کے بیان میں میر مصور کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادرم عزیز کے بزرگ صحیفوں نے یکے بعد دیگرے پہنچ کر خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ بے مناسبتی کے اسباب کے باوجود اس محبت وارتباط میں جو آپ کو فقراء کے ساتھ ہے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں آیا اور فتور کا باعث نہیں ہوا بلکہ اس ارتباط و محبت میں زیادتی پیدا ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو اس گروہ کی محبت میں استقامت عطا فرمائے کیونکہ یہی محبت سعادت کا سرمایہ ہے۔ اے شفقت کے نشان والے اس فرصت میں گوشہ نشینی کا شوق غالب آ کر گوشہ نشینی اختیار کی ہے۔ جمعہ کے سوا مسجد میں نہیں جاتا۔ جماعت پنج وقتی اس گوشہ میں منعقد ہو جاتی ہے۔ لوگوں کی ملاقات کا راستہ بند ہے۔ اوقات بڑی جمعیت سے گزر رہے ہیں۔ گویا تمام عمر کی آرزو اب حاصل ہوئی ہے۔ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے۔ باقی ظاہری احوال بھی عافیت کے ساتھ ہیں اور تمام فرزند و متعلقین جمعیت کے ساتھ بسر کر رہے ہیں۔ جناب خواجہ عبداللہ ماہ مبارک رمضان سے پہلے دہلی تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ خواجہ نے اس آنے میں بہت فائدے حاصل کئے اور حالت تمام بدل لی اور توحید کے غلبات سے دریائے تنزیہہ میں غوطہ لگایا اور عمق یعنی گہرائی کی طرف متوجہ ہیں اور ظاہر سے باطن بلکہ باطنوں کے باطن کی طرف جا رہے ہیں۔ باقی احوال حافظ بہاؤ الدین وہاں آ کر مفصل طور پر بیان کرے گا۔

مکتوب ۱۲۱

ایک مکتوب کی عبارت کے حل میں جو اسرار پر مشتمل ہے۔ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا صحیفہ گرامی جو شفقت و مہربانی سے اس فقیر کے نام لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اس میں لکھا تھا کہ ایک عزیز نے اس مکتوب کی عبارت پر جو اجمیر میں لکھا گیا تھا بہت اعتراض کیے ہیں۔ ان کا حل لکھنا چاہیے اور چونکہ بعض یاروں نے اشتباہ کی جگہوں کو مقرر کر کے لکھا تھا اس لئے اس کے اندازہ کے موافق اس اشتباہ کے حل میں چند مقدمے لکھے جاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے) میرے مخدوم و مکرم سیر مرادی اور سیر مریدی ایک ایسا امر ہے جو اس سیر والے کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے اور کسی ایسے امر کا التزام نہیں جو غیر سے تعلق رکھتا ہو۔ پس اس کے اثبات پر حجت و برہان طلب کرنا گنجائش نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے قوت حدسیہ دی ہے وہ اگر اس سیر والے شخص کے احوال و اوضاع میں اچھی طرح ملاحظہ کرے اور حق تعالیٰ کے فیوض و برکات اور علوم و معارف جن کے ساتھ وہ ممتاز ہے۔ مشاہدہ کرے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی سیر مرادی کا حکم کرے اور کسی دلیل کا محتاج نہ ہو جس طرح اس قرب و بعد و مقابلہ و اجتماع کے ملاحظہ کے بعد جو چاند کو سورج کے ساتھ ہے حکم کرے کہ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوا ہے اگرچہ یہ امر ارباب حدس کے سوا کسی دوسرے پر حجت نہیں۔ نیز ہمارے خواجہ قدس سرہ نے ابتداء حال میں اس فقیر کے سیر کو سیر مرادی فرمایا۔ یاروں نے بھی شاید اس بات کو ان سے سنا ہوگا اور مثنوی کے ان ابیات کو فقیر کے حال کے مطابق جان کر پڑھا کرتے تھے۔ ابیات

عشق معشوقان نہان است و ستیر — عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر
لیک عشق عاشقان تن زہ کند — عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

ترجمہ: ابیات

عشق معشوقاں ہے پردہ میں چھپا — عشق عاشق دھوم دیتا ہے مچا
عاشقوں کا عشق تن لاغر کرے — عشق معشوقاں بدن خوشتر کرے

اور مرادوں میں سے جو کوئی واصل ہوا ہے۔ اجتباء (برگزید ہونا) کے راستہ ہی سے گیا ہے۔ اجتباء کا راستہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صاحب عوارف قدس سرہ

نے مجذوب سالک اور سالک مجذوب کے بیان میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے اور مریدوں کے راستہ کو انابت کا راستہ اور مرادوں کے راستہ کو اجتباء کا راستہ کہا ہے اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ (اللہ تعالیٰ برگزیدہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو شخص اس کی طرف رجوع کرے اس کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے) ہاں اجتباء کا راستہ بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور امتوں کو دوسرے کمالات کی طرح اس سے بھی ان کی تبعیت کے باعث حصہ حاصل ہے۔ یہ نہیں کہ اجتباء کا راستہ مطلق طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور امتوں کو اس سے ہرگز حصہ حاصل نہیں کیونکہ یہ غیر واقع ہے۔ میرے مخدوم سالک کو فیض کا پہنچنا حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسط اور حیلولت سے اسی وقت تک ہے۔ جب تک اس سالک محمدی المشرب کی حقیقت حقیقت محمدی سے منطبق نہیں ہوئی اور اس کے ساتھ متحد نہیں ہوئی۔ جب کمال متابعت بلکہ محض فضل سے مقامات عروج میں اس حقیقت کو اس حقیقت کے ساتھ اتحاد حاصل ہوا تو توسط دور ہو گیا کیونکہ توسط و حیلولت مغائرت میں ہے اور اتحاد میں توسط و متوسط و حاجب و محجوب کوئی نہیں۔ جہاں اتحاد ہے وہاں معاملہ شرکت کے ساتھ ہے۔ لیکن چونکہ سالک تابع اور الحاقی اور طفیلی ہے۔ اس لئے یہ شرکت ایسی ہے جیسے خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ سالک کی حقیقت کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے ساتھ انطباق واتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقت محمدی تمام حقائق کی جامع ہے۔ اس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزاء کی طرح ہیں یا جزئیات کی طرح۔ کیونکہ اگر محمدی المشرب ہے۔ تو سالک کی حقیقت اس کلی کے لئے جزئی کی طرح ہے اور اس پر محمول ہے اور محمدی المشرب کے سوا کسی غیر کی حقیقت اس کل کے لئے جزو کی طرح ہے اور اس پر غیر محمول ہے۔ غیر محمدی المشرب کی اس حقیقت کو اگر عروج میں اتحاد پیدا ہو تو اس پیغمبر کی حقیقت کے ساتھ ہو گا۔ جس کے قدم پر وہ ہے اور اسی حقیقت پر محمول ہو گی اور اس کے کمالات میں شرکت پیدا کریگی۔ لیکن یہ شرکت خادم مخدوم کی شرکت کی قسم سے ہو گی جیسے کہ گزر چکا اور جب اس جزئی کو کمال متابعت کے علاقہ سے بلکہ محض فضل سے اپنی کلی کے ساتھ محبت خاص پیدا ہو جاتی ہے اور وہاں تک پہنچنے کا شوق اس کو دامنگیر ہو جاتا ہے تو وہ قید جو کلی کو جزئی میں

لائی تھی۔ خداوند تعالیٰ کے فضل سے دور ہونے لگتی ہے اور آہستہ آہستہ زوال کے بعد اس جزئی کو اس کلی کے ساتھ انطباق والحاق حاصل ہو جاتا ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ محبت خاص پیدا ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ محض فضل سے اس فقیر کو پیدا ہوئی تھی اور اس محبت کے غلبہ میں کہا کرتا تھا کہ میری محبت حق تعالیٰ کے ساتھ اس لئے ہے کہ حق تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا رب ہے اور میاں شیخ تاج اور دوسرے یار اس بات پر تعجب کرتے تھے میرے خیال میں شاید آپ کو بھی یہ بات یاد ہوگی۔ غرض جب تک اس قسم کی محبت پیدا نہ ہو۔ الحاق واتحاد متصور نہیں ہوتا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اب توسط وعدم توسط کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ غور سے سنیں۔ طریق جذبہ میں چونکہ مطلوب کی طرف سے کشش ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت طالب کے حال کی متکفل ہے۔ اس لئے واسطہ اور وسیلہ کو قبول نہیں کرتا اور طریق سلوک میں چونکہ طالب کی انابت ورجوع ہے اس لئے اس میں وسیلہ اور واسطہ کا ہونا ضروری ہے۔ نفس جذبہ میں اگرچہ وسیلے درکار نہیں لیکن جذبہ کا تمام ہونا سلوک پر وابستہ ہے کیونکہ جب تک سلوک جو شریعت کے بجالانے یعنی توبہ وزہد وغیرہ سے مراد ہے۔ جذبہ کے ساتھ نہ ملے تب تک جذبہ ناتمام وابتر رہتا ہے۔ ہم نے بہت سے ہنود اور ملحدوں کو دیکھا ہے کہ جذبہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں۔ اس لئے خراب وابتر ہیں اور جذب کی صورت کے سوا کچھ نصیب نہیں۔

سوال: جذب کا حاصل ہونا ایک قسم کی محبوبیت چاہتا ہے پس کفار کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جذبہ کا نصیب کس طرح تصور کیا جاتا ہے۔

جواب: ہوسکتا ہے کہ بعض کفار ایک قسم کی محبوبیت رکھتے ہوں جو ان کے جذب کے حاصل ہونے کا باعث ہوئی ہو۔ لیکن چونکہ ان کو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں کیا۔ خوار اور زیاں کار رہے ہیں اور اس جزو میں حجت کے سوا اور کچھ ان پر درست نہیں کیا کیونکہ ان کی استعداد کو جتلا دیا ہے جس کو وہ جہل وعداوت کے باعث قوت سے فعل یعنی پوشیدگی سے ظہور میں نہیں لائے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) طریق جذبہ

میں اگر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے وسیلہ سے جو کہ سلوک سے مراد ہے مطلوب تک پہنچنا میسر ہو جائے تو کسی امر کے واسطہ اور حیلولہ کے بغیر ہوگا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے۔ وَلَوْدُ لِیْتُمْ بِدَلْوٍ لَوَ قَعْتُمْ عَلَی اللّٰہِ یعنی اگر تم حق تعالیٰ کی طرف کھینچے جاؤ اور باطنوں کے باطن کی طرف پہنچائے جاؤ تو تمہارے اور حق تعالیٰ کے درمیان کسی امر کا حیلولہ اور حجاب نہ ہوگا شاید آپ کو بھی یاد ہوگا کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معیت کے راستے سے جو حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ ہے وصول میسر ہو جائے تو کسی امر کے وسیلہ کے بغیر ہوگا کہ معیت کے مناسب ہے کیونکہ واسطہ تربیت کے سلسلہ میں ضروری ہے جو سلوک سے مراد ہے اور راہ معیت جذبہ کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے اور حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کو محبت ہے) بھی اسی مضمون کی تائید کرتی ہے کیونکہ انسان کو جب اپنے محبوب کے ساتھ معیت ثابت ہو جاتی ہے تو واسطہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے ذرا غور سے سنیں کہ ہر ایک ظل کو اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی چیز ان کے درمیان حائل نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ظل کو اپنے اصل کی خواہش پیدا ہو جائے اور اس کی طرف کشش ظاہر ہو جائے تو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی بدولت اس ظل کو اس اصل کے ساتھ وصل اور الحاق حاصل ہو جائے گا اور وہ کسی امر کے واسطے اور حیلولہ کے بغیر ہوگا چونکہ وہ اصل اسماء الٰہی جل شانہ میں سے ایک اسم ہے اس لیے اسم اور اس کے مسمی میں کوئی حائل نہ ہوگا پس ظل کا اس راستے سے اصل الاصل تک جو اس اسم کا مسمی ہے پہنچنا کسی امر کے وسیلہ کے بغیر ہوگا۔ نیز جو شخص بیچونی وصول کے ساتھ حضرت ذات تعالیٰ کا واصل ہے اس کے حق میں کسی امر کا واسطہ اور حیلولہ مفقود ہے جب حضرت ذات تعالیٰ کے وصول کی صورت میں حق تعالیٰ کی صفات کا حجاب اور حیلولہ ہونا دور ہو جاتا ہے تو پھر صفات کے سوا کسی اور امر کا حجاب اور حیلولہ ہونا کب گنجائش رکھتا ہے۔

سوال: جب حضرت ذات تعالیٰ سے صفات واجبی جل شانہ کا جدا ہونا جائز نہیں تو پھر اصل اور موصول الیہ کے درمیان سے صفات کے حیلولہ کا دور ہو جانا کس طرح ہے؟

جواب: جب سالک کو اپنے اصل کے ساتھ (جو اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے اور وہ سالک اس کا ظل ہے) وصل و تحقق حاصل ہو جائے تو سالک اور حضرت ذات تعالیٰ کے درمیان کوئی

واسطہ اور حیولہ نہ ہوگا جس طرح کہ اسم اور اس کے مسمیٰ میں کسی امر کا حیلولہ ثابت نہیں۔ پس نہ ارتفاع لازم آیا اور نہ انفکاک۔ اسی قسم کی تحقیق حقیقت سالک اور حقیقت محمدی کے اتحاد میں اوپر گزر چکی ہے۔ اس تحقیق کا تھوڑا سا حال ظل کے اپنے اصل تک پہنچنے کے بیان میں گزر چکا ہے۔

تنبیہ: اس عدم توسط یعنی واسطہ کے نہ ہونے سے جو طریق جذبہ وغیرہ میں کہا گیا ہے کوئی بیوقوف یہ گمان نہ کرے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی کچھ حاجت نہیں اور ان کی تبعیت و متابعت کی کچھ پرواہ نہیں کیونکہ یہ کفر و الحاد و زندقہ اور شریعت حقہ کا انکار ہے حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ جذبہ سلوک کے واسطہ کے بغیر جو شریعت کے بجالانے سے مراد ہے ابتر و ناتمام اور سراسر نقمت اور عذاب ہے جو نعمت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور جذبہ ناتمام کے صاحب پر حجت کو پورا کیا ہے۔ غرض کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس گروہ کے معارف میں سے کوئی معرفت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے واسطہ اور وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کے فیوض و برکات آنحضرت کی طفیل و تبعیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ بیت۔

محال است سعدی کے راہ صفا   تواں رفت جز درپے مصطفیٰ

ترجمہ: بیت

قدم پکڑیں نہ جب تک مصطفیٰ کا   پتہ ملتا نہیں راہ صفا کا

افلاطون بے وقوف نے اس صفائی کے باعث جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے اس کے نفس کو حاصل ہوئی اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے مستغنی جانا اور کہا کہ نَحْنُ قَوْمٌ مَهْدِيُّوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰى مَنْ يَهْدِيْنَا (ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں ہم کو کسی ہادی کی حاجت نہیں) اس بیوقوف نے یہ نہ جانا کہ یہ صفائی جو انبیاء کی متابعت کے بغیر ریاضتوں اور مجاہدوں سے حاصل ہوئی ہے ایسی ہے جیسی سیاہ تانبے پر سونا چڑھا دیں۔ زہر کو شکر سے غلافی کریں وہ انبیاء کی متابعت ہی ہے جو تانبے کی حقیقت کو بدل کر خالص سونا بنا دیتی ہے اور نفس کو امارہ پن سے نکال کر اطمینان میں لے آتی ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور شرائع کو امارہ کے عاجز اور خراب کرنے کے لیے مقرر کیا ہے اور اس

کی خرابی بلکہ اس کی اصلاح کو ان بزرگواروں کی متابعت کے سوا اور کسی چیز میں نہیں رکھا۔ ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر اگر ہزاروں ریاضتیں اور مجاہدے کیے جائیں اس کا امارہ پن بال بھر بھی کم نہیں ہوتا بلکہ اس کی سرکشی اور ہی بڑھ جاتی ہے۔ ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

ترجمہ: ع جو کچھ مریض کھائے اس کا مرض بڑھ جائے

اس کے ذاتی مرض کا دور ہونا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شرائع پر موقوف ہے۔ وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بیفائدہ تکلیف ہے) جاننا چاہئے کہ جذبہ کے لیے اگرچہ سلوک کا ہونا ضروری ہے خواہ جذبہ سلوک پر مقدم ہو یا موخر لیکن جذبہ کے مقدم ہونے میں فضیلت ہے کیونکہ اس صورت میں سلوک اس کا خادم ہے اور جذبہ کے موخر ہونے میں سلوک اس کا مخدوم ہے۔ کیونکہ وہ اس کی بدولت اس کو جذب میسر ہوا ہے لیکن جذبہ کے مقدم ہونے میں ایسا نہیں کیونکہ وہ بالذات مطلوب و مدعو ہے۔ اسی واسطے یہ مراد ہوا اور وہ مرید۔ مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ اس دعوت سے مقصود ذاتی اور مدعو اولی (سب سے اول بلایا ہوا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ مراد ہوں یا مرید۔ حضور ہی کی طفیل بلایا ہے۔ لَوْ لَاهُ لَمَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ وَلَمَا اَظْهَرَ الرُّبُوْبِيَّةَ (اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت ظاہر کرتا) چونکہ دوسرے سب ان کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت کے اصلی مقصود ہیں۔ اس لیے سب ان کے محتاج ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر سب کو ان کی آل کہیں تو بجا اور درست ہے کیونکہ سب ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے وسیلہ کے بغیر کمال وصول نہیں کر سکتے جب ان سب کا وجود ان کے وجود کے وسیلہ کے بغر متصور نہیں ہوسکتا تو دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں ان کے وسیلہ کے بغیر کس طرح متصور ہو سکتے ہیں ہاں محبوب رب العالمین ایسا ہی ہونا چاہئے ذرا کان لگا کر سنیں مکشوف ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت حق تعالیٰ کی اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جو شیون و اعتبارات کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات بحت سے تعلق رکھتی ہے اور جس محبت کے سبب حق تعالیٰ کی ذات محبوب ہے برخلاف دوسروں کی محبوبیت کے جو اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جس کا تعلق شیون و اعتبارات کے ساتھ ہے اور اسماء و صفات با اسماء و صفات کے ظلال کے ساتھ درجہ بدرجہ متلبس ہے۔

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

ترجمہ: بیت

رسول پاک کی شان وفضیلت بے نہایت ہے
کرے ظاہر زبان کیونکر کہاں اس میں یہ طاقت ہے

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا توسط یعنی واسطہ و وسیلہ ہونا دو وجہ پر ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سالک اور اس کے مطلوب کے درمیان حائل و حاجب ہوں۔ دوسرے یہ کہ سالک آنحضرت کے طفیل اور انحضرت کی تبعیت و متابعت کے واسطہ سے مطلوب تک واصل ہو۔ طریق سلوک میں حقیقت محمدی تک پہنچنے سے پہلے دونوں طرح کا واسطہ ثابت ہے بلکہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس طریق میں جو شیخ درمیان آیا ہے شہود سالک کا متوسط و حاجب ہے۔ اگر آخر میں جذبہ کے ساتھ اس کا تدارک نہ کریں اور اس کا معاملہ پردہ سے بے پردگی تک نہ پہنچے تو اس کا حال قابل افسوس ہے کیونکہ طریق جذبہ میں حقیقت الحقائق یعنی حقیقت محمدی تک پہنچنے کے بعد دوسری وجہ کا واسطہ ثابت ہے جو طفیلیت اور تبعیت ہے نہ کہ حیلولت وحجاب جو شہود و مشاہدہ وغیرہ کا پردہ ہو۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اس واسطے کے نہ ہونے سے اگرچہ ایک ہی وجہ سے ہو۔ حضرت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب پاک میں قصور لازم آتا ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ واسطہ کا نہ ہونا آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال کو مستلزم ہے نہ قصور کو کیونکہ قصور وسیلہ و واسطہ کے ہونے میں ہے۔ اس لیے کہ متبوع کا کمال یہ ہے کہ طبع اس کی طفیل و تبعیت سے کمال کے تمام درجات تک پہنچ جائے اور کوئی دقیقہ نہ چھوڑے یہ امر واسطہ کے نہ ہونے میں ثابت ہے نہ کہ واسطہ کے ہونے میں کیونکہ وہاں شہود بے پردہ ہے جو درجات کمال کی نہایت ہے اور یہاں در پردہ پس کمال وسیلہ و واسطہ کے نہ ہونے میں ہے اور قصور واسطہ کے ہونے میں یہ مخدوم کی عظمت و شوکت کا باعث ہے کہ اس کا خادم کسی مقام میں اس سے پیچھے نہیں رہتا اور اس کی تبعیت سے سب کی دولت میں شریک ہوتا ہے اسی واسطے آنحضرت نے فرمایا ہے کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں) رویت اخروی کسی امر کے واسطہ اور حیلولہ کے بغیر ہوگی۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ نماز میں داخل ہوتا ہے تو وہ حجاب جو بندہ اور خدا

کے درمیان ہے دور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے اور اس سے بہت سا حصہ ختمی واصل کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ حجاب کا دور ہونا اس فقیر کی خاص لدنی معرفتوں میں سے ہے جو محض فضل و کرم سے اس فقیر کو عطا فرمائی ہے اور اس کی حقیقت سے متحقق کیا ہے۔ بیت

من آں خاکم کہ ابر نو بہاری　　کند از لطف بر من قطرہ باری

ترجمہ بیت

وہ مٹی ہوں کہ ابر نو بہاری　　کرے جس پر کرم سے قطرہ باری

کسی نے اچھا کہا ہے۔ بیت

اگر پادشہ بر در پیر زن　　بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ترجمہ بیت

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطان　　تو اے خواجہ نہ ہو گز پریشان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط و عدم توسط میں مشائخ طریقت قدس سرہم کا بہت اختلاف ہے۔ بعض توسط کی طرف گئے ہیں اور بعض عدم توسط کی طرف لیکن کسی نے توسط و عدم توسط کی تحقیق نہیں کی اور کمال قصور کی نسبت کچھ بیان نہیں کیا۔ نزدیک ہے کہ ارباب ظواہر یعنی علماء ظاہر عدم توسط کو کہ کمال ایمان ہے۔ کفر جانیں اور بے سوچے سمجھے اس کے قائل کو گمراہی کی طرف منسوب کریں اور توسط کو کمال ایمان تصور کریں اور اس کے قائل کو کامل تابعداروں سے جانیں حالانکہ عدم توسط متابعت کے کمال کی خبر دیتا ہے اور توسط متابعت کے قصور کو ظاہر کرتا ہے جیسے کہ گزر چکا ان کا یہ کہنا حقیقت حال سے ناواقف ہونے کے سبب سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ط كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (بلکہ جھٹلایا انہوں نے اس سبب سے کہ اس کے علم کا احاطہ نہ کیا حالانکہ ابھی اس کی تاویل ان کے پاس نہیں آئی اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا) میرے مخدوم! اویسی کہنے میں پیر ظاہر کا انکار نہیں کیونکہ اویسی وہ شخص ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کا دخل ہو حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کو پیر ظاہر کرنے کے باوجود چونکہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی روحانیت سے امداد پہنچی تھی اس لیے اویسی کہتے تھے اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے باوجود پیر ظاہر کے چونکہ حضرت خواجہ عبدالخالق قدس سرہ کی

روحانیت سے مدد پائی تھی اس لئے وہ بھی اویسی تھے خصوصاً وہ شخص جو اویسی ہونے کے باوجود پیر ظاہر کا اقرار رکھتا ہے اس زبردستی پیر کا انکار اس کے ذمے لگانا عجب انصاف ہے۔ میرے مخدوم۔ لفظ عبدالباقی کی ترکیب سے مراد اضافی معنی ہیں۔ نہ علمی معنی بھی اگرچہ علمی معنی بھی اس سے بخوبی ظاہر ہوتے ہیں یعنی میرا پیر اگرچہ بندہ باقی کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے لیکن میری تربیت کا متکفل اور ذمہ دار اللہ باقی ہے۔ اس میں کونسی تحریف اور بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف دے میرے مخدوم وہ قصور جو معنی سبحانی میں کہ غلبات سکر میں حضرت بسطامی قدس سرہٗ سے صادر ہوا ہے کہ کہا ہے اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ قصور اس کے کہنے والے میں دائمی ہوتا کہ دوسرا اس سے افضل ہو کیونکہ بہت سے ایسے معارف ہیں جو ایک وقت میں اس قوت کے حال کے موافق صادر ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جب ان کا قصور معلوم ہوا ہے تو ان سے گزر کر اوپر کے مقام میں پہنچے ہیں۔ آپ کے مکتوب شریف میں لکھا تھا کہ اگر ارباب سکر اس قسم کی شطح آمیز باتیں لکھیں تو بجا ہے لیکن ارباب صحو سے اس قسم یک باتوں کا ظاہر ہونا تعجب کا باعث ہے میرے مخدوم جس کسی نے ان باتوں کو لکھا ہے سکر ہی کے باعث لکھا ہے۔ سکر کی آمیزش کے بغیر اس بارہ میں کوئی قلم نہیں پکڑتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سکر میں بہت سے مرتبے ہیں جس قدر سکر زیادہ ہوگا اسی قدر شطح غالب ہوگا ۔بسطامیؒ جیسا شخص ہونا چاہئے کہ قول لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ (میرا جھنڈا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے سے برتر ہے) اس سے بے تحاشا سرزد ہو۔ پس جو کوئی صحو رکھتا ہے گمان نہ کریں کہ سکر اس کے ہمراہ نہیں کیونکہ یہ عین قصور ہے۔ صحو خالص عام کا نصیب ہے جس نے صحو کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبہ صحو ہے نہ صرف صحو اسی طرح جس نے سکر کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبہ سکر ہے نہ سکر خالص کہ وہ سراسر آفت ہے حضرت جنید قدس سرہٗ جو ارباب صحو کے رئیس ہیں اور صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی اس قدر سکر آمیز عبارتیں ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔ فرماتے ہیں۔ هُوَ الْعَارِفُ وَالْمَعْرُوْفُ (وہی عارف ہے اور وہی معروف) اور فرماتے ہیں لَوْنُ الْمَاءِ لَوْنُ اِنَائِهٖ (پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے) اور فرماتے ہیں۔ اَلْمُحْدَثُ اِذَا قُوْرِنَ بِالْقَدِیْمِ لَمْ یَبْقَ لَهٗ اَثَرٌ" (حادث جب قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا) صاحب عوارف جو کاملین ارباب صحو میں سے ہے اس

کی کتاب میں اس قدر معارف سکر یہ میں جن کا بیان نہیں ہوسکتا۔ اس فقیر نے اس کے معارف سکر یہ کو ایک ورق میں جمع کیا ہے۔ سکر کے بقیہ کا سبب ہے کہ اسرار کا ظاہر کرنا جائز سمجھتے ہیں اور سکر ہی کا باعث ہے جو فخر ومباہات کرتے ہیں۔ سکر ہی سے ہے کہ دوسروں پر اپنی زیادتی ظاہر کی جاتی ہے جہاں صحو خالص ہے وہاں اسرار کا ظاہر کرنا کفر ہے اور اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر جاننا شرک ہے۔ صحو میں سکر کا بقیہ نمک کی طرح ہے جو طعام کا اصلاح کرنے والا ہے اگر نمک نہ ہو۔ طعام معطل وبیکار ہوتا ہے۔ بیت

اگر عشق نبودے وغم عشق نبودے　　　چندیں سخن نغز نہ گفتے ونشنو دے

ترجمہ بیت

گر نہ ہوتا عشق اور ہوتا نہ اس کا درد وغم　　　ایسی ایسی عمدہ باتیں پھر نہ کہتے سنتے ہم

صاحب عوارف قدس سرہ نے قول قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیٍّ کو (میرا قدم ہر ایک ولی کی گردن پر ہے) جو شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے صادر ہوا ہے۔ سکر کے بقیہ پر محمول کیا ہے اس کی مراد اس قول کا قصور نہیں۔ جیسے کہ بعض نے وہم کیا ہے بلکہ عین محمدت و تعریف ہے اور واقع کا بیان کیا ہے یعنی اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا جو فخر ومباہات کی خبر دیتی ہیں سکر کے بقیہ کے بغیر ثابت نہیں کیونکہ صحو خالص میں اس قسم کی باتوں کا سرزد ہونا دشوار ہے۔ اس فقیر نے جو یہ دفتروں کے دفتر اس گروہ کے علوم واسرار میں لکھے ہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سکر کی آمیزش کے بغیر صحو خالص سے لکھے ہیں ہرگز نہیں کیونکہ وہ حرام ومنکر اور گزاف وسخن بافی ہے ۔سخن باف یعنی بیہودہ باتیں بنانے والے جو خالص صحو سے متصف ہیں بہت ہیں وہ اس قسم کی باتیں کیوں نہیں بناتے اور لوگوں کے دلوں کو اس طرف کیوں نہیں مائل کرتے۔ بیت

فریاد حافظ این ہم آخر بہرزہ نیست　　　ہم قصہ غریب وحدیث عجیب ہست

ترجمہ بیت

نہیں حافظ کی یہ بیہودہ فریاد　　　عجب ہے ماجرا اس کا سراسر

میرے مخدوم اس قسم کی باتیں جو اسرار کے اظہار پر مبنی ہیں اور ظاہر کی طرف سے مصروف اور پھری ہوئی ہیں ہر وقت مشائخ طریقت قدس سرہم سے سرزد ہوتی رہی ہیں اور ان بزرگواروں کی عادت مستمرہ ہوگئی ہے۔ کوئی نیا امر نہیں جس کو اس فقیر نے شروع کیا ہے یا اس کا اختراع کیا ہے۔

لَيْسَ هٰذَا اَوَّلُ قَارُوْرَةٍ كُسِرَتْ فِي الْاِسْلَامِ (یہ پہلی شیشی نہیں جو اسلام میں توڑی گئی ہو) پھر یہ سب شور وغوغا کیا ہے۔ اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہوا ہے جس کا ظاہر علوم شریعہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو تھوڑی سی توجہ کے ساتھ اس کو ظاہر سے پھیر کر مطابق کرنا چاہئے اور ایک مسلمان کو متہم نہ کرنا چاہئے جب شریعت میں فاحشہ کا رسوا کرنا اور فاسق کا خوار کرنا حرام و منکر ہے تو پھر صرف اشتباہ ہی سے ایک مسلمان کا خوار کرنا کیا مناسب ہے اور شہر بشہر اس کی منادی کرنا کون سی دینداری ہے۔ مسلمانی اور مہربانی کا طریق یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جو بظاہر علوم شرعیہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہئے کہ اس کا کہنے والا کون ہے اگر ملحد وزندیق ہو تو اس کو رد کرنا چاہئے اور اس کی اصلاح میں کوشش نہ کرنی چاہئے اور اگر اس کلمہ کا کہنے والا مسلمان ہو اور خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور اس کے واسطے محمل صحیح پیدا کرنا چاہئے یا اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہئے اور اگر اس کے حل کرنے میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہئے اور نرمی کے ساتھ امر معروف اور نہی منکر کرنا چاہئے کیونکہ اجازت وقبولیت کے نزدیک ہے اور اگر مقصود اجابت نہ ہو اور خوار کرنا ہی مطلوب ہو تو یہ الگ بات ہے اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کے مکتوب شریف سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس عزیز نے اس فقیر کے مکتوب کو سننے کے بعد آپ کے ملازموں میں بھی اشتباہ وانحراف طاری ہو گیا تھا۔ مانا کہ انعکاسی ہوگا آپ کو چاہئے تھا کہ اشتباہ کے مقامات کو خود حل کر دیتے اور اس فقیر پر نہ ڈالتے اور فتنہ کو فرو کر دیتے۔ فقیر دوسرے یاروں کا گلہ کرے جن میں سے بعض یار اس اشتباہ کے دفع کرنے کی طاقت بھی رکھتے تھے۔ کچھ نہ کر سکے اور خاموش رہے۔ بیت

ما زیاراں چشم یاری داشتیم ... خود غلط بود انچہ ماپنداشتیم

ترجمہ بیت

ہم کو تھا یاروں سے یاری کا خیال ... پر سراسر وہ غلط نکلا خیال

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) والسلام اولا و اخرا۔

☆☆☆

مکتوب ۱۲۲

مولانا حسن دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) حقیقت محمدی جو ظہور اول اور حقیقۃ الحقائق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری حقائق کیا انبیاء کرام کی حقائق اور کیا ملائکہ عظام کی حقائق سب اس کے اظلال کی مانند ہیں اور وہ تمام حقائق کا اصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ (سب سے اول خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا) اور فرمایا ہے خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِىْ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے) پس وہ حقیقت باقی تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا۔ فَهُوَ نَبِىُّ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَاِرْسَالُهٗ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (وہ تمام انبیاء اور مرسلین کے نبی ہیں اور ان کا بھیجنا جہان کے لیے رحمت ہے) یہی وجہ ہے کہ انبیاء، اولوالعزم باوجود اصالت کے ان کی تبعیت طلب کرتے رہے اور ان کی امت میں داخل ہونے کی آرزو کرتے رہے جیسے کہ حدیث میں وارد ہے۔

سوال: وہ کون سا کمال ہے جو حضور کی امت ہونے پر وابستہ ہے اور انبیاء کو دولت نبوت کے باوجود میسر نہیں ہوا۔

جواب: وہ کمال اس حقیقۃ الحقائق کے ساتھ واصل اور متحد ہونا ہے جو وراثت و تبعیت پر وابستہ ہے بلکہ حق تعالیٰ کے کمال فضل پر موقوف ہے جو حضور کی امتوں میں سے اخص خواص کے نصیب ہے جب تک امت نہ ہوں اس دولت تک نہیں پہنچتے اور توسط کا حجاب رفع نہیں ہوتا جو اتحاد کے وسیلہ سے میسر ہے۔ شاید اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (تم تمام امت میں سے بہتر ہو) پس آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح انبیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ہر ایک فرد سے افضل ہیں اسی طرح کل ہونے کی حیثیت سے کل سے افضل ہیں اس لیے کہ اصل کو اپنے ظل پر فضیلت ہے اگرچہ اس ظل کے آگے اور ہزارہا ظل ہوں کیونکہ اس بارگاہ جل شانہ سے ظل تک فیوض کا پہنچنا اس اصل ہی کے واسطہ اور طفیل سے ہے۔ فقیر نے

اپنے رسالوں میں تحقیق کی ہے کہ اوپر کے نقطہ کو نیچے کے تمام نقطوں پر جو اس کے ظلال کی طرح ہیں فضیلت ہے اور عارف کا اس اوپر کے نقطہ کو (جو اصل کی طرح ہے) قطع کرنا نیچے کے تمام نقطوں کو (جو اس کے ظلال کی مانند ہیں) قطع کرنے سے زیادہ درجہ رکھتا ہے)

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ اس امت کے خواص کو انبیاء پر فضیلت ہے۔

جواب: کوئی فضیلت لازم نہیں آتی۔ البتہ اس قدر ثابت ہے کہ اس امت کے خواص اس دولت میں انبیا کے شریک ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے کمالات ہیں جن کے ساتھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو زیادتی اور خصوصیت حاصل ہے۔ اس امت میں سے اخص خواص خواہ کتنی ہی زیادہ ترقی کرے۔ اس کا سر اس پیغمبر کے پاؤں تک بھی نہیں پہنچتا جو تمام پیغمبروں سے کم درجہ ہے پھر برابری اور زیادتی کی کیا گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اَنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ط (ہمارے مرسل بندوں کے لیے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یہی لوگ فتح مند ہیں) اگر امتوں میں سے کوئی فرد اپنے پیغمبر کے طفیل و تبعیت کے باعث بعض پیغمبروں سے اوپر چلا جائے تو خادمیت اور تبعیت کے طور پر ہوگا کیونکہ معلوم ہے کہ خادم کو مخدوم کے ہمسروں کے ساتھ خادمیت و تبعیت کے سوا اور کوئی نسبت نہیں۔ خادم و طفیلی ہر وقت طفیلی ہے جو کچھ آخر کار مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے۔ یہ ہے کہ حقیقت محمدی جو حقیقۃ الحقائق ہے۔ اس حب کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبدء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے۔ جیسے کہ اس حدیث قدسی میں آیا ہے جو مشہور ہے۔ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا) اول اول وہ چیز جو اس پوشیدہ خزانہ سے میدان ظہور میں آئی یہی حب ہے جو مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی ہے۔ اگر یہ حب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستمر رہتا۔ حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کے ستر کو جو حضرت خاتم الرسل کے شان میں ہے اسی جگہ ڈھونڈنا چاہیئے اور لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت کو اس مقام میں طلب کرنا چاہیئے۔

سوال: فتوحات مکیہ والے نے تعین اول جو حقیقت محمدی ہے حضرت اجمال علم کو کہا ہے اور تم

نے اپنے رسالوں میں تعین اول تعین وجودی کو کہا ہے اور اس کے مرکز کو جو اس کے تمام اجزا میں سے اشرف و اسبق ہے۔ حقیقت محمد قرار دیا ہے اور حضرت اجمال علم کو اس تعین وجودی کا ظل سمجھا ہے اور یہاں لکھتے ہو کہ تعین اول حبی ہے اور وہ حقیقت محمدی ہے۔ ان اقوال کے درمیان موافقت کی وجہ کیا ہے؟

جواب: بسا اوقات شے کا ظل اپنے آپ کو شے کے اصل پر ظاہر کرتا ہے اور سالک کو اپنے ساتھ گرفتار کر لیتا ہے۔ پس وہ دونوں تعین تعین اول کے ظلال ہیں جو عروج کے وقت عارف پر تعین اول یعنی تعین حبی کے اصل کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

سوال: تعین وجودی کو تعین حبی کا ظل کہنا کس طرح درست ہے۔ حالانکہ وجود کو حب پر سبقت ہے کیونکہ حب وجود کی فرع ہے۔

جواب: اس فقیر نے اپنے رسالوں میں تحقیق کی ہے کہ آنحضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی صفات ثمانیہ واجب الوجود کی ذات کے ساتھ موجود ہیں۔ نہ کہ وجود غیر کے ساتھ کیونکہ وجود بلکہ وجوب کو بھی اس مرتبہ میں گنجائش نہیں۔ کیونکہ وجوب وجود دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔ عالم کے ایجاد کے لیے پہلے جو اعتبار پیدا ہوا وہ حب ہے۔ بعد ازاں اعتبار وجود جو ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ حضرت ذات جل شانہٗ اس حب اور اس وجود کے اعتبارات کے بغیر عالم اور عالم کی ایجاد سے مستغنی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے) اور تعین علمی اجمالی کو ان دونوں تعینوں کا ظل کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دونوں تعین صفات کے ملاحظہ کے بغیر ذات تعالیٰ کے اعتبار سے ہیں اور اس تعین میں صفت ملحوظ ہے جو ذات عز شانہ کے لیے ظل کی طرح ہے۔

جاننا چاہیئے کہ تعین اول میں کہ تعین حبی ہے جب بڑی باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حب ہے جو حقیقت محمدی ﷺ ہے اور اس کا محیط (جو صورت مثال میں دائرہ کی طرح ہے اس مرکز کے ظل کی مانند ہے) خلت ہے، جس کو حقیقت ابراہیمی کہتے ہیں۔ پس جب اصل ہے اور خلت اس کے ظل کی طرح اور یہ مجموعہ مرکز و محیط کہ ایک دائرہ ہے تعین اول ہے اور اس کے اجزاء میں سے اشرف اور اسبق جزو یعنی مرکز کے نام سے کہ حب سے مراد ہے مسمی ہے اور نظر کشفی میں بھی اصالت کے اعتبار اور اس جزو کے غلبہ سے تعین حبی ظاہر ہوتا ہے چونکہ محیط دائرہ مرکز کے ظل کی طرح ہے اور اسی سے پیدا ہے اور وہ مرکز اس کا

اصل ومنشا ہے اس لیے اگر اس محیط کو جو حب وخلت پر مشتمل ہے جو ایک ہی دائرہ کے مرکز ومحیط ہیں اور تعین ثانی نظر کشفی میں تعین وجودی ہے جو تعین اول کے ظل کی طرح ہے جیسے کہ گزر چکا چونکہ مرکز محیط کا اصل ہے اس لیے محیط کے لیے مطلوب تک پہنچنے میں مرکز کا واسطہ و وسیلہ ضروری ہے کیونکہ مطلوب تک پہنچنا مرکز ہی کی راہ سے ہے جو دائرہ کا اصل اور اجمال ہے اس بیان سے اس مناسبت واتحاد کو جو حضرت حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے۔ معلوم کرنا چاہیے چونکہ ظل کے مطلوب تک پہنچنے میں اصل واسطہ و وسیلہ ہے۔ اس لیے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حبیب اللہ ﷺ کا واسطہ و وسیلہ طلب کیا ہے اور یہ آرزو فرمائی ہے کہ ان کی امت میں داخل ہو جیسے کہ وارد ہے۔

سوال: جب معاملہ ایسا ہے تو پھر حضرت حبیب اللہ کو حضرت خلیل اللہ کی ملت کی متابعت کا امر کس لیے ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے اوپر صلوٰۃ وسلام کے بیان میں كَمَا صَلَّيْتَ وَسَلَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ کیوں فرمایا؟

جواب: شے کی حقیقت جس قدر زیادہ بلند اور تنزیہ کے زیادہ قریب ہوگی اسی قدر اس حقیت کا مظہر عالم عناصر میں زیادہ پست اور صفات بشریت کے ساتھ زیادہ متلبس ہوگا۔ پس اس مظہر کا عروج کی راہ سے اس حقیقت تک پہنچنا بہت مشکل ہے اور وہ خلت جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی ہے۔ حقیت ابراہیمی تک پہنچنے کے لیے جو حقیقت محمدی کے قریب دجوار میں واقع ہوئی ہے۔ سیدھی شاہراہ ہے جیسے کہ گزر چکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی راستہ سے وہاں تک پہنچے ہیں۔ اسی واسطے امر ہوا ہے کہ اس ملت کی متابعت کر کے حقیقۃ الحقائق تک وصول فرمائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی واسطے کما صلیت فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ وسلام وصول حقیقت کی دولت کے حاصل ہونے کے بعد ہے یا ہم یوں کہتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فاضل کو مفضول کی متابعت کا حکم کرتے ہیں اور اس متابعت کے امر سے اس کی فضیلت میں کوئی قصور لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (امر میں ان سے مشورہ کر) اصحاب کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم ان کی متابعت کے حکم سے خالی نہیں۔ ورنہ مشورت کا کیا فائدہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت صدیق کی حقیقت یعنی اسماء الٰہی جل شانہ میں سے ان کا رب جو ان کا مبدءِ تعین ہے کسی امر کے توسط کے بغیر حقیقت محمد کا ظل ہے۔ اس طرح پر کہ جو کچھ اس

حقیقت میں موجود ہے۔ آپ ؐ میں تبعیت و وراثت کے طور پر ثابت ہے۔ اسی واسطے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے وارثوں میں سے اکمل وافضل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَا صَبَّ اللہُ شَیْئًا فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ (جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا میں نے اسی چیز کو ابوبکر کے سینے میں بھی ڈالا) اور یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ حقیقت اسرافیلی بھی یہی حقیقت محمدی ہے لیکن اصالت وظلیت کے طریق پر نہیں جیسے کہ حضرت صدیق ؓ کی حقیقت اس حقیقت کا ظل ہے۔ بلکہ یہاں دونوں اصالت رکھتی ہیں کوئی ظلیت درمیان حائل نہیں۔ فرق صرف کلیت اور جزئیت کا ہے کیونکہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل ہیں۔ اسی واسطے وہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مسمی ہے اور ملائکہ کرام کے حقائق اس حقیقت اسرافیلی سے پیدا ہوئے ہیں۔

سوال: عارف کو اپنی حقیقت سے جو اس اسم الٰہی جل شانہ سے مراد ہے جو اس کا رب ہے اس حقیقت تک پہنچنے کے بعد ترقی جائز ہے یا نہیں۔

جواب: اس حقیقت تک پہنچنا مراتب سلوک کے طے کرنے کے بعد جو سیر الی اللہ کے تمام ہونے سے مراد ہے دو قسم پر ہے۔ ایک قسم وہ ہے کہ جس میں اس اسم کے ظلال میں سے اس ظل تک پہنچنا ہے، جس نے اپنے آپ کو مظاہر وجوبیہ میں اپنی حقیقت کے طور پر ظاہر کیا ہے اور اصل کے رنگ پر نمایاں ہے۔ اس راستہ میں یہ اشتباہ بہت واقع ہوتا ہے اور سالک کے لیے بڑی بھاری گھاٹی ہے۔ محض فضل کے ساتھ اس گھاٹی سے خلاصی میسر ہوتی ہے اور شک نہیں کہ اس حقیقت نما ظل سے ترقی جائز بلکہ واقع ہے اور اگر اپنی نفس حقیقت تک وصول واقع ہو جائے تو دوسرے کے طفیل و تبعیت کے بغیر اس سے ترقی کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ حقیقت اس کے ذاتی استعداد کے مراتب کی نہایت ہے۔ ہاں اگر طفیل سے اس کو دوسری حقیقت تک جو اس کی حقیقت کے اوپر ہے پہنچائیں تو جائز بلکہ واقع ہے یہ سیر گویا سیر قسری ہے جو سیر طبیعی اور استدادی کے ماسوا ہے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا حال حقیقت محمدی کے وصول کے بیان میں پہلے گزر چکا ہے۔

سوال: حقیقت محمدی جو حقیقۃ الحقائق ہے اور ممکنات کی حقیقتوں میں سے کوئی حقیقت اس سے اوپر نہیں اس سے ترقی جائز ہے یا نہیں۔ تم نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی ہے یہ معاملہ کیا ہے؟

جواب: جائز نہیں کیونکہ اس مرتبہ کے اوپر مرتبہ لاتعین ہے' جس کے ساتھ متعین کا وصول و الحاق محال ہے۔ وصول والحاق بے تکیف کہنا صرف ایک زبانی بات ہے جس کے ساتھ حقیقت معاملہ تک پہنچے سے پہلے تسلی کی جاتی ہے لیکن حقیقت معاملہ تک پہنچنے کے بعد وصول والحاق کے نہ ہونے کا حکم کرنا لازم ہے کیونکہ وہاں تک کی آمیزش نہیں اور یہ جو میں نے لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی۔ اس حقیقت سے مراد اس حقیقت کا ظل تھا جو حضرت اجمال علم سے مراد ہے' جس کو وحدت سے تعبیر کرتے ہیں اس وقت ظل اپنے اصل کے ساتھ مشتبہ ہوا تھا جب اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے اس ظل اور باقی تمام ظلال سے خلاصی میسر ہوئی تو معلوم ہوا کہ حقیقۃ الحقائق سے ترقی واقع بلکہ جائز نہیں کیونکہ یہاں سے قدم اٹھنا اور آگے رکھنا وجوب میں جانا اور امکان سے نکلنا ہے جو عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔

سوال: اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اس حقیت سے ترقی واقع نہیں ہوئی۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی باوجود اس قدر بلند شان اور جاہ وجلال کے ہمیشہ ممکن ہی ہیں اور ہرگز امکان سے نکل کر وجوب کے ساتھ نہ ملیں گے کیونکہ یہ امر الوہیت کے ساتھ متحقق ہونے کا موجب ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ نِدٌّ وَ شَرِيْكٌ" (اللہ تعالیٰ ہمسر اور شریک سے برتر ہے)

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِىْ نَبِيِّهِمْ

ترجمہ: چھوڑ دعویٰ جو نصاریٰ نے کیا اپنے نبی میں۔

سوال: تحقیق سابق سے واضح ہوا کہ دوسروں کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور وراثت سے حقیقۃ الحقائق کے ساتھ وصول والحاق واتحاد ثابت ہے اور ان کے خاص کمال میں شرکت حاصل ہے۔ پھر اس کمال کے حاصل ہونے کی صورت میں جو حجاب کے رفع ہونے اور واسطہ کے دور ہونے پر مشتمل ہے اور تمام کمالات سے برتر ہے۔ تابع ومتبوع اور اصلی اور طفیلی کے درمیان کیا فرق ہے اور متبوع اور اصل میں کون سی زیادتی ہے جو تابع وطفیلی میں نہیں۔

جواب: اس حقیقت کے ساتھ دوسروں کا وصول والحاق ایسا ہے جیسے خادم کا مخدوم کے ساتھ اور طفیلی کا اصل کے ساتھ ہے اگر واصل اخص خواص میں سے ہے جن کا وجود بہت ہی کم ہے تو

خود خادم ہی ہے اور اگر انبیاء میں سے ہے تو وہ بھی طفیلی اور پس خوردہ کھانے والا ہے اس کو مخدوم کے ساتھ کیا شرکت ہے اور اس کے مقابلہ میں اس کی کونسی عزت و آبرو ہے۔ طفیلی اگرچہ ہم نشین وہم لقمہ ہے لیکن پھر بھی طفیلی ہی ہے۔ خادم جو مخدوم کی تبعیت سے بلند مکانوں میں جاتے ہیں اور خاص خاص کھانوں سے پس خوردہ کھاتے ہیں اور عزت واحترام پاتے ہیں یہ سب کچھ مخدوم کی بزرگی اور اس کی متابعت کی بلندی کے باعث ہے۔ گویا مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے باوجود ایک اور عزت خادموں کے الحاق کے باعث حاصل ہو جاتی ہے اور ان کی شان زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔ غور فرمائیں کہ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا (جس نے کوئی نیک سنت یا طریقہ جاری کیا اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اس شخص کا اجر بھی ہے جس نے اس پر عمل کیا) پس سنت حسنہ میں متبوع کے جس قدر زیادہ تابعدار ہوں گے ان کے اجروں کی مانند اسی قدر زیادہ اس کا اجر ہوگا اور اسی قدر اس کا مرتبہ زیادہ ہوگا۔ اس صورت میں تابع کو متبوع کے ساتھ کیا شرکت و مساوات ہوگی۔ سنئے سنئے جائز ہے کہ بہت سے لوگ ایک مقام میں ہوں اور ایک ہی دولت میں شریک ہوں لیکن ان میں سے ہر ایک کے ساتھ جدا جدا معاملہ ہو اور ایک کو دوسرے سے اطلاع نہ ہو۔ ازواج مطہرات بہشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی مقام میں ہوں گی اور ایک ہی طعام وشراب سے تناول فرمائیں گی لیکن وہ معاملہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوگا ان کے ساتھ نہ ہوگا اور وہ لذت وسرور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا ان کو نہ ہوگا اگر وہاں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام امور میں شرکت ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی طرح ان کی افضلیت بھی سب پر لازم آئے گی کیونکہ وہاں کی افضلیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرت ثواب کے لحاظ سے ہے۔

سوال: یہ تعین اول جو تعین حبی اور حقیت محمدی ہے ممکن ہے یا واجب اور حادث ہے یا قدیم۔ صاحب فصوص نے تعین اول کو حقیقت محمدی کہا ہے اور اس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے۔ اسی طرح تعین ثانی کو واحدیت کہا ہے اور اعیان ثابتہ جن کو حقائق ممکنات کہتے ہیں اس مرتبہ میں ثابت کیے ہیں اور ان دونوں تعینوں کو تعین وجوبی کہتا ہے اور قدیم جانتا ہے اور باقی تین تنزلوں کو جو روحی ومثالی وجسدی ہیں۔ تعین امکانی کہتا ہے تمہارا اعتقاد اس مسئلہ میں کیا ہے؟

جواب: اس فقیر کے نزدیک کوئی تعین و متعین نہیں وہ کون سا تعین ہے جو لاتعین کو متعین کرے یہ الفاظ حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ کے مذاق کے موافق ہیں۔ اس فقیر کی عبارت میں اگر اس قسم کے الفاظ واقع ہوں تو صنعت و مشاکلت کی قسم سے جاننے چاہئیں۔ بہر حال میں کہتا ہوں کہ وہ تعین تعین امکانی اور مخلوق و حادث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (سب سے اول اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا) اور دوسری حدیثوں میں اس نور کے پیدا ہونے کے وقت کا تعین بھی آیا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ قَبْلَ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ بِاَلْفِیْ عَامٍ (آسمانوں کے پیدا ہونے سے پہلے دو ہزار برس) جو چیز مخلوق اور عدم کے ساتھ مسبوق ہے وہ ممکن و حادث ہے جب حقیقۃ الحقائق جو تمام حقائق سے اسبق و اول ہے۔ مخلوق و ممکن ہوئی تو دوسری حقیقتیں بطریق اولیٰ مخلوق ہوں گی اور ان میں حدوث و امکان ہوگا۔ تعجب ہے کہ شیخ قدس سرہ حقیقۃ محمدی بلکہ تمام ممکنات کی حقائق کے لیے جن کو اس نے اعیان ثابتہ کہا ہے وجوب کا حکم کس طرح کرتا ہے اور کیونکر قدیم جانتا ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے برخلاف کرتا ہے ممکن بمع اپنے تمام اجزاء کے ممکن ہے اور اپنی صورت و حقیقت میں ممکن ہے ممکن کی حقیقت کے لیے تعین وجوبی کیسے ہوسکتا ہے ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہئے کیونکہ ممکن مخلوق ہے اور حق تعالیٰ اس کا خالق ہے جب شیخ واجب اور ممکن کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور خود فرماتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی تمیز نہیں تو اگر واجب کو ممکن اور ممکن کو واجب کہ دے تو کیا ڈر ہے اور اگر اس کو معاف و معذور فرمائیں تو کمال کرم و عفو ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَأْنَا (یا اللہ تو ہمارے بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

سوال: تم نے اپنے رسالوں میں واجب اور ممکن کے درمیان اصالت وظلیت کی نسبت ثابت کی ہے اور ممکن کو واجب کا ظل کہا ہے نیز واجب تعالیٰ کو اصالت کے طور پر ممکن کی حقیقت کہ اس کا ظل ہے لکھا ہے اور بہت سے معارف اس پر مترتب کیے ہیں اگر اس اعتبار سے شیخ قدس سرہ بھی واجب تعالیٰ کو ممکن کی حقیقت کہہ دے تو کیا ڈر ہے اور کیوں ملامت کا باعث ہے؟

جواب: اس قسم کے علوم جو واجب اور ممکن کے درمیان کسی قسم کی نسبت کو ثابت کرتے ہیں شرع میں ان کے ثبوت کے لیے کچھ وارد نہیں ہوا سب سکر یہ معارف میں سے ہیں اور حقیقت معاملہ تک نہ پہنچنے کا باعث ہیں۔

ممکن چہ بود کہ ظل واجب باشد

ترجمہ نہیں ہوتا ہے ممکن ظل واجب

اور واجب تعالیٰ کا کیوں ظل ہو کیونکہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم گزرتا ہے اور اصل میں کمال لطافت کے نہ ہونے کا شک پیدا ہوتا ہے جب حضرت محمد رسول اللہ کا کمال لطافت کے باعث سایہ وظل نہ تھا تو خدائے محمد کا سایہ وظل کس طرح ہو سکے۔ خارج میں بالذات و بالا استقلال حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفات ثمانیہ حقیقیہ ہی موجود ہیں۔ باقی سب کچھ حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن و مخلوق و حادث ہے کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظل نہیں اور اس نسبت کے سوا کہ جس کی نسبت شرع وارد ہے یعنی مخلوقیت کے سوا اور کوئی نسبت خالق تعالیٰ کے ساتھ نہیں رکھتا۔ عالم کے ظل ہونے کا یہ علم سالک کو راستہ میں بہت کام آتا ہے اور اس کو کھینچ کر اصل کی طرف لے جاتا ہے اور جب محض کمال عنایت سے ظلال کے منازل کو طے کر کے اصل تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے معلوم کر لیتا ہے کہ یہ اصل بھی ظل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوب ہونے کے لائق نہیں ہے کیونکہ اس پر امکان کا داغ لگا ہے اور مطلوب ادراک کے احاطہ اور وصل و اتصال سے ماوراء ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وھیِّیٔ لَنا مِنۡ امرنا رشدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں بھلائی ہمارے نصیب کر)

فصل

فضائل مآب و کمالات اکتساب مولانا حسن کشمیری دہلوی نے (خدا اس کے احوال کو اچھا کرے اور اس کی امیدوں کو پورا کرے) ایک رسالہ فقیر کو بھیجا تھا جس میں چند سوال درج تھے جن کا حل مطلوب تھا چونکہ ان کا حل بہت سے اسرار کے ظاہر کرنے پر مشتمل تھا۔ اس لیے بعض موانع کے باعث فقیر ان کے جواب میں جرات نہ کر سکتا تھا اور لیت ولعل میں گزارتا تھا چونکہ فقیر پر مشار الیہ کے بہت حقوق ہیں کیونکہ انہی کے حسن دلالت سے ولایت پناہ طریق اندراج النہایت فی البدایت کے حادی وہادی قدس سرہ کی دولت حضور سے مشرف ہوا ہے اور اس طریق میں الف با کا سبق انہی سے لیا ہے اور انہی کی خدمت میں بے اندازہ فیوض و برکات کا استفادہ کیا ہے۔ اس لیے بعض سوالوں کا حل جو اس رسالہ کے علوم کے مناسب ہے اس رسالہ

کے ذیل میں درج کیا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے) آپ نے پوچھا تھا کہ جب کمالات صوری و معنوی ظاہری و باطنی علمی و عملی اور دینی واخروی جس قدر کہ نوع بشر میں ممکن ہیں سب حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بالفعل حاصل و متمکن ہیں جیسے کہ حدیث نفیس اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وَاٰدَمَ وَ مَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ (میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں اور آدم اور ان کے سوا سب قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے مجھے تمام اولین و آخرین کا علم دیا گیا ہے) وغیرہ سے سمجھا جاتا ہے اور جو کچھ کسی چیز پر مشروط یا کسی وقت پر موقوف ہوگا وہ بھی بہت اچھی وجہ سے جلوہ گر ہوگا تو پھر اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حزن و غم جو دوام و کثرت کے ساتھ معروف و موصوف ہے کیوں ہے اور اس کا سبب کیا ہے؟ کیونکہ حزن و اندوہ کسی ایسی چیز کے گم ہونے کے باعث ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے میرے مخدوم مکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جاہ وجلال اور خدا تعالیٰ کی عنایت پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال خیر مآل کو شامل ہے نظر کرنے کے اعتبار سے اس حضرت خاتمیت سے حزن و اندوہ کا بعید نظر آنا اور کمال کا گم ہونا مسلم و مستحسن ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت اور عجز و بشریت پر نظر کی جائے اور حق تعالیٰ کی عزت وجلال اور کبریا اور ذاتی استغنا کا ملاحظہ کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ کے بے نہایت کمالات میں سے کسی کمال کا گم ہونا اور حزن کا حاصل ہونا کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ بندگی کے حال کے لائق ہے آیت کریمہ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا اور آیت کریمہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ دونوں اس بات پر گواہ عادل ہیں اور سب کے حق میں فقدان ثابت کرتی ہیں ہاں سچ ہے ممکن خواہ کتنا ہی بلند درجوں تک پہنچ جائے پھر بھی واجب کی حقیقت کو نہیں پا سکتا اور حادث قدیم کو نہیں گھیر سکتا اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ جو کمال نوع بشر میں ممکن ہیں حضرت خاتمیت میں بالفعل حاصل ہیں ہاں کل پر فضلی کلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے لیکن بعض کمال ایسے ہوتے ہیں جو جزئی فضیلت کی طرف راجع ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام میں سے بعض کے ساتھ مخصوص ہوں اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلی فضیلت میں کچھ کمی نہ کریں۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ امتوں کے افراد میں بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام رشک کرتے ہیں حالانکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو امتوں کے تمام افراد پر فضل کلی ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ شہداء فی سبیل اللہ چند چیزوں سے انبیاء پر زیادتی رکھتے ہیں شہداء کو غسل کی حاجت نہیں اور انبیاء کو غسل دینا چاہئے۔ شہداء پر نماز جنازہ نہیں آئی جیسے کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور انبیاء علیہم السلام پر نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ شہداء کو مردہ نہ جانو کہ وہ زندہ ہیں اور انبیاء کو مردہ فرمایا ہے یہ سب جزئی فضائل ہیں جو انبیا علیہم السلام کے فضل کلی میں قصور پیدا نہیں کرتے۔ پس ہوسکتا ہے کہ ان فضائل جزئیہ میں سے بعض کے گم ہونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حزن واندوہ طاری ہوتا کہ ان فضائل کی استعداد کے حاصل ہونے اور وہاں تک پہنچنے کا باعث ہو۔ مثلاً نبوت کے ساتھ درجہ شہادت بھی جمع ہو جائے اور اگر ہم مان بھی لیں کہ انسان کے تمام افراد کے تمام کمالات اس حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بالفعل حاصل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کی ہمت بلند ہے اس واسطے ان کمالات پر کفایت نہیں کرتے اور ھل من مزید کہتے ہوئے بلندی و برتری کا شوق ظاہر فرماتے ہیں اور چونکہ فوق کے کمالات حصول بشری کے امکان سے خارج ہیں اس لیے دائمی غم و اندوہ نقدوقت ہے۔ اس مبحث کی تحقیق وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) یہ ہے کہ طریقت وحقیقت وقربت ومعرفت میں کام کا مدار فناء پر اور صفات بشریت اور علم امکان کے دور جانے پر ہے۔ بیت

ہیچ کس راتا نگر دد او فنا　　نیست رہ دربار گاہ کبریا

ترجمہ بیت

جس تلک انسان نہ ہو جائے فنا　　تب تلک اس کو نہیں ملتا خدا

جس قدر بھی صفت بشریت باقی ہے اسی قدر راستہ کا حجاب ہے اور صفات بشریت کا بالکل دور ہو جانا کل میں ممکن نہیں۔ خواہ خواص ہوں۔ خواہ اخص خواص۔ شیخ عطا فرماتے ہیں۔ بیت

نمے بینی کے شاہے چوں پیمبر　　نیابد فقر کل تو رنج کم بر

ترجمہ: بیت

نپایا فقر کل جبکہ پیمبر ملا تجھ کو نہیں گر کچھ نہ غم کر

فقر کلی سے مراد صفات بشریت و امکان کا بالکل دور ہو جاتا ہے جس کا حاصل ہونا متصور نہیں کیونکہ اس سے قلب حقائق یعنی حقیقتوں کا بدلنا لازم آتا ہے اس لیے کہ ممکن اگر ترقی کرے گا تو اپنے مکان سے نکل کر واجب ہو جائے گا اور یہ محال عقلی اور شرعی ہے اور یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے کہ۔ بیت

چو ممکن گرد امکان برفشاند بجز واجب درو چیزے نماند

ترجمہ: بیت

ہوا ممکن سے جس دم دور امکان تو واجب ہوگیا بالکل وہ انسان

تشبیہ و تمثیل پر محمول ہے نہ تحقیق و تقریر پر کہ یہ غیر واقع ہے ایک عزیز فرماتا ہے۔ بیت

سیاہ روئی نہ ممکن در دو عالم جدا ہر گز نشد واللہ اعلم

ترجمہ: بیت

سیاہ روئی نہ ممکن کی ہوئی دور رہا دونوں جہانوں میں یہ بے نور

سوال: امکان کے احکام و آثار کا باقی رہنا مقام قاب قوسین میں ظاہر ہے جہاں امکان کی قوس اور وجوب کی قوس برپا ہے لیکن مقام او ادنیٰ میں جو بالاصالت آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے امکان کے احکام کا باقی رہنا کس طرح ہے۔

جواب: جس چیز سے جواب و امکان میں تمیز ہو سکتی ہے وہ عدم ہے جو امکان کے ایک طرف ہے کیونکہ امکان کی دوسری طرف کہ وجود ہے وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک ہے مقام او ادنیٰ میں اس عدم کے احکام زائل ہو جاتے ہیں اور قوسین کی امتیاز دور ہوتی دکھائی دیتی ہے نہ یہ کہ امکان بالکل رفع ہو جاتا ہے اور وجوب میں منقلب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے جیسے کہ گزر چکا اس قدر ہے کہ مقام قاب قوسین میں ظلمانی حجابوں سے جو عدم کے آثار میں سے ہیں باہر نہیں ہو سکتے اور مقام او ادنیٰ میں جو حجاب ہیں وہ نورانی ہیں اور امکان کی طرف وجود کی راہ سے آئے ہیں اس بزرگ کے بیت کے معنی کو جو اوپر گزر چکا ہے اسی توجیہ پر محمول کر سکتے ہیں اور گرد امکان کے دور ہونے سے عدم کے احکام کا وجود جو سراسر کدورت ہے دور ہونا مراد لے سکتے ہیں۔

سوال: جب امکان کی طرف عدم زائل ہوگئی اور وہ جو وجوب و امکان میں تمیز کا باعث تھا مرتفع ہوگیا اور وجود کے سوا جو امکان کی دوسری طرف ہے اور وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک ہے وہاں کچھ نہ رہا تو لازم آیا کہ امکان اپنی حقیقت سے نکل کر وجوب کے ساتھ جو وجود صرف ہے، ملحق ہوگیا اور حقیقت کا بدلنا لازم آیا اور اس بزرگ کے مذکورہ بالا بیت کے معنی کے موافق واجب کے سوا اس میں کچھ نہ رہا اور وہ بیت حقیقت پر محمول ہوا۔

جواب: یہ وجود جو ممکن کی طرف میں ثابت ہے اس وجود کا ظل ہے جو وجوب میں ہے نہ کہ اس وجود کا عین اور یہ وجوب جو ممکن میں طرف عدم کے زائل ہونے سے پیدا ہوا ہے وجوب بالغیر ہے جو ممکن کی ایک قسم ہے نہ کہ وجوب بالذات تا کہ قلب حقیقت لازم آئے کیونکہ یہ عدم ذات ممکن کی راہ سے رفع نہیں ہوا تا کہ واجب بالذات ہو اور محال لازم آئے بلکہ ممکن میں اس عدم کا ارتفاع ممکن کی ذات پر حضرت واجب کے وجود اور حضرت وجوب تعالیٰ کے غلبہ کے باعث ہے لیکن اس وجوب سے جو مصرعہ سابق میں واقع ہوا ہے وجوب ذاتی ظاہر ہوتا ہے نہ کہ وجوب بالغیر اور وجود کو وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک کہنا اشتراک لفظی کی قسم سے ہے نہ کہ معنی اشتراک کی قسم سے اگرچہ اس کو کلی مشکک کہتے ہیں کیونکہ ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ کے وجود کے ساتھ درحقیقت کوئی شرکت نہیں تا کہ کلی اور جزئی ہونا متصور ہو۔

سوال: فنا و بقا جو صوفیاء نے کہا ہے اور اس کو ولایت سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں جب صفات بشریت کا دور ہو جانا متصور نہیں تو پھر فنا کی کیا گنجائش ہے۔

جواب: وہ فنا جو ولایت میں معتبر ہے وہ شعور و شہود کے اعتبار سے ہے جو ماسوائے حق کے نسیان سے مراد ہے نہ کہ ماسوی کے ارتفاع سے حاصل کلام یہ کہ اس فنا کا صاحب سکر کے غلبوں میں اشیاء کے عدم شعور کو عدم اشیاء خیال کرتا ہے اور اس کو ماسوی کا رفع ہونا سمجھتا ہے اور اس سے تسلی پاتا ہے اور اگر محض فضل سے اس کو ترقی دے کر صحو کی دولت سے مشرف فرمائیں اور صاحب تمیز کریں تو جان لیتا ہے کہ وہ فناء اشیاء کا نسیان تھا نہ اشیاء کا معدوم ہونا اور اس نسیان سے اگر زائل ہوئی ہے تو اشیاء کی گرفتاری ہی زائل ہوئی ہے جو ثابت و برقرار اور مذموم تھی۔ نہ کہ نفس اشیاء کیونکہ اشیاء اپنی اسی صرافت پر قائم اور موجود ہیں اور اس کی نفی اور معدوم کرنے سے منتفی نہیں ہوسکتیں۔

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است

ترجمہ: سیاہی دور حبشی سے نہیں ہوتی کہ ہے اصلی

اور جب فضل سے یہ دید اور یہ تمیز عطا ہوئی تو وہ تسلی دور ہوگئی اور اس کی جگہ حزن واندوہ و بے آرامی آگئی اور جان لیا کہ اس کی بود ایک ایسا مریض ہے جو اس کی کوشش واہتمام سے نابود نہیں ہوتا اور معلوم کیا کہ مور کے دونوں پاؤں کی طرح کہ ہمیشہ کے لیے اس کے جانکاہ ہیں۔ امکان کا نقص اور حدوث کا قصور ہمیشہ کیلئے اس کے جانکاہ ہیں میں عجب معاملہ ہے کہ عارف جوں جوں زیادہ بلند ہوتا جاتا ہے اور زیادہ زیادہ ترقیات وعروجات کرتا جاتا ہے۔ توں توں دید نقص اسمیں اسی قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اور قصور زیادہ تر اس کی نظر میں آتا جاتا ہے اور بے آرام ہوتا جاتا ہے اور اس کا حال اس رسن تاب یعنی رسی بٹنے والے شاگرد کی طرح ہو جاتا ہے جس نے اپنے استاد کو کہا کہ میں جس قدر زیادہ کام کرتا ہوں اسی قدر زیادہ دور ہوتا جاتا ہوں۔ شاید اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یَالَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش محمد کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا) نیز فرمایا ہے۔ مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ (جیسی مجھے ایذا پہنچتی ہے ویسی کسی نبی کو نہیں پہنچی) شاید اس ایذا سے مراد نقص وقصور کا دیکھنا ہے جو کمال حزن واندوہ کا موجب ہے کیونکہ اور دوسری ایذائیں دوسرے پیغمبروں کو زیادہ تر پہنچی ہیں۔ حضرت نوح علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نوسو پچاس سال تک اپنی قوم میں رہ کر دعوت کرتے رہے اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرتے رہے۔ لکھا ہے کہ ان کی قوم کے لوگ دعوت کے وقت اس قدر پتھر ان کو مارتے تھے کہ بے ہوش کر گر پڑتے تھے اور پتھروں کے نیچے دب جاتے تھے جب ہوش میں آتے تو پھر دعوت کرنے لگ جاتے اور قوم کے لوگ وہی معاملہ ان کے ساتھ کرتے اِلٰی اَنْ یَّبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَهٗ (یہاں تک کہ لکھا ہوا اپنے وقت تک پہنچ گیا جاننا چاہئے کہ یہ نقص وقصور کا دیکھنا دوری کے سبب سے نہیں بلکہ قرب وحضوری کے باعث ہے کیونکہ صاف اور شفاف جگہ میں تھوڑی سی کدورت بھی بہت نظر آتی ہے اور سیاہ و مکدر جگہ میں بہت سی کدورت بھی تھوڑی دکھائی دیتی ہے اور یہ جو پہلے کہا گیا ہے کہ قرب و معرفت کے کام کا مدار فنا پر ہے اس لیے ہے کہ سالک جب تک اپنے آپ سے فانی نہ ہو جائے اور بشریت وامکان کی صفات سے بالکل خالی نہ ہو جائے مطلوب تک نہیں پہنچتا کیونکہ

مطلوب کے ساتھ اس کا جمع ہونا دونقیضوں کے جمع ہونے کی قسم سے ہے اس لیے کہ امکان میں عدم کا ثبوت ضروری ہے اور وجوب میں عدم کا سلب ضروری ہے اور جب تک مطلوب تک نہ پہنچے مطلوب کے کمالات سے کیا پا سکتا ہے اور اس کے کمالات کو اپنے کمالات کی مانند جاننے کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے۔ لَا یُدْرَکُ الشَّیْءُ اِلَّا بِمَا یُضَادُّہٗ وَیُغَایِرُہٗ (ہر شے اپنی ضد اور غیر سے معلوم ہوتی ہے) معقول والوں کا مقررہ قضیہ ہے وہ لڑکا جو ابھی لذت جماع تک نہیں پہنچا ہے اگر جماع کی لذت کا کمال بیانکرے تو اس کو شیرین بیان کرے گا نہ کڑوا اور اس کی شیرینی کو بھی نبات وقند کی شیرینی کی طرح جانے گا کیونکہ اس کو اس کے سوا اور کچھ معلوم ہی نہیں اور یہ کمال اس کا کمال نہیں بلکہ ایسا کمال ہے جو اس لڑکے کا اپنا بنایا ہوا اور اختراع کیا ہوا ہے جو درحقیقت اس کی طرف راجع ہے نہ کہ اس کے ساتھ متصف ہے۔ پس سالک مطلوب کے جتلانے کے بغیر جو کچھ اپنی طرف سے مطلوب کی نسبت کہے گا وہ گویا اپنی نسبت ہی کہا ہوگا اور جو کچھ اس کی تعریف کرے گا اپنی ہی تعریف کی ہوگی اس جگہ ایک عارف فرماتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آیت کریمہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (کوئی چیز نہیں جو اس کی تسبیح اور حمد نہ بیان کرتی ہو) میں حمد کی ضمیر شے کی طرف راجع ہو یعنی کوئی چیز تسبیح وتقدیس وستائش نہیں کرتی مگر اپنی شاید حضرت بسطامی قدس سرہ نے اسی واسطے سبحانی کہا ہوتا کہ تسبیح کا اعادہ اس کی اپنی طرف ہو کیا اچھا کہا ہے۔ ابیات

اے شدہ ہم درجمال خویشتن — می پرستی ہم خیال خویشتن

قسم خلقان زانجمال و زاں کمال — ہست گر برہم نہی مشت خیال

گرز معشوقت خیالے در سراست — نیست معشوق آں خیال دیگر است

ترجمہ ابیات

اے کہ تو ہے سر بسر محو جمال — ہے فقط تیرا ہی اپنا یہ خیال

یار کا اصلی ہے جو حسن وکمال — پاسکے مخلوق ہے یونہی خیال

گر ترے سر میں ہے دلبر کا خیال — وہ نہیں معشوق ہے تیرا خیال

صاحب فصوص فرماتا ہے۔ وَالتَّجَلِّیْ مِنَ الذَّاتِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِصُوْرَۃِ الْمُتَجَلّٰی لَہٗ لِاَنَّہٗ مَا رَاٰی سِوٰی صُوْرَتِہٖ فِیْ مِرْءَۃِ الْحَقِّ وَ مَارَءَ الْحَقَّ وَلَا یُمْکِنُ اَنْ یَّرَاہُ (تجلی

ذات متجلی لہ کی صورت پر ہوتی ہے کیونکہ وہ حق کے آئینے میں اپنی ہی صورت کو دیکھتا ہے نہ کہ حق کو اور نہ ہی اس کو دیکھ سکتا ہے) رویت کے عدم امکان کو مبالغہ کے رو سے کہا ہے نہ تحقیق کی رو سے کیونکہ رویت دنیا میں جائز ہے اور آخرت میں واقع ہے چونکہ سالک کا کلی طور پر فانی ہونا ممتنع اور محال ہے اور اس کے بغیر مطلوب کا وصول و اتصال ممنوع ہے اور معرفت بغیر وصول کے ناممکن ہے اس لیے معرفت سے عجز لازم آیا اور معرفت سے عاجز ہونا عین معرفت ہوا۔

کوئی یہ نہ کہے کہ معرفت سے عاجز ہونا جو معرفت کی نقیض ہے معرفت کس طرح ہے کیونکہ معرفت سے عاجز ہونا معرفت ہی ہے۔ بِاَنَّهٗ لَا یُعْرَفُ (اس طرح پر کہ وہ پہچانا نہیں جاتا) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ (ادراک کے پانے سے عاجز ہونا ادراک ہے) سُبْحَانَ مَنْ لَمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْهِ سَبِیْلاً اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ (پاک ہے وہ ذات جس نے معرفت سے عاجزی کے سوا کوئی راستہ خلق کو اپنی طرف نہیں بتایا) ایک بزرگ فرماتا ہے۔ بیت

سبحان خالقے کہ صفاتش زکبریا　　برخاک عجز مے فگند عقل انبیاء

ترجمہ: بیت

وہ پاک ذات اکبر جس کی صفات برتر　　پیغمبروں کی عقلیں عاجز ہیں جن سے یکسر

جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صفات کبریا کی معرفت میں عاجز ہیں اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سُبْحَانَکَ مَا عَرَفْنٰکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ (پاک ہے تو ہم نے تجھے نہیں پہچانا جیسے کہ حق ہے) کہیں اور حضرت صدیق اکبرؓ جو اس امت خَیْرُ الْاُمَمِ کے رئیس و سردار ہیں۔ عاجزی کا اقرار کریں تو پھر اور کون ہے جو معرفت کا دم مارے۔ سوائے اس کے کہ اپنے جہل مرکب کو معرفت خیال کرے اور غیر حق کو حق پہنچانے یہ معرفت سے عاجز ہونا مراتب عروج کے نہایات کی نہایت اور مدارج قرب کا منتہا ہے جب تک سالک آخیر نقطہ تک نہ پہنچے اور تجلیات وظہورات کے مراتب کو طے نہ کرے اواس وصل و اتصال کو جس پر مدتوں تک خوش تھا عین فصل وانفصال خیال نہ کرے اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہوتا اور خدا تعالیٰ کی ناشناسی سے خلاص نہیں ہوتا اور حق اور غیر حق میں تمیز نہیں کر سکتا۔

سوال: پھر خدا کی معرفت کا وجوب کس معنی سے ہے؟

جواب: معرفت کا وجوب اس معنی سے ہے کہ ذات و صفات کی معرفت میں جو کچھ شریعت نے فرمایا ہے اس کا پہچاننا واجب ہے اور جو معرفت شریعت کے بغیر حاصل ہوتی ہے اس کو خدا کی معرفت کہنا دلیری ہے اور ظن و تخمین سے حق پر حکم کرنا ہے۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (کیا تم اللہ تعالیٰ پر وہ کہتے ہو جو نہیں جانتے) امت کے چراغ روشن اور اماموں کے امام حضرت امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ نے شاید اسی واسطے فرمایا ہے۔ سُبْحَانَکَ مَا عَبَدْ نَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَلٰکِنْ عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ (پاک ہے تو ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہوا لیکن تجھے پہچان لیا جو تیرے پہچاننے کا حق تھا) اگر چہ یہ قول اکثر لوگوں کو گراں معلوم ہوتا ہے لیکن بہتر توجیہ کے قابل ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان تمام چیزوں کے ساتھ کہ جن کو شریعت نے بیان کیا ہے یعنی کمالات و تنزیہات و تقدیسات کے ساتھ پہنچانا جائے کیونکہ ان کے سوا معرفت کی کوئی ایسی چیز نہیں جو حق معرفت کی مانع ہو۔

سوال: اس معرفت میں عوام و خواص شریک ہیں بلکہ مساوات رکھتے ہیں اور لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کی معرفت خواص انبیا کی معرفت کی مانند ہو کیونکہ یہ حق معرفت سب کو حاصل ہے یہ مسئلہ بھی اسی مسئلہ کی طرح ہے جو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ اَلْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ (ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ) اس عبارت سے بھی لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کی طرح ہوگا۔

جواب: اس شبہ قویہ کا حل ایک دقیقہ پر مبنی ہے جس پر اس فقیر نے محض فضل و کرم سے ہدایت پائی ہے وہ دقیقہ یہ ہے کہ معرفت کا حق یہ ہے کہ ان معارف شرعیہ سے عارف کو معرفت سے عجز لاحق ہو۔ مثلاً شریعت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ کیلئے علم کی صفت ثابت ہے اور وہ علم بھی ذات واجب تعالیٰ کی طرح بیچون و بیچگون ہے اور ہمارے ادراک کے احاطہ سے باہر ہے اگر اس علم کو سالک اپنے علم کے قیاس پر پہچانے تو یہ اس کی پہچان نہیں بلکہ اپنے مجعول و مخترع (بنایا ہوا اور گھڑا ہوا) کی پہچان ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے علم کی معرفت جو حق تعالیٰ کے کمال کی صفت ہے۔ پس اس صورت میں جب نفس معرفت حاصل نہیں تو حق معرفت کب حاصل ہوگا اور اگر اس کا معاملہ قیاس و تخمین سے عاجزی میں آجائے اور وجدان و حال سے معلوم کرے کہ اس کو نہیں

پہچان سکتا اور جان لے کہ اس صفت کمال کے ثبوت پر ایمان لانے کے سوا کچھ حاصل نہیں تو اس وقت معرفت بھی حاصل ہوگی اور حق معرفت بھی پس جب عوام کو حق معرفت میں خواص کے ساتھ شرکت نہ ہوئی تو پھر مساوات کی کیا گنجائش ہے۔

سوال: جب حق معرفت نفس معرفت ہے تو پھر چاہیئے کہ عوام کو نفس معرفت بھی حاصل نہ ہو جب حق معرفت حاصل نہیں۔

جواب: معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت وہ معرفت جو عین حق معرفت ہے معرفت کی حقیقت ہے جو معرفت سے عجز پر وابستہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس عجز کی حد تک نہ پہنچے اور صفات امکان کے قیاس کی آمیزش سے خالی نہ ہو جیسے کہ گزر چکا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ معرفت کی صورت کا بھی نفس ایمان میں اعتبار کیا ہے اور نجات کو اس پر وابستہ کیا ہے جیسے کہ ایمان کی صورت کو بھی معتبر رکھا ہے اور جنت میں داخل ہونا اس پر مترتب کیا ہے۔ صورت ایمان میں صورت معرفت کافی ہے اور حقیقت ایمان میں حقیقت معرفت سے چارہ نہیں۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی دو فرد ہیں صورت و حقیقت جو عوام کا حصہ ہے وہ صورت ہے اور جو خواص کو عطا ہوا ہے وہ حقیقت ہے پس عوام کا ایمان انبیاء کے ایمان کی طرح نہ ہوا جو اخص خواص ہیں کیونکہ وہ ایمان اور ہے اور یہ ایمان اور دونوں میں کوئی مماثلت و مشابہت نہیں اور حقیقت ایمان میں چونکہ معرفت کا عجز حاصل ہے اور بِاَنَّہٗ لاَ یُعْرَفُ (وہ نہیں پہچانا جاتا) کی معرفت موجود ہے اس لیے اس میں کمی و زیادتی مفقود ہے کیونکہ سلب معرفت کی معرفت میں درجات کے تفاوت کا احتمال نہیں وہ ثبوت ہے جس میں درجات کا تفاوت ہے پس ثابت ہوا کہ حقیقت ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو جانتا ہے)

سوال: اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ صوفیاء کے علوم و معارف کشفیہ اعتبار سے ساقط ہیں اور حق تعالیٰ کی معرفت ان پر وابستہ نہیں کیونکہ حق معرفت علوم شرعیہ سے حاصل ہوا اور کوئی معرفت نہ رہی جس کو صوفیاء تلاش سے حاصل کریں۔ پس حق تعالیٰ کی معرفت میں صوفیاء کے لیے علماء پر کوئی زیادتی ثابت نہ ہوئی۔

جواب: صوفیاء کے کشفیہ علوم و معارف اس عجز کے اسباب و معدات ہیں جو صوفیاء میں سے

منتھیوں کو نہایت النہایت میں میسر ہوتا ہے یہ بزرگواران کشفیہ معارف کے زینوں کے ذریعے اس عجز کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔ پس ان بزرگواروں کے معارف معتبر ہوں گے کیونکہ حق معرفت کے حاصل ہونے کا وسیلہ اور ایمان حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

سوال: جب معرفت سے عجز ثابت ہوا اور کمال عجز میں منحصر ہوا تو پھر صوفیاء نے جو مراتب سہ گانہ اعتبار کیے ہیں ان کا کیا مطلب ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین سے کیا مراد ہوگی۔

جواب: اس مسئلہ میں یہ فقیر قوم کے ساتھ اختلاف رکھتا ہے ان بزرگواروں نے ان تینوں مرتبوں کو حق تعالیٰ کی ذات کی نسبت اعتبار کیا ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین کو اس بارگاہ جل شانہ میں ثابت کیا ہے اور اس کی مثال اس طرح بیان کی ہے کہ آگ کے اس علم کو جو دھوئیں کے استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔ علم الیقین کہا ہے اور آگ کے دیکھنے کو عین الیقین تصور کیا ہے اور آگ کے ساتھ متحقق ہونا حق الیقین لیکن اس فقیر نے ان تینوں مرتبوں کو ان آیات ونشانات میں جو حق تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرنے والے ہیں اعتبار کیا ہے اور علم و عین وحق دلالت کرنے والے نشانات میں کہاں ہے نہ مدلول میں کیونکہ وہ علم وعین وحق دھوئیں کی نسبت جانا ہے نہ آگ کی نسبت کیونکہ دھوئیں کا علم جو استدلال سے حاصل ہوا ہے وہ دھوئیں کا ہی علم الیقین ہے جو آگ کو مستلزم ہے اور اگر دھوئیں کو دیکھا ہے اور اس سے آگ کے ہونے پر استدلال کیا ہے تو یہ بھی دھوئیں کا عین الیقین ہے اور اگر دھوئیں کے ساتھ متحقق ہوا ہے اور اس سے آگ پر استدلال کیا ہے تو یہ بھی دھوئیں کا حق الیقین ہے۔ یہ استدلال پہلے سے زیادہ کامل ہے کیونکہ وہ استدلال آفاق سے ہے اور یہ انفس سے ہے کہ دھوئیں کے ساتھ متحقق ہوا ہے نیز عین الیقین میں دھواں واسطہ ہے اور حق الیقین میں واسطہ نہیں بلکہ وہی نسبت جو دھوئیں کو آگ کے ساتھ ہے اس کو بھی وہی نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور قرب کے اعلیٰ درجات تک پہنچا دیتی ہے جو علم وعین وحق کے ماوراء ہیں کوئی یہ نہ کہے کہ جب واسطہ مرتفع ہوگیا تو رویت ثابت ہوگئی جو عین الیقین ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ رویت کے متحقق ہونے میں صرف واسطہ کا دور ہو جانا کفایت نہیں کرتا اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا وجود مفقود ہے جب یقین کے تمام مراتب آیات ونشانات کی طرف راجع ہوئے اور کوئی معرفت نہ رہی جو مدلول کی طرف راجع ہو تو بے شک مدلول کی معرفت سے عجز لازم آیا اور سلب معرفت کے سوا وہاں کوئی

معرفت متحقق و ثابت نہ ہوئی اور اگر یقین کے ان تینوں مراتب کو آیات و دلائل کی طرف راجع نہ کیا جائے اور مدلول کی طرف راجع ہوں تو اس معرفت سے عجز کس طرح متصور ہوگا اور سلب معرفت کے کیا معنی ہوں گے۔

مکتوب ۱۲۳

اس بیان میں کہ وہ راہ جو جناب قدس جل شانہ کی طرف پہنچانے والے ہیں، دو ہیں۔نور محمد نہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) وہ راہ جو جناب قدس جل شانہ کی طرف لے جانے والے ہیں دو ہیں ایک وہ راستہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔ اس راہ کے پہنچنے والے بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب ہیں اور امتوں میں سے بھی جس کسی کو چاہیں اس دولت سے سرفراز کرتے ہیں مگر یہ لوگ قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ نہیں۔ ان واصلوں میں سے جو کوئی فیض حاصل کرتا ہے کسی کے واسطہ کے بغیر اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کا حائل نہیں ہوتا دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ تمام قطب اور اوتاد اور ابدال اور نجیب عام اولیاء اللہ سب اسی راستہ سے واصل ہوئے ہیں راہ سلوک اسی راہ سے مراد ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے اس راہ کے واصلوں کے پیشوا اور ان کے سرگروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰؓ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں میرے خیال میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ وجود عنصری یعنی پیدائش سے پہلے بھی اسی مقام کی پناہ میں رہے ہیں جیسے کہ وجود عنصری کے بعد ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے انہی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ کا اخیری نقطہ یہی ہیں اور اس مقام کا مرکز انہیں سے تعلق رکھتا ہے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تمام

ہوا یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب وتفصیل وار قرار پایا ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا رہا انہی بزرگواروں کے واسطہ اور حیلولہ سے ہی پہنچتا رہا۔ گو اپنے زمانہ کے اقطاب و نجباء ہی ہوئے ہوں لیکن سب کا ملجاء و ماوی یہی بزرگوار ہوئے ہیں کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نوبت آ پہنچی اور منصب مذکور اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہ کے سوا اور کوئی شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں تمام اقطاب و نجباء کو فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ ہی کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا اسی واسطے شیخ قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ شعر۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا   اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرِبُ

ترجمہ شعر

ہوا سورج غروب پہلوں کا   پر نہ سورج ہمارا ماند ہوا

شمس یعنی آفتاب سے مراد ہدایت وارشاد کے فیضان کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے سے مراد فیضان مذکور کا نہ ہونا ہے چونکہ حضرت شیخ قدس سرہ کے وجود سے وہ معاملہ جو اولین سے تعلق رکھتا تھا۔ شیخ قدس سرہ کے سپرد ہوا اور رشد و ہدایت کے پہنچنے کا واسطہ و وسیلہ ہو گئے جیسے کہ ان سے پہلے بزرگوار ہوئے ہیں۔ نیز جب تک فیضان کے وسیلہ کا معاملہ برپا ہے۔ شیخ قدس سرہ کے توسل و توسط ہی سے ہے اس لیے درست ہوا کہ اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا الخ۔

سوال: یہ حکم مجدد الف ثانی میں نقص پیدا کرتا ہے کیونکہ مکتوبات جلد دوم کے ایک مکتوب میں مجدد الف ثانی کے معنی اس طرح لکھے ہیں کہ اس مدت میں جس قسم کا فیض امتوں کو پہنچتا ہے اسی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے اگرچہ وقت کے اقطاب واوتاد اور ابدال و نجباء ہوں۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی سے مراد اس مقام میں حضرت شیخ قدس سرہ کا قائم مقام ہے اور حضرت شیخ کی نیابت و قائم مقامی کے باعث یہ معاملہ اس پر وابستہ ہے جیسے کہتے ہیں۔

نُوْرُ الْقَمرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ (چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوا ہے)

سوال: مجدد الف ثانی کے معنی جو اوپر مذکور ہوئے ہیں مشکل ہیں کیونکہ مدت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی ظہور کریں گے اور ان بزرگواروں کا معاملہ اس سے برتر ہے کہ کسی کے وسیلہ سے فیوض اخذ کریں۔

جواب: میں کہتا ہوں کو توسط و وسیلہ کا معاملہ مذکورہ بالا راہوں میں سے دوسرے راستہ پر موقوف ہے جو قرب ولایت سے مراد ہے لیکن راہ اول میں جو قرب نبوت سے مراد ہے توسط و وسیلہ کا معاملہ مفقود ہے۔ اس راستہ سے جو کوئی واصل ہوا ہے کوئی حائل و متوسط درمیان نہیں آیا۔ دوسرے کے وسیلہ کے بغیر اس کو فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں۔ توسط و حیلولہ فقط دوسرے راستہ میں ہے اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے جیسے گزر چکا۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان راہ اول سے واصل ہیں جیسے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت کے ضمن میں راہ اول سے واصل ہوئے ہیں اور اپنے اپنے درجوں کے موافق وہاں شان خاص رکھتے ہیں۔

تنبیہ: واضح ہو کہ ممکن ہے کہ آدمی قرب ولایت کے راستہ سے قرب نبوت تک پہنچ جائے اور ہر دو معاملہ میں شریک ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل کو بھی جگہ دیدیں اور دونوں جگہوں کا معاملہ اس پر وابستہ کر دیں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

ترجمہ: خاص کر لیتا ہے اک کو تا بھلا ہو عام کا

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پاک ہے تیرا رب اس وصف سے کہ جو وہ کرتے ہیں بزرگ اور برتر ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے)

مکتوب ۱۲۴

شیخ محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادرم شیخ محمد طاہر بدخشی نے دریافت کیا تھا کہ رسالہ مبدء و معاد میں واقع ہے کہ صورت کعبہ جس طرح صورت محمد کی مسجود ہے اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقیقت محمدی سے افضل ہے حالانکہ ظاہر و مقرر ہے کہ جہاں کی پیدائش سے مقصود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور آدم اور آدمیان سب ان کے طفیلی ہیں جیسے کہ وارد ہے۔ لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَ فْلَاکَ وَلَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّۃَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت و خدائی ظاہر نہ کرتا)

جاننا چاہئے کہ صورت کعبہ پتھر و مٹی سے مراد نہیں ہے کیونکہ بالفرض پتھر و مٹی نہ بھی ہوں تو پھر بھی کعبہ کعبہ ہے اور خلائق کا مسجود ہے بلکہ صورت کعبہ باوجودیکہ عالم خلق سے ہے لیکن اور اشیاء کی خلق کی طرح نہیں ہے بلکہ ایک ایسا پوشیدہ امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے گو عالم محسوسات میں سے ہے لیکن کچھ بھی محسوس نہیں اور اگرچہ اشیاء کا متوجہ الیہا (جس کی طرف توجہ کی جائے) ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے وہ ایک ہست ہے جس نے نیستی کا لباس پہنا ہے اور ایک نیست ہے جو ہستی کے لباس میں ظاہر ہے جہت میں ہو کر بے جہت ہے اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے غرض یہ صورت حقیقت نما نہایت ہی عجیب ہے جس کی تشخیص میں عقل عاجز ہے اور عقلمند اس کے تعین میں حیران ہیں گویا عالم بیچونی و بیچگونی کا نمونہ رکھتی ہے اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشانہ اس میں پوشیدہ ہے ہاں اگر ایسی نہ ہوتی تو مسجود ہونے کے لائق نہ ہوتی اور بہترین موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے شوق سے اس کو اپنا قبلہ نہ بناتے۔ فِیْهِ آیَاتٌ بَیِّنَاتٌ (اس میں نشان ظاہر ہیں) اس کی شان میں نص قاطع ہے۔ اور مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا (جو اس میں آگیا وہ امن میں ہو گیا) اسی کے حق میں ہے بیت اللہ ہے کہ صاحب خانہ جل شانہ کی بیتوتت خاص (رہنا سہنا گھر والا ہونا) اسی میں ہے اور بیچون و بیچگون کا مجہول الکیفیت اتصال و نسبت اسی کے ساتھ ہے۔ وَ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے) عالم مجاز میں جو حقیقت کا پل ہے بیت یعنی خانہ و گھر اس بیتوتت کی خبر دیتا ہے کہ صاحب خانہ کے قرار و آرام کی جگہ ہے۔ اگرچہ دولت مندوں اور اہل دول کی نشست و برخاست کے مکان بے شمار ہیں لیکن یہ ایسا گھر ہے جو اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ ہے اور

معشوق حقیقی کا مکان اور آرام گاہ ہے۔ اگرچہ حدیث قدسی وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ (لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سماتا ہوں) کے موافق مومن بندے کا دل بیچونی ظہور کی گنجائش حاصل کر لیتا ہے لیکن بیتیت یعنی گھر ہونے کی نسبت جو بیتوتت کی خبر دیتی ہے کہاں حاصل کر سکتا ہے اور اغیار کی مزاحمت کو جو گھر کے لوازم سے ہے تاکہ غیر کو سجدہ نہ ہو کیونکہ غیریت مسجود ہونے کے منافی ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سجدہ تجویز نہ کیا لیکن بیت اللہ کی طرف بڑے شوق و رغبت کے ساتھ سجدہ کیا اس بیان سے فرق معلوم کر لیں۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَ السَّاجِدِ وَالْمَسْجُوْدِ (ساجد و مسجود کے درمیان بہت فرق ہے) میرے بھائی جب تو نے صورت کعبہ کا تھوڑا سا حال سن لیا تو اب حقیقت کعبہ کی نسبت بھی کچھ سن لے حقیقت کعبہ اس بیچون واجب الوجود کی ذات سے مراد ہے جہاں تک ظہور اور طلب کی گرد بھی نہیں پہنچی اور مسجود اور معبود ہونے کے لائق ہے اس حقیقت جل شانہ کو اگر حقیقت محمدی کی مسجود کہیں تو اس میں کیا ڈر ہے اور اس سے اس کے افضل ہونے میں کیا حرج ہے۔ ہاں حقیقت محمدی جہان کے تمام افراد کی حقیقتوں سے افضل ہے لیکن کعبہ معظمہ کی حقیقت عالم کی قسم سے نہیں۔ تاکہ اس کی طرف یہ نسبت کی جائے اور اس کے افضل ہونے میں توقف کیا جائے، تعجب ہے کہ ان دونوں صاحب دولتوں کی صورتوں کا فرق ساجد و مسجود ہونے کے باعث ہے صاحب ہنر عقلمندوں نے ان دونوں کے حقائق کا تفاوت معلوم نہیں کیا۔ اسی لیے اعراض و انکار کے مقام میں رہے ہیں اور طعن و تشنیع کے لیے زبان دراز کی ہے حق تعالیٰ ان کو انصاف دے تاکہ بے سوچے سمجھے ملامت نہ کریں۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ط (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور کام کی زیادتی کو بخش اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہمیں غلبہ دے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی) بدایت و نہایت بمعنی آغاز و انجام میں ہیں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اور اس کے حبیب محمد ﷺ اور اس کی بزرگ اولاد پر درود کہتا ہوں۔ بعد ازاں ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ اس رسالہ شریفہ میں امام ہمام حجتہ اللہ علی الانام پیشوائے اقطاب و اوتاد قبلہ ابدال و افراد سبع مثانی (نورہ خاتمہ) کے کاشف اسرار مجدد الف ثانی' روحی' رحمانی، عارف ربانی شیخ

الاسلام والمسلمین ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد فاروقی حنفی نقشبندی (خدا کرے آنحضرت کی ہدایت کے آفتاب افق اعلیٰ پر چمکتے رہیں اور لوگ آنحضرت کے قاضہ کے باغوں میں بڑھتے رہیں) کے اشارات لطیفہ وصافی اور اسرار دقیق و بلند مندرج ہیں۔ اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور اس پر بھروسہ ہے۔

منہیا: جب مجھے راہ سلوک کی ہوس پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عنایت نے مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک خلیفہ کی خدمت میں پہنچایا جن کی توجہ کی برکت سے خواجگان کا جذبہ جو بلحاظ فنا صفت قومیت میں جاملتا ہے۔ حاصل ہوا اور اندراج النہایہ فی البدایۃ کے طریق سے بھی ایک گھونٹ حاصل ہوا۔ اس جذبہ کے حاصل ہو جانے کے بعد سلوک شروع ہوا اور یہ راہ میں نے اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت کی تربیت سے اس انجام تک طے کی۔ یعنی اس اسم سے جو میرا پرورش کنندہ ہے بعد ازاں اس اسم سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولیٰ تک جس کو حقیقت محمدیہ سے تعبیر کرتے ہیں ترقی کی۔ وہاں سے اوپر حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانیت کی مدد سے عروج حاصل ہوا وہاں سے آگے حضرت ختم المرسلین ﷺ کی روحانیت کی مدد سے مقام اقطاب محمدیہ تک ترقی کی۔ یہ مقام قابلیت اولیٰ کے مقام سے اوپر ہے اور یوں سمجھو کہ یہ مقام قابلیت اولیٰ کا اجمال ہے اور قابلیت اولیٰ اس کی تفصیل ہے۔ اس مقام میں پہنچتے وقت حضرت خواجہ نقشبند کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس اللہ اسرارہم کی روحانیت نے بھی ایک طرح کی مدد مجھے ملی۔ قطب کا انتہائی عروج اسی مقام (اقطاب محمدیہ) تک ہوتا ہے۔ دائرہ ظلیت بھی اسی مقام پر ختم ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں یا تو خالص اصل ہے یا اصل اور ظل ملے ہوئے۔ یہ مقام افراد کے لیے مخصوص ہے۔ ہاں بعض قطب بھی افراد کی ہمنشینی کے سبب مقام ممتزج (جہاں اصل اور سایہ ملے جلے ہیں) تک ترقی کرتے ہیں اور اس اصل وسایہ ملے ہوئے کو دیکھتے ہیں لیکن محض اصل خالص تک پہنچنا یا اسے دیکھنا حسب درجہ افراد کا خاصہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے، عنایت کرے۔ اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ اس مقام اقطاب پر پہنچ کر جناب سرور کائنات ﷺ سے مجھے قطبیت ارشاد کی خلعت عنایت ہوئی اور اس منصب سے مجھے سرفراز فرمایا۔ بعد ازاں پھر عنایت الٰہی جل شانہ وعم نوالہ کی عنایت میرے شامل حال ہوئی

اور اس مقام سے اوپر کی طرف ترقی نصیب ہوئی حتیٰ کہ مجھے عنایت الٰہی نے اصل ممتزج (اصل وسایہ ملا ہوا) تک پہنچایا اور وہاں بھی فنا و بقا نصیب ہوئی جیسا کہ گزشتہ مقامات میں ہوتی آتی تھی وہاں سے آگے مقامات اصل میں ترقی عنایت فرمائی اور اصل الاصل تک پہنچا دیا۔ اس آخری عروج میں جو مقامات اصل کا عروج ہے حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت کی مدد نصیب ہوئی جس نے اپنی قوت تصرف سے ان مقامات سے عبور کرا کے اصل الاصل میں پہنچا دیا۔ وہاں سے پھر جہان کی طرف لوٹایا۔ چنانچہ لوٹتے وقت ہر مقام سے عبور حاصل ہوا۔

مجھے یہ نسبت فردیہ جس سے عروج اخیر مخصوص ہے اپنے والد ماجد (شیخ عبدالواجد بن زین العابدین) سے حاصل ہوئی اور انہیں ایک بزرگ (حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ) سے جن کو جذبہ قوی حاصل تھا اور جو خوارق عادات میں شہرۂ آفاق تھے ہاتھ آئی لیکن مجھے شروع میں ضعف بصیرت اور اس نسبت کی قلت ظہور کے باعث اپنے آپ میں اس نسبت فردیہ کا ہونا معلوم نہ تھا جب سلوک کی منزلیں طے کیں تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نسبت شروع ہی میں مجھ میں تھی۔ نیز مجھے عبادت نافلہ کی توفیق خصوصاً نماز نافلہ کا ادا کرنا بھی اپنے والد ماجد سے حاصل ہوا اور انہیں یہ سعادت اپنے شیخ (شیخ عبدالقدوس) سے جو سلسلہ چشتیہ سے منسوب تھے حاصل ہوا جب تک میں مقام اقطاب سے عبور نہ کر چکا مجھے علوم لدنی حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے حاصل ہوتے رہے جب اس مقام سے عبور کر کے مقامات عالیہ میں ترقی کی تو پھر اپنی حقیقت سے علوم اخذ کرنے لگا اس وقت کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ بیچ میں دخل دیتا نیز مجھے نزول کے وقت جس سے مراد سیر عن اللہ باللہ ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات میں عبور واقع ہوا اور ہر ایک مقام سے کافی حصہ لیا اور ان مقامات کے مشائخ نے میرے کام میں میری مدد و اعانت کی اور اپنی نسبتوں کے خلاصے مجھے عنایت فرمائے پہلے پہل اکابر چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام میں عبور واقع ہوا۔ اس مقام سے کافی حصہ حاصل ہوا۔ ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی روحانیت نے دوسروں کی نسبت زیادہ امداد فرمائی۔ واقعی اس مقام میں ان کی شان نہایت اعلیٰ ہے اور آپ اس مقام کے سردار ہیں۔ بعدازاں اکابر کبرویہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام میں

گزر ہوا یہ دونوں مقام یعنی چشتیہ و کبرویہ بلحاظ عروج برابر ہیں لیکن یہ مقام (کبرویہ) نزول کے وقت شاہراہ کی دائیں طرف پڑتا ہے اور پہلا (چشتیہ) بائیں طرف یہ شاہراہ وہی ہے جس سے بعض بڑے بڑے اقطاب ارشاد ہو کر مقام فردیت میں جاتے ہیں اور وہاں سے نہایت النہایۃ میں پہنچتے ہیں۔ صرف افراد کی راہ اور ہے بغیر قطبیت کے اس راہ سے نہیں گزر سکتے۔ یہ مقام (کبرویہ) مقام صفات اور اس شاہراہ کے مابین واقع ہے گویا یہ دونوں مقاموں کا رخ ہے۔ دونوں طرف سے اسے حصہ ملتا ہے۔ پہلا مقام (چشتیہ) شاہراہ کی دوسری طرف واقع ہے جو صفات سے بہت کم مناسبت ہے۔ اس کے بعد مجھے اکابر سہروردیہ کے مقام میں جو شیخ شہاب الدین قدس سرہ سے اس طرف ہیں۔ عبور واقع ہوا۔ یہ مقام سنت نبوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیات کے اتباع کے نور سے آراستہ اور مشاہدہ فوق الفوق کی نورانیت سے مزین ہے۔ توفیق عبادات اس مقام کی رفیق ہے۔ بعض سالک جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے اور عبادات نافلہ میں مشغول ہیں اور اس سے مطمئن ہیں۔ انہیں بھی اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے اس مقام سے کچھ حصہ نصیب ہوتا ہے۔ عبادات نافلہ اصالتاً اسی مقام کے مناسب ہیں۔ دوسرے کیا مبتدی اور کیا منتہی سب اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے بہرہ ور ہیں۔ یہ مقام (سہروردیہ) نہایت عجیب و بزرگ ہے جو نورانیت اس مقام میں دیکھنے میں آئی ہے۔ دوسرے مقامات میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام کے مشائخ بہ سبب کمال اتباع عظیم الشان اور رفیع القدر ہیں اپنے ہم جنسوں میں پورے طور پر ممتاز ہیں جو کچھ ان بزرگوں کو اس مقام میں نصیب ہوا ہے۔ دوسرے مقامات میں گو وہ بلحاظ عروج اوپر ہی ہیں۔ میسر نہیں ہوتا۔ بعد ازاں مجھے مقام جذبہ میں اتار لائے۔ اس مقام میں بے شمار جزئیات کے مقامات شامل ہیں وہاں سے بھی نیچے لائے نزول کا آخری مرتبہ مقام قلب ہے جو حقیقت جامع ہے اور ارشاد و تکمیل اسی مقام پر نزول کرنے کے متعلق ہے جب اس مقام میں لائے تو پیشتر اس کے کہ مجھے اس مقام میں استقرار حاصل ہو پھر عروج نصیب ہوا۔ اس وقت اصل کو سائے کی طرح پیچھے چھوڑا۔ اس عروج سے جو مقامات قلب میں ہوا استقرار حاصل ہوا۔

منہا: قطب ارشاد جس میں فردیت کے کمال کمالات بھی پائے جاتے ہیں نہایت قلیل الوجود ہوتا ہے۔ کئی صدیوں بلکہ بے شمار زمانہ کے بعد اس قسم کا موتی ظاہر ہوتا ہے' جس کے نور ظہور

سے تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ اس کی ہدایت وارشاد محیط عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام جہان کو حاصل ہوتی ہے جس شخص کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کی وساطت سے ہوتے ہیں اس کے وسیلے کے بغیر براہ راست کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوسکتی گویا اس کا نور ہدایت سمندر کی طرح تمام جہان کو گھیرے ہوتا ہے اور وہ ایک منجمد سمندر ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا مخلص ہوتا ہے یا وہ بزرگ کسی طالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو توجہ کے وقت طالب کے دل میں گویا ایک سوراخ کھل جاتا ہے جس کی راہ اس دریا سے توجہ اور اخلاص کے موافق سیراب ہوتا ہے اسی طرح جو شخص ذکر الٰہی میں مشغول ہے لیکن اس بزرگ (قطب ارشاد) کی طرف متوجہ نہیں مگر انکار کی وجہ سے نہی بلکہ اس واسطے کہ وہ اسے جانتا نہیں تو بھی اسے اسی قسم کا فائدہ پہنچتا ہے مگر پہلی صورت میں بہ نسبت دوسرے کے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن جو شخص قطب ارشاد کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے ناراض ہے خواہ وہ کتنا ہی ذکر الٰہی میں مشغول رہے پھر بھی رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہتا ہے اور اسکا انکار اس کے فیض کا سد راہ ہوتا ہے۔ خواہ قطب ارشاد اسے فائدہ نہ پہنچانے کے لیے یا نقصان پہنچانے کیلئے توجہ نہ ہی کرے۔ ایسے شخص کو ہدایت کی حقیقت میسر نہیں ہوسکتی گویا اسے رشد کی صورت حاصل ہوتی ہے لیکن محض صورت سے کیا کام نکل سکتا ہے صورت بے معنی سے بہت تھوڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو لوگ قطب ارشاد کے محب و مخلص ہوتے ہیں گو وہ ذکر الٰہی اور توجہ مذکور سے خالی ہی ہوں تو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور پالیتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی.

منہیا: پہلے پہل جو دروازہ میرے لیے کھولا گیا وہ یافت کا ذوق تھا نہ کہ یافت بعدازاں دوسرے درجے پر یافت نصیب ہوئی تو ذوق یافت مفقود ہوگیا تیسرے درجے پر یافت بھی ذوق یافت کی طرح مفقود ہوگئی۔ دوسری حالت حالت کمال اور ولایت خاصہ کے درجے کا حاصل کرنا ہے۔ تیسرا مقام مقام تکمیل اور دعوت کے لیے خلقت کی طرف لوٹنا ہے۔ پہلی حالت صرف بلحاظ جذبہ کمال ہے جب اس کے سلوک کو پورے طور پر حاصل کرلیا جاتا ہے تو دوسری حالت حاصل ہوتی ہے۔ بعدازاں تیسری حالت لیکن مجذوب کو سلوک سے یہ دوسری اور تیسری حالت بالکل نصیب نہیں ہوئی جو کامل و مکمل ہے وہ مجذوب سالک ہے۔ اس سے

دوسرے درجے پر سالک مجذوب جو ان دونوں کے بغیر ہے وہ نہ کامل ہے نہ مکمل تم نے کم ہمت نہ بننا۔ والسلام علی خیر البشر سیدنا محمد وآلہ الاطہر۔

منہیا: ماہ ربیع الآخر کے آخری حصے میں اس بزرگ خانوادہ کے ایک بزرگ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان بزرگوں کا طریقہ اخذ کیا۔ اسی سال ماہ رجب کے نصف کے قریب حضور نقشبندیہ کی سعادت جو اس مقام میں اندراج نہایت در بدایت ہے حاصل ہوئی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ نسبت نقشبندیہ سے مراد یہی حضور ہے پورے دس سال کچھ مہینے اوپر ماہ ذوالقعدہ کے نصف میں وہ نہایت جو ہدایت میں بدایات واوساط کے اتنے پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی۔ نقاب اتار کر نمودار ہوئی اس وقت یقین ہو گیا کہ بدایت میں اس اسم کی صورت تھی اس جسم کا ڈھانچہ تھا اور اس مسمی کا اسم تھا۔ ان دونوں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ کام کی حقیقت یہاں آکر کھلی اور معاملہ کا بھید اس جگہ ظاہر ہوا' جس نے چکھا نہیں اسے معلوم نہیں ہوا۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی سید الانام و آله الکرام واصحابه العظام۔

منہیا: واما بنعمة ربک فحدث اپنے پروردگار کی نعمت کا ذکر کر میں ایک روز اپنے یاروں کے حلقے میں بیٹھا تھا اور اپنی خرابیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ دید یہاں تک غالب آئی کہ میں نے اپنے آپ کو اس وضع کے بالکل مناسب نہ پایا۔ اسی اثنا میں من تواضع لِلّٰہِ رفعه اللّٰہُ جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع کی اللہ تعالیٰ نے اس کا درجہ بلند کر دیا، کے موافق اس دور پڑے ہوئے کو رسوائی کی خاک سے اٹھا کر یہ آواز سر میں دی غفرت لک ولمن توسل بک الی بواسطة اوبغیر واسطة الی یوم القیمة میں نے تجھے اور اس شخص کو بھی جو تجھے میرے بارگاہ کا وسیلہ بالواسطہ یا بلاواسطہ بنائے گا بخشا اور یہ سلسلہ قیامت تک یونہی ہی رہے گا اور از راہ بندہ نوازی بار بار مجھے یہ فرمایا حتیٰ کہ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی۔ اس بات کے لیے اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے والصلوٰۃ والسلام علی رسوله سیدنا محمد واله کما یحری.

بعد ازاں اس واقعہ کے ظاہر کرنے کا مجھے حکم ہوا۔

اگر بادشاہ بردر پیرزن بیاید تواے خواجہ سبلت مکن

بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت بہت وسیع ہے۔

منتہا: سیر الی اللہ سے مراد کسی ایک اسم الٰہی تک کی سیر ہے جو سالک کا مبداء تعین ہے اور سیر فی اللہ سے مراد اس اسم میں یہاں تک سیر کرنا ہے کہ اسماء وصفات اور شیون و اعتبارات کے لحاظ سے مجرد ذات احدیت کی بارگاہ میں پہنچ جائے یہ تقریر اس وقت درست معلوم ہوتی ہے جب کہ اسم مبارک اللہ سے مراد مرتبہ وجوب لیا جائے جو اسماء وصفات کا جامع ہے لیکن اگر اس اسم مبارک سے مراد ذات محض لی جائے تو پھر سیر فی اللہ بھی سیر الی اللہ میں داخل ہوتی ہے اور اس طرح سیر فی اللہ بالکل حاصل نہیں ہوتی کیونکہ آخری سے آخری نقطہ میں سیر کرنا وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اس نقطے پر پہنچ کر بلا توقف جہان کی طرف لوٹنا ہوتا ہے جسے سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں۔ یہ شناخت آخری سے آخری نقطہ تک کے واصلوں کے لیے مخصوص ہے۔ میرے سوا کسی ولی اللہ نے اس شناخت کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی طرف چن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے

والسلام علی سید المرسلین محمد و آلہ اجمعین.

منتہا: امانت ولایت کی سیر میں اولیاء کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض میں صرف ایک درجہ ولایت کی استعداد ہوتی ہے۔ بعض میں دو کی بعض میں تین کی اور بعض میں چار کی۔ خال خال ایسے ہوتے ہیں جو ولایت کے پانچویں درجے کو حاصل کرتے ہیں۔ ان پانچ درجوں میں سے پہلا درجہ تجلی افعال سے وابستہ ہے۔ دوسرا تجلی صفات سے اور باقی کے تین حسب مرتبہ تجلیات ذاتی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ میرے اکثر یار تیسرے درجہ سے مناسبت رکھتے ہیں اور ان میں تھوڑے ایسے ہیں جو چوتھے درجے کے قابل ہیں اور خال خال ایسے بھی ہیں جو ولایت کے آخری یعنی پانچویں درجے سے مناسبت رکھتے ہیں لیکن جس کمال کو میں معتبر سمجھتا ہوں وہ ان پانچوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد اس کمال کا ظہور نہیں ہوا جو جذبہ وسلوک کے کمال سے بڑھ کر ہے۔ انشاء اللہ یہ کمال آخری زمانے میں حضرت مہدی موعود میں ظاہر ہوگا۔

والصلوٰۃ والسلام علی خیر البریہ۔

منتہا: نہایت النہایت (آخری مقام) کے واصل رجوع قہقری (الٹے پاؤں واپس آتے) کے وقت نچلے سے نچلے مقام میں اتر آتے ہیں یہی نچلے سے نچلے مقام میں اتر آنا ہی اس بات

کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور آخری سے آخری مقام تک ترقی کر چکے ہیں جب نزول اس خصوصیت سے وقوع میں آتا ہے تو صاحب رجوع ہم تن عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ اس کا کچھ حصہ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہو اور کچھ خلقت کی طرف کیونکہ ایسی حالت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ آخری سے آخری مقام تک نہیں پہنچا۔ نیز اسے نچلے سے نچلے مقام تک نزول بھی حاصل نہیں ہوا اب میں اصل بات کو بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ نماز پڑھتے وقت جو کہ مومن کے لیے معراج ہے صاحب رجوع کے تمام لطایف بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر بالکل خلقت کی طرف لیکن فرائض وسنن ادا کرتے وقت چھ لطیفے بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نفل ادا کرتے وقت صرف عمدہ سے عمدہ لطیفے ممکن ہے کہ حدیث لی مع اللہ وقت کا اشارہ اس خاص وقت کی طرف ہو جو نماز سے مخصوص ہے اور اس اشارہ کا قرینہ تعین حدیث قرۃ عینی فی الصلوٰۃ مجھے نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ اس قرینے کے علاوہ کشف صحیح اور الہام صریح بھی اس بارے میں مجھے ہوا ہے یہ جو معارف مجھ سے ہی مخصوص ہیں ان میں سے ایک یہ ہے دوسرے مشائخ نے اس کمال کو جمع بین التوجہین میں جانا ہے میں اپنا کام اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں ۔ اس شخص کو سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور جناب سرور کائنات ﷺ کی فرمانبرداری اور تابعداری کی۔

منہیا: مشائخ نے فرمایا ہے کہ اہل اللہ مرتبہ ولایت پر پہنچ کر اپنے اندر ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ بیرونی مشاہدہ جو سیر الی اللہ کے وقت اثنائے راہ میں حاصل ہوتا ہے۔ معتبر نہیں جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مشاہدہ اندرونی بھی مشاہدہ بیرون کی طرح قابل اعتبار نہیں۔ اس واسطے کو وہ مشاہدہ دراصل حقیقت حق سبحانہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کیونکہ جب حق تعالیٰ بیچون و بیچگون ہے پھر چوں کے آئینہ میں کیونکر سما سکتا ہے۔ خواہ وہ آئینہ اندرونی ہو یا بیرونی۔ اللہ تعالیٰ نہ جہان کے اندر ہے اور نہ اس سے باہر ہے نہ جہان سے ملا ہوا ہے نہ ہی الگ ہے۔ اسی واسطے جو بقاء حق آخرت میں حاصل ہونا ہے۔ اسے بھی بلا کیف ہی لکھا ہے جو عقل و وہم کے احاطہ سے باہر ہے دنیا میں بھی یہ بھید خواص الخواص پر منکشف کیا ہے اگرچہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی کی طرح ہے۔ یہ دولت عظمیٰ ایسی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے زمانے کے بعد بہت کم اشخاص کو نصیب ہوئی ہے۔ گو یہ بات آج کل بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے اور اکثر لوگ اسے یقین نہیں کرتے لیکن میں اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خواہ کوتہ اندیش لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں۔ یہ نسبت اس خصوصیت سے انشاء اللہ آخری زمانے میں حضرت مہدی موعود میں ظاہر ہوگی۔ اس شخص پر سلامتی ہوں جس نے ہدایت کی پیروی کی اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کی اور آنحضرت ﷺ کی متابعت کو لازم جانا۔

منہیا: جب کوئی طالب کسی شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو شیخ پہلے اس سے تین سے لے کر سات تک استخارہ کرائے اگر استخاروں کے بعد طالب میں کسی قسم کا تذبذب پیدا نہ ہو تو اس کے کام کو شروع کرے سب سے پہلے اسے توجہ کا طریقہ سکھلائے اور دو رکعت نماز توبہ پڑھنے کے لیے کہے کیونکہ توبہ کیے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا مفید نہیں پڑتا لیکن توبہ کے حصول میں مجمل پر ہی اکتفا کرے۔ یہ نہ کرے کہ طالب اسی وقت ہی توبہ نصوحی کرے بلکہ یہ کرے کہ طالب آہستہ آہستہ تمام بری باتوں سے توبہ کر سکے گا کیونکہ آج کل ہمتیں بالکل پست ہوگئی ہیں۔ اگر پہلے ہی مفصل توبہ کی تکلیف دی جائے تو اس کے لیے عرصہ درکار ہے ممکن ہے اس عرصہ میں طالب اس کام سے ہمت ہار جائے بلکہ توبہ ہی کو سرانجام نہ دے سکے جب توبہ مجملاً ہو چکے تو پھر طالب کی استعداد کے موافق خاص طریقہ کی تعلیم کرے اور جو ذکر اس کی قابلیت کے مناسب ہو تلقین کرے اور اس کے کام میں اپنی توجہ صرف کرے اور اس کے حال کو مدنظر رکھے اور راستے کے آداب وقواعد اور شرائط اسے بتا دے کتاب وسنت اور آثار سلف صالحین کی متابعت کی ترغیب دلائے اور اس کے ذہن نشین کر دے کہ اس متابعت کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا اور اس کو جتلا دے کہ جو کشف وخواب کتاب وسنت سے بال بھر بھی اختلاف رکھتا ہو وہ قابل اعتبار نہیں بلکہ اس سے استغفار کرنی چاہیئے اور اس بات کی نصیحت کرے کہ عقائد کو فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت وجماعت کی رائے کے موافق صحیح کرے اور اس بات کی تاکید کرے کہ وہ فقہ کے ضروری احکام سیکھ کر ان پر عمل کرے کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو بازوؤں یعنی اعتقاد اور علم کے اڑنا محال ہے۔ نیز اس بات کی سخت تاکید کرے کہ مشتبہ اور حرام لقمہ میں نہایت احتیاط سے کام لے جو کچھ یا جہاں سے مل جائے نہ کھائے۔ تاوقتیکہ اس کا کھانا شرعاً

جائز نہ ہو۔ مختصر یہ کہ تمام کاموں میں اس آیت کریمہ کو ملحوظ و مدنظر رکھے **قَوْلہ تعالٰی ماآتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا** جو کچھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے کے لیے فرمایا اسے کرو اور جس سے منع فرمایا ہے اس سے باز آجاؤ طالب دو حالتوں سے خالی نہیں یا اہل کشف و معرفت ہیں یا صاحب جہل و حیرت لیکن جب پردے اٹھ جاتے ہیں اور منزلیں طے ہو جاتی ہیں تو اس وقت دونوں برابر ہوتے ہیں۔ یعنی پہنچ جانے میں یکساں ہوتے ہیں۔ مثلاً دو شخص دور دراز کی منزلیں طے کر کے جب کعبے پہنچ جائیں ایک راہ میں ہر منزل پر نظارے دیکھتا آئے اور دوسرا آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر آئے تو دونوں شخص کعبہ پہنچنے میں برابر ہیں کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں گوارہ کے نظاروں کے لحاظ سے ان میں فرق ہے۔ مطلوب کے پاس پہنچ جانے کے بعد دونوں کے لیے جہل لازم ہے کیونکہ ذات الٰہی کی معرفت یہی ہے کہ اس کی معرفت سے جہل و عجز کیا جائے۔

واضح رہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے سے مراد دس مقامات کا طے کرنا ہے اور ان دس مقامات کا طے کرنا ان تین قسم کی تجلیات سے وابستہ ہے یعنی تجلی افعال تجلی صفات اور تجلی ذات ان مقامات سے سوائے مقام رضا کے سب تجلی افعال اور تجلی صفات کے متعلق ہیں۔ مقام رضا تجلی ذات سے وابستہ ہے۔ نیز محبت ذاتیہ کے متعلق ہے جس میں محبّ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی طرف سے خواہ اسے تکلیف ہو یا آرام دونوں کو برابر سمجھے جب ایسی حالت ہو جاتی ہے تو فی الواقع رضا حاصل ہوتی ہے اور کراہیت اٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح باقی مقامات پر بدرجہ کمال پہنچنا بھی تجلی ذات کے وقت نصیب ہوتا ہے جس سے فنائے اتم وابستہ ہے لیکن نو مقامات کا نفس حصول تجلی افعال اور تجلی صفات میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور تمام اشیاء پر قادر ہے تو بے اختیار توبہ کرتا ہے ڈرتا ہے اور تقویٰ کو اپنی عادت بنالیتا ہے۔ اس کی تقدیروں پر صبر کرنے لگتا ہے بے طاقتی و بے صبری چھوڑ دیتا ہے اور کسی نعمت کا دینا یا روکنا اس سے یقین کرتا ہے۔ جب چاہتا ہے کہ نعمتوں کا مولا وہی ہے اور چاہے دے چاہے نہ دے تو ناچار شکر گزار بنتا ہے اور توکل میں راسخ قدم ہو جاتا ہے جب مہربانی اور نرمی متجلی ہوتی ہے تو مقام رجا آتا ہے جب اس کی عظمت اور کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے اور دنیائے دوں اس کی نگاہوں میں خوار و بے اعتبار دکھائی دینے لگتی ہے تو مجبوراً دنیا سے

دل ہٹا لیتا ہے۔ فقر اختیار کرتا ہے اور زہد کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مقامات مفصل و ترتیب وار صرف سالک مجذوب کو حاصل ہوتے ہیں۔ مجذوب سالک ان مقامات کو مجمل طور پر طے کرتا ہے کیونکہ عنایت ازلی نے اسے ایسی محبت میں گرفتار کیا ہے کہ وہ بالتفصیل ان مقامات میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اسی محبت کے ضمن میں اسے ان مقامات کا وہ لب لباب اور ان منازل کا وہ خلاصہ پورا پورا حاصل ہو جاتا ہے جو صاحب تفصیل کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی.

منہیا: طالب کو چاہئے کہ اندرونی و بیرونی باطل معبودوں کی نفی کی کوشش کرے اور معبود حقیقی کے اثبات کیلئے جو کچھ اس کے وہم و خیال میں آئے اسے بھی برطرف کر دے صرف اس کو موجودیت پر اکتفا کرے اگر چہ اس کے وہم و خیال میں آئے اسے بھی برطرف کر دے صرف اس کو موجودیت پر اکتفا کرے اگر چہ اس مکان میں وجود کی بھی گنجائش نہیں اسے وجود کے علاوہ تلاش کرنا چاہئے علمائے اہل سنت نے کیا خوب کہا کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات اقدس پر زائد ہے وجود کو ہمیں ذات کہنا اور وجود کے سوائے کسی اور بات کا ثابت نہ کرنا نظر کی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ شیخ علاؤ الدولہ فرماتے ہیں کہ عالم وجود کے اوپر ملک ودود کا عالم ہے۔ مجھے (حضرت مجدد الف ثانیؒ) عالم وجود سے اوپر گزرا تو کچھ عرصہ میں مغلوب الحال رہا اپنے آپ کو علم تقلید کی رو سے اپنے آپ کو مسلم خیال کرتا رہا۔ مختصر یہ کہ جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آتا ہے وہ بدرجہ ادنیٰ ممکن ہوتا ہے وہ ذات پاک ہے جس نے اپنی طرف خلقت کی راہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں بنائی کہ اس کی معرفت سے عاجزی ظاہر کی جائے اس سے یہ خیال نہ کرنا کہ اس فنا فی اللہ بقا باللہ سے ممکن واجب ہو جاتا ہے کیونکہ ایک تو ایسا ہونا محال ہے اور دوسرے اس سے قلب حقائق لازم آتا ہے۔ پس جب ممکن واجب نہیں ہو سکتا تو ممکن کو واجب تعالیٰ کے اوروں کے سوائے عجز کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

عنقا شکار کس نشو دام باز چین　　　کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

بلند ہمت اشخاص اس طرح مطلب کو چاہتے ہیں کہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا اور اس کا نام و نشان تک پیدا نہیں ہوتا۔ بعض ایسے ہیں کہ کسی خاص مطلب کے متوالے ہوتے ہیں تو اسی کو اپنا عین پا کر اس سے قرب و معیت پیدا کرتے ہیں۔ مصرعہ آں ایشانند من چنینم یارب۔

والسلام۔

منہیا: حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس فرماتے ہیں کہ ہر ایک شیخ کے آئینے کے دورخ ہوتے ہیں لیکن میرے آئینے کے چھ رخ ہیں اس میں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ خانوادہ کے کسی خلیفہ نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی بلکہ اشارتاً اور کنایتاً بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مجھ حقیر وقلیل البضاعتہ کی کیا حیثیت کہ اس کی شرح کی جرات کر سکے اور اس کی کشف کے لیے زبان کھولے لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس معما کا بھید مجھ پر منکشف فرمایا ہے اور کما حقہ اس کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی ہے۔ اس واسطے اس پوشیدہ بھید کو بیان کی انگلیوں سے رشتہ تحریر میں پروتا ہوں اور زبان ترجمان سے بھی تقریر میں لاتا ہوں۔ استخارہ کے بعد اور اللہ تعالیٰ سے غلطی سے بچنے اور توفیق کی دعا کر کے شروع کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ آئینہ سے مراد عارف کا دل ہے جو روح اور نفس کے مابین برزخ (وسیلہ) ہے آئینے کے دو رخوں سے مراد ایک رخ روح کا اور دوسرا رخ نفس کا لیا ہے جس وقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں تو ان دونوں رخوں سے وہ علوم و معارف جو قلب کے مناسب ہوتے ہیں منکشف ہونے لگتے ہیں برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز کے طریقہ میں بدایت ہی میں نہایت مندرج ہے۔ اس طریقہ میں آئینہ کے چھ رخ ہو جاتے ہیں اس کی مفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ عالیہ کے بزرگوں پر منکشف ہو رہا ہے کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے وہ چھ لطیفوں سے اکیلے دل میں متحقق ہے۔ ان چھ طرفوں سے مراد نفس، قلب، روح، سر خفی، اخفی لیے ہیں۔ باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر تک محدود ہے لیکن نقشبند یہ بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک بلکہ اس سیر کے ذریعے اس کے اندرونی سے اندرونی نقطے تک ہے اور انہیں ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف مقام قلب میں منکشف ہوتے ہیں لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں جو مقام قلب کے مناسب ہیں یہ ہے حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ الاقدس کے کلمہ قدسیہ کا بیان۔ مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق و تدقیق معلوم ہوئی۔ سو میں اس تحقیق و تدقیق میں سے کچھ اشارتاً اس آیۃ کریمہ کے بموجب واما بنعمۃ ربک فحدث بیان کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ قلب قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں لیکن قلب قلب میں یا دائرہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ

سے مذکورہ بالا چھ لطیفوں میں سے دو لطیفے بطریق جز ویعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ اخفی ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جو چوتھے رتبہ میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے۔ سر کا نہیں ہوتا۔ پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے جو بسیط محض اور نا قابل اعتبار ہے اس موقع پر بعض معارف عالیہ کا معلوم کرنا ضروری ہے تا کہ ان کے ذریعے واضح ہو جاوے کہ نہایت النہایت اور غایت الغایت سے کیا مراد ہے میں ان معارف کو بتوفیق الٰہی بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ جو کچھ عالم کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ عالم صغیر سے میری مراد انسان ہے۔ پس جب عالم صغیر کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے تو اس میں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں کیونکہ صیقل اور منور کرنے سے اس کا احاطہ وسیع ہو جاتا ہے اس وقت صغیر کا لفظ اس پر عائد نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جس کو عالم صغیر سے وہی نسبت ہے جو عالم صغیر کو عالم کبیر سے ہے جب دل کو صیقل کیا جاتا ہے اور اس سے تاریکی دور ہو جاتی ہے تو اس میں بطریق آئینہ عالم صغیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں اور یہی نسبت قلب القلب اور قلب میں ہوتی ہے جو قلب اور عالم صغیر میں ہوتی ہے جب قلب القلب کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے تو اس میں تمام چیزیں مفصل طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں علٰے ہذا القیاس دل تیسرے اور چوتھے اور پانچوں مرتبے میں بہ سبب صقالت و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھلانے لگتا ہے اسی طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیط محض اور نا قابل اعتبار ہوتا ہے جب اسے پورے طور پر صیقل کیا جاتا ہے تو اس میں عالم کبیر، صغیر اور صغر اور بعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھائی دینے لگتی ہیں۔ سو وہ تنگ لیکن سب سے فراغ اور بسیط سے بسیط نہایت چھوٹا لیکن سب سے بڑا ہے اس وصف کی کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت نہیں رکھتی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ میرے آسمان اور میری زمین میں میری گنجائش نہیں میں صرف اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

عالم کبیر اگرچہ بلحاظ ظہور نہایت وسیع ہے اور اس کی کثرت و تفصیل کی وجہ سے اسے اس چیز کے ساتھ جس میں کثرت و تفصیل بالکل نہ ہو کوئی مناسبت نہیں وہ تنگ لیکن بہت وسیع ہے اور بسیط الابسط ہے بہت ہی تھوڑا ہے لیکن ساتھ ہی بہت ہی کثیر بھی ہے جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود اکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے جو عزیز الوجود اور شریف رتبہ ہے تو وہ عارف تمام جہاں اور اس کے ظہورات کے لیے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے تب اسے ولایت محمدیہ حاصل ہوتی ہے اور دعوت مصطفویہ سے مشرف ہوتا ہے قطب' اوتاد اور ابدال سبھی اس کی ولایت کے دائرہ کی تحت میں داخل ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اولیاء اللہ مثلاً افراد و آحاد سبھی اس کے انوار ہدایت کے تحت مندرج ہیں کیونکہ وہ جناب رسول خدا ﷺ کا نائب مناب اور حبیب الٰہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ عزیز الوجود اور شریف نسبت مرادوں میں سے کسی ایک سے مخصوص ہوتی ہیں مریدین کو یہ کمال نصیب نہیں ہوتا یہ بڑی نہایت اور آخری غایت ہے اس کے اوپر کوئی کمال نہیں اور اس سے عمدہ کوئی بخشش نہیں خواہ اس قسم کا عارف ہزار سال بعد پایا جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کی برکت مدت مدید اور عرصہ بعید تک جاری رہتی ہے ایسے عارف کا کلام بمنزلہ دوا اور اس کی نظر بمنزلہ شفا ہوتی ہے اس آخری امت میں سے انشاء اللہ حضرت مہدی موعود اس نسبت شریفہ پر پائے جائیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے یہ دولت عظمٰی سلوک و جذبہ کے دونوں رستے بالترتیب و بالتفصیل طے کرنے سے وابستہ ہے نیز فنائے اتم اور بقائے اکمل کو ایک ایک درجہ کر کے حاصل کرنے پر منحصر ہے سو یہ باتیں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری و پیروی عنایت فرمائی ہم اللہ تعالیٰ سے آنحضرت کی متابعت کا کمال اس پر ثابت قدم رہنا اور آنحضرت کی شریعت کی استقامت مانگتے ہیں۔ آمین کہنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ رحم کرے یہ معارف پوشیدہ اسرار اور مخفی رموز سے ہیں بڑے اولیاء میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیاء میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ان اسرار سے مطلع فرما کر ان کے ظاہر کر دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

اگر بادشاہ بردر پیر زن بیاید تواے خواجہ سبلت مکن

اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شے یا سبب پر منحصر نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلَى الْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلٰى عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

منہیا: روح بھی چونکہ عالم بیچونی سے ہے اس واسطے اس کے لیے بھی لامکان ہونا متحقق ہے لیکن اس کی بیچونی بمقابلہ وجوب ذات حق عین چوں ہے اور اس کا لامکان ہونا حقیقی لامکان کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے گویا عالم ارواح اس عالم اور مرتبہ بیچونی کے مابین برزخ ہے چونکہ روح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں۔ اس واسطے عالم بیچون اسے بے چون جانتے ہیں لیکن اصلی بیچون کے مقابلہ میں عین چون ہے یہ برزخ ہونے کی نسبت اسے اس کی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے لیکن جب اس (روح) کا تعلق اس کا ایک ہیکل اور قفس عنصری سے ہو جاتا ہے تو عام برزخیت سے نکل کر بالتمام عالم چوں میں اتر آتا ہے اس واسطے بیچونی کا رنگ اس سے جاتا ہے اس کی مثال ہاروت کی سی ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ارواح ملائکہ بعض خاص مصلحت کے لیے بشریت کی پستی میں اترے ہیں پس اگر عنایت الٰہی مدد کرے اور اس سفر سے لوٹ کر اپنی اصلی جگہ جاتے جو درحقیقت تنزل سے عروج ہے تو تاریک نفس اور بدن عنصری بھی اس کی متابعت سے ضرور عروج حاصل کریں گے اور منزلیں طے کر لیں گے اس ضمن میں وہ مقصود بھی ظاہر ہو جائے گا جو روح کے تعلق اور اس کے نزول سے مطلوب تھا نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جائے گا اور ظلمانی نورانی سے بدل جائے گا جب روح اس سفر کو ختم کر لیتا ہے اور نزول کے مقصود کو انجام تک پہنچا لیتا ہے تو اصلی برزخیت پر پہنچتا ہے اور نہایت بدایت کی طرف لوٹتے وقت حاصل کرتا ہے چونکہ قلب بھی عالم ارواح سے ہے اس واسطے اسے بھی برزخیت میں وطن نصیب ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ بھی جو عالم امر کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ وہ قلب و بدن کے مابین برزخ ہے اس جگہ اقامت کرتا ہے اور بدن عنصری جو اربعہ عناصر کا بنا ہوا ہے عالم کون و مکان میں قرار پکڑتا ہے اور طاعت و عبادت میں مشغول ہو جاتا

ہے بعدازاں اگر سرکشی اور مخالفت واقع ہوتی ہے تو اسے عناصر کی طبیعتوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً جزو ناری جو بالذات سرکش اور مخالفت طلب ہے ابلیس لعین کی طرح انا خیر منہ میں اس سے اچھا ہوں پکارے گا۔ نفس مطمئنہ سرکشی سے باز آچکا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے سو جو ایک دوسرے سے راضی ہوں ان میں سرکشی کا خیال تک نہیں ہوتا اگر سرکشی ہے بھی تو قالب سے شاید جناب سرور کائنات ﷺ نے اس شیطانی سرکشی کو جہاد اکبر سے تعبیر فرمایا ہو کیونکہ اس کی پیدائش بھی جزو قاسی ہے اور یہ جو فرمایا ہے اَسۡلَمَ شَیۡطَانِیۡ اس سے مراد ہے میرے شیطان نے اسلام قبول کیا۔ یا تو شیطان ظاہری ہے جو آنحضرت ﷺ کا قرین ہے لیکن جہاد اکبر والی حدیث میں اندرونی شیطان سے مراد ہے اگرچہ اس شیطان کی شان وشوکت کو بھی توڑا ہوا ہے اور وہ سرکشی سے باز آیا ہوا ہے لیکن پھر بھی جو شے کسی کی ذات میں داخل ہو وہ اس سے جدا نہیں ہوسکتی سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگاست یا اس سے مراد اندرونی شیطان ہے اس کے اسلام قبول کرنے سے لازم آتا ہے کہ اس نے سرکشی بالکل ترک دی ہو باوجود اسلام کے اگر عزیمت کو ترک کر کے رخصت کا مرتکب ہوتو جائز ہے اور اگر کوئی ایسا صغیرہ سرزد ہو جس میں نیکی نہ ہوتو بھی اس کی گنجائش ہے بلکہ نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے نزدیک برائی میں داخل ہیں۔ سبھی اسی قسم سے ہے یہ سب سرکشی کی قسمیں ہیں یہ سرکشی جو تھوڑی بہت اس میں باقی رہتی ہے وہ اس کی اصلاح وترقی کے لیے ہے کیونکہ ان امور کے حاصل ہو جانے کے بعد جن میں کمی کا انتہائی درجہ ترک کے حصول سے بہتر ہے ایسی ندامت پشیمانی توبہ اور استغفار ہاتھ آتی ہے جو بے نہایت ترقیوں کا موجب ہوتی ہے جب بدن عنصری اپنی جائے قرار میں آجاتا ہے تو لطائف ستہ کی جدائی اور ان کے عالم امر میں چلے جانے کے بعد اس جہان میں ان کا خلیفہ بلاشک وشبہ یہی بدن رہ جاتا ہے اور یہی ان سب کے کام کرتا ہے بعدازاں اگر الہام ہوتا ہے تو گوشت کے اسی ٹکڑے کو جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور اس حدیث نبوی مَنۡ اَخۡلَصَ لِلّٰہِ اَرۡبَعِیۡنَ صَبَاحًا ظَھَرَتۡ یَنَابِیۡعُ الۡحِکۡمَۃِ مِنۡ قَلۡبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ جو شخص اخلاص سے چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں میں قلب سے مراد واللہ اعلم یہی گوشت کا ٹکڑا ہے دوسری حدیثوں میں بھی یہی مراد مقرر ہے جیسا کہ جناب سرور

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ بے شک میرے دل پر پردہ کیا جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ اگر ڈھانپا ہوا ہے تو اس گوشت کے ٹکڑے پر نہ کہ حقیقت جامعہ پر کیونکہ وہ تو بالکل پردے سے بری ہے دوسری حدیثوں میں دل کے پلٹنے کا ذکر آیا ہے چنانچہ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ الخ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہے نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے قَلْبُ الْمُؤْمِنِ کَرِیْشَۃٍ فِیْ اَرْضِ فَلَاۃٍ مومن کا دل بیابان کے گھاس کی طرح ہے نیز فرمایا ہے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ اے معبود میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت رکھنا' پلٹنا اور عدم اسی گوشت کے ٹکڑے کیلئے ہے کیونکہ حقیقت جامعہ ہرگز نہیں پلٹتی اس واسطے کہ وہ راسخ و مطمئن ہے جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد اسی گوشت کے ٹکڑے سے تھی نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلا شک وشبہ مطمئن تھا بلکہ آپ کا نفس بھی آپ کے حقیقی قلب کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا عوارف المعارف کے مصنف قدس سرہ فرماتے ہیں کہ الہام اسی نفس مطمئنہ کی صفت ہے جو مقام قلب تک عروج کر گیا ہو اور بے شک تلون و تقلب نفس مطمئنہ کی صفات ہیں اور یہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو مذکورہ بالا حدیثوں کیخلاف ہے اگر اس مقام سے جس کا ذکر شیخ صاحب نے لکھا یہ عروج حاصل ہو اس واسطے کہ شیخ نے جب سے اس کی حقیقت معلوم کر لی ہے اب جو کچھ میں نے کہا ہے کہ اس کی صداقت بھی تم پر عیاں ہوگئی ہوگی کیونکہ کشف الہام اور اخبارات نبویہ میں باہمی مطابقت ہوگئی ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسی گوشت کے ٹکڑے پر الہام ہوتے ہیں اور یہی خلیفہ ہے اور اسی کے احوال بدلتے رہتے ہیں اگر میرا کہنا بالفرض ہٹ دھرم اور اصل حقیقت سے قاصر و جاہل لوگوں کو ناگوار گزرے تو حدیث نبوی کا ان کے پاس کیا جواب ہے خود جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں اِنَّ فِیْ جَسَدِ بَنِیْ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسُدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ اس میں شک نہیں کہ بنی آدمؑ کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنورا ہوا ہو تو سارا جسم سنورا ہوا ہوتا ہے اور جب اس میں بگاڑ ہو تو تمام جسم میں بگاڑ ہوتا ہے اور وہ دل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے کہ دل وہ ہے اور سارے جسم کا

سنورنا بگڑنا اسی کے سنورنے بگڑنے پر منحصر ہے سو سنوار بگاڑ گوشت کے ٹکڑے کیلئے ہے نہ کہ قلب حقیقی کیلئے خواہ نیابت اور خلافت کے طریق پر ہی ہو واضح رہے کہ جب روح جسم سے مُوتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا مرنے سے پہلے مر جاؤ والی موت کے سبب جدا ہو جاتی ہے تو عارف واصل اپنی روح کو نہ جسم میں داخل اور نہ اس سے خارج نہ اس سے ملی ہوئی اور نہ اس سے جدا پاتا ہے اسے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ روح اور جسم کا یہ تعلق اس واسطے ہے کہ جسم کی بھی اصلاح ہو جائے اور روح بھی اپنے اصلی کمال پر پہنچ جائے اور اس تعلق کا منشا یہی ہے کہ نیکی اور بہتری ہو جائے اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم سارے کا سارا شریر اور ناقص رہ جاتا اور یہی حالت ہے واجب تعالیٰ کی روح وغیرہ کے ساتھ کہ ذات حق نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج نہ اس سے ملی ہوئی ہے اور نہ اس سے جدا۔ اللہ تعالیٰ کو جہاں سے پیدا کرنے باقی رکھنے کمالات کا فیض پہنچانے اور نعمت اور نیکیوں کیلئے مستعد بنانے کا تعلق ہے اگر تم یہ کہو کہ علماء اہل حق نے روح کے بارے میں اس قسم کا کلام نہیں کیا بلکہ ایسا کرنے کو جائز ہی نہیں فرمایا اور آپ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان کی موافقت کو لازم جانتے ہیں پھر آپ کے اس طرح کلام کرنے کی وجہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ روح کی حقیقت جاننے والے عالم بہت کم ہیں انہوں نے کمالات روح کے کشف کے متعلق مفصل کچھ نہیں لکھا بلکہ مجمل طور پر لکھنے پر اس واسطے اکتفا کی ہے کہ عوام الناس چونکہ اس کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ایسا نہ ہو کہ الٹا گمراہی میں پڑ جائیں بیشک کمالات روحی کمالات وجوبیہ کی شبیہ اور صورت ہیں ان میں ایک باریک فرق ہے جسے صرف علمائے راسخ ہی جانتے ہیں اس لیے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس کی حقیقت کو مجمل بیان کیا جائے یا بالکل نہ بیان کیا جائے لیکن وہ روح کے مذکورہ بالا کمالات کے منکر نہیں میں نے جو روح کے بعض خواص منکشف کیے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور جناب سرور کائنات ﷺ کے صدقے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے اب غور و فکر کرو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے بڑے فوائد پہنچے ہیں چنانچہ جسم ہی کی حرکت سے اسے سننے دیکھنے بات کرنے مجسم ہونے مختلف افعال کرنے اور عالم اجتہاد سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوئی جب نفس مطمئنہ

روحانیوں سے مل جاتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو عقل اس کے بجائے اس کا خلیفہ بن کر عالم اجتہاد میں بیٹھتی ہے اور اس کا نام عقل معاد ہو جاتا ہے اس وقت اس کی تمام سوچ بچار صرف آخرت کے لیے محدود ہو جاتی ہے دنیاوی زندگی کے اسباب کی طرف سے فارغ ہو جاتی ہے اور جو نورا سے عطا ہوا ہے اس کے سبب فراست کے لائق ہو جاتی ہے یہ مرتبہ کمالات عقل کا انتہائی مرتبہ ہے ناقص یہاں پر یہ اعتراض نہ کرے کہ کمالات عقل کا انتہائی مرتبہ نسیان معاش و معاد میں متحقق ہونا چاہئے کیونکہ شروع میں اسے سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کے اور کسی کا خیال و اندیشہ نہیں ہوتا کیا دنیا کیا آخرت دونوں کی طرف سے فارغ ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسیان و فراموشی اسے اثنائے راہ میں مرتبہ فنا فے اللہ پر پہنچ کر حاصل ہوئی اور یہ کمال اس سے بدرجہا متجاوز ہے یہاں حصول جہلی کے بعد رجوع علم تحقیق جمع کے بعد فرق کا لوٹ آنا اور مرتبہ جمع کے کفر طریقت کے بعد اسلام حقیقی حاصل ہوتا ہے کہ تہ اندیش اور احمق فلسفیوں نے عقل کے چار مراتب ثابت کر کے انہیں پر اس کے کمالات کا انحصار رکھا ہے یہ ان کی کمال نادانی ہے عقل کی حقیقت اور اس کے کمالات کا اندازہ عقل و وہم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس مطلب کے لیے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے جو انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہوں اگر یہ پوچھیں کہ مشائخ نے جو عقل کو روح کا ترجمان لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علوم و معارف جو روحانی تلقی کے باعث مبداء فیاض سے حاصل ہوتے ہیں انہیں قلب جو کہ عالم ارواح سے ہے اخذ کرتا ہے ان کا ترجمان عقل ہے کہ ان کو چھانٹ کر عالم خلق کے گرفتاروں کی سمجھ کے لائق بناتا ہے کیونکہ اگر وہ ترجمانی نہ کرے تو ان کا سمجھنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہے چونکہ دل گوشت کا لوتھڑا قلبی حقیقت جامعہ کا خلیفہ ہے اس واسطے وہ اصل کی طرح ہو گیا ہے اس کی تلقی بھی روحانی تلقی ہو گئی ہے اس واسطے اسے ترجمان کی ضرورت ہوئی ہے واضح رہے کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفس مطمئنہ کی ہم سائیگی کے شوق کا باعث ہوتا ہے یہاں تک کہ نفس مطمئنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے اور جسم کو خالی چھوڑتا ہے اس وقت تعلق تذکر و تعقل بھی قلبی ٹکڑے میں قرار پکڑتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ" صاحب قلب کے لیے اس میں ذکر ہے وہی قلب خود آپ ہی اپنا ترجمان ہو جاتا ہے اس وقت عارف کو قالب سے پالا پڑتا ہے ناری جزو جس کے وجود سے "انا خیر

منہ" میں اس سے اچھا ہوں کی آواز نکلتی تھی فرمانبردار ہونے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے تب ابلیسی جامہ اس سے اتار کر نفس مطمئنہ کے اصلی مقام میں پہنچاتے ہیں اور اس کا نائب مناب بنا دیتے ہیں پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور نفس مطمئنہ کا نائب مناب جزو ناری ہے۔
مصرعہ: زرشد مس وجود من از کیمیائے عشق جزو ہوائی رو سے مناسبت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ سالک جب مقام ہوا تک عروج کر جاتا ہے تو اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان جاننے لگتا ہے اور اسی میں گرفتار رہتا ہے چنانچہ مقام روح میں بھی یہی شہود ہاتھ آتا ہے اور اس میں گرفتار رہتا ہے۔ ایک شیخ نے فرمایا ہے کہ میں تیس سال روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا لیکن جب اس مقام سے مجھے عبور حاصل ہوا تو حق و باطل میں تمیز ہوگئی یہ جزو ہوائی مقام روحی کی مناسبت کے سبب اس قالب میں روح کا قائم مقام ہوتا ہے اور بعض امور میں روحی ہی کا کام دیتا ہے۔
جزو آبی حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے اسی واسطے اس کا فیض تمام اشیاء کو پہنچتا ہے۔
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" ہم نے پانی سے تمام چیزوں کو زندہ کیا ہے اس کی بازگشت بھی یہی قلبی گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جزو خاکی جو اس قالب کا جزو اعظم ہے اپنی ذات صفات آلودگی کمینگی اور خست سے پاک ہو کر اس غالب میں قالب و حاکم بن جاتا ہے۔ قالب میں ہر طرح کا حکم اسی کو حاصل ہوتا ہے اور اسی کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ یہ بات اسے خاک کی جامعیت تامہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ تمام اجزائے قالب درحقیقت اسی کے اجزاء ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرہ زمین تمام عناصر افلاک کا مرکز ہے اور کرہ زمین کا مرکز تمام جہان کا مرکز ہے اس وقت قالب کا معاملہ بھی انجام تک پہنچ جاتا ہے اور عروج و نزول کا انتہائی درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اعلیٰ درجہ کی تکمیل نصیب ہو جاتی ہے یہ ہے وہ نہایت جو بدایت کی طرف رجوع رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ روح معہ اپنے توابع و مراتب گو بطریق عروج اپنی جائے قرار پہنچ چکی ہو لیکن چونکہ ابھی اسے قالب کی تربیت کرنا ہوتی ہے اس واسطے اس جہان کی طرف اس کے لیے متوجہ ہونا ضروری تھا۔ سو جب قالب کا معاملہ انجام تک پہنچ جاتا ہے تو روح معہ سر، خفی، اخفی، قلب نفس اور عقل جناب باری کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس قلب سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے۔ اس وقت قالب بھی ہمہ تن مقام عبودیت کی طرف متوجہ ہو جاتا

ہے پس روح معہ اپنے مراتب کے شہود و حضور کے مقام میں جگہ پکڑتی ہے اور غیر حق کی دید و دانش سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے اور قالب سر بسر مقام طاعت و بندگی میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو ''فرق بعد الجمع'' وصال کے بعد جدائی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی لذت کی توفیق عنایت کرتا ہے مجھے اس مقام میں خاص قدم حاصل ہے اور اس خاص قدم سے مراد روح کا مع اپنے مراتب کے عالم خلق کی طرف لوٹنا ہے تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف بلائے اس وقت روح بمنزلہ قالب ہوتی ہے اور اس کی تابع ہوتی ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اگر قالب حاضر ہے تو روح بھی حاضر ہے اگر قالب غافل ہے تو روح بھی غافل ہے مگر نماز کے وقت خواہ قالب غافل ہی ہو روح مع اپنے مراتب بارگاہ قدس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس واسطے نماز مومن کی معراج ہے۔ واضح رہے کہ یہ رجوع واصل جو بالتمام واقع ہوتا ہے دعوت کا سب سے کامل مقام ہے۔ یہ غفلت جمع کثیر کے حضور کا سبب ہے۔ غافلوں کو اس غفلت کی خبر نہیں اور حاضروں کو اس رجعت کا علم نہیں۔ یہ مقام بظاہر برا لیکن بباطن اچھا ہے۔ ہر ایک کوتہ اندیش اسے نہیں سمجھ سکتا اگر میں اس غفلت کے کمالات بیان کروں تو کوئی شخص بھی حضور کی آرزو نہ کرے۔ یہ غفلت ہے جس نے خواص بشر کو خواص ملک پر فضیلت دی۔ یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب جناب سرور کائنات ﷺ رحمت عالمیان بنے یہ وہ غفلت ہے جو ولایت سے نبوت تک پہنچاتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو نبوت سے رسالت تک لے جاتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو اولیائے عشرت کو اولیائے عزلت پر زیادتی بخشتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدیق اکبر پر سبقت دیتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو ہوش کو مستی پر ترجیح دیتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو نبوی کو ولایت سے افضل بناتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب قطب ارشاد قطب ابدال سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس کی آرزو صدیق اکبر کیا کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں یَا لَیْتَنِیْ صَحْوُ مُحَمَّدٍ کاش محمد کی سی ہوش مجھے نصیب ہوتی۔ یہ وہ غفلت ہے کہ حضور اس کا ایک ادنیٰ خادم ہے یہ وہ غفلت ہے کہ وصول اس کے حصول کا پیش خیمہ ہے یہ وہ غفلت ہے کہ بظاہر تنزل ہے لیکن حقیقت میں عروج ہے یہ وہ غفلت ہے جس سے خواص پر عوام کا شبہ پڑتا ہے اور ان کے کمالات کے قبوں میں پھرتی ہے۔ ع۔ اگر بگویم شرح این بیحد شود۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے اور سمندر میں سے قطرہ کے مطابق لکھا گیا

ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوٰاتِ وَ التَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا.

منہیا: حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں تجلی ذاتی سے ممتاز ہیں اور اس دولت سے جو تمام کمالات سے بڑھ کر ہے مخصوص ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے کامل تابعین کو بھی اس خاص مقام سے مفاد حاصل ہوتا ہے لیکن یادرکھنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت محمدی کے کامل باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں یہ اہل سنت و جماعت کے اعتقاد کے سراسر خلاف ہے یہ فضیلت جزئی نہیں کہ اس سے شبہ رفع ہو سکے بلکہ کلی ہے کیونکہ مردان خدا کو بسبب قرب الٰہی فضیلت حاصل ہوتی ہے اور جو فضیلت سے کم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنے سے کہ اس امت کے کامل آدمیوں کو اس فضیلت سے نصیبہ حاصل ہے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس مقام کے واصل ہیں کیونکہ نصیبہ حاصل ہونے اور واصل ہونے میں بڑا فرق ہے فضیلت واصل ہونے پر حاصل ہوتی ہے اس امت کے کاملوں کا انتہائی عروج اقدام انبیاء علیہم السلام کے نیچے تک ہے چنانچہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو انبیاء کے بعد تمام بنی نوع انسان سے افضل ہیں کا انتہائی عروج قدم نبی کے تلے تک ہے جو تمام انبیاء سے ادنیٰ ہے۔ آمدم برسر مطلب اس امت کے کامل تابعین کو مقام تحت میں پیغمبروں کے مخصوصہ مقام فوق الفوق کے کمالات سے نصیبہ حاصل ہوتا ہے۔ خادم خواہ کہیں ہوا سے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ رہتا ہے۔ دور کا خادم مخدوم کے طفیل سے وہ چیز حاصل کرسکتا ہے جو خدمت کی دولت کے بغیر نزدیکوں کو بھی ہاتھ نہیں آئی۔

درقافلہ کہ اوست دانم نرسم	ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

واضح رہے کہ کبھی مریدوں کو اپنے پیروں کے حق میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے چنانچہ جب وہ پیروں کے مقامات حاصل کر لیتے ہیں تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم اور ہمارے پیر برابر ہیں لیکن معاملہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے برابری اسی واسطے ہوئی جب اس مقامات پر پہنچ جائیں نہ کہ حاصل ہو جائیں کیونکہ حصول طفیلی ہے اس سے یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ مرید اپنے پیر کے مساوی نہیں ہوتا ایسا نہیں ہوتا بلکہ مساوی ہونا جائز ہے اور ایسا ہوا ہے لیکن کسی خاص مقام کے حصول اور اس کے وصول میں بڑا باریک فرق ہے ہر مرید کو یہ

دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اس فرق کو معلوم کرنے کے لیے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ بِالصَّوَابِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

منہا: ایک درویش نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے کہ سالک طریقت پر ایسی حالت بھی آتی ہے کہ عرصہ نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے کہ بعدازاں پوشیدہ ہو جاتا ہے مدت بعد پھر وہی حالت ظاہر ہوتی ہے پھر عرصے بعد پوشیدہ ہو جاتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا رہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی میں سات لطیفے ہیں ہر ایک لطیفے کی مدت سلطنت جدا جدا ہے۔ پس اگر کوئی قوی حالت ان میں سے نہایت لطیف پر نزول فرمائے تو سالک کی کلیت اس لطیفے کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور وہ حال تمام لطائف میں سرایت کر جاتا ہے اور جتنی اس لطیفے کی مدت سلطنت مقرر ہوتی ہے اتنا عرصہ وہ حالت قائم رہتی ہے جب وہ عرصہ گزر جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے مدت بعد اگر پھر وہی حالت طاری ہو جائے تو دو حال سے خالی نہیں یا پھر اسی پہلے لطیفے پر لوٹ آتا ہے اس وقت راہ ترقی سالک کے لیے مسدود ہو جاتی ہے یا دوسرے لطیفے پر وارد ہو رہے۔ اس صورت میں ترقی کی راہ کھل جاتی ہے اور دوسرے لطیفے میں بھی پہلے لطیفے کی سی حالت طاری ہوتی ہے پھر اس حالت کے زائل ہونے کے بعد اگر وہی حالت طاری ہو تو مذکورہ بالا دو حالتوں سے خالی نہیں اسی طرح سارے لطائف میں یہ حالت ہوتی ہے پس اگر وہ وارد تمام لطائف میں بطریق اصالت سرایت کرے تو ایک مقام سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور زوال سے محفوظ رہتا ہے اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْھَرِ۔

منہا: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہارا رزق مقرر کیا اس میں سے پاکیزہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ۔ اگر تم اسی کی پرستش کرتے ہو ممکن ہے کہ یہ کھانے کے حکم کی قید من طیبات مارزقنا کم یعنی لذیز چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہارے لیے بطور رزق مقرر کی ہیں۔ بشرطیکہ تم بذریعہ عبادت اسے مخصوص اور درست کرلو اگر تم اسے درست نہ کرو بلکہ لہو و لعب میں مشغول ہو تو ملذذ اشیاء کا استعمال نہ کرو کیونکہ تم مرض باطنی میں مبتلا ہو اور ملذذ اشیاء تمہارے لیے زہر قاتل ہیں جب تم سے باطنی مرض زائل ہو جائے تو پھر تمہارے لیے ملذذ

اشیاء کا استعمال درست ہو سکتا ہے۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ طلب شکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے طیبات سے مراد لذیز اشیاء ہیں۔

منہیا: بعض مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَا يَضُرُّهٗ ذَنْبٌ "جو شخص اللہ تعالٰی کو پہنچا لیتا ہے اسے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی وہ گناہ جو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے سرزد ہوئے تھے کیونکہ اسلام تمام ان باتوں کو قطع کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ظہور میں آئی ہوں۔ اسلام کی حقیقت سے مراد صوفیاء کے طریقے کے موافق فنا و بقا حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالٰی کی شناخت کا حاصل ہونا ہے سو ایسی خدا شناسی ان تمام گناہوں کو جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہیں، زائل کر دیتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہوں جو اس معرفت کے بعد سرزد ہوئے ہوں اور ان سے مراد گناہ صغیرہ ہوں کیونکہ اولیاء اللہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ صغیرہ گناہ اس واسطے نقصان نہیں دے سکتے کہ انہیں چھپایا اور جس وقت کوئی صغیرہ ظہور میں آتا ہے اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کا تدارک کیا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ خدا شناسی کے بعد اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا کیونکہ جب گناہ صادر ہی نہ ہوگا تو نقصان کیونکر پہنچا سکے گا۔ یوں سمجھو کہ لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لیا ہے ملحدوں نے اس عبارت کے جو یہ معنی نکالے ہیں کہ عارف کے لیے گناہوں کا ارتکاب وسیع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ محض باطل اور صریح بے دینی ہے۔ یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں۔ سنو شیطانی گروہ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں اے پروردگار ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو معرفت عنایت فرما اور اپنی طرف سے رحمت عطا کر واقعی تو بہت بخشنے والا ہے " صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ " وسیع مغفرت والے سخی اللہ تعالٰی سے ہم امید کرتے ہیں کہ حقیقت اسلام سے واقف عارف کو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے کے گناہ نقصان و تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے خواہ وہ گناہ مظالم و حقوق عبادت کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالٰی مالک علی الاطلاق ہے اور بندوں کے دل اس کی دو انگلیوں کے مابین ہیں جس طرح چاہتا ہے انہیں الٹتا پلٹتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مطلق اسلام سے مظالم و حقوق العباد کے سوا باقی گناہ منقطع ہو جاتے ہیں کسی چیز کی حقیقت اور اس کی کمالیت کیلئے زیادتی ہوتی ہے نہ کہ اس کے مطلق کے لیے۔

منہیا: حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات سے موجود ہے نہ کہ وجود سے اس کے برخلاف تمام موجودات وجود سے موجود ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کے لیے وجود کا ہونا لازم نہیں۔ اگر حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی موجودیت کے لیے وجود کا محتاج ہوتا تو ہمیں وجود کی عینیت کا قائل ہونا پڑتا اور اس کے ثبوت کے لیے بڑی لمبی چوڑی دلیلیں دینی پڑتیں اور ایسا کرنے میں ہم جمہور اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرتے کیونکہ یہ بزرگ عینیت وجود کے قائل نہیں بلکہ وجود کو زائد خیال کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ وجود کی زیادتی سے واجب الوجود کو غیر احتیاج لازم آتی ہے اگر زائد وجود سے واجب تعالیٰ کو موجود کہیں اور خواہ بذات خود موجود کہیں اور اس وجود کو عرض عام فرض کریں تو بھی اہل حق جمہور متکلمین کی بات درست ہوتی ہے اور احتیاج کا اعتراض جو مخالف لوگ کرتے ہیں بالکل دور ہو جاتا ہے۔ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات سے موجود رکھنے اور اس میں وجود کو بالکل دخل نہ دینے میں اور اس وجود کو عین ذات ثابت کرنے میں بڑا واضح فرق ہے یہ معرفت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا۔ اس بات کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ۔

منہیا: حضرت واجب الوجود کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی ذات سے موجود ہے اور اس موجودیت میں وجود کا مطلق محتاج نہیں خواہ وجود کو عین ذات فرض کریں۔ خواہ ذات پر زائد برابر ہے۔ دونوں طرح ہی عینیت اور زیادتی خطرناک لازم آتی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یونہی جاری ہے کہ جو چیز مرتبہ وجوب میں ہے اس کا نمونہ ہر مرتبہ امکان میں ظاہر کرتا ہے۔ خواہ وہ کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو اسی طرح کا اس خاصہ کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو بنایا ہے کیونکہ وجود گو موجود نہیں لیکن تاہم معقولات ثانویہ سے ضرور ہے لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کر بھی لیں تو بھی وہ اپنی ذات سے موجود ہوگا نہ کہ کسی اور وجود سے جیسا کہ عام طور پر مخلوق ہے یعنی عام مخلوق موجودیت کیلئے سے وجود کی محتاج ہے کیونکہ مخلوق کی موجودیت کیلئے اس کی ذات ہی کافی نہیں بلکہ وجود کی ضرورت پڑتی ہے پس جبکہ ایسا وجود جسے چیزوں کی موجودیت میں مدخل بنایا ہے اگر وہ موجود ہوگا تو اپنی ذات سے موجود ہوگا اور کسی اور وجود کا محتاج نہ ہوگا تو کیا تعجب ہے کہ موجودات کا خالق مستقل طور پر اپنی ذات سے موجود ہو اور وجود کا بالکل محتاج نہ ہو دور افتادوں کا اس بات کو بعید از عقل خیال کرنا خارج از بحث ہے سو اللہ

تعالیٰ ملہم بالصواب ہے اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابوالحسن اشعری کے پیروکار اور بعض صوفی ذات الٰہی کے لیے عینیت وجود کے قائل نہیں ان کی مراد بھی وہی ہے جو آپ نے بیان فرمائی ہے کہ واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود سے تو اس کا جواب میں دوں گا۔ کہ اس لحاظ سے تو وہ اہلسنت سے متفق الرائے ہیں کیونکہ اگر مخالف ہوتے تو اہل حق یہ کہتے کہ حق تعالیٰ وجود سے موجود ہے نہ کہ ذات سے اس پہلو سے تو زیادتی وجود کا اثبات زائد ہے پس زیادتی وجود کا اثبات اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں فریق نفس وجود کے بارے میں مختلف الرائے ہیں مگر ان کا اختلاف رائے ہے تو حق تعالیٰ کے وصف کے بارے میں ہے جو عینیت و زیادتی ہے یعنی دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ وجود سے موجود ہے ۔صرف اختلاف ہے تو عینیت و زیادتی کا ہے اگر یہ نہیں کہ جب واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے پھر واجب تعالیٰ کو موجود کہنے کے کیا معنیٰ؟ موجود اسی کو کہتے ہیں جس کا کوئی وجود نہیں اور یہاں وجود کا ذکر تک نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی وہ وجود جس سے ذات حق موجود ہو واجب تعالیٰ میں مفقود ہے لیکن جو وجود بطور عرض عام ذات حق کے لیے کہا جاتا ہے اور بطریق اشتقاق گمان کیا جاتا ہے اگر اس کے قیام کے لحاظ سے واجب الوجود کو موجود کہیں تو اس میں گنجائش ہے اور اس سے کسی قسم کا استحالہ لازم نہیں آتا۔ والسلام۔

منہیا: میں ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتا جو شہود کے احاطہ میں آجائے دکھائی دے معلوم ہو جائے اور وہم و خیال میں سما سکے۔ کیونکہ ظاہر ہونے والا دکھائی دینے والا معلوم ہو جانے والا۔ وہم و قیاس اور خیال میں آنے والا شاہد دیکھنے والا عالم۔ وہم و خیال کرنے والے کی طرح مخلوق و محدث ہوتا ہے۔ مصرعہ آں لقمہ کہ در دہاں نگنجد طلم سیر و سلوک کی اصلی غرض پر دونکا پورا آنا ہے خواہ وہ حجاب وجوبی ہوں یا امکانی حتیٰ کہ بلا پردہ وصل میسر ہو جائے نہ یہ کہ مطلوب کو قید میں لا کر شکار کریں۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں | کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

باقی رہا کہ آخرت میں دیدار حق ہوگا سو اس پر ہمارا ایمان ہے لیکن ہم اس کی کیفیت اس واسطے بیان نہیں کرتے کہ عوام الناس اسے نہیں سمجھ سکتے خواص اسے سمجھ سکتے ہیں کیونکہ انہیں دیدار الٰہی دنیا میں بھی نصیب ہوتا ہے گو اسے دیدار نہ ہی کہا جائے۔ والسلام علی من تبع الھدیٰ

منہیا: جو چیز دید و دانش میں آسکتی ہے وہ تقیید اور اطلاق کے معیار سے گری ہوئی ہے لیکن مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ مبرا ہو بس اسے دید و دانش کے علاوہ ڈھونڈ نا چاہئے یہ معاملہ نظر عقل کے طور سے پرے ہے کیونکہ عقل دید و دانش کے پرے ڈھونڈ نا محال جانتی ہے۔

کیں حال نیست صوفیئے عالی مقام را　　راز دردن پردہ زرندان مست پرس

منہیا: مطلق اپنے اطلاق کے معیار پر ہے کسی قسم کی قید کا اس میں دخل نہیں لیکن چونکہ مقید کے آئینے میں ظاہر ہوتا ہے اس واسطے اس کا عکس اس آئینے کے موافق رنگا جاتا ہے اور مقید و محدود دکھائی دیتا ہے۔ اس واسطے وہ دید و دانش میں آتا ہے اگر ہم دید و دانش پر اکتفا کریں تو گویا ہم اس مطلوب کے ایک عکس پر اکتفا کرتے ہیں۔ بلند اشخاص اخروٹ و منقے سے سیر نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ عالی ہمت آدمیوں سے پیار کرتا ہے۔ اے پروردگار! ہمیں بھی جناب سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے صدقے عالی ہمت بنا۔

منہیا: شروع حال میں ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ اس طواف میں شریک ہیں لیکن وہ اس قدر سست رو ہیں کہ جتنے عرصہ میں، میں ایک دفعہ طواف کرتا ہوں وہ صرف دو تین قدم اٹھاتے ہیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ یہ مکان فوق العرش ہے اور باقی کے طواف کرنے والے ملائکہ کرام ہیں صلی اللہ علی نبینا وعلیہم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے واقعی اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

منہیا: اولیاء اللہ کے حجاب و پردے ان کی بشری صفات ہیں جن چیزوں کی باقی تمام لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے ان بزرگوں کو بھی ہوتی ہے۔ ان کا ولی ہونا انہیں احتیاج سے بری نہیں کر سکتا۔ ان کی ناراضگی بھی عام آدمیوں کی ناراضگی کی طرح ہوتی ہے اور تو اور خود جناب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ میں بھی عام انسانوں کی طرح ناراض ہوتا ہوں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت ہے تو اولیاء اللہ کیونکر اس سے بری ہو سکتے ہیں کھانے پینے اور اہل وعیال سے زندگی بسر کرنے اور ان سے انس کرنے میں اولیاء اللہ اور باقی آدمی شریک ہیں۔ مختلف تعلقات جو لازمہ بشریت ہیں خواص وعوام سے زائل نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات

کے حق میں فرمایا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ہم نے ان کے جسم میں بھی کھانا کھانے والے بنائے ہیں۔ ظاہر میں کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے پس جس کی نگاہ اولیاء اللہ کے صرف ظاہر پر پڑتی ہے وہ نعمت الٰہی سے محروم رہتا ہے اور دنیا و آخرت کا نقصان اٹھاتا ہے۔ اسی ظاہر بینی نے ابو جہل اور ابولہب کو دولت اسلام سے محروم رکھا اور ابدی نقصان میں ڈالا باسعادت وہی شخص ہے جو اہل رتبہ کے ظاہر کا چنداں خیال نہیں کرتا بلکہ اس کی نظر کی تیزی ان بزرگوں کے باطنی اوصاف تک پہنچتی ہے اور صرف ان کے باطن ہی کو دیکھتا ہے۔ اولیاء اللہ دریائے نیل کی طرح ہیں کہ محجوبوں کے لیے بلا اور محبوبوں کے لیے پانی ہیں۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس قدر صفات بشریت کا ظہور اہل اللہ میں ہوتا ہے باقی آدمیوں میں نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہموار اور مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ تھوڑی بھی ہو تو بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور ناہموار اور غیر مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ زیادہ ہی ہو کم دکھائی دیتی ہے۔ صفات بشریت کی تاریکی عوام الناس کے قلب و قالب اور روح و نفس میں سرایت کرتی ہے لیکن خواص میں صرف قالب اور نفس تک محدود رہتی ہے اور خواص الخاص میں نفس بھی اس تاریکی سے بری ہوتا ہے صرف قالب تک محدود رہتی ہے نیز یہ تاریکی عوام الناس کے لیے باعث نقصان و خسارہ ہے خواص میں موجب کمال و تروتازگی خواص ہی کی تاریکی عوام الناس کی تاریکیوں کو زائل کرتی ہے ان کے دلوں کو صاف اور ان کے نفوس کو پاک کرتی ہے اگر یہ تاریکی نہ ہوتی تو خواص کو عوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کی راہ بند ہو جاتی۔ یہ تاریکی خواص میں اتنا عرصہ نہیں رہتی کہ انہیں میلا کر دے بلکہ اس کے بعد جو ندامت و استغفار ہاتھ آتی ہے وہ کئی کدورتوں اور تاریکیوں کو زائل کرتی ہے اور ترقی دیتی ہے یہی تاریکی ہے جو فرشتوں میں نہ ہونے کے باعث وہ ترقی نہیں کر سکتے اس تاریکی پر لفظ تاریکی کا اطلاق ایسا ہے کہ بظاہر باعث مذمت ہے لیکن بحقیقت موجب مدح ہے عوام الناس جو ڈھور ڈنگروں کی طرح ہیں۔ وہ اہل اللہ کی صفات بشری کو اپنی صفات بشریت کی طرح خیال کرتے ہیں اس واسطے محروم و خوار رہتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہ غائب کو باطل موجود پر قیاس کرتے ہیں لیکن یاد رکھو ہر مقام کی خصوصیتیں علیحدہ ہوتی ہیں اور محل کے لوازمات جدا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

وَالْتَزِمْ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ .

منہیا: جب تک انسان علم و دانش میں گرفتار ہے اور ماسوا اللہ کے نقوش سے منقش ہے تب تک خوار و بے اعتبار ہے۔ ماسوا اللہ کو بھلا دینا راہ سلوک کی شرط ہے اور ماعدا کا فنا کر دینا قدم پیش گاہ ہے جب تک باطنی آئینہ امکان کے زنگار سے صاف نہ ہو جائے حضرت وجوب کا ظہور محال ہے کیونکہ علوم امکانی اور معارف وجوبی کا جمع ہونا گویا جمع اضداد ہے۔ یہاں پر ایک زبردست سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب عارف کو بقا سے مشرف کر کے ناقصوں کی تعلیم کے لیے واپس لوٹاتے ہیں تو جو علوم زائل ہو گئے تھے وہ پھر عود کر آتے ہیں تو اس صورت میں علوم امکانی اور معارف وجوبی باہم جمع ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ ضدیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ عارف باقی باللہ اس وقت برزخ ہوتا ہے۔ گویا وجوب اور امکان کے مابین وسیلہ ہے اور دونوں مقام کے رنگ سے رنگا ہوا ہوتا ہے گو ایسی صورت میں اگر دونوں مقاموں کے علوم و معارف جمع ہو جائیں تو کوئی مشکل نہیں کیونکہ ضدین کے اجتماع کا مقام ایک نہیں رہتا بلکہ کئی مقام ہو جاتے ہیں۔ سو دونوں جمع نہیں کہلا سکتے۔

منہیا: چیزوں کے علوم جو مرتبہ فنا میں زائل ہو گئے تھے بقا کے بعد اگر پھر لوٹ آئیں تو اس سے عارف کے کمال میں نقص لازم نہیں آتا بلکہ ان کا لوٹ آنا کمال پر دلالت کرتا ہے بلکہ اس کا کمال اسی لوٹ آنے پر وابستہ ہے کیونکہ عارف بقا کے بعد اخلاق الٰہی سے متخلق ہو جاتا ہے واجب تعالیٰ میں اشیاء کا علم عین کمال ہے اور اس کی ضد موجب نقصان ہے سو یہی حال عارف کا ہے جو متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ معلوم کی صورت کا حصول عالم پر اثر کرتا ہے جس قدر علم زیادہ ہوگا اسی قدر عالم میں تاثر بھی زیادہ ہوگا اور اس میں تغیر و تلون بھی زیادہ وسیع و بسیط ہوگا۔ یہ واقعی نقص ہے واسطے طالب کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام علوم کی نفی کرے اور تمام چیزوں کو فراموش کر دے لیکن واجب تعالیٰ کے علم کی یہ کیفیت نہیں کیونکہ ذات الٰہی اس بات سے منزہ ہے کہ اس میں اشیائے معلومہ کی صورتیں حلول کریں بلکہ ان سے علم کا تعلق ہوتے ہی تمام اس پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ پس وہ ذات پاک ہے جو حدوث مخلوق سے بلحاظ ذات صفات اور افعال بالکل نہیں بدلتا جو عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ اس کا علم بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اس میں بھی اشیاء کے معلومات کی صورتیں حلول نہیں

کر سکتیں۔ نہ اس کے حق میں تاثر ہوتا ہے نہ تغیر و تبدل اور نہ ہی یہ بات اس کے لیے نقصان کا باعث ہوتی ہے بلکہ موجب کمال ہوتا ہے۔ یہ اسرار الٰہی میں سے ایک پوشیدہ راز ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اسے وہ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت سے اس سے مخصوص کرتا ہے۔

منہا: جب میں اپنے پیر کے وسیلے سے راہ حق کی طرف متوجہ ہوا تو بارہویں سال مجھے مقام رضا سے مشرف فرمایا گیا پہلے نفس کو اطمینان عنایت فرمایا۔ بعد ازاں بتدریج فضل الٰہی سے یہ سعادت (مقام رضا) نصیب کی اور اس دولت سے اس وقت تک مشرف نہ ہوا جب تک رضائے الٰہی حاصل نہ ہوئی۔ پس نفس مطمئنہ اپنے مولیٰ سے راضی ہوا اور اس کا مولا اس سے راضی ہوا۔ اس بات کے لیے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے مبارک مبارک والصلوٰۃ والسلام علے رسول محمد وآلہ اگر یہ کہیں کہ جب نفس اپنے مولیٰ سے راضی ہوگیا تو پھر دعا اور دفع بلا کی طلب کا کیا مطلب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مولیٰ کے راضی ہونے سے اس کی مخلوق کی رضا لازم نہیں آتی بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مخلوقسے رضا بصورت کفر و معاصی بری ہوتی ہے۔ پس خلق قبیح سے راضی ہونا لازم اور نفس قبیح سے کراہت کرنا واجب ہے جب مولیٰ نفس قبیح سے راضی نہیں ہوسکتا بلکہ بندہ اس صورت میں شدت و غلظت کے لیے مامور ہے۔ پس مخلوق سے کراہت کرنا اس کے خلق کی رضا کا منافی نہیں ہوسکتا اسی واسطے دفع بلا کا طلب ضروری ہے جن لوگوں نے رضا حاصل ہو جانے کے بعد وجود کراہت میں مفعول سے کراہت اور فعل سے راضی ہونے میں فرق نہیں کیا وہ شبہ میں رہے ہیں اسی شبہ کو دور کرنے کے لیے انہوں نے طرح طرح کے تکلفات سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ وجود کراہت حال رضا کا منافی ہے نہ مقام رضا کا سو حال اور مقام میں بڑا فرق ہے حق بات وہی ہے جو میں نے بذریعہ الہام الٰہی تحقیق کر دی ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

منہا: مدت تک میری یہ آرزو رہی کہ حنفی مذہب میں کوئی معقول وجہ ہوتا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے کیونکہ جب نماز میں قرآن شریف کا پڑھنا فرض ہے تو حقیقی قرات سے اعراض کرکے حکمی قرات قرار دینا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ حدیث نبوی میں بھی ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام "لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ" الحمد کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن

بپاس مذہب مجبوراً ترک کرتا رہا اور اس ترک کو ریاض و مجاہدہ خیال کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مذہب کے پاس کی برکت سے اس بات کی حقیقت مجھ پر ظاہر کر دی کہ مذہت حنفی میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کیوں نہیں پڑھنی چاہیئے نیز مجھے قرات حقیقی سے قرات حکمی زیادہ اہم معلوم ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں جیسا کہ ''لِاَنَّ الْمُصَلِّیَ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ'' نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے سے ظاہر ہے امام کو اس کام میں پیشوا بناتے ہیں۔ پس جو کچھ امام پڑھتا ہے گویا وہ مقتدیوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کچھ لوگ کسی عظیم الشان بادشاہ کی خدمت میں کسی ضرورت کے لیے حاضر ہوں اور ایک کو اپنا پیشوا بنائیں تاکہ سب کی طرف سے وہ بادشاہ کی خدمت میں صورت حال عرض کرے اس صورت میں اگر دوسرے بھی پیشوا کے ساتھ ہی بولنے لگ جائیں تو سخت بے ادبی ہے اور بادشہ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ پس ان لوگوں کی حکمی بات چیت پیشوا کی زبانی عرض کرنا حقیقی بات چیت سے بہتر ہے بعینہ یہی حال ہے۔ امام اور مقتدیوں کا کہ امام کی قرات کے وقت مقتدیوں کا پڑھنا شور و فساد میں داخل اور دوراز ادب ہے اور جدائی کا موجب ہے جو اجتماع کے منافی ہے اکثر مسائل حنفی و شافعی جن میں اختلاف ہے اس قسم کے ہیں کہ ظاہر میں شافعی پہلو کو ترجیح ہوتی ہے لیکن باطن و حقیقت میں حنفی پہلو زبردست ہوتا ہے۔ مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کلام حق میں جہاں جہاں فریقین کا اختلاف ہے اس میں حنفی حق بجانب ہیں کہ تکوین ایک علیحدہ صفت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ فقہی خلافیات میں اکثر مسائل میں یقیناً حنفی حق بجانب ہی بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں فریق ثانی کو ترجیح حاصل ہے۔ مجھے توسط حال ایک رات جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو اس وقت سے لے کر مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے اکثر مسائل خلافیہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کا خلاف ہے شروع مسئلہ میں اشاعرہ حق بجانب معلوم ہوتے ہیں لیکن جب نور فراست سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ماتریدیہ حق بجانب ہیں۔ علم کلام کے متعلق تمام مسائل خلافیہ ہیں۔ میری رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے واقعی ان بزرگوں کی شان بہ سبب پیروی سنت نبوی عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ نہایت عظیم ہے ان کے مخالفوں کو فلسفی مسائل میں مشغول ہونے

کے سبب وہ شان حاصل نہیں گو دونوں فریق اہل حق ہیں۔ دیکھو ان بزرگوں میں سے سب سے بزرگ اور سب سے بڑے پیشوا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت کیا شافعیؒ کیا مالک اور کیا احمد بن حنبلؒ سبھی اعلیٰ رائے رکھتے ہیں چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عَيَالُ اَبِي حَنِيْفَةَ ''تمام فقیہ ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔'' منقول ہے کہ جب امام شافعی امام اعظم کی قبر کی زیارت کرنے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور ان کے مذہب پر عمل کرتے اور فرماتے مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے حضور میں اپنے لیے ایسا عمل کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو چنانچہ آپ نہ ہی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتے اور نہ ہی فجر کے وقت قنوت۔ واقعی امام ابوحنیفہؒ کی شان کو امام شافعیؒ ہی اچھی طرح جانتے ہیں آخری زمانے میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو مذہب حنفی کے مطابق عمل کریں گے چنانچہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ فصول ستہ میں فرماتے ہیں اور یہی ان کی بزرگی کی کافی علامت ہے۔ کہ ایک پیغمبر اولوالعزم ان کے مذہب پر عمل کرے گا کسی اور کی سینکڑوں بزرگیاں بھی اس کی ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ ہمارے حضرت خواجہ صاحب (خواجہ باقی قدس سرہ) فرماتے تھے۔ کہ میں بھی کچھ عرصہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرتا تھا۔ آخر ایک رات خواب میں، میں نے امام اعظم کو دیکھا کہ اپنی مدح میں ایک نہایت اعلیٰ درجے کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں جس کے مضمون سے ظاہر ہوتا تھا کہ بہت سے اولیا میرے مذہب کے پابند ہوئے ہیں تب سے میں نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ترک کر دیا۔

منہیا: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقہ کی اجازت دے دیتا ہے اور جب اس کے مرید بہت ہو جاتے ہیں تو اس ناقص کے مرید اس کا کام مکمل کر دیتے ہیں چنانچہ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ نے مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمتہ کو درجہ کمال پر پہنچنے سے پیشتر تعلیم طریقہ کی اجازت عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ یعقوب جو کچھ مجھ سے تجھے ملا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دینا۔ مولانا یعقوب کا کام بعد ازاں خواجہ علاؤ الدین عطار قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں سرانجام ہوا۔ اسی واسطے مولانا عبدالرحمٰن جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ مولانا یعقوب پہلے خواجہ علاؤ الدین عطار کے مرید تھے بعد میں خواجہ نقشبند کے مرید ہوئے۔ اسی طرح جب کوئی کامل اپنے مرید کو جس نے ولایت کا ایک درجہ طے کر لیا ہو تعلیم طریقہ کی اجازت دے تو

وہ مرید ایک لحاظ سے کامل ہے اور ایک لحاظ سے ناقص ۔ یہی حال اس مرید کا ہے جس نے ولایت کے دو یا تین درجے طے کیے ہوں وہ ناقص بھی ہے اور کامل بھی کیونکہ جب تک آخری درجہ طے نہ کرلے وہ کامل بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی جب کامل اپنے مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کا مختار ہے تو یہ ضروری نہیں کہ مرید انتہائی درجہ طے کر چکا ہو۔ واضح رہے کہ گو نقص اجازت کا منافی ہے لیکن جب کوئی کامل و مکمل کسی ناقص کو اپنا نائب بناتا ہے اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ جانتا ہے تو نقص کا ضرر تجاوز نہیں کرسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

منہیا: یادداشت سے مراد دائمی حضور ذات حق ہے اور یہ بات کبھی ارباب قلوب کو بھی دل کی جمعیت کی وجہ سے خیال میں آجاتی ہے۔ اس واسطے کہ جو کچھ سارے انسان میں ہے وہ اکیلے دل میں ہے۔ گو ان میں مجمل و مفصل کا فرق ہے پس مرتبہ قلب میں بھی حضور ذات تعالیٰ و تقدس دائم طور پر حاصل ہوسکتا ہے لیکن یہ بات یادداشت کے طور پر ہے نہ کہ یادداشت حقیقت ہوسکتا ہے کہ بزرگوں نے جیسے ہدایت میں نہایت فرمایا ہے ۔ اس سے مراد یہی یادداشت ہو لیکن یادداشت کی حقیقت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہوسکے اگر ان کی مراد ذات حق کے مرتبہ وجوب سے ہو کیونکہ ذات اس مرتبہ میں صفات وجوبیہ کی جامع ہے تو پھر تمام مراتب امکانی طے کرنے کے بعد اس مرتبہ کے شہود میں پہنچتے ہی یادداشت حاصل ہوجاتی ہے۔ تجلیات صفائی میں بھی یہ بات حاصل ہوسکتی ہے کیونکہ اشارے میں صفات کا ملاحظہ حضور ذات حق کا منافی نہیں ہوتا اگر ان کی مراد حضرت ذات تعالیٰ سے مرتبہ احدیت مجردہ ہو جو اسماء و صفات اور نسبت و اعتبارات سے مبرا ہے تو پھر اسمائے صفاتی نسبتی اور اعتباری تمام مراتب طے کرنے کے بعد یادداشت حاصل ہوتی ہے۔ میں نے جہاں کہیں یادداشت کا بیان کیا ہے اس سے مراد آخری معنی لیے ہیں گو اس مرتبہ میں حضور کا اطلاق کچھ نامناسب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارباب یادداشت سے مخفی نہیں کیونکہ وہ غیبت و حضور سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ حضور کے اطلاق کے لیے کسی ایک صنعت کا ملاحظہ درکار ہے جو کچھ لفظ حضور کے مناسب ہے یادداشت کی تفسیر دوسرے معنوں میں ہے۔ اس لحاظ سے یادداشت کو نہایت کہنا باعتبار شہود و حضور ہے کہ اس مرتبہ کے آگے شہود و حضور کی گنجائش نہیں۔ وہاں یا حیرت ہے یا جہل یا معرفت لیکن وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت جانتے ہو کیونکہ جس کو تم معرفت خیال

کرتے ہو وہ افعالی و صفاتی معرفت ہے اور یہ مقام اسماء وصفات سے بدر جہا اوپر ہے۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْاَ طْھَرِ۔

منتہا: یہ راستہ طے کرتا اور نہایت النہایت پر پہنچنا دس مقامات مشہورہ کے طے کرنے سے وابستہ ہے جن میں سے پہلا توبہ ہے اور آخری رضا۔ مراتب کمال میں کوئی مرتبہ و مقام مقام رضا سے بڑھ کر نہیں حتیٰ کہ آخرت میں رویت الٰہی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مقام رضا کی اصلی حقیقت پورے طور پر آخرت میں ظاہر ہوگی۔ باقی مقامات آخرت میں سیر نہیں ہو سکتے توبہ کے وہاں کچھ معنی نہیں۔ زہد کی وہاں گنجائش نہیں توکل ہو ہی نہیں سکتا۔ صبر کا احتمال نہیں۔ ہاں شکر وہاں سیر ہو سکتا ہے لیکن وہ شکر بھی رضا کی ایک شاخ ہے۔ رضا سے علیحدہ نہیں اگر یہ پوچھیں کہ کبھی کامل و مکمل میں دنیاوی رغبت پائی جاتی ہے اور بعض ایسی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جو توکل کی منافی ہیں اور بے طاقتی جو منافی صبر ہے ظاہر ہوتی ہے اور کراہت جو رضا کی ضد ہے پائی جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان مقامات کا حاصل ہونا قلب و روح سے مخصوص ہے۔ خاص الخاص کو یہ مقامات نفس مطمئنہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں لیکن قالب اس بات سے محروم و بے نصیب ہے۔ اگرچہ جسم تیزی اور قوت کی وجہ سے مقتضی ہوتا ہے۔ ایک شخص نے شیخ شبلی علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کا موٹاپا منافی محبت ہے۔ آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

اَحَبَّ قَلْبِیْ وَمَا دَرٰی بَدَنِیْ وَلَوْ دَرٰی مَا اَقَامَ فِی السِّمَنِ

محبوب حقیقی سے میرے دل نے محبت کی میرے بدن کو وہ معلوم نہ ہوا اگر وہ بھی جانتا تو اتنا موٹا نہ ہو جاتا۔

پس اگر کوئی ایسی بات جو مقامات مذکورہ کے منافی ہو کسی کامل کے قالب میں ظاہر ہو تو وہ ضرر نہیں دے سکتی اور وہ اس بزرگ کے باطن کے لیے ان مقامات کے حصول میں خارج نہیں ہو سکتی۔ غیر کامل میں ان مقامات کے نقائص پورے طور پر ظاہر و باطن میں ظہور کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ظاہر و باطن میں دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور صورت و حقیقت میں منافی توکل ہوتا ہے اس قلب و قالب میں بے طاقتی اور گھبراہٹ ظاہر ہوتی ہے روح اور بدن میں کراہت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی باتیں ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا پردہ بنایا ہے اور

انہیں باتوں کی وجہ سے اکثر لوگ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رہتے ہیں اولیاء اللہ میں جو یہ باتیں پائی جاتی ہیں اس میں یہ حکمت ہے کہ حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی جو اس دنیا کی لازم بات ہے جو امتحان کا مقام ہے دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ ان کے لیے ترقی کا باعث ہے اگر اولیاء اللہ سے یہ باتیں بالکل مفقود ہو جائیں تو ان کی ترقی مسدود ہو جائے اور فرشتوں کی طرح مقیدرہ جائیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا.

منہیا: الٰہی یہ کیا بات ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کے باطن کو آب حیات بنا رکھا ہے کہ جس نے ایک قطرہ چکھا اسے حیات ابدی نصیب ہوگئی اور ان کے ظاہر کو زہر قاتل بنا رکھا ہے کہ جس نے اس کو دیکھا وہ ابدی موت میں گرفتار ہوا یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا باطن رحمت اور ان کا ظاہر زحمت ہے۔ ان کے باطن کو دیکھنے والا انہیں میں سے ہے اور انکے ظاہر کو دیکھنے والا بدکیش ہے بظاہر جو ہیں اور بحقیقت گیہوں بظاہر عوام بشر ہیں اور بباطن خواص ملک ظاہر میں زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر۔ ان کا ہم نشین بدبختی سے بچا ہوا ہے اور ان کا غمخوار سعادت مند ہے یہ لوگ گروہ الٰہی ہیں اور یہی لوگ اہل نجات و فلاح ہیں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

منہیا: حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ ان کے ظاہر کو بھی ان کے باطنی کمالات کی خبر نہیں۔ چہ جائے کہ غیر ان سے واقف ہوں ان کے باطن کو جو نسبت بے چونی و بے چگونی کے مرتبہ سے حاصل ہے وہ بھی بیچون ہے۔ ان کا باطن چونکہ عالم امر سے ہے اس واسطے بیچونی سے انہیں بھی حصہ حاصل ہے اور ظاہر جو سراسر چون ہے ان کے باطن سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے بلکہ قریب ہے کہ بسبب نہایت جہالت اور عدم مناسبت اس نسبت کے نفس حصول سے بھی انکار کر لے ہو سکتا ہے کہ حصول نسبت کے نفس کو جانے لیکن یہ نہ جانے کہ اس کا متعلق کون ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ اس کے حقیقی متعلق کو نفی کرتا ہے اور یہ ساری باتیں اس واسطے ہیں کہ یہ نسبت بہت اعلیٰ ہے اور ظاہر بہت ادنیٰ ہے خود باطن اس نسبت کا مغلوب ہوتا ہے اور دید و دانش سے گیا گزرا ہوتا ہے اسے کیا معلوم کہ کون رکھتا ہے اور کس سے رکھتا ہے اس واسطے معرفت سے عجز کے سوا اور کوئی معرفت کی راہ نہیں یہی وجہ ہے کہ

امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ'' معلوم کرنے سے عاجز آنا ہی معلوم کرنا اور ادراک کے نفس سے مراد وہ نسبت خاصہ ہے کہ جس کے ادراک سے عجز لازم ہے کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہوتا ہے نہ اسے ادراک معلوم ہوتا ہے نہ غیر اور نہ اسے حال کی خبر ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

منہا: ایک شخص صوفیوں کے لباس میں رہ کر بدعت اعتقادی میں مبتلا تھا۔ مجھے اس کے حق میں تردد تھا۔ اتفاقاً کیا دیکھتا ہوں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰات جمع ہیں اور متفق ہو کر اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ وہ ہم سے نہیں اسی اثنا میں مجھے ایک اور شخص کا بھی خیال آیا جس کے بارے میں میں متردد تھا۔ اس کے بارے میں تمام نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے ہے اللہ تعالیٰ انبیاء کے طعن اور ان کے حق میں بداعتقاد ہونے سے بچائے۔

منہا: مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ قرآن شریف میں جو قرب معیت اور احاطہ حق سبحانہ تعالیٰ کے الفاظ آتے ہیں یہ متشابہات قرآنی ہیں جیسے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ اسی طرح لفظ اول و آخر ظاہر و باطن وغیرہ گو ہم اللہ تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن قریب کے معنی نہیں جانتے کہ قرب کیا ہے اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اول سے مراد کیا ہے قرب و اولیت کے جو معنی ہمارے علم و فہم میں آتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے منزہ و برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف و شہود میں آسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اللہ تعالیٰ کا قرب و معیت جو بعض صوفیا نے بطریق کشف دریافت کیا ہے اور ان کشفی معنوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو قریب و مع جانتے ہیں ٹھیک نہیں بلکہ وہ مذہب مجسمہ میں قدم رکھتے ہیں بعض علما نے جو اس کی تاویل کی ہے اور قرب سے مراد علمی قرب لی ہے یہ ایسے ہے جیسے ید کی تاویل قدرت و وجہ سے کریں گو یہ مجوزان تاویل کے نزدیک جائز ہے لیکن ہم تاویل کو جائز قرار نہیں دیتے اس کی تاویل علم حق کے حوالے کرتے ہیں۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی.

منہا: میں وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کیا کرتا تھا اور کبھی پچھلے حصے میں ایک رات مجھ پر ظاہر کیا کہ تاخیر کی صورت میں ادائے وتر کی نیت سے جو نمازی سو جاتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں ادا کروں گا تو کراماً کاتبین رات بھر وتر ادا کرنے تک اس کی نیکیاں درج کرتے رہتے ہیں۔ پس وتر کی جتنی دیر سے ادا کریں اتنا ہی اچھا ہے باوجود اس بات کے مجھے

وتر کی تعجیل و تاخیر سے سوائے متابعت نبوی کے اور کچھ مقصود نہیں میں کسی فضیلت کو متابعت نبوی کے برابر نہیں سمجھتا۔ جناب سرور کائنات ﷺ وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کرتے تھے اور کبھی آخری حصے میں میں اپنی سعادت اس بات میں جانتا ہوں کہ کسی کام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تشبیہ حاصل کروں اگرچہ تشبیہ بحسب صورت ہی ہو لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری کی نیت کرتے ہیں اور دوسری باتوں کو دخل دیتے ہیں مجھے ان کی کوتہ اندیشی پر تعجب آتا ہے۔ ہم تو جو پھر متابعت کے بدلے ہزار شب بیداری کو بھی نہ خریدیں جب ہم ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں معتکف ہوتے تو یاروں کو بلا کر کہا کہ سوائے متابعت کے اور کچھ نیت نہ کرنا کیونکہ ہماری قطع تعلقی کچھ وقعت نہیں رکھتی ہم ایک متابعت کو سوگرفتاری سے قبول کرتے ہیں لیکن غیر متابعت سے ہزار قطع تعلق کو بھی قبول نہیں کرتے۔

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغست ‌ ‌ ‌ از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

اللہ تعالیٰ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہمارے نصیب کرے۔

منہا: ایک دفعہ میں چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے جناب سرور کائنات سے ہے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد کا رب ہے حاضرین یہ سن کر حیران رہ گئے لیکن مخالفت نہ کر سکتے تھے یہ بات رابعہ بصری علیہا الرحمتہ کی بات کا بالکل نقیض ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی یہ دونوں باتیں سکر سے ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے مگر رابعہ نے محض سکری کی حالت میں کہی ہے اور میں نے ہوش کے آغاز میں۔ اس کی بات صفات کے مرتبہ کے متعلق ہے اور میری مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی اس واسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں وہ ان پر سر بسر یا حیرت ہے یا جہل بلکہ اس مرتبہ میں بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے اور کسی طرح سے بھی اپنے آپ کو اس کی محبت کے لائق نہیں جانتا۔ محبت اور معرفت صرف صفات میں ہوتی ہے جسے محبت ذاتی کہتے ہیں اس سے مراد ذات احدیت نہیں بلکہ ذات معہ بعض اعتبارات ذات ہے پس رابعہؒ کی

محبت مرتبہ صفات میں ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّد الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْھَر۔

منہیا: علم کی شرافت معلوم کے شرف و رتبہ کے موافق ہوا کرتی ہے۔ معلوم جس قدر شریف ہوگا علم اسی قدر عالی ہوگا۔ پس باطنی علم جس سے صوفیا ممتاز ہیں۔ ظاہری علم سے جو علماء ظاہر کے نصیب ہے اشرف ہے جس طرح کہ علم ظاہری علم حجامت و کپڑا بننے سے اشرف ہے پس پیر کے آداب کا ملحوظ رکھنا جس سے علم باطن اخذ کیا ہو۔ علم ظاہری کے استاد کے آداب ملحوظ رکھنے سے بدرجہازیادہ ہے اسی طرح ظاہری علم کے استاد کا ادب حجام اور جولا ہے سے بدر جہازیادہ کرنا چاہئے۔ یہی فرق ظاہری علوم میں باہمی ہے چنانچہ صرف ونحو کے استاد سے علم کلام اور فقہ کا استاد افضل ہے اور علوم فلسفہ کے استاد سے صرف ونحو کا استاد افضل ہے کیونکہ علوم فلسفی معتبر علوم میں داخل نہیں اس واسطے کہ ان کے اکثر مسائل بیہودہ اور بے حاصل ہیں اور جو تھوڑے مسائل اسلامی کتابوں سے اخذ کیے ہیں ان میں بھی ایسے تصرفات کیے ہیں جو جہل مرکب سے خالی نہیں عقل میں ان کی بوتک نہیں نبوت کا طور اور ہے اور عقل نظری کا اور واضح رہے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق سے فائق ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حقوق کو چھوڑ کر دوسرے حقوق کو پیر کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں بلکہ سب کے حقیقی پیر جناب پیغمبر خدا ﷺ ہیں ظاہری ولادت اگرچہ والدین سے ہوتی ہے لیکن معنوی پیدائش پیر سے مخصوص ہے ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہوتی ہے اور حقیقی ولادت کی زندگی ابدی ہوتی ہے مرید کی باطنی پلیدی کو صاف کرنے والا پیر ہی ہے جو اپنے قلب و روح سے مرید کے باطن کی پلیدی کو صاف کرتا ہے اور اس کے معدے کو پاکیزہ بناتا ہے بعض طالبوں کو جب توجہ دی جاتی ہو تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کو صاف کرتے ہوئے صاحب توجہ پر بھی آلودگی اثر کرتی ہے اور دیر تک مکدر رکھتی ہے پیر ہی کے وسیلے سے انسان خدا رسیدہ ہوتا ہے یہ خدا رسید گی تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے افضل ہے پیر ہی کے وسیلے نفس امارہ سے جو بالذات خبیث ہے پاکیزہ ہو جاتا ہے اور امارگی کو چھوڑ کر اطمینان حاصل کرتا ہے اور ذاتی کفر ترک کر کے حقیقی اسلام اختیار کرتا ہے۔ مصرعہ گر بگویم شرح ایں بیحد شود پس اپنی سعادت پیر کی قبولیت میں خیال کرنی چاہئے اور اپنی بدبختی اس کے رد کرنے میں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ

ذٰلِکَ رضائے حق رضائے پیر کے پردہ پیچھے رکھی ہوئی ہے جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کے مرضیات میں گم نہیں کرتا حق تعالیٰ کی مرضیات تک نہیں پہنچتا مرید کی آفت پیر کو ناراض کرنے میں ہے اس کے بغیر جو خواری ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے لیکن پیر کی ناراضگی کا تدارک ناممکن ہے پیر کی ناراضگی مرید کے لیے بدبختی کی جڑ ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِکَ اس ناراضگی سے اسلامی معتقدات میں خلل اور احکام شریعہ کے بجا لانے میں فتور آ جاتا ہے باطنی احوال و مواجید کا تو کچھ پوچھو ہی نہیں اگر پیر کو ستانے کے بعد بھی احوال کا کچھ اثر رہے تو اسے استدارج سمجھنا چاہیے کیونکہ آخر اس کا نتیجہ خراب ہوتا ہے سوائے نقصان کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی.

منہیا: قلب عالم امر سے ہے اسے عالم خلق سے تعلق اور تعشق دے کر عالم خلق سے نیچے لایا گیا اور گوشت کے ٹکڑے سے جو بائیں طرف ہے خاص تعلق بخشا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کسی خاکروب پر عاشق ہو اور اس کے سبب سے اس خاکروب کے گھر رہے اور روح جو قلب سے زیادہ لطیف ہے۔ اصحاب یمین سے ہے اور تین لطیفوں سے جو لطیفہ روح سے اوپر ہیں خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا کے شرف سے مشرف ہیں جتنے زیادہ لطیفہ ہیں اتنے ہی وسط سے زیادہ مناسب ہیں صرف اتنی بات ہے کہ سر اور خفی اخفی کے دونوں طرف ہیں ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف نفس حواس کا مجاور ہے اس کا تعلق دماغ سے ہے۔ قلب کو ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ مقام روح اور اس کے روبرو کے مقام میں پہنچتا ہے اسی طرح روح اور اس کے مافوق کی ترقی ان سے بالائی مقامات سے وابستہ ہے لیکن ابتدا میں یہ وصول بطریق احوال ہوتا اور انتہاء میں بطریق مقام نفس کو اس وقت ترقی ہوتی ہے جب وہ مقام قلب میں ابتداء میں بطریق احوال اور انتہاء میں بطریق مقام پہنچ جائے۔ آخر کار یہ چھ لطائف مقام اخفی میں پہنچ جاتے ہیں اور تمام مل کر عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کا قصد کرتے ہیں اور لطیفہ قلب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن پرواز بھی ابتداء میں بطریق احوال ہوتی ہے اور انتہائی میں بطریق مقام وحی حاصل ہوتی ہے مرنے سے پہلے جس موت کی بابت کہا ہے اس سے مراد قلب سے انہیں چھ لطائف کی جدائی ہے قالب میں ان کی مفارقت کے بعد بھی حس، وحرکت رہتی ہے۔ اس بات کا بیان اور جگہ لکھا گیا ہے وہاں سے مطالعہ کرنا چاہیے اس کتاب میں اس

کی تفصیل کی گنجائش نہیں اس کتاب میں صرف اشارتاً اور کنایتاً باتیں درج ہیں یہ ضروری نہیں کہ تمام لطائف ایک مقام میں جمع ہو کر وہاں سے پرواز کریں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلب اور روح دونوں متفق ہو کر یہ کام کرتے ہیں کبھی تین کبھی چار مل کر یہ کام کرتے ہیں لیکن جب چھ مل کر پرواز کریں تو یہ نہایت اعلیٰ واکمل درجہ ہے اور ولایت محمدی ﷺ سے مخصوص ہے اس کے سوا جو ہے وہ ولایت کی ایک قسم ہے اگر وہ چھ لطائف قالب سے جدا ہونے کے بعد مقام وصول میں پہنچ کر اسی رنگ سے رنگے جائیں اور پھر قالب میں لوٹ آئیں اور جبی تعلق کے سوا اور کوئی تعلق پیدا کریں قالب کا حکم پیدا کریں ملنے کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کریں اور بطور مردہ ہو جائیں تو اس وقت خاص تجلی سے متجلی ہو جاتے ہیں۔ از سر نو زندگی پیدا کر کے مقام بقاء باللہ حاصل کرتے ہیں اور اخلاق الٰہی سے متخلق ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر وہ خلعت بخش کر پھر عالم میں بھیجے جائیں تو معاملہ نزدیک سے دور جا پڑتا ہے اور مقدمہ میں تکمیل پیدا ہوتا ہے اگر پھر جہان میں نہ بھیجیں اور قرب کے بعد بعد حاصل نہ ہو تو وہ اولیائے عزلت سے شمار ہوگا اور اس کے ہاتھ سے طالبوں کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل نہ ہوگی۔ یہ ہے کہانی بدایت و نہایت کی بطریق رمز و اشارہ لیکن اس کا سمجھنا بغیر ان منزلوں کو طے کیے محال ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

منہا: حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے اس کلام کے اجزاء نہیں ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے حق میں خاموشی یا گونگا پن کا ہونا محال ہے کوئی عجب نہیں کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی ساعت ہو کیونکہ وہاں زمانے کا دخل نہیں ایک گھڑی میں سوائے کلام واحد اور بسیط کے اور کیا وقوع میں آسکتا ہے اس کلام واحد سے کئی قسم کے کلام پیدا ہوتے ہیں جو بلحاظ تعلقات مختلف قسم کے ہیں۔ مثلاً اگر مامور کے متعلق ہے تو امر پیدا ہوا ہے اور اگر رکاوٹ کے متعلق ہے تو نہی نام پایا ہے۔ اگر رضا کے متعلق ہے تو خبر ہوگئی ہے آدم برسر مطلب۔ ماضی و مستقبل کی خبر دینا بہت سارے لوگوں کو شک میں ڈال دیتا ہے دلالت کرنے والے کا تقدم و تاخر مدلول کے تقدم و تاخر کو ظاہر کرتا ہے سو یہ کوئی شبہ نہیں کیونکہ ماضی و مستقبل دلالت کرنے والوں کی مخصوصہ صفات ہیں جو اسی گھڑی کے انبساط کے لحاظ سے پیدا ہوئی ہیں جب مرتبہ مدلول میں وہ گھڑی اپنی اصلی حالت پر ہے اور کسی قسم کا انبساط اس میں نہیں آیا تو پھر

ماضی و مستقبل کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے۔ ارباب معقول نے کہا ہے کہ ایک ہی ماہیت کے لیے بلحاظ وجود خارجی لوازمات علیحدہ ہیں اور بلحاظ وجود ذہنی صفات جدا پس جبکہ ایک ہی شے میں صفات ولوازمات کا فرق بلحاظ وجود و ہومیت کے تغائر کے جائز ہے تو دال و مدلول میں جو فی الحقیقت ایک دوسرے سے جدا ہیں بطریق اولیٰ جائز ہے اور یہ جو کہا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی گھڑی ہے یہ عبارت کی تنگی کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ وہاں تو اس کی گنجائش نہیں وہ بھی زمانے کی طرح یہاں تخیل ہے۔

واضح رہے کہ جو ممکن مقامات قرب الٰہی میں دائرہ امکان سے قدم باہر رکھتا ہے وہ ازل والا کو ملا ہوا پاتا ہے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج مقامات عروج میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا اور نوح علیہ السلام کے طوفان میں موجود اہل بہشت کو بہشت میں دیکھا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں۔ پانچ سو سال بعد جو آدھے دن کے برابر ہے بہشت میں داخل ہونے کے بعد ایک غنی صحابی عبدالرحمٰن بن عوف کو بہشت میں آتے ہوئے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے اپنے دشوار گزار راستوں کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ ایک گھڑی میں مشہود ہوا۔ اس میں ماضی و مستقبل کی گنجائش نہ تھی مجھ پر بھی حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ایک وقت یہ حالت طاری ہوئی تھی۔ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں اور ابھی انہوں نے سجدہ سے سر نہیں اٹھائے کہ ملائکہ علیین کو ان سجدہ کرنے والوں سے الگ دیکھا جنہیں سجدے کا حکم نہیں ہوا تھا وہ اپنے مشہود میں مستغرق تھے اور جن حالات کے آخرت میں گزرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اسی گھڑی میں دکھائی دیئے چونکہ مجھے اپنی قوت حافظہ پر پورا بھروسہ نہیں رہا لیکن اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ یہ حالت آنحضرت ﷺ کے وجود اور روح دونوں پر طاری ہوئی تھی اور آپ نے بصارت و بصیرت دونوں سے دیکھا۔ دوسرے جو طفیلی ہیں ان پر اگر بطریق تبعیت یہ حالت طاری ہو تو فقط روح پر ہوگی اور صرف بصیرت سے مشاہدہ کریں گے۔ ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔

درقافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بسکہ رسد زدور بانگ جرسم

عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا ۔

منہیا: تکوین واجب الوجود کی ایک حقیقی صفت ہے ابوالحسن اشعریؒ کے پیروکار تکوین کو ایک اضافی صفت جانتے ہیں جہاں کو وجود میں لانے کے لیے قدرت اور ارادہ ہی کو کافی خیال کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ تکوین ایک الگ حقیقی صفت ہے جو قدرت اور ارادت کے علاوہ ہے اس کا بیان یہ ہے کہ قدرت درحقیقت فعل وترک کی صحت ہے اور ارادہ قدرت کے دونوں پہلوؤں یعنی فعل وترک کی تخصیص ہے پس قدرت کا مرتبہ ارادہ کے مرتبہ سے مقدم ہے تکوین کا مرتبہ جسے ہم ایک حقیقی صفت خیال کرتے ہیں قدرت وارادت کے مرتبہ کے بعد ہے اس کا کام طرف تخصیص شدہ کو وجود میں لانا ہے۔ پس قدرت فعل کی مصحح ہے اور ارادت اس کی تخصیص کرنے والی تکوین اس کی موجد۔ پس قدرت اور ارادت کے علاوہ تکوین بھی ضروری ہے۔ اس کی مثال استطاعت مع الفعل کی طرح ہے جسے اہل سنت کے علماء نے بندوں میں ثابت کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ استطاعت قدرت کے ثبوت کے بعد ہے بلکہ ارادت کے متعلق اور ایجاد کی تحقیق کے بعد اسی استطاعت سے وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی موجب فعل ہے اور ترک کا پہلو وہاں مفقود ہے۔ صفت تکوین کو بھی یہی حالت ہے کہ ایجاد اس کے ساتھ بطریق ایجاب ہے لیکن یہ ایجاب واجب تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ قدرت کے حاصل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے اصل میں قدرت ہی فعل وترک کی صحت ہے نیز ارادہ کی تخصیص کے بعد تکوین ہے اور یہ بات حکماء فلسفہ کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا شرطیہ (اگر چاہے تو پیدا کرسکتا ہے) واجب الصدق ہے اور دوسرا شرطیہ (اگر نہ چاہے تو نہیں پیدا کرتا) ممتنع الصدق ہے۔ انہوں نے ارادت کی نفی کی ہے صریحاً ایجاب میں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے وہ ایجاب جو ارادت کے تعلق اور دونوں مقدوروں میں سے ایک کی تخصیص کے بعد پیدا ہو اس کے لیے اختیار لازمی امر ہے اس کی تاکید کرنے والا اختیار کا منافی نہیں۔ صاحب فتوحات یعنی شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کا کشف بھی حکماء کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے یعنی قدرت میں پہلے شرطیہ کو واجب الصدق اور دوسرے شرطیہ کو ممتنع الصدق جانا ہے اور یہ جاننا ایجاب ہے ایسی صورت میں ارادہ فضول معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں فعل یا ترک کی تخصیص کوئی بھی نہیں۔ ہاں اگر تکوین میں اس بات کو ثابت کریں تو گنجائش ہے کیونکہ وہ ایجاب کی ملاوٹ سے مبرا ہیں۔ یہ فرق بہت ہی باریک

ہے اس کے بیان کی جرات و سبقت بہت کم اشخاص نے کی ہے۔ گو علمائے ماترید یہ نے اس صفت کو ثابت کیا ہے لیکن اس قدر غور و خوض سے کام نہیں لیا سنت نبوی کی پیروی کے سبب وہ تمام متکلمین میں اس معرفت سے ممتاز ہیں یہ حقیر بھی ان بزرگوں کا خوشہ چین ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے حبیب کے صدقے ان کے معتقدات پر ثابت قدم رکھنا۔

منہا: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رویت آخرت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی رویت کا ہونا حق بات ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس کو سوائے اہلسنت و جماعت کے کسی اسلامی فرقہ یا حکما کے فلسفہ نے جائز نہیں مانا۔ ان کے انکار کا باعث حاضر پر غائب کا قیاس ہے اور ایسا قیاس برا ہے دکھائی دینے والی چیز جب بے مثل و بے مانند ہوگی اس پر ایمان لانا چاہیے۔ اس کی کیفیتوں میں مشغول نہیں ہونا چاہیے یہ بھید دنیا میں بھی خاص خاص اولیاء پر ظاہر کیا گیا ہے اگر چہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی ہے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مومن اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیں گے لیکن انہیں ادراک نہ ہوگا کیونکہ اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں صرف دو چیزیں دریافت کریں گے ایک علم یقین کہ دیکھتے ہیں اور دور سے حظ و لذت جو رویت سے حاصل ہوگا سوائے ان دو چیزوں کے باقی تمام لوازمات دید مفقود ہوں گے یہ مسئلہ علم عقائد کا نہایت ہی دقیق مسئلہ ہے عقل اس کے اثبات و تقدیر میں عاجز ہے۔ صرف انبیاء کے پیرو کار علماء صوفیاء نے اس نور فراست سے جو انوار نبوت سے مقبس ہے دریافت کیا ہے اسی طرح سے علم کلام کے اور مسائل کا حل ہے جن کے ثابت کرنے میں عقل عاجز و متحیر ہے علمائے اہل سنت کو صرف نور فراست حاصل ہے صوفیا کو نور فراست بھی ہے اور کشف و شہود بھی۔ کشف و فراست میں وہی فرق ہے جو بدیہی اور حسی میں ہے فراست نظریات جن کے لیے دلیل کی ضرورت ہے بدیہات بناتی ہے اور کشف نظریات کو حسیات بناتا ہے اور جن مسائل کے اہلسنت قائل ہیں اور ان کے مخالف جن کا دارومدار صرف عقل پر ہے ان مسائل کے منکر ہیں۔ وہ تمام مسائل اسی قسم کے ہیں جو نور فراست سے معلوم ہوتے ہیں اور کشف صحیح سے دیکھنے میں آئے ہیں مگر ان مسائل کو واضح طور پر بیان کیا جائے تو اس سے مقصود تصویر و تنبیہ ہے نہ کہ نظر و دلیل سے ان کا اثبات کیونکہ عقلی نظر ان کے اثبات و تصویر میں اندھی ہے مجھے ان علماء پر تعجب آتا ہے جو ان مسائل کو دلائل سے ثابت کرنا اور

مخالفوں کے لیے حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ نہ ہی یہ ان سے ہو سکتا ہے اور نہ ہو وہ اسے سرانجام دے سکتے ہیں اس واسطے مخالف خیال کرتے ہیں کہ ان کے مسائل بھی ان کے استدلات کی طرح بودے وادھورے ہیں۔ مثلاً علمائے اہلسنت نے استطاعت مع الفعل کو ثابت کیا ہے۔ یہ مسئلہ ایک سچا مسئلہ ہے جو نور فراست اور کشف صحیح سے معلوم ہوتا ہے لیکن جو دلائل اس کے ثبوت میں بیان کیے ہیں اور سراسر بودے اور ناکمل ہیں۔ ان کی سب سے زبردست دلیل یہ ہے کہ جوہر کے مقابلہ میں عرض کو دو زمانوں میں عدم بقا ہے کیونکہ اگر عرض باقی ہو تو لازم آتا ہے کہ عرض عرض سے قائم ہو اور یہ محال ہے چونکہ اس دلیل کو مخالفوں نے بودی اور ادھوری خیال کیا ہے اس واسطے ان کا یقین ہو گیا ہے کہ یہ مسئلہ بھی ادھورا ہے لیکن مخالفوں کو یہ معلوم نہیں کہ اہل سنت کا رہنما اس مسئلہ اور اسی قسم کے اور مسائل میں نور فراست ہے جو انوار نبوت سے حاصل کیا گیا ہے لیکن یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم حدسی و بدیہی کو مخالفوں کی نظروں میں نظری بناتے ہیں اور تکلف سے اس کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب۔ ہماری حدسی و بدیہی مخالفوں کے لیے حجت نہیں اور نہ بھی ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ ہمارا کام صرف اطلاع دینا اور پہنچانا ہے جس میں مسلمانی کی علامات ہیں وہ خود بخود اختیار قبول کرے گا اور جو بے نصیب ہے وہ انکار کرے گا علماء اہلسنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیا ہی عمدہ ہے جنہوں نے صرف مقاصد پر اکتفا کیا ہے اور فلسفی بدباریکیوں اور نکتہ چینیوں سے بالکل روگردانی کر لی ہے فلسفیوں کی طرح نظر واستدلال کا طریقہ علماء اہل سنت و جماعت میں شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ اس کا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح اہل سنت کے معتقدات کو فلسفی دلائل سے ثابت کرے ایسا کرنا مشکل ہے بلکہ ایک طرح سے مخالفوں کو اکابر دین پر طعن کرنے کی جرات دلانا اور طریق سلف کو ترک کرنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان اہل حق کے معتقدات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے جنہوں نے انوار نبوت عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا سے نور حاصل کیا ہے۔

منہا: میں اس آیۂ کریمہ "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" کے مطابق اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کرتا ہوں کہ مجھے علم کلام کے متعلقہ معتقدات کا یقین اہل سنت و جماعت کی رائے کے موافق عطا ہوا ہے اور یقین آ گیا ہے کہ اس کے مقابلے میں یقینی یقین بھی جو سب سے بہتر اور

ظاہر تر بدیہیات کی نسبت حاصل ہوا ہے ظن بلکہ وہم معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً جب میں علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل شدہ یقین کا مقابلہ اس یقین سے کرتا ہوں جو وجود آفتاب کی نسبت مجھے حاصل ہے اول الذکر کو موخر الذکر کی نسبت یقین جانتا ہوں ارباب عقل خواہ اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں بلکہ بالضرور قبول نہیں کریں گے کیونکہ یہ بات عقل سے پرے ہے۔ ظاہر میں عقل کو اس مقام سے سوائے انکار کے اور کچھ حاصل نہیں اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یقین دل کا کام ہے اور وہ یقین جو دل کو آفتاب کے وجود کی طرح حاصل ہوتا ہے وہ حواس خمسہ کے وسیلے سے ہوتا ہے جو بمنزلہ جاسوس ہیں اور جو یقین دل کو علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل ہوا ہے اس میں ان حواس خمسہ میں سے کسی ایک کا بھی دخل نہیں بلکہ یہ یقین جناب باری سے بطریق الہام بلا واسطہ ہوا ہے۔ پس پہلا یقین بمنزلہ علم الیقین ہے اور دوسرا بمنزلہ عین الیقین۔ سو علم الیقین اور عین الیقین میں بڑا فرق ہے۔ مصرعہ۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

منہا: جب محض فضل الٰہی سے طالب کا سینہ تمام مرادات سے خالی ہو جاتا ہے اور سوائے حق کے اور کوئی اسے خواہش نہیں رہتی تو اس وقت وہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے جو اس کے پیدا کرنے سے تھا اور وہ حقیقی بندگی بجالاتا ہے بعدازاں اگر چاہتے ہیں تو اسے ناقصوں کی تربیت کے لیے واپس کرتے ہیں اور اپنے پاس سے اسے ارادہ عطا فرماتے ہیں اور اختیار عنایت کرتے ہیں جس کے سبب سے وہ قولی اور فعلی تصرفات میں مجاز ومختار ہوتا ہے جیسا کہ اذن دیا ہوا غلام مقام تخلق باخلاف اللہ میں صاحب ارادہ جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے واسطے چاہتا ہے نہ کہ اپنے لیے اور دوسروں کی مصلحتیں اس کے مدنظر ہوتی ہیں نہ کہ اپنے نفس کی جیسا کہ واجب تعالیٰ کا حال ہے کہ جو کچھ کرتا ہے مخلوق کی خاطر کرتا ہے یہ نہ ضروری ہے اور نہ جائز کہ جو کچھ یہ صاحب ارادہ چاہے ظہور میں آئے کیونکہ ایسا ہونا شرک ہے اور بندگی اس کی برداشت نہیں کرسکتی چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا "اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ" جسے تو چاہے ہدایت نہیں کرسکتا جسے اللہ تعالیٰ چاہے اسے ہدایت کرتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ توقف میں پڑے تو دوسروں کی کیا ہستی ہے نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب ارادہ کی تمام مرادیں مرضی حق کے مطابق ہوں اگر ایسا

ہوتا تو جناب باری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نازل نہ ہوتا۔ قولہ تعالیٰ ما کان لنبی الخ اور معافی کی گنجائش نہ ہوتی قولہ تعالیٰ ''عَفَا اللّٰہُ عَنکَ'' اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کیا۔ معافی ہمیشہ تقصیرات میں ہوتی ہے۔ تمام مرادات حق مرضیات حق نہیں مثلاً کفر و گناہ۔

منہیا: اس کام میں میرا امام کلام اللہ اور میرا پیر قرآن مجید ہے اگر قرآن شریف کی ہدایت نہ ہوتی تو حقیقی معبود کی عبادت کی راہ نہ کھلتی۔ اس راہ میں ہر ایک لطیف و الطف انا اللہ پکار کر سالک راہ کو اپنی پرستش میں کر لیتا ہے اگر چوں ہے تو اپنے آپ کو بیچوں ظاہر کرتا ہے اگر تشبیہ ہے تو تنزیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے یہاں امکان اور وجوب آپس میں خلط ملط اور حدوث و قدم گڈمڈ اگر باطل ہے تو حق کی صورت میں اظہار ہے اگر گمراہی ہے تو ہدایت کی شکل میں نمودار ہے بیچارہ سالک اندھے مسافر کی طرح ہے کہ ہر ایک کو'' ھذا ربی'' یہی میرا پروردگار ہے۔ لکھتا آتا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے آپ کو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور مشرق و مغرب کا پروردگار بتاتا ہے جب مجھے عروج کے وقت یہ خیالی معبود پیش کیے گئے تو میں نے سب سے انکار کیا اور سب زائل ہو گئے اس واسطے میں نے لا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ میں غروب و زائل ہونے والوں سے پیار نہیں کرتا کہتے ہوئے سب سے منہ پھیرا اور سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کو قبلہ توجہ نہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس بات کی ہدایت کی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ کرتا تو کبھی سیدھی راہ پر نہ آتے ہمارے پروردگار کے رسولؑ سب سچے ہیں جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں سچ اور حق ہے۔

منہیا: ہم چار شخص اپنے خواجہ صاحب کی ملازمت میں باقی تمام یاروں سے ممتاز تھے۔ ہم چاروں کا اعتقاد خواجہ صاحب کی نسبت الگ الگ تھا اور ہمارا معاملہ بھی ایک دوسرے سے نرالا تھا۔ میرا یہ یقین تھا کہ اس قسم کی صحبت و اجتماع اور اس طرح کی تربیت اور ارشاد جناب سرور کائنات ﷺ کے زمانے کے بعد کبھی میسر نہیں ہوتی اس نعمت کا شکر بجالایا کرتا تھا کہ مجھے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف تو حاصل نہیں ہوا لیکن اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ ہمارے خواجہ صاحب نے باقی تین کے احوال کی نسبت یوں فرمایا کہ فلاں شخص مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد خیال نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل کے مرتبے سے زیادہ ہے دوسرے کی نسبت فرمایا کہ اس کا ہم سے کچھ

سروکار نہیں۔ تیسرے کی نسبت فرمایا کہ وہ ہمارا منکر ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔ واضح رہے کہ مرید کو اپنے پیر سے جو محبت ہوتی ہے اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کے سبب کی مناسبت کا نتیجہ پیر کو افضل اور اکمل جاننا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ پیر کو ان لوگوں سے افضل نہ جانے جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے کیونکہ ایسا کرنا افراط میں داخل ہے اور اچھا نہیں شیعہ لوگوں کی خرابی محض اہل بیت کی محبت کی افراط سے ہوئی ہے اور عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افراط محبت سے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اسی واسطے ابدی نقصان میں مبتلا ہیں لیکن اگر ان کے سوا فضیلت دے تو جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب ہے یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار میں نہیں بلکہ اگر مرید سعادت مند ہے تو خود بخود بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے وسیلے پیر کے کمالات کو حاصل کرتا ہے اگر یہ فضیلت دینا مرید اپنے اختیار اور تکلف سے پیدا کرے تو جائز نہیں اور نہ اس کا کچھ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

منہا: نفی و اثبات میں اعلیٰ درجہ لا الہ الا اللہ کے کلمہ طیبہ میں یہ ہے کہ جو کچھ دید و دانش اور کشف و شہود میں آئے خواہ وہ محض تنزیہ و بے کیف ہو سب کچھ لا کی تحت میں داخل ہو اور اثبات کی جانب میں سوائے اللہ کہنے کے جو دل کی موافقت سے کہا جائے اور کچھ نصیب نہ ہو۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ.

منہا: قرآنی حقیقت اور کعبہ ربانی کی حقیقت دونوں حقیقت محمدی سے اوپر ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنی حقیقت حقیقت محمدی کی امام اور کعبہ ربانی کی حقیقت حقیقت محمدی کا سجود ہے باوجود اس بات کے کہ کعبہ ربانی کی حقیقت قرآنی حقیت سے بڑھ کر ہے وہاں سر بسر بے صفتی اور بے رنگی ہے اور شیون و اعتبارات کی وہاں گنجائش نہیں تنزیہ و تقدیس کی وہاں مجال نہیں۔ مصرعہ آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان است۔ یہ ایسی معرفت ہے جس کے بارے میں کسی اہل اللہ نے لب کشائی نہیں کی اور رمز و اشارے کے طور پر بھی اس کے متعلق بات نہیں کی۔ مجھے اس معرفت عظمیٰ سے مشرف کیا ہے اور آبنائے جنس میں ممتاز فرمایا ہے یہ سب کچھ حبیب خدا صلی اللہ و آلہ وسلم کے صدقے مجھے نصیب ہوا ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح چیزوں کی صورتوں کا مسجود کعبہ کی صورت ہے اسی طرح ان اشیاء کے حقائق کا مسجود حقیقت کعبہ ہے میں ایسی عجیب بات بیان کرتا ہوں جسے نہ کسی نے کہا نہ سنا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی اس واسطے میں لوگوں کو اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ اس کے فضل و کرم سے ہے کہ جناب سرور کائنات ﷺ کے عہد مبارک سے کچھ اوپر ہزار سال بعد ایسا زمانہ آرہا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے مل کر ایک ہو جائے اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو اور وہ ذات احد کا مظہر بنے اور دونوں مبارک نام مسمی کو حاصل ہوں اور پہلا مقام حقیقت محمدی سے خالی ہو جائے جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں اور شریعت محمدیہ پر عمل کریں۔ اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت محمدی کے خالی شدہ مقام میں قرار کرے گی۔

منہا: اگر کلمہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ نہ ہوتا تو جناب باری کی راہ کون دکھاتا اور توحید کے چہرہ پر سے نقاب کون اٹھاتا اور جنت کے دروازے کون کھولتا۔ بکثرت صفات بشریت اس لا کے کدال سے اکھیڑی جاتی ہیں اور بے شمار تعلقات اس نفی کے تکرار کی برکت سے دور ہوتے ہیں۔ اس کلمہ کی نفی باطل معبودوں کو مات کرتی ہے اور اس کلمہ کا اثبات معبود حقیقی کو ثابت کرتا ہے۔ سالک اس کی مدد سے امکانی مدارج طے کرتا ہے اور عارف اس کی برکت سے وجوبی معارج پر چڑھتا ہے یہ کلمہ طیبہ ہی ہے جو تجلیات افعال سے تجلیات صفات میں پہنچاتا ہے اور پھر تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک لے جاتا ہے۔

تا بجا روب لا نروبی راہ نرسی در سرائے الا اللہ

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

منہا: مخدومی شیخ شرف الدین منیری اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ معوذتین کو نماز میں نہیں پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کی قرآنیت میں جمہور کے مخالف ہیں۔ پس ان دونوں سورتوں کی قرات کو فرض قطعی میں شمار نہیں کرنا چاہئے میں بھی نہیں پڑھتا حتیٰ کہ ایک روز اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ گویا معوذتین موجود ہیں اور مخدوم شرف الدین کی شکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرض میں ان کی قرات کو کیوں ترک کیا گویا ہمیں قرآن

شریف سے نکالا ہے تب سے میں نے ان کا پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ نماز فریضہ میں پڑھنے لگا جب ان دونوں سورتوں کو نماز فریضہ میں پڑھتا ہوں تو عجیب و غریب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں واقعی جب علم شریعت کی طرف رجوع کیا جائے تو ان دو سورتوں کو نماز فریضہ میں نہ پڑھنے کے لیے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس متفق علیہ حکم کی قطعیت میں شبہ ڈالنا ہے کہ جو کچھ دفتین کے اندر ہے وہ قرآن ہے جب سورہ فاتحہ سے سورہ کا ملانا واجب ہے پس دونوں سورتوں کا پڑھنا خواہ وہ بالفرض و محال خواہ ظنی ہی ہوں کوئی وجہ نہیں کہ انہیں فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے مجھے تو شیخ کے اس کلام پر سخت تعجب آتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْهَرِ۔

منہیا: اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ سنت نبوی کے موافق عمل حاصل ہو اور بدعت سے بچنا خاص کر ایسی بدعت سے جس سے سنت رفع ہوتی ہو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا فَهُوَ رَدٌّ'' جو نئی بات اس دین میں نکالی جائے وہ رد ہے ان لوگوں پر مجھے تعجب آتا ہے کہ دین میں حالانکہ وہ مکمل اور پورا ہے نئی شاخیں نکالتے ہیں اور ان سے دین متین کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں اور اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کہیں ان بدعتوں سے سنت رفع نہ ہو جائے مثلاً شملہ دونوں کندھوں کے بیچ رکھنا سنت ہے لیکن بہت سوں نے شملے کو بائیں طرف لٹکانا اختیار کیا ہے اس عمل سے وہ مردوں سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اس معاملہ میں ان کی پیروی کی ہے یہ فعل سنت سے بدعت ہیں اور بدعت سے حرمت تک پہنچاتا ہے کیا جناب سرور کائنات سے مشابہ ہونا اچھا ہے یا مردوں سے۔ جناب سرور کائنات ہی مرنے سے پہلے موت سے مشرف ہوئے ہیں اگر مردے ہی سے تشبیہ درکار ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرو اور عجب بات یہ ہے کہ مردے کو عمامہ پہنانا ہی بدعت ہے چہ جائے کہ شملہ چھوڑا جائے بعض متاخرین نے جو عالم کی میت کے لیے عمامہ کو جائز قرار دیا ہے۔ میری رائے میں زیادتی ہے اور زیادتی نسخ اور نسخ عین رفع۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متابعت سنت نبوی پر ثابت قدم رکھے اور آمین کہنے والے بندے پر رحم کرے۔

منہیا: صوفیوں کے طریق بلکہ مذہب اسلام سے حظ وافر اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں تقلید کی فطرت اور متابعت کی جبلت زیادہ ہو یہاں کام کا دارومدار تقلید پر ہے۔ اسی مقام پر کام متابعت سے وابستہ ہے انبیاء علیہم السلام کی تقلید اعلیٰ درجات پر پہنچاتی ہے اور نیک لوگوں

کی متابعت اعلیٰ عروج پر پہنچاتی ہے امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں چونکہ یہ فطرت زیادہ تھی اس لیے بلا توقف تصدیق نبوت کی سعادت حاصل کی اور صدیقوں کے سردار بن گئے۔ ابوجہل لعین میں چونکہ تقلید اور متابعت کا مادہ کم تھا اس واسطے اس سعادت سے مشرف نہ ہوا اور ملعونوں کا پیشوا بن گیا مرید کو جو کمال حاصل ہوتا ہے اپنے پیر کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے ۔ پیر کی خطا مرید کے صواب سے بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جناب سرور کائنات ﷺ کے سہو کو طلب کرتے تھے "یَالَیْتَنِیْ سَھْوُ مُحَمَّدٍ" کاش مجھے محمد کا سہو نصیب ہو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے حق میں فرمایا ہے "سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَاللہِ شِیْنٌ" " بلال عجمی تھے۔ اس لیے اذان میں بجائے اشھد کے اسھد کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اسھد اشھد ہے۔ پس بلالؓ کی خطا دوسروں کی درستی سے بہتر ہے مصرعہ ۔"براشھد تو خندہ زند اسھد بلال"۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے جو فرماتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اور جن میں مشائخ سے اتفاقاً غلطی ہوگئی ہے اور تلفظ بگڑ گیا ہے اگر ان کے تابعین اور پیر اپنے مشائخ کی طرح پڑھیں تو تاثیر ہوتی ہے اگر درست کر کے پڑھیں تو تاثیر نہیں ہوتی۔ یا اللہ ہمیں انبیاء کی تقلید اور اولیاء کی متابعت پر بحرمت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت قدم رکھنا۔

منہا: ایک روز جنوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جن گلی کوچوں میں عام آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں اور ہر ایک جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے کہ وہ جن اس موکل کے ڈر کے مارے سر نہیں اٹھا سکتا اور دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتا۔ قیدیوں اور گرفتاروں کی طرح چل رہے ہیں ان میں مخالفت کی مجال بالکل نہیں۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ان سے کچھ ظہور میں آتا ہے۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا موکل کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے کہ اگر جن ذرا بھی مخالفت کرے تو ایک ہی چوٹ سے ان کا کام تمام کر دے۔

خدائے کہ بالا و پست آفرید　　　　زبردست ہر دست دست آفرید

منہا: عوام الناس تو درکنار تمام مرسلوں کے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردار ہیں اگرچہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو حسب درجہ مقام تجلی ذات سے کچھ حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ اِصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ

اَیْ لِذَاتِیْ اور حضرت عیسیٰ السلام روح ہیں اور آپ کا کلمہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمہ سے بہت کچھ مناسبت رکھتا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حالانکہ مقام تجلی صفات میں ہیں۔ پھر بھی تیز چشم اور دور بین ہیں جو خاص شان ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو تجلی ذات کے مقام میں نصیب ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تجلی صفات کے مقام میں حاصل ہوگئی لیکن استعداد دونوں کی مختلف ہے۔ پس اس لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں سے افضل ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہے آپ ان کی نسبت تیز نظر اور دور بین ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ آپ کا مقام مقام صفات میں اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے اوپر ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مقام میں خاص شان حاصل ہے اور آپ کو نظر کی وہ تیزی حاصل ہے جو دوسروں کو میسر نہیں لیکن آپ کی اولاد کرام کو بھی بطور تبعیت وفرعیت اس مقام سے حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے ان باتوں کے الہام سے سرفراز فرمایا علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

منہیا: جس سالک کی سیر اسماء وصفات کی تفصیل میں ہو اس کا ذات حق تک پہنچنا بند ہو جاتا ہے کیونکہ اسماء وصفات کی کوئی انتہاء نہیں نہ یہ ختم ہوتے ہیں نہ وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے کہ مراتب وصول کی کوئی انتہا نہیں اس واسطے کہ محبوب کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں۔ یہاں وصول سے مراد اسمائی وصفاتی وصول ہے۔ سعادت مند وہ شخص ہے جس کی سیر اسماء وصفات میں بطریق اجمال واقع ہوئی ہے اور جلدی خدا رسیدہ ہوگیا ہے۔ واصلان ذات جب نہایت النہایت پر پہنچتے ہیں تو دعوت کے لیے ان کا واپس آنا لازم ہے اور وہاں سے واپس نہ آنا محال ہے برخلاف اس کے متوسط کے جب اپنی استعداد کے موافق آخری مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کے لیے واپس آنا لازم نہیں ہوسکتا ہے کہ واپس آئیں یا وہیں ٹھہرے رہیں۔ پس منتہی کے وصل کے مراتب ختم ہو جاتے ہیں بلکہ لازم ہے کہ پورے ہو جائیں لیکن متوسطوں کے وصول کے مراتب کی جو اسمائی وصفاتی تفصیل میں سیر کرتے ہیں کوئی انتہا نہیں یہ علم بھی میرا مخصوص علم ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ.

منہیا: مقام رضا مقامات ولایت سے بڑھ کر ہے یہ مقام تمام سلوک وجذبہ طے کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے اگر یہ پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اور اس کے افعال سے رضا واجب ہے اور نفس رضا میں ماخوذ جس سے عام مومنوں کو چارہ نہیں تو پھر سلوک و جذبہ کے تمام پر اس کے حصول کے کیا معنی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر رکن ایمان کی صورت و حقیقت ہے اسی طرح رضا کی بھی صورت ہے شروع میں صورت کا وجود ہوتا ہے اور آخر میں حقیقت حاصل ہوتی ہے جب منافی رضا ظاہر نہ ہو تو ظاہر شریعت حصول رضا کا حکم فرماتی ہے لیکن تصدیق قلبی کے طور پر کہ جب کوئی بات منافی تصدیق نہ پائی جائے تو تصدیق حاصل ہو جاتی ہے اور ہم رضا کی صورت و حقیقت کے در پے ہیں۔ اَللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ۔

منہیا: ولی کو جو کمال حاصل ہوتا ہے یا جس درجے پر پہنچتا ہے اپنے نبی کے طفیل پہنچتا ہے اگر متابعت نبوی نہ ہوتی تو نفس ایمان ظاہر نہ ہوتا اور اعلیٰ درجات کی راہ نہ کھلتی پس اگر ولی کو کوئی جزوی فضل حاصل ہو جو نبی کو حاصل نہیں تھا اور کوئی ایسا خاص درجہ مل جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا تو نبی کو بھی اس جزوی فضل اور اس خاص درجہ سے حصہ ملتا ہے کیونکہ ولی کو وہ کمال اس نبی کی متابعت سے حاصل ہوا ہے اور یہ اس کی سنت کی پیروی کا ایک نتیجہ ہے پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے پورا حصہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ ''مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا'' جس نے کوئی نیک طریقہ جاری کیا اسے اس طریقے پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملتا ہے لیکن اول اس کمال کے حصول میں سابق ہے اور اس درجہ کے وصول میں مقدم اس قسم کی فضیلت ولی کو نبی پر جائز ہے جو جزئی ہو جو کلیۃً معارض نہ ہو۔ صاحب فصوص (شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ) نے جو فرمایا ہے کہ خاتم انبیاء علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے اس سے مراد یہی معرفت ہے۔ جس سے مجھے ممتاز فرمایا گیا ہے اور جو سراسر شریعت کے موافق ہے۔ فصوص کے شارحین نے اس کی تصحیح میں تکلف سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ خاتم ولایت خاتم نبوت کا خزانچی ہوتا ہے اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کچھ لے تو نقص لازم نہیں آتا۔ اصل حقیقت وہی ہے جو میں نے تحقیق کی ہے۔ انہوں نے یہ تکلف اس واسطے کیا ہے کہ معاملہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اللہ تعالیٰ امور کی اصل حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْھَرِ۔

منہا: ولی کی ولایت اس کے نبی کی ولایت کا جزو ہوتی ہے۔ ولی کو خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجات حاصل ہو جائیں پھر بھی وہ درجات اس نبی کے درجات کا جزو ہوتے ہیں۔ جز خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے پھر بھی کل سے کم ہی رہے گا کیونکہ "کل ہمیشہ اپنے جزو سے بڑا ہوتا ہے" ایک بدیہی قضیہ ہے وہ شخص احمق ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ جزو کل سے بڑا ہوتا ہے اور یہ کل ایک جزو ہے۔

منہا: اللہ تعالیٰ کی صفات واجبی تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی صفات اضافی ہیں۔ مثلاً خالقیت اور رزاقیت دوسری حقیقی مثلاً زندگی اس میں اضافی ہرگز ملاوٹ نہیں اضافت سے ہماری مراد جہان کا لگاؤ ہے۔ تیسری قسم تمام اقسام سے افضل ہے اور اس میں تمام اقسام جمع ہیں۔ یہ امہات صفات سے ہے۔ علم کی صفت باوجود جامعیت کے صفت حیات کی تابع ہے۔ صفات و شیونات کا دائرہ حیات پر جا ختم ہوتا ہے۔ وصول مطلوب کا دروازہ یہی ہے چونکہ صفت حیات صفت علم سے بڑھ کر ہے اس واسطے ضروری ہے کہ مراتب علم طے کرنے کے بعد اس تک پہنچیں علم یا ظاہری ہوتا ہے یا باطنی یا شریعت کا ہوتا ہے یا طریقت کا بہت ہی کم اشخاص اس دروازے میں داخل ہوئے ہیں صرف کوچوں کے پیچھے سے اندر دیکھتے ہے ایسے دیکھنے والے بھی نہایت ہی کم ہیں اگر اس بھید کی رمز ظاہر کردوں تو گلا کٹ جائے۔

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا اَيْدِقُّ صِفَاتُهٗ وَمَا كَتْمُ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

منہا: حضرت حق سبحانہ تعالیٰ مثل سے منزہ ہے۔ کوئی چیز اس کی مانند نہیں لیکن مثال کو جائز قرار دیا ہے اور مثل تجویز کی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے مثل اعلیٰ ہے ارباب سلوک اور اصحاب کشوف کو مثال سے تسلی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو چون کی مثال سے دکھاتے ہیں اور وجوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں بے چارہ سالک مثال کو عین صاحب مثال خیال کرتا ہے اور صورت کو عین ذی صورت یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو چیزوں میں دیکھتا ہے اور اس احاطہ کی مثال کو جہان میں مشاہدہ کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ احاطہ میں حق کی حقیقت دکھائی دے رہی ہے لیکن دراصل ایسا نہیں بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ بیچون وبیچگون ہے اور نہ وہ شہود میں آسکتا ہے اور نہ کسی پر ظاہر ہوسکتا ہے۔ اس

بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا احاطہ کیا ہے اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ اس احاطہ کی شبہ اور مثال ہے نہ کہ حقیقت بلکہ اس کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا قرب و معیت کس طرح کے ہیں۔ ممکن ہے کہ جو حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے۔ یَتَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکًا ہمارا پروردگار ہنستا ہوا ظاہر ہوا۔ یہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلحاظ صورت مثالی فرمایا ہو کیونکہ شاید کمال رضا کے حصول کو مثال میں بصورت خندہ دکھایا ہو اور ہاتھ چہرے قدم اور انگلیوں کا اطلاق بھی صورت مثالی کے لحاظ سے ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سکھایا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ بَارِکْ۔

منہیا: اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی عبارات میں جو آپ نے احوال و مواجید اور علوم و معارف کے بیان میں لکھی ہیں کسی قسم کا تناقض یا تدافع معلوم ہو تو یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ واقعی ایک دوسرے کے نقیض ہیں بلکہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ مختلف اوقات میں مختلف وضع پر یہ عبارات لکھی گئی ہیں کیونکہ ہر وقت احوال و مواجید مختلف ہوا کرتے ہیں اور ہر ایک وضع میں علوم و معارف جدا ہیں۔ پس درحقیقت یہ تناقض اور تدافع نہیں اس کی مثال احکام شرعیہ کی طرح ہے کہ نسخ و تبدیل کے بعد متناقض احکام جاری ہوتے ہیں۔ جب اوقات و اوضاع کے اختلاف کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو وہ تناقض و تدافع اٹھ جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حکمت ہے۔ اس میں عین حکمت و مصلحت ہے کسی قسم کا شک نہ کرنا۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ بَارِکْ۔

فَاغْفِرْلِنَا شِدِھَا وَاغْفِرْلِقَارِئِھَا

سَئَلْتُکَ الْخَیْرَ یَا ذُاالْجُوْدِ وَالْکَرَمِ

آمین

☆☆☆

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ ، معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دور کیا جائے۔

شکریہ!

(ادارہ)